تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جلد ثانی

کتاب الطہارۃ و کتاب الصلوٰۃ

مکتبہ اویس القرنی
کراچی - پاکستان

تحفۃ المنعم

شرح اردو

صحیح مسلم

جلد ثانی

کتاب الطہارۃ - کتاب الحیض - کتاب الصلوٰۃ

تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ اویس القرنی رضی اللہ عنہ

کراچی - پاکستان

نام کتاب: تحفۃ المنعم شرح صحیح مسلم جلد ۲

مصنف : مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم

ضخامت : ۷۲۰ صفحات

طبع : اوّل

سن طباعت: جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق مئی ۲۰۱۲ء

ناشر : مکتبہ اویس القرنی

کراچی-پاکستان

فون : 03122022255
03332411115

ای میل : moa.pk@hotmail.com

ویب سائٹ: http://www.moa.com.co

مکتبہ امام محمدؒ بنوریؒ ٹاؤن کراچی	اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ لدھیانوی، بنوریؒ ٹاؤن کراچی	مکتبۃ العرب، بنوری ٹاؤن کراچی
ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی	مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی	مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
سعدی کتب خانہ گلشن اقبال، بلاک ۲ کراچی،	ممتاز کتب خانہ قصہ خوانی پشاور

فہرست مضامین

	مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	مضامین	

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا ۔

(الحدیث طبرانی)

انتساب

میں اپنی اس محنت شاقہ کو اپنی مادرِ علمی اور عالمی مرکزِ علمی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں

جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے محدث العصر حضرتِ اقدس حضرت مولانا محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ

اور صدر مدرس حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمہ اللہ سے

احادیث مقدسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی
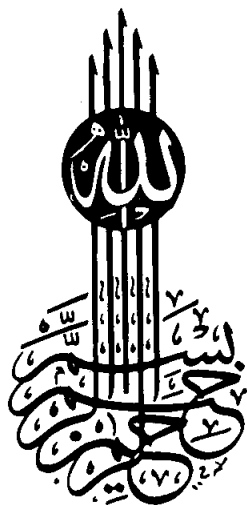
وَمِن مَذہَبِی حُبُّ النَّبِیِّ وَکَلَامِہٖ
وَلِلنَّاسِ فِیمَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاھِبُ

روزِ محشر ہر کسے باخویش دارد توشہ
من نیز حاضر میشوم "تشریح" مسلم در بغل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الطهارة

پاکیزگی کا بیان

نوٹ: الحمدللہ جل جلالہ آج ۹ رمضان ۱۴۳۲ھ میں بندہ عاجز بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر صحیح مسلم کی شرح ''تحفۃ المنعم اردو شرح صحیح مسلم'' کی تحریر کتاب الطہارۃ سے شروع کر رہا ہے اس سے پہلے کتاب الایمان کی تحریر مکمل ہو چکی ہے میں اپنے رب کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس سے عاجزی کے ساتھ یہ سوال کرتا ہوں کہ میری اس محنت میں میری خاص مدد فرمائے اور اسے قبولیت عامہ وخاصہ عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

''کتاب'' کتاب الایمان کے عنوان کے تحت کتاب اور باب اور فصل کی تحقیق وتعریف لکھی جا چکی ہے۔

''الطهارة'' کسی بھی مسلمان کے اعمال کی بنیاد ایمان پر ہے ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل معتبر نہیں ہے اسی حقیقت کے پیش نظر امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کی ابتداء میں کتاب الایمان کو رکھا احادیث کی جو کتابیں ''صحاح'' کے نام سے مشہور ہیں ان کے مؤلفین کا یہی طرز عمل ہے کہ اپنی کتاب کی ابتداء کتاب الایمان سے کرتے ہیں جیسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے کیا ہے لیکن جو کتابیں ''سنن'' کے نام سے مشہور ہیں ان کے مصنفین اپنی کتابوں کی ابتداء ابواب بالطہارۃ سے کرتے ہیں جیسے صاحب سنن ترمذی اور صاحب سنن ابوداؤد وغیرہ نے کیا ہے، امام مسلمؒ نے کتاب الایمان میں انتہائی طوالت سے کام لیا ہے اور اس کے اندر وہ ابواب بھی درج فرمائے ہیں جو اکثر وبیشتر محدثین اپنی کتابوں میں جلد ثانی میں ذکر کرتے ہیں لیکن عقائد کے پیش نظر امام مسلمؒ نے تقدیر پر ایمان، معراج پر ایمان، نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی پر ایمان اور خروج دجال اور خروج دابۃ الارض اور شفاعت پر ایمان کے حوالہ سے ان ابواب کو کتاب الایمان میں درج کیا ہے۔

کتاب الایمان سے فارغ ہونے کے بعد ضروری تھا کہ آپ کتاب الصلوٰۃ کا بیان شروع فرماتے کیونکہ ایمان کے بعد اسلام میں سب سے اہم عبادت نماز ہے اس لئے کہ نماز کائنات کی تمام عبادات کو شامل ہے کیونکہ نماز میں قیام کی حالت میں اشجار کی عبادت سے مشابہت آتی ہے اور ان فرشتوں سے بھی مشابہت پیدا ہوتی ہے جو پیدائش کے وقت سے اب تک قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے ہیں۔

رکوع میں حیوانات کی عبادت سے مشابہت ہے اور سجدہ میں تمام سربسجود اشیاء سے مشابہت ہے اور قعدہ میں پہاڑوں کی عبادت اور اس قسم کے فرشتوں کی عبادت سے مشابہت ہے خلاصہ یہ کہ نماز جامع العبادات ہے یا نماز کی جامعیت کو آپ یوں سمجھ لیں کہ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے سے حج کے ساتھ مشابہت آتی ہے کیونکہ حج کا تعلق بیت اللہ سے ہے تزکیۂ نفس حاصل کرنے میں نماز کی عبادت زکوٰۃ کی عبادت کو شامل ہے اور نماز میں اکل وشرب سے پرہیز کرنے سے صیام سے مشابہت آتی ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم کی وجہ سے نماز توحید کی عبادت کو شامل ہو گئی لہٰذا نماز جامع العبادات ہے تو ایمان کے بعد اسی کے ذکر کرنے کا رتبہ اور مقام تھا لیکن چونکہ طہارت نماز کے لئے شرط ہے اور شرط کا درجہ مشروط پر مقدم ہوتا ہے اس لئے کتاب الصلوٰۃ سے پہلے کتاب الطہارۃ کو رکھنا پڑا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ طہارت مقام تخلیہ ہے کہ آدمی ہر گندگی سے اپنے آپ کو خالی کرتا ہے اور نماز مقام تحلیہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مزین کرتا ہے اور تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہے اس لئے طہارت کو مقدم رکھا۔

طہارت کی تعریف اور اقسام

طہارت کا لفظ مصدر ہے لہٰذا جنس کے اعتبار سے تمام طہارتوں کو شامل ہے بعض کتابوں میں طہارات جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اچھا ہے تاکہ طہارت کی تمام انواع کو شامل ہو جائے۔

لغت میں طہارت پاکیزگی اور نظافت کو کہتے ہیں اصطلاح شرع میں اس کی تعریف اس طرح ہے: "الطهارة غسل اعضاء مخصوصة بصفة مخصوصة" (کذا فی التعریفات)

امام غزالی رحمہ اللہ نے طہارت کی چار اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) طهارة البدن من الاخباث و الانجاس

(۲) طهارة الجوارح من الآثام

(۳) طهارة القلب من الرذائل و الذمائم

(۴) طهارة السر عن ماسوى الله تعالىٰ

یعنی دل کے احساسات وخیالات اور تصورات کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے پاک کرنا کہ مرکز محبت صرف اللہ کی ذات ہو اور اس کے علاوہ کسی چیز پر نظر نہ ہو یہ "طهارة السر عن ماسوى الله" ہے۔

ان چار اقسام میں پہلی دو قسموں کا تعلق ظاہر بدن سے ہے اور دوسری دو قسموں کا تعلق باطن بدن سے ہے دونوں مل کر ایمان مکمل ہوتا ہے کتاب الطہارۃ کے تمام مباحث کا محور ظاہر بدن ہے اور اس کے بعد صلوٰۃ کے مباحث کا محور باطن بدن ہے اسی کو تخلیہ اور تحلیہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے اگرچہ امام غزالی رحمہ اللہ نے ان چاروں اقسام کو مقام تخلیہ میں شمار کیا ہے اور اس کو نصف ایمان کہا ہے اس کے بعد مقام تحلیہ ہے وہ بھی نصف ایمان ہے یاد رہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں علماء کرام فقہی مباحث کو زیادہ طول نہیں دیتے ہیں اور نہ ان کتابوں کا یہ مزاج ہے کہ ان میں فقہی مسائل کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا جائے لہٰذا میں بھی کوشش کروں گا کہ فقہی اختلافی مسائل میں طوالت کے بجائے اختصار کو پیش نظر رکھوں، توضیحات شرح مشکوٰۃ میں تفصیلات لکھ چکا ہوں اور دورۂ حدیث کی کتابوں میں ترمذی اور ابوداؤد شریف ان تفصیلات کا میدان ہے۔

بہرحال کتاب الطہارۃ میں پاکیزگی حاصل کرنے کے تمام مسائل کا ذکر ہے اسلام کے احکام میں عجیب حکمت ہوتی ہے مثلاً وضو کی ابتداء میں ہاتھ دھونے کا حکم ہے تاکہ ہاتھوں سے معلوم ہو جائے کہ پانی زیادہ گرم یا زیادہ ٹھنڈا نا قابل استعمال تو نہیں ہے جیسے عرب امارات میں نلوں میں پانی شدید گرم ہوتا ہے جب معلوم ہو جائے کہ قابل استعمال ہے تو پھر منہ میں ڈالنے کا حکم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ پانی ہے شوربہ اور شربت نہیں ہے پھر ناک میں ڈالا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بدبودار سڑا ہوا تو نہیں ہے جب خوب اطمینان ہو جائے تو پھر چہرہ اور دیگر اعضا کے دھونے کا حکم دیا جاتا ہے سر چونکہ بادشاہ ہے اور یہ بلد العلماء ہے کیونکہ حواس خمسہ کا مرکز ہے اس لئے سر کو دھویا نہیں جاتا بلکہ اس بادشاہ کے سامنے صرف سلیوٹ کر کے اس پر تر ہاتھ پھیر کر مسح کیا جاتا ہے اسلام کے احکام پر قربان جاؤں اس میں کتنی حکمتیں ہیں۔

باب فضل الوضوء

وضو کی فضیلت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۵۳۴ - **حَدَّثَنَا** إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا أَبَانٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى أَنَّ زَيْدًا حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا سَلَّامٍ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم "الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ. وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ - أَوْ تَمْلَأُ - مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا".

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکی حاصل کرنا آدھا ایمان ہے اور الحمد للہ روز جزاء کے دن (عدل) ترازو کو بھر دے گا اور سبحان اللہ والحمد للہ سے زمین و آسمان کے مابین فضا بھر جائے گی اور نماز تو ایک روشنی ہے اور صدقہ بھی ایک دلیل ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن کریم تیرے لیے حجت ہوگا یا تیرے خلاف حجت ہوگا ہر آدمی صبح کو اٹھتا ہے اور اپنے نفس کو بیچنے والا ہوتا ہے یا اس کو آزاد کرنے والا ہوتا ہے۔

تشریح

"الطہور شطر الایمان" یہاں الوضوء، الطہور اور الغسل تین الفاظ ہیں ان میں ہر ایک کے ابتدائی حرف پر زبر پیش اور زیر پڑھا جاتا ہے جس سے معنی اور مطلب بدل جاتا ہے مثلاً ان تینوں الفاظ کے پہلے حرف پر اگر پیش پڑھا جائے تو یہ وضو اور غسل اور طہارت کے عمل کا نام ہے اور اگر ان پر زبر پڑھا جائے تو اس سے پانی وغیرہ مراد ہوتا ہے جس سے وضوء اور غسل کیا جاتا ہے اور اگر لفظ وضوء اور غسل کے پہلے حرف پر زیر پڑھا جائے تو یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس سے پانی لیا جاتا ہے "طہور" کے طاء پر زیر پڑھنے کا مطلب بھی یہی ہوسکتا ہے مگر مجھے اس کی تصریح نہیں ملی بہر حال وضوء وضاءت سے ہے جو روشنی اور چمک کے معنی میں ہے وضوء سے بھی دنیا و آخرت میں چہرہ چمک جاتا ہے "طہور" سے پاکیزگی مراد ہے صرف صفائی مراد نہیں ہے اسلام پاکیزگی کا حکم دیتا ہے جس کے اندر صفائی آجاتی ہے لیکن صرف صفائی سے پاکیزگی نہیں آتی تو جو لوگ اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ صفائی نصاف ایمان ہے تو یہ ترجمہ غلط ہے صفائی تو کافر بھی کرتے ہیں مگر اس میں پاکی نہیں ہوتی ہے صفائی کو عرب میں نظافت کہتے ہیں یہاں حدیث میں طہور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اصل میں پاکیزگی کے معنی میں ہے اسکے ضمن میں صفائی بھی آگئی۔

"شطر الایمان" یہاں شطر نصف کے معنی میں ہے یعنی پاکیزگی آدھا ایمان ہے ابتداء میں طہارت کی چار اقسام جو بیان کی گئی ہیں ان میں سے دو کا تعلق ظاہر بدن سے ہے اور دو کا تعلق باطن بدن سے ہے یہاں یہی کہا گیا ہے کہ ظاہر بدن کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے اور پھر باطن بدن کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے دونوں کے حصول سے ایمان مکمل ہو جاتا ہے تخلیہ کی تمام اقسام نصف ایمان ہے اور پھر تحلیہ کی تمام اقسام نصف ایمان ہے تو پہلے طہارت آدھا ایمان پھر نماز آدھا ایمان تب ایمان مکمل ہو جائے گا بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں شطر

نصف کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ایک جزء کے معنی میں ہے پھر مطلب آسان ہوجائے گا کہ پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ اور جزء ہے۔

"والحمدللہ تملأالمیزان" مطلب یہ ہے کہ اس کا اجرا تنا زیادہ ہے کہ اگر اس کو جسم دیا جائے اور ترازو میں رکھا جائے تو ترازو بھر جائے گا۔ وزن اعمال کا مسئلہ تو اب کوئی مشکل نہیں رہا ہے کیونکہ آج کل اعراض تولنا معمول بن گیا ہے نظر تولی جاتی ہے قوت سماعت تولی جاتی ہے حرارت بدن تولی جاتی ہے سانس تولا جاتا ہے جسم میں شکر وغیرہ تولا جاتا ہے فضائی مسافت اور موسمی حرارت تولی جاتی ہے ارتفاع وانخفاض تولا جاتا ہے تو قیامت میں اعراض کا تولنا کیا مشکل ہے یا یوں کہہ دو کہ یہ اعراض جسم میں بدل جائیں گی تو جسم تولا جائے گا یا نامہ اعمال کے رجسٹر تولے جائیں گے معتزلہ نے ناقص عقل سے موازنہ شروع کیا تو ٹھوکریں کھائیں۔

"وسبحان اللہ والحمدللہ تملأن" یعنی اگر اس کو جسم دیا جائے تو زمین وآسمان کو اس کا ثواب بھر دے گا۔

"او تملأ" پہلے لفظ میں تثنیہ ہے یہاں مفرد کا صیغہ ہے دونوں صحیح ہیں اگر مفرد کا صیغہ ہے تو اس کا مرجع ذکر اللہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر زمین وآسمان کو بھر دیگا چونکہ یہاں "سبحان اللہ" کا جملہ مزید آگیا ہے لہٰذا اس کے ثواب کا دائرہ بھی بڑھا دیا گیا کیونکہ یہاں صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ دونوں کا بیان آگیا ہے تو اس سے صرف ترازو نہیں بلکہ زمین وآسمان کے درمیان بھی فضاء بھر جائے گی۔

"والصلوۃ نور" جیسا اوپر بیان کیا گیا کہ نماز جامع العبادات ہے تو یہ عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت میں ہر تاریکی اور ہر ظلمت کے لئے نور ہی نور ہوگی اور پڑھنے والے کے دل کو انوار معارف سے روشن کردیگی اور اس کے چہرہ کو دنیا وآخرت میں چمکا کر رکھ دیگی چنانچہ دنیا میں صحیح العقیدہ نمازی کا چہرہ چمکتا ہے۔

"والصدقۃ برھان" اس جملہ کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب آدمی سے اس کے مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ تم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ رکھا تھا تو یہ صدقہ آگے آکر دلیل بن جائے گا اور صدقہ کرنے والا بطور دلیل کہہ دے گا کہ دیکھ لو میں نے یہ صدقہ کیا ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ صدقہ اس آدمی کے سچے مؤمن ہونے پر دلیل بن جائے گا کیونکہ منافق آدمی صدقہ نہیں کرتا ہے تو اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوگی تو ایمان پرکھنے کے لئے سب سے معیاری کسوٹی مالی قربانی ہے جس سے کھرا کھوٹا ممتاز ہوجاتا ہے مالی قربانی کی مشکلات کی طرف کسی نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

گر جان طلبی بتو بخشم گر سر طلبی بتو بخشم   گر زر طلبی سخن درین است

یعنی اگر جان اور سر مانگو گے تو دینے کے لئے تیار ہوں لیکن اگر مال وزر مانگو گے تو اس کے لئے تیار نہیں ہوں

یہاں صدقہ سے وجوبی اور نفلی اور فرضی تمام صدقات مراد ہوسکتے ہیں۔

"الصبر ضیاء" ابراہیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الصبر ھو الثبات علی الکتاب والسنۃ"

یعنی کتاب وسنت پر محکم رہنا صبر ہے شیخ ابن عطاءؒ نے فرمایا "الصبر ھو الوقوف مع البلاء بحسن الادب" یعنی مصیبت کے وقت حسن ادب کا مظاہرہ کرنا صبر ہے۔

علماء نے صبر کی تعریف اس طرح کی ہے "الصبر ھو منع النفس عما تشتھیہ"

یعنی نفس کو اس کی چاہت سے روکنے کا نام صبر ہے ابوعلی دقاق رحمہ اللہ نے کہا "حقیقۃ الصبر ان لایعترض علی القدر" یعنی

تقدیر پر اعتراض نہ کرنے کا نام صبر ہے۔
صبر کی تین قسمیں ہیں: (۱) الصبر عن المعصية (۲) الصبر على الطاعة (۳) الصبر على المصيبة۔
عوام میں یہ تیسری قسم مشہور ہے کہ صبر وہی ہے جو مصیبت کے وقت کوئی صبر کرے صبر کی ان قسموں کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ صبر پوری شریعت کو شامل ایک عزیمت کا نام ہے۔
"القرآن حجة" یعنی اگر قرآن پر عمل کیا تو یہ تیری کامیابی پر دلیل ہے اور اگر عمل نہ کیا تو یہ تیرے ناکامی پر دلیل ہے دونوں جانبوں کے لئے گواہ ہے یا تیرا موافق یا مخالف۔
"کل الناس یغدو" یعنی ہر آدمی صبح صبح گھر سے کمانے کے لئے نکلتا ہے اور کمائی میں اپنی جان لگاتا ہے اس کے بدلے کچھ حاصل کرتا ہے نیک عمل میں بھی یہی بدن استعمال ہوتا ہے اور برے عمل میں بھی یہی جسم استعمال ہوتا ہے ہر عمل کا نتیجہ اسی انسان کو ملتا ہے آنے والا جملہ اس مجمل جملے کی تفسیر ہے "معتقها" یعنی نیک کام کر کے اس جان کو دوزخ سے بچا لیا اور چھڑا لیا۔
"فموبقها" یعنی برا عمل کر کے اپنی اس جان کو ہلاکت میں ڈال دیا "ایباق" ہلاک کرنے کے معنی میں ہے یہ عجیب جامع کلام ہے جو پوری دنیا کے تمام انسانوں کو شامل ہے اور خارجی واقعات کے مطابق ہے۔

باب وجوب الطهارة للصلوٰة

نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۵۳۵ - **حَدَّثَنَا** سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ - وَاللَّفْظُ لِسَعِيدٍ - قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: دَخَلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَلَى ابْنِ عَامِرٍ يَعُودُهُ وَهُوَ مَرِيضٌ فَقَالَ: أَلاَ تَدْعُو اللهَ لِي يَا ابْنَ عُمَرَ. قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ وَلاَ صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ" وَكُنْتَ عَلَى الْبَصْرَةِ.

حضرت مصعب بن سعدؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ابن عامر جو کہ بیمار تھے ان کی عیادت کے لیے آئے۔ ابن عامر نے کہا اے ابن عمر! کیا تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز بغیر طہارت کے نہیں قبول کیجاتی ہے اور صدقہ بھی نہیں قبول کیا جاتا اس مال غنیمت میں سے جو بانٹنے سے پہلے ہڑپ کر لیا جائے اور تم بصرہ کے حاکم ہو چکے ہو۔

تشریح

"ابن عامر" ابن عامر کا نام عبداللہ ہے باپ کا نام عامر ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک ایسے شخص کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو پہلے بصرہ کا گورنر رہ چکا تھا یہ شخص تابعی تھا صحابی نہیں تھا اس

نے حضرت ابن عمرؓ سے دعا کی جو درخواست کی ہے اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ گلہ کر رہا ہے کہ میں بیمار ہوں اور آپ میرے لئے صحت کی دعا نہیں کرتے حضرت ابن عمرؓ نے عجیب انداز سے جواب دیا اور فرمایا کہ وضوء کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے اور مال غنیمت میں خیانت کر کے اس شخص کا صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے آپ چونکہ بصرہ کے گورنر رہ چکے ہو اور گورنر آدمی لوگوں کے حقوق میں گڑبڑ کرنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو ایسے شخص کے حق میں دعا بھی قبول نہیں ہوسکتی ہے میں آپ کے لئے اگر دعا کروں تو یہ ایسا ہوگا گویا بغیر وضوء کے کسی نے نماز پڑھ لی یا چوری کے مال کو صدقہ کیا وہ بھی بے فائدہ ہے یہ بھی بے فائدہ ہے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا مقصد ابن عامر کو توبہ کی طرف متوجہ کرنا تھا اور بطور زجر اس کو ان چیزوں میں پڑنے سے باز رکھنا تھا ورنہ دعا تو فاسق کے لئے بھی جائز ہے بلکہ ہدایت کی دعا تو کافر کے لئے بھی جائز ہے۔

ابن عامر کا نام ونسب اس طرح ہے عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی، یہ شخص آنحضرت ﷺ کی حیات میں پیدا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا یہ بچہ بڑے شوق سے آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن چوستا رہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو پانی کا مشکیزہ ہے کہتے ہیں ابن عامر جہاں بھی جاتا تھا اس کو اس زمین میں پانی ملتا تھا یہ انتہائی شریف صاحب اوصاف انسان تھے ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا پھر فارس کے علاقوں کا بھی گورنر بنا چنانچہ اسی نے خراسان، بجستان، کرمان اور غزنی کو فتح کیا اور فارس کے آخری بادشاہ "یزدجرد" کو قتل کیا اور بطور شکر حج کیا اور اہل مدینہ پر کثیر اموال تقسیم کیے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ دمشق چلے گئے پھر حضرت معاویہؓ نے ان کو دوبارہ بصرہ کا گورنر مقرر کیا جنگ جمل میں یہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اور جنگ صفین میں آپس کی جنگوں سے الگ ہوگئے یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں آخر وقت میں مدینہ آ کر ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے۔ (البدایہ والنھایہ وتہذیب التہذیب)

لا تقبل صلوٰۃ: لا تقبل کا ایک مطلب اور معنی لا تصح ہے دوسرا مطلب اور معنی لا یترتب علیہ الثواب ہے یہاں پہلا معنی مراد ہے یعنی وضو کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے۔

اس بات پر اجماع ہے کہ حالت حدث میں نماز پڑھنا حرام ہے اگر کوئی شخص طہارت کے بغیر قصداً نماز پڑھتا ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے تو فقہاء کے نزدیک اس شخص پر کافر ہونے کا خطرہ ہے۔ "ای یخشی علیہ الکفر"

موجبات وضو میں سے بعض ایسے ہیں جن پر سب صحابہ کرام کا اتفاق ہے نیز تابعین اور فقہاء کا بھی ان پر اتفاق ہے جیسے بول و براز، خروج ریح اور خروج مذی وغیرہ ہیں ان سے سب کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اور بعض موجبات وضوء ایسے ہیں جن میں روایات کے اختلاف کی وجہ سے صحابہ وتابعین کے ہاں اختلاف رہا ہے۔ پھر فقہائے کرام کا بھی اختلاف رہا ہے جیسے خروجِ دم اور مس المرأۃ اور مس ذکر اور ماخرج من غیر السبیلین وغیرہ ان اسباب کی الگ الگ تفصیل آنے والی ہے۔ بعض موجبات وضوا یسے ہیں جو صدر اسلام میں موجبات وضو تھے پھر آخر میں نواقض وضو نہ رہے یا وہ کسی وقت بھی موجبات وضو نہیں تھے لیکن روایات میں شبہ کی وجہ سے ان کو موجبات وضوء سمجھ لیا گیا جیسے مامست النار سے وضوء کا مسئلہ ہے اب یہ چیزیں جمہور امت کے نزدیک موجبات وضوء نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث میں "لا تقبل صلاۃ" کا لفظ آیا ہے اور جیسا لکھا گیا ہے قبول سے لا تصح اور عدم جواز مراد ہے اب یہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اور ترجمہ ہے کہ کوئی نماز بغیر وضو جائز نہیں ہوتی تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا صلوٰۃ کا یہ لفظ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کو بھی شامل ہے یا نہیں تو جمہور امت کے نزدیک نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کے لئے وضوء شرط ہے ان دونوں پر صلوٰۃ کا لفظ بولا جاتا ہے اگرچہ اطلاق خفی ہے۔ شیخ شعبیؒ کے نزدیک لفظ صلوٰۃ جنازہ اور سجدہ تلاوت دونوں کو شامل نہیں ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک ان دونوں کے لئے وضوء ضروری نہیں ہے علامہ نووی کہتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے اور امام بخاریؒ کے نزدیک صلوٰۃ کا اطلاق سجدۂ تلاوت پر نہیں ہوتا اسی لئے اس میں نہ رکوع ہے اور نہ ہی یہ نماز ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے ہاں سجدہ تلاوت بغیر وضوء کے جائز ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت سے بھی عدم وضوء پر استدلال کیا ہے کہ "کان یسجد علی غیر وضوء" جمہور امت لا تقبل صلاۃ کے جملہ سے استدلال کرتے ہیں خواہ اطلاق خفی ہو یا جلی ہو۔ لہٰذا جنازہ اور سجدۂ تلاوت کے لئے وضوء ضروری ہے جنازہ پر تو واضح طور پر "صلوا علی اخیکم" میں صلوٰۃ یعنی نماز کا اطلاق ہوا ہے۔ اور سجدہ تلاوت میں اس لئے وضوء ضروری ہے کہ سجدہ نماز کا رکن اعظم ہے۔ جب نماز کے لئے طہارت شرط ہے تو اس کے رکن اعظم کے لئے بھی شرط ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں تعارض ہے بعض نسخوں میں "کان یسجد علی طہور" کے الفاظ آئے ہیں۔ لہٰذا "اذا تعارضا تساقطا" کے قاعدہ سے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے اور سجدۂ تلاوت بغیر وضو جائز نہیں ہے۔

مسئلۃ فاقد الطہورین

اس باب کی دونوں حدیثوں سے مسئلہ فاقد الطہورین نکلتا ہے مثلاً ایک شخص شیشہ کے محل میں یا ایسی جگہ میں محبوس ہے جہاں نہ پانی ہے کہ وضو کرے اور نہ مٹی ہے کہ تیمم کرے اور سر پر نماز کا وقت آ گیا ہے اب نماز پڑھنے کے لئے یہ شخص کیا کرے۔ ایسے ہی شخص کو فاقد الطہورین کہتے ہیں اس کے نماز پڑھنے نہ پڑھنے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ سے چار اقوال منقول ہیں۔ اول یہ کہ فی الحال واجب ہے اور بعد میں پانی ملنے پر قضاء بھی واجب ہے یہ صحیح قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فی الحال نہ پڑھے بعد میں قضاء واجب ہے۔ تیسرا قول یہ کہ فی الحال پڑھنا مستحب ہے اور بعد میں قضاء کرنا واجب ہے۔ چوتھا قول یہ کہ فی الحال پڑھنا واجب ہے اور بعد میں کچھ بھی نہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک نہ فی الحال پڑھنا واجب ہے اور نہ بعد میں قضاء کرنا ہے بلکہ یہ شخص معاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فی الحال نماز نہ پڑھے اور بعد میں وجوباً قضا کرے۔ امام مالکؒ کا ایک قول اسی طرح ہے احناف میں سے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ فی الحال تشبہ بالمصلین کرے اور پھر بعد میں قضا کرے۔ امام شافعیؒ کا اصح قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

دلائل

جمہور یعنی شوافع اور صاحبین فرماتے ہیں کہ طہارت بشرط الاستطاعت فرض ہے مگر کبھی کبھی فرض بھی ساقط ہو جاتا ہے جس طرح قرأت فرائض صلوٰۃ میں سے ہے مگر اخرس اور گونگے کے حق میں یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے قیام فی الصلوٰۃ فرض ہے مگر کبھی کبھی عجز کے وقت یہ فرض ساقط

ہوجاتا ہے اسی طرح طہارت بھی فرض ہے لیکن مجبوری کے وقت ساقط ہوجاتی ہے لہٰذا پڑھنا بھی واجب ہے اور قضاء کرنا بھی واجب ہے۔
امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ **فاقد الطہورین** میں نماز پڑھنے کی اہلیت نہیں ہے جس طرح حائضہ عورت حالت حیض میں نماز روزہ نہیں کرسکتی اس کا یہ عمل کرنا نہ کرنا برابر ہے اسی طرح **فاقد الطہورین** کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے۔
جواب: جمہور نے قیاس میں جو تمثیلات پیش کی ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ وہاں دونوں مسئلوں میں نائب موجود ہے اخرس کے حق میں نائب تسبیحات ہیں یا قلبی تصورات ہیں اور قیام پر جو قادر نہیں ہے تو قعود اس کا نائب ہے ورنہ اضطجاع ہے یہاں **فاقد الطہورین** میں نائب نہیں لہٰذا اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ بہرحال امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں جمہور کی طرف رجوع کیا ہے لہٰذا مسئلہ متفق علیہ ہوگیا۔
ولا صدقة من غلول: غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں یہاں غلول سے مال حرام مراد ہے بہرحال حلال مال سے صدقہ رحمت الٰہی کا مظہر ہے اور حرام مال سے صدقہ کرنا قہر الٰہی کا مظہر ہے اس لئے قبول نہیں اگر کسی کے ہاتھ میں حرام مال آگیا تو ثواب کی نیت سے اس کا صدقہ نہ کرے کیونکہ اس میں کافر ہونے کا خطرہ ہے ہاں ذمہ سے فارغ ہونے کی نیت سے خرچ کرے یعنی کسی کو ثواب کی نیت کے بغیر دیدے۔
غلول کے لفظ سے اشارہ کیا گیا کہ مال غنیمت میں اگر چہ مجاہدین کا حق ہوتا ہے پھر بھی اس میں خیانت کرنا اور اس کا صدقہ کرنا اتنا سنگین جرم ہے تو اس کے علاوہ خالص حرام کا کیا حال ہوگا؟

۵۳۶ - **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ وَوَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ كُلُّهُمْ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

حضرت سماک بن حرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سند کیساتھ نقل فرماتے ہیں۔

۵۳۷ - **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ رَاشِدٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَخِي وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم. فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ: رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم "لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ".

حضرت ہمام بن منبہ جو وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہیں ان سے نقل کرتے ہے انھوں ے چند احادیث نقل فرمائی ہیں جو ابوھریرہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیں۔ ان میں سے بعض احادیث مبارکہ کو ذکر کیا۔ ان احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کی نماز نہیں قبول کیجاتی جب وہ بے وضوء ہوجائے یہاں تک کہ وہ وضوء کرلے۔

باب صفۃ الوضوء وکمالہ

کامل ومکمل وضو کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو احادیث کو بیان کیا ہے

۵۳۸ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ قَالاَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيدَ اللَّيْثِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ - رضی اللہ عنہ - دَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا ثُمَّ قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ لاَ يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ". قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ عُلَمَاؤُنَا يَقُولُونَ هَذَا الْوُضُوءُ أَسْبَغُ مَا يَتَوَضَّأُ بِهِ أَحَدٌ لِلصَّلاَةِ.

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت حمران رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضوء کے لیے پانی منگوایا اور وضوء کیا۔ پس اپنے ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا تین تین بار۔ پھر دائیں ہاتھ کی کہنیوں کو تین بار دھویا۔ پھر بائیں ہاتھ کی کہنیوں کو تین بار دھویا۔ اس کے بعد سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک دائیں پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر اسی طرح بائیں پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضوء فرمایا میرے اس وضوء کی طرح۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے وضوء کیا میرے وضوء کی طرح اور پھر کھڑا ہوا اور دو رکعتیں پڑھیں اس طور پر کہ اپنے دل میں کوئی بات نہ کرے۔ تو اس کے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب نے کہا کہ ہمارے علماء فرماتے ہے کہ اس طرح وضوء کرنا نماز کے لیے سب سے کامل وضوء ہے۔

تشریح

"بوضوء" واو پر فتح ہے وضو بنانے کے لئے جو پانی استعمال ہوتا ہے اس کو وضوء کہتے ہیں اگر ضمہ ہو تو وہ فعل وضوء کو کہتے ہیں اور اگر کسرہ ہو تو وہ وضوء کے برتن کو کہتے ہیں تفصیل گذر چکی ہے۔ "ثم مضمض" منہ میں پانی ڈال کر ہلانے کو اور پھر منہ سے باہر پھینکنے کو مضمضہ کہتے ہیں۔ "واستنثر" ناک میں پانی ڈال کر اوپر بانسے تک چڑھانے کو استنشاق اور باہر پھینکنے کو استنثار کہتے ہیں مضمضہ اور استنشاق میں خوب مبالغہ کرنا افضل ہے ہاں روزہ دار کو مبالغہ نہیں کرنا چاہئے منہ اور ناک میں کسی بھی طریقہ سے پانی پہنچنے سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے احادیث میں مذکورہ طریقہ اعلیٰ وافضل ہے مضمضہ اور استنشاق میں دو مقامات میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے ایک تو اس میں اختلاف ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت کیا ہے یہ مسئلے اگر چہ آئندہ حدیث نمبر ۵۵۵ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ آئے ہیں مگر مجھے جو تجربہ

ہوا ہے وہ یہ ہے کہ زیر بحث حدیث سے ان مسائل کو مؤخر کرنے میں بے ترتیبی آتی ہے جس سے تشویش پیدا ہوتی ہے اس لئے میں ان مسائل کے تمام پہلوؤں کو یہاں ہی بیان کرنا چاہتا ہوں ہاں کیفیت مضمضہ واستنشاق کے مسئلہ کا اختلاف میں آئندہ حدیث نمبر ۵۵۵ کے تحت بیان کروں گا۔

وضو اور غسل میں مضمضہ اور استنشاق کی حیثیت

آئندہ باب ۷ کی کئی احادیث میں "فلیستنثر ثلاث مرات" اور "فلیستنشق" کے الفاظ آئے ہیں اور یہ امر کے صیغے ہیں اس لئے اس میں فقہاء کا اختلاف پیدا ہو گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

فقہاء کرام کا اختلاف

مضمضہ اور استنشاق کی وضوء اور غسل میں کیا حیثیت ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق دونوں وضو اور غسل میں سنت ہیں۔ اہل ظواہر اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مضمضہ تو دونوں میں سنت ہے لیکن استنشاق وضوء اور غسل دونوں میں فرض ہے یعنی شوافع و مالکیہ کے ہاں دونوں جگہ میں دونوں سنت ہے اور حنابلہ کے ہاں مضمضہ دونوں جگہ سنت اور استنشاق فرض ہے ائمہ احناف کے نزدیک وضوء میں یہ دونوں سنت ہے اور غسل میں دونوں فرض ہے۔

دلائل:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی پہلی دلیل تو آیت الوضوء ہے جس میں تمام فرائض کا ذکر کیا گیا ہے مگر وہاں مضمضہ اور استنشاق مذکور نہیں ہے اگر ہم حدیث سے فرض ثابت کریں گے تو یہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی جو ناجائز ہے لہٰذا فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔
ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت عشر من الفطرة اور عشر من سنن المرسلین حدیث ہے جہاں مضمضہ اور استنشاق کو سنت کہا گیا ہے تو وضو اور غسل دونوں میں یہ دونوں سنت ہیں۔
امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر نے صحیح مسلم کی ان روایات سے استدلال کیا ہے جس میں لیستنثر امر کا صیغہ آیا ہے اس سے فرض ثابت ہو گیا جب حدث اصغر میں فرض ہوا تو حدث اکبر غسل میں بطریق اولیٰ فرض ہوگا ائمہ احناف کو دو الگ الگ دلائل کی ضرورت ہے چنانچہ وضو میں ان دونوں کے سنت ہونے پر احناف کی دلیل وہی آیت ہے جس سے شوافع اور مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ آیت الوضوء میں اگر مضمضہ اور استنشاق کو فرض کہیں گے تو اس سے کتاب اللہ پر زیادتی آئے گی جو جائز نہیں ہے لیکن غسل میں دونوں کے فرض ہونے کے لئے احناف نے قرآن کی آیت "فَاطَّهَّرُوْا" سے استدلال کیا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ غسل میں بہت ہی مبالغہ سے کام لیا جائے اس مبالغہ کا تقاضا یہ ہے کہ جسم میں جو حصہ من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن ہو وہ بھی غسل کے حکم میں آ کر فرض ہو جائے جب ہم نے دیکھا تو جسم میں ایسی جگہ ناک اور منہ ہیں کیونکہ منہ جب کھل جائے تو یہ حسا ظاہر بدن کا حصہ ہے نیز اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں منہ میں پانی ڈالتا ہے اور حلق سے پانی اندر نہیں جاتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا معلوم ہوا یہ حکما ظاہر بدن ہے اور اگر منہ سے تھوک کو روزہ دار نگل لیتا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حکما منہ بدن کے باطن کا حصہ ہے۔ اسی طرح ناک کو اوپر کیا جائے تو اندر نظر آتا ہے یہ ظاہر بدن ہونے کی دلیل ہے اور جب نیچے رہے تو اندر کچھ نظر نہیں آتا یہ باطن کی علامت ہے اب آیت نے جس

مبالغہ کوذ کر کیا ہے اس کا مقصد تو تب پورا ہوگا کہ جسم کے ظاہر سے آگے بڑھ کر اس کے اس حصہ کو بھی دھویا جائے جوایک حیثیت سے باطن سمجھا جاتا ہے لہٰذا مضمضہ اور استنشاق کو الفاظ قرآن کے مطابق غسل میں فرض ہونا چاہئے یہ کتاب اللہ پر زیادت نہیں بلکہ آیت کا تقاضا ہے تاہم اس فرض کا منکر کافر نہیں بنے گا کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے۔

احناف نے اس کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ "تحت کل شعرة جنابة" کیونکہ ناک میں ایک بال نہیں سینکڑوں بال ہوتے ہیں اور جنسی تعلقات میں لمسوت قبلوت میں منہ کو بڑا دخل ہے تو مضمضہ واستنشاق ضروری ہے۔

نیز جماع میں حیوانیت کی صفت ہے شریعت کی نظر میں اس میں بہت قلت ہونی چاہئے اس لئے شریعت نے غسل میں شدت کی ہے تاکہ حیوانیت کم سے کم ہو، اس کا بھی تقاضا ہے کہ غسل میں مضمضہ اور استنشاق فرض ہو۔

جواب: اہل ظواہر اور حنابلہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ امر جب خالی من قرینہ ہو تو وہاں وجوب کے لئے آتا ہے یہاں تو عدم وجوب پر قرینہ صارفہ مانعہ موجود ہے کہ اس سے آیت پر زیادتی لازم آتی ہے۔

الزامی جواب یہ کہ اگر "فلیستنثر" امر کا صیغہ حدیث میں آیا ہے جس سے استنشاق کے وجوب کا قول کیا جاتا ہے تو حدیث میں "مَضمِض" امر کا صیغہ بھی آیا ہے تو قاعدہ کے مطابق مضمضہ کو فرض کیوں نہیں کہتے ہو؟

شوافع اور مالکیہ کو جواب یہ ہے کہ حدیث میں وضوء والا مضمضہ اور استنشاق مراد ہے جو سنت ہے غسل والا مراد نہیں ہے وہ قرآن کے حکم کے مطابق فرض ہے۔ "ثم مسح برأسه" یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر سر پر مسح کیا۔ سر کے مسح کا حکم قرآن کریم میں ہے اس کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ہاں مقدار مسح میں اختلاف ہے کہ کتنی مقدار فرض ہے اس میں چاروں ائمہ کا اختلاف اس طرح ہے۔

سر کے مسح میں فقہاء کرام کا اختلاف

امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اکثر حصہ سر کا مسح فرض ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی خاص مقدار نہیں بلکہ "ادنیٰ مایطلق علیه المسح" فرض ہے خواہ وہ بعض شعرات (چند بال) کیوں نہ ہوں البتہ ان کے ہاں مسح میں تثلیث سنت ہے یعنی تین بار تکرار سنت ہے۔

احناف کے ہاں مقدار ناصیہ فرض ہے جو ربع رأس چار انگلیوں کے اندازہ پر ہے استیعاب سنت ہے اور مسح میں تکرار نہیں ہے مسح کی تعریف اس طرح ہے "المسح هو امرار الید المبتلة العضو" یعنی پانی سے تر ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنے کا نام مسح ہے۔

دلائل:

امام مالکؒ کی دلیل قرآن کریم کی آیت "وَامسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ" ہے کہ یہاں با زائد ہے تو "وامسحوا روسکم" سے پورے سر کا مسح فرض ہو گیا یہاں پر "باء" اسی طرح زائد ہے جس طرح تیمم کی آیت "وامسحوا بوجوهكم" میں زائد ہے وہاں پورا چہرہ مراد ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کئی روایات منقول ہیں مگر ان سے مشہور یہی ہے کہ وہ اکثر سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں ان کی دلیل بھی امام مالکؒ کی طرح یہی آیت ہے لیکن وہ "للاکثر حکم الکل" کے قاعدے کے مطابق اکثر سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں مطلق مسح کا ذکر ہے اور مطلق کے ایک فرد پر عمل کرنے سے مطلق پر عمل ہو جاتا ہے لہٰذا چند بالوں پر مسح کرنے سے مطلق کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل بھی یہی آیت ہے جس میں "وامسحوا برؤوسکم" ہے طرز استدلال کا ایک طریقہ اس طرح ہے کہ جس کسی فعل کے بعد اس کا مفعول بہ آتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ فعل پورے مفعول بہ پر واقع ہوجائے بلکہ فعل اگر مفعول بہ کے بعض حصہ پر واقع ہوجائے تو مقصود پورا ہوجاتا ہے مثلاً "اضرب زیداً" میں یہ مراد نہیں کہ زید کے ہر جز کو مارا جائے بلکہ زید کے کسی حصہ پر اگر ضرب واقع ہوگئی تو مقصود پورا ہوجائے گا اور امر کا امتثال ہوجائے گا اسی طرح "وامسحوا" میں امر کا صیغہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ سر کے کسی حصہ پر مسح ہوجائے خواہ وہ قلیل کیوں نہ ہو تو مسح کے اعتبار سے یہ آیت مجمل ہوگئی کہ کتنا حصہ مراد ہے اور مجمل کے لئے شارع کی طرف سے تفسیر چاہئے چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے اس کی تفسیر ہوگئی جس میں مقدار ناصیہ کو متعین کیا گیا ہے الفاظ یہ ہیں "فمسح بناصیتہ" ناصیہ کی مقدار اور اندازہ ایک چوتھائی سر ہے یا چار انگلیوں کے برابر حصہ ہے اور اتنا ہی فرض ہے۔

اصول کی کتابوں میں طرز استدلال اس طرح بھی لکھا ہے کہ "وامسحوا برؤسکم" میں با آلہ کے لئے ہے جو ذی آلہ اور محل پر داخل ہے جس سے استیعاب محل مقصود نہیں ہوتا، مثلاً محاورۂ عرب ہے "مسحت الجدار بالید" اس سے کل جدار کا مسح مراد ہوتا ہے اور بعض حصہ ہاتھ کا مراد ہوتا ہے اور "مسحت بالجدار" میں بعض جدار کا مسح مراد ہوتا ہے کیونکہ یہاں "با" آلہ پر داخل نہیں بلکہ محل پر داخل ہے گویا "آلہ یا ذی الآلہ" جس پر بھی داخل ہوگا اس سے بعض مدخول مراد لیا جائے گا اور آیت میں "با" ذی الآلہ اور محل پر داخل ہے لہٰذا بعض محل مراد ہے اور وہ مجمل حصہ ہے جس کی تفسیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے ہوگئی ہے جو ناصیہ ہے جس کا اندازہ ایک چوتھائی سر ہے اور یہی فرض ہے۔

پہلا جواب: امام مالکؒ کو جواب یہ کہ "با" کو زائد مراد لینا خلاف اصل ہے جب "با" موجود ہے تو اس کو کیوں زائد کہتے ہیں باقی تیمم کی آیت پر مسح کی آیت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے اور وضو میں پورا چہرہ فرض ہے۔ لہٰذا قائم مقام اور نائب میں بھی پورا چہرہ مراد لینا ضروری ہے تاکہ اصل اور نائب میں اختلاف نہ ہو۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اگر استیعاب کو فرض کہو گے تو آنحضرت ﷺ کے عمل سے تعارض آجائے گا کیونکہ آپ ﷺ سے ہمیشہ استیعاب ثابت نہیں ہے۔ یہ جواب امام احمدؒ کو بھی ہے اور ان کو دوسرا جواب یہ ہے کہ "للاکثر حکم الکل" تب ہوتا جب "با" موجود نہ ہوتی جب "با" آئی ہے تو بعض حصہ مراد لینا ضروری ہے جو مجمل ہے اور اس کی تفسیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت میں ہے۔

شوافع کو جواب یہ ہے کہ آیت مطلق نہیں ہے کیونکہ مطلق اور مقید کا مسئلہ مفاہیم اور افراد میں ہوتا ہے مقادیر میں نہیں ہوتا اور یہاں مقدار کی بحث ہے۔

لہٰذا آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے جس کی تفسیر کی ضرورت ہے اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے نیز اگر شوافع کا مسلک لیا جائے تو پھر آیت میں سر کے مسح کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ وضو کرنے کے دوران ممکن نہیں کہ سینکڑوں بالوں پر مسح نہ آئے تو اس قسم کا مسح تو خود بخود حاصل ہوجاتا ہے پھر حکم قرآن کی کیا ضرورت تھی بہرحال تمام بحث کے بعد احتیاط امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مسلک میں ہے کہ پورے سر کا مسح کیا جائے تاکہ اختلاف ختم ہوجائے۔

سر کے مسح میں تکرار کا حکم

اب یہ مسئلہ رہ گیا کہ سر کا مسح ایک بار کرنا ہے یا تین بار؟ اور اس میں تثلیث وتکرار مسنون ہے یا توحید وعدم تکرار مسنون ہے؟ تو جمہور فقہاء

کے نزدیک مسح ایک بار ہے اور عدم تکرار مسنون ہے اور شوافع کے نزدیک تثلیث اور تکرار مسنون ہے۔

امام شافعیؒ نے حضرت عثمانؓ کی بعض روایات سے استدلال کیا ہے جن میں تین بار مسح کا ذکر آیا ہے اور ابوداؤد شریف کے ص ۱۴ پر یہ حدیث مذکور ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل مسح کو اعضاء مغسولہ پر قیاس کرنا ہے کہ جب اعضاء مغسولہ میں تین بار غسل ہے اور تکرار ہے تو مسح میں بھی تکرار ہونا چاہئے۔

جمہور کے دلائل تو بے شمار احادیث ہیں جن میں دیگر اعضاء کے تین بار دھونے کا ذکر ہے اور مسح کرنے میں ایک بار کا ذکر آیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے وضو کی احادیث میں جہاں بھی ذکر آیا ہے وہاں تکرار نہیں امام مسلمؒ نے زیر بحث ابواب میں پانچ مرتبہ "فمسح براسه" جیسے الفاظ کا ذکر کیا ہے جس میں تکرار مسح کی نفی ہے بلکہ حدیث ۵۵۸ میں مسح کے ساتھ مرة واحدة کا جملہ مذکور ہے اسی لئے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ سنایا ہے:

"احادیث عثمان الصحاح کلها تدل علی مسح الراس أنها واحدة"

اس سے شوافع کی دلیل کا جواب ہو گیا کہ جہاں تثلیث کا ذکر آیا ہے وہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ جو تکرار کسی نے دیکھا ہے وہ مسح کے بعد سر کے بال بنانے کے لئے ہاتھ پھیرنا تھا مسح کا تکرار نہیں تھا دیکھنے والے نے اس کو تکرار سمجھا۔ تیسرا جواب یہ کہ اگر مسح میں تکرار کرو گے تو یہ غسل بن جائے گا حالانکہ شریعت نے سر کے لئے مسح مقرر کیا ہے تاکہ اس میں تخفیف ہو کیونکہ سر جسم کا بادشاہ ہے اور یہ بلد العلماء ہے۔ یعنی جتنے بھی اسباب علم ہیں وہ سب سر میں ہیں جیسے قوت سامعہ، قوت باصرہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ، اور قوت لامسہ یہ سب سر میں ہیں لہٰذا سر کا اعزاز یہی ہے۔ باقی اگر آپ سر کو دیگر اعضاء کے دھونے پر قیاس کرتے ہیں تو یہ قیاس مع الفارق ہے اور اس سے اوپر والی حکمت بھی فوت ہو جاتی ہے اور اگر سر کے مسح کو دیگر ممسوحہ مقامات پر قیاس کرتے ہو مثلاً جبیرہ اور زخم کی پٹی وغیرہ پر تو یہ قیاس بھی تکرار کے لئے صحیح نہیں ہے کیونکہ وہاں ایک بار مسح ہوتا ہے تکرار نہیں ہوتی ہے۔

فاقبل بهما وادبر: اس جملہ کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے کہ سر کے پیچھے کی طرف سے آگے کی طرف مسح کرنے میں ہاتھ لے آئے اور پھر آگے کی طرف سے پیچھے کی طرف لے گئے۔ اس ترجمہ کے مطابق بعض سلف نے عمل بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ سر کے پیچھے کی طرف سے مسح شروع کیا جائے لیکن احناف اور جمہور فقہاء اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کیا جائے گا اور پچھلے حصہ پر جا کر ختم ہو گا اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے اس جملہ کی تفسیر "بدأ بمقدم راسه" سے کی گئی ہے تاکہ خلاف واقع مفہوم میں کوئی نہ پڑ جائے ویسے جن حضرات نے ظاہر الفاظ کا ترجمہ لیا ہے وہ ترجمہ عربیت اور محاورۂ عرب کے خلاف ہے کیونکہ محاورہ میں عرب ہمیشہ اقبال اور لفظ اقبل کو مقدم ذکر کرتے ہیں۔

جیسے امرؤ القیس نے اپنے گھوڑے کی تعریف میں اقبال کے لفظ کو پہلے ذکر کیا ہے:

مکر مفر مقبل مدبر معا　　　کجلمود صخر حطه السیل من عل

تو فعل میں ادبار یعنی پیچھے کی طرف لے جانا مقدم ہوتا ہے اور قول میں اقبال یعنی آگے کی طرف لانا مقدم ہوتا ہے اس تشریح سے اس عبارت پر وہ اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ یہ تفسیر اپنے مفسر کے خلاف ہے اعتراض اس لئے ختم ہوا کہ محاورہ کو اگر دیکھا جائے تو یہ تفسیر بالکل

اپنے مفسر کے موافق ہے۔ امام مسلم نے یہ الفاظ "باب آخر فی صفة الوضوء" کے باب میں کئی دفعہ ذکر کیا ہے۔

گردن کا مسح

چونکہ سر کے مسح کی بحث چل رہی ہے تو یہ اشارہ بھی مناسب ہوگا کہ مسح رقبہ یعنی گردن کے مسح کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ فقہاء کرامؒ کا اس میں اختلاف ہے احناف میں سے بعض حضرات نے اس کو سنت اور بعض نے مستحب لکھا ہے قاضی خان نے لکھا ہے کہ گردن کا مسح نہ سنت ہے اور نہ مستحب ہے ہاں بعض نے اس کو سنت کہا ہے اور جب فقہاء کے اقوال میں اختلاف ہوگیا تو اب نہ کرنے سے مسح کرنا بہتر ہوگا۔ (قاضی خان ج ۱ ص ۱۷)
علامہ نوویؒ وغیرہ نے اس کو بدعت کہا ہے علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے لیکن احناف کے بعض علماء اور شوافع کے بھی بہت سارے علماء گردن کے مسح کو سنت یا مستحب کہتے ہیں۔
نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد نے "بدور الاھلہ - ص ۲۸" پر لکھا ہے کہ مسح رقبہ کی حدیث کو غیر صحیح کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مسح رقبہ کی روایات تعدد طرق کی وجہ سے استدلال کے قابل ہیں احناف کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ حلقوم کا مسح بدعت ہے اور گردن کا مسح جائز ہے (بہر حال میں نے بڑے علماء کو وضو کے دوران گردن کا مسح کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے)۔ (راقم)

۵۳۹ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ دَعَا بِإِنَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ".

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خادم حضرت حمران رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے روبرو حضرت عثمان نے ایک برتن پانی کا طلب فرمایا۔ پس تین تین بار دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر دھویا۔ پھر ڈالا اپنا دایاں ہاتھ برتن میں تین بار کلی کے لیے اور ناک صاف کرنے کے لیے۔ پھر دھویا اپنے چہرے کو تین بار پھر دونوں ہاتھ کی کہنیوں کو تین تین بار دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر تین تین بار دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ پھر کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا اور پھر دو رکعتیں ادا کیں اس طور پر کہ اپنے دل میں بات نہ کرے۔ تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

باب فضل الوضوء والصلوٰة عقبه

وضو کرنے اور اس کے بعد دو رکعت پڑھنے کی فضیلت

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۵۴۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ - وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ -

قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ عِنْدَ الْعَصْرِ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ: وَاللهِ لأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثاً لَوْلاَ آيَةٌ فِي كِتَابِ اللهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "لاَ يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ فَيُصَلِّي صَلاَةً إِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلاَةِ الَّتِي تَلِيهَا".

حضرت عثمان رضی اللہ کے خادم حضرت حمران سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ سے سنا اس حال میں کہ حضرت مسجد کے صحن میں تھے۔ عصر کے وقت ان کے پاس مؤذن آیا۔ آپ نے وضوء کا پانی طلب کیا اور وضو کیا اسکے بعد آپ نے فرمایا اللہ کی قسم: میں آپ سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اگر اللہ کی کتاب میں مذکورہ آیات نہ ہوتی: إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى ..الخ تو میں مذکورہ حدیث بیان نہ کرتا۔ میں نے خود آپ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کوئی مسلمان شخص وضوء نہیں کرتا پس وہ اچھی طرح وضوء کرے پھر نماز پڑھتا ہے تو اللہ اس کے تمام وہ گناہ معاف کر دیتا ہے (صغیرہ) جو اس نماز سے پیوستہ دوسری نماز کے درمیان کیے تھے۔

تشریح

"بفناء المسجد" یعنی مسجد نبوی کے کنارے کے پاس وضو بنایا آنے والی ایک روایت میں "المقاعد" کا لفظ آیا ہے یہ ایک خاص جگہ تھی جہاں لوگ بیٹھتے تھے باتیں کرتے تھے اور وضو بناتے تھے حضرت عمر فاروق نے لوگوں کی باتوں کے لئے اور بیٹھنے کے لئے مسجد سے باہر ایک جگہ مختص فرمائی تھی تا کہ مسجد نبوی میں شور وشغب نہ ہو۔

"لو لا آیة" صحابہ کرام کی اکثریت اس بات پر قائم تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے کلام میں فرق آنے کے خوف سے بہت کم احادیث بیان کرتے تھے اسی احتیاط کی طرف اس حدیث میں حضرت عثمانؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ کتمان علم کی وعید پر اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آیت نہ ہوتی تو میں یہ حدیث بیان نہ کرتا، بعد والی حدیث میں آیت مذکور ہے۔

"فیحسن الوضوء" احسان وضو یہ ہے کہ اس کے فرائض سنن اور مستحبات کا پورا پورا خیال رکھا جائے فقہاء کے اجتہادی اختلافات سے بالاتر ہو کر احتیاط پر مبنی کامل اور مکمل وضو بنایا جائے۔

"فیصلی صلوة" یعنی ایسی نماز پڑھے جس میں دل ودماغ پر دنیوی خیالات کا گزر نہ ہو ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اخلاص سے بھرپور نماز ہو اسی کو آئندہ روایات میں "مقبل بقلبه" کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے زیر بحث احادیث میں فرائض کا ذکر ہے دو نفل کی فضیلت بھی۔

"الا غفر الله" یعنی اس طرح اچھا وضو بنا کر یکسوئی کے ساتھ ایسی نماز پڑھے کہ اس میں دنیوی باتوں کا بالکل وسوسہ اور خیال نہ آیا۔ اس سے انسان کے سابقہ سارے صغائر گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر کمزور پڑ جاتے ہیں اگر سچی توبہ کی تو کبائر بھی معاف ہو جائیں گے یہاں ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان صغائر کا ذکر ہے لیکن عام روایت میں سابقہ تمام گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جب وضو سے سارے صغائر معاف ہو گئے تو پھر مسجد میں جانے سے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے کیا

معاف ہوگا حالانکہ اس سے بھی صغائر کے معاف ہونے کا ذکر ہے اسی طرح ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک روزوں کو مکفرات قرار دیا گیا ہے اسی طرح ایک جمعہ تک صغائر کے لئے مکفر قرار دیا گیا ہے اسی طرح پانچ نماز میں بھی مکفرات ہیں عرفہ کا روزہ ایک سال کے لئے مکفر ہے عاشورہ کا روزہ ایک سال کے لئے مکفر ہے جب یہ عبادات مکفرات ہیں تو سوال یہ ہے کہ جب وضو سے سارے صغائر مٹ گئے تو پھر ان عبادات سے کیا مٹے گا؟

جواب: علماء نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام نیک اعمال واقعی صغائر کے لئے مکفرات ہیں ہر ایک عمل اپنے اپنے انداز اور مقدار سے صغائر کو مٹاتا ہے اب اگر صغائر موجود ہونگے تو یہ اعمال اس کو مٹا دیں گے اور اگر صغائر موجود نہ ہوں گے تو ان اعمال میں سے ہر ایک عمل اس شخص کے درجات کو بلند کرنے کا ذریعہ بنے گا اور حسنات ملنے کا سبب بنے گا اور اس شخص کے کبائر کو کمزور کرنے کا ذریعہ بنے گا ویسے یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ صغائر کے ارتکاب میں کیا دیر لگتی ہے تو ممکن ہے کہ ایک عمل سے موجود وہ صغائر معاف ہو گئے لیکن دوسرے عمل میں جانے سے پہلے پھر صغیرہ گناہ ہو گیا تو آنے والا عمل اس کے مٹانے کے لئے ہو جائے گا مثلاً وضو سے سب کچھ دھل گیا لیکن مسجد میں داخل ہوتے وقت بایاں پیر آگے کیا تو پھر صغیرہ ہو گیا۔

"تلیها" یہ قریب کے معنی میں ہے یعنی ساتھ والی نماز تک درمیان کے صغائر معاف ہونگے آنے والی روایات میں نفل نماز کے علاوہ فرائض کا ذکر بھی ہے تو اس سے بھی صغائر معاف ہونگے کیونکہ "ان الحسنات یذهبن السیئات" واضح آیت ہے صحیح مسلم میں واضح طور پر مذکور ہے کہ اگر صغائر نہ ہوں تو ایسے شخص کے درجات ان اعمال سے بلند ہونگے۔

۵۴۱- وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ جَمِيعاً عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ "فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ ثُمَّ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ".

امام مسلم سے دوسری رویت بھی منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہے کہ جو مسلمان اچھی طرح وضوء کرے اور پھر فرض نماز ادا کرے، باقی حدیث مثل سابق ہیں۔

۵۴۲- وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ وَلَكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ أَنَّهُ قَالَ: فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ: وَاللَّهِ لأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثاً وَاللَّهِ لَوْلاَ آيَةٌ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ "لاَ يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ ثُمَّ يُصَلِّي الصَّلاَةَ إِلاَّ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلاَةِ الَّتِي تَلِيهَا". قَالَ: عُرْوَةُ الآيَةُ (إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى) إِلَى قَوْلِهِ (اللاَّعِنُونَ)۔

حضرت حمران رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وضو کر چکے تو فرمایا: اللہ رب العزت کی قسم! میں ضرور بضرور تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مذکورہ آیت نہ ہوتی تو میں یہ حدیث ہرگز بیان نہ کرتا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو مسلمان خوب صحیح اور اچھی طرح وضوء کرے پھر نماز ادا کریں تو اس کے وہ گناہ جو متصل نماز تک تھے معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت عروہ نے کہا کہ وہ یہ آیات ہیں: "بے شک وہ لوگ جو ہمارے

دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ اس کے بعد ہم نے اس کو واضح کر دیا ہے لوگوں کے لیے کتاب اللہ میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''

۵۴۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ قَالَ: عَبْدٌ حَدَّثَنِي أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عُثْمَانَ فَدَعَا بِطَهُورٍ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ" مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً وَذَلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ".

حضرت عمرو بن سعید بن عاص رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ کے پاس موجود تھا، تو آپ نے وضو کرنے کے لیے پانی کو طلب فرمایا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا جو شخص فرض نماز کا وقت پائے اور صحیح طریقے سے وضو کرے اور خشوع وخضوع کیساتھ نماز کو ادا کرے تو وہ نماز اس کے لیے تمام صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ اس شخص سے کوئی کبیرہ گناہ صادر نہ ہوا ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

۵۴۴- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ - وَهُوَ الدَّرَاوَرْدِيُّ - عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ قَالَ: أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ نَاسًا يَتَحَدَّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَحَادِيثَ لَا أَدْرِي مَا هِيَ إِلَّا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هَذَا ثُمَّ قَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ هَكَذَا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَكَانَتْ صَلَاتُهُ وَمَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ نَافِلَةً". وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبْدَةَ أَتَيْتُ عُثْمَانَ فَتَوَضَّأَ.

حضرت عثمان کے مولیٰ حمران سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان کے لیے وضو کا پانی لے کر آیا۔ پس آپ نے اس سے وضو فرمایا اور فرمایا کہ لوگ حدیث بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ میں تو نہیں جانتا کہ وہ کیا ہیں مگر میں نے خود آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ وضو فرما رہے تھے میرے اس وضوء کی طرح اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس طرح وضو کرے گا اس کے پچھلے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کا چل کر جانا مسجد کی طرف اور نماز کی طرف یہ نفل ہو جاتا ہے۔

۵۴۵- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ - وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ وَأَبِي بَكْرٍ - قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي أَنَسٍ أَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ: أَلَا أُرِيكُمْ وُضُوءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا. وَزَادَ قُتَيْبَةُ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ: سُفْيَانُ قَالَ: أَبُو النَّضْرِ عَنْ أَبِي أَنَسٍ قَالَ: وَعِنْدَهُ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

حضرت ابوانس بن مالک بن ابی عامر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹھنے کی جگہ پر وضوء فرمایا پھر فرمایا کہ کیا میں تم کو آپ ﷺ کا وضوء نہ دکھلاؤں۔ پھر آپ نے تین تین بار وضوء کیا۔ قتیبہ کی سند میں یہ

زیادتی ہے کہ اس وقت حضرت عثمان کے پاس اور صحابہؓ بھی موجود تھے۔

تشریح

"بالمقاعد" یہ مسجد نبوی کے پاس وہی جگہ تھی جہاں لوگ بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے تھے وضو بھی بناتے تھے۔

"توضأ ثلاثا ثلاثا" اس لفظ سے شوافع نے تکرار مسح کو لیا ہے مگر اس سے استدلال کرنے سے استدلال نہ کرنا زیادہ بہتر تھا کیونکہ یہ استدلال کی جگہ نہیں ہے اس کا سر کے مسح سے کیا تعلق ہے یہ غسل کی بحث ہے۔

۵۴۶ - **حَدَّثَنَا** أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعاً عَنْ وَكِيعٍ قَالَ: أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ أَبِي صَخْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ قَالَ: كُنْتُ أَضَعُ لِعُثْمَانَ طَهُورَهُ فَمَا أَتَى عَلَيْهِ يَوْمٌ إِلاَّ وَهُوَ يُفِيضُ عَلَيْهِ نُطْفَةً. وَقَالَ: عُثْمَانُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ انْصِرَافِنَا مِنْ صَلاَتِنَا هَذِهِ - قَالَ: مِسْعَرٌ أُرَاهَا الْعَصْرَ - فَقَالَ: "مَا أَدْرِي أُحَدِّثُكُمْ بِشَيْءٍ أَوْ أَسْكُتُ". فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ كَانَ خَيْراً فَحَدِّثْنَا وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ فَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَطَهَّرُ فَيُتِمُّ الطُّهُورَ الَّذِي كَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ فَيُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ إِلاَّ كَانَتْ كَفَّارَاتٍ لِمَا بَيْنَهَا".

حضرت حمران بن ابان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان کے لیے پاک پانی رکھا کرتا تھا اور کوئی دن آپ نے ایسا نہیں گزرا کہ آپ نے کچھ پانی اپنے اوپر نہ بہالیا ہو (یعنی غسل نہ کیا ہو) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہم سے حدیث بیان کی ہمارے اس نماز کے فارغ ہونے کے بعد۔ مسعر نے کہا کہ اس سے مراد نماز عصر تھی۔ پس آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم کو ایک بات بتاؤں یا خاموش رہوں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر وہ اچھی بات ہے تو ہم سے ضرور بیان فرمائیں اور اگر اچھی بات نہیں تو اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بھی مسلمان طہارت حاصل کرے اور پوری طرح پاکی حاصل کرے اور پھر پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہے تو یہ نمازیں اپنی درمیانی اوقات میں ہونے والے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

تشریح

"حمران" حاء پر پیش ہے یہ حضرت عثمان بن عفان کے خاص خادم رہے ہیں۔

"نطفه" قلیل پانی کو یہاں نطفہ کہا گیا ہے یفیض بہانے کے معنی میں ہے حمران یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہر روز غسل فرماتے تھے اگرچہ معمولی پانی استعمال فرماتے مگر ثواب کمانے اور طہارت کے حصول کا اتنا اہتمام تھا کہ غسل کے بغیر کوئی دن خالی نہ جاتا۔ ساتھ والی روایت میں "فی امارة بشر" کا لفظ آیا ہے یہ اصل میں حمران اس حدیث کو حضرت عثمان کے دور کے بعد بشر کی ولایت کے زمانہ میں ابوہریرہؓ کو بیان کر رہے ہیں اس کے بعد حدیث میں "لاینهزه" کا لفظ آیا ہے یہ فتح بفتح سے ہے اٹھانے' لے جانے' اور حرکت

دینے کے معنی میں ہے۔

۵۴۷- **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالاَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالاَ جَمِيعاً حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ يُحَدِّثُ أَبَا بُرْدَةَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ فِي إِمَارَةِ بِشْرٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "مَنْ أَتَمَّ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ تَعَالَى فَالصَّلَوَاتُ الْمَكْتُوبَاتُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ". هَذَا حَدِيثُ ابْنِ مُعَاذٍ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ غُنْدَرٍ فِي إِمَارَةِ بِشْرٍ وَلاَ ذِكْرُ الْمَكْتُوبَاتِ.

حضرت حمران بن ابان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ابو بردہ سے اس مسجد میں بشر کے دور حکومت میں بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت عثمان بن عفان ؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان بھی وضو کو اللہ کے حکم کے مطابق صحیح طریقے سے ادا کرے تو فرض نمازیں اپنے تمام درمیانی اوقات میں سرزد ہونے والے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ غندر کی روایت میں بشر کے دور حکومت اور فرض نماز کی قید نہیں ہیں۔

۵۴۸- **حَدَّثَنَا** هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ قَالَ: تَوَضَّأَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ يَوْماً وُضُوءاً حَسَناً ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ هَكَذَا ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لاَ يَنْهَزُهُ إِلاَّ الصَّلاَةُ غُفِرَ لَهُ مَا خَلاَ مِنْ ذَنْبِهِ".

حضرت حمران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان ؓ نے وضوء کیا اور بہت خوب طریقے سے وضوء کیا پھر کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے وضوء کیا پھر فرمایا جس نے بھی اس طرح وضوء کیا اس کے بعد مسجد کی طرف چلا صرف نماز ادا کرنے کے ارادہ سے، تو معاف کیے جاتے ہے اس پچھلے تمام گناہ۔

۵۴۹- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى قَالاَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ الْحُكَيْمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْقُرَشِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَهُمَا عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "مَنْ تَوَضَّأَ لِلصَّلاَةِ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّلاَةِ الْمَكْتُوبَةِ فَصَلاَّهَا مَعَ النَّاسِ أَوْ مَعَ الْجَمَاعَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ غَفَرَ اللهُ لَهُ ذُنُوبَهُ".

حضرت عثمان ؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتے تھے جس نے نماز کے لیے مکمل طور پر وضو کیا اور لوگوں کیساتھ فرض نماز کے لیے چلا یا جماعت کیساتھ یا مسجد میں نماز پڑھی۔ اللہ اس کے گناہ معاف فرمادیگا۔

۵۵۰- **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ - قَالَ: ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ - أَخْبَرَنِي الْعَلاَءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ مَوْلَى الْحُرَقَةِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "الصَّلاَةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اپنے درمیانی اوقات میں وارد ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کریں

تشریح

"مالم تغش الکبائر" یعنی صغائر گناہ معاف ہوجاتے ہیں جبکہ اس کو کبائر نے ڈھانپا نہ ہو یعنی اس میں کبائر نہ ہوں اس جیسے جملوں سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کبائر گناہ موجود ہوں تو صغائر کی معافی نہیں ہوسکتی ہے اہل السنۃ کے نزدیک یہ جملہ شرط کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ یہ استثناء کے درجہ میں ہے یعنی نیک اعمال سے سارے صغائر معاف ہوجاتے ہیں مگر کبائر معاف نہیں ہوتے اس کے لئے توبہ کی ضرورت ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ استثناء کے درجہ میں ہے شرط نہیں ہے ساتھ والی روایت میں اذا اجتنب الکبائر کا مطلب بھی یہی ہے۔

۵۵۱- حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الأَعْلَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جو ان نمازوں کے درمیان گناہ صادر ہوجائے

۵۵۲- حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَهَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ قَالاَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ أَبِي صَخْرٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ إِسْحَاقَ مَوْلَى زَائِدَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُولُ "الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اپنے مابین تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جب تک وہ کبیرہ گناہوں میں ملوث نہ ہوں۔

باب الذکر المستحب عقب الوضوء

وضو کے بعد اذکار مسنونہ کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۵۵۳- حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ رَبِيعَةَ - يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ - عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلاَنِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: وَحَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: كَانَتْ عَلَيْنَا رِعَايَةُ الإِبِلِ فَجَاءَتْ نَوْبَتِي فَرَوَّحْتُهَا بِعَشِيٍّ فَأَدْرَكْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِماً يُحَدِّثُ النَّاسَ

فَأَدْرَكْتُ مِنْ قَوْلِهِ "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ إِلاَّ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ". قَالَ: فَقُلْتُ مَا أَجْوَدَ هٰذِهِ. فَإِذَا قَائِلٌ بَيْنَ يَدَيَّ يَقُولُ الَّتِي قَبْلَهَا أَجْوَدُ. فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ قَالَ: إِنِّي قَدْ رَأَيْتُكَ جِئْتَ آنِفًا قَالَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ - أَوْ فَيُسْبِغُ - الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ إِلاَّ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ".

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے ذمہ اونٹوں کا چرانا لازم تھا۔ پس جب میرا ذمہ لگا تو میں اونٹوں کو شام کے وقت چرانے کے بعد واپس لے کر لوٹا تو میں نے آپ ﷺ کو کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ میں نے بھی آپ ﷺ کے اقوال زرین میں سے ایک بات معلوم کی جو مسلمان بھی وضوء کرے پس وضوء مکمل طریقے سے ہو پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کرے اس طور پر کہ اپنے دل میں اور چہرے سے مکمل دھیان کرنے والا ہو تو اس شخص کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ تو میں نے بے ساختہ کہا کہ یہ کلام کیسا عمدہ اور اعلیٰ صفات کا حامل ہے۔ پس ایک دم اچانک کہنے والے نے کہا کہ جو میرے آگے تھا کہ اس سے پہلی بات اور بھی اچھی اور عمدہ تھی۔ میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ تو انھوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ تم ابھی ابھی آئے ہو اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضوء کرے اور کامل وضوء کرے اس کے بعد کہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازیں کھل جاتے ہیں۔ ان دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

تشریح

"کانت علینا رعایۃ الابل" یعنی اونٹوں کے چرانے کی باری ہمارے خاندان کے ذمہ پر تھی۔

"رعایۃ" را کے کسرہ کے ساتھ رعی سے ہے جانوروں کے چرانے کو کہتے ہیں عرب کی عادت تھی کہ ایک علاقہ کے لوگ اپنے اونٹوں کو اکٹھا کر کے ایک جماعت بناتے تھے اور پھر اس کے چرانے کے لئے محلہ کے لوگوں اور مختلف خاندانوں کے افراد پر اونٹوں کے چرانے کی باری مقرر کرتے تھے اس میں یہ آسانی ہوتی تھی کہ کچھ لوگ اونٹوں کے چرانے پر مقرر ہو جاتے باقی لوگ اپنے دوسرے کاموں کے لئے فارغ ہو جاتے حضرت عقبہ بن عامر اسی پس منظر کو بیان فرماتے ہیں کہ اونٹ چرانے کی باری ہمارے خاندان کی تھی پھر خاندان کے اندر خاص کر میری باری تھی۔

"فروحتھا" جانوروں کو صبح چراگاہ کی طرف لے جانے کے لئے "غدوۃ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور چراگاہ میں چرانے کے لئے "السرح" کا لفظ استعمال ہوتا ہے پھر شام کو واپس گھر لانے کے لئے "رواح" کا لفظ استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے گھروں سے نکالنے کے وقت کا منظر بیان نہیں کیا ہے کیونکہ وہ منظر حسین نہیں ہوتا ہے جانور بھوکے ہوتے ہیں میلے کچیلے ہوتے ہیں لیکن چراگاہ میں چرانے کا منظر بہت ہی عجیب ہوتا ہے مالک ایک جگہ ٹیک لگا کر پورے منظر کو دیکھتا ہے اور جانور ہری بھری گھاس میں چرتے ہیں اسی طرح دن بھر چر کر شام کو جب یہ جانور بھرے پیٹوں کے ساتھ واپس آتے ہیں تو طرح طرح سے دوڑتے

ہیں اور کھیلتے ہیں سورج پہاڑوں کی چوٹیوں سے رخصت ہونے والا ہوتا ہے یہ ایسا منظر ہوتا ہے جس سے زیادہ دلکش منظر کوئی پیش نہیں کر سکتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے۔

"ولکم فیه جمال حین تریحون وحین تسرحون" اس پس منظر کا تعلق قبائل سے ہے قبائلی علماء اس کو سمجھتے ہیں شہری علماء زبان سے بیان تو کر سکتے ہیں لیکن اس حقیقت کی تہہ تک وہ نہیں پہنچ سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے کبھی اس کا نظارہ نہیں دیکھا ہے۔

"بقلبه و وجهه" اس سے خشوع وخضوع مراد ہے اور دل ودماغ سے اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ دنیوی خیالات میں سے کوئی خیال دل میں نہ آئے علماء نے ان دو رکعتوں کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت کی ہے کہتے ہیں کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ جہاد کے دوران دو رکعتوں کی فضیلت کے لئے کھڑے ہوگئے دسیوں رکعتیں پڑھیں مگر پھر بھی دل میں کوئی نہ کوئی خیال آتا اور کامل توجہ حاصل نہیں کر سکتے تھے حضرت سید احمد شہیدؒ نے ان سے پوچھا کہ کیا محنت اٹھا رہے ہو؟ انہوں نے ان دو رکعتوں کی کیفیت اور فضیلت حاصل کرنے کا بتایا سید احمد شہیدؒ نے فرمایا کہ وضو بنالو اور میرے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھ لو چنانچہ پوری نماز میں کامل توجہ حاصل رہی اور کوئی خیال دل پر نہیں گذرا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی بڑی شان ہوتی ہے سید احمد شہید بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔

"ما اجود هذه" یعنی یہ بشارت اور یہ عبادت کتنی عمدہ اور اعلیٰ ہے جو کم خرچ بالانشین ہے محنت کم ثواب زیادہ ہے۔

"فاذا عمر" یعنی عمر فاروق نے فرمایا کہ یہ بشارت بھی بہت عمدہ ہے لیکن تم ابھی آئے ہو اس سے پہلے کلام تم نے نہیں سنا ہے وہ اس سے بھی زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔

"قال" یعنی عمر فاروق نے نبی مکرم ﷺ کی پوری حدیث پڑھ کر سنادی۔

اس باب کے عنوان اور ان احادیث کا مجموعی مقصد یہ ہے کہ وضو کے بعد مسنونہ دعائیں پڑھنی چاہئے اس کا بہت بڑا ثواب ہے اب یہ دعائیں مختلف قسم کی وارد ہیں جس نے جس کو پڑھا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

بعض روایات میں تشہد کا ذکر ہے جس طرح زیر نظر حدیث میں ہے سنن ترمذی میں "اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین" کے الفاظ مذکور ہیں، امام نسائی نے کچھ اور الفاظ پر مشتمل دعا کو نقل کیا ہے سب جائز ہے جس نے جو پڑھا مقصد حاصل ہو جائے گا وضو کے بعد تشہد کی دعا پڑھنے میں لوگ شہادت کی انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو آسمان کی طرف دیکھنا تو احادیث سے ثابت ہے البتہ انگلی اٹھانا شاید اس لئے ہے کہ شہادت کے اقرار کے لئے عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت شاید نہیں ہے۔

۵۵۴- وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ وَأَبِي عُثْمَانَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرِ بْنِ مَالِكٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ. قَالَ: فَذَكَرَ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ".

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی یہی روایت دوسرے اسناد سے بھی منقول ہے لیکن اس میں کلمہ شہادت کے یہ الفاظ ہیں: اشهد ان

الا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ۔ باقی حدیث مبارکہ گزشتہ حدیث کی طرح ہے۔

باب آخر فی صفة الوضوء

وضو کی کیفیت میں ایک اور باب

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۵۵۵ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الأَنْصَارِيِّ - وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ - قَالَ: قِيلَ لَهُ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوءَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. فَدَعَا بِإِنَاءٍ فَأَكْفَأَ مِنْهَا عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا كَانَ وُضُوءُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ صحابی سے کسی نے دریافت کیا کہ ہمارے سامنے وضوء کرو۔ رسول اکرم ﷺ کے وضوء کی طرح۔ تو انھوں نے برتن طلب کیا وضوء کے لیے اور برتن کو جھکا کر اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ پس دونوں ہاتھوں کو تین تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اس سے پانی کو نکالا۔ کلی کی اور ناک صاف کیا ایک ہاتھ سے اور اس طرح کیا تین بار، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی کو نکالا اور دھویا اپنے چہرے کو تین بار، دوبارہ برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی کو نکالا اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، دوبارہ پھر برتن میں ہاتھ گیلا کر کے سر کا مسح کیا اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کو لے گئے اور دوبارہ پیچھے سے آگے کی طرف لائے، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھو ڈالے۔
پھر فرمایا: نبی اکرم ﷺ کا وضوء بھی اسی طرح تھا۔

تشریح

''فاکفاء'' برتن سے پانی گرانے بہانے کے لئے برتن کے ٹیڑھا کرنے کو اکفاء کہتے ہیں پہلے ہاتھ باہر دھوئے پھر پاک ہاتھوں کو برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور وضو بنایا۔

''فمضمض واستنشق من کف واحدة'' اس حدیث میں مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت کو بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ایک چلو سے تین بار مضمضہ اور استنشاق کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی فقہاء کرام کے طرز عمل اور اجتہادی سوچ میں اختلاف آیا ہے اگرچہ یہ اختلاف اولیٰ غیر اولیٰ اور افضل غیر افضل کا اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے۔

مضمضہ واستنشاق کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف

من کف واحدة: حدیث مبارک کے اس لفظ سے مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت اور طرز عمل

میں احناف اور شوافع نے اپنے اپنے انداز سے الگ الگ طریقہ کو افضل اور اولیٰ قرار دیا ہے اس میں کل پانچ طریقے ہیں احناف نے پانچویں طریقے کو افضل اور راجح کہا ہے اور شوافع نے چوتھے طریقے کو پسندیدہ قرار دیا ہے جائز سب طریقے ہیں۔

(۱) پہلا طریقہ یہ کہ ایک چلو پانی ہاتھ میں لے کر ایک ساتھ منہ اور ناک میں تین بار ڈالا جائے یعنی ایک ہی چلو کا کچھ پانی منہ میں اور کچھ ناک میں تین بار ڈالا جائے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی چلو پانی ہے مگر پہلے منہ میں اس کا کچھ حصہ تین بار ڈالا جائے اور پھر باقی حصہ ناک میں تین بار ڈالا جائے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک چلو سے تین بار مضمضہ کیا جائے پھر دوسرے چلو سے تین بار استنشاق کیا جائے۔

(۴) چوتھا طریقہ جو شوافع کے ہاں پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک چلو سے اولاً مضمضہ اور استنشاق کیا جائے پھر دوسرا چلو لے کر مضمضہ اور استنشاق کرے اور پھر تیسرا چلو سے مضمضہ اور استنشاق کرے۔

(۵) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ تین چلو سے مضمضہ کیا جائے پھر الگ الگ تین چلو لے کر استنشاق کیا جائے گویا چھ چلوؤں سے دونوں کا کام ہو جائے گا یہ طریقہ احناف کے ہاں پسندیدہ ہے۔

اس تفصیل کو آپ مختصر طور پر اس طرح سمجھ لیں کہ مضمضہ کی کیفیت میں چار اقوال ہیں: (۱) غرفۃ (۲) غرفتین (۳) ثلاث غرفات (۴) ست غرفات۔ یہ چوتھا قول احناف کے ہاں افضل ہے اور تیسرا قول شوافع کے ہاں افضل ہے۔

شوافع حضرات نے زیر بحث حدیث "من کف واحدۃ" کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ اس میں غرفات میں وصل کا بیان ہے تو چوتھا طریقہ اس کا بہترین مصداق ہے۔

ائمہ احناف نے کئی روایات سے استدلال کیا ہے لیکن ترمذی کی روایت سب سے زیادہ واضح ہے جو عبداللہ بن زید کی روایت ہے۔

"قال رأیت النبی ﷺ مضمض واستنشق من کف واحد فعل ذلک ثلاثا"۔ (رواہ الترمذی)

ادھر ابوداؤد میں بھی یہ الفاظ ہیں صحابی فرماتے ہیں: "فرأیتہ یفصل بین المضمضۃ والاستنشاق" (ص ۱۹)

ائمہ احناف "من کف واحدۃ" کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں ایک ہاتھ کو استعمال میں لاؤ ایک ہاتھ کے چلو سے کام چلاؤ چہرہ کی طرح دونوں ہاتھوں کو استعمال نہ کرو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک چلو سے مضمضہ اور استنشاق بیان جواز کے لئے ہے تو جائز ہم بھی مانتے ہیں اور شوافع کے ہاں فصل بھی جائز ہے تو کوئی اختلاف نہیں اولیٰ غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے نیز قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ وضو کے تمام اعضاء کے لئے الگ الگ پانی لے کر تین بار استعمال کیا جاتا ہے تو ناک اور منہ کا بھی اسی طرح حکم ہونا چاہئے نیز صحیح مسلم اور بخاری کی روایت میں ثلاث غرفات کے الفاظ موجود ہیں جو احناف کی واضح دلیل ہے اسی طرح زیر نظر حدیث میں "ففعل ذلک ثلاثا" کے الفاظ بھی احناف کی دلیل ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں فمضمض واستنثر واستنشق واستنثر ثلاثا بثلاث غرفات من ماء (بخاری) یعنی کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ صرف ایک چلو سے۔

"ثم غسل رجلیہ" پاؤں کے دھونے پر بیشمار احادیث دلالت کرتی ہیں پھر الی الکعبین کا لفظ تو پاؤں پر مسح کرنے کو قبول ہی

نہیں کرتا ہے کیونکہ مسح کو کعبین تک کرنا کسی کے ہاں نہیں ہے شیعہ کا وضو نہیں تو نماز نہیں تو ہر خیر سے محروم ہیں۔

۵۵۶ - وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ - هُوَ ابْنُ بِلَالٍ - عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرِ الْكَعْبَيْنِ.

حضرت عمرو بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح اس اسناد کیساتھ روایت ہے لیکن اس میں ٹخنوں تک کا تذکرہ نہیں ہے۔

۵۵۷ - وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا. وَلَمْ يَقُلْ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ. وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

حضرت عمرو بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور سند کیساتھ یہی روایت اسی طرح مروی ہے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا تین بار اور اس میں کفٍ واحدۃ نہیں فرمایا اور سر کے مسح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سر کا مسح آگے سے شروع کیا اور پیچھے گدی تک لے گئے پھر واپس اسی جگہ لائے جس جگہ سے مسح شروع کیا تھا اور پھر اپنے پاؤں کو دھویا۔

۵۵۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بِمِثْلِ إِسْنَادِهِمْ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ وَقَالَ: فِيهِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ مِنْ ثَلَاثِ غَرَفَاتٍ. وَقَالَ: أَيْضًا فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً. قَالَ: بَهْزٌ أَمْلَى عَلَيَّ وُهَيْبٌ هَذَا الْحَدِيثَ. وَقَالَ: وُهَيْبٌ أَمْلَى عَلَيَّ عَمْرُو بْنُ يَحْيَى هَذَا الْحَدِيثَ مَرَّتَيْنِ.

حضرت عمرو بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ نے کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور تین دفعہ چلوؤں سے صاف کیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا سر کا مسح آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کی طرف ایک مرتبہ کیا۔

۵۵۹ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ ح وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ وَأَبُو الطَّاهِرِ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ حَبَّانَ بْنَ وَاسِعٍ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيَّ ثُمَّ الأَنْصَارِيَّ يَذْكُرُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَضْمَضَ ثُمَّ اسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا وَالأُخْرَى ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدِهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ حَتَّى أَنْقَاهُمَا. قَالَ: أَبُو الطَّاهِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ.

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے کلی کی اور پھر ناک صاف کیا اس کے بعد چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور تین بار دائیں ہاتھ کو اور تین بار بائیں ہاتھ کو دھویا اور اپنے سر مبارک کا مسح کیا ایسے پانی سے جو ہاتھوں سے بچا ہوا نہ تھا اور پاؤں کو دھویا۔ یہاں تک کہ خوب صاف کیا۔

تشریح

''بماء غیر فضل یدہ'' یعنی مسح سر کے لئے ہاتھوں کا بچا ہوا پانی استعمال نہیں کیا بلکہ نیا تازہ پانی لیا اور مسح کیا عام فقہاء کی یہی رائے ہے

احناف بھی اس کا اقرار کرتے ہیں البتہ اگر کسی نے سر کے مسح کے لئے نیا پانی نہیں لیا بلکہ وضو کے پانی سے تر ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کیا تو مسح ہو جائے گا کیونکہ مسح تر ہاتھوں کو عضو پر پھیرنے کا نام ہے وہ حاصل ہو گیا ہاتھ جب گیلے ہیں تو یہ مسح کے لئے کافی ہے سنن ترمذی میں یہ لفظ "غبر يديه" کے الفاظ کے ساتھ بھی آیا ہے مگر امام ترمذی نے اس نسخہ پر سخت تنقید کی ہے احناف سر کے مسح کے لئے نئے پانی کے نہ لینے پر اس لفظ سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال کمزور ہے کہ یہ نسخہ مخدوش ہے۔

بہر حال کامل وضو وہی ہے کہ سر کے مسح کے لئے نیا پانی لیا جائے علامہ نووی نے صفة الوضوء کے لئے کئی باب مختلف عنوانات کے ساتھ قائم کیے ہیں جو حشو اور تطویل بلکہ باعث تشویش ہے۔

الحمد للہ یہ سطور میں مسجد نبوی میں شام کے وقت عین افطار کے موقع پر رمضان ۲ ۱۴۳۲ھ میں لکھ رہا ہوں۔

باب الایتار فی الاستنثار و الاستجمار

استنشاق اور استجمار میں طاق عدد مستحب ہے

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۵۶۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ جَمِيعاً عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ - قَالَ: قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ - عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِذَا اسْتَجْمَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ وِتْراً وَإِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص بھی استنجاء کرے تم میں سے تو طاق عدد اختیار کرے (۳ یا ۵ عدد) اور تم میں سے جب کوئی طہارت حاصل کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ناک میں پانی ڈالے پھر ناک کو جھاڑے۔ یعنی صاف کرے۔

تشریح

"اذا استجمر" استجمار باب استفعال سے ہے جمار چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں باب استفعال میں سین اور تا طلب کے لئے ہے یعنی استنجا میں کنکریاں استعمال کرنا تاکہ محل پاخانہ صاف ہو جائے اگر پانی سے ہو تو اس کو استطابہ بھی کہتے ہیں لفظ استجمار تین مقامات میں استعمال ہوتا ہے اور تینوں کا الگ الگ مفہوم ہے اگر یہ لفظ استنجاء کے باب میں استعمال ہو جائے پھر استعمال کرنے کے معنی میں ہوتا ہے اور اگر یہ لفظ عطریات کے باب میں آجائے تو وہاں عود کی انگیٹھی سے خوشبو لینے کے معنی میں ہوتا ہے وہ بھی تین بار لینا مستحب ہے اور اگر یہ لفظ رمی جمرات کے باب میں آجائے تو وہاں سات کنکریاں مارنے کے معنی میں ہوگا سب میں طاق عدد مستحب ہے یہاں استنجا کرنے میں تین پتھر استعمال کرنا مراد ہے اس میں فقہاء کا اختلاف اگلی حدیث ۵۶۵ میں آرہا ہے۔

"ثم یستنثر" ناک میں پانی چڑھانے کو استنشاق کہتے ہیں اور ناک صاف کرنے کے لئے پانی واپس گرانے کو استنثار کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے جو تین بار مستحب ہے استنجاء میں تین پتھر استعمال کرنے کا مسئلہ آرہا ہے احناف انقاء اور صفائی کو واجب کہتے ہیں ایتار و تثلیث

کو مستحب مانتے ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے من فعل فقد احسن "و من لا فلا حرج" (رواه السنن الاربعہ) شوافع کا ایک قول وجوب کا ہے کہ ایتار و تثلیث دونوں واجب ہیں دوسرا قول استحباب کا ہے۔

۵۶۱ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرَيْهِ مِنَ الْمَاءِ ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص تم میں سے وضوء کرے تو اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈال کر صاف کرے پھر اس کے بعد ناک کو جھاڑے۔

تشریح

"ھذا ما حدثنا به ابو ھریرہ" حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس احادیث مقدسہ کا ایک مجموعہ تھا اس مجموعہ سے امام مسلمؒ بھی احادیث نقل کرتے ہیں اور امام بخاریؒ بھی نقل کرتے ہیں لیکن دونوں کے نقل کرنے کا الگ الگ طریقہ ہے امام مسلمؒ بواسطہ ھمام بن منبہ اس صحیفہ سے احادیث لیتے ہیں اس میں الفاظ اس طرح ہوتے ہیں۔

"عن ھمام بن منبہ قال ھذا ما حدثنا به ابو ھریرة عن محمد رسول اللہ ﷺ" چنانچہ زیر نظر حدیث میں اسی طرح ہے۔
لیکن امام بخاری حضرت ابو ہریرہ کے صحیفہ سے بواسطہ عبدالرحمن ہرمز الاعرج حدیث لیتے ہیں مگر ان کا طریقہ اس طرح ہوتا ہے کہ امام بخاری اس صحیفہ کی پہلی حدیث کے الفاظ نقل کرتے ہیں چنانچہ "باب البول فی الماء الدائم" ص ۳۷ پر امام بخاری فرماتے ہیں "نحن الآخرون السابقون" یہ اس صحیفہ کی پہلی حدیث کے الفاظ ہیں ان الفاظ سے امام بخاری بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے صحیفہ سے لی گئی ہے۔
"بمنخریه" یہ منخر کا تثنیہ ہے ناک کے اوپر حصہ کو کہتے ہیں جو نرم حصہ کے ساتھ سخت حصہ لگا ہوا ہے اس کو ناک کا بانسہ کہتے ہیں استنشاق اور استنثار کا فرق نہیں بھولنا چاہئے ایک میں پانی کا ناک میں چڑھانا ہے دوسرے میں گرانا ہوتا ہے۔

۵۶۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے تو ناک صاف کرے اور جو استنجاء کرے تو وہ طاق عدد اختیار کرے۔

۵۶۳ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولَانِ قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ. بِمِثْلِهِ.

۵۶۴ - حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ - يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ - عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى خَيَاشِيمِهِ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بھی تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو وہ ناک کو جھاڑے تین مرتبہ کیونکہ شیطان اس کے نتھنوں میں رات بسر کرتا ہے۔

تشریح

"بیت علی خیاشیمہ" یہ خیشوم کی جمع ہے ناک کے اوپر حصہ کو کہتے ہیں جہاں نرم ہڈی ہوتی ہے اس کے اوپر دماغ ہوتا ہے اسی کو منخر بھی کہتے ہیں بعض اہل لغت نے کہا کہ پوری ناک کو خیشوم کہتے ہیں یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا شیطان حقیقتاً ناک کے خیشوم پر بیٹھ کر رات گزارتا ہے یا یہ استعارہ اور مجاز ہے قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ شیطان حقیقۃ ناک کے بانسے پر بیٹھ کر رات گزارتا ہے کیونکہ ناک سے منفذ سیدھا دل پر جا کر پہنچتا ہے تو شیطان دل کو خراب کرنے کے لئے رات بھر ناک سے دل پر وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور یہی اس بین الاقوامی بے غیرت کا کام ہے دوسرا مطلب قاضی عیاض نے یہ بتایا ہے کہ یہ کلام مجاز پر محمول ہے مراد یہ ہے کہ شیطان ناک کے ذریعہ سے وسوسے ڈالتا رہتا ہے خود نہیں بیٹھتا ہے صرف وسوسے ڈالتا ہے بہرحال یہ خبیث خود بیٹھ جائے یا وسوسے ڈالے اس سے ناک کے اندر کا حصہ گندہ ہو جاتا ہے تو اسلام نے ناک دھونے اور استنشاق و استنثار کا حکم دیا ہے تا کہ شیطان کی گندگی دور ہو جائے۔

۵۶۵ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ: ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا اسْتَجْمَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُوتِرْ".

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی استنجاء کرے تم میں سے تو وہ طاق عدد استعمال کرے۔

تشریح

"اذا استجمر احدکم فلیوتر" یعنی جب تم میں سے کوئی شخص استنجاء بالاحجار کرے تو تین پتھر استعمال کرے۔ آگے "باب الاستطابة" میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"او ان نستنجی باقل من ثلاثۃ احجار" یعنی ہمیں روکا گیا ہے کہ ہم تین ڈھیلوں اور پتھروں سے کم سے استنجا کریں اس حدیث سے ایک اختلافی مسئلہ سامنے آتا ہے جو یہ ہے۔

استنجاء بالاحجار میں طاق عدد کا حکم

"ان نستنجی باقل من ثلاثۃ احجار" اس جملہ میں حق النفس کا بیان آ گیا اور اس میں تیسرے اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس

کا عنوان استنجاء بالاحجار ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

یہاں تین چیزیں قابل لحاظ ہیں (۱) انقاء محل یعنی محل کو صاف کرنا (۲) تثلیث یعنی تین کے عدد کا لحاظ رکھنا (۳) ایتار یعنی طاق عدد کی رعایت کرنا اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تینوں کی رعایت کرنی چاہئے مگر اختلاف اس میں ہے کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔

تو امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تثلیث بھی واجب ہے ایتار بھی واجب ہے اور انقاء یعنی صفائی حاصل کرنا بھی واجب ہے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تنقیہ یعنی محل کی صفائی واجب ہے اور تثلیث وایتار مستحب ہے۔

ثمرۂ اختلاف:

اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ مثلاً ایک آدمی نے دو ڈھیلوں سے انقاء کر لیا اب تیسرا ڈھیلا استعمال کرنا واجب ہے یا نہیں تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں واجب ہے تاکہ تثلیث حاصل ہوجائے اور مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں واجب نہیں ہے۔ اور اگر چار ڈھیلوں سے تنقیہ ہوگئی تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں ایتار کے حصول کے لئے پانچواں ڈھیلہ استعمال کرنا واجب ہے۔ جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں واجب نہیں ہے۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ کی پہلی دلیل سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے جس میں تین پتھروں سے کم پر اکتفاء کرنے کو منع کیا گیا ہے۔

ان کی دوسری دلیل اسی باب میں حضرت جابرؓ اور ابوہریرہؓ کی روایت ہے ''من استجمر فلیوتر'' اس میں ایتار کا ذکر ہے پھر حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک روایت ان حضرات کی تیسری دلیل ہے جس میں ''وأمر بثلاثۃ احجار'' کے الفاظ آئے ہیں۔

ان حضرات کی چوتھی دلیل حضرت سلمان فارسی کی ایک روایت ہے جس میں ''ولا نکتفی بدون ثلاثۃ احجار'' کے الفاظ آئے ہیں۔

ائمہ احناف اور مالکیہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ کے صفحہ ۴۳ میں مذکور ہے جس میں ''من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج'' کے الفاظ آئے ہیں جس سے اباحت اور استحباب معلوم ہوتا ہے۔

ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۲ پر ہے جس میں ''فانھا تجزئ عنہ'' کے الفاظ آئے ہیں جس سے احناف اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تجزئ فرمایا ہے یعنی یہ تین پتھر کفایت کرتے ہیں یعنی تنقیہ کے لئے کافی ہیں یہاں اصل مقصود انقاء کو بیان کیا ہے عدد اور ایتار و تثلیث کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا گیا اس طرز پر یہ حدیث ہماری دلیل بنے گی ورنہ بظاہر یہ شوافع کی دلیل ہے۔

جواب: شوافع حضرات نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ تین پتھروں کے ثبوت پر دال اور تین سے کم کی نہی اور ممانعت پر دال ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین اور طاق ہمارے نزدیک بھی مستحب ہے تو ان احادیث کو استحباب پر حمل کریں گے تاکہ تمام احادیث میں تطبیق آجائے اور تعارض ختم ہوجائے اور تین سے کم پتھروں کے استعمال کو مکروہ تنزیہی سمجھیں گے تو تعارض ختم ہوجائے گا۔

الزامی جواب: اصل مقصود تنقیہ اور صفائی ہے طاق ہونا یا تین ہونا کوئی مقصود نہیں ہے اگر تثلیث وایتار وجوبی طور پر مقصود ہوتا تو پھر شوافع کے ہاں ایک ایسے پتھر کو جس کے تین کونے ہوں اور ہر کونہ الگ الگ استعمال کیا اور تنقیہ حاصل ہوگئی تو ان کے نزدیک یہ

جائز کیوں ہے حالانکہ نہ اس میں تثلیث ہے نہ ایتار ہے معلوم ہوا یہ چیزیں ضروری نہیں صرف مستحب ہیں۔

رجیع: گوبر کو کہتے ہیں "رجیع" فعیل کے وزن پر اسم مفعول "مرجوع" کے معنی میں ہے اردو میں اس کے معنی لوٹنے اور لوٹائے جانے کے ہیں اور گوبر اور غلاظت بھی طہارت سے نجاست کی طرف لوٹ کر آئے ہیں گوبر سے استنجاء اس لئے ناجائز ہے کہ یہ موجب تلویث ہے۔

بعظم: ہڈی کو عظم کہتے ہیں ہڈی سے استنجاء جائز نہیں یا تو اسلئے کہ چکناہٹ اور گوشت کی بوٹی لگی ہوئی ہڈی سے صفائی حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور اگر خشک پرانی ہڈی ہے تو ملاست کی وجہ سے یعنی کھردرا نہ ہونے کی وجہ سے صفائی حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور یا نوکیلی ہڈی کی وجہ سے زخم لگنے کا خطرہ ہے۔

لیکن حدیث شریف میں ممانعت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ جنات کی خوراک ہے اور یہی واضح تر ہے استنجاء میں استعمال ہونے والی چیزوں اور استعمال نہ ہونے والی چیزوں کے لئے قاعدہ اور ضابطہ اس عربی عبارت میں فرمایا: **کل شی طاهر قالع للنجاسة غیر محترم"**

زیر بحث حدیث میں رجیع اور عظم کا ذکر نہیں ہے مگر آگے **"باب الاستطابة"** میں یہ الفاظ آئے ہیں اس لئے میں نے یہاں اس کی تشریح کردی یہ عجیب اتفاق ہے کہ استنجاء بالاحجار کا مسئلہ مکرر لکھا گیا ہے مجبوری سے ایسا ہوگیا ہے۔

(پڑھنے والے قاری اعتراض نہ کریں کچھ الفاظ میں فرق بھی ہے)

مثلاً چند فوائد اس طرح ہیں کہ روث اور رجیع ایک ہی چیز ہے جو گوبر کے معنی میں ہے مگر روث اور لید گھوڑوں کے فضلات کو کہتے ہیں اور "بعرة" بھیڑ بکری اور اونٹوں کی مینگنیوں کو کہتے ہیں اور سرقین بھینس گائے کے فضلات کو کہتے ہیں رجیع کی تشریح ہوگئی ہے، روث یعنی لید سے استنجاء کی ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ حدیث میں منع کر دیا گیا ہے کہ یہ تمہارے بھائی جنات کی خوراک ہے اس میں جو دانے ہوتے ہیں وہ جنات کھاتے ہیں یا گوبر جنات کے جانوروں کی خوراک ہے۔

اب یہاں ایک مشہور اعتراض ہے وہ یہ کہ انسان اور جنات کی شریعت ایک ہی ہے پھر گوبر جو حرام چیز ہے جنات اس کو کیسے استعمال کرتے ہیں اس کے دو جواب تو اوپر گزر گئے۔

پہلا جواب یہ کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ گوبر اٹھاتے ہی ان کے لئے وہ کھجور میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ شیخ الہندؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ ایک ہی شریعت میں مختلف اصناف کے لوگوں کے حق میں حکم بدل جاتا ہے جس طرح مردوں کے لئے ریشم کا لباس حرام ہے اور عورتوں کے لئے جائز ہے تو اسی طرح جنات کے لئے گوبر جائز ہے۔ انسانوں کے لئے حرام ہے۔

فانه: اس ضمیر کے مرجع میں کلام ہے کہ ضمیر مفرد کیوں ہے حالانکہ سابق میں دو چیزیں ہیں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ضمیر عظام کی طرف راجع ہے اور عظام اگرچہ جمع ہے لیکن طعام کے معنی میں ہے تو ضمیر لوٹانا صحیح ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کے اعتبار سے ضمیر لوٹائی گئی ہے یعنی ہر ایک مذکور کا یہ حکم ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ مرقات میں ملا علی قاریؒ نے جس نسخہ کو نقل کیا ہے اس میں "انها" کی ضمیر مؤنث ہے۔

ولا بالعظام: ہڈی سے استنجاء کی ممانعت کی وجوہات اور شرح اس باب کی حدیث نمبر ۲ میں گزر چکی ہے یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جنات کے لئے ان ہڈیوں پر نیا گوشت پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو کھاتے ہیں اور بعض روایات میں صرف

سونگھنے کا ذکر آیا ہے۔سوات کے میرے محترم استاذ مولانا فضل محمدؒ نے درس مشکوٰہ کے وقت فرمایا کہ میں نے ایک جنی سے پوچھا تھا تو اس نے کہا کہ ہم صرف سونگھ کر سیر ہوجاتے ہیں نیا شوگت نہیں آتا ہے۔

بعض روایات میں کوئلہ کی بھی ممانعت آئی ہے جیسا کہ اس باب کی آخری حدیث نمبر ۳۹ میں ہے۔اس میں کوئلہ کو جنات کا رزق بتایا گیا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کھانا پکانے میں آگ جلانے اور روشنی کرنے میں استعمال کرتے ہیں تو "رزقا" بمعنی انتفاعا ہے۔جنات بھی عجیب مخلوق ہیں۔

قاعدہ:

ایک جامع قاعدہ کو سمجھ لیا جائے کہ استنجاء کن کن اشیاء سے جائز ہے تو فرمایا:

یجوز الاستنجاء بکل جامد طاهر منق قالع للنجاسة غیر موذ لیس بذی حرمة ولا شرف ولا یتعلق به حق الغیر۔(شرح نقایه ملاعلی قاری ﷫ ج ۱ ص ۴۹)

اس عبارت میں لیس بذی حرمة کی قید سے وہ کپڑا خارج ہوگیا جو کسی کے کام میں آسکتا ہو اسی طرح روئی بھی نکل گئی اسی طرح مکئی کے بھٹے کا دانوں سے خالی حصہ بھی نکل گیا جس سے عموماً عورتیں بچوں کے پاخانہ کو صاف کرتی ہیں نیز اس سے وہ سارے کاغذات بھی نکل گئے جو کسی طور پر قابل احترام ہوں ہاں جو کاغذ اسی صفائی کے لئے بنایا گیا ہو جیسے ٹوائلٹ پیپر وغیرہ تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما فی الوضوء

وضو میں پاؤں کا مکمل دھونا فرض ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دس احادیث کو بیان کیا ہے

نوٹ: اس باب کی تشریح وتحریر میں نے مسجد نبوی میں روضۂ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر ۱۱ رمضان ۱۴۳۲ھ میں لکھنی شروع کی ہے۔

۵۶۶ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ وَأَبُو الطَّاهِرِ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالُوا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَالِمٍ مَوْلَى شَدَّادٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فَدَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فَتَوَضَّأَ عِنْدَهَا فَقَالَتْ: يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ".

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس (ان کے بھائی) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ہاں وضوء کیا تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے عبدالرحمن! صحیح طریقے سے وضوء کرو اور مکمل طور پر کرو کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے سخت ہلاکت ہے خشک رہنے والی ایڑیوں کے لیے آگ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح کی حدیث دوسری سند کیساتھ بھی مروی ہے۔

تشریح

"ویل" ویل کا لفظ ہلاکت اور خسران کے لئے استعمال کیا گیا ہے دوزخ کے ایک خاص مقام کو بھی ویل کہتے ہیں۔
"للاعقاب" یہ عقب کی جمع ہے جو پاؤں کی ایڑی کو کہتے ہیں زیر بحث روایات میں چھ بار یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس میں عبارت محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے "ویل لاصحاب الاعقاب من النار" یعنی وضو میں جن کی ایڑیاں خشک رہ گئیں ان کو دوزخ کی آگ جلائے گی مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا وضو صحیح نہیں ہوا تو نماز صحیح نہیں ہوئی تو جن کی فرض نماز رہ گئی وہ دوزخ کا مستحق ہوگا صرف ایڑی دوزخ میں نہیں ہوگی پورا انسان دوزخ میں جائے گا لہٰذا ہر مسلمان پر کامل و مکمل وضو بنانا فرض ہے ان احادیث میں ایک لفظ "عراقیب" کا بھی آیا ہے یہ عرقوب کی جمع ہے ایڑی کے اوپر ٹانگ کے ساتھ جڑا ہوا جو پٹھہ ہے اسی کو عرقوب کہتے ہیں یعنی کونچ، ایڑی کے اوپر کا پٹھہ۔ اردو میں اس کو "سڑین" کہتے ہیں فارسی میں اس کو "پاشنہ" کہتے ہیں پشتو میں اس کو "لمبندئے" کہتے ہیں شاعر ساحر نے عورتوں کے محاسن کے تذکرہ میں کہا ہے:

ولا بـــرزن مـــن الحمـــام مائلـــة   اوراكهـــن صـــيقلات العراقيـــب

احادیث کی ان شدید وعیدات سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔
شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جن خواہش پرست بدبختوں نے وضو میں پاؤں کے دھونے کا انکار کیا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص جنگ بدر یا جنگ احد کے واقع ہونے کا انکار کرتا ہے یہ مسئلہ تو آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے۔ (فتح الملہم)
بہر حال اس سلسلہ میں مسئلہ کی پوری تفصیل پیش خدمت ہے۔

مسئلة غسل الرجلين

ویل للأعقاب من النار: تمام اہل سنت تمام صحابہ وتابعین اور تمام فقہاء وصلحاء اور علماء سلفاً وخلفاً اس پر متفق ہیں کہ وظیفہ رجلین وضو میں غسل ہے اور عدم تخفف کی حالت میں پاؤں پر مسح کرنا بالکل جائز نہیں ہے شیعہ امامیہ اور روافض نے اس مسئلہ میں پوری امت کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ وظیفہ رجلین صرف مسح ہے غسل نہیں بعض نے یہ مسلک ابن جریر طبریؒ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ابن جریر طبری دو ہیں ایک سنی ہے ایک شیعہ ہے یہاں سنی مراد نہیں ہے اور اگر ابن جریر سنی بھی ہو تو ان کا کلام اس مسئلہ میں صریح نہیں صرف کلام میں وہم ہے۔

دلائل شیعہ:

شیعہ روافض نے آیت الوضو میں "وأرجلكم الى الكعبين" کی جر والی قرأت سے استدلال کیا ہے کہ جر کی صورت میں یہ "رؤوسکم" پر عطف ہے یعنی سر پر مسح کرو اور پاؤں پر بھی مسح کرو شیعہ نے کہا کہ "أرجلكم" میں نصب والی قرأت بنزع الخافض ہے یعنی "أرجلكم" نصب کی صورت میں درحقیقت "بأرجلكم" تھا باکو ہٹانے کی وجہ سے نصب آ گیا۔
شیعہ کی دوسری دلیل ابن عباسؓ کا قول ہے جس کے الفاظ کم وبیش اس طرح ہیں "لايدل كلام الله الا بالمسح وأبى الناس الا الغسل" بعض نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "أمر الله بالمسح وأبى الناس الا الغسل" اسی طرح شیعہ حضرت علیؓ سے کچھ اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔

اہل السنۃ کے دلائل:

اہل سنت والجماعۃ کی دلیل یہی آیت الوضوء ہے لیکن وہ "وارجلکم" میں نصب کی قرأت کو لیتے ہیں جو "فاغسلوا وجوھکم" پر عطف ہے جو دھونے پر واضح دلیل ہے جمہور کی دوسری دلیل اس باب کی بہت ساری حدیثیں ہیں جس میں پاؤں کی ایڑی خشک رہنے پر شدید وعید آئی ہے معلوم ہوا پاؤں کا وظیفہ مکمل طور پر دھونا ہے۔

جمہور کی تیسری دلیل حضرت عمرو بن عبسہؓ کی ایک روایت ہے جو درحقیقت آیت الوضوء کی تفسیر ہے حضرت عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے وضو کے متعلق پوچھا آپ نے جواب کے ضمن میں فرمایا:

"ثم یغسل قدمیه الی الکعبین کما امر اللہ تعالیٰ" (رواہ ابن خزیمہ وابو عوانہ)

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم "وارجلکم الی الکعبین" سے غسل اور دھونا مراد ہے جمہور نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوری زندگی میں کبھی ننگے پاؤں پر مسح ثابت نہیں ہے نہ صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا ہے بلکہ سب کا عمل غسل پر تھا گویا یہ ایسا اجماع ہے جس میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔

جوابات:

جمہور نے شیعہ شنیعہ کے دلائل کے کئی جوابات دیے ہیں۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ آیت میں جو جر کی قرات آئی ہے یہ جر جوار ہے یعنی ایک کلمہ کے پڑوس کی وجہ سے کبھی کبھی اس کا اعراب دوسرے کلمہ کو دیا جاتا ہے تو آیت میں برؤوسکم میں جر تھا تو أرجلکم کو بھی اس پڑوس کی وجہ سے مجرور پڑھا گیا یہ لفظوں میں مسح کے ساتھ لیکن معنی کے اعتبار سے یہ مغسول کے ساتھ ہے کلام عرب میں جر جوار کا اعتبار ہے چنانچہ عبدالرسول لکھتے ہیں:

گاہ اسے میشود مجرور از بجر جوار ہم ازیں جانز دعامہ جر ارجل شد روا

یعنی کبھی کبھی کوئی اسم جر جوار کی وجہ سے مجرور ہوجاتا ہے اسی وجہ سے عام علماء کے نزدیک وارجلکم میں جر آگیا ہے۔ جر جوار قرآن عظیم سے بھی ثابت ہے جیسے "عذاب یوم الیم" الیم عذاب کی صفت ہے جو مرفوع ہونا چاہئے تھا مگر یوم کے پڑوس کی وجہ سے مجرور ہوگیا ہے۔

اور جیسے "عذاب یوم محیط" ہے کہ محیط جر جوار کی وجہ سے مجرور ہے نیز "حجر ضب خرب" "ماء شن بارد" اسی طرح حدیث میں "من ملک ذارحم محرم" یہاں محرم جر جوار سے مجرور ہے۔ عرب اور عربیت کا مشہور شاعر امرؤالقیس کہتا ہے:

کأن ثبیر فی عرانین وبله کبیر اناس فی بجاد مزمل

یہاں "مزمل" کبیر اناس کی صفت ہے اسے مرفوع ہونا چاہئے مگر "بجاد" کے پڑوس کی وجہ سے مجرور ہوگیا ہے۔

عبدالرسول جو مشہور نحوی ہیں انہوں نے یہاں اعتراض کیا ہے کہ جر جوار سلسلۂ معطوفات میں ممنوع ہے اور یہاں آیت میں وارجلکم معطوف ہے۔

اس کا جواب روح المعانی نے دیا ہے کہ عبدالرسول کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ محاورۂ عرب میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں خود قرآن کریم میں

"وحور عین" سلسلہ معطوفات میں جر جوار کے ساتھ آیا ہے پورا کلام اس طرح ہے ولحم طیر مما یشتھون وحور عین (سورہ واقعہ آیت ۲۲) یہاں پر کسائی اور حمزہ اور عاصم کی قرأت میں حور عین میں "حور" جر جوار کے ساتھ مجرور ہے اور اس کا پڑوسی لحم کا کلمہ ہے جو پہلے سے مجرور چلا آرہا ہے باقی قرأتوں میں یہ مرفوع ہے۔

جمہور امت کی طرف سے شیعہ کو دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عبدالرسول کے اس اشکال کی وجہ سے ابن حاجبؒ نے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے آپ نے لکھا ہے کہ "وارجلکم" اصل میں فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اصل عبارت اس طرح ہے:

"وامسحوا برؤسکم واغسلوا ارجلکم"

وہ فرماتے ہیں کہ یہ از قبیل علفتھا تبنا وماء باردا ہے کہ موجودہ عامل کے علاوہ اصل عامل محذوف ہے کیونکہ موجودہ عامل کے ساتھ معنی صحیح نہیں رہتا یعنی میں نے اونٹنی کو چارہ اور ٹھنڈا پانی کھلایا حالانکہ پانی پلایا جاتا ہے کھلایا نہیں جاتا لہٰذا معنی کو درست کرنے کے لئے مناسب فعل کو محذوف ماننا پڑے گا اور وہ سقیتھا ہے یعنی "سقیتھا ماء باردا" ایک اور مثال ہے:

اذا ما الغانیات برزن یوما　　　وزججن الحواجب والعیونا

"ای واکتحلن العیونا" یعنی جب گیت گانے والی عورتیں ایک دن نکل آئیں تو انہوں نے آبرو کے بالوں کو استرہ سے بنایا اور آنکھوں میں سرمہ ڈالا تو یہاں معنی درست کرنے کے لئے واکتحلن فعل محذوف ہے کیونکہ آنکھوں میں استرہ نہیں چلایا جاتا بلکہ سرمہ ڈالا جاتا ہے اسی طرح شاعر کا یہ شعر ہے:

یالیت بعلک فی الوغی　　　متقلدا سیفا ورمحا

اے کاش اگر تیرا شوہر لڑائی کے دن تلوار و نیزہ کو گلے میں باندھ کر آتا۔

یہاں "رمحاً" سے پہلے "حاملا" محذوف ہے تاکہ مطلب درست ہوجائے یعنی تلوار گلے میں اور نیزہ کندھے پر اٹھا کر آتا تو جس طرح ان مقامات میں معمول کے لئے مناسب فعل محذوف ماننا پڑا ہے اسی طرح وأرجلکم کے لئے واغسلوا کا فعل محذوف ماننا پڑے گا اور پہلا اغسلوا اس پر دلالت بھی کرتا ہے کہ واغسلوا کا فعل اس کے لیے محذوف ماننا پڑے گا کہ "الی الکعبین" کا جو لفظ قرآن کی آیت میں موجود ہے یہ قطعاً مسح کو قبول نہیں کرتا ہے کیونکہ مسح میں کسی کے ہاں ٹخنوں تک مسح کرنا لازم نہیں ہے تو یہ الفاظ بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ یہاں پاؤں کا دھونا مراد ہے مسح مراد نہیں ہے لہٰذا اغسلوا محذوف ماننا پڑے گا نیز فعل رسول اور فعل صحابہ اور تمام احادیث بھی کہہ رہی ہیں کہ یہاں پاؤں کا مسح مراد نہیں ہے ان وجوہات کی بناء پر لامحالہ قرأت جر میں تاویل کرنا ضروری ہے۔

جمہور امت نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ نصب کی صورت میں "واغسلوا" فعل مقدر ہے اور جر کی صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ قرآن نے حالت تخفف کی صورت بیان کی ہے یعنی اگر موزہ پہنا ہوا ہو تو پھر مسح کافی ہے لیکن الی الکعبین نے جو تحدید کی ہے اس کے پیش نظر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ مسح میں کعبین تک کی کوئی قید نہیں ہے معلوم ہوا مسح کی صورت نہیں۔

جواب: اب رہ گیا یہ کہ شیعہ نے حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت نقل کی ہے تو اہل جرح وتعدیل اور محدثین کا کہنا ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے جس کو شیعہ نے گھڑ رکھا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں یا صحیح احادیث کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں ہے باقی حضرت علیؓ کی طرف

منسوب روایات بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہیں یا وہ حالت تخفف یعنی موزہ پہننے کی حالت پر محمول ہیں یا وضوعلی الوضوکی صورت میں ہے۔
شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں بحوالہ طحاوی پاؤں کے مسح اور غسل کے متعلق لکھا ہے کہ آیت میں نصب اور جر دونوں قرأتیں ہیں اور مستند بھی ہیں اور دونوں میں تعارض ہے جب اس طرح کا تعارض ہوتا ہے تو دونوں کے حکم کو ساقط کر کے حدیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور احادیث مشہورہ کثیرہ نے غسل رجلین کا حکم دیا ہے لہٰذا غسل متعین ہے مسح ناجائز ہے۔
امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ مسح کا حکم اگر محدود زمانہ کے لئے تھا بھی تو وہ پھر منسوخ ہو گیا ہے علماء نے لکھا ہے کہ غسل رجلین کو اللہ تعالیٰ نے مسح کے ساتھ رکھا کہ پاؤں دھوتے وقت پانی میں اسراف سے بچنے کا احساس دلایا جائے کیونکہ لوگ پاؤں پر زیادہ پانی ڈالتے ہیں۔
بہر حال احادیث صحیحہ صریحہ کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا دائمی اجماعی عمل موجود ہے اور پھر تابعین فقہاء کرام اور امت محمدیہ کا یہ متفقہ موقف موجود ہے اس کے باوجود شیعہ روافض پاؤں پر مسح کرنے پر تلے ہوئے ہیں یہ ان کی بڑی گمراہی اور بدبختی ہے۔ اس ہٹ دھرمی سے ان کی وہ نمازیں بھی بیکار ہو گئیں جو وہ لوگ کبھی کبھار پڑھتے ہیں۔
ویل: یہ کلمہ ہلاکت کی بددعاء کے لئے آتا ہے بعض نے کہا کہ دوزخ میں ایک خاص وادی کا نام ہے۔
الاعقاب: یہ عقب کی جمع ہے ایڑی کو کہتے ہیں یہاں ایڑی کو امر واقعہ کی وجہ سے خاص کیا کہ ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں یا اس لئے کہ عام طور پر ایڑی ہی خشک رہ جاتی ہے اس کا الف لام استغراق عرفی کے لئے ہے یعنی دنیا بھر کی ایڑیوں کے لئے بددعا نہیں بلکہ جو ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں ان کے لئے بددعا ہے۔
یہاں مضاف محذوف ہے یعنی خشک ایڑیوں کے مالک کیلئے ویل اور سختی ومشقت اور ہلاکت ہے۔

٥٦٧ - وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا عَبْدِ اللهِ مَوْلَى شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَذَكَرَ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیث دوسری سند کیساتھ بھی منقول ہے۔

٥٦٨ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَأَبُو مَعْنٍ الرَّقَاشِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي - أَوْ حَدَّثَنَا - أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنِي سَالِمٌ مَوْلَى الْمَهْرِيِّ قَالَ: خَرَجْتُ أَنَا وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فِي جَنَازَةِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فَمَرَرْنَا عَلَى بَابِ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَذَكَرَ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.

حضرت سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ مہری سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، کے جنازے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ اس وقت ہم نے حضرت عائشہؓ کے گھر کے پاس سے کوچ کیا تو عین اسی وقت حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت عائشہؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح کی حدیث روایت کی۔

٥٦٩ - حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنِي نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ سَالِمٍ مَوْلَى شَدَّادِ

بْنِ الْهَادِ قَالَ: كُنْتُ أَنَا مَعَ عَائِشَةَ - رضی الله عنها - فَذَكَرَ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ سے ایسی حدیث دوسری سند کیساتھ بھی منقول ہے

۵۷۰ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلاَلِ بْنِ يِسَافٍ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّئُوا وَهُمْ عِجَالٌ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَأَعْقَابُهُمْ تَلُوحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ ".

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف واپس آئے۔ تو راستے میں پانی کے ایک گھاٹ پر پہنچے تو لوگوں نے جلدی جلدی وضوء کیا نماز عصر کے لیے کیونکہ وہ جلد باز تھے۔ جب ہم پہنچے تو انکی پاؤں کی ایڑیاں خشکی کیوجہ سے چمک رہی تھیں، ان کو پانی نے چھوا تک نہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خشک رہنے والے ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے اور بہت ہی بڑی خرابی ہے۔ اچھی طرح اور مکمل طور پر وضوء کیا کرو۔

۵۷۱ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالاَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كِلاَهُمَا عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ " أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ ". وَفِي حَدِيثِهِ عَنْ أَبِي يَحْيَى الأَعْرَجِ.

ایک دوسری سند کیساتھ بھی یہ روایت مروی ہے لیکن اس میں '' وضوء مکمل کرو '' کا جملہ منقول نہیں ہیں۔

۵۷۲ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ جَمِيعًا عَنْ أَبِي عَوَانَةَ - قَالَ: أَبُو كَامِلٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ - عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ ﷺ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ حَضَرَتْ صَلاَةُ الْعَصْرِ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى " وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ ".

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہم سے پیچھے ٹھہر گئے۔ جس وقت آپ ﷺ نے ہم کو پالیا تو اس وقت عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ ہم سب اپنے اپنے پاؤں پر مسح کرنے لگے تو آپ ﷺ نے با آواز بلند ارشاد فرمایا: (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ سے عذاب اور سخت ہلاکت ہے۔

۵۷۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلاَّمٍ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ - يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ - عَنْ مُحَمَّدٍ - وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلاً لَمْ يَغْسِلْ عَقِبَيْهِ فَقَالَ: " وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نظر فرمائی ایک آدمی نے اپنے ایڑی کو نہیں دھویا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایڑیوں کے لیے جہنم سے سخت عذاب ہے۔

۵۷۴ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا يَتَوَضَّئُونَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ فَقَالَ: أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ فَإِنِّي سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُولُ "وَيْلٌ لِلْعَرَاقِيبِ مِنَ النَّارِ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ بعض لوگ جو برتن میں موجود پانی سے وضوء فرما رہے تھے۔ تو انہوں نے ان سے ارشاد فرمایا: وضوء پورا پورا کرو کیونکہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: خشک ایڑیوں کے لیے جہنم سے سخت عذاب ہے۔

۵۷۵ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (خشک) رہنے والی ایڑیوں کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔

باب وجوب استیعاب محل الطهارة

وضو کے اعضاء کا مکمل دھونا فرض ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے

۵۷۶ - حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا تَوَضَّأَ فَتَرَكَ مَوْضِعَ ظُفُرٍ عَلَى قَدَمِهِ فَأَبْصَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: "ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ". فَرَجَعَ ثُمَّ صَلَّى.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے وضوء کیا اور اس کے پاؤں پر ایک ناخن کے برابر خشک جگہ رہ گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو فوراً ارشاد فرمایا: واپس لوٹ جاؤ۔ پس اپنا وضو اچھی طرح مکمل کرو۔ پس وہ شخص لوٹ گیا (از سر نو وضو کیا) پھر نماز پڑھی۔

تشریح

"ظفر" ظا اور فا دونوں پر پیش پڑھا جاتا ہے فا پر سکون بھی پڑھا جا سکتا ہے اسی طرح ظا پر زیر پڑھنا بھی جائز ہے ظفر کی جمع اظفار ہے ناخن کو کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اعضاء وضو کے دھونے میں مکمل دھونے کی سخت تاکید فرمائی ہے اگر محل وضو میں تھوڑی جگہ بھی خشک رہ جائے تو وضو جائز نہیں جب وضو جائز نہیں تو نماز بھی جائز نہیں ہوگی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے غفلت اور جہالت کی وجہ سے کوئی جگہ چھوڑ دی تو جہالت بھی عذر نہیں ہے اور نئے سرے سے وضو کرنا ہوگا اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر محل وضو میں کوئی گوند یا تارکول یا کوئی ایسا رنگ جس کا چھلکا بنتا ہو اور جسم پر تہہ جم جاتی ہو یا کوئی روغن لگ جائے جس کے

نیچے پانی نہیں جاسکتا اور نیچے جگہ خشک رہ جائے گی تو وضو صحیح نہیں ہوگا عورتوں کو نہایت احتیاط کی ضرورت ہے جو ناخن پالش استعمال کرتی ہیں اسی طرح رنگ روغن کرنے والے مردوں کو بھی نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔

باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء

وضو کے پانی سے گناہ کے جھڑنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۵۷۷ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ - وَاللَّفْظُ لَهُ - أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ - أَوِ الْمُؤْمِنُ - فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ".

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مسلمان بندہ یا مومن بندہ وضو کرتا ہے جب وہ چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں پانی کیساتھ جو اس نے آنکھوں سے کیے یا پھر پانی کے آخری قطرے کیساتھ جھڑ جاتے ہے۔ جب وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے وہ گناہ جو اس نے ہاتھوں سے پکڑ کر کیے جھڑ جاتے ہیں پانی کیساتھ یا پانی کے آخری قطرے کیساتھ۔ جب وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو پاؤں جن گناہوں کی طرف چل کر گئے تو وہ تمام گناہ پانی کیساتھ یا پانی کے آخری قطرے کیساتھ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے مکمل طور پر صاف ہو جاتا ہے۔

تشریح

"او المؤمن" یہاں راوی کو شک ہوگیا ہے کہ آیا نبی اکرم ﷺ نے "مسلم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے یا "مؤمن" کا لفظ ادا کیا ہے اسی طرح مع الماء اور مع اٰخر قطر الماء میں بھی راوی کو شک ہوگیا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنکھوں نے دیکھ کر صغیرہ گناہ کا جو ارتکاب کیا ہے یا پاؤں سے چل کر پاؤں نے جو صغائر کا ارتکاب کیا ہے وضو کرنے اور ان اعضاء کے دھونے سے اس کے سارے صغائر معاف ہو جاتے ہیں البتہ کبائر کے لئے توبہ کرنے کی ضرورت ہے اگر توبہ نہیں کی پھر بھی کبائر کمزور پڑ جاتے ہیں۔

اب یہ سوال ہے کہ جب وضو سے سارے صغائر دھل گئے تو پھر دو رکعت تحیۃ الوضوء سے کیا دھلے گا؟ اس سوال و جواب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ صغائر تو ہر لحہ میں ہوتے رہتے ہیں تو ساتھ ساتھ نیکی سے دھل بھی جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دیگر نیک اعمال سے درجات کی بلندی کے لئے ثواب ملے گا باقی گناہوں کی طرف خروج کی جو نسبت کی گئی ہے اس میں کسی شک کی ضرورت نہیں ہے یہ اعراض مجتسد ہو کر نکلتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ خروج کا لفظ بطور مجاز بولا گیا ہے مراد ان گناہوں کا معاف کرنا ہے تو اس کا حقیقی معنیٰ مغفرت ہے کہ یہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اردو زبان میں بھی اس مجاز کو اس طرح استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تمہاری شیخی تمہاری ناک سے نکل جائے گی۔

"نقیاً" صاف ستھرا اور پاک وصاف ہونے کے معنیٰ میں ہے۔

٥٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرِ بْنِ رِبْعِيٍّ الْقَيْسِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الْمَخْزُومِيُّ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ - وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ حُمْرَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ".

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اچھی طرح مکمل طور پر وضوء کیا تو اس کے بدن کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔

باب اطالة الغرة و التحجيل فی الوضوء

اطالت غرہ کی فضیلت اور وضو کی چمک کا بیان

امام مسلمؒ نے اس باب میں نو احادیث کو بیان کیا ہے

٥٧٩ - حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَالْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ دِينَارٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ بْنُ غَزِيَّةَ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى حَتَّى أَشْرَعَ فِي الْعَضُدِ ثُمَّ يَدَهُ الْيُسْرَى حَتَّى أَشْرَعَ فِي الْعَضُدِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى حَتَّى أَشْرَعَ فِي السَّاقِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى حَتَّى أَشْرَعَ فِي السَّاقِ ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ. وَقَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "أَنْتُمُ الْغُرُّ الْمُحَجَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ فَلْيُطِلْ غُرَّتَهُ وَتَحْجِيلَهُ".

حضرت نعیم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا: پس جب انھوں نے اپنا چہرہ دھویا تو پورا پورا دھویا اس کے بعد انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ دھویا یہاں تک کہ بازوں کا ایک حصہ دھوڈالا پھر بایاں ہاتھ بھی بازوں تک دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا اس کے بعد دایاں پاؤں پنڈلی تک دھویا۔ پھر بایاں پاؤں پنڈلی تک دھویا۔ پھر فرمایا میں نے اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا اور کہا رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پورا اور کامل وضو کرنے کی وجہ سے بروز محشر تم لوگ اٹھائے جاؤ گے روشن پیشانی اور روشن ہاتھ پاؤں والے پس تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہو تو وہ اپنی پیشانی اور ہاتھ پاؤں کی نورانیت کو لمبا اور زیادہ کرے۔

تشریح

"حتی اشرع فی العضد" اشرع کا لفظ عضد اور ساق کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کے بعد اس غسل اور دھونے کو اوپر بازو میں داخل کر دیا اور بازوؤں کو بھی اطالت غرہ وتحجیل کی غرض سے دھولیا اسی طرح عمل پاؤں کے دھونے کے بعد ٹانگوں میں شروع کیا "ای ادخل الغسل فیهما" (نووی)

"الغر المحجلون" الغر یہ اغر کی جمع ہے "غرۃ" دراصل اس سفید داغ کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتا ہے پھر ہر روشن اور مشہور چیز پر غرہ کا اطلاق عام ہو گیا یہاں روشن چہروں پر غرہ کا اطلاق ہو گیا ہے غرہ اور تحجیل میں یہ فرق ہے کہ غرہ پیشانی کے سفید داغ پر بولا جاتا ہے اور تحجیل وتحجل اور محجل کا اطلاق جانوروں کے پاؤں کی سفیدی پر ہوتا ہے جو نہایت خوبصورت منظر پیش کرتا ہے گویا تشبیہ کے طور پر وضو والے نمازی کی پیشانی کی چمک کو غرہ کہا گیا اور باقی اعضا کی چمک پر محجل کا اطلاق کیا گیا ہے مسلم کی ایک روایت میں "یدعون" کا لفظ آیا ہے یعنی قیامت کے دن جب آنحضرت ﷺ کے امتیوں کو پکارا جائے گا تو "ایها الغر المحجلون" کے نام سے پکارے جائیں گے۔ (ملاعلی قاری)

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وضو صرف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اور قیامت کے دن یہی چمک دمک ان کی پہچان ہوگی لیکن علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وضو سابقہ امتوں میں بھی تھا ہاں اتنے بڑے پیمانے پر یہ چمک دمک اسی امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

"فمن استطاع" بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ جملہ حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف سے مدرج ہے آپؓ خود اس پر عمل بھی کرتے تھے اطالت غرہ کا مطلب یہ ہے کہ اعضاء وضو کو معین اور مقرر حد سے زیادہ دھویا جائے مثلاً ہاتھوں کو کندھوں تک دھویا جائے اور پاؤں کو گھٹنوں تک دھویا جائے اطالت غرہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تین بار سے زیادہ کسی عضو کو دھویا جائے وہ تو اسراف ہے جو منع ہے صحیح مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف سے ادراج نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے قاضی عیاضؒ اور دیگر مالکیہ نے اطالت غرہ کی اس کیفیت کو غیر مستحب کہا ہے جس پر علامہ نوویؒ نے سخت رد کیا ہے بہرحال اطالت غرہ کا یہ عمل امت میں معمول بہ نہیں رہا ہے صرف حضرت ابو ہریرہؓ اس پر عمل کرتے تھے اور وہ بھی عام مجالس میں ایسا نہیں کرتے تھے تاکہ امت کے لوگوں پر اضافی بوجھ نہ آجائے چنانچہ اس باب کی حدیث نمبر ٥٨٦ میں خود حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

٥٨٠ - وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلاَلٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ رَأَى أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ حَتَّى كَادَ يَبْلُغُ الْمَنْكِبَيْنِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ حَتَّى رَفَعَ إِلَى السَّاقَيْنِ ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "إِنَّ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ".

حضرت نعیم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انھوں نے اپنے

چہرے اور ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ قریب تھا وہ اپنے کندھے کو بھی دھوڈالیں گے۔ پھر انھوں نے اپنے پاؤں کو دھویا یہاں تک کہ پنڈلی تک پہنچ گئے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے امتی قیامت کے دن آئیں گے روشن اور چمکدار چہرے اور روشن پاؤں ہاتھ والے وضو کے اثر کی وجہ سے۔ پس جو بھی تم میں سے اس چمک اور روشنی کو لمبا کرسکتا ہو تو وہ اس کو لمبا کرے۔

۵۸۱- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعاً عَنْ مَرْوَانَ الْفَزَارِيِّ - قَالَ: ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ - عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "إِنَّ حَوْضِي أَبْعَدُ مِنْ أَيْلَةَ مِنْ عَدَنٍ لَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ الثَّلْجِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ وَلآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُومِ وَإِنِّي لأَصُدُّ النَّاسَ عَنْهُ كَمَا يَصُدُّ الرَّجُلُ إِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهِ". قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ: "نَعَمْ لَكُمْ سِيمَا لَيْسَتْ لأَحَدٍ مِنَ الأُمَمِ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرّاً مُحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا حوض مقام عدن سے لیکر ایلہ تک کے فاصلے سے بھی زیادہ اور بڑا ہوگا اور اس حوض کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید، شہد دودھ سے زیادہ میٹھا ہوگا، اور اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں سے بھی زیادہ ہوگی۔ اور میں اس حوض سے دوسری امت کے لوگوں کو اس طرح روکوں گا جس طرح کوئی آدمی اپنے حوض سے دوسروں کے اونٹوں کو پانی پینے سے روکتا ہے۔ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس دن آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں! تمہارے لیے ایسا نشان ہوگا جو دوسری امتوں کے لیے نہ ہوگا۔ تم میرے سامنے آؤ گے، اس حال میں کہ (تمہارے چہرے ہاتھ پاؤں) وضو کے اثر کی وجہ سے روشن اور چمکدار ہوں گے۔

تشریح

"لیست لاحد من الامم" اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو اور اعضاء وضو کی یہ چمک دمک اس امت کے ساتھ خاص ہے لیکن علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث میں ہے "هذا وضوئی ووضوء الانبیاء قبلی" لہٰذا وضو اس امت کے لئے خاص نہیں ہے باقی یہ چمک دمک اس بڑے پیمانے پر اس امت کی خصوصیات میں سے ہے معمولی چمک سابقہ امتوں میں بھی ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سابقہ امتوں میں یہ چمک دمک نہیں تھی البتہ ان کے انبیاء میں تھی لہٰذا یہاں نفی امم سابقہ کے عام افراد سے ہے تو احادیث میں تطبیق کا آسان راستہ نکل آیا۔ "سیما" علامت اور نشان کو سیما کہتے ہیں۔

"ایله" یہ شام کا علاقہ ہے۔ "عدن" یہ یمن کا علاقہ ہے حوض کوثر کی وسعت بیان کرنا مقصود ہے۔

۵۸۲- حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى - وَاللَّفْظُ لِوَاصِلٍ - قَالاَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم "تَرِدُ عَلَيَّ أُمَّتِي الْحَوْضَ وَأَنَا

أَذُودُ النَّاسَ عَنْهُ كَمَا يَذُودُ الرَّجُلُ إِبِلَ الرَّجُلِ عَنْ إِبِلِهِ". قَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ أَتَعْرِفُنَا قَالَ: "نَعَمْ لَكُمْ سِيمَا لَيْسَتْ لأَحَدٍ غَيْرِكُمْ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ وَلَيُصَدَّنَّ عَنِّي طَائِفَةٌ مِنْكُمْ فَلاَ يَصِلُونَ فَأَقُولُ يَا رَبِّ هَؤُلاَءِ مِنْ أَصْحَابِي فَيُجِيبُنِي مَلَكٌ فَيَقُولُ وَهَلْ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوٹائے جائیں گے مجھ پر میرے امتی حوض کوثر پر اور میں دور کروں گا دوسرے لوگوں کو حوض سے اس طرح جس طرح کوئی آدمی دوسرے آدمی کے اونٹوں کو دور کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں! تمہارے لیے ایک ایسی علامت اور نشانی ہوگی جو تمہارے علاوہ کسی اور کے لیے نہ ہوگی۔ تم جس وقت میرے پاس آؤ گے تو وضو کے آثار کی وجہ سے تمہارے چہرے ہاتھ پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے اور تم میں سے ایک جماعت کو میرے پاس آنے سے روکا جائیگا۔ وہ مجھ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہیں، ایک فرشتہ مجھے جواب دے گا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں (بدعات) نکالی تھیں۔

تشریح

"أذود" ذاد يذود روکنے کے معنی میں ہے "ليصدن" یہ مجہول کا صیغہ ہے روک لینے کے معنی میں ہے یعنی میری امت کے کچھ لوگوں کو میرے پاس حوض کوثر پر آنے سے روک لیا جائے گا "هؤلاء اصحابی" یعنی آنحضرت ﷺ فرمائیں گے کہ یہ لوگ تو میرے ساتھی ہیں ان کو کیوں آنے سے روکتے ہو؟

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو کیسے اپنا ساتھی سمجھ لیا جبکہ یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے؟

جواب: علامہ نووی وغیرہ نے اس سوال کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو وضو بناتے تھے اور نماز پڑھتے تھے عقیدہ غلط تھا مگر وضو اور نماز کی یہ عارضی روشنی تھی آنحضرت نے اسی روشنی سے اپنا ساتھی سمجھ لیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان تھے آپ کے انتقال کے بعد مرتد ہو گئے تو آپ نے چونکہ اپنی حیات میں ان کو دیکھا تھا اس لئے فرمایا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں فرشتوں نے کہا یہ لوگ بعد میں مرتد ہو گئے تھے ان پر وضو کی روشنی نہیں تھی مگر نبی اکرمؐ نے ان کو پہچان لیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں سے وہ گناہ گار مراد ہیں جنہوں نے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا بدعات کے مرتکب بھی ہوئے مگر بدعت مکفرہ میں نہیں گئے تو مسلمان ہونے کی وجہ سے ان میں روشنی ہوگی مگر فرشتے ان کو بطور سزا روکیں گے اور حوض کوثر پر جانے نہیں دیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمادے گا اور عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے دین میں بدعات کا ارتکاب کیا وہ حوض کوثر سے بھگا دیئے جائیں گے جیسے خوارج اور

روافض اور دیگر اہل بدعت اور باقی ظالم لوگوں کو بھی حوض کوثر سے ہٹا دیا جائے گا اسی طرح علانیہ طور پر کبائر کے مرتکب لوگوں کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا یہ حدیث اور واقعہ بھی بریلویوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے جو غلط عقائد رکھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو عالم بما کان وما یکون کا عالم الغیب سمجھتے ہیں۔

۵۸۳- وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِنَّ حَوْضِي لَأَبْعَدُ مِنْ أَيْلَةَ مِنْ عَدَنٍ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَذُودُ عَنْهُ الرِّجَالَ كَمَا يَذُودُ الرَّجُلُ الْإِبِلَ الْغَرِيبَةَ عَنْ حَوْضِهِ". قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَتَعْرِفُنَا قَالَ: "نَعَمْ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ لَيْسَتْ لِأَحَدٍ غَيْرِكُمْ".

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا حوض مقام عدن سے لیکر ایلہ تک کے فاصلے سے بھی بڑا اور زیادہ ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس حوض سے لوگوں کو اس طرح دور کروں گا جس طرح کوئی آدمی اجنبی اونٹوں کو اپنے حوض سے دور کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں! تم آؤ گے میرے پاس اس حال میں کہ چمکدار، روشن چہرے اور ہاتھ پاؤں والے ہوں گے وضوء کے آثار کی وجہ سے اور یہ علامت تمہارے علاوہ کسی میں نہ ہوگی۔

۵۸۴- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَسُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعاً عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ -قَالَ: ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ- أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَتَى الْمَقْبُرَةَ فَقَالَ: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ وَدِدْتُ أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا". قَالُوا أَوَلَسْنَا إِخْوَانَكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: "أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدُ". فَقَالُوا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ: "أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلاً لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ". قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: "فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ أَلَا لَيُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ أُنَادِيهِمْ أَلَا هَلُمَّ. فَيُقَالُ إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ. فَأَقُولُ سُحْقاً سُحْقاً".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ قبرستان تشریف لائے اور فرمایا: سلامتی ہو تم پر مؤمنوں کے گھر ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک اس دنیا میں آئے ہی نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ اپنی امت کے لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم دیکھو کسی شخص کی سفید پیشانی والے، سفید پاؤں والے

گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان نہ لے گا؟ صحابہ نے جواب دیا: یارسول اللہ! کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جب آئیں گے تو وضوء کے اثر کی وجہ سے ان کے چہرے اور پاؤں روشن اور چمکدار ہوں گے اور میں پہلے سے حوض کوثر پر موجود ہوں گا اور سنو! بعض لوگ میرے حوض سے اس طرح دور کیے جائیں گے جس طرح ایک بھٹکا ہوا اونٹ دور کیا جاتا ہے میں ان کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ تو حکم ہوگا کہ انھوں نے آپ کے وصال کے بعد (دین کو) بدل دیا تھا۔ تب اس وقت میں کہوں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔

تشریح

''اتی المقبرۃ'' مقبرہ کے لفظ میں با پر زبر زیر اور پیش تینوں حرکات جائز ہیں'' دار قوم'' منصوب ہے یا اہل دار قوم مراد ہے۔

وانا انشاءاللہ: اب سوال یہ ہے یہاں لفظ انشاء اللہ کیوں استعمال کیا گیا ہے آیا یہاں موت میں کوئی شک تھا۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ لفظ انشاء اللہ بطور تبرک استعمال کیا گیا ہے قرآن کریم کی تعلیم بھی یہی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں موت میں شک نہیں تھا بلکہ ان زندہ لوگوں کا ان مردہ کامیاب لوگوں تک پہنچنے میں جو شبہ تھا اسی کے لئے لفظ انشاء اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ زندہ آدمی پر جنت میں داخل ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے گویا اس طرح سلام کرنے والا کہتا ہے کہ جس طرح تمہارا ایمان اور عقیدہ تھا اسی طرح ایمان واعمال اور عقیدہ پر ہم بھی ہیں تو انشاء اللہ عنقریب ہم سب اکھٹے ہو جائیں گے قبرستان میں مردوں کو سلام کرنا ثابت ہے اور مسنون طریقہ ہے سلام کو مردے سنتے ہیں اس پر دیگر اشیاء کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے سماع موتی کا مطلق انکار کرنا تفریط ہے اور ہر وقت ہر بات سننے کا عقیدہ رکھنا افراط ہے اعتدال یہ ہے کہ جہاں نصوص سے سماع ثابت ہے وہاں ہے اور جہاں نصوص سے ثابت نہیں وہاں سماع نہیں ہے سماع موتی کے نصوص بھی چونکہ خلاف القیاس ہیں اس لئے اس پر دیگر اشیاء کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے یہ عام موتی کی بات ہے نبی پاک کی حیات وسماع میں اختلاف کرنا خطرناک ہے۔

''رأینا اخواننا'' یعنی میں دل سے چاہتا ہوں کہ آئندہ ہمارے جو دینی بھائی آنے والے ہیں میں آج ان کو دیکھتا اس پر صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم تو بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ شرف صحابیت سے بھی سرفراز ہو آئندہ آنے والے صحابی نہیں ہونگے صرف دینی بھائی ہونگے کیونکہ ''انما المؤمنون اخوۃ'' ''مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر وغیرہ کچھ علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ آئندہ آنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن کا رتبہ بعض صحابہ سے بلند ہو سکتا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے اس نظریہ کو سختی سے رد کیا ہے اور فرمایا کہ صحابیت کا شرف ایسا رتبہ ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے اور نہ کوئی رتبہ اس کے برابر ہو سکتا ہے قاضی عیاض نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔

''دھم بھم'' کالے ہونے میں مبالغہ کے لئے دوسرا لفظ ''بھم'' ملایا گیا ہے یعنی کالے کلوٹے دھم یہ ادھم کی جمع ہے کالے کو کہتے ہیں۔

''وانا فرطھم'' فرط اس پیش رو کو کہتے ہیں جو آنے والے قافلہ کے لئے جگہ بنائے پانی اور دیگر سہولیات کا انتظام کرے اس حدیث میں امت محمدیہ کی بڑی فضیلت ہے کہ سرکار دو جہاں ان کے لئے پیش رو اور فرط ہو گئے۔

"سحقاً سحقاً" مکان سحیق دوردراز مکان کو کہتے ہیں ترجمہ یہ ہوگا "بعداً بعداً" تکرار تاکید کے لئے ہے اور فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای الزمهم الله سحقاً۔

٥٨٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ - يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ ح وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ جَمِيعاً عَنِ الْعَلاَءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمَقْبُرَةِ فَقَالَ: "السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لاَحِقُونَ". بِمِثْلِ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ مَالِكٍ "فَلَيُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ قبرستان تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ((السلام علیکم دار قوم مومنین و انا انشاء الله بکم لاحقون)) باقی حدیث مبارکہ پہلے حدیث کی طرح ہے اور آدمیوں کے روکے جانے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

٥٨٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا خَلَفٌ - يَعْنِي ابْنَ خَلِيفَةَ - عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلاَةِ فَكَانَ يَمُدُّ يَدَهُ حَتَّى تَبْلُغَ إِبْطَهُ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا هَذَا الْوُضُوءُ فَقَالَ: يَا بَنِي فَرُّوخَ أَنْتُمْ هَا هُنَا لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ هَا هُنَا مَا تَوَضَّأْتُ هَذَا الْوُضُوءَ سَمِعْتُ خَلِيلِي ﷺ يَقُولُ "تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوَضُوءُ".

ابو حازم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے پیچھے کھڑا تھا اور وہ نماز کے لئے وضوء کر رہے تھے پس انہوں نے اپنا ہاتھ بہت زیادہ دھویا یہاں تک کہ بغل تک پہنچا دیا، تو میں نے کہا اے ابو ہریرہ! یہ کیسا وضوء ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اے فروخ کے بیٹے! تم بھی یہاں موجود ہو، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں موجود ہو تو میں ایسا وضوء نہ کرتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مؤمن کی زینت وضو کی جگہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تشریح

"یا اباھریرہ" ابو حازم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے وضو کرنے میں اطالت غرہ کی جس کیفیت پر اعتراض کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین میں اطالت غرہ کا یہ عمل معروف نہیں تھا اور نہ معمول تھا یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا ایک منفرد مسلک تھا جس کو وہ خود بھی عام نہیں کرنا چاہتے تھے صرف خود عمل کرتے تھے۔

"یابنی فروخ" کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے بعد فروخ کے نام سے آپ کا بیٹا آیا تھا جس کی وجہ سے عجم کی بہت زیادہ نسل پھیل گئی تھی اسی کی طرف حضرت ابو ہریرہؓ نے اشارہ کیا ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بنو فروخ کہہ کر آزاد کردہ غلام مراد لیے ہیں آپ کا مخاطب ابو حازم تھا۔ قاضی عیاض

مزید فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ناراضگی کا اظہار اس لئے کیا کہ یہ چیز قابل تقلید نہیں تھی بلکہ یہ اضافی بوجھ اٹھانے اور وسوسہ دور کرنے اور ضرورت کے پیش نظر شاذ مذہب اختیار کرنے کا معاملہ تھا عوام الناس کو اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"الحلیۃ" چمک دمک اور خوبصورتی کو حلیہ کہا گیا ہے۔

باب فضل اسباغ الوضوء علی المکارہ

مشکلات کے وقت کامل وضو بنانے کی فضیلت

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۵۸۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ جَمِيعاً عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ - قَالَ: ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - أَخْبَرَنِي الْعَلاَءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "أَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ". قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: "إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصَّلاَةِ فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں آپ لوگوں کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں جس سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور اس سے درجات بلند ہو جاتے ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سختی اور تکلیف میں وضوء کو مکمل کرنا اور مسجد کی طرف زیادہ سے زیادہ قدم چل کر جانا اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔ (درجات کے بلندی کا ذریعہ ہے) پس تمہارے لیے یہی رباط ہے۔

تشریح

"یمحو اللہ" یعنی ایسا عمل نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دے اور جنت میں درجات عالیہ کو بڑھا دے۔ محو کرنے سے معاف کرنا مراد ہے یا نامۂ اعمال سے مٹانا مراد ہے وضو علی المکارہ کی ایک صورت یہ ہے کہ سخت سردی میں وضو بنائے یا سخت گرمی میں گرم پانی سے وضو بنائے جس طرح عرب امارات میں ہے یا جسمانی بیماری میں وضو بنائے یا مہنگے داموں پانی خرید کر وضو کرے۔

"کثرۃ الخطا" یعنی گھر سے مسجد دور ہے جانے میں کافی مسافت ہے زیادہ قدم پڑتے ہیں۔

"وانتظار الصلوۃ" مسجد میں ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھنا یا وقت سے پہلے آ کر مسجد میں نماز کا انتظار کرنا یہ انتظار صلوٰۃ ہے۔

"رباط" اسلامی سرحدات پر پہرہ دینے کو رباط کہتے ہیں جس کی بہت بڑی فضیلت ہے یہاں اس عظیم کام کا ثواب مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ دیتا ہے یہ اس کا کرم ہے لیکن رباط کا پورا ثواب اسی شخص کو ملتا ہے جو سرحدات کی نگرانی میں بیٹھا رہتا ہے یہاں رباط کی طرح ایک قسم ثواب ملنا مراد ہے۔

لفظ رباط کو مکرر لایا ہے موطا امام مالک میں تین بار تکرار موجود ہے یہاں دو بار تکرار ہے یہ اہتمام شان کی طرف اشارہ ہے۔

۵۸۸ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ جَمِيعاً عَنِ الْعَلاَءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ ذِكْرُ الرِّبَاطِ وَفِي حَدِيثِ مَالِكٍ ثِنْتَيْنِ "فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ".

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت مروی ہے لیکن اس میں رباط کا لفظ نہیں ہے اور مالک کی روایت میں فذالکم الرباط، فذالکم الرباط، دو مرتبہ ہے۔

باب السواک

مسواک کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

سواک: مسواک استعمال کرنے پر بھی بولا جاتا ہے اور مسواک کی لکڑی پر بھی بولا جاتا ہے۔ ابن ملک فرماتے ہیں کہ سواک مسواک کرنے کو بھی کہتے ہیں اور مسواک کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں۔ مسواک اس لکڑی کا نام ہے جس سے دانت مل کر صاف کئے جاتے ہیں۔ "مایدلک به الاسنان" عرب کہتے ہیں ساک فاه یسو که جب اس کا مفعول بہ مذکور ہو تو ساک فاه کہتے ہیں اور جب مفعول بہ مذکور نہ ہو تو استاک کہتے ہیں کتاب کی طرح ہے جس کی جمع بھی سوک کتب کی طرح آتی ہے۔ اور مسواک کی جمع مساویک بھی آتی ہے چنانچہ امرؤالقیس اپنی محبوبہ کی انگلیوں کی تعریف میں کہتا ہے:

و تعطو برخصٍ غیر شثنٍ کأنها　　　اساریع ظبیٍ او مساویک اسحل

سب سے افضل مسواک زیتون کی ہے پھر پیلو کی ہے یعنی جس لکڑی میں کڑواہٹ زیادہ ہو عمدہ ہے۔ ملیٹھی کی مسواک بھی ملتی ہے جو بہت ہی عمدہ ہوتی ہے برش اور ٹوتھ پیسٹ سے مسواک کی سنت ادا نہیں ہوتی ہے اگرچہ دانت صاف ہو جاتے ہیں علامہ نوویؒ نے مسواک کی سنیت پر اجماع نقل کیا ہے اور مسواک پر تواتر عملی ہے۔ علماء نے مسواک کے ستر (۷۰) سے زیادہ فوائد لکھے ہیں ایک بڑا فائدہ یہ کہ موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب ہوتا ہے، مسواک کرنے کا مستحب طریقہ عرضاً یعنی چوڑائی میں استعمال کرنے کا ہے اگرچہ طولاً بھی جائز ہے مگر اس سے زخم آنے کا خطرہ ہے جس شخص کے دانت نہ ہوں اس کے لئے انگلی مسواک کے قائم مقام ہے، عورتیں بھی مسواک کرسکتی ہیں مگر ان کے لئے دنداسہ بھی مسواک ہے جو زیادہ مناسب ہے۔ جس شخص کے پاس مسواک نہ ہو تو روایت سے ثابت ہے کہ انگلی مسواک کی جگہ لے سکتی ہے۔

مسواک کی مقدار

مسواک کی مقدار ایک بالشت ہونی چاہئے، موٹائی میں انگوٹھے کے برابر ہو، پتلے پن میں چھنگلی کے برابر ہو، اگر بالشت سے

زیادہ لمبی ہو تو اگر تحریدی ہے تو اس کو کاٹنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہ اسراف ہے اگر کسی نے عطیہ دی ہے تو زائد کو کاٹ کر ضائع کیا جا سکتا ہے، استعمال کے بعد جب چار انگلی کے برابر رہ جائے تو کسی جگہ میں دفن کر دی جائے، استعمال کے بعد مسواک کے رکھنے کا ادب یہ ہے کہ اس کو الٹا رکھا جائے تا کہ منہ میں استعمال شدہ حصہ زمین پر آجائے اس طرح اس میں پانی اندر کے بجائے باہر نچڑ جائے گا تو بدبو نہیں آئے گی نیز زمین میں نوشادر کے اجزاء ہیں اس سے مسواک میں لگے جراثیم بھی مرجائیں گے۔ جمہور نے مسواک کو سنت قرار دیا ہے صرف داؤد ظاہری نے اس کو واجب کہا ہے فتح القدیر نے پانچ حالتوں میں مسواک کرنے کو مسنون اور ضروری بتایا ہے۔

(۱) جب دانت پیلے پڑ جائیں۔ (۲) جب منہ سے بدبو آئے۔

(۳) جب آدمی نیند سے جاگ جائے۔ (۴) جب نماز شروع کرے۔

(۵) جب وضو شروع کرے۔

۵۸۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ - وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ عَلَى أُمَّتِي - لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مؤمنین پر گراں نہ ہوتا اور زہیر کی روایت میں ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر دشوار معلوم نہ ہوتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

تشریح

لولا ان اشق: یہاں سوال یہ ہے کہ لولا انتفاء ثانی کے لئے آتا ہے بسبب وجود اول حالانکہ وجود اول یعنی مشقت متحقق نہیں ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ لولا کے ساتھ "**خشیة**" کی عبارت محذوف ماننا پڑے گا۔ پھر یہاں دوسرا اشکال یہ ہے کہ انتفاء ثانی محقق نہیں ہوا ہے کیونکہ مسواک کا حکم ختم نہیں ہوا بلکہ مسنون طریقہ پر موجود ہے اور تاخیر عشاء کا حکم بھی برقرار ہے اس کا جواب یہ ہے کہ "**امرتھم**" میں فرضیت اور وجوبی طور پر حکم کی نفی کی گئی ہے اور وہ نفی موجود ہے کہ مسواک کرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے ترجمہ یہ ہوا کہ اگر مجھے امت کے مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں فرض اور وجوبی طور پر مسواک کا حکم دیتا لیکن چونکہ امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف موجود ہے اسلئے میں نے وجوبی طور پر مسواک کا حکم نہیں دیا بلکہ مسنون طریقہ کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح کلام تاخیر عشاء میں بھی ہے۔

عند کل صلوۃ: دوسری روایت میں "**عند کل وضوء**" کے الفاظ آئے ہیں اور تیسری روایت میں "**مع کل وضوء**" کے الفاظ بھی آئے ہیں ان الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرام کا اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا مسواک سنن وضو میں سے ہے یا سنن صلوۃ میں سے ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

ائمہ احناف کے ہاں مسواک سنن وضو میں سے ہے اور شوافع کے ہاں یہ سنن صلوۃ میں سے ہے ثمرۂ اختلاف اس وقت ظاہر ہوگا کہ مثلاً ایک شخص نے وضو کے ساتھ مسواک کی اور پھر اسی وضو سے کئی نمازیں پڑھ لیں تو احناف کے نزدیک یہ ساری نمازیں مسواک والی

ہوں گی لیکن شوافع کے ہاں مسواک والی نہیں ہوں گی۔

دلائل:

شوافع نے اپنے استدلال میں وہ روایات پیش کیں ہیں جن میں "عند کل صلوۃ" کے الفاظ آئے ہیں زیر بحث حدیث بھی ان کی دلیل ہے ائمہ احناف "کثر اللہ سوادھم" نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جن میں "عند کل وضوء" کے الفاظ آئے ہیں یا "مع کل وضوء" کے الفاظ ہیں موطا مالک میں "مع کل وضوء" کے الفاظ موجود ہیں، نیز مسند احمد اور سنن کبری میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں اور یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے لہٰذا جب "مع کل وضوء" میں صراحت کے ساتھ مقارنت کا ذکر ہے تو اسی پر "عند کل صلوۃ" کو بھی حمل کرنا چاہئے اور "عند کل وضوء" کے الفاظ کو بھی "مع کل وضوء" پر حمل کرنا چاہئے تاکہ تمام احادیث میں تطبیق آجائے اور "عند کل صلوۃ" کے احتمالی کلمات "مع کل وضوء" کے یقینی کلمات پر محمول ہوجائیں تاکہ اختلاف ختم ہوکر اتفاق ہوجائے۔ ائمہ احناف کی دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "السواک مطھرۃ للفم و مرضاۃ للرب" طرز استدلال اس طرح ہے کہ مسواک کا تعلق طہارت سے جوڑا گیا ہے اور طہارت وضو کے ساتھ وابستہ ہے یہ نقلی دلیل بھی ہے اور عقلی بھی ہے، عقلی دلیل میں دیکھا گیا ہے کہ آیا مسواک مقصودی عبادت یعنی صلوۃ سے زیادہ قریب ہے یا اس کے وسیلے وضو سے زیادہ قریب ہے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مسواک کا تعلق وسیلہ سے زیادہ ہے یعنی وضو سے زیادہ ہے اور اس حدیث نے اس کی تصریح بھی کردی کہ "مطھرۃ للفم" نیز آنحضرت ﷺ کی مداومت مسواک عند الوضوء پر ہے نیز ہم قبل الصلوۃ بھی مسواک کو مانتے ہیں اور فتح القدیر نے پانچ مواضع میں قبل الصلوۃ مسواک کا ذکر بھی کیا ہے لیکن چونکہ احناف کے نزدیک خروجِ دم ناقض للوضوء ہے تو احناف عند الصلوۃ مسواک سے خون کے خوف کی وجہ سے بچتے ہیں ورنہ مستحب اس مقام میں بھی ہے جب احناف نے پانچ مواضع میں مسنون مان لیا تو پھر مسئلہ میں اختلاف ہی نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ امام طحاویؒ نے مسواک کے اختلاف کو اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں ذکر نہیں کیا ہے جس سے وہ یہ اشارہ کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ اعرف بالخلافیات ہیں۔

۵۹۰ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ بِشْرٍ عَنْ مِسْعَرٍ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ قُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ: بِالسِّوَاكِ.

حضرت شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا جب آپ ﷺ گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کس کام سے ابتداء فرماتے؟ تو انھوں نے فرمایا: مسواک سے۔

تشریح: "اذا دخل بیتہ" یعنی گھر میں آنے کے وقت آنحضرت ﷺ کا پہلا کام مسواک ہوتا تھا اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ مسواک کرنے کی تعلیم عام ہوجائے دوسرا فائدہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد اپنی بیوی سے بوس وکنار کا موقع آسکتا ہے اگر منہ سے بدبو اٹھ رہی ہو تو یہ باعث نفرت ہوسکتا ہے اور نفرت سے میاں بیوی کے درمیان جدائی آسکتی ہے اسلام ازدواجی زندگی کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہے اس لئے گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک کی ترغیب دی ہے آنے والی روایت میں "یشوص فاہ" کا لفظ آیا ہے "ھو دلک الاسنان بالسواک عرضاً" چوڑائی میں مسواک کرنے کے معنی

میں ہے آنے والی روایت ۵۹۲ میں راوی کی نسبت المعولی ہے یہ معاول کی طرف منسوب ہے جو قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔
"لیتھجد" ھجود نیند سے اٹھنے کے معنی میں ہے اس کے بعد پڑھنے والی نماز کو تہجد کہتے ہیں۔

۵۹۱ - وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ بَدَأَ بِالسِّوَاكِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو اولاً مسواک فرماتے تھے۔

۵۹۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلاَنَ - وَهُوَ ابْنُ جَرِيرٍ الْمَعْوَلِيُّ - عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلَى لِسَانِهِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر مسواک کا ایک سرا تھا۔

۵۹۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ لِيَتَهَجَّدَ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب تہجد کے لیے اٹھتے تو منہ مبارک کو مسواک سے صاف کرتے تھے۔

۵۹۴ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ كِلاَهُمَا عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ. بِمِثْلِهِ وَلَمْ يَقُولُوا لِيَتَهَجَّدَ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے اور اس روایت میں تہجد کی نماز کا ذکر نہیں کیا۔

۵۹۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالاَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَحُصَيْنٍ وَالأَعْمَشُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب رات کو اٹھتے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے۔

۵۹۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَخَرَجَ فَنَظَرَ فِي السَّمَاءِ ثُمَّ تَلاَ هَذِهِ الآيَةَ فِي آلِ عِمْرَانَ (إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ) حَتَّى بَلَغَ (فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى ثُمَّ اضْطَجَعَ ثُمَّ قَامَ فَخَرَجَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَتَلاَ هَذِهِ الآيَةَ ثُمَّ رَجَعَ فَتَسَوَّكَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى.

حضرت ابن عباس رضی اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کے پاس گزاری۔ پس نبی اکرم ﷺ رات کے آخری حصہ میں باہر تشریف لائے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر سورہ آل عمران کی یہ آیت: "إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" سے "فقنا عذاب النار" تک تلاوت فرمائی۔ پھر گھر واپس تشریف لائے۔ پس مسواک کیا اور وضوء فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور نماز ادا فرمائی پھر آپ لیٹ گئے پھر کھڑے ہوئے اور باہر نکلے آسمان کی طرف دیکھا اور یہی آیت تلاوت فرمائی پھر واپس آئے، مسواک کی اور وضوء فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔

باب خصال الفطرة

فطری اور طبعی خصلتوں کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے

۵۹۷- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ جَمِيعاً عَنْ سُفْيَانَ - قَالَ: أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ - عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "الْفِطْرَةُ خَمْسٌ - أَوْ خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ - الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ وَنَتْفُ الإِبْطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ".

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ خصلتیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، اور مونچھیں کتروانا۔

تشریح

"الفطرة خمس" اس روایت میں راوی کو شک ہو گیا ہے کہ الفطرة خمس کا لفظ ہے یا "خمس من الفطرة" کا لفظ ہے لیکن ساتھ والی روایت میں شک نہیں بلکہ یقین کے ساتھ "الفطرة خمس" کا لفظ آ گیا ہے۔

اب یہ بات قابل توجہ ہے کہ "الفطرة" سے کیا مراد ہے اس میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ فطرة سے سنت مراد ہے۔

(۲) عام علماء فرماتے ہیں کہ فطرة سے انبیاء کرام کی سنت مراد ہے اور ایک روایت میں سنن المرسلین کا لفظ آیا ہے۔

(۳) اس لفظ کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ خصلتیں انسانی فطرت اور طبیعت میں داخل ہیں ان خصلتوں کے اپنانے سے انسان اپنی فطرت اور خلقت اور ہیئت پر باقی رہتا ہے ورنہ انسان کی ہیئت غیر فطری ہو جائے گی۔

سوال: یہاں ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں پانچ چیزوں کو فطرة قرار دیا گیا ہے حالانکہ آنے والی روایت میں دس خصلتوں کو فطرة میں شمار کیا گیا ہے دونوں میں تضاد ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان فطری اشیاء میں حصر نہیں ہے کبھی پانچ کا ذکر کیا گیا ہے تو کبھی دس کا۔ دس کا ذکر کامل بیان ہے اور پانچ کے ذکر کرنے میں اختصار ہے بہر حال نہ پانچ میں حصر ہے اور نہ دس میں حصر ہے علامہ نووی فرماتے ہیں "ولیست منحصرة فی

العشرۃ" ان فطری اشیاء عمل کرنے میں بعض واجب کے درجے میں ہیں بعض سنت اور بعض مستحب کے درجے میں ہیں چنانچہ آنے والی حدیث ۶۰۴ میں تفصیل سے ان خصلتوں پر کلام کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۹۸ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالاَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: "الْفِطْرَةُ خَمْسٌ الاِخْتِتَانُ وَالاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ وَنَتْفُ الإِبْطِ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیرناف بال صاف کرنا، (۳) مونچھیں کتروانا، (۴) ناخنوں کو کاٹنا، (۵) اور بغلوں کے بالوں کو اکھیڑنا۔

تشریح

"الاختتان" آنے والی روایت میں دسویں چیز مصعب راوی نے بھولنے کی وجہ سے بیان نہیں کیا ہے اور شک کے طور پر کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دسویں خصلت مضمضہ ہو، لیکن قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ دسویں چیز اختتان ہے کیونکہ جس حدیث میں پانچ فطری اشیاء کا ذکر ہے وہاں الاختتان کا ذکر موجود ہے لہٰذا وہی متعین ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ختنہ کرنا لڑکوں کے لئے بھی اور لڑکیوں کے لئے بھی شوافع کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے ہمیں بخاری پڑھاتے ہوئے بتایا کہ مصر میں شوافع حضرات لڑکیوں کے ختنہ کے لئے اسی طرح اہتمام کرتے ہیں جس طرح لڑکوں کے لئے کرتے ہیں فرمایا کہ میں مصر میں لڑکی کے ختنہ کی ایک تقریب میں شریک ہوا تھا اور دعوت بھی کھائی تھی ائمہ احناف لڑکوں کے ختنہ کو واجب کہتے ہیں لیکن لڑکیوں کے ختنہ کا دستور نہیں ہے لڑکوں کا ختنہ بچپن میں ہونا چاہئے بلوغ کے بعد شرم گاہ کا چھپانا فرض ہے لہٰذا اس میں نہیں پڑنا چاہئے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کا ختنہ ایک قول کے مطابق بلوغ کے بعد دونوں راستوں میں واجب ہے۔

لیکن ایک قول ہے کہ خنثیٰ مشکل کا ختنہ ناجائز ہے جب تک کہ شرم گاہ میں پورا امتیاز نہ آجائے۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی لڑکے میں پیدائشی طور پر دو آلہ تناسل ہوں تو اگر دونوں کام کرتے ہوں تو دونوں میں ختنہ ہوگا ورنہ جو فعال ہے اس کا ختنہ ہوگا غیر فعال کا ختنہ نہیں ہوگا یہ عجیب مسائل ہیں۔

"الاستحداد" یہ حدیدہ استعمال کرنے کے معنی میں ہے مردوں کے لئے زیرناف بالوں کے ہٹانے کے لئے استرہ وغیرہ لوہا استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے جس سے مردانہ طاقت میں اضافہ ہوجاتا ہے لوہے کے علاوہ کسی طریقہ سے بالوں کا صاف کرنا بھی جائز ہے عورتوں کو لوہا استعمال کرنا نہیں چاہئے بال صفا وغیرہ سے صفائی کریں۔

۵۹۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ كِلاَهُمَا عَنْ جَعْفَرٍ - قَالَ: يَحْيَى أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ - عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ: أَنَسٌ وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الأَظْفَارِ وَنَتْفِ الإِبْطِ

وَ حَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے لیے مونچھیں کتروانے، ناخن کاٹنے، بغلوں کے بال اکھیڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے میں مدت مقرر کی گئی ہے کہ ہم چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔ (یہ زیادہ سے زیادہ مدت ہے ورنہ بہتر تو یہ ہے کہ اس عرصے سے پہلے ہی ہے)۔

تشریح

"وقت لنا" یہ توقیت سے وقت مقرر کرنے کے معنی میں ہے یعنی ان چار احکامات سے متعلق آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہ وقت دیا کہ ہم چالیس دن سے زیادہ عرصہ تک ان چیزوں کو مؤخر نہ کریں۔ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چالیس دن تک مؤخر کرنا چاہئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مناسب اوقات میں صفائی حاصل کرنی چاہئے لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ چالیس دن سے زیادہ عرصہ گذر جائے جو لوگ ناخنوں کو بڑھا کر رکھتے ہیں وہ گندے لوگ غلط کام کرتے ہیں خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں چالیس دن کی مدت کی مزید تفصیل بھی آ رہی ہے۔

۶۰۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ ح وَ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيعاً عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَ أَعْفُوا اللِّحَى".

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

۶۰۱ - وَ حَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَ إِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں حکم دیا گیا ہے مونچھوں کو جڑ سے کاٹنے اور داڑھی کو بڑھانے کا۔

۶۰۲ - حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَ أَوْفُوا اللِّحَى".

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجوس کی مخالفت کرو، مونچھیں کترواؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔

۶۰۳ - حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ مَوْلَى الْحُرَقَةِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَ أَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو کترواؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور

مجوس یعنی آتش پرستوں کی مخالفت کیا کرو۔

۶۰۴ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ". قَالَ: زَكَرِيَّاءُ قَالَ: مُصْعَبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلاَّ أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ. زَادَ قُتَيْبَةُ قَالَ: وَكِيعٌ انْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الِاسْتِنْجَاءَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ دس خصلتیں سنت میں سے ہیں۔ مونچھیں کتروانا، داڑھی بڑھانا: مسواک کرنا: ناک میں پانی ڈالنا، ناخنوں کا کاٹنا، جوڑ دھونا، بغل کے بال اکھیڑنا، زیر ناف بال صاف کرنا، پانی سے استنجاء کرنا۔ مصعب راوی بیان کرتے ہیں کہ دسویں چیز کیا تھی میں بھول گیا۔ شاید وہ کلی کرنا ہو۔

تشریح

"عشر من الفطرة" اس لفظ کا ایک مطلب سنن الانبیاء ہے یعنی ان کی خلقت میں داخل تھی تو ہماری خلقت میں بھی داخل ہے اس کا دوسرا مطلب سنن الدین ہے۔ اس لفظ کا تیسرا مطلب انسانی فطرت اور خلقت وطبیعت ہے۔ یعنی یہ دس خصلتیں انسانی طبیعت اور فطرت ہیں" یہ چیزیں انسانی ہیئت کو باقی رکھتی ہیں ورنہ انسان کی ہیئت غیر فطری ہو جائے گی۔"

قص الشارب: تمام الفاظ حدیث سے لبوں کے کاٹنے کترنے کا اشارہ ملتا ہے مونڈنے کا اشارہ نہیں ملتا ہے اگرچہ فتاویٰ عالمگیری نے اسے جائز کہا ہے مونچھوں کا بالکل صاف کرنا اصل سنت ہے لبوں کے برابر بال لینا بھی جائز طریقہ ہے۔ نتھنوں کے پاس کچھ بال چھوڑ کر باقی صاف کرنا مسٹر چرچل کا طریقہ ہے اور بیچ سے کچھ حصہ کاٹ کر دونوں طرف کناروں میں کافی بال چھوڑنا مانگی کے شیخان کا نامناسب طریقہ ہے مونچھوں کے کاٹنے کے لئے احفوا، انھکوا، جزّوا، قصّوا کے الفاظ آئے ہیں حلق کے نہیں آئے۔

اعفاء اللحیة: یہ باب افعال سے اعفاء معاف کرنے کے معنی میں ہے یعنی معاف کر کے خوب چھوڑے اور کترنے مونڈنے کی کوشش نہ کرے داڑھی بڑھانے کی کوئی حد نہیں، ہاں اگر منہ چھوٹا ہے اور صلحاء کے ہاں چہرہ برا لگتا ہے تو داڑھی اتنی کم کرنا جائز ہے کہ بری نہ لگے لیکن ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں ایک مشت تک کم کرنا حضرت ابن عمرؓ سے ثابت ہے ورنہ احادیث میں بڑھانے کا حکم ہے ملا علی قاریؒ مرقات میں لکھتے ہیں کہ داڑھی چھوٹی کرنا عجمیوں کا عمل ہے اور آج کل یہ بہت سارے مشرکین اور فرنگیوں اور یہود وهنود اور ملحد لوگوں کا شعار بن چکا ہے نیز طائفہ قلندریہ کا یہ شعار بن گیا ہے جن کا دین سے کوئی واسطہ نہیں ہاں عورت کی داڑھی اگر آ گئی تو اسے منڈانا مستحب ہے۔ داڑھی رکھنا واجب ہے اس کو سنت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سنت طریقہ سے ثابت ہے حضور اکرم ﷺ اور ہر نبی اور ہر صحابی نے داڑھی رکھنے پر مداومت فرمائی ہے جو وجوب کی دلیل ہے داڑھی بڑھانے کے لئے اعفوا، اوفوا، اوفروا اور ارخوا کے الفاظ آئے ہیں شہرت ونمائش کے طور پر داڑھی زیادہ لمبی کرنا مکروہ ہے زیادہ سفید کرنے کی دوائی اور کالا خضاب منع ہے۔

وقص الاظفار: یعنی ناخن تراشنا ایک فطری عمل ہے جو لوگ ناخن بڑھاتے ہیں وہ غیر فطری اور غیر انسانی فعل کے مرتکب ہیں ناخن تراشنا ہر طریقہ سے جائز ہے لیکن بہتر طریقہ اس طرح ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے چھوٹی انگلی تک تراش لیا جائے اور پھر انگوٹھے کو تراش کر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک کاٹ دیئے جائیں، بعض نے کہا ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو چھوڑ کر بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک تراش لیا جائے اور آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرے اور پاؤں میں دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے لے کر بائیں کے آخر تک تراش لیا جائے، یہی عام اور رائج طریقہ ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ علامہ نووی کی ترتیب ہے مگر احادیث میں اس کی تصریح نہیں ہے۔

وغسل البراجم: یہ "برجمة" کی جمع ہے انگلیوں کے جوڑوں میں جو لکیریں ہیں اس کو کہتے ہیں لیکن یہ حکم ہر اس جگہ کو عام ہے جہاں میل جمع ہوتی ہے مثلاً کان کے ارد گرد اور اس کے اندر کا حصہ ہے ناک اور اس کے اندر جو میل جمع ہوتی ہے یا جسم کے باقی حصوں میں جہاں میل جمع ہوتی ہے سب اس میں داخل ہیں۔

ونتف الابط: یعنی بغل کے بال صاف کرنا "نتف" نوچنے کے معنی میں ہے لہٰذا یہ لفظ بتاتا ہے کہ بغل کے بال استرے سے صاف نہ کئے جائیں کیونکہ اس سے بال گھنے ہو کر جنگل بن جاتا ہے اور پھر بدبو پیدا ہوتی ہے انگلیوں سے جب ابتداء سے اس کو اکھیڑنے کی عادت بنائی جائے پھر یہ بال آسانی سے نوچے جاسکتے ہیں مجبوری میں استرا لگانا جائز ہے۔

وحلق العانة: یعنی زیر ناف بال مونڈنا، ابن ملک (جو ایک فقیہ ہیں) فرماتے ہیں کہ زیر ناف بالوں میں منڈانا ہی سنت ہے کسی اور طریقہ سے صاف کرنے سے سنت پوری نہیں ہوگی بعض نے بال صفا اور نورہ سے صاف کرنے کو بھی جائز کہا ہے مگر قینچی سے کاٹنا جائز نہیں ہے مردوں کے لئے لوہے سے منڈانا باعث قوت باہ ہے اور عورتوں کیلئے زیر ناف بال نوچنا زیادہ بہتر ہے اس سے ان کی شہوت کنٹرول ہو جاتی ہے تاہم وہ بال صفا یا نورہ بھی استعمال کرسکتی ہیں مگر ان کے لئے منڈانا خلاف سنت ہے۔

اس باب کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے لئے لبوں کو صاف کرنے ناخن تراشنے بغل کے بال صاف کرنے اور زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا وقت دیا تھا تو پوری امت کے لئے یہی تعلیم ہے علماء نے یہ ترتیب بتائی ہے کہ ہفتہ وار صفائی حاصل کریں ورنہ پندرہ دن میں حاصل کریں ورنہ چالیس دن میں حاصل کریں اس سے زیادہ دیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ دس چیزیں وہ تھیں جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے "واذابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن" تو یہ آپ کی سنت تھی پھر تمام انبیاء کرام کی سنت رہی اور امتوں کی فطرت کا حصہ بن گیا۔

۶۰۵ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ فِي هَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ: أَبُوهُ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ.

ایک دوسری سند سے یہی حدیث روایت کی ہے لیکن اس میں نسیت العاشرۃ کا لفظ نہیں۔

باب الاستطابة واستقبال القبلة

یہ باب پاکی حاصل کرنے اور استقبالِ قبلہ کے بیان میں ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

"الاستطابة" سب سے پہلے اس لفظ سے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ احادیث کی کتابوں میں باب آداب الخلاء کے عنوان سے ایک باب قائم کیا جاتا ہے امام مسلمؒ نے کافی تفصیل سے آدابِ خلاء کی حدیثوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے لیکن علامہ نوویؒ نے ان احادیث پر مختلف عنوانات قائم کیا ہے یہاں "الاستطابۃ" کے نام سے ایک عنوان موجود ہے یہ باب استفعال کا مصدر ہے جس کا مادہ "طیب" ہے سین اور تا طلب کے لئے ہے یعنی پاکی اور طہارت حاصل کرنا، امام مسلمؒ نے اس عنوان کے تحت چار مسائل کو بیان کیا ہے ایک استقبالِ قبلہ کا مسئلہ ہے دوسرا دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت کا مسئلہ ہے تیسرا تین ڈھیلے استعمال کرنے کا مسئلہ ہے اور چوتھا گوبر، لید اور ہڈی استعمال نہ کرنے کا مسئلہ ہے۔

چند آداب

اس مقام پر شاہ ولی اللہ نے آدابِ خلاء سے متعلق چند چیزوں کو بیان کیا میں ان کو نقل کرتا ہوں انشاء اللہ فائدہ ہوگا:

(۱) قضاء حاجت کے وقت قبلہ اور بیت اللہ کی عظمت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۲) صفائی اور نظافت کا پورا خیال رکھا جائے لہٰذا تین پتھروں کو استنجاء میں استعمال کرے اس سے کم نہ ہو تاکہ خوب صفائی آجائے۔

(۳) لوگوں کے نقصان سے پرہیز کیا جائے لہٰذا راستہ میں یا سایہ دار درخت یا پھل دار درخت کے نیچے یا پانی کے گھاٹ پر قضاء حاجت نہ کرے۔

(۴) اپنے نقصان سے پرہیز کرے لہٰذا سوراخ وغیرہ خطرناک جگہ میں پیشاب نہ کرے (کیونکہ سانپ بچھو جن یا بجلی ہو سکتی ہے)

(۵) پڑوسیوں اور بھائیوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے لہٰذا جنات کی خوراک ہڈی اور گوبر وغیرہ سے استنجا نہ کرے۔

(۶) حقوق نفس کا خیال رکھے لہٰذا دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے۔

(۷) وسوسہ سے بچنے کی خاطر غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

(۸) انسانی مروت کا خیال رکھے لہٰذا لوگوں کی آنکھوں سے قضاء حاجت کے وقت ستر اور حجاب اختیار کرنے۔

(۹) بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت مسنون دعاؤں کا اہتمام کرے۔

۶۰۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى - وَاللَّفْظُ لَهُ - أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قِيلَ لَهُ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ ﷺ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ. قَالَ: فَقَالَ: أَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلاَثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان سے عرض کیا گیا کہ تمہارے نبی (ﷺ) تم کو ہر بات کا حکم

دیتے ہیں یہاں تک کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہم کو آپ ﷺ نے پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے یا ہم استنجاء کریں تین سے کم پتھروں کیساتھ یا گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح

"عن سلمان" اس سے حضرت سلمان فارسیؓ مراد ہیں وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں **"قال"** یعنی سلمان فارسیؓ نے کہا۔

"قیل له" یعنی ان سے کسی نے کہا۔ اصل میں مشرکین میں سے کسی نے حضرت سلمان فارسیؓ پر استہزاء کے طور پر اعتراض کیا کہ تمہارا یہ نبی تم کو ہر چیز بتاتا ہے تم سے چھوٹے بچے بنا رکھا ہے یہاں تک کہ پاخانے کرنے کا طریقہ بھی عمر رسیدہ اور جوان عاقل بالغ لوگوں کو سمجھاتا ہے یہ تم کو کس چکر میں ڈال رکھا ہے۔

الخراءة: خا کے کسرہ اور راء پر مد کے ساتھ پاخانہ کے لئے بیٹھنے کی کیفیت کو کہتے ہیں اور نفس پاخانہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے مگر "تا" کے حذف کے وقت ہوتا ہے یعنی الخراء و الخراء۔

لیکن اکثر راویوں نے خا کو مفتوح اور را کو بغیر مد کے پڑھا یعنی خرا۔ اصل میں یہ لفظ پرندوں کی بیٹ کیلئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں قضاء حاجت کے لئے استعمال ہوا ہے اس لفظ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی ادب الخراءة مطلب یہ ہوا کہ تم کو یہ نبی پاخانہ کرنے کا ادب سکھاتا ہے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تعلیم دیتا ہے اور بدیہی چیزوں کی بلا ضرورت تعلیم دیتا ہے اس مشرک کی طرف سے یہ کلام استہزاء اور مذاق تھا کہ پاخانہ کا طریقہ سکھاتے ہیں تمہیں بچہ بنا رکھا ہے؟

اجل: یعنی ہاں ہمیں وہ نبی یہ چیزیں سکھاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مشرک نے دین کا مذاق اڑا کر اعتراض کیا اور حضرت سلمانؓ نے "اجل" کہہ کر اس کو تسلیم کر لیا کیا یہ جائز تھا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت سلمانؓ نے اسلوب حکیم کے طور پر جواب دیا ہے جس کو علم المعانی والے **مماشات مع الخصم** اور **ارخاء العنان** کہتے ہیں تاکہ وہ جواب سننے کے لئے خوب متوجہ اور تیار ہو جائے گویا حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اے جانور! سن لو یہ تعلیمات آسمانی ہیں جو مدرک بالعقل نہیں ہیں یہ بدیہیات نہیں ہیں تم بیوقوف ہو کہ اس کو عقل کے دائرہ میں لانے کی کوشش کرتے ہو دیکھو ہمیں نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کی طرف قضاء حاجت کے وقت منہ نہ کریں یہ حق اللہ ہے پھر حکم ہے دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں یہ حق النفس ہے اور پھر حکم دیا کہ ہڈی و گوبر سے استنجاء نہ کریں یہ حق الاخوان ہے تو اس تعلیم میں حق اللہ حق النفس اور حق العباد تینوں آ گئے جو مکمل شریعت ہے اس کا مذاق اڑانا حماقت ہے۔

مسئلة استقبال القبلة و استدبارها

لقد نهانا ان نستقبل القبلة: پیشاب پاخانہ کے وقت استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ کرنے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ مشہور اور غیر مشہور تمام مسلک آٹھ ہیں لیکن مسالک مشہورہ متبوعہ صرف چار ہیں اسی کو بیان کیا جاتا ہے چونکہ روایات مختلف ہیں اس لئے فقہاء کرام میں بھی اختلاف آ گیا ہے اگرچہ یہ طے ہے کہ سب کے نزدیک اصح مافی الباب حدیث ابو ایوب انصاریؓ کی ہے جو نفی پر دال ہے

اور دوسری حدیث حضرت ابن عمرؓ کی ہے جو جواز پر دال ہے جو بعد میں آرہی ہے ابوایوبؓ کی روایت بھی بعد میں آرہی ہے زیر نظر حدیث حضرت سلمان فارسیؓ کی ہے یہ بھی راجح مافی الباب ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

(۱) امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ آبادی میں مطلقاً جائز ہے اور صحرا میں مطلقاً ناجائز ہے گویا انہوں نے جمع بین الاحادیث کی کوشش کی ہے کہ جواز کی حدیثیں آبادی و بنیان پر محمول ہیں اور عدم جواز اور نہی کی احادیث صحرا پر محمول ہیں۔

(۲) امام احمد بن حنبلؒ نے استدبار قبلہ صحراء اور بنیان دونوں میں جائز قرار دیا ہے اور استقبال کو دونوں میں ناجائز کہا ہے تو جو احادیث نہی کی ہیں وہ استقبال پر محمول ہیں اور جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ استدبار پر محمول ہیں۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، جمہور صحابہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک استقبال و استدبار آبادی و صحرا دونوں جگہوں میں ناجائز ہے اور کسی کی کہیں بھی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) داؤد ظاہری، ربیعہ الرائی اور اہل ظواہر کے نزدیک استقبال و استدبار مطلقاً جائز ہے خواہ بنیان میں ہو یا صحرا میں ہو۔ انہوں نے حضرت جابرؓ کی روایت سے استقبال کا جواز اخذ کیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے استدبار کا جواز اخذ کیا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ روایات متأخر ہیں لہٰذا یہ ناسخ ہیں تو استقبال و استدبار دونوں کا اصل جواز باقی رہ گیا۔ ان چاروں مذاہب میں دلائل کے اعتبار سے شوافع، احناف اور اہل ظواہر کا اختلاف نمایاں ہے اس لئے اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

دلائل:

شوافع اور مالکیہ نے حضرت ابن عمرؓ کی آنے والی حدیث ۶۱۱ سے استدلال کیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا فعل "مستدبر القبلة مستقبل الشام" بتایا گیا ہے۔

ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت عراکؒ کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب بتایا گیا کہ کچھ لوگ قضاء حاجت کے وقت استقبال قبلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں تو آپ نے فرمایا میرا خیال بھی ہے کہ لوگوں نے ایسا شروع کیا ہے تم لوگ میری قضاء حاجت کی جگہ قبلہ کی طرف موڑ دو الفاظ حدیث ملاحظہ ہوں:

عراک عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ذکر عند رسول اللہ ﷺ قوم یکرھون ان یستقبلوا بفروجھم القبلة فقال أراھم قد فعلوھا استقبلوا بمقعدتی القبلة۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۷)

اہل ظواہر اپنے استدلال میں حضرت جابرؓ کی روایت پیش کرتے ہیں جس کو ابوداؤد نے ص ۳ پر نقل کیا ہے الفاظ یہ ہیں:

عن جابر قال نھی رسول اللہ ﷺ ان نستقبل القبلة ببول فرأیته قبل ان یقبض بعام یستقبلھا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ان حضرات کی دوسری دلیل وہی عراک بن مالک کی روایت ہے جس سے شوافع نے بھی استدلال کیا ہے اور ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ لوگ استدبار کے جواز کے لئے استدلال کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک استدبار و استقبال مطلقاً جائز ہے۔ ائمہ احناف، جمہور فقہاء اور تابعین کی ایک دلیل تو یہی زیر نظر سلمان فارسیؓ کی روایت ہے جو اصح مافی الباب ہے جس میں مطلقاً استقبال کی نہی کردی گئی ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل: حضرت ابوایوب کی روایت ہے جو اسی باب کی حدیث ۶۰۹ ہے جس میں نہایت وضاحت کے ساتھ استقبال

قبلہ اور استدبار دونوں کی نہی کردی گئی ہے جس میں ابوایوب انصاریؓ کے شام کے سفر اور قضاء حاجت کا تذکرہ بھی ہے اور استقبال واستدبار فی البنیان کی نہی بھی مذکور ہے ابوایوبؓ سے ایک اور مرفوع روایت بھی ہے۔

جمہور کی تیسری دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جو اسی باب کی حدیث ٦١٠ ہے جس میں استقبال واستدبار کی سختی سے نہی موجود ہے۔

جمہور کی چوتھی دلیل: عبداللہ بن الحارث بن جزء کی مرفوع حدیث ہے جس کو ابن ماجہ اور ابن حبان نے نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''لایبولن احدکم مستقبل القبلۃ''۔ (ابن حبان ابن ماجہ)

مسلک احناف کی ترجیحات:

استقبال قبلہ کے مسئلہ میں احناف کا مسلک بہت سی وجوہات کی وجہ سے راجح ہے چند وجوہات ملاحظہ ہوں۔

(١) مسلک احناف کے دلائل قولی احادیث ہیں دوسرے مسلک کی روایتیں فعلی ہیں اور قول وفعل کا جب تعارض ہوجائے تو ترجیح قولی حدیث کو دی جاتی ہے کیونکہ فعل میں خصوصیت کا احتمال ہوتا ہے اور یہاں خصوصیت کا احتمال قوی ہے کیونکہ محققین علماء کے نزدیک روضۂ اطہر میں آنحضرت ﷺ کا جسد مبارک زمین کے جس حصہ سے لگا ہوا ہے وہ حصہ عرش سے افضل ہے تو کعبہ سے جسد انور کی کیا نسبت تو خصوصیت پیغمبری ہوگئی۔ نیز تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے فضلات پاک ہیں اور استقبال اور استدبار کی نہی ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ بھی خصوصیت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں جب آنحضرت ﷺ کے بعد بیت الخلاء میں داخل ہوتی تو مجھے وہاں کوئی فضلہ نظر نہیں آتا تھا اور خوشبو اٹھتی رہتی تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انبیاء کرام کے جسم جنت کی ارواح طیبہ سے بنے ہیں جو کچھ ان جسموں سے خارج ہوتا ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے۔ (شفاء قاضی عیاض) اسی طرح آنحضرت ﷺ کی لونڈی کا واقعہ ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے پیشاب کو ایک بار غلطی سے پانی سمجھ کر پی لیا آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی تو یہ فضلات کی طہارت کی علامت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی شرح لمعات میں بھی انبیائے کرام کے فضلات کو پاک لکھا ہے تاہم یہ مسئلہ عوام کے سامنے مسجدوں میں بیان کرنے کا نہیں ہے تشویش ہوگی۔

(٢) احناف نے جو دلائل پیش کئے ہیں یہ سب محرم ہیں یعنی حرمت کو ثابت کرتی ہیں اور جب مبیح اور محرم میں تعارض آجائے تو ترجیح محرم کو دی جاتی ہے تاکہ حرمت سے بچا جاسکے۔

(٣) احناف نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ عام تشریع اور قانون کی حیثیت رکھتی ہیں جس میں شریعت کا قاعدہ اور ضابطہ کلیہ بیان کیا گیا ہے۔ اور باقی حضرات نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے ان کی حیثیت جزئی واقعات کی ہے اور جزئی واقعہ کے مقابلہ میں قاعدہ کلیہ کو اپنایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے زندگی میں دو چار مرتبہ نہیں صرف ایک مرتبہ استدبار کیا ہے اور اس میں بھی احتمالات ہیں۔

(٤) حضرت ابن عمرؓ کی روایت اپنے مقصود ومطلوب پر دلالت کرنے میں قطعی اور یقینی نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ کے دیکھنے میں غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ انور ایک طرف ہو اور پیشاب دوسری طرف ہو ایسی حالت میں کوئی شخص

گھور کر نہیں جھانک سکتا کہ حضرت ابن عمرؓ کی آہٹ سن کر آنحضرت ﷺ نے منہ موڑ لیا ہو یا کوئی اور عذر ہو۔

حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر یہ شبہ بھی ہے کہ اس میں آبادی کا ذکر نہیں ہے تو صرف چھت پر قضاء حاجت اور صحرا دونوں میں یکساں ہے تو اس حدیث سے بنیان کے جواز پر استدلال نہیں ہو سکتا اور چھت کی چار دیواری ثابت کرنا مشکل ہے تو دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ چھت کی کھلی فضا بنیان نہیں ہے۔

الزامی جواب:

احناف نے حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی روایات کا یہ الزامی جواب دیا ہے کہ بتاؤ احادیث میں نھی عن استقبال القبلۃ کی علت کیا ہے تو واضح بات ہے کہ ادب کعبہ علت ہے اگر علت یہی ہے تو پھر بنیان اور صحرا میں فرق کیوں کرتے ہو؟ یا دونوں جگہ جائز کہہ دو یا دونوں میں حرام کہہ دو، اگر تم یہ فرق کرتے ہو کہ بنیان میں آڑ اور حائل ہے صحرا میں نہیں تو ادب کے ساتھ عرض ہے کہ چار بالشت کی دیوار اگر حائل بن سکتی ہے تو کیا صحرا اور بیت اللہ کے درمیان یہ بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلات حائل نہیں ہو سکتے۔ نیز اگر ادب کعبہ کی وجہ سے ہزاروں میل دور صحراؤں، پہاڑوں اور آبادیوں میں تھوکنا منع ہے تو کیا پیشاب پاخانہ منع نہیں ہوگا؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شوافع اور مالکیہ بہت کمزور ہیں یہی وجہ ہے کہ حافظ مغرب ابن حزم اندلسیؒ نے حنفیہ کا قول اپنایا ہے۔

قاضی ابوبکر مالکیؒ نے بھی اسی قول کو لیا ہے ابن قیم حنبلیؒ نے بھی اسی مسلک کو اپنایا ہے۔ باقی جن حضرات نے جابرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے اور اس کی وجہ سے نہی کی تمام احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے تو یہ بہت افسوسناک بات ہے کیونکہ حضرت جابرؓ کی روایت اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اس میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے دوسرا ثوبان بن صالح ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں تو یہ روایت شیخین کی ابوایوبؓ والی صحیح تر روایت کے لئے کیسے ناسخ بن سکتی ہے؟ اگرچہ اس کو حسن بھی قرار دیا جائے، نیز اس میں بھی وہی احتمالات ہیں جو ابن عمرؓ کی روایت میں ہیں۔

جن حضرات نے عراک بن مالکؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو اگرچہ بعض حضرات نے حسن کہا ہے لیکن اکثر محدثین نے اس پر بہت کلام کیا ہے چنانچہ علامہ ذہبیؒ، ابن حزمؒ، ابوحاتمؒ، احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ نے اس میں کلام کیا ہے کیونکہ خالد بن ابی الصلت منکر الحدیث مجہول اور ضعیف ہے دوجگہ اس میں انقطاع بھی ہے اور بعض نے **موقوف علی عائشہ رضی اللہ عنھا** کہا ہے۔ شیخ الہندؒ نے اس کا عجیب جواب دیا ہے وہ یہ کہ استقبال واستدبار کی ممانعت سن کر لوگوں نے ہر جگہ بیت اللہ کی طرف پیٹھ کرنے میں غلو کیا اور ہر نشست میں پیٹھ کرنے کو حرام سمجھنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری نشست کو قبلہ رخ کردو تا کہ پیٹھ قبلہ کی طرف ہو اور لوگوں میں اعتدال آجائے یہاں بیت الخلاء کا مقعد مراد نہیں ہے بلکہ عام مجالس کی بات ہے یہ بہت دقیق علمی جواہر پارہ ہے۔

لغائط: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ غائط اصل میں زمین کے نشیبی حصہ کو کہتے ہیں اسی اعتبار سے قضاء حاجت کی جگہ اور بیت الخلاء کو غائط کہا گیا ہے کیونکہ عادت کے مطابق لوگ نشیبی علاقہ کو قضاء حاجت کے لئے تلاش کرتے ہیں کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہوتا ہے پھر اس میں توسیع کردی گئی اور پاخانہ کو ہی غائط کہہ دیا گیا: "**تسمیۃ الحال باسم محلہ**"۔

ولکن شرقوا او غربوا: حدیث کے الفاظ یہ الفاظ آنے والی ابوایوب انصاریؓ کی حدیث کے ہیں ترتیب کی غرض سے یہاں لکھ دیا بہر حال یہ حکم اہل مدینہ اور بیت اللہ کے جنوب یا شمال میں رہنے والوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہاں سے بیت اللہ جنوب کی جانب

واقع ہے اور مشرق و مغرب کی طرف بیت اللہ نہیں ہوتا ہے بخلاف ہمارے ملک کے جو مشرق میں واقع ہے یہ حکم یہاں کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہاں مغرب میں بیت اللہ واقع ہے۔

شریعت میں بعض احکامات بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہو کر آئے ہیں یہ حکم اسی قسم میں سے ہے۔ استقبال و استدبار کا یہ حکم راجح قول کے مطابق بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے بیت المقدس کا حکم ایسا نہیں ہے۔

وان نستنجی بالیمین: یعنی ہمیں حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ ہم دائیں ہاتھ سے استنجا کریں اس جملہ میں حق العبد کا بیان آ گیا اور اس میں دوسرے اہم مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو استنجاء میں استعمال نہ کرو۔ اہل ظواہر اور بعض شوافع کے ہاں دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے طہارت ہی حاصل نہیں ہوگی لیکن جمہور امت کا مسلک یہ ہے کہ یہ ممانعت دائیں ہاتھ کی شرافت کی وجہ سے ہے ورنہ اصل مقصود تو صفائی حاصل کرنی ہے اور وہ دائیں یا بائیں ہر ایک ہاتھ سے حاصل ہو جاتی ہے شریعت نے دائیں ہاتھ کو اچھے کاموں اور بائیں کو ناپسندیدہ اور مکروہ کاموں کے لئے مقرر فرمایا ہے تو استنجا بھی مکروہ کام ہے جو بائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے تا کہ کھانا کھاتے وقت انسان کو گھن نہ آئے کہ ابھی ابھی اس دائیں ہاتھ کو پاخانہ میں آلودہ کیا تھا اور اب اس کو لقمہ کے ساتھ منہ میں داخل کر رہا ہے بہر حال اصل صفائی تو کسی بھی ہاتھ سے ہو جاتی ہے دائیں کو استنجاء سے بچانا اس کی شرافت کی وجہ سے ہے۔

وان نستنجی باقل من ثلاثۃ احجار: اس جملہ میں حق النفس کا بیان آ گیا اور اس میں تیسرے اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا عنوان استنجاء بالاحجار ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

یہاں تین چیزیں قابل لحاظ ہیں: (۱) انقاء محل یعنی محل کو صاف کرنا (۲) تثلیث یعنی تین کے عدد کا لحاظ رکھنا۔ (۳) ایتار یعنی طاق عدد کی رعایت کرنا اس پر سب اتفاق ہے کہ تینوں کی رعایت کرنی چاہئے مگر اختلاف اس میں ہے کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔

تو امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تثلیث بھی واجب ہے ایتار بھی واجب ہے اور انقاء یعنی صفائی حاصل کرنا بھی واجب ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تنقیہ یعنی صفائی واجب ہے اور تثلیث و ایتار مستحب ہے۔

ثمرۂ اختلاف:

اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ مثلاً ایک آدمی نے دو ڈھیلوں سے انقاء کر لیا اب تیسرا ڈھیلا استعمال کرنا واجب ہے یا نہیں تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں واجب ہے تا کہ تثلیث حاصل ہو جائے اور مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں واجب نہیں ہے۔ اور اگر چار ڈھیلوں سے تنقیہ آ گئی تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں ایتار کے حصول کے لئے پانچواں استعمال کرنا واجب ہے۔ جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں واجب نہیں ہے۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ کی دلیل زیر بحث سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے جس میں تین پتھروں سے کم پر اکتفاء کرنے کو منع کیا گیا ہے۔

ائمہ احناف اور مالکیہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ کے صفحہ ۴۳ میں مذکور ہے جس میں **"من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج"** کے الفاظ آئے ہیں جس سے اباحت اور استحباب معلوم ہوتا ہے۔

جواب: شوافع حضرات نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تین پتھروں کے ثبوت پر دال اور تین سے کم کی نہی اور ممانعت پر دال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین اور طاق ہمارے نزدیک بھی مستحب ہے تو اس حدیث کو استحباب پر حمل کریں گے تاکہ تمام احادیث میں تطبیق آجائے اور تعارض ختم ہو جائے اور تین سے کم پتھروں کے استعمال کو مکروہ تنزیہی سمجھیں گے تو تعارض ختم ہو جائے گا۔

الزامی جواب:

اصل مقصود تنقیہ اور صفائی ہے طاق ہونا یا تین ہونا کوئی مقصود نہیں ہے اگر تثلیث وایتار وجوبی طور پر مقصود ہوتا تو پھر شوافع کے ہاں ایک ایسے پتھر کو جس کے تین کونے ہوں اور ہر کونہ کو الگ الگ استعمال کیا اور تنقیہ حاصل ہو گیا تو ان کے نزدیک یہ جائز کیوں ہے حالانکہ نہ اس میں تثلیث ہے نہ ایتار ہے معلوم ہوا یہ چیزیں ضروری نہیں صرف مستحب ہیں۔

رجیع: گوبر کو کہتے ہیں "رجیع" فعیل کے وزن پر اسم مفعول "موجوع" کے معنی میں ہے اردو میں اس کے معنی لوٹنے اور لوٹائے جانے کے ہیں اور گوبر اور غلاظت بھی پاک خوراک سے نجاست کی طرف لوٹ کر آئے ہیں گوبر سے استنجاء اس لئے ناجائز ہے کہ یہ موجب تلویث ہے۔ اور جنات کی خوراک بھی ہے۔

بعظم: ہڈی کو عظم کہتے ہیں ہڈی سے استنجاء جائز نہیں یا تو اس لئے کہ چکناہٹ والی ہڈی اور گوشت کی بوٹی لگی ہوئی ہڈی سے صفائی حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور اگر خشک پرانی ہڈی ہے تو ملاست کی وجہ سے یعنی کھردرانہ ہونے کی وجہ سے صفائی حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور یا نوکیلی ہڈی کی وجہ سے زخم لگنے کا خطرہ ہے لیکن حدیث شریف میں ممانعت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ جنات کی خوراک ہے اور یہی واضح تر ہے عطاء نے استنجاء میں استعمال ہونے والی چیزوں اور استعمال نہ ہونے والی چیزوں کے لئے قاعدہ اور ضابطہ اس طرح بیان کیا ہے: **"کل شیء طاهر قالع للنجاسة غیر محترم"**۔

۶۰۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الأَعْمَشِ وَمَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَالَ: لَنَا الْمُشْرِكُونَ إِنِّي أَرَى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتَّى يُعَلِّمَكُمُ الْخِرَاءَةَ. فَقَالَ: أَجَلْ إِنَّهُ نَهَانَا أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِيَمِينِهِ أَوْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَنَهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالْعِظَامِ وَقَالَ: "لاَ يَسْتَنْجِي أَحَدُكُمْ بِدُونِ ثَلاَثَةِ أَحْجَارٍ".

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سے مکہ کے بعض مشرکوں نے کہا کہ تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) تم کو ہر بات بتلاتے ہیں یہاں تک کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں۔ تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا: بے شک آپ نے ہم کو منع فرمایا ہے اس بات سے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایک دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے یا قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہم کو گوبر اور ہڈی دونوں سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک بھی تین پتھروں سے کم کیساتھ استنجاء نہ کرے۔

۶۰۸ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِراً يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُتَمَسَّحَ بِعَظْمٍ أَوْ بِبَعْرٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ہڈی یا مینگنی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۶۰۹ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالاَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: قُلْتُ لِسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ سَمِعْتَ الزُّهْرِيَّ يَذْكُرُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلاَ تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلاَ تَسْتَدْبِرُوهَا بِبَوْلٍ وَلاَ غَائِطٍ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا". قَالَ: أَبُو أَيُّوبَ فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ قَدْ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ عَنْهَا وَنَسْتَغْفِرُ اللهَ قَالَ: نَعَمْ.

حضرت سفیان بن عیینہ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے زہری سے سنا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم جاؤ قضائے حاجت کے لیے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ ہی پیٹھ۔ البتہ مغرب یا مشرق کی طرف منہ کرو، حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں ہم ملک شام گئے، تو ہم نے وہاں کے بیت الخلاء قبلہ رخ بنے ہوئے پائے۔ ہم قبلہ سے پھر جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے تھے۔ فرمایا: جی ہاں!

تشریح

"فقدمنا الشام" اس سے پہلے بھی میں نے لکھا ہے کہ ابوایوب انصاریؓ سے اس بارے میں دو مرفوع حدیثیں منقول ہیں لیکن امام مسلمؒ نے اس باب میں ایک حدیث کو نقل کیا ہے اور شام کے سفر کی تفصیل بیان کی ہے الفاظ دونوں حدیثوں کے تقریباً ایک جیسے ہیں۔

قال نعم: اس لفظ کو سمجھنا چاہئے وہ اس طرح کہ یحییٰ بن یحییٰ نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے زھری سے سنا ہے کہ وہ شیخ عطاء اور وہ حضرت ابوایوبؓ سے اس حدیث کو بیان کرتے تھے؟

تو سفیان بن عیینہ نے جواب میں فرمایا "نعم" یعنی ہاں میں نے سنا ہے تو یہ یحییٰ کے سوال کے جواب میں نعم کہہ دیا ہے۔

۶۱۰ - وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ - يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ - حَدَّثَنَا رَوْحٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: "إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ عَلَى حَاجَتِهِ فَلاَ يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلاَ يَسْتَدْبِرْهَا".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور نہ پیٹھ کرے۔

۶۱۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ - يَعْنِي ابْنَ بِلاَلٍ - عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى الْقِبْلَةِ فَلَمَّا قَضَيْتُ صَلاَتِي انْصَرَفْتُ إِلَيْهِ مِنْ شِقِّي فَقَالَ: عَبْدُ اللهِ يَقُولُ نَاسٌ إِذَا قَعَدْتَ لِلْحَاجَةِ تَكُونُ لَكَ فَلاَ تَقْعُدْ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَلاَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ - قَالَ: عَبْدُ اللهِ - وَلَقَدْ رَقِيتُ عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَاعِدًا عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلاً بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ.

حضرت واسع بن حبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے قبلہ کی طرف اپنی پیٹھ کی ہوئی تھی ٹیک لگا کر۔ جب میں نے نماز ادا کی تو میں ایک جانب سے آپکی طرف پھرا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: لوگ کہتے ہے کہ جب تو قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تو قبلہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھ حالانکہ میں گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے آپ ﷺ کو دو اینٹوں کے درمیان قضائے حاجت کے لیے ملک شام کی طرف منہ کیے ہوئے بیٹھے دیکھا۔

تشریح

"رقیت" یہ چڑھنے کے معنی میں ہے مراد چھت پر چڑھنا ہے "لبن" کچی اینٹ کو لبنة کہتے ہیں۔

"لحاجته" قضاء حاجت مراد ہے اس روایت میں احتمالات بہت ہیں خصوصیات بھی ہیں شوافع کی دلیل یہی حدیث ہے لیکن اس سے ان کا مدعیٰ پورا نہیں ہوتا ہے علامہ نوویؒ کو چاہئے تھا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور سلمان فارسیؓ کی حدیث کے بارے میں کچھ بیان کرتے اور اس کو کسی محمل پر حمل کرتے مگر چونکہ ان کی دلیل ان کے مدعا کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے خاموشی میں عافیت سمجھ کر آگے چلے گئے۔

۶۱۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: رَقِيتُ عَلَى بَيْتِ أُخْتِي حَفْصَةَ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَاعِداً لِحَاجَتِهِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا تو نبی اکرم ﷺ کو دیکھا قضائے حاجت کے لیے ملک شام کی طرف منہ کیے ہوئے اور بیت اللہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے۔

باب النهي عن الاستنجاء باليمين

دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۶۱۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لاَ يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ وَلاَ يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلاَءِ بِيَمِينِهِ وَلاَ يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ".

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک بھی پیشاب کرنے کی حالت میں اپنے عضو خاص کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور برتن میں سانس نہ لیں۔

تشریح

"لایمسکن احدکم ذکرہ بیمینہ" یعنی دائیں ہاتھ سے پیشاب کے وقت ذکر کو پکڑنا یا اس کو پاخانہ صاف کرنے میں استعمال کرنا مکروہ ہے ان تینوں احادیث میں یہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

اسلام ایک جامع مذہب ہے اور یہ کامل مکمل بلکہ اکمل ضابطہ حیات ہے اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے ہر قسم کے مسائل کا حل موجود ہے اسی سلسلہ میں متعدد احادیث میں بتایا گیا ہے کہ آدمی کے دائیں اور بائیں ہاتھ کے الگ الگ فرائض ہیں چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ کھانے پینے اور ہر اچھے اور مبارک کام کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء اور ہر اس کام کے لئے تھا جو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

شریعت مطہرہ نے انسانی طبیعت کے ساتھ مماثلت کی ہے کیونکہ طبعاً انسان کھانے اور پاخانے میں فرق کرنا چاہتا ہے اور کوئی انسانی طبیعت یہ نہیں چاہتی کہ ابھی ابھی جس ہاتھ کو پاخانہ میں آلودہ کیا تھا اسے اب منہ میں ڈال کر اپنے کھانے کی لذت کو تباہ کردے اسی وجہ سے بائیں ہاتھ کو ناپسندیدگی کی وجہ سے شیطان کا ہاتھ کہا گیا ہے یعنی شیطان کے پسندیدہ کاموں میں یہ ہاتھ استعمال ہوتا ہے اب پیشاب، پاخانہ، ناک کی صفائی اور کسی گندی چیز کو اٹھانے میں بائیں ہاتھ کو استعمال کیا جائے گا اور دایاں ہاتھ دیگر اچھے کاموں کے لئے ہے تاکہ ہر عضو کے لئے الگ الگ تقسیم کار ہو۔ اب جن لوگوں کی طبیعت شیطانی ہوگئی ہے وہ بائیں ہاتھ کو پسند کرتے ہیں اور کھانے پینے اور پاخانے میں اس کو برابر استعمال کرتے ہیں وہ گندے اور اچھے کاموں میں دائیں بائیں کا فرق نہیں کرتے ہیں شریعت نے انسانی شرافت کا بہت بڑا خیال رکھا ہے رحمان کا سارا نظام طہارت کا ہے اور رحمان اسی کا حکم دیتا ہے اور شیطان کا سارا نظام نجاست کا ہے اور وہ خبیث اسی کا حکم دیتا ہے۔

۶۱۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ".

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک بیت الخلاء میں داخل ہو تو اپنے ذکر کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے۔

۶۱۵ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى أَنْ يَتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ وَأَنْ يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَأَنْ يَسْتَطِيبَ بِيَمِينِهِ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: برتن میں سانس لینے اور آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ سے چھونے اور دائیں ہاتھ کیساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہیں۔
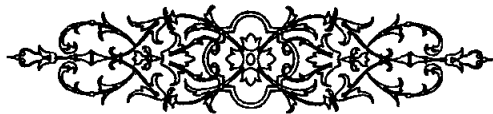
باب الیمن فی الطھور وغیرہ

طہارت وغیرہ میں دائیں ہاتھ سے شروع کرنا مستحب ہے

اس حدیث میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۶۱۶ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب بھی طہارت فرماتے تو پاکی حاصل کرنے میں دائیں طرف سے شروع فرماتے اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں (بھی) دائیں ہی طرف سے ابتداء فرمانے کو پسند فرماتے تھے۔

۶۱۷ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الأَشْعَثِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي نَعْلَيْهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ مثلاً جوتا پہننا اور کنگھی کرنا اور طہارت حاصل کرنا۔

تشریح

"الیمین" یعنی آنحضرت ﷺ ہر اچھے کام کو دائیں طرف سے شروع فرماتے تھے مثلاً اعضاء وضو کے دھونے میں یا بالوں میں کنگھی کرنے میں یا جوتا پہننے میں یا مسجد میں داخل ہونے میں یا کپڑا پہننے میں دائیں طرف سے ابتداء فرماتے تاکہ دائیں جانب کو اعزاز حاصل ہو جائے۔

امام نووی نے اس عنوان کو بے مقصد قائم کیا ہے اس سے پہلے باب کا عنوان سب کے لئے کافی تھا۔

"تنعل" جوتا پہننے کو کہتے ہیں "ترجل" کنگھی کرنے کو کہتے ہیں۔

باب النھی عن التخلی فی الطریق والظلال

سایہ دار درختوں کے نیچے اور عام راستوں میں پاخانہ کرنے کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۶۱۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ جَمِيعاً عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ - قَالَ: ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - أَخْبَرَنِي الْعَلاَءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ". قَالُوا وَمَا اللَّعَّانَانِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: "الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ".

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھٹکار کے دو کاموں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے

عرض کیا: وہ پھٹکار کے کام کرنے والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو لوگوں کے راستے میں یا ان کے سایہ کی جگہ میں قضائے حاجت کرے۔ یعنی اس کا یہ عمل موجب پھٹکار ہے۔

تشریح

"اتقوا اللعانین" یعنی دو باعث لعنت چیزوں سے بچو ایک تو لوگوں کی عام گزرگاہ میں پاخانہ کرنے سے اور دوسرا اس سایہ میں جہاں لوگ ستانے کے لئے عام طور پر بیٹھتے ہیں اب جس شخص نے ایسی جگہ میں پاخانہ کر دیا تو گزرنے والا اس پر لعنت کرے گا تو یہ چیزیں خود لعنت نہیں کرتی ہیں بلکہ لعنت بھیجنے کے لئے باعث بنتی ہیں اس میں یہ خفی اشارہ ہے کہ ایسے شخص پر جو کوئی لعنت بھیجے گا وہ حق بجانب ہوگا اور یہ شخص لعنت کا مستحق ہوگا یاد رہے یہ وہ مقامات ہیں جہاں لوگوں کی آمد و رفت ہو اور اٹھنا بیٹھنا ہو اگر ایسا نہیں تو جنگل میں کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر پاخانہ منع نہیں ہے۔

باب الاستنجاء بالماء

پانی سے استنجاء کرنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۶۱۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ حَائِطاً وَتَبِعَهُ غُلَامٌ مَعَهُ مِيضَأَةٌ هُوَ أَصْغَرُنَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ سِدْرَةٍ فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ حَاجَتَهُ فَخَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدِ اسْتَنْجَى بِالْمَاءِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور آپ کے پیچھے ایک لڑکا تھا جو ایک برتن اٹھائے ہوئے تھا پانی کا حالانکہ وہ ہم میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے اس برتن کو ایک بیری کے درخت کے پاس رکھ دیا۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے قضائے حاجت کی اور پانی سے استنجاء کر کے ہمارے پاس تشریف لائے۔

تشریح

"حائطاً" جس باغ کے اردگرد چاردیواری ہو اس کو حائط کہتے ہیں یہ بڑا باغ ہوتا ہے۔

"غلام" ایک نوجوان خادم پر غلام کا اطلاق کیا گیا ہے شاید حضرت انسؓ نے اس سے حضرت ابن مسعودؓ مراد لیا ہو۔

"نحوی" یعنی وہ لڑکا میرا ہم عمر تھا میرے جیسے تھا۔

"میضأة" وضو بنانے کے چھوٹے لوٹے کو میضأة کہا گیا ہے "العنزة" اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے نچلے حصہ میں نوکدار لوہا پیوست ہو یا چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں یہ زیادہ مشہور ہے "سدرة" بیری کے درخت کو "سدرة" کہتے ہیں۔

"وقد استنجاء بالماء" پانی سے استنجاء کرنا جائز ہے جو لوگ اس میں شک کرتے ہیں ان کا شک غلط ہے تاہم استنجا کے تین طریقے

ہیں سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ آدمی پہلے ڈھیلا پتھر استعمال کرے اس کے ساتھ پانی استعمال کرے اہل قباء کو اسی طرح استنجاء کرنے پر فضیلت ملی تھی دوسرے نمبر پر بہتر استنجاء وہ ہے جو صرف پانی سے کیا جائے اور تیسری قسم استنجاء وہ ہے جو صرف پتھر ڈھیلا ٹشو پیپر استعمال کیا جائے "یتبرز" یہ براز سے ہے قضاء حاجت کو کہتے ہیں۔

"اداوۃ" لوٹے کو کہتے ہیں بعض علماء نے چمڑے کے لوٹے چھاگل کو اداوہ قرار دیا ہے۔

٦٢٠ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَغُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ نَحْوِي إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً فَيَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے دور چلے جاتے تو میں اور میرے جیسا ایک اور نوجوان پانی کا لوٹا اور نیزہ اٹھاتے۔ پس آپ ﷺ پانی کیساتھ استنجاء فرماتے۔

٦٢١ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ - وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ - حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَبَرَّزُ لِحَاجَتِهِ فَآتِيهِ بِالْمَاءِ فَيَتَغَسَّلُ بِهِ.

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر جایا کرتے تھے قضائے حاجت کے لئے، میں ان کے لئے پانی لاتا تو آپ ؐ اس سے استنجاء فرماتے۔

"نوٹ" الحمد للہ کتاب الطھارۃ کی ابتداء سے یہاں باب المسح علی الخفین تک تشریح میں نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں روضہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر لکھی ہے۔

فضل محمد یوسف زئی نزیل المدینۃ المنورہ ١٧ رمضان ١٤٣٢ھ

باب المسح علی الخفین

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے گیارہ احادیث بیان کی ہیں

نوٹ: الحمد للہ باب المسح علی الخفین کی احادیث کی تشریح میں نے مدینہ منورہ سے واپسی پر ٢٠ رمضان ١٤٣٢ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھ دی ہے۔

٦٢٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَأَبُو كُرَيْبٍ جَمِيعاً عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ - وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى - قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: بَالَ جَرِيرٌ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ فَقِيلَ تَفْعَلُ هَذَا. فَقَالَ: نَعَمْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ. قَالَ: الأَعْمَشُ قَالَ: إِبْرَاهِيمُ كَانَ يُعْجِبُهُمْ هَذَا الْحَدِيثُ لأَنَّ إِسْلَامَ جَرِيرٍ كَانَ بَعْدَ نُزُولِ

الْمَائِدَةِ.

حضرت ہمام سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جریر نے پیشاب کیا پھر وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا تو ان سے کہا گیا آپ نے ایسا کیا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپؐ نے پیشاب فرمایا پھر وضوء فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

اعمش کہتے ہیں کہ ابراہیم کہتے ہیں کہ انہیں اس حدیث سے تعجب ہوا اس لئے کہ جریر تو سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے۔

تشریح

"ومسح علی خفیه" یعنی آنحضرت ﷺ نے موزوں پر مسح کیا خفین خف کا تثنیہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ مسح تب جائز ہے کہ دونوں پاؤں میں موزہ پہنا ہوا ہو ایک پاؤں کو دھونا اور دوسرے پر موزہ پہن کر مسح کرنا جائز نہیں ہے بہر حال مسلم شریف کی ان صحیح اور صریح احادیث سے موزوں پر مسح ثابت ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ان احادیث میں سورت مائدہ کی آیت کا بار بار حوالہ آیا ہے کہ آیا موزوں پر مسح کا یہ حکم سورت مائدہ کی ایت کے نزول سے پہلے تھا یا بعد میں تھا اگر آیت بعد میں نازل ہوئی ہے تو وہ مسح کے حکم کے لئے ناسخ ہوگی کیونکہ سورت مائدہ کی ایت **فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وامسحوا برؤسكم وارجلكم الى الكعبين** کا لفظ صرف غسل رجلین کو متعین کرتا ہے کیونکہ پاؤں پر مسح کرنے کی صورت میں کعبین تک مسح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی وجہ سے صحابہ کرام حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے بار بار پوچھتے تھے تو آپ جواب دیتے کہ بھائی سورت مائدہ تو بہت پہلے نازل ہوئی ہے میں تو اس وقت مسلمان بھی نہیں تھا لہٰذا آیت کے مفہوم غسل میں سنت نبویہ سے تخصیص آگئی ہے اور پاؤں پر اگر موزہ ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اس بحث کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

موزوں پر مسح کرنا چونکہ کتاب اللہ کی آیت الوضوء سے ظاہری طور پر متعارض تھا کیونکہ قرآن میں پاؤں دھونے کے ساتھ **الی الکعبین** کا لفظ آیا ہے اور ٹخنوں تک مسح کسی کے ہاں نہیں ہے اس قید نے پاؤں دھونے کے سوا ہر حکم کو رد کر دیا ہے اسی وجہ سے پاؤں پر مسح کرنے کے حکم کو امت نے بہت سوچ سمجھ کر قبول کیا۔ خود صحابہ کرامؓ موزوں پر مسح کرنے کی روایت والے صحابی حضرت جریر بن عبداللہؓ سے بطور تعجب واستفسار پوچھ لیا کرتے تھے کہ کیا موزوں پر مسح کا حکم سورۃ مائدہ کی آیت کے نزول کے بعد آیا ہے یا پہلے کا ہے تو آپ فرماتے تھے کہ بھائی سورۃ مائدہ کے نزول سے پہلے تو میں نے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا میں تو اس کے بعد مسلمان ہوا ہوں لہٰذا آنحضرت ﷺ کا موزوں پر مسح نزول سورۃ مائدہ کے بعد کا ہے۔

گویا احادیث کثیرہ مشہورہ کی وجہ سے قرآن کی آیت میں تخصیص ہوگئی ہے اور موزوں پر مسح اس کے بعد امت نے قبول کر لیا ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے **مسح علی الخفین** کے بارے میں صحابہ کرام میں کوئی اختلاف نہیں پایا اور نہ بعد کے علماء میں کسی نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء نے احادیث **مسح علی الخفین** کے راویوں کو جمع کیا تو معلوم ہوا کہ اسی (۸۰) سے زیادہ صحابہ نے اس کی روایت کی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بالجنۃ صحابہ شامل ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ستر سے زیادہ ایسے صحابہ سے ملا ہوں جو موزوں پر مسح کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے حضرت ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا سلف صالحین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ امام کرخیؒ کا قول ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کا انکار کرے اور اس کو ناجائز سمجھے تو مجھے اس کے کفر کا خطرہ ہے کیونکہ اس بارہ میں احادیث تواتر تک پہنچی ہیں۔ امام نوویؒ نے موزوں کے مسح پر اجماع نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے موزوں پر مسح کرنے کو اس وقت قبول کیا جب آفتاب نصف النہار کی طرح واضح احادیث مجھ تک پہنچ گئیں پھر آپ نے موزوں پر مسح کرنے کو اہل السنۃ والجماعہ کی نشانی اور شعار قرار دیا آپ نے اہل سنت ہونے کے لئے تین چیزیں لازمی قرار دیں اور فرمایا ''ان نفضل الشیخین و نحب الختنین و نری المسح علی الخفین''۔

ایک روایت میں نحب سے آخر تک مخاطب کے صیغہ کے ساتھ نحب کے بجائے تحب ہے یعنی سنی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کے دو داماد وں حضرت علیؓ اور عثمانؓ سے محبت رکھو اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھو اور شیخین یعنی صدیقؓ و عمرؓ کو سب سے افضل سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ موزوں پر مسح کرنا شرعاً جائز ہے اس کا انکار کوئی مبتدع اور بد باطن کر سکتا ہے جیسے روافض خذلھم اللہ نے کیا ہے اور خوارج نے بھی کیا ہے۔ پھر یہ بات یاد رکھیں کہ موزوں پر مسح کرنا رخصت ہے اور پاؤں کا دھونا افضل اور عزیمت ہے لیکن اگر کوئی تکلف کرتا ہے اور مشقت کے ساتھ پاؤں دھوتا ہے تو اس طرح دھونا افضل نہیں ہاں اگر بغیر تکلف کے کوئی دھوتا ہے تو دھونا افضل ہے۔ صاحب سفر السعادہ نے لکھا ہے کہ جو عمل آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا ہے تو بغیر کسی تکلف کے آپ نے اس پر عمل کیا ہے اور ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لیا ہے۔ توقیت مسح میں فقہاء کا جو اختلاف ہے وہ آئندہ باب التوقیت فی المسح میں آرہا ہے۔

۶۲۳ - وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ح وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ عِيسَى وَسُفْيَانَ قَالَ: فَكَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ يُعْجِبُهُمْ هَذَا الْحَدِيثُ لِأَنَّ إِسْلَامَ جَرِيرٍ كَانَ بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ.

یہ رواۃ بھی حضرت اعمش سے حضرت ابو معاویہ والی حدیث ہی روایت کرتے ہیں سوائے عیسیٰ اور سفیان کے، کہ ان کی روایت میں عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو اس حدیث سے تعجب ہوتا تھا اس لئے کہ حضرت جریرؓ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے۔

۶۲۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَانْتَهَى إِلَى سُبَاطَةِ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا فَتَنَحَّيْتُ فَقَالَ: ''ادْنُهْ''. فَدَنَوْتُ حَتَّى قُمْتُ عِنْدَ عَقِبَيْهِ فَتَوَضَّأَ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ.

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ ایک قوم کے ڈھیر پر آئے اور پیشاب فرمایا کھڑے ہو کر، میں ایک طرف ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، پس میں قریب ہوا یہاں تک کہ میں ان کے پیچھے کھڑا ہوا گیا، پس آپ ﷺ نے وضوء فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم

تشریح

''الی سباطة قوم'' کچرا دان اور کوڑہ خانے کو سباطہ کہتے ہیں سین پر پیش ہے گھروں کے پاس کوڑہ کباڑہ پھینکنے کے لئے جو عام جگہ بنی

ہوئی ہوتی ہے اسی کو سباطہ کہا گیا ہے ایسی جگہ کسی کی ملکیت بھی نہیں ہوتی ہے اور نہ اس میں پیشاب کی ممانعت ہوتی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کے گھر کی دیوار کے پاس اجازت کے بغیر ایسے پیشاب کیا یہ سوال بیکار ہے۔

"فبال قائما" یعنی آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

سوال: یہاں سوال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث میں ہے **"یاعمر لاتبل قائماً"** پھر آپ نے خود کھڑے ہو کر پیشاب کیوں کیا اس کی کیا وجہ تھی؟

جواب: علامہ خطابی اور قاضی عیاض نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ کمر کے درد کے لئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا عرب کے ہاں علاج تھا تو آنحضرت ﷺ نے کمر کے درد کے علاج کے لئے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے گھٹنے میں تکلیف تھی اس لئے مجبوری اور عذر کی حالت میں آپ ﷺ نے ایسا کیا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اسی کوڑہ خانے میں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی تو اس مجبوری کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زندگی میں ایک آدھ بار بیان جواز کے لئے ایسا کیا تاکہ امت کو پتہ چلے کہ کھڑے ہو کر کبھی کبھی پیشاب کرنا حرام نہیں ہے۔

پانچواں جواب: یہ ہے کہ کبھی کھڑے ہو کر پیشاب اس لئے کیا جاتا ہے کہ فقط پیشاب نکل جائے اور پاخانہ کے نکلنے سے آدمی محفوظ رہے بیٹھ کر پیشاب کرنے سے اچانک پاخانہ بھی روانہ ہو جاتا ہے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا **"البول قائما احصن للدبر"** یعنی کھڑے ہو کر پیشاب مقعد سے کچھ نکلنے کے لئے حفاظت ہے گویا آنحضرت ﷺ نے امت کے ایسے ہی خطرناک صورت سے بچنے کے لئے امت کو ایک تعلیم دی ہے کہ ایسی حالت میں اس طرح کرنا چاہئے یہ توجیہ قاضی عیاض کی ہے۔ (نوویؒ)

اب رہی یہ بات کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے تو بعض روایات سے اور بعض صحابہ کے افعال سے جواز کا پتہ چلتا ہے اور بعض صحابہ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور ممانعت کی صریح احادیث بھی موجود ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں **"قالت من حدثکم ان النبی ﷺ کان یبول قائما فلاتصدقوہ ماکان یبول الا قاعداً"** (نووی)

حضرت ابن مسعودؓ امام شعبیؒ اور ابراہیم بن سعد کھڑے ہو کر پیشاب کو مکروہ کہتے تھے بلکہ ابراہیم بن سعدؒ نے تو فتویٰ دیا تھا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے کی گواہی معتبر نہیں ہے بہر حال مجبوری اور عذر الگ چیز ہے نیز ایک آدھ بار اس طرح کرنا الگ چیز ہے لیکن اس کو عادت بنانا اور اسی پر چلنا بلکہ اپنا شعار بنانا اس کے ناجائز ہونے میں کیا شک ہے جن روایات میں یا صحابہؓ کے افعال میں کھڑے ہو کر پیشاب کا ذکر ہے وہ اس کی ممانعت سے پہلے کے دور پر حمل کیا جا سکتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب آنحضرت نے فرمایا **"یاعمر لاتبل قائماقال فمابلت بعد ذالک قائماً"** او کما قال۔ آج کل فساق و فجار اور کفار اشرار کا یہ شعار ہے لہٰذا کھرا مسلمان اس سے بیزار ہے۔

"فتنحیت" یعنی میں دور جا کر کھڑا ہوا تاکہ اطمینان سے پیشاب کریں یہی ادب ہے اور طلبہ و خادمین اور مریدین کو ایسا ہی کرنا چاہئے یہ نہیں کہ پیر صاحب باتھ روم میں ہے اور خادم باہر دروازے پر چوکیدار کھڑا ہے اور اندر کی حالت کی جاسوسی کر رہا ہے۔

"انه" یعنی اس وقت پیچھے کھڑے ہو کر پردہ وغیرہ کی ضرورت تھی اس لئے آپ ﷺ نے ان کو قریب کھڑے ہونے کا فرمایا۔
علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنے والے کے قریب ہونا اچھا ہے لیکن بیٹھ کر پیشاب کرنے والے سے دور رہنا چاہئے کیونکہ بیٹھنے کی صورت میں کچھ بھی ہوسکتا ہے انسان کمزور ہے۔

۶۲۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ أَبُو مُوسَى يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ وَيَبُولُ فِي قَارُورَةٍ وَيَقُولُ إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ جِلْدَ أَحَدِهِمْ بَوْلٌ قَرَضَهُ بِالْمَقَارِيضِ. فَقَالَ: حُذَيْفَةُ لَوَدِدْتُ أَنَّ صَاحِبَكُمْ لَا يُشَدِّدُ هَذَا التَّشْدِيدَ فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَنَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ نَتَمَاشَى فَأَتَى سُبَاطَةً خَلْفَ حَائِطٍ فَقَامَ كَمَا يَقُومُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ فَأَشَارَ إِلَيَّ فَجِئْتُ فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ حَتَّى فَرَغَ.

ابی وائلؓ سے مروی ہے کہ ابوموسیٰؓ پیشاب کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور ایک شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی ایک کے جسم پر جب پیشاب لگ جاتا تو اس کو قینچی سے کاٹنا پڑتا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میری چاہت یہ ہے کہ تمہارا ساتھی اس طرح کی سختی نہ کرے کیونکہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا تو آپ ﷺ ایک دیوار کے پیچھے گندگی کے ڈھیر پر گئے اور عام لوگوں کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا تو میں ایک طرف ہو گیا، آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کیا تو میں آگیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

تشریح

"یشدد فی البول" یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ پیشاب سے بچنے میں بہت زیادہ شدت سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ آپ پیشاب کی نالی کو بوتل کے اندر رکھ کر پیشاب کرتے تھے تاکہ جسم پر کوئی چھینٹا نہ لگ جائے۔
"قرضہ بالمقاریض" مقاریض مقراض کی جمع ہے مقراض قینچی کو کہتے ہیں۔
"جلد احدھم" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لباس چمڑے کے ہوتے تھے جب اس پر پیشاب کا چھینٹا پڑ جاتا تو قینچی سے چمڑے کو کاٹ لیا کرتے تھے دھونے سے صاف نہیں ہوتا تھا دوسرا مطلب یہ ہے کہ چمڑے سے جسم کا چمڑا مراد ہے کہ بنی اسرائیل اتنا تشدد اور احتیاط کرتے تھے اور ان کی شریعت کا حکم اتنا سخت تھا کہ اگر جسم پر پیشاب کا قطرہ لگ جاتا تو دھونے سے پاک نہ ہوتا بلکہ جسم کا وہ حصہ اور اس کا چمڑا قینچی سے کاٹ لیا جاتا تھا ابوموسیٰ اشعریؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پیشاب کا مسئلہ انتہائی سنگین ہے اس لئے میں یہ تشدد و احتیاط کرتا ہوں۔
"لا یشدد ھذا التشدید" حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعریؓ زیادہ تشدد سے کام لے رہے ہیں ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے یہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے قوم کے کوڑا خانے کے پاس کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور ظاہر ہے کہ اس سے کوئی نہ کوئی قطرہ جسم پر لگتا ہو گا یا لگنے کا احتمال ہوتا ہے تو وہاں نبی مکرم ﷺ نے اس تشدد کے خلاف عمل کیا ہے ابوموسیٰؓ کو بھی ایسا کرنا چاہئے۔
"فانتبذت" پیچھے ہٹنے اور دور ہو جانے کے معنی میں ہے یہ عمومی طور پر ادب کا طریقہ ہے اور ایسا کرنا چاہیے۔

۶۲۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ مَكَانَ حِينَ حَتَّى.

حضرت عروہ بن مغیرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے نکلے تو حضرت مغیرہؓ پانی کا ایک برتن لے کر آپ ﷺ کے ساتھ گئے، جب آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو حضرت مغیرہؓ نے ان پر پانی بہایا پس آپ ﷺ نے وضوء فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

اور ابن رمح کی روایت میں ''حین'' کی جگہ ''حتی'' کے الفاظ ہیں۔

۶۲۷- وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ: فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

عبدالوہاب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے اسی سند سے سنا اور وہ کہتے تھے: ''آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور سر پر مسح کیا پھر موزوں پر مسح کیا۔

۶۲۸- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ هِلَالٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: بَيْنَا أَنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِذْ نَزَلَ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ جَاءَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ مِنْ إِدَاوَةٍ كَانَتْ مَعِي فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ ایک مقام پر اترے اور قضائے حاجت فرمائی، جب آپ ﷺ واپس آئے تو میں نے اپنے پاس موجود برتن سے آپ ﷺ پر پانی بہایا، پس آپ ﷺ نے وضوء فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

۶۲۹- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَقَالَ: ''يَا مُغِيرَةُ خُذِ الْإِدَاوَةَ''. فَأَخَذْتُهَا ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى تَوَارَى عَنِّي فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ عَلَيْهِ فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ مَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى.

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ نے فرمایا: اے مغیرہ! ایک برتن لے لو۔ پس میں نے برتن لیا اور آپ ﷺ کے ساتھ نکل گیا آپ ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ وہ میری آنکھوں سے

اوجھل ہو گئے، پس آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی پھر واپس آئے اس وقت آپ ﷺ پر تنگ آستینوں والا شامی جبہ تھا، پس آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا تو آستین تنگ تھی، پھر آپ ﷺ نے اس کے نیچے سے ہاتھ نکال لیا، پس میں نے آپ ﷺ پر پانی بہایا، آپ ﷺ نے نماز والا وضوء فرمایا اور پھر نماز ادا فرمائی۔

تشریح

"توارى" یہ چھپنے اور غائب ہونے کے معنی میں ہے آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لئے بہت دور چلے جاتے تھے اس زمانے میں کھلے میدان اور صحراء میں قضائے حاجت کے لئے جانا پڑتا تھا کیونکہ عرب اول کی عادت یہ نہیں تھی کہ گھروں میں باتھ روم بنایا جائے۔

"فی سفر" یہ سفر غزوہ تبوک کا سفر تھا۔

"فاخرج یدہ من اسفلها" یعنی شامی جبہ میں آپ ﷺ ملبوس تھے جس کے آستین تنگ تھے بازو کو اوپر چڑھانا مشکل تھا تو آپ نے آستینوں سے بازوؤں کو نیچے نکال دیا اور جبہ کے آستینوں کو اپنے کندھوں پر ڈال دیا اور وضو بنالیا یہ قبائلی انداز ہے دیہاتی ماحول کا منظر ہے کراچی وغیرہ کے شہری اس کو نہیں سمجھتے تو اس کا مطلب غلط بیان کرتے ہیں ریاض الصالحین میں بعض مشہور حضرات نے غلط مطلب بیان کیا ہے آنے والی روایت میں "ادخلتهما طاهرتين" کے الفاظ آئے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں نے جب موزہ پہنا تھا اس وقت میرا وضو کامل تھا لہٰذا اب تین دن رات تک مسح کرسکتا ہوں موزہ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ سفر ہے۔

۶۳۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ جَمِيعاً عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ - قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عِيسَى - حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيَقْضِيَ حَاجَتَهُ فَلَمَّا رَجَعَ تَلَقَّيْتُهُ بِالإِدَاوَةِ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَغْسِلَ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَتِ الْجُبَّةُ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَهُمَا وَمَسَحَ رَأْسَهُ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى بِنَا.

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے پس جب آپ واپس آئے تو میں ایک برتن لے کر حاضر ہوا، پس میں نے آپ ﷺ پر پانی بہایا آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا پھر آپ ﷺ نے بازؤں کو دھونا چاہا تو وہ جبہ تنگ تھا، آپ ﷺ نے جبے کے نیچے سے بازو نکالے اور ان کو دھویا اور سر اور موزوں کا مسح کیا، پھر ہمیں نماز پڑھائی۔

۶۳۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي مَسِيرٍ فَقَالَ: لِي "أَمَعَكَ مَاءٌ". قُلْتُ نَعَمْ. فَنَزَلَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَمَشَى حَتَّى تَوَارَى فِي سَوَادِ اللَّيْلِ ثُمَّ جَاءَ فَأَفْرَغْتُ عَلَيْهِ مِنَ الإِدَاوَةِ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُخْرِجَ

ذِرَاعَيْهِ مِنْهَا حَتَّى أَخْرَجَهُمَا مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ: "دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ". وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کے پاس پانی ہے میں نے کہا: جی ہاں! پس آپ ﷺ سواری سے اترے اور چلنے لگے یہاں تک کہ رات کے اندھیرے میں چھپ گئے، پھر آپ ﷺ واپس آئے میں نے آپ ﷺ پر برتن سے پانی بہایا، آپ ﷺ نے اپنے چہرہ مبارک کو دھویا، اس وقت آپ ﷺ اون کا جبہ پہنے ہوئے تھے، پس آپ ﷺ کے بازو آستین سے نہ نکل سکے تو آپ ﷺ نے جبے کے نیچے سے بازو نکالے اور ان کو دھویا اور سر کا مسح کیا، پھر میں نیچے جھکا تاکہ آپ ﷺ کے موزے اتاروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو! میں نے یہ پاکی کی حالت میں پہنے تھے۔ اور آپ ﷺ نے انہیں پر مسح فرمایا۔

۶۳۲ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ وَضَّأَ النَّبِيَّ ﷺ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهُ فَقَالَ: "إِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ".

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کروایا، پس آپ ﷺ نے وضوء فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا اور ارشاد فرمایا: میں نے یہ پاکی کی حالت میں پہنے تھے۔

باب المسح على العمامة

عمامہ پر مسح کرنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۶۳۳ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ - يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ - حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيُّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَتَخَلَّفْتُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ قَالَ: "أَمَعَكَ مَاءٌ". فَأَتَيْتُهُ بِمِطْهَرَةٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَأَلْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا فِي الصَّلَاةِ يُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْتُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِي سَبَقَتْنَا.

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ ذرا پیچھے رہ گئے میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے تھا جب آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں ایک لوٹا لے آیا آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اور چہرہ دھوئے۔ پھر دونوں بازو آستینوں سے نکالنے چاہے تو جبہ کی آستین تنگ تھی آپ ﷺ نے جبہ کے نیچے سے ہاتھ

نکال لیا اور جبہ کو اپنے کندھوں پر ڈال لیا دونوں بازو دھوئے پیشانی اور عمامہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے تو میں بھی سوار ہو گیا یہاں تک کہ ہم بھی قوم کے پاس جا پہنچے۔ تو وہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ انہیں نماز پڑھا رہے تھے۔ اور ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ انہیں جب احساس ہوا کہ حضور ﷺ آچکے ہیں تو وہ پیچھے ہٹنے لگے آپ ﷺ نے انہیں اشارے سے منع فرمایا چنانچہ انہوں نے نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو نبی اکرم ﷺ اور میں کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے ایک رکعت جو رہ گئی تھی پڑھ لی۔

تشریح

"الناصیة" سر کی چوٹی کے بالوں کو ناصیہ کہتے ہیں اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کرنے سے فرض مسح ہو جاتا ہے امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ پورے سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں اختلاف پہلے گزر چکا ہے زیر بحث حدیث ائمہ احناف کی مضبوط دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ ایک چوتھائی سر پر مسح کرنا فرض ہے اور پورے سر کا استیعاب سنت کے درجہ میں ہے امام شافعیؒ نے ادنی مایطلق علیہ اسم المسح کو کافی کہا ہے زیر بحث حدیث سے وہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں ناصیہ کی جو مقدار ہے احناف اس کو ربع رأس قرار دیتے ہیں اور یہی فرض ہے۔

"وعلی العمامة" عمامہ "فعالہ" کے وزن پر ہے اس وزن پر جو بھی اسم آجائے اس میں احاطہ کا معنی پڑا ہے جیسے "عمامہ" ہے "حمالہ" ہے جعابہ عصابہ وغیرہ الفاظ ہیں عمامہ تین گز کا بھی ہوتا ہے سات گز اور بارہ گز کا بھی ہوتا ہے۔

عمامہ باندھنا سنن زوائد میں سے ہے اقتداء بالرسول کی نیت کرنے سے ثواب ملے گا ورنہ قومی عادت پر ثواب نہیں ملتا ہے جیسا کہ بعض قوموں کی عادت ہے رومال باندھنے سے عمامہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا ہے البتہ رومال باندھنا عمامہ کا لنگوٹہ ہے عمامہ نہیں ہے۔

اب یہ مسئلہ کہ عمامہ پر مسح کرنا کیسا ہے باب کی احادیث میں تین بار نہایت وضاحت کے ساتھ عمامہ پر مسح کرنے کے الفاظ آئے ہیں اور ایک بار 'خمار' کا لفظ آیا ہے اس لئے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

عمامہ پر مسح کرنے میں فقہاء کا اختلاف

وعلی العمامة: اس روایت میں **مسح علی الناصیة** کے ساتھ **مسح علی العمامة** کا ذکر بھی آگیا ہے اس وجہ سے فقہاء کرام کے درمیان مسح علی العمامہ کے مسئلہ میں اختلاف آگیا۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

امام احمد ابن حنبلؒ امام اوزاعیؒ داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک عمامہ پر مسح جائز ہے اس سے سر کے مسح کا فرض پورا ہو جاتا ہے البتہ امام احمدؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ پگڑی طہارت پر پہنی ہو۔ دوسری شرط یہ کہ عمامہ محنکہ ہو یعنی ٹھوڑی کے نیچے لپیٹا گیا ہو اور پورے سر پر حاوی اور محیط ہو جس طرح موزہ کیلئے پاؤں پر محیط ہونا ضروری ہے۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی یعنی جمہور کے نزدیک مسح علی العمامۃ جائز نہیں ہے اس سے فرض پورا نہیں ہوگا۔

دلائل: امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر نے زیر بحث مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں عمامہ پر مسح کا ذکر موجود ہے اس کے علاوہ سنن میں حضرت بلالؓ کی روایت اور حضرت ثوبانؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں عمامہ کا ذکر ہے۔

ان حضرات نے علی الخفین پر قیاس بھی کیا ہے کہ جب پاؤں کے بجائے موزہ پر مسح جائز ہے تو سر کے بجائے عمامہ پر بھی مسح جائز ہے دونوں کا حکم ایک جیسا ہونا چاہئے۔

جمہور کی پہلی دلیل تو قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں "وامسحوا برؤسکم" کا حکم ہے کہ سر پر مسح کرو اور سر غیر ہے اور پگڑی غیر ہے پگڑی پر مسح کرنے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سر پر مسح کیا اللہ تعالیٰ کا حکم سر پر مسح کرنے کا ہے پگڑی پر نہیں جمہور کی دوسری دلیل وہ صحیح اور صریح احادیث ہیں جو تقریباً ۸۰ صحابہ کرام سے ثابت ہیں جن میں سر کے مسح کا ذکر موجود ہے اور عمامہ کا کوئی ذکر نہیں ہے جمہور نے مسح علی العمامۃ کی حدیث کا کئی طریقوں سے جواب دیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جواب: کتاب اللہ کی آیت نص قطعی ہے اور مسح علی العمامہ کی روایات اخبار آحاد ہیں لہٰذا ہم نہ آیت الوضو میں ان احادیث محتملہ کی وجہ سے تخصیص کر سکتے ہیں نہ آیت میں تقیید کر سکتے ہیں اور نہ اس میں تاویل کر سکتے ہیں۔

نیز مسح رأس کے مسئلے میں اسی (۸۰) صحابہ کرام کی جو روایات ہیں ہم ان کو نہیں چھوڑ سکتے اور آیت کی موجودگی میں اور صحیح صریح کثیر احادیث کی موجودگی میں ہم مسح عمامہ کی اخبار آحاد و غرائب اور محتمل و مضطرب روایات کو کیسے لے سکتے ہیں۔

مسح عمامہ کی روایات میں ایک احتمال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقدار ناصیہ پر مسح کرنے کے بعد پگڑی پر مسح کیا ہو اور بعض روایات میں اس کا ذکر ملتا ہے تو صرف عمامہ پر مسح نہیں تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسح اس قناع اور نرم کپڑے پر تھا جو آنحضرت ﷺ پگڑی کے نیچے استعمال فرماتے تھے اس قناع کو عمامہ سے یاد کیا گیا اور قناع باریک ہوتا ہے تو سر پر مسح ہو جاتا ہے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اصل مسح تو سر پر کیا تھا پھر سر پر عمامہ رکھنے کے بعد اس پر ہاتھ پھیرا تاکہ عمامہ کو درست فرمالیں اسی کو دیکھنے والے نے عمامہ پر مسح سمجھ کر بیان کیا۔ چوتھا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ یہ وضو علی الوضو کی صورت میں ہو اور وہاں تو مسح سر کی ضرورت بھی نہیں لہٰذا اگر عمامہ پر مسح کیا تو کیا ہوا؟ پانچواں احتمال یہ بھی ہے کہ مسح رأس قصدی طور پر تھا اور مسح عمامہ تبعی طور پر تھا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مسح عمامہ کا حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ شیخ ابو عمرو نے تمہید میں لکھا ہے کہ مسح عمامہ کی ساری روایات معلول ہیں۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ مسح عمامہ کی روایات اتنی قوی نہیں جو دیگر صحیح احادیث کا مقابلہ کر سکیں جس میں سر پر مسح کا حکم موجود ہے۔

۶۳۴ - حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَا حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَمُقَدَّمِ رَأْسِهِ وَعَلَى عِمَامَتِهِ.

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے موزوں پر اور سر کے اگلے حصے اور اپنے عمامہ پر مسح کیا۔

۶۳۵ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ بَكْرٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ.

سابقہ روایت اس سند سے بھی منقول ہے۔

۶۳۶ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ جَمِيعاً عَنْ يَحْيَى الْقَطَّانِ قَالَ: ابْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: بَكْرٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مِنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ.

حضرت مغیرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضوفرمایا اور اپنی پیشانی، عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔

۶۳۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ بِلَالٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ. وَفِي حَدِيثِ عِيسَى حَدَّثَنِي الْحَكَمُ حَدَّثَنَا بِلَالٌ۔

حضرت بلالؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے موزوں اور عمامہ پر مسح کیا۔

عیسیٰ بن یونس کی روایت میں عن بلال کی بجائے حدثنی بلال ہے۔

۶۳۸ - وَحَدَّثَنِيهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ - يَعْنِي ابْنَ مُسْهِرٍ - عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ: فِي الْحَدِيثِ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ.

اعمش سے بھی سابقہ روایت منقول ہے لیکن اس میں اضافہ ہے کہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا۔

باب التوقيت في المسح

مسح علی الخفین کی مدت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۶۳۹ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ الْمُلَائِيِّ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتْ: عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَسَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ. فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: جَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْماً وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ. قَالَ: وَكَانَ سُفْيَانُ إِذَا ذَكَرَ عَمْراً أَثْنَى عَلَيْهِ.

حضرت شریح بن ھانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لایا ان سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے۔انہوں نے فرمایا کہ تم اس بارے میں حضرت علیؓ بن ابی طالب سے پوچھو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں ہوتے تھے۔ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسح کی مدت مسافر کے

لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور رات مقرر فرمائی ہے۔

تشریح

"عمرو بن قیس الملائی" عمرو بن قیس اکابر علماء اور بڑے محدثین میں سے تھے الملائی یہ ملاء کی طرف منسوب ہے میم پر پیش ہے ایک قسم کے کپڑے کا نام ہے اس کا مفرد ملاءۃ ہے جو چادر کو کہتے ہیں یہ محدث چادروں کی تجارت کرتے تھے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک معروف کپڑے کو کہتے ہیں جس کی تجارت یہ راوی کرتے تھے۔

"ابن ابی طالب" اس سے مراد حضرت علیؓ ہیں آنے والی روایت میں "ائت علیاً" نام کی تصریح ہے معلوم ہوا حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کے نام لینے سے احتراز نہیں کرتی تھیں۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بڑا عالم موجود ہو تو مسائل میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اس سے تقلید شخصی کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں حضرت علی منفرد علم رکھتے تھے آخری حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں۔

"ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر" توقیت فی المسح کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے جب موزوں پر مسح کا حکم دیدیا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ مسح کسی وقت مقرر تک ہے یا اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے اس مسئلہ کو توقیت اور عدم توقیت فی المسح کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

توقیت مسح میں فقہاء کرام کا اختلاف

امام مالکؒ کے نزدیک مسح علی الخفین غیر موقت ہے اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے آدمی جب تک مسح کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے اس میں مقیم اور مسافر کا بھی کوئی فرق نہیں ہے ائمہ ثلاثہ جمہور محدثین اور جمہور صحابہ کے ہاں مسح علی الخفین موقت ہے یعنی مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں۔

مالکیہ کے دلائل

امام مالک اور وہ حضرات جو عدم توقیت مسح کے قائل ہیں وہ ابوداؤد شریف "باب توقیت فی المسح" کی دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں ایک حضرت خزیمہ بن ثابت کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں "ولو استزدناه لزادنا" یعنی جب آنحضرت ﷺ نے مسح علی الخفین کا مسئلہ بیان فرمایا تو مقیم کے لئے آپ نے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمادیا اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں مقرر فرمادیں اور اگر ہم اس سے زیادہ دنوں تک مسح کی اجازت مانگتے تو آپ زیادہ دنوں کی بھی اجازت دے دیتے۔

امام مالکؒ کی دوسری دلیل بھی سنن ابوداؤد کی ابی بن عمارہؓ کی روایت ہے ایک صحابی نے پوچھا:

"امسح علی الخفین؟ قال نعم قال یوما قال یومین قال وثلاثه قال وماشئت"۔

اس آخری جملہ سے عدم توقیت پر مالکیہ استدلال کرتے ہیں کہ آدمی جتنے دن مسح کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ (ابوداؤد ص ۲۱)

ابوداؤد میں اسی حدیث کی ایک سند میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

"حتی بلغ سبعا قال رسول اللہ ﷺ نعم ما بدالک" یعنی جب تک چاہو مسح کر سکتے ہو۔
مالکیہ کی تیسری دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ کا قصہ ہے یہ صحابی بہت تیز رفتار تھے شام سے مدینہ منورہ تک ایک ماہ کا سفر ایک ہفتہ میں کرتے تھے صحابہ کرام جنگ کے دوران بعض ضروریات کے لئے ان کو مدینہ بھیج دیا کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں نے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک مسلسل مسح کیا ہے۔

جمہور کے دلائل:

اس مسئلہ میں جمہور کے بہت زیادہ دلائل ہیں:
(۱) زیر نظر حضرت شریح بن ھانی کی حدیث میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی یہ مسلم کی روایت ہے۔ (مشکوۃ ص ۵۳)
(۲) اس کے ساتھ والی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے اس کو بھی مسلم نے نقل کیا ہے۔
(۳) پھر فصل ثانی کی حضرت ابوبکرہؓ کی صریح حدیث اور روایت ہے جس میں مسافر کے لئے ایک دن ایک رات اور مقیم کے لئے تین دن اور تین راتیں مقرر کی گئیں ہیں اس روایت کو دار قطنی اور ابن حزیمہ نے نقل کیا ہے۔
(۴) پھر اسی کے ساتھ والی روایت حضرت صفوان بن عسالؓ کی ہے جس میں تین دن تک موزوں کے نہ نکالنے کی وضاحت اور تصریح ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی دلائل ہیں مگر یہ کافی ہیں۔
جواب: امام مالکؒ کی دلیل خزیمہ بن ثابتؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ ابن دقیق العید نے تصریح فرمائی ہے کہ اس روایت میں ولو استزدنا لزادنا کے جملہ کا اضافہ ثابت نہیں ہے۔ اور اگر یہ جملہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ صحابی کا ایک خیال ہے اس کی رائے ہے آنحضرت ﷺ کی مرفوع حدیث نہیں ہے پھر لو انتفاء ثانی کے لئے آتا ہے بسبب انتفاء اول تو یہاں زیادت کا سوال بھی نہیں ہوا ہے اور نہ زیادت ہوئی ہے۔
باقی سات دن تک مسح کی مدت والی حدیث ضعیف بھی ہے اور اپنے مقصود میں متعین بھی نہیں بلکہ محتمل ہے اس میں دو راوی مجہول ہیں امام بخاری اور بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور محتمل اس طرح ہے کہ سات دن تک ایک ہی مسح کافی سمجھا گیا تھا یا سات دن تک ترتیب کے ساتھ مسح کرتا رہا دونوں احتمال ہیں یعنی مسح کے قاعدہ کے مطابق سفر میں تین دن کے بعد موزے نکال کر پاؤں دھو کر پھر مسح شروع کرتا تو سات دن یا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک موزے پہنے رہتے تھے اور ترتیب کے ساتھ قاعدہ کے مطابق مسح ہوتا رہا جیسے تیمم کے بارے میں حدیث ہے "الصعید الطیب طھور المسلم الی عشر سنین" تو دس سال تک ایک تیمم نہیں چلتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دس سال تک اگر پانی نہ ملے تو قاعدہ اور ترتیب کے مطابق تجدید کے ساتھ تیمم پر دس سال تک عمل ہو سکتا ہے بالکل اسی طرح مذکورہ مسح کی حدیث بھی ہے یہ جواب اسی طرح عقبہ بن عامرؓ کی روایت کے سمجھنے کے لئے بھی کافی ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ترتیب اور قاعدہ کے مطابق آٹھ دن تک موزوں پر مسح ہی کرتا رہا۔ آنے والی روایات کی تشریح کے لئے یہ تشریح کافی ہے۔

۶۴۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ عَدِيٍّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنِ الْحَكَمِ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

حضرت حکمؒ بھی اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت بعینہ مروی ہے۔

۶۴۱ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتِ ائْتِ عَلِيًّا فَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنِّي فَأَتَيْتُ عَلِيًّا فَذَكَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ.

حضرت شریح بن ھانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اس لئے کہ وہ اس مسئلے کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا انہوں نے سابقہ روایت نبی اکرم ﷺ سے نقل فرمائی۔

باب جواز الصلوٰۃ کلھا بوضوء واحد

ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۶۴۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ فَقَالَ: لَهُ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ. قَالَ: "عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ".

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے فرمایا: کہ آج آپ نے وہ کام کیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے عمر! میں نے قصداً ایسا کیا ہے یعنی بیان جواز کے لئے۔

تشریح

"بوضوء واحد" وضو علی الوضو میں تب ثواب ملتا ہے کہ پہلے وضو سے آدمی کچھ نماز پڑھ لے یا کوئی نیک کام کر لے یا کچھ وقفہ رکھے تا کہ فاصلہ آجائے ورنہ متصلاً وضو پر وضو بنانا تحصیل حاصل ہے جس میں ثواب نہیں بلکہ اسراف کا خطرہ ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ ایک وضو سے کوئی آدمی کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں تو امت کا اس پر اجماع ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا جائز بھی ہے اور ثابت بھی ہے غزوۂ خندق میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی معیت میں ایک وضو سے تین نمازیں ادا فرمائی عرفہ میں دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی گئیں اسی طرح مزدلفہ میں اور جمع بین الصلوٰتین میں ایک وضو سے دو نمازیں پڑھنا ثابت ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے ایک حدیث منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال کان رسول اللہ ﷺ یتوضا عند کل صلوٰۃ و کان احدنا یکفیہ الوضوء مالم یحدث۔ (نووی)

باقی ایک گمنام طبقہ کا کہنا ہے کہ ہر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا ہوگا مگران پر نہ کسی نے اعتماد کیا اور نہ ان کے قول پر کسی نے عمل کیا ہے۔
اگر کوئی شخص آیت "اذاقمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا" سے استدلال کرتا ہے تو ان کا استدلال غلط ہوگا کیونکہ وہاں و انتم محدثون کا لفظ محذوف ہے جس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو اور تم بے وضو ہو تو وضو بنا کر نماز پڑھو باقی اگر بطور استحباب کوئی شخص وضو بناتا ہے تو اس میں اختلاف نہیں ہے۔
"عمداً صنعته یا عمر" حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تو آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے قصداً ایسا کیا ہے تاکہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ یہ جائز ہے افضل ہونا اور چیز ہے اور جائز ہونا اور چیز ہے۔
مسند احمد کی ایک صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے ہر نماز کے ساتھ وضو کا حکم تھا جب آپ پر یہ مسئلہ شاق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے مسواک کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم موقوف ہو گیا ابن عمرؓ اسکو آسان سمجھ کر عمل کرتے رہے کما فی المشکوٰۃ۔

باب کراھۃ غمس الید فی الاناء

نیند سے اٹھ کر پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنا مکروہ ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۶۴۳- وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَحَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ قَالاَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلاَ يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلاَثًا فَإِنَّهُ لاَ يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ".

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین بار دھولے۔ کیونکہ وہ شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

تشریح

"فلایغمس یدہ" یعنی ایک آدمی رات کی گہری نیند سے اٹھ جائے اور اس کو کچھ شک ہو کہ ممکن ہے ہاتھ کے ساتھ کچھ گندگی لگی ہوگی تو ایسے شخص کے لئے ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنا منع ہے اور اگر اس کو یقین ہو کہ ہاتھ پاک وصاف ہے تو بلاشک وشبہ برتن میں ہاتھ ڈال سکتا ہے علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر برتن سے پانی لینا ہو اور ہاتھ گندہ ہو تو پہلے منہ سے پانی لیکر ایک ہاتھ دھولے پھر اس ہاتھ سے پانی لیکر دوسرا ہاتھ دھولے اور پھر دونوں ہاتھوں سے پانی لیکر وضو بنالے۔ یا کسی اور سے مدد حاصل کرے یا کسی پاک کپڑے سے پانی لیکر ہاتھ دھولے یہ عجیب مسائل ہیں اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے وہ اس طرح ہے کہ۔

مسئلۃ غمس الید فی الاناء

فلایغمس یدہ فی الاناء: یہاں وضو کے آداب میں سے ایک ادب یہ بتایا گیا ہے کہ جب سو کر اٹھو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے

پہلے تین دفعہ ہاتھوں کو دھولیا کرو بغیر دھوئے ہاتھ نہ ڈالا کرو اب یہ ہاتھ دھونا واجب ہے یا سنت ہے اس میں تفصیل ہے کہ اگر ہاتھ پر گندگی لگنے کا یقین یا ظن غالب ہو تو پھر دھونا واجب ہے اور اگر صرف شک اور احتمال ہو تو پھر ہاتھ دھونا مسنون یا مستحب ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اہل حجاز اکثری طور پر استنجاء بالاحجار کرتے تھے اور وہاں گرمی کی شدت ہوتی تھی نیز وہ لوگ شلوار کے بجائے ازار باندھتے تھے اس لئے قوی احتمال تھا کہ حالت نوم میں ہاتھ نجاست کے مقام پر پڑ جائے اور پسینہ کی وجہ سے ہاتھ نجاست سے آلودہ ہوجائے یا رائحہ کریہہ لگ جائے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالا جائے کیونکہ احتمال نجاست ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر پانی سے کوئی استنجاء کرے یا ازار کے بجائے شلوار پہنے اور علاقہ بھی ٹھنڈا ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالا جاسکتا ہے۔

بہر حال جہاں تو ہم نجاست ہو وہاں بھی ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ ''الیقین لایزول بالشک'' ایک مسلمہ قاعدہ ہے ہاں نظافت کے خلاف ہے بہر حال اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف بھی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

اہل ظواہر اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر نیند سے اٹھنے والے شخص نے پانی میں ہاتھ ڈالا تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔ البتہ امام احمدؒ نے چند قیود کا اضافہ کیا ہے کہ نیند سے اٹھے لہٰذا بیہوش آدمی کے ہاتھ ڈالنے سے کوئی فرق نہیں آئے گا۔ دوسری قید یہ کہ رات کی طویل نیند ہو لہٰذا دن کی قلیل نیند کا یہ حکم نہیں۔ تیسری قید یہ کہ برتن میں ہاتھ ڈال دے لہٰذا غیر برتن کا حکم اس طرح نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ قیودات احترازی ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ فعل اگرچہ مکروہ ہے لیکن احتمال نجاست کی وجہ سے پانی کو ناپاک نہیں کہیں گے، کیونکہ پانی یقینی طور پر پاک تھا ''الیقین لایزول بالشک'' ایک قاعدہ ہے ہاں اگر ظاہری نجاست لگ گئی تو پھر ناپاک ہوگا جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث میں جو قیودات ہیں وہ احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہیں لہٰذا اگر بے ہوش آدمی نے غفلت کی وجہ سے پانی میں ہاتھ ڈال دیا تو یہ عمل بھی مکروہ ہوگا کیونکہ یہ بھی غفلت کا نتیجہ ہے اور ''فانه لایدری این باتت یده'' سے اسی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر برتن بڑا ہے تو پہلے ایک ہاتھ کی انگلیوں سے پانی لے کر دوسرے ہاتھ کو دھولے اور پھر اس ہاتھ سے دوسرا ہاتھ دھولے اور پھر دونوں ہاتھوں سے چلو بھر کر وضو کرے اور اگر برتن چھوٹا ہے تو انڈیل کر ڈالے اور اگر الگ لوٹا ہے تو بڑے برتن میں ڈال کر پانی حاصل کرے۔

۶۴۴ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ كِلاَهُمَا عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي رَزِينٍ وَأَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ. وَفِي حَدِيثِ وَكِيعٍ قَالَ: يَرْفَعُهُ بِمِثْلِهِ.

۶۴۵ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ح وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ كِلاَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ.

سابقہ روایت اس سند سے بھی منقول ہے مگر کچھ الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ۔

٦٤٦- وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْرِغْ عَلَى يَدِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَ يَدَهُ فِي إِنَائِهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِيمَ بَاتَتْ يَدُهُ".

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو تین بار دھو لے قبل اس کے کہ اسے اپنے برتن میں ڈالے۔ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کس حال میں گزاری۔

٦٤٧- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ - يَعْنِي الْحِزَامِيَّ - عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - يَعْنِي ابْنَ مَخْلَدٍ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ح وَحَدَّثَنَا الْحُلْوَانِيُّ وَابْنُ رَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَا جَمِيعاً أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّ ثَابِتاً مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ فِي رِوَايَتِهِمْ جَمِيعاً عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا الْحَدِيثِ كُلُّهُمْ يَقُولُ حَتَّى يَغْسِلَهَا. وَلَمْ يَقُلْ وَاحِدٌ مِنْهُمْ ثَلَاثاً. إِلَّا مَا قَدَّمْنَا مِنْ رِوَايَةِ جَابِرٍ وَابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ وَأَبِي صَالِحٍ وَأَبِي رَزِينٍ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِمْ ذِكْرَ الثَّلَاثِ.

یہ تمام سابقہ روایات حضرت ابوہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں اور ان میں صرف دھونے کا ذکر ہے۔ تین مرتبہ کا تذکرہ کسی روایت میں نہیں سوائے جابر ابن المسیب، ابوسلمہ، عبداللہ بن شقیق ابوصالح ابورزین کے۔

باب حکم ولوغ الکلب

کتے کے جھوٹے کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

٦٤٨- وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي رَزِينٍ وَأَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ"

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو بہادے اور اس کو سات بار دھوئے۔

تشریح

"اذا ولغ الکلب" چنانچہ کہا جاتا ہے: "ولغ یلغ ولغا و لوغا اذا دخل الکلب او السبع لسانه فی الماء" حرکه فیه ولحس

الکلب لحساًفاذاکان الاناء خالیافھو لحس واذاکان فیہ شیء فھو ولغ"۔
یعنی زبان کے کناروں سے درندے اور کتے وغیرہ جو پانی چاٹ کر پیتے ہیں اس کو دلغ کہتے ہیں۔

کتے کے جھوٹے میں اختلاف

کتے کے جھوٹے سے پاکی کے بارے میں مختلف احادیث آئی ہیں بعض میں "سبع مرات" کا ذکر ہے بعض میں آٹھ بار دھونے کا ذکر ہے۔ دارقطنی میں تین یا پانچ یا سات بار دھونے کی روایات بھی ہیں جس میں ہرایک پر عمل کا اختیار دیا گیا ہے بعض روایات میں دھونے کے ساتھ مٹی ملنے کا ذکر بھی آیا ہے اور بعض میں نہیں ہے پھر بعض روایات میں ابتداء میں مٹی کے استعمال کا حکم ہے بعض میں آخر میں استعمال کا حکم ہے، بعض میں ساتویں بار مٹی کے استعمال کی تعلیم ہے، بعض روایات میں آٹھویں بار مٹی کے استعمال کی بات ہے روایات کے اس اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرام میں بھی اختلاف آ گیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں دو مسئلوں میں الگ الگ اختلاف ہے۔
ایک اختلاف کتے کے جھوٹے کے پاک اور ناپاک ہونے میں ہے اور دوسرا اختلاف اس سے نجس ہونے کی صورت میں برتن کے طریق تطہیر میں ہے پہلے مسئلہ میں جمہور فقہاء ایک طرف ہیں اور امام مالکؒ ایک طرف ہیں دوسرے میں جمہور کا آپس میں اختلاف ہے۔
چنانچہ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کا مسلک ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے پھر ان حضرات پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب پاک ہے تو آپ حضرات برتن کے دھونے کو کیوں ضروری قرار دیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ دھونا تعبدی حکم ہے یعنی شریعت کا حکم نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ شریعت نے دھونے کا فرمایا ہے تو ہم دھوتے ہیں یہ چیز عقل میں آنے والی نہیں ہے اور یہ نص غیر معقول المعنی اور خلاف القیاس ہے۔
امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں کتے کے جھوٹے کی تطہیر اور پاکی سات بار دھونے پر موقوف ہے کم سے پاک نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کتے کے جھوٹے کی پاکی تین بار دھونے سے حاصل ہو جاتی ہے ہاں سات بار تک مبالغہ کر کے دھونا مستحب ہے۔

دلائل:

کتے کے جھوٹے کے پاک ہونے پر امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا ہے شکاری کتوں کے بارے میں قرآن کا حکم ہے کہ جن کتوں نے شکار کر کے تمہارے لئے روکا ہے تم اس کو کھاؤ۔
"**فکلوا مما امسکن علیکم**" طرز استدلال اس طرح ہے کہ شکار کو جب کتے نے منہ میں پکڑ لیا ہے تو اس کا لعاب ضرور لگا ہوگا اور قرآن میں اس کے کھانے کا ذکر ہے دھونے کا نہیں ہے معلوم ہوا کتے کے جھوٹے سے وہ شکار نجس نہیں ہوا تو اس کا جھوٹا پاک ہوا۔ دوسری دلیل بخاری کی روایت ہے جو صاحب مشکوٰۃ نے فصل ثالث ص ۵۳ میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نقل کی ہے کہ "**کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ افلم یکونوا یرشون من ذلک**" تو ظاہر ہے کہ کتے جب مسجد میں آتے جاتے رہتے تھے تو لعاب مسجد میں گرتا ہوگا اور دھونے کا ذکر نہیں تو معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ تیسری دلیل بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں ایک فاجرہ عورت کی مغفرت کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے موزہ میں پیاسے کتے کیلئے کنویں سے پانی نکال کر پلایا۔ طرز استدلال اس طرح ہے کہ اس موزہ سے عورت نے نماز پڑھی ہوگی اور دھونے کا کوئی ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔
جمہور نے کتے کے جھوٹے کی نجاست پر مذکورہ صریح اور صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے جمہور فرماتے ہیں کہ نجس ہونے کی وجہ سے

طہارت کے حصول کے لئے غسل اور دھونے کے واضح الفاظ موجود ہیں اس کو امر تعبدی پر حمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس میں تحصیل حاصل ہے کہ پاک تو ہے مگر پھر دھوتے ہیں ایسا کیوں نہیں کہتے کہ نجس تھا اس لئے دھونے کا حکم دیا گیا۔ جمہور نے عقلی دلیل بھی پیش کی ہے کہ کتا بدترین نجس ہے اس کا گوشت اتفاقی طور پر حرام ہے تو اس سے پیدا شدہ لعاب کیسے پاک ہوسکتا ہے۔

جواب: امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے قرآن کی آیت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر "کلوا" کے امر کو کسی قید کے لحاظ کرنے کے بغیر مطلق لوگے تو پھر بتاؤ کہ کچا گوشت کھاؤگے پروں اور آنتوں اور آلودہ خون کے ساتھ کھاؤگے؟ کیونکہ قرآن میں "کلوا" آیا ہے یعنی کھاؤ اگر دھونے کی قید نہیں تو ان سب چیزوں کی بھی قید نہیں حالانکہ آیت کا مطلب اقتضاء النص کے طور پر یہ ہے کہ اس شکار کے گوشت کو بنالو، دھولو، پکالو اور پھر کھالو تو بغیر دھوئے کھانے کا ثبوت کہاں سے آیا جب آیت لازمی طور پر مقید ہے تو پھر دھونے کی قید بھی ہے جس سے جھوٹے کی نجاست ثابت ہوگی۔

جہاں تک مسجدوں میں کتوں کی آمد و رفت اور لعاب گرنے کی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نئی مسجد تھی ریت کے تودے تھے کوئی چار دیواری نہیں تھی رات کو کتے آجاتے صبح کو لعاب و پیشاب کی جگہ کا پتہ نہیں چلتا تھا گرم ملک تھا سخت دھوپ کی وجہ سے زمین پاک ہوجاتی تھی اور زکاۃ الارض یبسہا پر عمل ہوتا تھا۔

ہم یہاں مالکیہ کو الزامی جواب دیتے ہیں کہ اگر لعاب گرتا تھا اور وہ پاک تھا تو کتے تو پیشاب بھی کرتے ہوں گے اس کے دھونے کا بھی ذکر نہیں وہ بھی پاک ہوگیا؟ علامہ خطابی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتے پیشاب باہر کر کے پھر مسجد میں آجاتے تھے ہم نے کہا "شاباش!!" باقی اس فاجرہ عورت کے موزے کا معاملہ بھی مطلق نہیں بلکہ دھونے کے ساتھ مقید ہے اگر دھونے کا ذکر نہیں تو دوسری چیزوں کا ذکر بھی وہاں نہیں نیز اس کے ساتھ نماز پڑھنے کا تذکرہ بھی نہیں ہے کہ اس نے اسی کے ساتھ نماز بھی پڑھی تھی۔

طریقہ تطہیر میں اختلاف

کتے کے جھوٹے کے طریقہ تطہیر کے بارے میں جمہور کا آپس میں اختلاف ہے۔

دلائل:

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سات بار دھونا واجب ہے وہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں سات بار کا ذکر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تین بار دھونے سے پاکی حاصل ہوجاتی ہے یہ عام ضابطہ ہے جو کتے کے جھوٹے کو بھی شامل ہے۔ احناف نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کو ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل میں ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیہرقہ ولیغسلہ ثلاث مرات"

نیز احناف نے حضرت ابوہریرہؓ کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے جس میں تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے اور طحاوی اور دارقطنی نے اس کو نقل کیا ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا عمل بھی تین مرتبہ دھونے کا تھا ان روایات سے شوافع کے مستدلات منسوخ ہوکر رہ جاتے ہیں۔

جواب: احناف شوافع کو یہ جواب دیتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا تا کہ کتوں کی نفرت مسلمانوں کے

دلوں میں بیٹھ جائے بعد میں اس حکم میں تخفیف ہوگئی یہ ایک جواب ہوگیا شوافع کی دلیل کا۔اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ سات بار دھونے کی روایت استحباب پر محمول ہے اور تین بار دھونے کی روایت فرض پر محمول ہے اس میں ہمارا بھی اختلاف نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ کہ بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بعض روایات میں تین اور پانچ اور سات بار دھونے میں اختیار بھی دے دیا گیا ہے جیسا دار قطنی کی روایت میں ہے جب اختیار ہے تو سات بار دھونے کو واجب نہیں کہا جاسکتا ہے۔

چوتھا جواب یہ کہ تین بار دھونا حصول طہارت کے لئے ہے اور سات بار طب وحکمت اور علاج کے لئے ہے اسی وجہ سے آخر میں مٹی کا ذکر آیا ہے کیونکہ مٹی میں اجزائے نوشادر شامل ہیں جس سے کتے کے منہ کے جراثیم خاص طور پر مرجاتے ہیں اسی وجہ سے اس حکمت کی تحقیق جب ایک ڈاکٹر نے کی تو وہ مسلمان ہوگیا کہ یہ حکمت صرف وحی سے معلوم ہوسکتی ہے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اغلظ النجاسات خنزیر کا جھوٹا اور اس کی غلاظت،خود کتے کی غلاظت،حیض کا خون اور دیگر نجاسات سب تین بار دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں تو کتے کا جھوٹا کیوں پاک نہیں ہوتا؟ حالانکہ اسمیں تو اختلاف بھی ہے کہ امام مالکؒ اس کو پاک کہتے ہیں۔

آخر میں الزامی جواب یہ ہے کہ اگر نہیں مانتے ہو تو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت میں آٹھ بار دھونے کا ذکر ہے تتریب کا ذکر بھی ہے تو آپ نے خود حدیث پر پورا عمل نہیں کیا ہے۔

لطیفہ:

اگر کسی کتے نے کسی کا کپڑا منہ میں دبالیا تو اگر غصہ کی حالت میں دبایا ہے تو کپڑا نجس نہیں ہوگا اور اگر پیار سے دبایا تو نجس ہوجائے گا وجہ فرق یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں لعاب خشک ہوجاتا ہے نیز غصہ میں دانت کام کرتے ہیں جس میں لعاب نہیں اور پیار سے چومنے میں لعاب بھی زیادہ ہوتا ہے اور ہونٹوں سے پیار کرکے پکڑتا ہے جس سے لعاب لگ کر کپڑا نجس ہوجاتا ہے۔

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ مٹی سے دھونے کا مطلب یہ ہے کہ مٹی کو پانی میں ملاکر حل کیا جائے پھر اس گدلے پانی سے برتن کو دھولیا جائے فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ اس گدلے پانی کو آخری بار استعمال نہ کرے بلکہ درمیان میں استعمال کیا جائے تاکہ آخری بار میں صاف پانی استعمال ہوجائے علامہ نووی یہ بھی لکھتے ہیں کہ کتے کے جھوٹے کا یہ پانی اگر کسی کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اس کپڑے کو بھی سات مرتبہ دھونا واجب ہے اس میں بھی ایک بار مٹی استعمال کرنا چاہیے یہ عجیب مسائل ہیں اگر کتے نے کسی جامد چیز کو جھوٹا کیا تو اسکے اطراف کو ہٹایا جائے اور باقی کو کھایا جائے وہ پاک ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ شوافع کا راجح مذہب یہ ہے کہ خنزیر کے جھوٹے کا حکم اس طرح نہیں ہے بلکہ عام دھونا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ کتوں کا پالنا جائز نہیں ہے صرف شکار یا کھیت کی حفاظت کے لئے یا ریوڑ کی حفاظت کے لئے پالا جاسکتا ہے گھر کی چوکیداری کے لئے ایک روایت میں جائز ایک میں ناجائز ہے صحیح یہ ہے کہ جائز ہے بہرحال شوقیہ کتا پالنا حرام ہے البتہ کتوں کے چھوٹے بچوں کا پالنا جائز ہے اس کے بڑے ہوجانے کے بعد تفصیل کو دیکھا جائے گا باقی کتوں کے قتل کرنے کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اگر باؤلہ کتا ہو تو اس کا قتل کرنا بالاتفاق جائز ہے مگر باؤلے کتے کے علاوہ کتے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے خواہ کالا کیوں نہ ہو امام الحرمین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کتوں کے قتل کا حکم دیا تھا پھر آپ نے منع فرمادیا جس سے مطلقاً کتوں کے مارنے کا حکم منسوخ ہوگیا۔بہرحال صحیح مسلم جلد ثانی میں کتوں کے احکامات کی کافی تفصیل موجود ہے۔

۶۴۹ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنِ الأَعْمَشِ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَلَمْ يَقُلْ فَلْيُرِقْهُ.

سابقہ حدیث اس سند سے بھی مروی ہے لیکن اس میں بہادینے کا تذکرہ نہیں۔

۶۵۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ"

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں سے پیئے تو اسے چاہیے کہ برتن کو سات بار دھوئے۔

۶۵۱- وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولاَهُنَّ بِالتُّرَابِ".

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ مارلے تو اس کی پاکی یہ ہے کہ اسے سات بار دھویا جائے اور پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھے۔

۶۵۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ ﷺ. فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِيهِ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ".

حضرت ہمام بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو ہم سے ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کے حوالے سے بیان کیں۔ پھر ان میں سے چند احادیث ابن ہمام نے ذکر کیں ایک ان میں سے یہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کی پاکی یہ ہے کہ اسے سات بار دھویا جائے۔

۶۵۳- وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ سَمِعَ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ الْمُغَفَّلِ قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِقَتْلِ الْكِلاَبِ ثُمَّ قَالَ: "مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلاَبِ". ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ وَقَالَ: "إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الإِنَاءِ فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَعَفِّرُوهُ الثَّامِنَةَ فِي التُّرَابِ".

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کتوں کے مارنے کا حکم دیا تھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ان کتوں کا کیا قصور ہے آپ ﷺ نے شکاری کتے اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتے رکھنے کی اجازت دے دی۔ اور فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھولو اور آٹھویں بار مٹی سے مانجھ لو۔

۶۵۴- وَحَدَّثَنِيهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ فِي هَذَا الإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّ فِي رِوَايَةِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مِنَ الزِّيَادَةِ وَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْعِ وَلَيْسَ ذَكَرَ الزَّرْعَ فِي الرِّوَايَةِ غَيْرُ يَحْيَى.

جبکہ یحییٰ بن سعد کی روایت میں شکاری کتے اور جانوروں کے محافظ کتے کے علاوہ کھیتی کی حفاظت کی بھی اجازت دی ہے۔

باب النهی عن البول فی الماء الراکد

کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

اسلام ایک کامل مکمل جامع ضابطہ حیات ہے اس میں زندگی کے ہر شعبے کے مسائل کا حل موجود ہے پانی چونکہ انسانی زندگی کے لئے اہم ضرورت ہے اس کے پاک اور ناپاک ہونے کے لمبے چوڑے مسائل ہیں اس لئے اسلام نے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے پانی کے سارے مسائل وفضائل اور آداب ومستحبات کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

۶۵۵- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ.

حضرت جابرؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

۶۵۶- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ".

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی مستقل ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے۔

تشریح

"فی الماء الدائم" اس روایت میں الدائم کا لفظ ہے اور گزشتہ حضرت جابرؓ کی روایت میں راکد کا لفظ آیا ہے عام علماء کے نزدیک دائم اور راکد کا مطلب "الذی لایجری" ہے یہ دائم کے لئے صفت کاشفہ ہے کہ دائم سے مراد غیر جاری پانی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی آنے والی روایت میں الذی لایجری کا جملہ مذکور ہے لیکن شاہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ماء دائم اور راکد سے مراد وہ پانی ہے جو غیر منقطع ہو یعنی دائمی ہو نہ ختم ہونے والا پانی ہو خواہ وہ جاری ہو یا جاری نہ ہو تو یہاں جو الذی لایجری کے الفاظ ہیں یہ کوئی قید احترازی نہیں نہ یہ بیان تعریف کے لئے ہے بلکہ ماء دائم کی ایک قسم کے لئے یہ قید لگائی گئی ہے کہ دائم کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو الذی لایجری ہے اور ایک قسم وہ ہوتی ہے جو الذین یجری ہے کہ چھوٹے سے کنویں میں پڑا ہے اور تھوڑا جاری بھی ہے۔

قائم ودائم وراکد پانی میں پیشاب کرنے سے اس لئے روکا گیا ہے کہ اگر یہ قلیل پانی ہوگا تو پیشاب کرنے سے نجس ہوجائے گا اور اگر کثیر ہوگا تو ایک کے پیشاب کو دیکھ کر دوسرا آکر کرے گا۔ اس طرح بالآخر پانی خراب ہوجائے گا ویسے بھی پانی میں پیشاب کرنا انسانی شرافت کے منافی ہے چنانچہ منع ہے۔

ثم یغتسل فیه: "یغتسل" کا صیغہ مشہور روایت کے مطابق مرفوع ہے یعنی "لایبل ثم ھو یغتسل فیه" تو یہ لایبولن کے پورے جملے پر عطف ہے بعض علماء نے اس صیغہ کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور اسکو لانہی کے ماتحت یبولن پر عطف کیا ہے اور دونوں جملوں کو نہی کے

ماتحت داخل کیا ہے۔

بہر حال پہلی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے اور یہ کتنی معقول بات ہے کہ پہلے پیشاب کیا اور پھر اس سے غسل کر رہا ہے اس صورت میں ثم استبعاد اور تعجب کے لئے ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت میں حدیث کا مفہوم اس طرح ہوگا کہ کوئی شخص نہ کھڑے پانی میں پیشاب کرے اور نہ کھڑے پانی میں غسل کرے، اس صورت میں دونوں باتوں سے منع کیا ہے بعض علماء نے ثم کے بعد ''ان'' مقدر مان کر منصوب پڑھا ہے۔

۶۵۷- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ ﷺ. فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ ''لَا تَبُلْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي ثُمَّ تَغْتَسِلُ مِنْهُ''

حضرت ہمام بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو ہم سے ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کے حوالے سے بیان کیں۔ پھر ان میں سے چند احادیث ابن ہمام نے ذکر کیں ایک ان میں سے یہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا پانی جو بہہ نہیں رہا اس میں پیشاب مت کر یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں۔ اور یہ کہ اس میں پیشاب کرنے کے بعد پھر اس میں غسل بھی کرے یہ مت کر۔

تشریح

''لاتبل فی الماء الدائم'' اس باب کی تینوں احادیث میں کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے مگر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پیشاب کی ممانعت سے پاخانہ کی ممانعت بھی آجاتی ہے کیونکہ پانی میں پاخانہ کرنا تو پیشاب کرنے سے زیادہ قبیح ہے اسی طرح اگر کسی نے برتن میں پیشاب کیا اور پھر پانی میں ڈالا تو وہ بھی منع ہے اسی طرح پانی کی نہر کے قریب پیشاب کرنا بھی منع ہے جو آہستہ آہستہ نہر میں جا پہنچتا ہو ان تمام صورتوں پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر اہل ظواہر کے امام داؤد بن علی ظاہری نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ظاہر یہ حدیث میں خود انسان کے پیشاب کی ممانعت کا ذکر ہے لہٰذا اگر کوئی شخص خود پیشاب کسی برتن میں کرلے اور پھر پانی میں ڈال دے تو یہ جائز ہے نیز پانی کے قریب اگر پیشاب کرلے اور وہ پانی میں چلا جائے تو وہ بھی جائز ہے اسی طرح اگر پیشاب کی بجائے کوئی شخص پانی میں پاخانہ کردے تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں صرف پیشاب کی ممانعت کا ذکر ہے پاخانہ کا ذکر نہیں ہے داؤد ظاہری کا اس طرح ظاہر حدیث پر جانا اور اس طرح سرسری حکم لگانا بہت عجیب بھی ہے اور غلط بھی ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ داؤد ظاہری کی ظاہر نصوص پر جمود کی یہ بدترین اور قبیح ترین مثال ہے ''وھو اقبح مانقل منه فی الجمود علی الظاهر'' (نووی)

باب النهي عن الاغتسال في الماء الراكد

کھڑے پانی میں غسل کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث نقل فرمائی ہے

۶۵۸- وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَأَبُو الطَّاهِرِ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى جَمِيعًا عَنِ ابْنِ وَهْبٍ - قَالَ: هَارُونُ حَدَّثَنَا

ابْنُ وَهْبٍ - أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ أَنَّ أَبَا السَّائِبِ مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "لاَ يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ". فَقَالَ: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلاً.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جنابت کی حالت میں غسل نہ کرے لوگوں نے پھر پوچھا کہ پھر جنبی شخص کیا کرے۔ فرمایا: کہ ہاتھوں میں لے کر غسل کرے۔

تشریح

اس باب کا مفہوم گزشتہ باب کی احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے علامہ نووی کو یہ باب قائم ہی نہیں کرنا تھا بہرحال جنبی آدمی نجس ہوتا ہے جب وہ کھڑے پانی میں اتر کر غسل کرے گا تو سارا پانی نجس ہوجائے گا تو جتنا زیادہ پانی ڈالے گا اتنا ہی مزید نجاست پھیلے گی لہٰذا اس کی ممانعت آ گئی ہے ہاں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس طرح پانی سے غسل کرنے کی یہ صورت بتائی ہے کہ کسی برتن یا پاک ہاتھ سے پانی لیکر باہر اپنے جسم پر ڈال کر غسل کرے تو وہ جائز ہے۔

باب وجوب غسل بول من بال فی المسجد

جس نے مسجد میں پیشاب کیا اس کا دھونا فرض ہے

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۶۵۹ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَامَ إِلَيْهِ بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "دَعُوهُ وَلاَ تُزْرِمُوهُ". قَالَ: فَلَمَّا فَرَغَ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ بعض لوگ اس کی طرف اٹھ دوڑے اسے روکنے کے لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے مت روکو۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور اس پر بہا دیا۔

تشریح

"ان اعرابیاً" عرب کے صحرانشینوں کو اعراب کہتے ہیں اس کی طرف نسبت اعرابی ہے یعنی دیہاتی بادیہ نشین۔ اس دیہاتی کا نام بعض نے ذوالخویصرہ بتایا ہے یہ ایک گنوار آدمی تھا ترمذی کی روایت میں ہے کہ اس نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے بعد دعاء میں کہا "اللهم ارحمني وارحم محمداً ولاترحم معنا احداً" آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے وسیع رحمت کو بند کرنے کی کوشش کی اس کے کچھ بعد اس شخص نے کھڑے ہوکر مسجد میں پیشاب کیا یہ شخص بعد میں خوارج کا سرغنہ بن گیا بعض نے کہا کہ اس شخص کا نام اقرع بن حابس تھا جو کوئی اور شخص تھا۔

بہرحال اس جیسی حدیثوں کا پرویزی لوگ مضحکہ اڑاتے ہیں اور صحیح حدیثوں کا انکار کرتے ہیں کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی عقلمند مسجد میں پیشاب کرے پھر حضور نے پیشاب کرنے کی مہلت اور اجازت بھی دیدی معلوم ہوا یہ داستانیں ہیں حدیث نہیں۔

ان عقل کے اندھوں نے اس پرانے زمانے کی سوسائٹی اور ماحول پر قیاس کیا حالانکہ اس وقت مسجد کی کچی زمین تھی مسجد اور غیر زمین کا امتیاز مشکل تھا آدمی نو وارد اور نو مسلم تھا اور ناواقف تھا مسجد کی زمین سو گز رقبہ پر محیط تھی کچھ آباد تھی باقی غیر آباد اور بغیر چار دیواری کی تھی مٹی اور ریت کے تودے پڑے تھے یہ شخص احکام سیکھنے کی غرض سے قریب میں کھڑا ہوگیا کہ جلدی فارغ ہو جاؤں گا ان کو معلوم بھی نہیں تھا کہ یہ مسجد ہے اب اگر اس کو حضور اکرم ﷺ بھگا دیتے تو مزید جگہیں پیشاب سے آلودہ ہو جاتیں اور پیشاب روک کر خطرناک بیماری کا خطرہ بھی تھا جگہ ناپاک ہو چکی تھی دھونا لازم تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب اس کو مت روکو پیشاب کرنے دو یہ صحیح نقشہ ہے اور اگر نقشہ خراب کر کے مسئلہ اور واقعہ صحابہ کے زمانے کا لیا اور ماحول آج کل کے زمانے کا لیا تو یہ ایک آدمی کی گمراہی کے لئے کافی ہے۔

تناوله الناس: یعنی لوگوں نے زبان سے اس کو گھیر لیا ان پر آوازیں کسیں روکنے کے لئے کہا۔ "فصاح به الناس" بھی ہے۔

مه مه: مت کرمت کر اس کو ڈانٹنا یہ سب تناول کا مفہوم ہے ہاتھوں سے پکڑ کر مارنا مراد نہیں ہے۔ "تزرموه" یہ ازرام سے کاٹنے کے معنی میں ہے "ای لاتقطعوا علیه بوله" "دعوة" لفظ بھی ہے۔

ذنوبا: بڑے ڈول کو ذنوب کہتے ہیں جس میں خوب پانی بھرا ہو "دلو" اور غرب کے الفاظ بھی ہیں اسی ڈول کے معنی میں ہے "صبه" بہانے کے معنی میں ہے "فشنه" بھی پانی بہانے کے معنی میں ہے۔

زمین کی طہارت کا طریقہ:

جمہور فرماتے ہیں کہ اگر زمین ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ پانی سے اس کو دھویا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین کے پاک کرنے کے تین طریقے ہیں اول یہ کہ پانی سے دھویا جائے یہ اتفاقی صورت ہے۔

دوسرا یہ کہ اس حصہ کی مٹی کو کھود کر نکالا جائے اور نئی مٹی لا کر وہاں بھر دی جائے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ دھوپ سے زمین کو خشک ہونے دیا جائے۔ امام نوویؒ نے صرف پہلی صورت کو مانا ہے باقی دونوں صورتوں پر رد کر دیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔

اب اگر مسجد کے وسط میں کسی نے پیشاب کیا تو اس کو دیکھا جائے گا اگر فرش پکا ہے تو کپڑا یا تولیہ لیکر پہلے اسے خشک کرے پھر کپڑا دھو کر پانی میں بھگو کر اس نجس جگہ پر مل لیا جائے دو تین مرتبہ ملنے سے جگہ پاک ہو جائے گی وسط مسجد میں پانی بہا کر پورے فرش تک پھیلانا اور پھر دھونا صحیح نہیں ہے اور اگر پیشاب مسجد کے پکے فرش کے کنارے پر ہے تو اس جگہ کو ہر حال میں دھو کر پانی باہر کی طرف گرایا جائے گا اور اگر فرش کچا ہے تو اگر مٹی مضبوط ہے تو اسے کھود کر باہر پھینکا جائے اور پاک مٹی وہاں بھر دی جائے اور اگر مٹی ریتلی ہے اور پانی اس میں جذب ہو سکتا ہے تو اس پر پانی ڈال دیا جائے اور جذب ہونے تک انتظار کیا جائے تین دفعہ ایسا کرنے سے زمین پاک ہو جائے گی اور دھوپ پڑتی ہے تو سوکھ جانے سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے البتہ جمہور اس کا انکار کرتے ہیں۔

لیکن احناف اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ کتے مسجد نبوی میں آتے جاتے رہتے تھے اور اس کو دھویا نہیں جاتا تھا احناف کہتے ہیں کہ یہ "ذکوة الارض یبسها" پر عمل ہوتا تھا احناف نے مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو محمد بن حنفیہ کا اثر ہے فرماتے ہیں "اذا جفت الارض فقد ذکت" یعنی جب زمین سوکھ جاتی ہے تو پاک ہو جاتی ہے۔

ہاں ایسی زمین پر نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن اس پر تیمم نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ تیمم میں قرآن کریم کے اندر نص قطعی کے ساتھ پاک مٹی کی قید لگائی گئی ہے اور ذکوة الارض یبسها خبر واحد ہے جو تیمم کے جواز کے لئے کافی نہیں ہے۔

۲۶۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الأَنْصَارِيِّ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ جَمِيعاً عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ - قَالَ: يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدَنِيُّ - عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَامَ إِلَى نَاحِيَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَبَالَ فِيهَا فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "دَعُوهُ". فَلَمَّا فَرَغَ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذَنُوبٍ فَصُبَّ عَلَى بَوْلِهِ.

حضرت انسؓ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی مسجد کے کنارے کھڑا ہوا پیشاب کرنے کے لئے۔ لوگ اس کو روکنے کے لئے چیخے چلائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہو گیا۔ تو حضور ﷺ نے ایک مشکیزہ منگوایا اور وہ اس پر بہا دیا گیا۔

۲۶۱ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ - وَهُوَ عَمُّ إِسْحَاقَ - قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَهْ مَهْ. قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "لَا تُزْرِمُوهُ دَعُوهُ". فَتَرَكُوهُ حَتَّى بَالَ. ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَعَاهُ فَقَالَ: لَهُ "إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ". أَوْ كَمَا قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ. قَالَ: فَأَمَرَ رَجُلاً مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم مسجد میں حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس دوران ایک اعرابی آیا اور کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے کہا ٹھہر جا، رک جا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو اس کا پیشاب مت روکو۔ اسے کرنے دو۔ چنانچہ انہوں نے اسے یونہی چھوڑا، یہاں تک کہ وہ پیشاب کر چکا۔ پھر بعد ازاں حضور ﷺ نے اسے بلایا اور کہا کہ یہ مساجد جو ہیں اس چیز کے لئے نہیں ہیں پیشاب یا گندگی اور نجاست وغیرہ پھیلانے کے لئے نہیں ہیں۔ یہ تو صرف اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔ یا اسی طرح کچھ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اور لوگوں میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ پانی کا ایک ڈول لے آئے اور اس پیشاب پر بہا دے۔

تشریح

"ان هذه المساجد لا تصلح" اس حدیث سے امام نوویؒ نے چند فوائد کا استنباط کیا ہے میں چند کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان کا پیشاب نجس ہے چھوٹے بچے کا پیشاب بھی نجس ہے البتہ اس کے دھونے میں تخفیف ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد کا احترام ضروری ہے اور اس کو ہر گندگی سے پاک رکھنا چاہئے۔

(۳) اس سے یہ معلوم ہوا کہ زمین کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی بہا دیا جائے یہ نہیں کہ گھڑا کھود کر مٹی ہٹایا جائے جس طرح احناف کہتے ہیں علامہ نووی کا یہ کہنا مذہب احناف سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ احناف کے نزدیک زمین کے پاک کرنے

اور دھونے کا کم از کم تین طریقے ہیں جو لکھے جائیں گے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ بے خبر غافل اور جاہل آدمی کے ساتھ مسائل میں نرمی کرنی چاہئے اگر وہ معاند نہیں تو اس کو ایذا نہیں دینی چاہئے۔

(۵) مسجد میں تلاوت یا درس و تدریس یا اعتکاف کے لئے بیٹھنا جائز ہے اسی طرح نماز کے انتظار کے لئے یا وعظ سننے کے لئے بیٹھنا جائز ہے اگر یہ چیزیں نہ ہوں پھر بھی مسجد میں بیٹھنا مباح ہے اگرچہ بعض نے مکروہ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

(۶) مسجد میں سونا جائز ہے شوافع کا یہی مسلک ہے اوزاعی شام نے مکروہ لکھا ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسافر و مجبور کے لئے جائز ہے ورنہ نہیں۔

(۷) مسجدوں میں جانور یا پاگلوں کو داخل نہیں کرنا چاہئے ناسمجھ اور بے تمیز بچوں کو بھی داخل نہیں کرنا چاہئے۔

(۸) مسجد کے اندر کسی برتن میں پیشاب کر کے باہر پھینکنا یا جسم سے خون نکال کر برتن میں ڈالنا جائز نہیں ہے مسجدوں کو صاف رکھنا مسلمانوں پر لازم ہے توضیحات سے تکمیل ضروری ہے۔

"مه مه" یہ کلمہ بہ بہ بھی ہے یہ زجر و توبیخ کے وقت استعمال کیا جاتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ "ماھذا" یہ کیا ہے یہ کیا کر دیا؟ اس لفظ کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے پشتو میں اس کا ترجمہ یہ ہے "مه کوه مه کوه"۔

باب حکم بول الطفل الرضیع و کیفیة غسله

دودھ پیتے بچے کے پیشاب کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۶۶۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ بَوْلَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر دعائے برکت فرماتے اور ان کی تحسنیک کرتے تھے۔ ایک بار ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور پیشاب جہاں کیا تھا اس جگہ ڈال دیا۔ اور اسے دھویا نہیں۔

تشریح

چھوٹا شیر خوار بچہ یا بچی جس نے ابھی تک دودھ کے سوا کھانا شروع نہ کیا ہو اس کے پیشاب کے بارے میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ ناپاک ہے صرف داؤد ظاہری نے لڑکے کے پیشاب کو پاک کہا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے ہاں فقہاء کا لڑکے کے پیشاب کے طریقے تطہیر میں اختلاف ہے جس سے وہم ہوتا ہے کہ شوافع کے ہاں لڑکے کا پیشاب پاک ہے یہ وہم صحیح نہیں ہے کیونکہ شوافع کی کتابوں میں اس کے ناپاک ہونے کی تصریح موجود ہے علامہ نووی نے بار بار اس کو نجس کہا ہے بول الغلام کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں کہیں "رشح الماء" ہے کہیں "نضح الماء" کا لفظ ہے کہیں "رش الماء" کا ذکر ہے کہیں "اتباع الماء" کے الفاظ

ہیں اور کہیں "صب الماء" اور کہیں "لم یغسله غسلا" کا جملہ ہے اسی اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرام میں بھی اس کے طریقہ تطہیر میں اختلاف آ گیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں بول غلام پر صرف چھینٹے مارنا کافی ہے دھونے کی ضرورت نہیں ہے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دھونا ضروری ہے لیکن خفیف غسل کافی ہے۔ غسل خفیف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ احادیث میں رشح، رش، نضح، صب اور لم یغسله غسلا کے مختلف الفاظ آئے ہیں تو اس کے لئے ایسا معنی لینا چاہئے جو سب الفاظ پر صادق آجائے اور وہ غسل خفیف کے الفاظ ہے جو تمام الفاظ پر صادق آتا ہے اور تمام روایات کا تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے شوافع اور حنابلہ نے بہت احتجاج کیا کہ صریح حدیث ہے جس کے احناف و مالکیہ خلاف جا رہے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بچے کا پیشاب پاک ہے یا نجس؟ اگر نجس مانتے ہو تو پھر چھینٹے مارنے سے نجاست مزید پھیلے گی جو مزید تلویث کا باعث ہے لہٰذا ان الفاظ سے غسل خفیف کا معنی لینا بہت ضروری ہے شوافع حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ام قیسؓ کی روایت میں "فنضحه و لم یغسله" الفاظ آئے ہیں جس میں نضح کے بعد غسل کی صریح نفی ہے اور نضح کو چھینٹے مارنے کے سوا کسی اور معنی میں نہیں لیا جا سکتا ہے دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

جواب: مالکیہ اور احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نضح سے مراد غسل خفیف ہے اور لم یغسله سے مراد مبالغہ کے ساتھ دھونے کی نفی ہے کیونکہ یہاں مسلم شریف کی روایت میں "لم یغسله غسلا" کے الفاظ آئے ہیں تو مفعول مطلق تاکید کے لئے آیا ہے اور نفی اسی تاکید کی طرف متوجہ ہے جو مؤکدہ اور تاکید کا معروف قاعدہ ہے یعنی "لم یغسله غسلا مؤکدا"۔

نیز ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے "فصب الماء و لم یغسله" اور صب کا لفظ عربی میں بہانے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے آیت میں ہے "انا صببنا الماء صبا" جب بہانے کا لفظ موجود ہے تو پھر صرف رش یا رشح یا نضح سے کام نہیں بنے گا نیز نضح کا لفظ عربی میں دھونے کے لئے بھی آتا ہے چنانچہ حدیث میں اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت میں "ثم لتنضحه" کا لفظ حیض کے خون دھونے کے لئے آیا ہے جبکہ وہاں چھینٹے مارنے کا معنی نہیں لیا جا سکتا ہے بہر حال غسل خفیف سے تمام احادیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور نجاست کے دھونے کا شرعی ضابطہ بھی محفوظ رہ جاتا ہے اور احتیاط پر عمل بھی ہو جاتا ہے تو یہ بہتر ہے باقی لڑکی کے پیشاب دھونے کا ضابطہ وہی ہے جو عام نجاست کا ہے اب سوال یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں کیا فرق ہے کہ شریعت نے ایک میں سہولت دی ہے دوسرے میں نہیں دی ہے جس پر عورتیں احتجاج کر رہی ہیں کہ ہمارے حقوق پامال ہو گئے۔

علماء نے اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ طبیعت اور مزاج کے فرق کی وجہ سے مسئلہ کی حیثیت میں فرق آ گیا ہے لڑکی کے پیشاب میں تعفن اور بدبو ہوتی ہے لڑکے میں ایسا نہیں ہے لیکن بہتر جواب وہ ہے جو شیخ عبدالحقؒ نے لمعات میں دیا ہے کہ یہ فرق دراصل لوگوں کی عادت اور مجبوری کی وجہ سے ہے کیونکہ لڑکوں کو مجلسوں میں لایا جاتا ہے کندھوں پر اٹھایا جاتا ہے گود میں بٹھایا جاتا ہے تو اس میں مشقت اور حرج ہے کہ ان کے پیشاب کو بار بار مبالغہ کے ساتھ دھویا جائے لہٰذا شریعت نے لڑکے میں سہولت دی ہے اور لڑکیوں میں یہ حرج اور مجبوری نہیں ہے لہٰذا اس میں سہولت نہیں دی ہے عورتوں کو اپنے ہر حصہ اور قسمت پر صبر کرنا چاہئے جو شریعت نے ان کو دی ہے اس

پر شکر کرنا چاہئے تقسیم کرنے والے ہم نہیں شریعت ہے۔

۶۶۳ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِصَبِيٍّ يَرْضَعُ فَبَالَ فِي حِجْرِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک شیر خوار بچہ لایا گیا اس نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور اس جگہ پر بہا دیا۔

۶۶۴ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عِيسَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ.

ہشام نے ابن نمیر کی روایت کی طرح اسی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔

۶۶۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِابْنٍ لَهَا لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ فَوَضَعَتْهُ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ - قَالَ: - فَلَمْ يَزِدْ عَلَى أَنْ نَضَحَ بِالْمَاءِ.

حضرت ام قیس بنت محصن سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پاس اپنے ایک لڑکے کو جو کھانا نہیں کھاتا تھا لے کر آئیں اور اسے آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا اس نے پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس پر پانی چھڑک دیا۔ اور اس کے علاوہ کچھ نہ کیا۔

۶۶۶ - وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ جَمِيعاً عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: فَدَعَا بِمَاءٍ فَرَشَّهُ.

زہری سے اس سند کے ساتھ بھی یہ روایت منقول ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے پانی منگایا اور اس پر چھڑک دیا۔

۶۶۷ - وَحَدَّثَنِيهِ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أُمَّ قَيْسٍ بِنْتَ مِحْصَنٍ - وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الأُوَلِ اللاَّتِي بَايَعْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهِيَ أُخْتُ عُكَّاشَةَ بْنِ مِحْصَنٍ أَحَدُ بَنِي أَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ - قَالَ: أَخْبَرَتْنِي أَنَّهَا أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِابْنٍ لَهَا لَمْ يَبْلُغْ أَنْ يَأْكُلَ الطَّعَامَ - قَالَ: عُبَيْدُ اللهِ - أَخْبَرَتْنِي أَنَّ ابْنَهَا ذَاكَ بَالَ فِي حِجْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ عَلَى ثَوْبِهِ وَلَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلاً.

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام قیس بنت محصن نے جو اولین مہاجرین خواتین میں سے تھیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔ اور حضرت عکاشہ بن محصنؓ جو بنو اسد بن خزیمہ کے ایک فرد تھے۔ مجھ سے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے ایک لڑکے کو جو ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا تھا کہ کھانا کھا سکے لے کر آئیں۔

عبید اللہ کہتے ہیں کہ ام قیسؓ نے مجھے بتلایا کہ ان کے بیٹے نے آنحضرت ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ حضور ﷺ نے پانی منگوایا اور اسے اپنے کپڑوں پر چھڑک لیا اور اسے دھویا نہیں۔

تشریح

"حجو" ان احادیث میں حجر کا لفظ کئی بار آیا ہے تو یہ ح کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ جھولی کو کہتے ہیں حا پر کسرہ اور پیش دونوں پڑھنا مشہور اور جائز ہے۔

"ولم یغسله غسلا" یہاں مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور قانون یہ ہے کہ نفی جب فعل اور قید کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو فعل کی نفی مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ قید کی نفی مطلوب ہوتی ہے تو حاصل یہ نکلا کہ چھوٹے بچے کے پیشاب کو تاکید کے ساتھ نہیں دھویا بلکہ غسل خفیف کے ساتھ دھویا۔

باب حكم المنى

منی کے پاک اور ناپاک ہونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

۶۶۸- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالأَسْوَدِ أَنَّ رَجُلاً نَزَلَ بِعَائِشَةَ فَأَصْبَحَ يَغْسِلُ ثَوْبَهُ فَقَالَتْ: عَائِشَةُ إِنَّمَا كَانَ يُجْزِئُكَ إِنْ رَأَيْتَهُ أَنْ تَغْسِلَ مَكَانَهُ فَإِنْ لَمْ تَرَ نَضَحْتَ حَوْلَهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرْكًا فَيُصَلِّي فِيهِ.

حضرت علقمہؓ اور اسودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عائشہؓ کے ہاں مہمان ہوا۔ صبح کو وہ اپنا کپڑا دھونے لگا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کہ تیرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اگر تو نے منی دیکھی تھی تو اس حصہ کو دھو ڈالتا اور اگر نہیں دیکھی تو اس کے اردگرد پانی کے چھینٹے مار دیتا۔ میں حضور ﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ لیتی تھی۔ اور آپ ﷺ انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

تشریح

"ان رجلا نزل بعائشة" یہ آدمی حضرت عائشہؓ کا مہمان تھا حدیث نمبر ۶۷۴ میں اس نے اپنا پورا قصہ بیان کیا ہے اس کا نام عبداللہ بن شہاب خولانی ہے حضرت عائشہؓ نے ان کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا اتفاق سے رات کو اس شخص کو احتلام ہو گیا صبح اس نے کپڑوں کو دھو کر ایک برتن میں دبا کر رکھ دیا، وہ شرمایا بھی ہوگا حضرت عائشہؓ کو جب معلوم ہوا کہ اس شخص نے کپڑوں کا برا حشر کیا ہے کہ دھو کر سکھائے بغیر برتن میں دبا کر رکھ دیا اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تیرے لئے یہ کافی تھا کہ صرف منی کی جگہ دھو لیتے سارا کپڑا دھونا ضروری نہیں تھا اس تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص طالب علم بن کر آیا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو ازالہ منی کے لئے کھرچنے کا علاج بھی بتایا چنانچہ اس باب کی احادیث میں حک، فرک، حت، کے الفاظ کھرچنے کے معنی میں ہے غسل کے الفاظ بھی ہیں۔

منی کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ساتھ والی حدیث میں تفصیل سے آرہا ہے یہاں علامہ نووی کے کچھ نوادرات ملاحظہ ہوں چنانچہ علامہ نوویؒ نے منی کے بارے میں اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ منی کے طاہر ہونے میں امام شافعیؒ اکیلے نہیں ہیں بلکہ حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی رائے بھی یہ ہے کہ منی پاک ہے شیخ لیثؒ نے کہا کہ منی نجس ہے مگر اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز صحیح ہے لوٹانا ضروری نہیں۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ منی کے ساتھ پڑھی گئی نماز میں یہ تفصیل ہے کہ اگر منی کپڑے پر لگی ہو تو نماز نہیں لوٹائی جائے گی لیکن اگر جسم پر لگی ہو تو نماز لوٹائی جائے گی۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک شاذ قول یہ ہے کہ عورت کی منی نجس ہے مرد کی پاک ہے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ شاذ قول یہ ہے کہ دونوں کی منی نجس ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ دونوں کی منی پاک ہے علامہ مزید فرماتے ہیں کہ جب منی پاک ہے تو کیا اس کو کوئی آدمی کھا سکتا ہے؟ فرمایا کہ اس میں دو قول ہیں زیادہ واضح یہ ہے کہ قباحت کی وجہ سے اس کا کھانا حلال نہیں ہے طبیعت اس کو نہیں چاہتی ہے لہٰذا یہ خبائث میں سے ہے حرام نہیں ہے باقی رہ گئی یہ بات کہ آیا انسان کی منی کے علاوہ دیگر حیوانات کی منی کا کیا حکم ہے اس میں تین اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ تمام حیوانات کی منی پاک ہے دوسرا قول یہ ہے کہ حیوانات کی منی مطلقاً نجس ہے تیسرا قول یہ ہے کہ حلال جانوروں کی منی پاک ہے حرام جانوروں کی منی حرام اور نجس ہے بہر حال منی کے پاک اور ناپاک ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

منی میں فقہاء کرام کا اختلاف

امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کے اصح قول کے مطابق منی پاک ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منی نجس ہے ہاں ان دونوں میں آپس میں اتنا فرق ہے کہ امام صاحب کے ہاں اگر منی کپڑے پر سوکھ جائے اور پھر کھرچ لی جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا یہ بھی تطہیر کا ایک طریقہ ہے اور اگر منی تر ہو تو ہر حال میں دھونا لازم ہے لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ منی تر ہو یا خشک ہو ہر حال میں اس کا دھونا فرض ہے کھرچنے سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

دلائل:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اپنے استدلال میں فرماتے ہیں:

(۱) کہ حدیث میں منی کے ازالہ کے بارے میں "حک اور حت" کے الفاظ آئے ہیں جو رگڑنے اور کھرچنے کے معنی میں ہیں اور یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ کھرچنے سے پوری نجاست اکھڑ نہیں جاتی بلکہ کچھ باقی رہ جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے کھرچنے پر اکتفا فرمایا ہے معلوم ہوا منی پاک ہے تب ہی تو اس کے قلیل اجزاء کو برداشت کیا گیا ہے۔

(۱) گویا منی پستان کے دودھ کی طرح ہے۔

(۲) منی سے ماں کے پیٹ میں بچہ غذا حاصل کرتا ہے تو اسکو پاک ماننا ہوگا۔

(۳) نیز اس سے اولیاء وانبیاء پیدا ہوئے ہیں تو اولیاء وانبیاء کی بنیاد اور اصل کو کیسے نجس کہو گے؟

(۴) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو دارقطنی نے اس طرح نقل کیا ہے:

"سئل النبی صلی الل علیه وسلم عن المنی یصیب الثوب فقال انماھو بمنزلة المخاط و البزاق"۔

یعنی منی کی تشبیہ آپ نے ناک کی آلائش ریٹھ سے دی ہے ظاہر ہے ریٹھ پاک ہے تو منی بھی پاک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کسی حدیث سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منی کے ساتھ نماز پڑھی ہو ہاں منی کے ازالہ کے طریقے مختلف ہیں کبھی غسل اور دھونے سے زائل کی گئی ہے کبھی خشک ہونے کی صورت میں "حک" "حت"

کے طریقہ سے اس کا ازالہ کیا گیا ہے ازالہ جو صورت بھی ہو یہ بات طے ہے کہ منی کے ساتھ کبھی نماز نہیں پڑھی گئی ہے جو اس کی نجاست کی بڑی دلیل ہے اگر یہ پاک ہوتی تو بیان جواز کے لئے ایک آدھ مرتبہ آنحضرت ﷺ ازالہ کے بغیر اس کے ساتھ نماز پڑھتے پڑھاتے، معلوم ہوا کہ منی نجس ہے۔

اگر شوافع یہ کہہ دیں کہ "حک""فرک" اور "حت" سے منی کا ازالہ بالکلیہ نہیں ہوتا ہے کچھ اجزاء باقی رہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے حک وغیرہ پر اکتفاء کیا ہے معلوم ہوا یہ پاک ہے۔ اس کا الزامی جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ قضاء حاجت کے بعد استنجاء بالاحجار آپ مانتے ہو حالانکہ احجار سے مکمل ازالہ نہیں ہوتا ہے نجاست کے کچھ ذرات باقی رہتے ہیں جس کو قلیل ہونے کی وجہ سے برداشت کیا گیا ہے لہٰذا آپ حضرات انسانی غلاظت کو بھی پاک کہہ دیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ احناف کے ہاں قدر درہم سے کم نجاست معاف ہے لیکن شوافع کے ہاں نجاست کی کوئی مقدار معاف نہیں ہے۔ اسی لئے مجبور ہوئے اور ان کو کہنا پڑا کہ منی پاک ہے لیکن استنجاء بالاحجار میں وہ کیا کریں گے۔ یہ بات یاد رہے کہ ملائم اشیاء سے نجاست کے پونچھنے اور رگڑنے سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے جیسے آئینہ چاقو تلوار موزہ وغیرہ ان ملائم اشیاء کی پاکی کے شوافع بھی قائل ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کو نہ دھویا گیا وہ پاک ہے احناف اور مالکیہ نے ترمذی کی اس واضح حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"واغسله اذا کان رطبا وافرکه ان کان یابسا"۔

صحیح ابوعوانہ اور امام طحاوی نے بھی اسی قسم کی روایت نقل فرمادی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ ﷺ اذا کان یابسا واغسله اذا کان رطبا"۔

جواب: منی کو پستان کے دودھ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ دودھ کے نکلنے کا راستہ اور ہے اور منی کے نکلنے کا راستہ اور ہے۔ دودھ کا راستہ پاک ہے اور منی کے نکلنے کا راستہ پیشاب اور مذی اور ودی جیسے نجس اشیاء کے خروج کا راستہ ہے نیز ایک حلال طعام جب پیٹ میں منقلب ہو کر گوبر بن جاتا ہے تو وہ نجس سمجھا جاتا ہے اسی طرح منی بھی طعام سے مبدل ہو کر نجس ہو جاتی ہے نیز خروج منی موجب حدث ہے اور جو چیز موجب حدث ہے وہ نجس ہے تو منی بھی نجس ہے بلکہ یہ تو حدث اصغر نہیں حدث اکبر کو واجب کرتی ہے۔

باقی بچے کی غذا کی جو بات ہے تو اس سے منی کی طہارت پر دلیل نہیں لائی جا سکتی ہے کیونکہ بچہ تو دم حیض سے بھی غذا حاصل کرتا ہے تو کیا حیض کا خون بھی پاک ہوگا۔ باقی ان حضرات کی یہ دلیل کہ منی سے اولیاء اور انبیاء پیدا ہوئے ہیں تو سن لو کہ منی کی تحلیل دم کی طرف ہے دم کی تحلیل گوشت کی طرف ہے اور گوشت کی تحلیل وتحویل ہڈی کی طرف ہے تو اس تحویل وتحول اور تبدیل وتبدل اور ماہیت کے تغیر کی وجہ سے شے پاک ہو جاتی ہے۔

باقی حضرت ابن عباسؓ نے منی کی تشبیہ رینٹھ سے جو دی ہے تو یہ پاکی میں نہیں ہے بلکہ طریقہ ازالہ کو بتایا ہے کہ میں اس کو رینٹھ کی طرح ہٹاتا ہوں تو وہ زائل ہو جاتی ہے رینٹھ کی طرح سخت ہے غلیظ ہے چپکنے والی چیز ہے ہٹانے سے پوری ہٹ جاتی ہے یاد رہے موجودہ زمانہ میں منی کی کیفیت نہیں رہی بلکہ چائے وغیرہ غیر معیاری خوراک کی وجہ سے منی پتلی ہوتی ہے تو اب اس کے ازالہ کے لئے پانی ہی استعمال کرنا چاہئے۔ ویسے بھی احتیاط احناف و مالکیہ کے مسلک میں ہے۔

یہ تمام مسائل عجائبات میں سے ہیں مگر چونکہ یہ اختلاف احادیث کی بنیاد پر ہے اور احادیث سے مستنبط ہے لہٰذا اس کا مذاق اڑانا اور اس کے ساتھ ڈرامے بازی کرنا جائز نہیں ہے احادیث کی توہین کا خطرہ ہے لہٰذا اختلاف بیان کرو مگر اس کا مذاق نہ اڑایا کرو یہ علمی وقار کے بھی خلاف ہے اور دیانت وامانت کے بھی خلاف ہے۔

۶۶۹- وَحَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ فِي الْمَنِيِّ قَالَتْ: كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

اسودؒ اور ہمامؒ حضرت عائشہؓ سے منی کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں حضور ﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ لیا کرتی تھی۔

۶۷۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ - عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ جَمِيعاً عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مُغِيرَةَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَهْدِيِّ بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ وَاصِلٍ الأَحْدَبِ ح وَحَدَّثَنِي ابْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مَنْصُورٍ وَمُغِيرَةَ كُلُّ هَؤُلاَءِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ فِي حَتِّ الْمَنِيِّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَحْوَ حَدِيثِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ.

حضرت عائشہؓ نے منی کھرچنے کے بارے میں ابو معشرؒ کی روایت کی طرح روایت نقل کرتی ہیں۔

۶۷۱- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ.

ہمامؒ حضرت عائشہؓ سے حسب سابق روایتوں کی طرح حدیث نقل کی ہے۔

۶۷۲- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ: سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ ثَوْبَ الرَّجُلِ أَيَغْسِلُهُ أَمْ يَغْسِلُ الثَّوْبَ فَقَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَغْسِلُ الْمَنِيَّ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلاَةِ فِي ذَلِكَ الثَّوْبِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْغَسْلِ فِيهِ.

حضرت عمرو بن میمونؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن یسارؒ سے منی کے بارے میں پوچھا کہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو کیا صرف منی کو دھویا جائے گا یا پورے کپڑے کو؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ منی کو دھویا کرتے تھے اور اسی کپڑے میں نماز کے لئے نکل جاتے تھے اور میں منی کے دھونے کا اثر آپ ﷺ کے کپڑوں میں دیکھ رہی تھی۔

۶۷۳- وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ - يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ وَابْنُ أَبِي زَائِدَةَ كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ أَمَّا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ فَحَدِيثُهُ كَمَا قَالَ: ابْنُ بِشْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَغْسِلُ الْمَنِيَّ وَأَمَّا ابْنُ الْمُبَارَكِ وَعَبْدُ الْوَاحِدِ فَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

عمرو بن میمونؒ سے اسی سند کے ساتھ روایت منقول ہے مگر ابن ابی زائدہ کی روایت میں بشر کی روایت کی طرح الفاظ ہیں کہ رسول ﷺ کپڑے سے منی کو دھوڈالتے تھے اور ابن مبارک اور عبدالواحد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں منی کو رسول ﷺ کے کپڑوں سے دھوڈالتی تھی۔

۶۷۴- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَوَّاسٍ الْحَنَفِيُّ أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ عَنْ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شِهَابٍ الْخَوْلاَنِيِّ قَالَ: كُنْتُ نَازِلاً عَلَى عَائِشَةَ فَاحْتَلَمْتُ فِي ثَوْبَيَّ فَغَمَسْتُهُمَا فِي الْمَاءِ فَرَأَتْنِي جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا فَبَعَثَتْ إِلَيَّ عَائِشَةُ فَقَالَتْ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ بِثَوْبَيْكَ قَالَ: قُلْتُ رَأَيْتُ مَا يَرَى النَّائِمُ فِي مَنَامِهِ. قَالَتْ: هَلْ رَأَيْتَ فِيهِمَا شَيْئاً. قُلْتُ لاَ. قَالَتْ: فَلَوْ رَأَيْتَ شَيْئاً غَسَلْتَهُ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لأَحُكُّهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَابِساً بِظُفُرِي.

عبداللہ بن شہاب خولانیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت عائشہؓ کے ہاں مہمان ہوا مجھے اپنے کپڑوں میں احتلام ہوگیا۔ میں نے اپنے دونوں کپڑے پانی میں ڈبو دیے، حضرت عائشہؓ کی ایک باندی نے مجھے دیکھ لیا اور حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر کردی حضرت عائشہؓ نے مجھے بلوایا اور فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا کہ تم اپنے کپڑوں کے ساتھ وہ کرو جو تم نے کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے وہ دیکھا جو سونے والا خواب میں دیکھتا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کہ کیا تم نے اپنے ان کپڑوں میں اس کا کچھ اثر بھی دیکھا تھا؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: اگر تم کچھ دیکھتے تو اسے دھوڈالتے اور میں تو حضور ﷺ کے کپڑوں سے خشک منی اپنے ناخن کے ساتھ کھرچ لیا کرتی تھی۔

باب نجاسة الدم و كيفية غسله

خون کی نجاست اور دھونے کی کیفیت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۶۷۵- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِحْدَانَا يُصِيبُ ثَوْبَهَا مِنْ دَمِ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ بِهِ قَالَ: "تَحُتُّهُ ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ تَنْضَحُهُ ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ".

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ: ہم میں سے کسی کے کپڑوں کو حیض کا خون لگ جاتا ہے ہم اس کا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے اسے کھرچ لو پھر پانی ڈال کر اسے رگڑو پھر اسے دھو کر اس میں نماز پڑھو۔

تشریح

"تحته" کھرچنے کے لئے لفظ حت اور لفظ فرک استعمال ہوتا ہے۔

"تقرصه" ہاتھ کی انگلیوں کے کناروں سے مسل کر کاٹنے اور پھر پانی بہانے کے عمل کو قرص کہا گیا ہے یہ باب نصر سے بھی ہے اور باب

تفعیل سے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

"تنضحه" نضح دھونے کے معنی میں ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ نجاست دو قسم پر ہے ایک نجاست حقیقیہ ہے دوسرا نجاست حکمیہ ہے جو نجاست نظر آتی ہے نجاست حقیقی کے غسل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا عین زائل ہو جائے۔

وہ نجاست حقیقی ہے اور جو نظر نہیں جیسے خون ہے انسانی غلاظت وغیرہ ہے اور جو نظر نہیں آتی ہے وہ نجاست حکمیہ ہے جیسے جنابت ہے اور بے وضو ہونا ہے اصل چیز نجاست کا ازالہ اور صفائی حاصل کرنا ہے ازالہ کے طریقہ مختلف ہے نجاست حقیقیہ کے ازالہ کے لئے شرط ہے کہ اس کا عین زائل ہو جائے اس میں ایک دفعہ پانی بہائے یا کئی دفعہ بہایا جائے نچوڑنا بھی احناف کے نزدیک ضروری ہے ہاں دھونے کے بعد اگر گوبر کا پیلا پن اور رنگ نظر آتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نجاست حکمیہ کے لئے بھی تین دفعہ دھونا ضروری ہے ائمہ احناف کے نزدیک نجاست خفیفہ کا اگر ایک ربع حصہ باقی ہو تو اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے اور نجاست غلیظہ میں ایک درہم سے کم مقدار نجاست معاف ہے شوافع کے نزدیک نجاست میں کوئی مقدار معاف نہیں ہے زمین کی تطہیر میں احناف ذکاۃ الارض یبسھا کو بھی تطہیر کا ذریعہ مانتے ہیں گھڑا کر کے نجس مٹی کے ہٹانے کو بھی تطہیر کا ذریعہ سمجھتے ہیں اگر پکا فرش ہو تو تولیہ سے خشک کر کے کئی دفعہ پانی ڈالنے سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے اور اگر نرم زمین ہو تو اس پر تین دفعہ پانی ڈال کر جب زمین پانی کو چوس لے تو پاک ہو جائے گی اس باب میں صرف حیض کے خون کی تطہیر کا بیان ہے اس کے خون کے ناقض للوضوء ہونے نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ ایک اختلافی مسئلہ ہے جو سنن کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے امام مسلمؒ نے اس کو بیان نہیں کیا ہے۔

۶۷۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَالِمٍ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ.

یحییٰ بن سعید کی طرح مذکورہ سند سے ہشام بن عروہ سے بھی منقول ہے۔

باب نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه

پیشاب نجس ہے اس سے بچنا واجب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۶۷۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ وَأَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "أَمَا إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: فَدَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ ثُمَّ غَرَسَ عَلَى هَذَا وَاحِدًا وَعَلَى هَذَا وَاحِدًا ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا"۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور ان دونوں کو کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہورہا۔ ان میں ایک چغل خور تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک کھجور کی تر شاخ منگوائی اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کیا ایک کو اس کی قبر پر گاڑ دیا اور دوسری کو اس کی قبر پر گاڑ دیا۔ پھر فرمایا: کہ شاید ان دونوں سے ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک عذاب ہلکا ہو جائے۔

تشریح

"ومایعذبان فی کبیر" امام بخاری نے اپنی کتاب ادب المفرد میں اس حدیث میں ان الفاظ کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

"وانه لکبیر" اور صحیح بخاری کی کتاب الوضوء میں "بل انه کبیر" کے الفاظ آئے ہیں ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں آگے "ومایعذبان فی کبیر" کا صحیح مطلب لکھا جائے گا۔

"النمیمة" چغلی کھانے کو نمیمہ کہتے ہیں اس کی تعریف اس طرح ہے "**نقل کلام الناس من بعضهم إلی بعض علی جهة الافساد**"۔

"لایستتر" اس میں لایستنزہ کا لفظ بھی ہے اور "لایستبرء" کا لفظ بھی ہے سب کا معنی ایک ہے کہ یہ شخص پیشاب سے نہیں بچتا تھا احتیاط واحتراز نہیں کرتا تھا اس حدیث کی پوری تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

علی قبرین: اس میں بحث ہے کہ یہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا یہ لوگ کافر تھے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دونوں کافر تھے کیونکہ بعض روایات میں "قبرین" کے ساتھ "قدیمین" کا لفظ بھی ملتا ہے یعنی قدیم جاہلیت کی قبریں تھیں لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں کے مسلمان ہونے کو ترجیح دی ہے اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے: "مر النبی ﷺ بقبرین جدیدین" اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسلمان تھے بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے پوچھا آج تم نے یہاں کس کو دفن کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمان تھے بعض روایات میں حصر ہے کہ **ومایعذبان الا فی الغیبة والبول** معلوم ہوا کہ کفر کی وجہ سے عذاب نہیں تھا بلکہ یہ مسلمان تھے کفر کے علاوہ دو گناہوں کی وجہ سے عذاب ہورہا تھا۔

ومایعذبان فی کبیر: یعنی ان دونوں کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہورہا ہے۔

سوال: اب یہاں یہ اعتراض آتا ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کھانا تو کبیرہ ہیں یہاں نفی کیسے کی گئی؟ نیز بعض روایات میں "**بلی انه لکبیر**" کے الفاظ آئے ہیں تو یہاں کیسے کبیرہ کی نفی کی گئی ہے؟

جواب: اس کا ایک جواب یہ ہے کہ کبیرہ شاق کے معنی میں ہے جیسے قرآن میں ہے: "**وانها لکبیرة الا علی الخاشعین**" وہاں کبیرہ سے شاق اور گراں مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ گناہ اگرچہ دوسرے بڑے گناہوں کی نسبت ان جیسے بڑے نہیں ہیں مگر فی نفسہ بڑے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے نزدیک تو یہ کام اور یہ گناہ اتنا بڑا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ہے خاص کر جب اس پر مداومت ہو جائے۔

اب یہ شبہ ہے کہ ان گناہوں کا عذابِ قبر سے کیا تعلق ہے کہ قبر ہی میں عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بول سے نہ بچنا نماز کو خراب کرتا ہے کیونکہ ظاہری طہارت جب نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی اور نماز کا حساب کتاب

قیامت میں سب سے پہلے ہوگا اور قبر آخرت کا پیش خیمہ اور پہلی منزل ہے تو قبر ہی سے عذاب شروع ہوگیا اسی طرح چغلی سے بچنا باطنی طہارت ہے جب طہارت ضائع ہوگئی تو قبر سے عذاب شروع ہوگیا۔ یا یوں سمجھو کہ چغلی سے فتنہ وفساد اٹھتا ہے جس سے قتل وقتال واقع ہوجاتا ہے اور قیامت میں سب سے پہلے حقوق العباد میں ناحق خون کا حساب ہوگا اور قبر آخرت کی پہلی منزل ہے تو یہیں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا حساب شروع ہوگیا۔

ثم اخذ جریدة رطبة: قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ کھجور کی شاخ کو دو ٹکڑے کر کے آنحضرت ﷺ نے جو ایک ایک قبر پر گاڑ دیا تھا یہ شفاعت پیغمبری کے قبیل سے ایک عمل تھا کہ جب تک شاخ ہری رہے گی میری شفاعت رہے گی تو عذاب نہیں ہوگا تو یہ خصوصیت پیغمبری ہوگئی اور مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ شفاعت تھی تو کسی اور کو اختیار نہیں کہ یہ عمل کرے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شاخوں کا یہ گاڑنا ایک سبب پر محمول ہے اور اس کی ایک علت تھی لہٰذا یہ خصوصیت پیغمبری نہیں تھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ تر شاخ خشک ہونے تک تسبیح پڑھتی ہے جس کا اثر صاحب قبر کے عذاب پر ہوتا ہے اور تخفیف آتی ہے۔

نیز بریدہ بن الخصیبؓ نے تر شاخ اپنی قبر پر گاڑنے کی وصیت کی تھی لہٰذا یہ ایک سبب پر محمول ہے۔ یہ تو ایک علمی بحث تھی لیکن آج کل لوگ قبروں پر جو گل پاشی کرتے ہیں اور پھولوں کی چادریں چڑھاتے ہیں یہ تو کہیں سے بھی ثابت نہیں ہے یہ آج کل ایسی رسم ہوگئی ہے کہ غیر مسلم لوگ بعض مشہور قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں یا مسلمان سربراہان وغیرہ مسلموں کی قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں یہ سب فضول اور لغو عمل ہے اس کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: "مایفعله الناس علی القبور لا اصل له"۔ (نووی)

اب تو لوگوں میں اتنا غلو ہوگیا کہ جو لوگ یہ کام نہیں کرتے ہیں ان کو وہابی کہہ کر ملعون کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اتباع حضور مقصود ہے تو پھر شاخ گاڑنا چاہئے پھول چڑھانا کہاں سے آیا ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ نے تو معذبین کی قبروں پر یہ عمل فرمایا تھا اور آج کل مقربین کے ساتھ یہ عمل ہو رہا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ کے اصل متبعین صحابہ کرام تھے ان سے پھول چڑھانا اور نچھاور کرنا ثابت نہیں ہے نیز حضور اکرم ﷺ نے اس عمل کو ان دو قبروں کے علاوہ کہیں نہیں کیا۔ اس لئے سداً للذرائع بدعات سے بچنے کیلئے علماء نے منع کیا ہے تاکہ نوبت پھولوں، شالوں، دوشالوں، ہاروں اور قبوں اور دیواروں تک نہ پہنچ جائے۔

۶۷۸ - حَدَّثَنِيهِ أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ سُلَيْمَانَ الأَعْمَشِ بِهَذَا الإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "وَكَانَ الآخَرُ لاَ يَسْتَنْزِهُ عَنِ الْبَوْلِ أَوْ مِنَ الْبَوْلِ"

اعمشؒ سے اس سند کے ساتھ بھی معمولی تبدیلی کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے لیکن مفہوم ایک ہی ہے۔

الحمد للہ باب المسح علی الخفین سے کتاب الحیض تک ان تمام احادیث کی تشریح میں نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ الحرام کے سامنے لکھی ہے بہت زیادہ ازدحام ہے شدید گرمی ہے ۲۷ رمضان ۱۴۳۲ھ ہے انسانوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس وقت بندہ عاجز اس تحریر سے فارغ ہوا۔ الحمد للہ حمداً کثیراً۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل مکة المکرمة

۲۷ رمضان ۱۴۳۲ھ

کتاب الحیض

حیض کا بیان

فقہاء میں یہ بحث چلی ہے کہ حیض انجاس میں سے ہے یا احداث میں سے ہے، دونوں طرف فقہاء کی آراء ہیں مگر اس اختلاف کی وجہ سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑا البتہ حیض کی تعریف پر اس کا اثر پڑتا ہے، جن حضرات نے حیض کو نجاست اور انجاس میں شمار کیا ہے ان کے ہاں حیض کی جو تعریف ہے اسی کو نقل کیا جاتا ہے۔

حیض کی تعریف:

حیض کا لغوی معنی ہے ''بہنا'' کا ہے عرب کہتے ہیں ''حاض الوادی'' أیْ سَالَ اور اسی مفہوم میں حوض ہے جس کی طرف پانی بہہ کر جمع ہوجاتا ہے اور شریعت میں حیض کی تعریف فقہاء نے اس طرح کی ہے ''هُوَ دَمٌ يَنْفَضُهُ رَحِمُ امْرَأَةٍ بَالِغَةٍ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ'' اس مرض میں مبتلا عورت کو حائض بھی کہتے ہیں اور حائضہ بھی بولا جاتا ہے بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ ''الحائض'' میں دوام کا مفہوم پڑا ہے اور ''الحائضۃ'' میں حدوث اور تجدد کا مفہوم پڑا ہے۔ ''الحیضۃ'' حا کے فتحہ کے ساتھ ایک بار حیض آنے کو کہتے ہیں اور ''حا'' پر اگر کسرہ آجائے تو یہ حیض کا نام بھی ہے اور وہ حالت بھی ہے جس حالت میں یہ عورت مبتلا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بچے کی غذا کے لئے ماں کے رحم میں حیض کے خون کا انتظام کیا ہے چنانچہ چار ماہ کے بعد بچے میں جان آجاتی ہے تو وہ اس خون سے غذا حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چار ماہ کا جو خون رحم میں جمع ہوتا ہے وہ بچے کی ولادت کے بعد نفاس کی شکل میں باہر آتا ہے چار ماہ کے بعد کا خون بچہ پی جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے منہ کو پاک رکھا ہے تاکہ اس سے اللہ کا مبارک نام لیا کرے لہٰذا منہ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ ناف کی نالی کے ذریعہ سے اس خون سے غذا حاصل کرتا ہے اور منہ کو اللہ تعالیٰ کے مقدس نام لینے کے لئے پاک رکھا ہے: کسی نے کہا ہے:

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب نوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

حیض کا پس منظر:

حیض کی ابتداء کیسے ہوئی اور یہ بیماری عورتوں کے ساتھ کیوں لگی؟ اس کے بارے میں ایک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نے حیض کی اس بیماری کو آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے ساتھ لگا رکھا ہے۔'' (لمعات) گویا حیض عورت کی طبیعت اور بشری تقاضا ہے اور یہ ان کی فطرت کا حصہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل کی عورتوں کو آیا تھا۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ''بنی اسرائیل کی عورتیں اور مرد اکٹھے مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے تو عورتوں نے یہ شرارت شروع کی کہ پیچھے سے

مردوں کے مستورہ اعضاء کو جھانک کر دیکھتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حیض کی بیماری ڈالدی۔''

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حوا علیہا السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو اس کے ساتھ حیض کی بیماری لگادی یہ سب کچھ لمعات میں شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے۔ بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت حوا نے جنت میں جب گندم کے درخت کی ٹہنی سے دانہ حاصل کرنا چاہا تو وہ ٹہنی اوپر کی طرف بلند ہوگئی حضرت حوا نے جب اس کو کھینچا تو وہ ٹوٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا اس ٹہنی نے بددعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے اسی طرح خون جاری کردے جس طرح خون تو نے مجھ سے جاری کیا اس بددعا کے بعد عورتوں کو حیض آنا شروع ہوگیا۔ بہرحال حیض عورت کی صحت کے لئے بہت ضروری ہے اور اولاد کا نظام بھی حیض کے ساتھ لگا ہوا ہے جس عورت کو حیض نہیں آتا وہ بیمار بھی رہتی ہے اور اولاد بھی نہیں ہوتی گویا یہ ایک طبعی نظام ہے جو عورت کی فطرت اور تخلیق کا حصہ ہے۔

حائضہ عورت پر حیض کے اثرات

حیض کئی چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور کئی چیزوں کے لئے مانع ہے چند چیزیں ملاحظہ ہوں:

(۱) حیض طہارت کے لئے مانع ہے جب تک حیض ہے طہارت نہیں آسکتی۔

(۲) حیض ''وجوب الصلوٰۃ'' کے لئے بھی مانع ہے اور ''صحۃ الصلوٰۃ'' کے لئے بھی مانع ہے چنانچہ حالت حیض میں نہ نماز جائز ہے اور نہ واجب۔

(۳) حیض ''صحۃ الصوم'' کے لئے بھی مانع ہے البتہ ''وجوب الصوم'' کے لئے مانع نہیں ہے روزہ حالتِ حیض میں واجب ہوجاتا ہے البتہ قضا کرنا ہوگا۔

(۴) حیض تلاوت کلام اور مسِ مصحف کے لئے مانع ہے حائضہ عورت یاد سے بھی تلاوت نہیں کرسکتی۔

(۵) حیض دخول مسجد کے لئے مانع ہے۔

(۶) حیض بیوی کے ساتھ جماع کے لئے بھی مانع ہے۔

(۷) حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دینا بدعت قبیحہ ہے۔

باب مباشرۃ الحائض فوق الازار

ازار بند کے اوپر حائضہ عورت سے بوس وکنار جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

کتاب الحیض سے کتاب الصلوٰۃ تک علامہ نوویؒ نے ۱۳۳ ابواب قائم کئے ہیں۔

۶۷۹ - حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضاً أَمَرَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَأْتَزِرُ بِإِزَارٍ ثُمَّ يُبَاشِرُهَا.

حضرت ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے (ازواج مطہراتؓ) اگر کوئی حالت حیض میں ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے ازار باندھنے کا حکم دیتے اور پھر مباشرت فرماتے۔ (مباشرت سے مراد جسم سے جسم ملانا ہے)

تشریح

''ثم یباشرھا'' یہ لفظ ''مباشرت'' سے ہے مگر عربی میں مباشرت بوس وکنار کے معنی میں ہے اور یہاں یہی مراد ہے اردو میں مباشرت جماع کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ معنی یہاں مراد نہیں ہے جو لوگ ''یباشر'' کا اردو میں مباشرت سے ترجمہ کرتے ہیں وہ غلط ترجمہ کرتے ہیں۔

حیض سے متعلق کئی مباحث ہیں اور اکثر میں اختلاف ہے۔

بحث اول: حیض سے متعلق پہلی بحث اس کی مدت میں ہے تو اقل مدت حیض اور اکثر مدت حیض دونوں میں اختلاف ہے چنانچہ اس اختلاف کی تفصیل اس طرح ہے۔

مدت حیض میں فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ کے نزدیک اقل مدت حیض ایک قول کے مطابق ''دفعۃ واحدۃ'' ہے یعنی ایک بار خون کا چھلکنا کافی ہے، دوسرا قول ''یوم لیلۃ'' کا ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد کا قول بھی یوم لیلۃ کا ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقل حیض دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقل مدت حیض تین دن اور تین راتیں ہیں یہ تو اقل مدت حیض میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔ اب اکثر مدت حیض میں بھی اختلاف ہے امام مالکؒ کے نزدیک اکثر مدت حیض سترہ دن ہے، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اکثر مدت حیض پندرہ دن ہے اور احناف کے ہاں اکثر مدت حیض دس دن ہیں۔

دلائل:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے پاس اقل مدت حیض کیلئے دلیل کے طور پر کوئی حدیث یا نص شرعی نہیں ہے اور اکثر مدت حیض کے لئے ان حضرات نے ''تَقْعُدُ إِحْدَاكُنَّ شَطْرَ عُمْرِهَا لَا تُصَلِّيْ وَلَا تَصُوْمُ'' سے استدلال کیا ہے۔ یہ حضرات شطر کے لفظ کو نصف کے معنی میں لیتے ہیں اور ہر ماہ کا نصف پندرہ دن ہوتا ہے۔

احناف کا استدلال ان روایات سے ہے جو حضرت انس، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عائشہ سے مرفوعاً منقول ہیں۔

۱: صاحب ہدایہ نے دارقطنی اور طبرانی کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ''أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ''۔

۲: عَنْ مُعَاذٍ ﷺ رَفَعَهُ قَالَ لَا حَيْضَ دُوْنَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَا حَيْضَ فَوْقَ عَشَرَةِ أَيَّامٍ۔ (اخرجہ ابن عدی واسنادہ واہ)

۳: عقیلی نے ایک اور سند سے مندرجہ بالا حدیث کو مختصر متن کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے:

"وَلَا حَیْضَ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ وَلَا اَکْثَرَ مِنْ عَشَرٍ" اسی طرح حضرت انس کی روایات بھی ہیں۔

۴: عَنْ عَائِشَۃَ مَرْفُوْعًا اَکْثَرُ الْحَیْضِ عَشَرٌ وَاَقَلُّہٗ ثَلَاثٌ (اَخرجہ ابن حبّان فی الضُّعَفَاء)

جواب: شوافع کی دلیل کا احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ شطر نصف کے لئے متعین نہیں بلکہ شطر کا اطلاق جزء پر بھی ہوتا ہے نیز اس سے اقل حیض یوم ولیلۃ پر کہاں دلالت ہوتی ہے تو تقریب تام نہیں نیز یہ روایت ضعیف بھی ہے۔

"مَسْئَلَۃُ الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ الْحَائِضِ"

بحث دوم: فقہاء کرام کے درمیان دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ کیسا معاملہ رکھنا چاہئے کس قسم کا تعلق جائز ہے اور کس قسم کا ناجائز ہے۔

یہود نے عورت کو حالت حیض میں نجس سمجھ کر ایسا الگ تھلگ کیا کہ گھر میں رہنا سہنا، اس کے ساتھ ملنا جلنا، اس کے ہاتھ کا کھانا پکانا سب کو ناجائز اور ممنوع قرار دیا گویا ایام کے دنوں میں عورت سے سوشل بائیکاٹ کرتے تھے، ادھر عیسائیوں نے سب کچھ جائز قرار دیا تھا یہاں تک جماع کرنے کو بھی جائز کیا اور حیض کا انکار کیا، اسلام چونکہ معتدل اور افراط تفریط سے پاک مہذب مذہب ہے اس لئے اس نے مسلمانوں کو راہ اعتدال دکھائی کہ نہ سوشل بائیکاٹ کرو اور نہ جماع کرو، آنحضرت ﷺ نے اپنے قول وفعل سے امت کے سامنے ایک معیار رکھا جس کی تفصیل فقہاء کرام نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

حالت حیض میں عورتوں سے میل جول اور تعلق رکھنے کی چند صورتیں ہیں:

۱: حالت حیض میں اپنی بیوی سے بوس وکنار اور مواکلت وملامست سب کے نزدیک جائز ہے اہل اسلام میں کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

۲: حالت حیض میں عورت سے جماع اور ہم بستری کرنا اجماعاً حرام ہے۔

۳: حالت حیض میں استمتاع الازار کیا جائے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام محمدؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک یہ استمتاع جائز ہے بشرطیکہ آدمی بچا رہے اور موضع دم یعنی خون کی جگہ سے اجتناب کرے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک استمتاع بما تحت الازار ناجائز ہے۔

دلائل:

امام احمدؒ ومحمدؒ نے حضرت انس کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاحَ" تو تحت الازار استمتاع جائز ہو گیا کیونکہ جماع کے سوا سب کچھ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

جمہور کی دلیل ابوداؤد میں حضرت عائشہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فَلَمْ نَقْرَبْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَلَمْ نَدْنُ مِنْہُ" (رواہ ابوداؤد)

موطا امالک میں حضرت زید بن اسلم کی مرسل حدیث ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "ثُمَّ شَانَکَ بِاَعْلَاھَا" یعنی ازار بند کے اوپر سے فائدہ اٹھاؤ نیچے سے نہیں، اسی طرح رزین نے ایک ضعیف روایت حضرت معاذ سے نقل کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں:

''قَالَ مَافَوْقَ الْإِزَارِ'' یہ حدیثیں اصل میں سائل کے سوال کے جواب میں ہیں جس کے انداز جواب کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جواب: ''اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ'' کا مطلب یہود کے غلو کو توڑنا تھا جو سوشل بائیکاٹ کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ یعنی بالکل بائیکاٹ نہ رکھو بلکہ بوس و کنار کرو میل جول رکھو لیکن جماع نہ کرو۔

دوسرا جواب: یہ کہ ''نکاح'' سے جماع اور دواعی جماع کی نفی اور نہی مراد ہے اور تحت الازار کا جو استمتاع ہے وہ خالص دواعی جماع میں سے ہے لہٰذا ممنوع ہے۔

بہرحال فوق الازار کی صریح حدیثیں موجود ہیں اور تحت الازار استمتاع کرنا یقیناً دواعی جماع ہے تو یہ بھی ناجائز ہے۔ ناف سے نیچے اور گھٹنے کے اوپر اس درمیانی حصہ کو ماتحت الازار کہتے ہیں اور اس کے علاوہ کو فوق الازار کہتے ہیں کیونکہ رات کو استعمال کرنے والے ازار بند کی یہی حدود ہیں۔

۶۸۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ ح وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ - وَاللَّفْظُ لَهُ - أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضاً أَمَرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تَأْتَزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا. قَالَتْ: وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَمْلِكُ إِرْبَهُ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ہم میں سے کوئی حائضہ ہوتی تو حضور ﷺ اسے تہبند باندھنے کا حکم دیتے جبکہ خون جوش پر ہوتا پھر آپ ﷺ اس سے مباشرت فرماتے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں تم میں سے ایسا کون ہے جو اپنی خواہشات پر ایسا قادر ہو جیسی قدرت حضور ﷺ رکھتے تھے۔

تشریح:

''تأتزر'' واحد مؤنث کا صیغہ ہے ازار باندھنے کے معنی یہ ہے گھٹنوں سے اوپر اور ناف سے نیچے جسم کا جو حصہ ہے یہی مراد ہے اور اسی پر ازار باندھا جاتا ہے جس کو لنگوٹ کہہ سکتے ہیں یہی ممنوعہ علاقہ ہے کہ ازار کے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

''فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا'' فی فور میں جار مجرور ''امر'' سے متعلق ہے اور ''فور حیض'' سے کثرت خون اور جوش خون مراد ہے یعنی حیض کے ابتدائی وقت میں بھی آنحضرت ﷺ بوس و کنار فرماتے تھے تو اس کے علاوہ اقامت میں ازار بند پر فائدہ اٹھانا بطریق اولیٰ تھا ''إِرْبَه'' الف پر زیر ہے اور راء ساکن ہے علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس سے عضو مخصوصہ مراد ہے، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ ہمزہ اور را کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے انسانی حاجت مراد ہے یہاں شہوت پر کنٹرول بتانا مقصود ہے علامہ خطابی نے پہلے مطلب کو غلط قرار دیا ہے۔

اگرچہ اکثر روایات میں ہمزہ کا کسرہ منقول ہے علامہ اُبی فرماتے ہیں کہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ عضو اور حاجت دونوں پر بولا جاتا ہے یہ قول بہت اچھا ہے مگر علامہ خطابی کا قول بہت واضح ہے۔

حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ ہے کہ بوس وکنار اگرچہ جائز ہے لیکن دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کی طرح جذبات پر قابو نہیں پا سکتے ہیں تو کہیں حرام میں واقع ہو جائیں گے اس لئے جوانوں کو اس سے احتراز کرنا احتیاط اور اولیٰ ہے۔

بہر حال حائضہ عورت سے جماع کرنا قطعاً حرام ہے، اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اور گناہ سمجھ کر جماع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

''حُیَّض'' یہ جمع ہے اس کا مفرد حائض ہے حائضہ عورتیں مراد ہیں۔

۶۸۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُبَاشِرُ نِسَاءَهُ فَوْقَ الْإِزَارِ وَهُنَّ حُيَّضٌ.

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے حیض کی حالت میں ازار کے اوپر سے مباشرت فرماتے تھے۔

بَابُ الْإِضْطِجَاعِ مَعَ الْحَائِضِ فِي لِحَافٍ وَاحِدٍ

حائضہ عورت کے ساتھ ایک لحاف میں لیٹنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۶۸۲ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَخْرَمَةَ ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَضْطَجِعُ مَعِي وَأَنَا حَائِضٌ وَبَيْنِي وَبَيْنَهُ ثَوْبٌ.

حضرت ام المؤمنین میمونہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول ﷺ میرے ساتھ لیٹا کرتے تھے حالانکہ میں حیض میں ہوتی تھی اور میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کپڑا ہوتا تھا۔

۶۸۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ: بَيْنَمَا أَنَا مُضْطَجِعَةٌ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْخَمِيلَةِ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَقَالَ: لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ ''أَنُفِسْتِ''. قُلْتُ نَعَمْ. فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ. قَالَتْ: وَكَانَتْ هِيَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَغْتَسِلَانِ فِي الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ مِنَ الْجَنَابَةِ.

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک مجھے حیض شروع ہو گیا تو میں اپنی جگہ سے دور ہٹ گئی اور اپنے حیض کے کپڑے اٹھا لئے حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم کو حیض آ گیا میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ چادر میں لیٹی اور ام سلمہؓ نے فرمایا کہ وہ اور آپ ﷺ جنابت کا غسل ایک ہی برتن میں فرماتے تھے۔

تشریح

''الخميلة'' یہ اس چادر کو کہتے ہیں جس کے کناروں میں جھالر ہو اَلْخَمَلُ عربی میں جھالر کو کہتے ہیں ''انفست'' یہاں حیض پر نفاس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ نفاس کے لفظ سے حیض مراد لیا جاسکتا ہے خواہ نون پر پیش پڑھا جائے یا زبر پڑھا جائے۔ امام اصمعی اور قاضی عیاض نے فرمایا کہ دونوں طرح پڑھنا دونوں معنوں کے لئے پڑھا جاسکتا ہے بعض اہل لغت نے فرق کیا ہے کہ نون کے فتحہ کے ساتھ حیض پر بولا جاتا ہے اور پیش کے ساتھ نفاس پر بولا جاتا ہے۔

بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ

حائضہ عورت کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور کنگھی کرنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے گیارہ احادیث کو نقل کیا ہے

۶۸۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ جب اعتکاف کرتے تھے تو اپنا سر میرے قریب کر دیتے میں آپ ﷺ کی کنگھی کر دیا کرتی اور آپ ﷺ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے سوائے انسانی ضرورت کے (مثلاً استنجاء وغیرہ کے)۔

تشریح: ''يُدْنِي'' نزدیک کرنے کے معنی میں ہے چونکہ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں معتکف تھے بغیر ضرورت آپ باہر نہیں آسکتے تھے اور حضرت عائشہؓ حیض کی حالت میں تھیں وہ مسجد کے اندر نہیں جاسکتی تھیں مسجد اور حجرۂ عائشہ کے درمیان کوئی ڈیڑھ فٹ فاصلہ ہوگا اس لئے آنحضرت ﷺ اپنا سر مبارک باہر کرتے اور حضرت عائشہ اس میں کنگھی کرتی تھیں، اس سے یہ ضابطہ معلوم ہوگیا کہ انسان کا قدم اور جسم جہاں پر جما ہوا ہو اسی جگہ کا اعتبار ہے لہٰذا آنحضرت کا سر مبارک اگرچہ مسجد سے باہر آگیا مگر جسم مبارک اندر جما ہوا تھا اسی کا اعتبار تھا تو ''خروج عن المسجد'' متحقق نہیں ہوا، اسی طرح معاملہ حضرت عائشہ کا تھا کہ اگرچہ ان کا ہاتھ اندر مسجد میں چٹائی وغیرہ لینے کے لئے بڑھا مگر اس کا اعتبار نہیں اعتبار اس کے جسم کا تھا جو باہر تھا۔ ''لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ'' معتکف قضائے حاجت کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے مگر راستے میں کھڑے ہو کر کسی سے باتیں نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح اگر کھانے کا انتظام نہ ہو تو گھر جا کر کھانا کھاسکتا ہے دیگر شغل جائز نہیں ہے۔ ہاں راستے میں چلتے چلتے باتیں کرسکتا ہے ''ترجیل'' کنگھی کرنے کو کہتے ہیں۔ اگلی روایت میں معتکف کو ''مجاور'' بھی کہا گیا ہے کیونکہ یہ بھی مسجد کا پڑوسی بن کر اندر رہتا ہے اعتکاف عکوف سے محبوس اور سرنگوں کے معنی میں ہے اس کی شرعی تعریف یہ ہے ''اَلْاِعْتِكَافُ هُوَ حَبْسُ النَّفْسِ فِي الْمَسْجِدِ خَاصَّةً مَعَ النِّيَّةِ''

۶۸۵ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ: إِنْ كُنْتُ لَأَدْخُلُ الْبَيْتَ لِلْحَاجَةِ وَالْمَرِيضُ فِيهِ فَمَا أَسْأَلُ عَنْهُ إِلَّا وَأَنَا مَارَّةٌ وَإِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ إِذَا كَانَ مُعْتَكِفاً. وَقَالَ: ابْنُ رُمْحٍ إِذَا كَانُوا مُعْتَكِفِينَ.

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمنؒ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں ضروری حاجت کے لئے (اعتکاف کی حالت میں) گھر میں داخل ہو جاتی اور اگر گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو چلتے ہوئے اسے بھی پوچھ لیا کرتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم (اعتکاف کی حالت میں) مسجد میں رہ کر اپنا سر مبارک میری طرف کر دیتے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنگھی کر دیا کرتی اور معتکف ہوتے ہوئے آپ گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے سوائے ضروری حاجت کے۔

۶۸۶ - وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُخْرِجُ إِلَيَّ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُجَاوِرٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.

حضرت ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں رہتے ہوئے مسجد ہی میں اپنا سر مبارک میری طرف کرتے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھو دیتی حالانکہ میں حیض میں ہوتی تھی۔

۶۸۷ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ وَأَنَا فِي حُجْرَتِي فَأُرَجِّلُ رَأْسَهُ وَأَنَا حَائِضٌ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک میری طرف نکال دیتے تھے میں اپنے حجرہ میں ہوتی اور حالت حیض میں ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کر دیتی تھی۔

۶۸۸ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا حَائِضٌ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حیض میں ہوتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھو یا کرتی تھی۔

۶۸۹ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ: لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم "نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ". قَالَتْ: فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ. فَقَالَ: "إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ".

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ مسجد سے میرا جائے نماز اٹھا لاؤ میں نے عرض کیا کہ میں حیض

میں ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔

تشریح

"ناولینی" یہ لفظ اضداد میں سے ہے، لینے دینے دونوں پر بولا جاتا ہے، یہاں لینا مراد ہے یعنی مسجد سے یہ چٹائی مجھے لاکر دیدو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ گھر کے کمرے میں تھے اور عائشہؓ ماہواری میں تھی اور چٹائی مسجد میں تھی حضرت عائشہ نے ہاتھ بڑھا کر لیا "اَلْخُمرَۃُ" چٹائی کو کہتے ہیں نماز پڑھنے کا جائے نماز مراد ہے آنے والی روایت میں "الثوب" کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں معتکف تھے اور کپڑا گھر میں تھا حضرت عائشہؓ بھی گھر میں تھیں "لَیسَتْ فِیْ یَدِکَ" پہلے لکھا جاچکا ہے کہ انسان جہاں کھڑا ہے اسی جگہ کا اعتبار ہے صرف ہاتھ یا سر بڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا آنے والی روایت میں "اَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ" لفظ ہے اس سے مراد ہڈی سے گوشت کھانا ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حائضہ عورت سے سوشل بائیکاٹ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جماع کے علاوہ سب میل جول جائز ہے۔

۶۹۰ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ حَجَّاجٍ وَابْنِ أَبِي غَنِيَّةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أُنَاوِلَهُ الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ. فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ. فَقَالَ: "تَنَاوَلِيهَا فَإِنَّ الْحَيْضَةَ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ".

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد سے آپ کو جائے نماز لاکر دوں میں نے عرض کیا کہ میں حیض میں ہوں، فرمایا کہ: اٹھادو! حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔

۶۹۱ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كَامِلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ - قَالَ: زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى - عَنْ يَزِيدَ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: "يَا عَائِشَةُ نَاوِلِينِي الثَّوْبَ". فَقَالَتْ: إِنِّي حَائِضٌ. فَقَالَ: "إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ" فَنَاوَلَتْهُ.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! مجھے کپڑا دو انہوں نے عرض کیا میں حیض سے ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ" تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے پس انہوں نے دے دیا۔"

۶۹۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ وَسُفْيَانَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَأَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ. وَلَمْ يَذْكُرْ زُهَيْرٌ فَيَشْرَبُ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حیض کے دوران برتن میں پانی پیتی تھی اور پھر وہ حضور ﷺ کو دیتی تھی آپ ﷺ برتن کے اسی

حصہ پر منہ لگاتے تھے جس حصے پر میں نے منہ لگایا ہوتا اور پانی پیا کرتے اور میں ہڈی سے گوشت نوچتی تھی حالت حیض میں اور پھر وہی ہڈی آپ ﷺ کو دیتی تو آپ ﷺ اس جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے منہ رکھا ہوتا تھا۔

۶۹۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَكِّيُّ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَّكِئُ فِي حِجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میری گود میں سر رکھتے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے حالانکہ میں حیض میں ہوتی تھی۔

سب سے زیادہ یہود عورتوں کے حقوق پامال کرتے ہیں

۶۹۴ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوهَا وَلَمْ يُجَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ فَسَأَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ النَّبِيَّ ﷺ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ)... إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔" فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ". فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُودَ فَقَالُوا مَا يُرِيدُ هٰذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ مِنْ أَمْرِنَا شَيْئًا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ۔ فَجَاءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا. فَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَرْسَلَ فِي آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا أَنْ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان کی عورتیں حیض میں ہوتیں تو نہ انہیں ساتھ کھانا کھلاتے، نہ گھروں میں انہیں ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے حضور اقدس ﷺ سے اس بارے میں دریافت فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۔۔۔۔الآیۃ کہ یہ صحابہؓ آپ ﷺ سے حیض کی بابت دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ حیض ناپاکی ہے حالت حیض میں عورتوں سے دور رہو۔۔۔۔۔الخ تو حضور ﷺ نے فرمایا "تم حائضہ سے سب کچھ کرو سوائے جماع کے" یہ اطلاع یہود کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص کیا چاہتا ہے کہ ہمارے ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ حضرت اسیدؓ اور عباد بن بشرؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہودی ایسی ایسی بات کہہ رہے ہیں تو کیا ہم ان حائضہ عورتوں سے جماع نہ کر کے اور زیادہ ان کی مخالفت کریں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا ہم کو گمان ہوا کہ آپ ﷺ کو ان دونوں پر غصہ آیا ہے چنانچہ وہ دونوں اٹھ کر باہر نکل گئے سامنے سے کوئی دودھ کا ہدیہ لے کر نبی ﷺ کے لئے لا رہا تھا آپ ﷺ نے ان دونوں کے پیچھے کسی کو بھیجا اور ان کو دودھ پلایا جس سے ان کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو ان دونوں پر غصہ نہیں آیا تھا۔

تشریح

"اَنَّ الْيَهُوْدَ" عورتوں کے حیض اور ماہواری کے بارے میں یہود و نصاریٰ نے افراط تفریط سے کام لیا ہے یہود نے اس بیماری کی حالت

میں عورتوں سے سوشل بائیکاٹ کیا اور عورتوں کو الگ مکان میں بسایا ان کا کھانا الگ، برتن الگ، کپڑا الگ، ان کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا، نہ ان سے میل جول رکھنے کو جائز سمجھا، جس طرح آج کل بعض یہود قوموں میں پردہ کا رواج ہے لیکن وہ ایسا پردہ ہے کہ کوئی انسان حتی کہ اس کا شوہر بھی اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا ہے پورا جسم کپڑوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے شوہر اگر ان سے جماع کرنا چاہتا ہے تو اس کی شلوار میں سامنے کی طرف سے سوراخ کر کے جماع کرتا ہے کپڑوں کو اس کے جسم سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہود کے اس افراط کے مقابلے میں نصاریٰ نے تفریط سے کام لیا اور حیض کے ایام میں عورتوں سے جماع کرنا شروع کر دیا، جب اسلام کے عادلانہ نظام میں اعتدال پر مبنی نظام قائم ہو گیا تو عورتوں کے ایام میں یہود کی طرح نہ تو گھر سے نکال کر ان سے سوشل بائیکاٹ کیا گیا اور نہ نصاریٰ کی طرح جماع کو جائز کیا بلکہ یہود کے تشدد کو چھوڑ کر حائضہ عورتوں سے میل جول رکھا اور نصاریٰ کی نرمی کو چھوڑ کر جماع کرنے کو حرام کہہ دیا۔

زیر بحث حدیث میں اسی مسئلہ سے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جماع کے علاوہ باقی بوس و کنار کرو یہود کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے یہ تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے جب صحابہ نے یہود کا یہ معاندانہ کلام سنا تو حضرت اُسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر دونوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ کیا ہم یہود کو جلانے کے لئے جماع شروع نہ کریں تو "اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ" اَفَلَا نُبَاشِرُهُنَّ بِالْوَطْیِ کے معنی میں ہے ابوداؤد شریف میں یہ الفاظ ہیں اَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ یعنی کیا ہم ان عورتوں سے جماع شروع نہ کریں؟ صرف مکان میں اکٹھا رکھنا مراد نہیں "فَقَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا" وَجَدَ يَجِدُ مَوْجِدَةً سے غضب اور غصہ کے معنی میں ہے آنحضرت کا چہرہ انور غصہ سے متغیر ہوا کیونکہ ان صحابہ نے یہود کی مخالفت میں اعتدال سے تجاوز کیا اور شرعاً حرام فعل کے کرنے کی خواہش ظاہر کی حالانکہ "امت مسلمہ" امت معتدلہ ہے جو افراط تفریط سے بیزار اور پاک ہے، یہ صحابہ آنحضرت کی مجلس سے چلے گئے لوگوں نے خیال کیا کہ آنحضرت ان پر ناراض ہیں مگر دودھ پیش کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ناراض نہیں تھے۔

بَابُ الْمَذْيِ

مذی کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۶۹۵ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَهُشَيْمٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ مُنْذِرِ بْنِ يَعْلَى - وَيُكْنَى أَبَا يَعْلَى - عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً وَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: "يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ".

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں بہت مذی والا تھا (میری مذی بہت نکلتی تھی) مجھے اس بارے میں حضور ﷺ سے پوچھنے پر حیاء مانع تھی کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھی تو میں نے مقداد بن اسودؓ سے مذی کے متعلق سوال کرنے کو کہا تو انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اپنے ذکر کو دھو دیا کرو اور وضو کر لیا کرو۔

تشریح

''کُنتُ رَجلاًمَذَّاءً'' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ مذی آتی تھی۔

مَذَّاءً: مذی سفید پانی کی طرح ایک سیال مادہ ہے جو ملاعبتِ زوجہ محبوب کی وجہ سے یا تذکرۂ جماع کے وقت شوق شہوت کی وجہ سے خارج ہوتا ہے۔ مذی کے خروج سے صرف وضوٹوٹ جاتا ہے اس لئے وضو واجب ہے اور غسل واجب نہیں ہوتا اس مسئلہ میں تو سب کا اتفاق ہے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ وضو کے وقت کتنی مقدار ذکر کا دھونا ضروری ہے جمہور کے ہاں موضع النجاسۃ کی مقدار دھونا ضروری ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں پورے ذکر کا دھونا ضروری ہے، امام مالکؒ ذکر مع الانثیین کا دھونا ضروری قرار دیتے ہیں۔

امام مالکؒ نے ابوداؤد شریف کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں مذاکیر اور انثیین کا ذکر آیا ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ''وَاغسِلْ ذَکَرَکَ'' کے الفاظ آئے ہیں اور ذکر کا اطلاق پورے ذکر پر ہوتا ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ اصل قاعدہ وقانون نجاست کے ازالہ کا ہے تو جہاں نجاست ہے وہاں تک دھونا واجب ہے، اس سے زائد کا ذکر اگر آیا ہے یا انثیین کا ذکر آیا ہے تو وہ علاجاً اور تبریداً ہے کہ زیادہ پانی ڈالنے سے ٹھنڈک آتی ہے جس سے مذی کا مادہ نکلنا بند ہو جاتا ہے یہ حکم بطور مسئلہ نہیں بلکہ بطور علاج ہے یا یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔

لِمَکَانِ اِبنَتِہٖ: یعنی فاطمہ میرے نکاح میں تھی اب آنحضرت ﷺ کے سامنے مذی، منی اور ودی جیسے پوشیدہ اشیاء کے ذکر کرنے سے حیاء مانع تھی اس حدیث کے اس جملہ سے ایک لطیف اخلاقی تعلیم ملتی ہے کہ داماد کو سسر کے سامنے شہوت سے متعلق باتوں کا چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔

فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ: یعنی میں نے حضرت مقداد سے عرض کیا کہ یہ مسئلہ آپ معلوم کریں۔

سوال: یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس حدیث اور دوسری احادیث میں تعارض ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت مقدادؓ سے سوال کرنے اور مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کہا، مگر ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمار کے ذریعہ مسئلہ پوچھوایا، تیسری روایت میں ہے کہ حضرت علی نے خود مسئلہ پوچھا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے مجلس میں ذکر کیا تو حضرت مقداد نے بھی پوچھا اور مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرت عمارؓ نے بھی پوچھا تو روایتیں دو ہو گئیں اور حضرت علیؓ نے ابتدا میں بوجہ حیاء بالواسطہ پوچھا پھر اطمینان حاصل کرنے کے لئے بغیر واسطہ خود پوچھا یا یوں کہیں کہ بعد میں حضرت علیؓ نے سوچا کہ دینی مسائل میں اگر یہ حیاء مانع بن گئی تو بہت سارے مسائل کا نقصان ہو جائے گا اس لئے بعد میں خود پوچھا کیونکہ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِ مِنَ الْحَقِّ'' حکم ہے۔

۶۹۶ - وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ حَبِیبٍ الْحَارِثِیُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - یَعْنِی ابْنَ الْحَارِثِ - حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ أَخْبَرَنِی سُلَیْمَانُ قَالَ: سَمِعْتُ مُنْذِرًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ عَلِیٍّ أَنَّہُ قَالَ: اسْتَحْیَیْتُ أَنْ أَسْأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الْمَذْیِ مِنْ أَجْلِ فَاطِمَۃَ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَہُ فَقَالَ: ''مِنْہُ الْوُضُوءُ''.

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے شرم آتی تھی کہ آپ ﷺ سے مذی کے بارے میں پوچھوں حضرت فاطمہؓ کی وجہ سے۔ تو

میں نے حضرت مقداد بن اسودؓ کو کہا: تو انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا حضور ﷺ نے جواب دیا مذی سے وضوء واجب ہوتا ہے۔

۶۹۷ - وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالاَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ: عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَرْسَلْنَا الْمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ الْمَذِيِّ يَخْرُجُ مِنَ الإِنْسَانِ كَيْفَ يَفْعَلُ بِهِ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "تَوَضَّأْ وَانْضَحْ فَرْجَكَ".

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت مقداد بن اسودؓ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا تو انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کسی شخص کو مذی آجائے تو وہ کیا کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضوء کرے اور عضو مخصوص کو دھو دیا کرے۔''

بَابُ غَسْلِ الْوَجْهِ وَالْيَدَيْنِ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ النَّوْمِ

نیند سے اٹھنے کے بعد منہ ہاتھ دھونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے

۶۹۸ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ نَامَ.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب رات کے وقت نیند سے بیدار ہوتے قضاء حاجت کرتے پھر چہرہ اور ہاتھوں کو دھوتے پھر سو جایا کرتے۔

بَابُ جَوَازِ نَوْمِ الْجُنُبِ وَاسْتِحْبَابِ الْوُضُوءِ لَهُ

جنب کے سونے کا جواز اور وضو کے مستحب ہونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دس احادیث کو بیان کیا ہے

۶۹۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالاَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلاَةِ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ کرتے تو سونے سے پہلے وضوء کر لیا کرتے جیسے نماز کے لئے وضوء کیا کرتے تھے۔

تشریح

"تَوَضَّأَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلٰوةِ" اس باب کی احادیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جنبی آدمی کیلئے غسل سے پہلے سونا بھی جائز ہے اور دوبارہ جماع کرنا بھی جائز ہے اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ جنبی آدمی کا بدن اور پسینہ پاک ہے اسی باب کی حدیث ۷۰۵ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے حضرت عائشہؓ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ آنحضرت نے کبھی غسل کیا اور کبھی بغیر غسل کے سو گئے اس پر سائل نے کہا الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں امت پر وسعت فرمادی۔

اب رہ گیا وضو کا مسئلہ کہ آیا جنبی آدمی کے لئے سونے سے پہلے وضو بنانا ضروری ہے یا نہیں؟

تو اہل ظواہر اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے کہ جنبی آدمی کے لئے وضوء بنائے بغیر رات کو سونا جائز نہیں ہے اس باب کی احادیث کے کچھ جملوں سے وہ استدلال کرتے ہیں لیکن جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جنبی آدمی وضو کے بغیر بھی سو سکتا ہے البتہ اس کے استحباب پر جمہور متفق ہیں کہ وضو بنانا مستحب ہے البتہ شاہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ نے فیض الباری میں لکھا ہے کہ جو آدمی ہمیشہ غسل یا وضو کے بغیر جنابت میں ہوتا ہے تو فرشتے اس کے جنازے میں حاضر نہیں ہونگے۔

فتح الملہم میں طبرانی کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے اس میں یہ ہے کہ جنبی آدمی وضو کر کے سوئے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ سوتے میں مرجائے تو جبرئیل امین اس کے پاس حاضر نہیں ہونگے۔

بہر حال اصل مسئلہ یہ ہے کہ سونے سے پہلے غسل کرنا اگرچہ مستحب ہے مگر واجب نہیں ہے پھر سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے مگر واجب نہیں ہے اس کے بعد صرف استنجاء اور ذکر دھونے کے استحباب کا مسئلہ ہے۔

ہاں کھانے سے پہلے جنبی آدمی کو چاہئے کہ وہ وضو بنائے اور وضو بھی کامل و مکمل بنائے جس طرح نماز کا وضو ہے اس باب کی احادیث میں یہی مسائل بیان ہونگے تاہم بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وضو سے لغوی وضو مراد ہے تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز کی طرح کامل وضو بنایا ہے اور کبھی استنجاء کر کے ہاتھ دھو کر لغوی وضو بنا کر کھانا کھایا ہے لہذا کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے۔

۷۰۰ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ وَوَكِيعٌ وَغُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنابت میں ہوتے اور اس حالت میں کھانے، پینے اور سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز جیسا وضوء کر لیتے تھے۔

۷۰۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ: ابْنُ الْمُثَنَّى فِي حَدِيثِهِ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ يُحَدِّثُ.

ابن مثنیٰ نے اپنی روایت حکم اور ابراہیم کے واسطے سے نقل کی ہے۔

۷۰۲- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى - وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ - وَاللَّفْظُ لَهُمَا - قَالَ: ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَقَالَ: أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ - قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ: "نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ".

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یارسول اللہ! کیا کوئی جنابت کی حالت میں سوسکتا ہے فرمایا: ہاں جب وضوء کرلے۔

۷۰۳- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: هَلْ يَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ: "نَعَمْ لِيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَنَمْ حَتَّى يَغْتَسِلَ إِذَا شَاءَ".

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم میں سے کوئی حالت جنابت میں سوسکتا ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ہاں لیکن اسے چاہئے کہ وضوء کرلے اور پھر سوجائے اور پھر جب چاہے غسل کرلے۔

۷۰۴- وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ تُصِيبُهُ جَنَابَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ: لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم "تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ".

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ انہیں رات میں جنابت ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا وضوء کرلو اور عضو مخصوص دھولو اور پھر سوجاؤ۔

۷۰۵- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ وِتْرِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم. فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قُلْتُ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِي الْجَنَابَةِ أَكَانَ يَغْتَسِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ أَمْ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ قَالَتْ: كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ فَنَامَ. قُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.

حضرت عبداللہؓ نے طویل حدیث بیان کی ہے اس میں فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ جنابت کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، غسل کرکے سوجایا کرتے تھے یا غسل سے پہلے ہی سوجاتے۔ انہوں نے فرمایا: دونوں طرح کیا کرتے تھے کبھی تو غسل کرکے سوجاتے اور کبھی صرف وضوء کرتے اور سوجاتے تھے۔ میں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمارے اس معاملے میں گنجائش رکھی۔

۷۰۶- وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ ح وَحَدَّثَنِيهِ هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ جَمِيعًا عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

حضرت ابن وھب نے حضرت معاویہ بن صالحؒ سے بھی اسی سند کے ساتھ سابقہ حدیث ذکر کی ہے۔

۷۰۷- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ ح

وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ كُلُّهُمْ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ". زَادَ أَبُو بَكْرٍ فِي حَدِيثِهِ - بَيْنَهُمَا وُضُوءًا - وَقَالَ: ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُعَاوِدَ.

حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور پھر دوبارہ صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وضوء کرلے۔

۷۰۸ - وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ - يَعْنِي ابْنَ بُكَيْرٍ الْحَذَّاءَ - عَنْ شُعْبَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہراتؓ میں سے ایک ہی غسل سے کئی سے فارغ ہوجاتے۔

تشریح

"يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ" یہاں یطوف سے جماع مراد ہے چونکہ ایک بیوی سے جماع کرکے دوسری کے پاس جانے میں گشت اور چلنے کی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کو یطوف کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

سوال: اس حدیث پر بظاہر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ قسم اور باری مقرر کرنے کے احکام میں یہ ہے کہ باری مقرر کرنے کے لئے کم از کم ایک دن کا وقت ہے اس سے کم میں باری نہیں ہوسکتی تو سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باری مقرر کرنے کو کیسے ترک کیا اور ایک ہی رات میں کیسے سب کے پاس تشریف لے گئے؟

جواب: اس سوال کے کئی جوابات ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا اگرچہ آپ نے پابندی کی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی مرضی سے ایسا ہوا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس طرح صرف دو واقعے پیش آئے ہیں اور دونوں حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آئے ہیں ایک احرام سے پہلے تھا اور دوسرا منیٰ کے قیام کے دوران یوم عرفہ کے بعد پیش آیا تھا، اس وقت آنحضرت ﷺ حالت سفر میں تھے اور سفر میں باری ختم ہوجاتی ہے بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ گیارہ عورتوں پر دور فرماتے تھے۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے صرف وہ ازواج مطہرات مراد ہیں جو اس وقت گیارہ میں سے زندہ تھیں اور ان سے جماع کیا جاسکتا تھا نیز یہ اشکال بھی بے جا ہے کہ اتنے جماع کی طاقت کس کو ہے؟ کیونکہ حضرت انس سے جب یہ سوال کیا گیا کہ "أَوَ يُطِيقُهُ" کیا آنحضرت ﷺ اس کی طاقت رکھتے تھے تو جواب میں حضرت انسؓ نے فرمایا: "ہم آپس میں گفتگو کرتے رہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو تیس اہل جنت کی طاقت دی گئی تھی۔" اور حضرت معاذؓ کی روایت میں چالیس اہل جنت کا ذکر ہے اور ایک جنتی کی طاقت سو آدمیوں

کے برابر ہوگی تو اس اعتبار سے یہ چار ہزار آدمی بنتے ہیں اس پس منظر میں کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نو بیویوں پر قناعت کر کے صبر کا ایک نمونہ قائم کیا ہے۔

"بِغُسْلٍ وَاحِدٍ" ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت نے ہر جماع کے بعد غسل کیا ہے اور پھر فرمایا "هٰذَا أَزْكٰى وَأَحَبُّ وَأَطْهَرُ" معلوم ہوا دونوں عمل ثابت اور جائز ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی کثرت ازواج کی حکمت اور سوال وجواب پر کلام انشاء اللہ کتاب النکاح میں ہوگا اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے۔ آمین

بَابُ وُجُوْبِ الْغُسْلِ عَلَى الْمَرْأَةِ بِخُرُوْجِ الْمَنِيِّ مِنْهَا

عورت سے منی نکل جائے تو اس پر غسل فرض ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

۷۰۹ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ: قَالَ: إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ - وَهِيَ جَدَّةُ إِسْحَاقَ - إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: لَهُ وَعَائِشَةُ عِنْدَهُ يَا رَسُولَ اللهِ! اَلْمَرْأَةُ تَرَى مَا يَرَى الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَتَرَى مِنْ نَفْسِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ مِنْ نَفْسِهِ. فَقَالَتْ: عَائِشَةُ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ فَضَحْتِ النِّسَاءَ تَرِبَتْ يَمِينُكِ. فَقَالَ: لِعَائِشَةَ "بَلْ أَنْتِ فَتَرِبَتْ يَمِينُكِ نَعَمْ فَلْتَغْتَسِلْ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ إِذَا رَأَتْ ذَاكِ".

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ جو اسحاق بن ابی طلحہ کی دادی ہیں حضور ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور کہا اس وقت حضرت عائشہؓ بھی آپ ﷺ کے پاس تھیں ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول! کیا عورت بھی وہ سب کچھ سونے کے دوران دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے؟ اور وہی چیز اندر سے نکلتے بھی دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے (منی)؟" حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو فرمایا: کہ اے ام سلیم! تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں! تو نے تو عورتوں کو رسواء کر دیا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: کہ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں ہاں ایسا ہوتا ہے اور اے ام سلیم! اگر کوئی ایسا دیکھے تو غسل کرے۔

تشریح

"جاءت ام سلیم" "ام سلیم کا نام "سھلۃ" ہے ان کے والد کا نام "ملحان" ہے ان کا نکاح "مالک بن نضر" سے ہوا تھا وہ حالت شرک میں مر گیا اور حضرت انسؓ کو یتیم اور ام سلیم کو بیوہ چھوڑ گیا اس کے بعد ام سلیم کو ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام بھجوایا ام سلیم نے شرط لگائی کہ تم مسلمان ہو جاؤ میں نکاح کرلوں گی اور یہی اسلام میرا مہر ہو جائے گا چنانچہ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے، ام سلیم نے حضرت انسؓ بن مالک کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا انسؓ کی عمر دس سال تھی ام سلیم نبی اکرم ﷺ کی رضاعی پھوپھی یا رضاعی خالہ تھی ام سلیم نے آنحضرت ﷺ کی بڑی خدمت کی ہے آنحضرت ﷺ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے یہ فاضلات صحابیات میں سے تھیں بڑی مخلوق نے ان سے روایت کی ہے "وَهِيَ جَدَّةُ إِسْحَاقَ" "ام سلیم کا نکاح جب حضرت طلحہ سے ہوا تو اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا

ہوا جس کا نام عبداللہ تھا جو حضرت انسؓ کا سوتیلا بھائی تھا اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اسحاق تھا ام سلیم اسحاق کی دادی تھیں اور حضرت ابوطلحہ اس کے دادا تھے اسی حقیقت کو راوی نے اس روایت میں بیان کیا ہے کہ ام سلیم اسحاق کی دادی تھی لیکن یہاں ایک بہت بڑا مغالطہ لگتا ہے جس سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سند میں اسحاق بن ابی طلحہ کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق ابوطلحہ کا بیٹا ہے حالانکہ اسحاق ابوطلحہ کے بیٹے عبداللہ کا بیٹا ہے تب جا کر ام سلیم دادی اور ابوطلحہ دادا بنتا ہے۔ مسند احمد میں اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ مذکور ہے یہاں صحیح مسلم میں بڑا مبہم لکھا گیا ہے بلکہ سہو ہو گیا ہے۔

"اَلْمَرْأَةُ تَرٰی مَایَرَی الرَّجُلُ فِی الْمَنَامِ" حضرت ام سلیم نے عورت کے احتلام کا مسئلہ معلوم کیا کہ آیا اس پر احتلام کے بعد غسل ہے یا نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ عورتیں مردوں کی طرح انسان ہیں ان پر مردوں کی طرح غسل ہے بشرطیکہ منی کا پانی دیکھ لیں۔ اس موقع پر حضرت ام سلمہؓ موجود تھیں آپ نے بطور استفہام پوچھا کہ یارسول اللہ کیا عورتوں کو احتلام ہوتا ہے؟ آنحضرت نے جواب میں فرمایا کہ تیرا ہاتھ خاک آلود ہو جائے اگر عورت کا نطفہ نہیں ہے تو پھر بچہ عورت کے مشابہ کیوں ہوتا ہے اس موقع پر حضرت عائشہؓ بھی تھیں زیر بحث حدیث میں اس نے اس پوری گفتگو سے حضرت ام سلیم کو عتاب کا نشانہ بنایا ہے جس کا جواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انداز ے سے دیا زیر بحث حدیث میں حضرت عائشہؓ کا قصہ ہے اگلی روایتوں میں ام سلمہ کا ذکر ہے یہاں راوی نے حضرت عائشہؓ کے قول کے بارے میں کہا کہ "قَوْلُهَا تَرِبَتْ یَمِیْنُکِ خَیْرٌ" یعنی یہ جملہ اگر چہ واضع نے بدعا کے لئے وضع کیا ہے کہ تیرا ہاتھ خاک آلود ہو جائے یعنی غریب وفقیر مفلس ہو جائے لیکن یہ بددعا کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ شر کے بجائے خیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس طرح اردو میں تعجب اور پیار کے موقع پر کہتے ہیں "تیرا ناس ہو" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ پر نکیر اس لئے کیا کہ حضرت عائشہ نے سمجھ بوجھ کر ایک حقیقت کا انکار کیا اور پھر بددعا کا جلد استعمال کیا اگر چہ یہ جملہ بددعا کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے مگر واضع نے بددعا کے لئے وضع کیا ہے جس طرح عرب بولتے ہیں فَاتَلَهُ اللّٰهُ مَا اَشْجَعَهُ، وَیْلُ اُمِّهِ، لَا اُمَّ لَهُ، ثَکِلَتْهُ اُمُّهُ، لَا اَبَ لَکَ، یہ الفاظ تعجب وانکار اور زجر وتوبیخ کے موقع پر عرب بولتے ہیں مگر اس کی حقیقت کا ارادہ نہیں کرتے ہیں۔

"فَضَحْتِ النِّسَاءَ" یعنی احتلام کے بارے میں تم نے جو سوال کیا اس سے تم نے عورتوں کو رسوا کیا کیونکہ عورتوں کے احتلام کا معاملہ مردوں پر ظاہر کرنے سے عورتوں کی رسوائی ہوئی یہ عورتوں کا ایک پوشیدہ معاملہ تھا جس سے مرد آگاہ نہیں تھے۔

سوال: ام سلمہ نے انتہائی حیرت وتعجب اور استفہام انکاری کے انداز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے کہ کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ ایک واضح حقیقت سے حضرت ام سلمہؓ نے کیسے انکار کیا؟

جواب: اس سوال کے علماء نے کئی جوابات دیئے ہیں۔

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ صفاء باطن کی وجہ سے امہات المؤمنین کو احتلام کا عارضہ پیش نہیں آتا تھا اس لئے انہوں نے انکار کیا۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ احتلام کی صورت میں خواب میں شیطان انسان کی صورت میں متشکل ہو کر آتا ہے اور مرد یا عورت کو ورغلاتا ہے اور شیطان آنحضرت کی شکل وصورت بنا کر خواب میں نہیں آسکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انسان کا ازواج

مطہرات کے پاس خواب میں آنا ممکن نہیں تھا اس لئے ازواج مطہرات احتلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں تھیں اس لئے ام سلمہ نے اس کا انکار کیا لیکن ام سلیم اس حقیقت سے آگاہ تھیں تو سوال کیا۔

ان دونوں جوابوں پر یہ اعتراض ہے کہ یہ جوابات تب صحیح ہونگے کہ ازواج مطہرات پر جاہلیت کا کوئی دور نہیں گزرا ہو یا انہوں نے پہلے کسی شوہر سے نکاح نہ کیا ہو حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے تو جاہلیت کے زمانہ میں احتلام نہ ہونے کی کیا گارنٹی تھی۔ نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ احتلام صرف شیطان کے متشکل ہوکر آنے سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی تھکاوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی طویل سفر کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی زخمی ہونے سے ہوتا ہے کبھی زیادہ کھانے سے ہوتا ہے کبھی نطفہ کے بڑھ جانے سے ہوتا ہے لہذا مذکورہ دونوں جوابات کمزور ہیں۔

(۳) تو اصل جواب یہ تیسرا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ام سلمہؓ نے احتلام کا جو انکار کیا ہے وہ اصل میں عورتوں کے اس عیب کو چھپانا چاہتی تھیں کہ عورتوں کو احتلام نہیں ہوتا اس لئے کہا کہ ام سلیم ویسے فرضی باتوں کا پوچھتی ہیں عورتوں کو کہاں احتلام ہوتا ہے حضرت عائشہ نے ام سلیم پر جو نکیر فرمائی ہے کہ تم نے عورتوں کے اس پوشیدہ راز کو فاش کر کے عورتوں کو رسوا کر دیا یہ بھی ام سلمہ کی تائید میں عورتوں کے اس پوشیدہ عیب کے چھپانے کی کوشش تھی اسی لئے آنحضرت ﷺ نے سخت لہجہ میں جواب دیا ہے کہ ''تربت یداک'' یعنی تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہو جائیں اگر عورتوں کا نطفہ نہیں ہے اور احتلام نہیں ہوتا تو پھر بچہ کبھی عورت کے مشابہ کیوں آتا ہے اس ضمن میں قدیم زمانہ کے ان اطباء پر بھی واضح رد ہو گیا جن کی رائے یہ تھی کہ نطفہ صرف مرد میں ہوتا ہے عورتوں کا نطفہ نہیں ہوتا ہے۔

بہر حال ام سلیم کو آنحضرت نے احتلام کی صورت میں غسل کرنے کا حکم دیدیا تو تمام عورتوں کے لئے یہی حکم ہے۔

۷۱۰ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ حَدَّثَتْ أَنَّهَا سَأَلَتْ نَبِيَّ اللهِ ﷺ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ ''إِذَا رَأَتْ ذٰلِكِ الْمَرْأَةُ فَلْتَغْتَسِلْ''. فَقَالَتْ: أُمُّ سُلَيْمٍ وَاسْتَحْيَيْتُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَتْ: وَهَلْ يَكُونُ هٰذَا فَقَالَ: نَبِيُّ اللهِ ﷺ ''نَعَمْ فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ إِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَبْيَضُ وَمَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيقٌ أَصْفَرُ فَمِنْ أَيِّهِمَا عَلَا أَوْ سَبَقَ يَكُونُ مِنْهُ الشَّبَهُ''.

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے ان سے فرمایا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر عورت خواب میں وہی کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عورت اس طرح کچھ دیکھے تو غسل کرلیا کرے۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا مجھے بڑی حیاء آئی اور انہوں نے تعجب سے کہا کہ کیا عورت کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! ورنہ بچہ کے اندر ماں کی مشابہت کہاں سے آتی بے شک مرد کی منی گاڑھی اور سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی اور زرد ہوتی ہے دونوں میں سے جو بھی غالب آجاتی ہے تو اسی کی مشابہت بچہ میں آجاتی ہے۔

تشریح

''وھل یکون ھذا'' یعنی کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟

یہ ام سلمہ کی طرف سے اسی حقیقت کو چھپانے کی کوشش ہے۔

"غلیظ ابیض" یعنی جب مرد صحت مند ہو تو اس کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے اور عورت کی پتلی پیلی ہوتی ہے مرد کی پیٹھ سے اچھل کر پے در پے نکل آتی ہے جس میں لذت ہوتی ہے اور نکلنے کے بعد جسم میں فتور آتا ہے عورت کی چھاتی سے نکل کر آتی ہے منی میں تین خصوصیات ہیں اول یہ کہ شہوت سے اچھل کر نکلنے کے بعد فتور آجائے دوم یہ کہ اس میں رائحہ ہو آٹے کی طرح یا کیلے کی طرح یا کھجور کے گابھے کی طرح سوم یہ کہ اچھلنے میں کئی بار اچھل کر نکل آئے یہ مردوں کی منی کی خصوصیات اور علامات ہیں۔

"فمن ایھما علا او سبق یکون منه الشبه" یہاں دو الفاظ ایک علا کا لفظ ہے جو غالب ہونے کے معنی میں ہے یعنی مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب آگیا کہ عورت کے نطفے کو اپنے اندر مغلوب کر کے رکھ دیا یا اس کا عکس ہو گیا کہ عورت کا نطفہ غالب آگیا دوسرا لفظ "سبق" ہے یعنی مرد کا پانی عورت کے رحم میں پہلے پہنچ گیا یا اس کا عکس ہو گیا کہ عورت کا پانی رحم میں پہلے پہنچ گیا۔

اب مرد اور عورت کے اس پانی کا بچے پر دو اثرات مرتب ہوتے ہیں ایک اثر یہ کہ بچہ یا مذکر آتا ہے اور یا مؤنث بن کر آتا ہے دوسرا اثر یہ کہ بچہ باپ کے مشابہ بن کر آتا ہے یا ماں کے مشابہ بن کر آتا ہے۔

اب زیر بحث حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ جس کا پانی غالب آگیا یا پہلے پہنچ گیا اس کی وجہ سے بچے میں مشابہت آتی ہے اور اس کے بعد حضرت عائشہ کی روایت ۷۱۵ میں ہے کہ جس کا پانی غالب آگیا بچہ اسی کی طرف جاتا ہے۔

شارحین نے اس طرح تشریح کی ہے کہ پانی کا غالب آنا یہ علت ہے بچے کے مشابہ بن کر آنے کے لئے تو جس کا پانی غالب آگیا بچہ اسی کے مشابہ ہو گا اور پانی کا رحم میں پہلے پہنچنے کو شارحین نے بچے کے مذکر اور مؤنث بن کر آنے کے لئے علت قرار دیا ہے تو ماں باپ میں جس کا پانی رحم مادر میں پہلے پہنچ گیا بچہ اسی کے مطابق مذکر یا مؤنث بن کر آئے گا، یہ بہت اچھی تشریح و توجیہ و توضیح ہے لیکن آئندہ آنے والی حضرت ثوبان کی حدیث ۷۱۶ سے یہ تشریح مطابقت نہیں رکھتی ہے جس میں ایک یہودی عالم کے سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے صرف "علا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ پانی کا غالب آنا بچے کے مذکر اور مؤنث بن کر آنے کے لئے علت ہے وہاں "سبق" کا لفظ نہیں ہے۔

اس اشکال کی وجہ سے شارحین انتہائی الجھاؤ کا شکار ہیں کسی نے تو خاموشی اختیار کی ہے گویا یہاں کچھ بھی نہیں ہے اور کسی نے کچھ لکھا ہے مگر دوسرے کو سمجھانے میں کامیاب نہیں ہوئے علامہ قرطبیؒ نے کہا کہ حدیث ثوبان میں جو لفظ "علو" کا استعمال ہوا ہے وہ سبق کے معنی میں ہے لہٰذا بچے کا مذکر و مؤنث بن کر آنا پانی کی سبقت کی وجہ سے ہے جس طرح باقی روایات میں ہے میرے خیال میں ان احادیث کے درمیان اس تضاد و تعارض کو جس نے سمجھا ہے اور پھر سمجھایا ہے وہ علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ ہیں میں پہلے ان کی عبارت نقل کرتا ہوں پھر ترجمہ کرتا ہوں تاکہ مسلک واضح ہو جائے فرماتے ہیں "والسبق الی الرحم علة التذکیر والتانیث والعلو علة شبه الاعمام والاخوال ویخرج من مجموع ذلک ان الاقسام اربعة:

(۱) ان سبق ماء الرجل وعلا (ای غلب) اذکر واشبه الولد اعمامه۔

(۲) وان سبق ماء المرأة وعلا (ای غلب) آنث واشبه الولد اخواله۔

(۳) وان سبق ماء الرجل وعلا ماءها اذکر واشبه الولد اخواله۔

(۴) وان سبق ماء المرأة وعلا ماءه آنث واشبه الولد اعمامه۔

یعنی رحم مادر میں پانی کا پہلے پہنچنا مذکر یا مؤنث ہونے کی علت ہے اور پانی کا غالب آنا چچاؤں یا ماموؤں کے ساتھ مشابہت کی علت ہے تو مجموعی اعتبار سے یہاں چار صورتیں بنتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اگر مرد کا پانی رحم میں بھی پہلے پہنچ گیا اور عورت کے پانی پر غالب بھی آ گیا تو بچہ لڑکا ہوگا اور چچاؤں کے مشابہ ہوگا۔

(۲) اور اگر عورت کا پانی رحم میں بھی پہلے پہنچ گیا اور مرد کے پانی پر غالب بھی آ گیا تو بچہ لڑکی ہوگی اور ماموؤں کے مشابہ ہوگی۔

(۳) اور اگر مرد کا پانی رحم مادر میں پہلے پہنچ گیا مگر عورت کا پانی اس پر غالب آ گیا تو بچہ لڑکا ہوگا لیکن ماموؤں کے مشابہ ہوگا۔

(۴) اور اگر عورت کا پانی رحم میں پہلے پہنچ گیا مگر مرد کا پانی اس پر غالب آ گیا تو بچہ لڑکی ہوگی لیکن چچاؤں کے مشابہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ رحم میں پانی کا پہلے پہنچنا تذکیر و تانیث پر اثر انداز ہوجاتا ہے اور پانی کا غالب ہوجانا مشابہت پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۷۱۱- حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا أَبُو مَالِكٍ الأَشْجَعِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ فِي مَنَامِهِ فَقَالَ: "إِذَا كَانَ مِنْهَا مَا يَكُونُ مِنَ الرَّجُلِ فَلْتَغْتَسِلْ".

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے رسول ﷺ سے عورت کے بارے میں سوال کیا اگر وہ بھی خواب میں ایسی چیز دیکھے جس طرح مرد دیکھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر عورت سے بھی وہی چیز خارج ہوجائے جو مرد سے ہوتی ہے تو اسے چاہئے کہ غسل کرلے۔

۷۱۲- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ". فَقَالَتْ: أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ فَقَالَ: "تَرِبَتْ يَدَاكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا".

حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ ام سلیم ؓ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور کہا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل حق بات سے حیاء نہیں کرتے کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے اگر عورت کو احتلام ہوجائے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اسی کی وجہ (منی) سے ہی تو بچہ عورت کے مشابہہ ہوتا ہے۔

۷۱۳- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ جَمِيعاً

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَ مَعْنَاهُ وَزَادَ قَالَتْ: قُلْتُ فَضَحْتِ النِّسَاءَ.

سابقہ روایت کے ہم معنیٰ روایت اس سند سے بھی منقول ہے صرف اتنا اضافہ ہے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا: تونے عورتوں کو رسواء کر دیا۔

۷۱۴ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ أُمَّ بَنِي أَبِي طَلْحَةَ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. بِمَعْنَى حَدِيثِ هِشَامٍ غَيْرَ أَنَّ فِيهِ قَالَ: قَالَتْ: عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا أُفٍّ لَكِ أَتَرَى الْمَرْأَةُ ذٰلِكِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام سلیمؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں باقی اس روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر کیا عورت ایسا دیکھتی ہیں۔

۷۱۵ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ وَسَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ وَأَبُو كُرَيْبٍ - وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ - قَالَ: سَهْلٌ حَدَّثَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ مُسَافِعِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ هَلْ تَغْتَسِلُ الْمَرْأَةُ إِذَا احْتَلَمَتْ وَأَبْصَرَتِ الْمَاءَ فَقَالَ: "نَعَمْ". فَقَالَتْ: لَهَا عَائِشَةُ تَرِبَتْ يَدَاكِ وَأُلَّتْ. قَالَتْ: فَقَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "دَعِيهَا وَهَلْ يَكُونُ الشَّبَهُ إِلاَّ مِنْ قِبَلِ ذٰلِكِ إِذَا عَلاَ مَاؤُهَا مَاءَ الرَّجُلِ أَشْبَهَ الْوَلَدُ أَخْوَالَهُ وَإِذَا عَلاَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَهَا أَشْبَهَ أَعْمَامَهُ".

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کیا عورت پر بھی غسل ہے؟ اگر اسے احتلام ہو جائے اور منی دیکھ لے آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں حضرت عائشہؓ نے فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اور اسلحہ سے کاٹ دیئے جائیں حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اسے رہنے دو عورت کی منی کی وجہ ہی سے تو بچہ میں اس کی ماں کی مشابہت آتی ہے۔ جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آجاتی ہے تو بچہ اپنے ننھیال والوں کے مشابہہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنے ددھیال والوں کے مشابہہ ہوتا ہے۔

تشریح

"اذا ابصرت الماء" یعنی خواب دیکھنے کے بعد جب صبح جسم یا بستر پر نطفہ کا پانی دیکھ لے تو پھر اس عورت پر غسل واجب ہے اور اگر پانی نہیں دیکھا صرف خواب دیکھا تو اس پر غسل نہیں ہے یہاں عورتوں سے متعلق یہ سوال وجواب آیا ہے لیکن یہ مسئلہ عورتوں اور مردوں کے لئے عام ہے جمہور علماء کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ کسی شخص نے خواب کے بعد اگر صبح منی دیکھ لی تو غسل واجب ہے اور اگر نہیں دیکھا تو کچھ بھی نہیں ہے مگر ائمہ احناف کے نزدیک اس میں اس طرح تفصیل ہے۔

احتلام کی صورتیں:

اگر احتلام کے بعد نیند سے اٹھنے کے بعد اس شخص نے نہ تو منی دیکھی نہ کوئی اور تری نظر آئی تو اس صورت میں غسل نہیں ہے اور اگر کچھ خارج

ہوا ہے اور تری نظر آئی ہے تو پھر چند صورتیں ہوں گی۔

① اس شخص کو یقین آ گیا کہ یہ منی ہے۔　② یا یقین آ گیا کہ مذی ہے۔　③ یا یقین آ گیا کہ ودی ہے۔

پھر یقین کی ان تینوں صورتوں میں اس شخص کو احتلام یاد ہو گا یا احتلام یاد نہیں ہو گا تو یقین کی یہ چھ صورتیں بن گئیں ان میں تین صورتوں میں غسل ہے اور تین میں نہیں ہے وہ اس طرح کہ اس شخص کو یقین ہے کہ منی ہے تو احتلام یاد ہو یا بھول گیا ہو غسل واجب ہے۔ یہ دو صورتیں ہو گئیں یا یقین ہے کہ یہ ودی ہے تو احتلام یاد ہو یا بھول گیا ہو اس میں غسل واجب نہیں ہے یا یقین ہے کہ یہ مذی ہے تو اس میں اگر احتلام یاد ہے تو غسل واجب ہے اگر یاد نہیں ہے تو کچھ نہیں تو منی کی دو صورتوں اور مذی کی ایک صورت ان تینوں صورتوں میں غسل ہے اور ودی کی دو صورتوں اور مذی کی ایک صورت، ان تینوں میں غسل نہیں ہے۔

اب اگر شک کی صورت ہو تو اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ:

① اس میں شک ہے کہ یہ منی ہے یا مذی ہے۔　② اس میں شک ہے کہ یہ منی ہے یا ودی ہے۔　③ اس میں شک ہے کہ یہ مذی ہے یا ودی ہے۔　④ منی مذی ودی تینوں میں ایک ساتھ شک ہے تو شک کی کل چار صورتیں بن گئیں۔

اب ان چاروں صورتوں میں احتلام یاد ہو گا یا نہیں تو کل آٹھ صورتیں ہو گئیں ان میں احتلام یاد ہونے کی صورت میں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل چاروں صورتوں میں واجب ہے اور احتلام یاد نہ ہونے کی چاروں صورتوں میں غسل نہیں ہے۔

شک اور یقین کی یہ سب چودہ صورتیں بن گئیں سات میں غسل واجب ہے اور سات میں نہیں ہے۔ یہ تفصیل احناف کے ہاں ہے باقی ائمہ کے ہاں اگر منی ہے تو غسل ہے ورنہ نہیں ہے مزید تفصیل نہیں ہے حدیث میں بھی تفصیل نہیں ہے۔

"اف لک" اس حدیث سے اوپر والی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اُفٍ کا لفظ استعمال کیا ہے یہ لفظ انتہائی احتقار اور انکار کے وقت استعمال کیا جاتا ہے یہاں صرف انکار کے طور پر بولا گیا ہے۔

اف کا لفظ اصل میں ناخنوں کے درمیان میل کچیل کو کہتے ہیں گویا تحقیر ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اف میں دس لغات ہیں انہوں نے سب کو ذکر بھی کیا ہے۔

اس لفظ سے بھی پہلے ایک لفظ حضرت ام سلمہ نے استعمال کیا ہے وہ "وتحتلم المرأة" کا لفظ ہے وہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے "او تحتلم المرأة" یعنی کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟

"والت" اس لفظ میں ہمزہ پر ضمہ ہے لام پر شد اور فتحہ ہے اور تا پر سکون ہے تانیث کے لئے ہے اس کا مادہ اَلَّ ہے تو مطلب یہ ہے کہ تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہو جائیں اور اس کو الہ جارحہ لگ جائے عرب جب بددعا دیتے ہیں تو اکثر ہاتھوں اور انگلیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت حسانؓ نے قاتل حمزہ وحشی بن حرب کے بارے میں کہا "شلت یداوحشي من قاتل" یہاں الت کا معنی زخمی ہونا ہے اور اگر الت کو الٹ کہدو تو بھی معنی درست ہو گا کہ تیرا ہاتھ الٹ جائے یہ ذوقیہ معنی ہے لغویہ نہیں ہے اردو ہے عربی نہیں ہے۔

باب بیان صفۃ منی الرجل والمرأۃ وان الولد مخلوق من مائھما

مرد و عورت کی منی کا تعارف اور یہ کہ بچہ دونوں کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۷۱۶- حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ - وَهُوَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ - حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ - يَعْنِي ابْنَ سَلاَّمٍ - عَنْ زَيْدٍ - يَعْنِي أَخَاهُ - أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَلاَّمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو أَسْمَاءَ الرَّحَبِيُّ أَنَّ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدَّثَهُ قَالَ: كُنْتُ قَائِماً عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَجَاءَ حَبْرٌ مِنْ أَحْبَارِ الْيَهُودِ فَقَالَ: السَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ. فَدَفَعْتُهُ دَفْعَةً كَادَ يُصْرَعُ مِنْهَا فَقَالَ: لِمَ تَدْفَعُنِي فَقُلْتُ أَلاَ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَالَ: الْيَهُودِيُّ إِنَّمَا نَدْعُوهُ بِاسْمِهِ الَّذِي سَمَّاهُ بِهِ أَهْلُهُ. فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِنَّ اسْمِي مُحَمَّدٌ الَّذِي سَمَّانِي بِهِ أَهْلِي". فَقَالَ: الْيَهُودِيُّ جِئْتُ أَسْأَلُكَ. فَقَالَ: لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ "أَيَنْفَعُكَ شَيْءٌ إِنْ حَدَّثْتُكَ". قَالَ: أَسْمَعُ بِأُذُنَيَّ فَنَكَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِعُودٍ مَعَهُ. فَقَالَ: "سَلْ". فَقَالَ: الْيَهُودِيُّ أَيْنَ يَكُونُ النَّاسُ يَوْمَ تُبَدَّلُ الأَرْضُ غَيْرَ الأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "هُمْ فِي الظُّلْمَةِ دُونَ الْجِسْرِ". قَالَ: فَمَنْ أَوَّلُ النَّاسِ إِجَازَةً قَالَ: "فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ". قَالَ: الْيَهُودِيُّ فَمَا تُحْفَتُهُمْ حِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَالَ: "زِيَادَةُ كَبِدِ النُّونِ" قَالَ: فَمَا غِذَاؤُهُمْ عَلَى إِثْرِهَا قَالَ: "يُنْحَرُ لَهُمْ ثَوْرُ الْجَنَّةِ الَّذِي كَانَ يَأْكُلُ مِنْ أَطْرَافِهَا". قَالَ: فَمَا شَرَابُهُمْ عَلَيْهِ قَالَ: "مِنْ عَيْنٍ فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلاً". قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: وَجِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنْ شَيْءٍ لاَ يَعْلَمُهُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ إِلاَّ نَبِيٌّ أَوْ رَجُلٌ أَوْ رَجُلاَنِ. قَالَ: "يَنْفَعُكَ إِنْ حَدَّثْتُكَ". قَالَ: أَسْمَعُ بِأُذُنَيَّ. قَالَ: جِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنِ الْوَلَدِ قَالَ: "مَاءُ الرَّجُلِ أَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ أَصْفَرُ فَإِذَا اجْتَمَعَا فَعَلاَ مَنِيُّ الرَّجُلِ مَنِيَّ الْمَرْأَةِ أَذْكَرَا بِإِذْنِ اللهِ وَإِذَا عَلاَ مَنِيُّ الْمَرْأَةِ مَنِيَّ الرَّجُلِ آنَثَا بِإِذْنِ اللهِ". قَالَ: الْيَهُودِيُّ لَقَدْ صَدَقْتَ وَإِنَّكَ لَنَبِيٌّ ثُمَّ انْصَرَفَ فَذَهَبَ. فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "لَقَدْ سَأَلَنِي هَذَا عَنِ الَّذِي سَأَلَنِي عَنْهُ وَمَا لِي عِلْمٌ بِشَيْءٍ مِنْهُ حَتَّى أَتَانِيَ اللهُ بِهِ".

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں جو کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے کہ میں ایک بار آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑا تھا کہ یہودی علماء میں سے ایک عالم آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: السلام علیک یا محمد! میں (ثوبانؓ) نے اس کو ایک زوردار دھکا دیا قریب تھا کہ وہ چاروں شانے چت زمین پر گر جاتا اس نے مجھے کہا تو نے مجھے کیوں دھکا دیا؟ میں نے کہا کیا تو یا رسول اللہ ﷺ نہیں کہہ سکتا؟ اس نے کہا ہم انہیں اس نام سے پکارتے ہیں جو ان کے گھر والوں نے ان کا رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میرے گھر والوں نے میرا نام محمد ﷺ رکھا ہے۔ یہودی نے کہا میں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا! اگر میں تجھے کچھ بتاؤں تو کیا تجھے کچھ فائدہ ہوگا؟ اس نے جواب دیا میں اپنے کانوں سے سن لوں گا (امید ہے کہ کچھ فائدہ ہو جائے) حضور ﷺ نے ایک لکڑی سے زمین کریدی اور فرمایا! پوچھو۔ یہودی نے کہا جس دن یہ زمین دوسری زمین سے اور آسمان دوسرے آسمان سے بدل جائیں گے تو اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! وہ سب پل صراط کے پیچھے اندھیرے میں ہوں گے۔ اس نے کہا سب سے پہلے

کون اس پل سے گزرے گا؟ فرمایا! فقراء مہاجرین۔ یہودی نے کہا جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے انہیں کیا انعام دیا جائے گا؟ فرمایا! مچھلی کے کلیجہ میں سے دیا جائے گا۔ پھر اس نے کہا ان کا ناشتہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت کا بیل ان کے لئے ذبح کیا جائے گا جو جنت کے اطراف میں چرتا رہا ہو اس نے کہا کھانے کے بعد ان کا مشروب کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جنت کے ایک چشمے کا پانی جسے "سلسبیل" کہتے ہیں اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے کہا میں آپ سے ایسا کچھ پوچھنے آیا ہوں جس کے بارے میں روئے زمین پر کوئی نہیں جانتا مگر نبی یا اس کے علاوہ ایک دو افراد (یعنی چند افراد) اس کے بارے میں جانتے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میرا بتانا تجھے کچھ نفع دے گا؟ اس نے کہا میں اپنے کانوں سے سن لوں گا (پھر اس نے سوال کیا) میں آپ سے اولاد کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی منی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پیلی ہوتی ہے پس جب دونوں جمع ہو جائیں پھر اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آ جائے تو باذن اللہ لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آ جائے تو اللہ کے حکم سے لڑکی پیدا ہوتی ہے یہودی نے جواب دیا کہ آپ نے بالکل سچ کہا اور بے شک آپ نبی ہیں پھر وہ مڑا اور چلا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت تو یہ ہے کہ جو باتیں اس نے مجھ سے پوچھیں تو مجھے ان کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا بلکہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے ان باتوں کا علم عطاء کیا۔

تشریح

"حبر من احبار الیھود" یہود کے بڑے عالم کو حبر کہتے ہیں حاء پر زبر اور زیر دونوں جائز ہے حبر سیاہی کو بھی کہتے ہیں مگر وہ صرف حا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

"دفعته" دھکا دینے کے معنی میں ہے "یصرع منه" یعنی قریب تھا کہ اس سے گر جاتا گرتے گرتے بچ گیا۔

"اسمع باذنی" یعنی دونوں کانوں سے سنوں گا اور قبول کرنے کے لئے سوچوں گا "فی ظلمة" یعنی پل صراط پر چڑھنے سے کچھ پہلے ایک اندھیری جگہ میں ہونگے آئندہ حضرت عائشہ کی روایت میں علی الصراط کا لفظ ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ مختلف احوال کا ذکر ہو اصل حقیقت یہی ہے کہ دنیا کی زمین سے ہٹ کر لوگ اس وقت پل صراط پر ہونگے۔

"تحفتهم" تحفہ اس ہدیہ کو کہتے ہیں جو کوئی شخص کسی کو خصوصی طور پر بطور اکرام دیدے زیر نظر شرح تحفۃ المنعم شرح صحیح مسلم کا مطلب بھی یہی ہے اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم نوازی ہے کہ بندہ عاجز کو نبی پاک ﷺ کے فرامین سمجھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

"زیادة کبد النون" نون ایک قسم کی بڑی مچھلی کو کہتے ہیں کبد جگر کو کہتے ہیں اور زیادۃ اور زائدۃ دونوں کا معنی جگر کی ایک طرف مراد ہے جو لذیذ تر ہوتی ہے "ثور" بیل کو کہتے ہیں شاید یہ مچھلی وہی ہو جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تھا اور بیل سے مراد وہ بیل ہو جس کی پیٹھ پر دنیا کھڑی ہے علامہ الابی المالکی لکھتے ہیں کہ ذرا سوچ لو یہ وہی بیل تو نہیں ہے جس کی پیٹھ پر دنیا کھڑی ہے گو کسی صحیح طریق سے یہ قصہ ثابت نہیں ہے لیکن ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ علماء تاریخ کا کہنا ہے کہ زمین ایک سخت چٹان پر کھڑی پڑی ہے اور یہ سخت چٹان ایک عظیم فرشتے کے کندھوں پر ہے اور یہ فرشتہ ایک مچھلی پر کھڑا ہے اور مچھلی پانی پر قائم ہے اور پانی ہوا پر قائم ہے اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قائم ہے۔
(ابی ج ۲ ص ۱۵۴)

شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی میں سورت نون کی پہلی آیت کی تفسیر میں اس طرح بہت کچھ لکھا ہے گویا یہ غیر ثابت بھی ہوسکتا ہے لیکن کاملاً اس کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ کے کارخانہء عالم پر فرشتے ہر جگہ کارندے ہیں اس میں نہ کوئی شرک ہے نہ فساد عقیدہ ہے "یاکل من اطرافھا" یعنی یہ بیل جنت کی چراگاہوں میں دور دراز اطراف میں چر کر خوب موٹا ہوگیا ہے علامہ ابی مالکی کہتے ہیں کہ یہ وہ بیل نہیں ہے جس کے اوپر زمین کھڑی ہے کیونکہ یہ تو جنت میں چر رہا ہے۔

"اسألک عن الولد" علامہ ابی مالک فرماتے ہیں کہ یہ یہودی چونکہ عالم تھا تو علم کی وجہ سے اس میں سوال کا سلیقہ تھا اور انتہائی بردبار اور ہوشیار تھا اس نے عالمانہ سوال کیے ہیں ان کا دوسرا سوال بچے کی پیدائش سے متعلق ہے کہ بچہ کبھی باپ اور کبھی ماں کی طرف جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے آنحضرت ﷺ نے وحی آنے کے بعد جواب دیا جس سے یہودی کو اطمینان ہوگیا کہ یہ اپنی طرف سے بات نہیں کرتے ہیں بلکہ نبی ہیں وحی کا انتظار کر کے بتاتے ہیں "اذکرا" یعنی بچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مذکر بن کر آتا ہے۔

"آنثا" یعنی بچہ مؤنث بن کر آتا ہے یہاں دونوں جگہوں میں "علا" کا لفظ سبق کے معنی میں ہے جس کا تعلق تذکیر و تانیث سے ہے پہلے تفصیل گذر چکی ہے۔

۷۱۷- وَحَدَّثَنِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَالَ: زَائِدَةُ كَبِدِ النُّونِ. وَقَالَ: أَذْكَرَ وَآنَثَ. وَلَمْ يَقُلْ أَذْكَرَا وَآنَثَا.

یہ روایت اس سند کے ساتھ بھی منقول ہے مگر اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں (حضرت ثوبانؓ) رسول ﷺ کے پاس بیٹھا تھا نیز مزید بھی کچھ الفاظ کی کمی وزیادتی ہے۔

باب صفة غسل الجنابة

غسل جنابت کی کیفیت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۷۱۸- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ حَتَّى إِذَا رَأَى أَنْ قَدِ اسْتَبْرَأَ حَفَنَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہاتے اور شرمگاہ کو دھوتے پھر اسی طرح وضوء فرماتے جس طرح نماز کے لئے وضوء کرتے ہیں پھر پانی

لیکر انگلیوں کو بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے اور جب آپ کو اطمینان ہوجاتا کہ بال تر ہو گئے ہیں تو اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے پھر پورے جسم پر پانی بہاتے اور آخر میں دونوں پاؤں دھوتے تھے۔

تشریح

''اذا اغتسل'' غسل سے متعلق دو باتیں سمجھنا ضروری ہے ایک تو غسل کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے اور دوسری غسل کی کیفیت کو سمجھنا ضروری ہے تو غسل کے کئی اقسام ہیں۔

ایک غسل فرض کے درجہ میں ہے جیسے جماع کے بعد غسل کرنا مرد وعورت دونوں پر فرض ہے حیض ونفاس کے بعد عورت کے لئے غسل کرنا فرض ہے احتلام کے بعد منی دیکھ کر مرد وعورت پر غسل فرض ہے۔

دوسرا غسل واجب ہے جیسے مردوں کو غسل دینا زندوں پر واجب ہے۔

تیسرا غسل سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہے جیسے جمعہ کا غسل ہے۔

چوتھا غسل مستحب ہے جیسے عیدین کا غسل اور حج وعمرہ کے لئے احرام باندھنے کے وقت اور رمی جمرات کے وقت اور اسلام قبول کرنے کے وقت چنانچہ محدثین ابواب باندھنے اور احادیث کی تخریج میں غسل مسنون اور غسل مفروض کا فرق کرتے ہیں مشکوۃ شریف میں اس کے لئے الگ الگ دو ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

صحیح مسلم میں یہاں ان احادیث میں غسل کی کیفیت کا بیان ہے جو واضح تر ہے جس میں کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے شوافع کے نزدیک وضو کے ساتھ پاؤں دھونے کا حکم ہے ''وضوئه للصلوة'' تشبیہ احادیث میں ہے اس سے ایک وہم دور ہوجاتا ہے وہ یہ کہ غسل میں جب پورے بدن پر پانی ڈالا جاتا ہے تو سر اور پاؤں پر پانی آجاتا ہے لہٰذا سر کے مسح کی ضرورت نہیں اور نہ اس وضو میں پاؤں دھونے کی ضرورت ہے اس شبہ کے دور کرنے کے لئے یہ تشبیہ دی گئی ہے کہ باقاعدہ مکمل وضو بنایا گیا تھا لہٰذا مکمل وضو بنانا ہے۔

البتہ غسل سے پہلے اگر کسی نے وضو نہیں بنایا اور پورے بدن پر پانی ڈال کر غسل کیا تو غسل ہوجائے گا مگر یہ عمل خلاف اولیٰ ہے شوافع کے ہاں وضو کے ساتھ پاؤں کا دھونا ہے۔

اسی طرح اگر غسل خانہ کچا ہے اور پانی جمع ہوجاتا ہے تو وضو کے ساتھ پاؤں کو نہ دھونا چاہئے آخر میں گندے پانی سے ہٹ کر پاؤں کو دھونا چاہئے۔ ''قد استبرأ'' استبراء سے مراد یہ ہے کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے ''حفن'' دونوں ہاتھوں سے پانی لیکر لپیں بھر کر سر پر ڈالنے کو حفن کہا گیا ہے ''حفنة'' مفرد ہے اور ''حفنات'' جمع ہے غسل جنابت میں سب سے پہلے اس جنابت کا دھونا اور ہٹانا واجب ہے جو بدن کے کسی حصہ سے جماع کی وجہ سے لگی ہو پھر بہتر یہ ہے کہ پہلے سر کو دھویا جائے پھر دائیں کندھے پر پانی ڈالا جائے پھر بائیں کندھے پر ڈالا جائے پھر پورے بدن پر ڈالا جائے یہ سب استحبابی امور ہیں۔ اس حدیث میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے آئندہ حدیثوں میں اسکی نفی کا ذکر ہے تو اصل بات یہی ہے کہ کامل وضو میں پاؤں کا دھونا شامل ہے لیکن جگہ میں پانی جمع ہونے کی صورت

میں پاؤں کو غسل سے مؤخر کیا گیا ہے وہ ایک عارض کی وجہ سے ہے تعارض نہیں ہے۔

۷۱۹- وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ فِي هَذَا الإِسْنَادِ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِهِمْ غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ.

ہشام سے بھی یہ روایت مروی ہے مگر اس روایت میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں ہے۔

۷۲۰- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَبَدَأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلاَثًا ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ غَسْلَ الرِّجْلَيْنِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے غسل جنابت کیا تو دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا اس روایت میں بھی پاؤں دھونے کا ذکر نہیں ہے۔

۷۲۱- وَحَدَّثَنَاهُ عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ ثُمَّ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِهِ لِلصَّلاَةِ.

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ جب جنابت کا غسل فرماتے تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے پھر نماز والا وضوء کرتے۔

۷۲۲- وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ قَالَتْ: أَدْنَيْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ ثُمَّ أَفْرَغَ بِهِ عَلَى فَرْجِهِ وَغَسَلَهُ بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الأَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلاَةِ ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلاَثَ حَفَنَاتٍ مِلْءَ كَفِّهِ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى عَنْ مَقَامِهِ ذَلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيلِ فَرَدَّهُ.

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میری خالہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا: کہ میں نے رسول ﷺ کے غسل جنابت کے لئے پانی قریب رکھا آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین مرتبہ دھویا پھر برتن میں ہاتھ ڈالا پھر شرمگاہ پر پانی بہایا اور بائیں ہاتھ سے اسے دھویا پھر بائیں ہاتھ کو زمین پر زور سے رگڑا اور اچھی طرح ملا۔ پھر نماز والا وضوء کیا پھر اپنے سر پہ تین چلو پانی ڈالا پھر سارے جسم کو دھویا اس کے بعد اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنے پیروں کو دھویا پھر میں رومال لے کر آئی تو آپ ﷺ نے منع کر دیا۔

۷۲۳- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَالأَشَجُّ وَإِسْحَاقُ كُلُّهُمْ عَنْ وَكِيعٍ ح وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ كِلاَهُمَا عَنِ الأَعْمَشِ بِهَذَا الإِسْنَادِ. وَلَيْسَ فِي

حَدِيثِهِمَا إِفْرَاغُ ثَلاَثِ حَفَنَاتٍ عَلَى الرَّأْسِ وَفِي حَدِيثِ وَكِيعٍ وَصْفُ الْوُضُوءِ كُلِّهِ يَذْكُرُ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ فِيهِ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ ذِكْرُ الْمِنْدِيلِ.

سابقہ روایت اس سند سے بھی منقول ہے مگر اس میں سر پر تین چلو پانی ڈالنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور حضرت وکیعؒ کی روایت میں سارے وضوء کا ذکر ہے اور اس میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر بھی ہے اور حضرت معاویہؓ کی روایت میں رومال کا تذکرہ نہیں ہے۔

۷۲۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ فَلَمْ يَمَسَّهُ وَجَعَلَ يَقُولُ بِالْمَاءِ هَكَذَا يَعْنِي يَنْفُضُهُ.

حضرت میمونہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کپڑا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے نہیں چھوا (یعنی واپس کر دیا) اور پانی کو چھڑکنے لگے۔

تشریح

"دلکاً شدیداً" اس روایت میں غسل کا طریقہ زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس زمانہ میں صابن وغیرہ کا انتظام نہیں تھا اس لئے ہاتھ کی چکناہٹ دور کرنے کے لئے اکثر مٹی سے کام لیا جاتا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی مقصد کے لئے زمین پر ہاتھ مارا اور پھر خوب رگڑ لیا اب غسل میں بدن پر مکمل پانی ڈالنے کے بعد رگڑنے کی شرعی حیثیت کیا ہے تو امام مالکؒ اس کو غسل کے صحیح ہونے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں دیگر فقہاء کرام اس کو افضل کہتے ہیں "بالمندیل فردہ" یعنی بدن پونچھنے کے لئے تولیہ لایا گیا مگر آنحضرت ﷺ نے واپس کر دیا اب سوال یہ ہے کہ وضو اور غسل کے بعد تولیہ استعمال کرنے کی حیثیت کیا ہے تو زیر بحث روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تولیہ واپس کر دیا۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے تولیہ استعمال کرنے کو مکروہ کہا ہے اگرچہ علامہ نوویؒ نے پانچ اقوال بیان کر کے تیسرے قول میں تولیہ کے استعمال کو مباح کہا ہے کہ کوئی استعمال کرے یا نہ کرے کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی ان کے ہاں پسندیدہ قول ہے مگر دیگر فقہاء کے نزدیک تولیہ استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ ایک واضح حدیث ہے کہ **کانت له خرقة یشف بها عند الوضوء وشدة البرد (کذا فی الابی)**"

بہر حال جب دونوں طرف احادیث ہیں تو بہتر تطبیق یہ ہے کہ گرمیوں میں استعمال نہ کیا جائے اور سردیوں میں استعمال کیا جائے اگلی روایت میں "یقول بالماء" یعنی ینفضہ، "قال" کا صیغہ صلہ کے بدلنے کی وجہ سے بدل جاتا ہے "قال بیدہ" اشارہ کرنے کے معنی میں ہے تو یہاں بھی "یقول بالماء ینفض" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۷۲۵ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو عَاصِمٍ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلاَبِ فَأَخَذَ بِكَفِّهِ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ ثُمَّ أَخَذَ بِكَفَّيْهِ فَقَالَ: بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو ''حِلاب'' کے برابر کوئی برتن منگواتے پھر چلو میں پانی لیتے اور سر کے دائیں جانب سے ابتداء کرتے اور پھر بائیں جانب پر اور پھر دونوں ہاتھ بھر کر سر پر ڈالتے۔

تشریح

''نحو الحلاب'' حلاب ح کے کسرہ کے ساتھ دودھ دھونے کے اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ایک اونٹنی کے دودھ کی مقدار آسکتی ہو اس کو محلب بھی کہتے ہیں جس کے میم پر کسرہ ہے یہ بھی اسی برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا دودھ نکالا جاتا ہے ابوعاصم نے کہا کہ ''بانہ اقل من شبر فی شبر'' (صحیح ابوعوانہ) یعنی بالشت بائی بالشت برابر برتن کو کہتے ہیں وفی روایۃ للبیہقی ''کقدر کوز یسع ثمانیۃ ارطال'' ایک کوزہ کی مقدار ہے جس میں آٹھ رطل آسکتے ہیں۔

بہر حال اونٹنی کے دودھ دھونے کی طرف شاعر اس طرح اشارہ کرتا ہے۔

صاحِ هل رأیت براعٍ ردّ فی الضرع ما قریٰ فی الحلاب

یعنی میرے دوست کیا تم نے کسی ایسے چرواہے کو دیکھا ہے جس نے حلاب برتن میں جمع دودھ کو تھنوں میں واپس کر دیا ہو؟

امام بخاری نے ایک باب باندھا ''باب من بدأ بالحلاب و الطیب'' اس میں شارحین حیران ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہ ایک برتن ہوتا ہے جو جانوروں کے دودھ نکالنے کے ساتھ خاص ہوتا ہے اس میں دودھ نکالنے کی وجہ سے ایک خاص خوشبو رہتی ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے غسل کیا ہے امام بخاریؒ نے والطیب کا لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ جب اس برتن کے پانی سے غسل جائز ہوا جس میں لامحالہ دودھ کی خوشبو کی آمیزش ہوتی ہے تو پانی میں خوشبو ڈال کر اس سے غسل کرنا بھی جائز ہو گیا زیر بحث حدیث اس تحقیق کی تائید کرتی ہے دیہاتی لوگ جانتے ہیں کہ یہ برتن کیسا ہوتا ہے ہم نے بارہا اس کو دیکھا ہے یہ چھوٹا سا مٹکا نما برتن ہوتا ہے جو سلور کا ہوتا ہے کبھی مٹی کا بھی ہوتا تھا اس میں چار سیر دودھ آتا ہے یہ قبائلی اصطلاحات ہیں شہری علماء اس کو نہیں جانتے ہیں احادیث میں غسل کے برتن کی مقدار میں مختلف الفاظ آئے ہیں ''فرق'' کا لفظ بھی آیا ہے ''تین امداد'' کا لفظ بھی آیا ہے پانچ مکا کیک کا لفظ بھی آیا ہے ایک صاع کا لفظ بھی آیا ہے۔

''فقال بهما علی رأسه'' اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قال کا معنی صلہ کی تبدیلی کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے یہاں پانی بہانے کے معنی میں ہے أی صب علی رأسه الماء بالیدین۔

باب القدر المستحب من المآء فی الغسل و الوضوء

غسل جنابت اور وضو میں پانی کی مستحب مقدار

اس باب میں امام مسلمؒ نے چودہ احادیث کو بیان کیا ہے

۷۲۶- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ

اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ هُوَ الْفَرَقُ مِنَ الْجَنَابَةِ.

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت جس برتن سے فرمایا کرتے تھے اس کا نام ''فرق'' تھا۔

۷۲۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَغْتَسِلُ فِي الْقَدَحِ وَهُوَ الْفَرَقُ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَهُوَ فِي الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ. وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ. قَالَ: قُتَيْبَةُ قَالَ: سُفْيَانُ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیالہ جسے فرق کہا جاتا ہے اس میں غسل فرماتے تھے اور میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ سفیان اور قتیبہ فرماتے ہیں کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔

تشریح

''هو الفرق'' اس باب کی احادیث میں وضو اور غسل کے برتن کی مقدار میں مختلف الفاظ آئے ہیں ''الفرق'' کا لفظ بھی آیا ہے ''ف'' اور را کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیر سکون بھی پڑھا جائے دونوں لغت جائز ہیں البتہ راء پر فتح زیادہ مشہور ہے یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں تین صاع پانی آتا ہے جو ساڑھے تیرہ سیر پانی بنتا ہے علامہ عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ جس طرح صاع یعنی پیمانہ اور اُوڑھی کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے وہی اختلاف ''فرق'' کی مقدار میں بھی جائز ہے تاہم یہ طے ہے کہ ایک فرق تین صاع ہے ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک فرق تین صاع ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک فرق سولہ رطل ہے، موجودہ دور کے حساب سے بعض شارحین نے اس کی مقدار ساڑھے تیرہ لیٹر پانی لکھا ہے۔

صاع کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف

اس کے بعد اسی باب کی احادیث میں لفظ صاع بھی آیا ہے صاع ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ پیمانہ کیا جاتا ہے اس کو اوڑھی بولتے ہیں پشتو میں اس کو ''اوگے'' کہتے ہیں ائمہ احناف کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے امام مالک امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک صاع ایک ثلث بالا پانچ ارطال پر مشتمل ہوتا ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں جب مدینہ منورہ آیا تو انصار و مہاجرین کی اولاد میں سے ایک سو پچاس شیوخ میرے پاس اپنے اپنے صاع لائے اور سب نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے میں نے جو دیکھا تو وہ سب پانچ ارطال اور ایک ثلث کی مقدار کے تھے تو میں نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک سے رجوع کیا اور اہل مدینہ اور جمہور فقہاء کے مسلک کو لیا۔ (فتح الملہم)

امام طحاوی نے امام ابو یوسف کا قول اس طرح نقل کیا ہے ''قدمت المدینة فاخرج الی من اثق به صاعاً و قال هذا صاع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدته خمسة ارطال و ثلث رطل۔ فتح القدیر میں شیخ ابن ہمامؒ نے اگرچہ اس واقعہ پر شک کا اظہار کیا ہے مگر مشہور اسی طرح ہے

کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے مناظرہ کر کے امام ابو یوسفؒ کو اس کا قائل کیا تو آپ نے رجوع کیا اور امام مالک واہل مدینہ کا قول اپنایا۔
امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو امام نسائی نے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عن ابی موسیٰ الجھنی قال أتی مجاھد بقدح حزرته ثمانیة ارطال فقال حدثتنی عائشة ان رسول اللہ ﷺ کان یغتسل بمثل ھذا"۔
دار قطنی میں ایک ضعیف روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں عن عائشہؓ وانسؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یتوضأ بالمد وطین ویغتسل بالصاع ثمانیة ارطال۔ (فتح الملہم)
"وَأدِیَ عن ابن ابی شیبة عن یحییٰ بن آدم قال سمعت حسن بن صالح یقول صاع عمر ثمانیة ارطال" (فتح الملھم)
ائمہ احناف یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مد پر مشتمل ہوتا ہے اور اسپر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ایک مد دو رطل پر مشتمل ہے تو اس سے بھی ایک صاع آٹھ رطل کا ثابت ہوجاتا ہے دراصل یہاں زمان ومکان کا اثر اور اختلاف ہے جس سے مکاییل واوزان کا اختلاف آیا ہے جس کا اثر مسائل پر آپڑا ہے وہ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دو قسم کے صاع اور پیمانے چل رہے تھے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے اس صاع کو زیادہ شائع اور مشہور کیا جو آٹھ ارطال کا تھا اور چھوٹے صاع کو موقوف کر دیا صاع عراقی بھی چل رہا تھا اور صاع حجازی بھی چل رہا تھا اسی طرح مد عراقی بھی چل رہا تھا جو دو رطل پر مشتمل تھا اور صاع حجازی چل رہا تھا جو ایک ثلث بالا پانچ رطل کا تھا جو صاع عراقی سے چھوٹا تھا اس حقیقت پر ابن خزیمہ کی اور ابن حبان کی یہ روایت دال ہے جس کے الفاظ یہ ہیں عن ابی ھریرةؓ قال "قیل یارسول اللہ! صاعنا اصغر الصیعان ومدنا اکبر الامداد فقال اللھم بارک لنا فی صاعنا... الخ
اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صاع عراقی زیادہ مشہور ہوگیا اور آپ نے اس کو جاری کیا جو آٹھ ارطال پر مشتمل تھا تو حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں جو بڑا صاع تھا اسی کو اپنایا اور اس کو امام ابو حنیفہؒ نے لیا اور صدقات وکفارات میں اسی پر فتوی دیدیا اس صاع کو صاع حجاجی بھی کہتے ہیں کیونکہ عراق وغیرہ میں حجاج بن یوسف نے اسکو زیادہ رائج کیا تبیین شرح احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف اہل عراق کے سامنے فخر سے یوں کہتے تھے وفی التبیین "ان الحجاج کان یفخر به علی اھل العراق ویقول الم اخرج لکم صاع رسول اللہ ﷺ۔ (فتح الملھم)
حجاج بن یوسف اس سے صاع فاروقی مراد لیتے تھے بہرحال اس کو صاع کوفی بھی کہتے ہیں چنانچہ بعض علماء نے اس صاع کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے۔

صاع کوفی پست اے مردے فہیم　　　دو صد و ہفتاد تولہ مستقیم

(۱) صاع بحساب درھم ایک ہزار چالیس درہم ہے۔
(۲) صاع بحساب مثقال سات سو بیس مثقال ہے۔

(۳) صاع بحساب مد چار مد ہے۔
(۴) صاع بحساب استار ایک سو اٹھارہ استار ہے۔
بہر حال علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ غسل اور وضو میں جو پانی استعمال کیا جاتا ہے اس کی حد متعین نہیں ہے بلکہ غسل اور وضو کی صحت کی شرط اگر پوری ہوتی ہے کہ پانی اعضا سے بہہ جائے تو پھر پانی قلیل استعمال ہو یا کثیر استعمال ہو اس میں کوئی پابند نہیں ہے ہاں اسراف سے بچنا ضروری ہے اسی طرح کمی سے بچنا بھی ضروری ہے اسراف حرام ہے نیز اس حدیث سے میاں بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا بھی ثابت ہو جاتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح مرد کا بچا ہوا پانی اگر عورت طہارت کے لئے استعمال کرتی ہے تو یہ بھی اتفاقاً جائز ہے ہاں عورت کا بچا ہوا پانی مرد اپنی طہارت حاصل کرنے میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں تو اس میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے۔
تفصیل آرہی ہے کچھ انتظار کیجئے۔

تشریح

کنت اغتسل أنا: مرد اور عورت جو میاں بیوی ہوں اگر معاً ساتھ ساتھ غسل کریں تو اتفاقاً یہ جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں اور اگر مرد نے پہلے غسل کیا اور عورت نے بعد میں کیا تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں اگر عورت نے تخلیہ میں پہلے غسل کیا اور مرد بعد میں اس کے بقیہ پانی سے غسل کرنا چاہتا ہے تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر کے نزدیک یہ صورت مکروہ ہے جمہور علماء کے نزدیک صرف عورت کے پہلے غسل کرنے سے پانی مکروہ نہیں ہوتا لہٰذا مرد کے لئے اس سے غسل کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے حنابلہ اور اہل ظواہر نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جن میں عورتوں کے بعد مردوں کے اغتسال کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔
• جمہور ان روایات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ اجنبیات کے استعمال شدہ پانی پر محمول ہیں یعنی اجنبیت کی وجہ سے غیر محرم کے لئے التذاذ کے باعث منع کیا گیا ہے یا وہ روایات ایسی عورتوں کے بارے میں ہیں جو غسل کرنے کا صحیح سلیقہ نہیں جانتی ہوں اور پانی میں چھینٹیں پڑ جاتی ہوں تو وہ مکروہ ہے ورنہ نہیں۔
باقی حضرت عائشہؓ نے جس منظر کو بیان فرمایا ہے اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ اس وقت پانی کی بھی تنگی تھی الگ میسر نہیں تھا نیز الگ الگ برتن بھی میسر نہیں تھے تنگ مکان کی وجہ سے الگ الگ جگہ بھی میسر نہیں تھی پھر رات کی تاریکی میں ایک دوسرے کا بدن بھی نظر نہیں آتا تھا تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر منکرین حدیث کو اعتراض کا موقع ملے۔
ہاں خبث باطن کا تو کوئی علاج نہیں کسی نے خوب کہا ہے: ؎

فعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا

۷۲۸- وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ أَنَا وَأَخُوهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ فَسَأَلَهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْجَنَابَةِ فَدَعَتْ

بِإِنَاءٍ قَدْرِ الصَّاعِ فَاغْتَسَلَتْ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا سِتْرٌ وَأَفْرَغَتْ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثًا. قَالَ: وَكَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ يَأْخُذْنَ مِنْ رُءُوسِهِنَّ حَتَّى تَكُونَ كَالْوَفْرَةِ.

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ بن یزید حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور آپؓ سے نبی کریم ﷺ کے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے ایک صاع کے بقدر پانی کا برتن منگوایا اور غسل کیا اس طرح سے کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا اور اپنے سر پر تین بار پانی بہایا فرمایا (ابوسلمہؓ نے) نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ اپنے سروں کے بال کاٹا کرتی تھیں اور کانوں کی لَو کے بقدر رکھا کرتی تھیں۔

تشریح: "واخوھامن الرضاعۃ" علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے اس رضاعی بھائی کا نام عبداللہ بن یزید تھا اور قصہ بیان کرنے والا ابوسلمہ بھی حضرت عائشہؓ کا رضاعی بھائی تھا آپ کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر کا دودھ اس نے پیا تھا۔ "فدعت باناء" حضرت عائشہؓ نے قولی تعلیم کے بجائے عملی تعلیم کو ترجیح دی کیونکہ سمجھانے میں یہ زیادہ مؤثر ہوتا ہے "وبیننا وبینھاستر" پورا پردہ مراد نہیں ہے بلکہ جسم کے نچلے حصہ کا پردہ مراد ہے جس کی طرف محرم نہیں دیکھ سکتا جسم کے اوپر سر کا حصہ نظر آیا تھا جس کی طرف محرم کو دیکھنا جائز ہے اگر مکمل پردہ مراد لیا جائے تو پھر اس فعلی اور عملی تعلیم دینے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا کما قال القاضی عیاض۔

عورتوں کے لئے سر کے بال چھوٹے کرنے کا مسئلہ

"یأخذن من رؤسھن" یعنی ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سر کے بال چھوٹا کیا کرتی تھیں۔ اس لفظ سے موجودہ زمانہ کی ماڈرن اور آزاد منش عورتیں بالوں کو چھوٹا کرنے کے لئے استدلال کرتی ہیں۔ ان کا یہ استدلال کئی طرح سے غلط ہے ایک تو یہ کہ ایسی عورتوں کے لئے حدیث سے استدلال کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ پورے دین سے بغاوت کر چکی ہیں اور اضافہ زینت کے لئے کرتی ہیں۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے یہ عمل آنحضرت ﷺ کی حیات میں کبھی نہیں کیا تھا کیونکہ اس وقت زینت بڑھانے کے لئے وہ بالوں کو بڑھاتی تھیں جو عام عرب کی عورتوں کی عادت تھی۔ تو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے اس عمل میں ان کے لئے ایک تو ترک زینت تھا اور دوسرا بالوں کو زیادہ بڑھانے کے بوجھ کو کم کرنا تھا تیسرا یہ کہ علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ "یَأْخُذْنَ" کا معنی بالوں کا کاٹنا نہیں بلکہ بالوں کو سمیٹنا مراد ہے کہ چاروں اطراف سے سمیٹ کر بالوں کو یکجا کر کے سر کے اوپر باندھ لیا کرتی تھیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے نہ ہونے کی وجہ سے کنگھی کی ضرورت بھی نہیں تھی اور اس طرح رکھنے میں سہولت بھی تھی گویا أخذن کا معنی "یعقصن" ہے کہ بالوں کو موڑ کر سر پر رکھتی تھیں بہر حال علماء کا فتویٰ ہے کہ جس طرح مردوں کے لئے داڑھی کٹانا منع ہے عورتوں کے لئے سر کے بالوں کا کٹانا بھی منع ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ملفوظات میں لکھا ہے کہ یورپ میں ڈاکٹروں نے عورتوں سے کہا کہ سر کے بال کٹانے میں کوئی حرج نہیں عورتوں نے سر منڈوا دیئے کچھ عرصہ کے بعد انکی داڑھیاں نکل آئیں پھر ڈاکٹروں نے کہا کہ ارے غلطی ہوگئی ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس کو اسی طرح رکھنے میں حکمت ہے عورتوں کی حرارت بدن بالوں میں جا کر چہرہ صاف رہتا ہے اور مردوں کی داڑھی رکھنے سے چہرہ کی سجاوٹ باقی رہتی ہے کہ یہی بال غیر شعوری طور پر مردوں کے چہروں کو نیچے کی طرف کھینچ کر سجاوٹ کو برقرار رکھتی ہے بہر حال حکمت کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اسلام کا حکم سب سے بہتر ہے "کالوفرۃ" یہاں تین قسم کے بالوں کے لئے تین الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں "باب الترجل" میں تفصیل ہے یہاں صرف وفرۃ، جمۃ، لمۃ میں فرق بتانا ہے۔

علامہ ابی مالک اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ لغت کے امام شیخ اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ بالوں میں سب سے چھوٹے بالوں کو "جمۃ" کہتے ہیں پھر اس سے کچھ لمبے بالوں کو "لمۃ" کہتے ہیں جو کندھوں کے قریب تک ہوتا ہے پھر اس کے بعد سب سے لمبے بالوں کو "وفرۃ" کہتے ہیں۔

شیخ اصمعی کے علاوہ دیگر اہل لغت نے کچھ یوں کہا ہے کہ بالوں میں سب سے چھوٹے کو "وفرۃ" کہتے ہیں جو کانوں تک پہنچتے ہوں پھر اس کے بعد کچھ زیادہ بالوں کو "جمۃ" کہتے ہیں اور پھر سب سے لمبے بالوں کو "لمۃ" کہتے ہیں۔

علامہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ **وھذا الأخذ کان بعد وفاته ﷺ والا فالمعروف ان نسآء العرب یتخذن القرون والذوائب ﷺ** ۔یعنی ازواج مطہرات کا یہ عمل آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تھا ورنہ عرب کی عورتیں تو بالوں کو اتنا بڑھاتی تھیں کہ وہ اس سے مینڈھیاں بنا کر رکھتی تھیں۔

امرأ القیس عرب عورتوں کے لمبے بالوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بال اتنے لمبے ہوتے تھے کہ اس سے کمر کو زینت حاصل ہوتی تھی۔

وفرع المتن اسود فاحم اثیث کقنو النخلة المتعشکل

اور محبوبہ کے ایسے بالوں کو دیکھا جو اس کی کمر کو مزین کرتے تھے وہ کوئلے کی طرح سیاہ تھے اور اتنے گھنے تھے جیسے کھجور کے گابھے میں گنگوچی ہوتی ہے۔

۷۲۹ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: قَالَتْ: عَائِشَةُ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ بَدَأَ بِيَمِينِهِ فَصَبَّ عَلَيْهَا مِنَ الْمَاءِ فَغَسَلَهَا ثُمَّ صَبَّ الْمَاءَ عَلَى الأَذَى الَّذِي بِهِ بِيَمِينِهِ وَغَسَلَ عَنْهُ بِشِمَالِهِ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ ذٰلِكَ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ. قَالَتْ: عَائِشَةُ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَنَحْنُ جُنُبَانِ.

حضرت ابوسلمہؓ بن عبد الرحمن سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: حضور ﷺ جب غسل کیا کرتے تھے تو دائیں ہاتھ سے شروع کرتے ہوئے اس پر پانی بہاتے دھوتے اور پھر جسم پر لگی نجاست پر پانی بہاتے دائیں ہاتھ سے اور اس کو دھوتے بائیں ہاتھ سے اور جب اس سے فارغ ہو جاتے تو اپنے سر پر پانی بہایا کرتے ۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ ایک برتن سے ہی غسل کرتے تھے حالانکہ جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔

۷۳۰ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ

أَبِي بَكْرٍ - وَكَانَتْ تَحْتَ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ - أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَغْتَسِلُ هِيَ وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ يَسَعُ ثَلَاثَةَ أَمْدَادٍ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ اور نبی اکرم ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے جو تقریباً تین مد یا اس کے قریب کی بقدر وسعت رکھتا تھا۔

۷۳۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول ﷺ ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے تھے اور ہم دونوں کے ہاتھ اس میں پڑتے تھے۔

۷۳۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ مُعَاذَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ - بَيْنِي وَبَيْنَهُ - وَاحِدٍ فَيُبَادِرُنِي حَتَّى أَقُولَ دَعْ لِي دَعْ لِي. قَالَتْ: وَهُمَا جُنُبَانِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ غسل کرتے تھے اور میرے اور آپ ﷺ کے درمیان ایک ہی برتن ہوا کرتا تھا آپ ﷺ غسل میں مجھ سے زیادہ جلدی فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ میں کہتی کہ میرے لئے بھی چھوڑ دیجئے (پانی) میرے لئے بھی چھوڑ دیجئے۔ اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے۔

تشریح

"دع لی دع لی" یعنی میرے لئے پانی چھوڑ دیجئے چھوڑ دیجئے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس وقت تنگ مکان تھے الگ برتنوں کا انتظام نہیں تھا پانی کی بھی قلت تھی رات کے اندھیرے میں میاں بیوی ایک برتن سے پانی لیکر غسل کیا کرتے تھے تو اس میں کیا حرج اور قباحت ہے یہ تو کوئی دن کے اجالے میں سویمنگ پول کا قصہ نہیں تھا اگر میاں بیوی کسی مجبوری سے دن کے وقت بھی ایک برتن سے غسل کریں تو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ درمیان میں برتن ہو اوپر سے پردہ لٹک رہا ہو مرد ایک طرف ہو عورت دوسری طرف ہو اور درمیان میں برتن سے غسل کر رہا ہوں تو اس میں بھی کیا حرج ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے زندگی میں کبھی آنحضرت ﷺ کے مستورہ اعضاء کو نہیں دیکھا ہے۔

بہر حال اگر کوئی ملحد نقشہ خراب کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے دل و دماغ کی خرابی ہوگی۔

۷۳۳ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ: قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي مَيْمُونَةُ أَنَّهَا كَانَتْ تَغْتَسِلُ هِيَ وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ.

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ وہ اور رسول ﷺ ایک ہی برتن میں غسل جنابت کیا کرتے تھے۔

۷۳۴ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: ابْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: أَكْبَرُ عِلْمِي وَالَّذِي يَخْطُرُ عَلَى بَالِي أَنَّ أَبَا الشَّعْثَاءِ أَخْبَرَنِي أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُونَةَ.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ حضرت میمونہؓ کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا کرتے تھے۔

۷۳۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ: كَانَتْ هِيَ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْتَسِلَانِ فِي الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ مِنَ الْجَنَابَةِ.

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل جنابت فرماتے تھے۔

۷۳۶ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ - يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ - قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْتَسِلُ بِخَمْسِ مَكَاكِيكَ وَيَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ. وَقَالَ: ابْنُ الْمُثَنَّى بِخَمْسِ مَكَاكِيَّ. وَقَالَ: ابْنُ مُعَاذٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنَ جَبْرٍ.

حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ پانچ مکوک پانی سے غسل کیا کرتے تھے اور ایک مکوک پانی سے وضوء کیا کرتے تھے۔

تشریح

"مکاکیک" یہ مکوک کی جمع ہے مد اور سیر کے معنی میں ہے یہ لفظ "مکاکی" بھی ہے وہ بھی جمع ہے مفرد مکوک ہے شد کے ساتھ ہے مد کو کہتے ہیں مد ایک سیر کو کہتے ہیں رطل آدھے سیر اور پونڈ کو کہتے ہیں پھر پاؤ اور چھٹانک کی باری آتی ہے۔

۷۳۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنِ ابْنِ جَبْرٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ.

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مد پانی سے وضوء کرتے اور ایک صاع سے لے کر پانچ مد تک سے غسل کیا کرتے۔

تشریح

"یتوضأ بالمد" یعنی ایک مد پانی سے وضو بناتے تھے مد کا لفظ میم کے ضمہ اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ دو رطل دو پونڈ کے پیمانے کا نام ہے اور صاع اس پیمانہ کا نام ہے جس میں چار مد یعنی آٹھ رطل آتے ہوں یہ احناف کے ہاں ہے تفصیل گزر گئی ہے۔ اس حدیث اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل فرمالیا کرتے تھے۔

فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وضو اور غسل میں پانی استعمال کرنے کی کوئی حد بندی نہیں ہے البتہ اسراف اور تقتیر یعنی کمی سے

بچنا ضروری ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امور عادی ہیں عادت کی وجہ سے بدلتے ہیں کبھی زمانہ کبھی مکان ومقام کی وجہ سے اس میں فرق آتا ہے کبھی پانی کی قلت وکثرت اور کبھی مزاج کے تغیر سے اس میں تغیر آتا ہے نبی اکرم ﷺ عموماً اسی مقدار کو استعمال فرماتے تھے جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ پہلے بھی کچھ لکھا جا چکا ہے۔

ساتھ والی حدیث میں "یغسله الصاع" اس میں صاع فاعل ہے اور مرفوع ہے یعنی ایک صاع آپ کو غسل دیتا تھا اور ایک مد وضو کراتا تھا اس ترکیب میں اسناد الی غیر ماھو له ہے دونوں باب تفعیل کے صیغے ہیں مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ایک صاع سے غسل اور ایک مد سے وضو کرتے تھے۔

٧٣٨ - وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ كِلاَهُمَا عَنْ بِشْرِ بْنِ الْمُفَضَّلِ - قَالَ: أَبُو كَامِلٍ حَدَّثَنَا بِشْرٌ - حَدَّثَنَا أَبُو رَيْحَانَةَ عَنْ سَفِينَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُغَسِّلُهُ الصَّاعُ مِنَ الْمَاءِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيُوَضِّؤُهُ الْمُدُّ.

حضرت سفینہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے غسل جنابت کے لئے ایک صاع پانی اور وضوء کے لئے ایک مد پانی کافی ہوتا تھا۔

٧٣٩ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ ح وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَبِي رَيْحَانَةَ عَنْ سَفِينَةَ - قَالَ: أَبُو بَكْرٍ - صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ وَيَتَطَهَّرُ بِالْمُدِّ. وَفِي حَدِيثِ ابْنِ حُجْرٍ أَوْ قَالَ: وَيُطَهِّرُهُ الْمُدُّ. وَقَالَ: وَقَدْ كَانَ كَبِرَ وَمَا كُنْتُ أَثِقُ بِحَدِيثِهِ.

حضرت سفینہؓ جو حضور ﷺ کے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضوء کیا کرتے تھے۔

تشریح

"ابو ریحانه" اس کا نام عبداللہ بن مطر ہے "عن سفینه" یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور آزاد کردہ غلام ہیں حضرت ام سلمہ نے ان کو اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ عمر بھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رہیں گے انکا اصل نام کیا تھا اس میں کئی نام مذکور ہیں مشہور یہ ہے کہ ان کا نام مہران بن فروخ تھا سفینہ نام پڑھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک غزوہ میں مجاھدین ساتھی اپنا سامان ان کے اوپر لادتے رہے اور یہ اٹھاتے رہے آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا "انت سفینه" بس یہی نام پڑ گیا روم میں کافروں کے ہاتھوں قید ہو گئے تھے قید سے بھاگ کر جنگل میں راستہ بھول گئے شیر سے باتیں کیں تو شیر نے حفاظت کے ساتھ آبادی تک پہنچا دیا۔

"قال ابو بکر" اس سے مراد ابو بکر بن ابی شیبہ ہے جو اس روایت کے راوی اور امام مسلم کے استاذ ہیں یہ بطور جملہ معترضہ ہے جس سے وہ سفینہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "صاحب رسول الله" یعنی سفینہ آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں تو لفظ صاحب مجرور ہے جو عن سفینہ میں سفینہ کے لئے صفت ہے ابن حجر کی روایت میں سفینہ مطلق مذکور ہے یہ قید ابو بکر بن ابی شیبۃ کی روایت میں جتنے عربی زبان کے شارحین ہیں سب نے لکھا ہے کہ صاحب کا لفظ سفینہ کے لئے صفت ہے اور یہ مجرور ہے مگر اردو تراجم نے فحش غلطی کی جس کی وضاحت

آرہی ہے "قال کان رسول اللہ" اس قال کا فاعل صحابی رسول حضرت سفینہ ہیں۔

"ویطھرہ المد" یہ علی بن حجر کی روایت میں اختلاف الفاظ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے "یتطھرہ بالمد" کی جگہ "یطھرہ المد" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

"قال" اس قال کا فاعل ابوریحانہ راوی ہے "وقد کان کبر" یہاں کان اور کبر کی ضمائر حضرت سفینہؓ کی طرف راجع ہیں کبر سے کبر سن اور بڑھاپا مراد ہے۔

یعنی ابوریحانہ کہتے ہیں کہ حضرت سفینہؓ کی عمر اتنی ہوگئی تھی کہ اب ان کی قوت حافظہ پر میں اعتماد نہیں کرسکتا تھا اب سوال یہ ہے کہ جب ابوریحانہ کو اس روایت پر بھروسہ نہیں ہے تو پھر امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس روایت کو کیوں ذکر کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متابعات میں امام مسلم نے ذکر کیا ہے ایک بریلوی عالم نے مسلم شریف کی شرح لکھی ہے اس مولوی صاحب کا نام غلام رسول سعیدی صاحب ہے اس نے اس حدیث کا ترجمہ بالکل غلط لکھا ہے بلکہ حدیث کو سمجھا ہی نہیں وہ اس حدیث کو ابوبکر صدیقؓ کی حدیث قرار دیتا ہے حالانکہ یہ حضرت سفینہؓ کی حدیث ہے ترجمہ بھی خالص غلط لکھا ہے وہ ابوبکر بن ابی شیبہ کو جو امام مسلم کا استاد ہے ابوبکر صدیق سمجھ بیٹھا ہے فیاللعجب۔

مولانا عزیز الرحمن فاضل اشرفیہ نے بھی ترجمہ غلط لکھا ہے شاید انہوں نے اس نے اس بریلوی مولوی صاحب کی تقلید کر کے لکھا ہے حالانکہ ابوبکر سے مراد ابن ابی شیبہ ہے جو مسلم کے استاد ہیں اور صاحب رسول اللہ سے مراد حضرت سفینہ ہیں کہ وہ صحابی ہیں۔

باب استحباب افاضۃ الماء علی الرأس ثلاثا

غسل میں سر پر تین بار پانی بہانا مستحب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۷۴۰ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: تَمَارَوْا فِي الْغُسْلِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: بَعْضُ الْقَوْمِ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أَغْسِلُ رَأْسِي كَذَا وَكَذَا فَقَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ أَكُفٍّ".

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے غسل کے بارے میں کچھ لوگوں میں اختلاف ہوا۔ لوگوں میں سے بعض کہہ رہے تھے کہ ہم تو سر کو اس طرح دھوتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنے سر پر تین چلو پانی بہاتا ہوں۔

تشریح

"تماروا" یہ تنازعہ اور اختلاف کے معنی میں ہے آنحضرت کے پاس اس طرح تنازعہ ہوا۔

"فقال بعض القوم" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں جسم اور سر پر پانی ڈالنے کا ذکر چل پڑا جس میں کچھ اختلافی باتیں ہوئیں تو صحابہ میں سے چند نے غسل میں اپنا عمل بتادیا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہر حال میرا معمول تو یہ ہے کہ میں سر پر تین بار پانی ڈالتا ہوں۔ آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "ثقیف" کا ایک وفد مدینہ آیا تھا انہوں نے غسل کرنے میں تین بار پانی بہانے کو مشکل سمجھ لیا کیونکہ طائف کا علاقہ ٹھنڈا تھا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا معمول تو سر پر تین بار پانی بہانے کا ہے تو پورے جسم پر بھی تین بار پانی بہاتا ہوں فقہاء لکھتے ہیں کہ سر اور بدن پر تین بار پانی بہانا استحبابی امر ہے "ثلاث اکف" اکف سے حفنات مراد ہیں یعنی تین چلو بھر کر ڈالتا ہوں۔

۷۴۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهُ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ: "أَمَّا أَنَا فَأُفْرِغُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا".

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے غسل جنابت کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تو اپنے سر پر تین بار پانی بہاتا ہوں۔

۷۴۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ قَالَا أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ سَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا إِنَّ أَرْضَنَا أَرْضٌ بَارِدَةٌ فَكَيْفَ بِالْغُسْلِ فَقَالَ: "أَمَّا أَنَا فَأُفْرِغُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا". قَالَ ابْنُ سَالِمٍ فِي رِوَايَتِهِ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ وَقَالَ: إِنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ.

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ بنو ثقیف کے وفد نے حضور ﷺ سے سوال کیا اور کہنے لگے کہ ہمارا علاقہ ایک سرد خطہ زمین ہے ہم کس طرح غسل کریں آپ ﷺ نے فرمایا: میں تو اپنے سر پر تین بار پانی بہاتا ہوں۔

تشریح

"قال ابن سالم" اس روایت میں ابوسفیان کا ذکر کنیت کے ساتھ ہے ان کا نام طلحہ بن نافع ہے اور ابوبشر کا نام جعفر ہے ابن سالم کے حوالہ سے امام مسلم نے ایک الگ روایت نقل فرمائی ہے اس میں امام مسلمؒ نے اپنی احتیاط کا وہی انداز اپنایا جو ان کی خصوصیات میں سے ہیں وہ اس طرح کہ اصل روایت میں هشیم نے ابوبشر سے عن کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور هشیم مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے امام مسلم نے اس شک کو دور فرمایا اور کہا کہ ابن سالم کی دوسری روایت میں "حدثنا هشیم قال اخبرنا ابو بشر" ہے تو طعن ختم ہو گیا۔

۷۴۳ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ - يَعْنِي الثَّقَفِيَّ - حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنْ جَنَابَةٍ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ مِنْ مَاءٍ. فَقَالَ: لَهُ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ إِنَّ شَعْرِي كَثِيرٌ. قَالَ: جَابِرٌ فَقُلْتُ لَهُ يَا ابْنَ أَخِي كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ شَعْرِكَ وَأَطْيَبَ.

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کرتے تو اپنے سر پر تین بار چلو بھر کر پانی بہاتے۔
حسن بن محمدؒ نے جابرؓ سے کہا کہ میرے سر کے بال بہت گھنے ہیں جابرؓ نے فرمایا اے بھتیجے! رسول ﷺ کے بال مبارک تیرے بالوں سے زیادہ گھنے اور اچھے تھے۔

تشریح

"ثلاث حفنات" یہ حفنۃ کی جمع ہے لپوں کو کہتے ہیں۔

"الحسن بن محمد" یہ حسن محمد بن الحنفیۃ کا بیٹا ہے اس کی ماں حنفیہ کے ساتھ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کے بعد نکاح کیا تھا جس سے محمد پیدا ہوئے مدبر آدمی تھے۔

"ان شعری کثیر" یعنی میرے سر کے بال بہت گھنے اور زیادہ ہیں تین لپوں سے میں غسل نہیں کرسکوں گا اس کے جواب میں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی آپ کے بالوں سے نبی اکرم ﷺ کے بال زیادہ بھی تھے اور پاکیزہ بھی تھے آنحضرت ﷺ نے جب تین لپوں سے غسل کو کافی سمجھا ہے تو آپ کون ہوتے ہیں کہ اس کو کافی نہیں سمجھتے ہو؟ کثرت سے پانی ڈالو گے تو وسواسی بن جاؤ گے۔

باب حکم ضفائر المغتسلة

غسل کرنے والی عورت کی مینڈھیوں کا مسئلہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۷۴۴ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي فَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ قَالَ: "لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ".

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! میں اپنے سر کی چوٹیاں باندھ کے رکھتی ہوں کیا غسل جنابت کے لئے انہیں کھولوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ نہیں تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تین بار سر پر چلو بھر پانی ڈالو پھر اس پر پانی بہاؤ تو تم پاک ہو جاؤ گی۔

تشریح: اشد: شد یشد مضبوط کرنے اور باندھنے کے معنی میں ہے۔

ضفر راسی: ضفر ضاد کے فتح اور فا کے سکون کے ساتھ زیادہ مشہور ہے ضفر مفرد ہے اس کی جمع ضفائر ہے یہ مینڈھنوں کے معنی میں ہے اب بھی دیہاتوں میں شرفاء عورتیں سر کے بالوں کو بٹ لیتی ہیں اور مینڈھنیاں بناتی ہیں اور اس کام پر کافی وقت لگتا ہے تو ہر غسل کے لئے اس کا کھولنا آسان کام نہیں اس لئے ام سلمہؓ نے مسئلہ پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے لئے نہ کھولنے کی رخصت دی اب یہ رخصت عورتوں کے ساتھ خاص ہے مردوں میں سے کسی فقیر ملنگ کو اس کی اجازت نہیں کیونکہ اس کے لئے مینڈھنیاں بنانا جائز نہیں۔

اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عورتوں کے لئے غسل کے وقت مینڈھنیاں کھولنا ضروری ہے یا نہیں تو امام مالک

اوراحمد بن حنبلؒ کے ہاں حیض کے غسل میں نقض ضفائر ضروری ہے باقی غسلوں میں نہیں جمہور فقہاء کے نزدیک کسی بھی غسل میں عورت کے لئے نقض ضفائر ضروری نہیں ہے بشرطیکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچتا ہو۔

امام مالک واحمدؒ نے بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو حجۃ الوداع کے قصہ میں ہے جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے ماہواری آئی تو غسل کے لئے آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں سر کے بالوں کو کھول دوں اور کنگھی کر کے غسل کرلوں ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں "فأمرني النبي ﷺ أن انقض رأسي وامتشط" اور چونکہ یہ حیض کے بعد غسل تھا اس لئے صرف حیض کے غسل میں نقض ضفائر ہے جمہور کی دلیل زیر نظر ام سلمہؓ کی صریح اور صحیح حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا "لا" یعنی مینڈھیاں نہ کھولو بلکہ سر پر تین لپیں (چلو) پانی ڈالو اور پھر پورے جسم پر پانی ڈالو تم پاک ہو جاؤ گی۔ حثیات اور حفنات اور افراغات سب کا معنی ایک ہی ہے تین لپیں مراد ہیں۔

جواب: مالکیہ اور حنابلہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ نقض ضفائر کا حکم حج کے موقع پر دوسرے میل کچیل دور کرنے کی وجہ سے فرمایا تھا حیض کے ساتھ تخصیص نہیں بلکہ محل حج کے ساتھ خاص ہے۔

۷۴۵ - وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالاَ أَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى فِي هَذَا الإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ فَأَنْقُضُهُ لِلْحَيْضَةِ وَالْجَنَابَةِ فَقَالَ: "لاَ" ثُمَّ ذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ.

ایوب بن موسیٰؒ سے اس سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے صرف عبدالرزاق کی روایت میں حیض اور جنابت دونوں کا تذکرہ ہے باقی روایت ابن عیینہ کی طرح ہے۔

۷۴۶ - وَحَدَّثَنِيهِ أَحْمَدُ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ عَدِيٍّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ - يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ - عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: أَفَأَحُلُّهُ فَأَغْسِلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ. وَلَمْ يَذْكُرِ الْحَيْضَةَ.

ایوب بن موسیٰؒ نے بھی سابقہ روایت اسی سند کے ساتھ بیان کی ہے اس میں کھولنے کا ذکر ہے اور حیض کا ذکر نہیں۔

۷۴۷ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعاً عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ: يَحْيَى أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: بَلَغَ عَائِشَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَأْمُرُ النِّسَاءَ إِذَا اغْتَسَلْنَ أَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوسَهُنَّ فَقَالَتْ يَا عَجَباً لاِبْنِ عَمْرٍو هَذَا يَأْمُرُ النِّسَاءَ إِذَا اغْتَسَلْنَ أَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوسَهُنَّ أَفَلاَ يَأْمُرُهُنَّ أَنْ يَحْلِقْنَ رُءُوسَهُنَّ لَقَدْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَلاَ أَزِيدُ عَلَى أَنْ أُفْرِغَ عَلَى رَأْسِي ثَلاَثَ إِفْرَاغَاتٍ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عورتوں کو حکم دیتے کہ غسل کے وقت سر کی چوٹیوں کو کھولا کریں حضرت

عائشہؓ نے کہا ہے کہ تعجب ہے ابن عمرؓ پر کہ عورتوں کو تو غسل کے وقت سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں تو وہ انہیں سر منڈوانے کا کیوں نہیں کہتے؟ بے شک میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور میں اپنے سر پر تین بار چلو بھر پانی سے زیادہ نہ بہاتی تھی۔

تشریح

"ان ینقض رؤسھن" یعنی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حائضہ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ حیض سے فارغ ہو کر غسل کرنے میں سر کے بالوں کی مینڈھیوں کو کھول کر غسل کیا کرو جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو تعجب کے انداز میں غصہ کا اظہار کر کے فرمایا کہ اس عبداللہ بن عمرو پر تعجب ہے جو یہ حکم دیتا ہے اس کے بجائے ان کو چاہئے کہ عورتوں سے کہہ دیں کہ سر کے بالوں پر استرہ پھیرا کریں تا کہ نہ بال رہے نہ مینڈھیاں ہوں اور نہ کھولنے کی زحمت ہو پھر حضرت عائشہؓ نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ میں غسل میں شریک ہوتی تھی میں نے کبھی مینڈھنیاں نہیں کھولیں بلکہ تین بار پانی بہا کر غسل سے فارغ ہو جاتی آنحضرت نے کچھ نہیں کہا۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا حکم تائید احتیاط کے طور پر تھا یا ان کو ام سلمہؓ کی حدیث کا علم نہیں تھا یا شاید ان کا مسلک یہی تھا اس لئے انہوں نے عورتوں کو غسل کے لئے مینڈھنیاں کھولنے کا حکم دیا علماء نے لکھا ہے کہ اگر سر کی جڑوں تک پانی نہ پہنچتا ہو تو ایسی عورت کے لئے مینڈھنیاں کھولنا ضروری ہے۔

باب استحباب استعمال المغتسلة من الحيض فرصه من مسک

حائضہ عورت کے لئے غسل کے بعد خون کی جگہ پر خوشبو لگانا مستحب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۷۴۸- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعاً عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ - قَالَ: عَمْرٌو حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ - عَنْ مَنْصُورِ ابْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ ﷺ كَيْفَ تَغْتَسِلُ مِنْ حَيْضَتِهَا قَالَ: فَذَكَرَتْ أَنَّهُ عَلَّمَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرُ بِهَا. قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ: "تَطَهَّرِي بِهَا. سُبْحَانَ اللهِ." وَاسْتَتَرَ - وَأَشَارَ لَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ بِيَدِهِ عَلَى وَجْهِهِ - قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ وَاجْتَذَبْتُهَا إِلَيَّ وَعَرَفْتُ مَا أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ. وَقَالَ: ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي رِوَايَتِهِ فَقُلْتُ تَتَبَّعِي بِهَا آثَارَ الدَّمِ.

حضرت ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حیض سے پاکی کا غسل کس طرح کرے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اسے حیض سے پاکی کے غسل کا طریقہ سکھایا اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کو چاہئے کہ مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکیزگی حاصل کرے اس نے کہا اس سے کیسے پاکیزگی حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پاکیزگی حاصل کر۔ سبحان اللہ! اور آپ ﷺ نے اس سے آڑ کر لی۔ راوی کہتے ہیں کہ سفیان

بن عیینہؒ نے ہمارے سامنے اپنا ہاتھ چہرہ پر رکھ کر اشارہ کر کے بتایا کہ آپ ﷺ نے اس طرح آڑ کر لی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اس لئے کہ میں آپ ﷺ کا منشاء سمجھ گئی تھی میں نے اس سے کہا کہ مشک کے ٹکڑے کو خون کے مقام پہ رکھ دے۔

تشریح

"فرصة من مسک" فرصة فا پر زیر ہے راء ساکن ہے کپڑے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں مسک معروف خوشبو کو کہتے ہیں یعنی غسل کے مکمل ہونے کے بعد مشک لگا کپڑا لیکر اس کے ذریعہ سے پاکی حاصل کرو "فتطھر" یہ لفظ یہاں تطیب کے معنی میں ہے کیونکہ غسل سے پاکی تو حاصل ہوگئی ہے اب یہ لفظ خوشبو استعمال کرنے میں متعین ہوگیا ہے۔

"سبحان اللہ" آنحضرت ﷺ نے یہ لفظ تعجب کے مواقع پر استعمال کیا ہے جو عام عرب اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔

"واستتر" یعنی آنحضرت ﷺ نے حیاء کے طور پر چہرہ پر پردہ ڈالا اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے ایسے مسائل جس میں مردوں یا عورتوں کے پوشیدہ اور مستورہ مسائل کا ذکر ہو اس کو جتنا ممکن ہو پوشیدہ رکھنا چاہئے۔

"واشار لنا سفیان بیدہ" یہ حدیث مسلسل بالاشارہ ہے آنحضرت کی طرح سفیان ثوری نے بھی اپنے شاگردوں کے درمیان اسی طرح چہرہ چھپانے کی طرف اشارہ کیا۔

"تتبعی بھا اثر الدم" حضرت عائشہؓ نے اس خاتون کو صاف صاف بتادیا کہ جہاں جہاں خون لگا ہے وہاں پر خوشبودار کپڑا مل لو تاکہ خون کی بدبو اور اثر ختم ہوجائے چونکہ عورتوں کے پوشیدہ مسائل اگر عورت بتادے تو وہ مردوں کی بنسبت ہلکا ہے اس لئے حضرت عائشہؓ نے کھول کھول کر بتادیا آنے والی روایت میں وضاحت ہے کہ سوال کرنے والی عورت اسماء بنت شُکل تھی جو انصاری عورت تھی۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ خوشبو لگانے کا تفصیلی طریقہ اس طرح ہے کہ مشک لیکر اس کو کپڑے پر مل لیا جائے یا روئی کے پنبہ میں رکھ لیا جائے اور پھر اس کو اندام نہانی میں داخل کر کے مل لیا جائے یہ حائضہ عورت کی طرح نفاس والی عورت بھی استعمال کرے سب کے لئے مستحب ہے۔

اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس میں حکمت کیا ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ یہ عمل رائحہ کریہہ کو زائل کرنے کے لئے ہے اور محل کی صفائی اور خوشبودار بنانے کے لئے ہے اس کے علاوہ جس نے جو کچھ کہا ہے وہ بے مقصد کہا ہے۔

۷۴۹ - وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ كَيْفَ أَغْتَسِلُ عِنْدَ الطُّهْرِ فَقَالَ: "خُذِي فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِي بِهَا". ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ سُفْيَانَ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ جس وقت میں حیض سے پاک ہوجاؤں تو کس طرح غسل کروں آپ ﷺ نے فرمایا: مشک لگا ہوا پھایا لے اور اس سے پاکی حاصل کر پھر باقی حدیث کو حسب سابق بیان کیا۔

۷۵۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ: ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ

الْمُهَاجِرِ قَالَ: سَمِعْتُ صَفِيَّةَ تُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَسْمَاءَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ غُسْلِ الْمَحِيضِ فَقَالَ: "تَأْخُذُ إِحْدَاكُنَّ مَاءَهَا وَسِدْرَتَهَا فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ تَصُبُّ عَلَى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ دَلْكاً شَدِيداً حَتَّى تَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِهَا ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَاءَ. ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَطَهَّرُ بِهَا". فَقَالَتْ أَسْمَاءُ وَكَيْفَ تَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِينَ بِهَا". فَقَالَتْ عَائِشَةُ كَأَنَّهَا تُخْفِي ذَلِكَ تَتَبَّعِينَ أَثَرَ الدَّمِ. وَسَأَلَتْهُ عَنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ: "تَأْخُذُ مَاءً فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُورَ - أَوْ تُبْلِغُ الطُّهُورَ - ثُمَّ تَصُبُّ عَلَى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ حَتَّى تَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِهَا ثُمَّ تُفِيضُ عَلَيْهَا الْمَاءَ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسماءؓ نے نبی کریم ﷺ سے غسل حیض کے بارے میں پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا: عورت پہلے غسل کا پانی اور بیری کے پتے لے لے اور اس سے اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرے پھر سر پر پانی بہائے اور اچھی طرح ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر مشک کا ایک ٹکڑا لے اور اس سے پاکی حاصل کرے اسماءؓ نے کہا: کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ اس سے پاکی حاصل کرے حضرت عائشہؓ نے غالباً چپکے سے کہہ دیا کہ خون کے مقام پر رکھ دے۔ اور اسماءؓ نے غسل جنابت کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا: پانی سے اچھی طرح پاکی حاصل کرو اور اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ پاک ہو جا، پھر سر پر پانی بہاؤ اور اچھی طرح بالوں کو مل لو یہاں تک کہ بالوں کی مانگ تک پانی پہنچ جائے پھر سر پر پانی بہاؤ۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بہترین عورتیں انصاری عورتیں ہیں کہ انہیں شرم وحیاء دین کی سمجھ سے روکتی نہیں ہے۔

تشریح

"سدرتها" پانی کو صفائی کے لئے زیادہ مؤثر بنانے کے پیش نظر پہلے زمانے میں بیری کے پتے پانی میں ملایا کرتے تھے آج کل صابن استعمال کیا جاتا ہے "دکاً شدیداً" یعنی سر کے بالوں کو بہت زیادہ مل لیا جائے تا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے "شئون راسها" یعنی بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے۔ "ممسكة" یعنی کپڑے کا ایسا ٹکڑا لے لے جس کے ساتھ خوب مشک لگایا گیا ہو۔ "فتطهر" یہاں اس طہارت سے خوشبو حاصل کرنا مراد ہے پاکیزگی تو پہلے ہی حاصل ہوگئی ہے "فقالت اسماء" اس سے اسماء بنت ابی بکر مراد نہیں ہے بلکہ اسماء بنت شکل مراد ہے آنے والی حدیث میں تصریح موجود ہے یہ انصاری خاتون تھی اس لئے حضرت عائشہؓ نے انصاری عورتوں کی تعریف کی ہے فقاہت حاصل کرنے میں ان کو حیاء نہیں روک سکتی۔

۷۵۱- وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ فِي هَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَقَالَ: قَالَ: "سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِي بِهَا". وَاسْتَتَرَ.

۷۵۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ كِلاَهُمَا عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ شَكَلٍ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَغْتَسِلُ إِحْدَانَا إِذَا طَهُرَتْ مِنَ الْحَيْضِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ.

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اسماء بنت شکلؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی حیض سے پاکی کے بعد کس طرح غسل کرے؟ باقی حدیث اسی طرح بیان کی غسل جنابت کا تذکرہ نہیں کیا۔

باب المستحاضة وغسلها وصلاتها

مستحاضہ عورت کے غسل کرنے اور نماز پڑھنے کے احکامات

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۷۵۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ فَقَالَ: "لاَ إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلاَةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت ابی حبیش نبی پاک ﷺ کے پاس آئیں اور آپ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! میں ایک مستحاضہ عورت ہوں اور پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ایک رگ کا خون ہے حیض کا خون نہیں ہے جب تجھے حیض آئے تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب حیض کے ایام گزر جائیں تو غسل کرو اور خون دھو کر نماز پڑھا کرو۔

۷۵۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِمِثْلِ حَدِيثِ وَكِيعٍ وَإِسْنَادِهِ. وَفِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ عَنْ جَرِيرٍ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَسَدٍ وَهِيَ امْرَأَةٌ مِنَّا. قَالَ: وَفِي حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ زِيَادَةُ حَرْفٍ تَرَكْنَا ذِكْرَهُ.

حضرت ہشام بن عروہؒ سے بھی وکیع کی روایت کی طرح روایت ہے مگر کچھ الفاظ کی کمی بیشی ہے۔

تشریح

"ابن عبد المطلب بن اسد" تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں ابن عبد المطلب میں ابن کا لفظ وہم کی بنیاد پر آ گیا ہے اصل روایت میں ابی جیش بن المطلب ہے عبد کا لفظ غلط ہے۔

"وھی امرأۃ منا" یہ ہشام کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت ابی جیش ہمارے خاندان کی عورت تھی دونوں کا اسد قبیلہ سے تعلق تھا۔

۷۵۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتِ اسْتَفْتَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي أُسْتَحَاضُ. فَقَالَ: "إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي ثُمَّ صَلِّي". فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ. قَالَ: اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ وَلَكِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَتْهُ هِيَ. وَقَالَ: ابْنُ رُمْحٍ فِي رِوَايَتِهِ ابْنَةُ جَحْشٍ وَلَمْ يَذْكُرْ أُمَّ حَبِيبَةَ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہؓ بنت جحشؓ نے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ میں مستحاضہ ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو رگ کا خون ہے لہٰذا نماز پڑھتی رہو چنانچہ وہ ہر نماز کے وقت غسل کرتی تھی۔

حضرت لیثؒ کہتے ہیں کہ ابن شہاب زہریؒ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ام حبیبہؓ بنت جحش کو ہر نماز کے وقت غسل کرنے کا حکم دیا تھا بلکہ انہوں نے بذات خود ایسا کیا۔

تشریح: "فکانت تغتسل عند کل صلوٰۃ" یعنی ام حبیبہ بنت جحش ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

مستحاضہ کا بیان

مسائل مستحاضہ مہمات فقہ میں سے عمیق اور مشکل ترین مسائل ہیں علماء نے ہر زمانہ میں اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

مثلاً علامہ نوویؒ نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے امام محمدؒ نے مستقل کتاب لکھی ہے اور امام طحاویؒ نے بھی اس پر مستقل کتاب لکھی ہے مستحاضہ اور استحاضہ کے متعلق چند ابحاث کو الگ الگ لکھنا ضروری ہے اس کے بعد تمام احادیث کو ان ابحاث کی روشنی میں سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ صحیح مسلم کی روایات میں تو طویل مباحث کی طرف اشارہ نہیں ہے لیکن سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد نے ان مباحث کی روایات کو چھیڑا ہے اس لئے میں گویا سنن ترمذی ابوداؤد اور مشکوٰۃ کو پیش نظر رکھ کر مکمل ابحاث لکھتا ہوں۔

بحث اول

پہلی بحث اس میں ہے کہ استحاضہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور حقیقت کیا ہے تو استحاضہ باب استفعال کا مصدر ہے اس کا مجرد حیض ہے جو باب حاض یحیض حیضاً سے آتا ہے باب استفعال میں جو سین اور تا کی زیادتی ہوتی ہے اس کے لئے خواص ہیں یہاں سین اور تا زیادتی یا تو مبالغہ کے لئے ہے یعنی بہت زیادہ خون کا بہنا اور یا یہ مصدر تحول کے لئے آیا ہے یعنی ایک حقیقت سے نکل کر شے دوسری حقیقت میں چلی گئی ہے مثلاً استنوق الجمل ای تحول الجمل الی الناقة یا کہا جائے "کان حمار أفاستین ای صار الحمار اتانا" یعنی پہلے گدھا تھا اب گدھی بن گئی یہاں بھی استحاض یعنی صار الحیض شیئاً أخر ای تحول الحیض استحاضة یا کہا جاتا ہے: استحجر الطین ای صار الطین حجرا۔

اب بطور لطیفہ علمیہ یہ بات سمجھ لو کہ استحاضہ کے مادہ اور صیغہ سے آپ جو بھی صیغہ استعمال کروگے وہ مجہول کا ہوگا معروف کا صیغہ نہیں آئے گا اسی طرح اسم فاعل استعمال نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے اسم فاعل کو توڑ کر اسم مفعول بنانا پڑے گا۔

تو استحاضت المرأة نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ تستحاض المرأة یا استحیضت المرأة مجہول کا صیغہ بولنا پڑے گا امرأة مستحیضة کہنا صحیح نہیں بلکہ مستحاضۃ ضروری ہے جو اسم مفعول ہے تو یہ استحاضہ کی لغوی تحقیق تھی۔

استحاضہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے هی جریان الدم من فرج المرأة فی غیر اوانه" یعنی حیض اور نفاس کے علاوہ عورت کے قبل سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کہلاتا ہے۔

احادیث میں استحاضہ کی وجہ اور اس کے اسباب کے بارے میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ایک جگہ انهار کضة الشیطان کے الفاظ ہیں دوسری جگہ "عرق انقطع" کے الفاظ وارد ہیں اس کی تشریح میں ایک حدیث میں داء عرض کے الفاظ ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک رگ ہے جس کا نام "عاذل" ہے اور حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ اس کو فم رحم کا نام دیتے ہیں جو کچھ بھی ہو یہ خون عورت کی "قُبل" سے آتا ہے البتہ یہ غیر طبعی خون ہے جو مزاج کے فساد کی وجہ سے آتا ہے حدیث میں "داء عرض" کے جو الفاظ آئے ہیں یہ اسی غیر طبعی نظام کی طرف اشارہ ہے اب رکضة الشیطان ان آخری دونوں اسباب کو شامل ہے کہ شیطان کی یہ ٹھوکر کبھی تو عرق انقطع کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی داء عرض کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے عرق عاذل کی اصطلاح اطباء کے ہاں نہیں ہے باقی چیزوں میں وہ متفق ہیں بہرحال کبھی کبھی یہ خون رحم کے اندر کسی رگ سے بھی آتا ہے۔یہ بھی ایک سبب ہے مستحاضہ عورت اصحاب اعذار اور شرعی معذورین کے حکم میں ہے لہٰذا یہ دیگر معذورین کی طرح نماز پڑھے گی تمام عبادات ادا کرے گی شوہر اس کے ساتھ جماع کرسکتا ہے۔گویا یہ استحاضہ سلسل البول، رعاف دائم، استطلاق البطن اور انفلات الریح بیماریوں کی طرح ایک بیماری ہے جو کسی امر شرعی کے لئے مانع نہیں ہے۔

ابن حجرؒ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں استحاضہ میں مبتلا دس عورتوں کا ذکر کیا ہے ان میں تین تو بنات جحش تھیں فاطمہ بنت ابی جحش اور سودہ بنت زمعہ ام سلمہ اسماء بنت عمیس اسماء بنت مرشد سہلة بنت سہیل اور بادیہ بنت غیلان تھیں۔

بحث دوم

مستحاضہ کی اقسام

ائمہ احناف کے نزدیک مستحاضہ کی کل تین قسمیں ہیں معتادہ، مبتداۃ اور متحیرہ ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے لیکن ان کے ہاں مستحاضہ کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جو ممیزہ کے نام سے مشہور ہے۔صحیح مسلم میں اسکی تفصیلات کی طرف اشارہ نہیں ہے لیکن سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد کی روایات سے ممیزہ کی قسم کو جمہور نے اخذ کیا ہے۔

معتادہ کا حکم

معتادہ وہ عورت ہے جس کی مدت حیض اور اس کے دن معروف اور مقرر ہوں کہ مثلاً آٹھ یا دس دن یا پانچ دن حیض آتا ہے یہ اس کی عادت ہے ائمہ احناف کے ہاں تین بار جب ایک ہی انداز سے حیض آ گیا تو عادت کے ثبوت اور تقرر کے لئے یہی کافی ہے معتادہ کا حکم یہ ہے کہ مدت عادت تک حیض شمار ہوگا اور اس کے بعد استحاضہ شمار ہوگا حیض کے ایام میں یہ عورت شرعی احکام ادا نہیں کرسکتی ہے اور استحاضہ میں سب ادا کرے گی احادیث میں جن مستحاضہ عورتوں کا بیان آیا ہے احناف کے ہاں وہ اکثر معتادہ تھیں۔

مبتدأہ کا حکم

مبتدأہ اس مستحاضہ عورت کو کہتے ہیں جس کو بلوغ کے وقت جو پہلی بار خون آیا وہ اتنا لمبا ہو گیا کہ اکثر مدت حیض سے بھی آگے بڑھ گیا۔مبتدأہ کا حکم احناف کے ہاں یہ ہے کہ دس دن اس کا حیض ہے باقی استحاضہ ہے شوافع کے ہاں ۱۵ دن حیض ہے باقی استحاضہ ہے مالکیہ کے ہاں ۱۷ دن حیض ہے اور باقی استحاضہ ہے ہر ماہ میں اس کا یہی حکم رہے گا۔

متحیرہ کا حکم

متحیرہ وہ مستحاضہ عورت ہے جو اپنے ایام حیض اور زمانہ استحاضہ میں تمیز نہ کرسکے اور خود حیران رہ جائے کہ اب میں کیا کروں یا عالم دین اور فقیہ کو اس کے دقیق اور گھمبیر و پیچیدہ مسائل نے حیران کر کے رکھ دیا اس متحیرہ کی حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے اس کی تین قسمیں ہیں یعنی ایک قسم متحیرہ فی مدۃ الزمان ہے کہ کتنے دن خون آیا تھا اس میں حیران و پریشان ہے دوسری قسم متحیرہ فی اوقات الزمان کہ کب یہ خون شروع ہوا تھا آیا ابتداء مہینہ میں تھا یا وسط کا وقت تھا یا آخر مہینہ تھا، متحیرہ کی تیسری قسم وہ متحیرہ ہے جو سب میں حیران و پریشان ہے۔اس کا حکم اجمالی طور پر سمجھ لیں کہ یہ عورت اپنے مسائل میں سوچ و بچار اور تحری کرے اور پھر ظن غالب پر عمل کرے فقہاء احناف کی تفصیلات کا یہی خلاصہ ہے، اس سے زیادہ اس کے مسائل میں پڑنے سے صرف حیران ہونا پڑے گا حیرانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس متحیرہ کو ضالہ بھی کہتے ہیں جو خود بھٹکی ہوئی ہے یا مضلہ ہے جو عالم کو بے راہ کر کے رکھ دیتی ہے۔

بحث سوم

خون کے رنگوں میں تمیز کرنا

احناف کے نزدیک مستحاضہ کی وہی تین قسمیں ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے دیگر فقہاء کے نزدیک مستحاضہ کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جس کو ممیزہ کہتے ہیں جو اپنے ایام کا تعین خون کے رنگوں کو دیکھ کر کرسکتی ہے احناف کے ہاں اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

بہر حال یہاں یہ بحث ہے کہ کونسے الوان اور کون سے رنگ کا خون حیض کا ہے اور کون سے رنگ کا استحاضہ ہے۔فتح القدیر میں لکھا ہے کہ خون کے کل رنگ چھ ہیں: (۱) حمرۃ (۲) صفرۃ (۳) کدرۃ (۴) خضرۃ (۵) تربیۃ (۶) اور سودا۔

ان اقسام میں سے دو قسمیں یعنی حمرۃ اور سودا بالاتفاق حیض کا خون ہے اور صفرۃ اور خضرۃ کے بارے میں بھی علامہ نوویؒ کا کہنا ہے کہ وہ بھی حیض کا خون ہے۔

فقہاء کا اختلاف

اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ الوان اور خون کے رنگوں کا اعتبار ہے یا نہیں ہے یعنی دم کے رنگ کا اثر صاحب دم پر پڑے گا یا نہیں؟

تو جمہور کے نزدیک الوان اور خون کے رنگوں کے اختلاف کا اعتبار ہے پھر آپس میں ان کا یہ اختلاف ہے کہ اگر عادت اور خون کے رنگ میں اختلاف آیا تو ترجیح کس کو دی جائے گی یعنی عادت کا تقاضا اور ہے اور رنگ کا اور ہے تو ترجیح کس کو ہوگی؟ تو امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عادت کو ترجیح ہوگی اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ممیزہ کی تمیز کو ترجیح دی جائے گی بہرحال جمہور کے ہاں الوان دم کا اعتبار ہے اور اسی سے ان کے ہاں ممیزہ پیدا ہوگئی ہے کہ ایک مستحاضہ ممیزہ بھی ہے جو خون کے رنگ کو دیکھ کر فیصلہ کرسکتی ہے کہ یہ خون حیض کا یا استحاضہ کا ہے۔ احناف کے ہاں الوان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ توبسا اوقات اتنا مشکل ہوجاتا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹر بھی اس کا فرق نہیں کرسکتے ہیں۔

دلائل:

جمہور نے فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں **"فانه دم اسود یعرف"** یعنی حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے اس کی تمیز عورت کرسکتی ہے۔ لہٰذا تمیز بالالوان کا اعتبار ہے اور ممیزہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جمہور کے ہاں تمیز بالالوان اور ممیزہ بطور ضابطہ وقاعدہ تسلیم شدہ ہے ائمہ احناف نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے روایت یہ ہے:

"کان النساء یبعثن الدرجة الی عائشة فیها الکرسف فیه الصفرة من دم الحیض یسئلنها عن الصلوٰة قالت لاتعجلن حتی ترین القصة البیضا" (موطا مالک ص ۴۳)

یعنی عورتیں اپنے کرسف حیض کے چیتھڑے ڈبیہ میں بند کر کے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں تاکہ وہ فیصلہ کریں کہ یہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا ہے تاکہ نماز پڑھنے کا حکم معلوم ہوجائے حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ تم عورتیں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم خالص سفیدی دیکھ لو جب سفید پانی آجائے تو وہ حیض کا خون نہیں ہوگا پھر تم نماز پڑھ سکتی ہو۔

احناف نے فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی روایت **"اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف"** پر دو اعتراض کئے ہیں پہلے اعتراض کا تعلق جمہور کے اس استدلال کے الفاظ اور سند سے ہے:

① بیہقی نے کہا ہے کہ یہ الفاظ مضطرب ہیں۔

② ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے ان الفاظ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ روایت منکر ہے۔

③ یحییٰ بن سعید قطان نے کہا کہ یہ منقطع ہے طحاوی نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔

دوسرا اعتراض احناف نے یہ کیا ہے کہ الوان کا اختلاف اغذیہ، امکنہ اور ازمنہ کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ گوشت کھانے والی عورت کے حیض کا خون کالا آتا ہے اور سبزی کے زیادہ استعمال سے خون کے رنگ میں سبزی کا رنگ غالب ہو جاتا ہے اور گرمی اور سردی کے مقامات وبلدان اور آب وہوا کا اثر لازمی طور پر انسانی طبیعت پر پڑتا ہے لہٰذا خون کے رنگوں کو حیض اور استحاضہ کے خون کے لئے معیار اور ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ بلکہ عادت ایک مضبوط نظام طبعی ہے اسی کو معیار کے طور پر قبول کرنا چاہئے نیز احادیث کے زیادہ تر الفاظ کے اشارے عادت کی طرف ہیں صرف یہ ایک جملہ جو اوپر مذکور ہوا اس میں الوان کا ذکر ہے لیکن یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے خصوصاً جبکہ اس کے مقابلہ میں دیگر احادیث بھی ہیں۔

جمہور نے فصل اول کی پہلی حدیث "فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوٰۃ" سے بھی استدلال کیا ہے لیکن اس حدیث سے الوان دم پر استدلال کرنا نا قابل فہم ہے لہٰذا اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

بحث چہارم

مصداق احادیث

باب الاستحاضہ میں مستحاضہ کے بارے میں احادیث میں مختلف احکام مذکورہ ہیں تتبع اور تلاش سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں تین قسم کے احکام کا ذکر آیا ہے۔

① مستحاضہ کے لئے آنحضرت ﷺ کا پہلا حکم یہ ہے کہ تدع الصلوٰۃ ایام اقرائھا کہ حیض کے ایام میں یہ عورت نمازیں چھوڑے گی۔

② "اذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوٰۃ و اذا ادبرت فاغسلی عنک الدم"۔

اس روایت میں حیض کے آنے جانے کے اوقات کی طرف اشارہ ہے اور عورت کے عمل کو بتا گیا ہے۔ جس سے معتادہ کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

③ "لتنظر عدد اللیالی والایام التی کانت تحیضھن من الشھر"۔

اس روایت میں بھی اشارہ ہے کہ عورت کو اپنے ایام کا خوب حساب کرنا چاہئے۔

ائمہ احناف کے نزدیک ان تمام روایات کا تعلق معتادہ سے ہے اور یہ احکام بھی معتادہ کے بیان ہوئے ہیں اور شوافع کے ہاں دوسری روایات میں معتادہ اور ممیزہ کا احتمال ہے اور تیسری روایت ممیزہ کے لئے ہے احناف اور حنابلہ کے ہاں ممیزہ کا وجود نہیں مستحاضہ یا معتادہ ہے یا مبتدءہ ہے اور یا متحیرہ ہے جس کو ضالۃ اور مضلہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ عورت یا حقیقت پانے سے خود گم شدہ ہے یا فقیہ کو گمراہ کر رہی ہے۔

بحث پنجم

مستحاضہ کے وضو کا حکم

باب المستحاضہ کی روایات میں مستحاضہ عورت کے احکام وضو اور احکام غسل کے بارے میں کئی قسم کے الفاظ آئے ہیں مثلاً ایک

روایت میں تتوضأ لکل صلوٰۃ کے الفاظ ہیں دوسری روایت میں تغتسل لکل صلوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں ایک روایت میں تتوضألوقت کل صلوٰۃ کے الفاظ ہیں ایک روایت میں تجمع بین الصلوتین بغسل واحد کے الفاظ ہیں الفاظ کے اس اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرام میں بھی اختلاف آ گیا ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

انقضاء حیض کے بعد مستحاضہ پر ایک غسل بالاتفاق فرض ہے وضو کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ استحاضہ کے خون سے وضو نہیں ٹوٹتا اور جن روایتوں میں وضو کا حکم آیا ہے وہ مالکیہ کے نزدیک استحباب پر محمول ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دم استحاضہ کا خروج موجب للوضو ہے مستحاضہ کو وضو کرنا پڑے گا پھر ان حضرات کا آپس میں وضو کے بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا ہر نماز کے لئے مستحاضہ وضو کرے یا ہر وقت کے لئے وضو کرے۔

شوافع کے نزدیک مستحاضہ پر لازم ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے اگر ایک وقت کے اندر کئی نمازیں پڑھنی ہیں تو ہر فرض نماز کے لئے نیا وضو بنانا پڑے گا ہاں وقت کی نماز کے ساتھ جو توابع سنتیں ہیں وہ اس وضو سے پڑھ سکتی ہیں گویا فرض نماز کے بعد مستحاضہ کا وضو ٹوٹ گیا۔

ائمہ احناف اور حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی جب نماز کا وقت نکل جائے گا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا وقت جب تک موجود ہے یہ مستحاضہ اس وقت میں ہر قسم کی کئی نمازیں پڑھ سکتی ہے خواہ نوافل ہوں یا فرائض ہوں۔

دلائل:

امام شافعیؒ نے تتوضألکل صلوٰۃ اور تتوضأعند کل صلوٰۃ والی روایات سے استدلال کیا ہے اور حکم لگایا کہ مستحاضہ جب بھی نماز پڑھے گی نیا وضو بنائے گی بہت ساری حدیثوں میں وضو کرنے کا حکم آیا ہے اور عدی بن ثابت کی روایت میں تتوضأعند کل صلوٰۃ کے الفاظ موجود ہیں جو شوافع کی دلیل ہے۔ (رواہ ابوداؤد) احناف اور حنابلہ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں تتوضألوقت کل صلوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں اس روایت کو ابن قدامہ نے اپنی مشہور کتاب مغنی میں ذکر کیا ہے یہ فاطمہ بنت ابی حبیشؓ ہی کی بعض روایات کے الفاظ ہیں بعض روایات میں حتی یجیئی ذلک الوقت کے الفاظ آئے ہیں اس سے بھی احناف نے استدلال کیا ہے وہ وقت کے لئے وضو ہے کیونکہ وقت کی صراحت موجود ہے۔

ائمہ احناف اور حنابلہ نے جب تتوضألوقت کل صلوٰۃ کی روایت سے استدلال کیا تو اب تتوضألکل صلوٰۃ اور عند کل صلوٰۃ والی روایتوں سے ان کے لئے مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ ان پر عمل کیسے ہوگا اور اس کا جواب کیا بنے گا۔

تو احناف کے مشہور محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں تین قسم کے الفاظ ہیں لوقت کل صلوٰۃ، لکل صلوٰۃ، عند کل صلوٰۃ پہلا لفظ وقت کے لئے متعین ہے اور آخری دونوں جملوں میں وقت اور نماز دونوں معنوں کا احتمال ہے کیونکہ لام اور عند تعلیلیہ بھی ہو سکتے ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ مستحاضہ ہر نماز کی وجہ سے وضو بنائے اور وقتیہ بھی ہو سکتے ہیں۔

تومطلب یہ ہوجائے گا کہ مستحاضہ نماز کے ہروقت کے لئے وضوبنائے اب ان محتمل کلمات کوان متعین کلمات پر حمل کرنا چاہئے جن میں وقت کا تعین کیا گیا ہے۔جیسے تتوضأ لوقت کل صلوۃ ہے خلاصہ یہ کہ مجمل اور محتمل کومفسر اور متعین پر حمل کریں گے اور عربی لغت میں لام وقت کے لئے استعمال ہوتا رہتا ہے قرآن کریم کی آیت ہے:اقم الصلوۃ لدلوک الشمس یہاں لام وقت کے لئے ہے ای وقت دلوک الشمس اسی طرح عرب کہتے ہیں اتیک للظھیر ای فی وقت الظھر۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث کے تمام الفاظ کووقت کے معنی پر آسانی سے حمل کیا جاسکتا ہے اور صلوۃ کا مفہوم اگر لیا توان روایتوں پر عمل نہیں ہوسکتا جن میں وقت کا لفظ آیا ہے۔امام طحاوی نے شوافع پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مثلاً ایک مستحاضہ عورت نے نماز کے لئے وضوتو بنالیا مگر نماز نہ پڑھی اور نماز کا وقت نکل گیا تواب بتاؤ اس کا وضو کیسے ٹوٹے گا جبکہ اس کے لئے آپ حضرات نماز ناقض للوضو بناتے ہو؟

مستحاضہ کے غسل کا مطلب

مستحاضہ سے متعلق سنن کی کتابوں میں جواحادیث وارد ہیں ان میں بعض سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مستحاضہ کو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا تھا امام طحاوی نے بھی سہلہ بنت سہیلؓ کے متعلق نقل کیا ہے کہ ان کو حضور اکرم ﷺ نے ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا تھا،اسماء بنت عمیسؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں لما اشتد علیھا الغسل یعنی ہر نماز کے لئے ایک غسل کرنے کا حکم دیدیا اس سے بھی ہر نماز کے لئے غسل کا حکم معلوم ہوتا ہے اسی طرح ابوداؤد شریف میں حمنہ بن جحش کی روایت سے دو نمازوں کے لئے ایک غسل کا حکم معلوم ہوتا ہے یعنی ظہر اور عصر کے لئے ایک غسل اور مغرب اور عشاء کے لئے دوسرا غسل اور فجر کے لئے تیسرا غسل تو یہ پانچ نمازوں کے لئے تین غسلوں کا حکم ہے اسی طرح پانچ نمازوں کے لئے تین غسلوں کا حکم اس حدیث میں بھی ہے جس کی روایت اسماء بنت عمیسؓ نے کی ہے۔صحیح مسلم کی حدیث ۷۵۵ میں ام حبیبۃ بن جحش کی روایت میں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا ذکر ہے۔

اب غسلوں کے علاوہ ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم بھی کئی احادیث میں آیا ہے اب ائمہ اربعہ کا مسلک وضو کا ہے تو غسل کی ان حدیثوں کا جواب دینا اوران احادیث کو صحیح محمل پر حمل کرنا ائمہ اربعہ کی ذمہ داری ہے۔چنانچہ ان احادیث کی ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کی طرف سے علماء نے کئی توجیہات کی ہیں۔

① اولی توجیہ اور جواب یہ ہے کہ غسل کی تمام احادیث استحباب پر محمول ہیں کہ غسل واجب تو نہیں لیکن اگر کرے تو مستحب ہے کہ ہر نماز کے لئے الگ الگ یا دو نمازوں کے لئے ایک غسل کرے۔

② غسل کی تمام احادیث کا تعلق علاج سے ہے مطلب یہ کہ ان مستحاضہ عورتوں کو غسل کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ ٹھنڈے پانی کے استعمال کرنے سے خون میں کمی آجائے اور خون رک جائے۔

③ احادیث غسل کی تمام احادیث کا نقشہ بہت اچھے طریقہ سے امام طحاوی نے پیش کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ سہلہ بنت سہیلؓ کو آنحضرت ﷺ نے ابتداء میں ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا تھا پھر آپ نے اس میں نرمی کر کے دو نمازوں کے لئے ایک غسل کا حکم دے

دیا جب یہ بھی ان پر شاق ہوگیا تو آپ نے ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا تو دو نمازوں کے لئے ایک غسل کے حکم سے ہر نماز کے لئے غسل کا حکم منسوخ ہوگیا پھر ہر نماز کے لئے وضو کرنے کے حکم سے غسل کا حکم منسوخ ہوگیا اور اگر غسل کا حکم منسوخ نہیں ہے تو علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بطور علاج تبرید کے حصول کے لئے غسل کا حکم دیا تھا۔ (واللہ اعلم)

۷۵۶ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ - خَتَنَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ - اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي ذٰلِكَ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِنَّ هٰذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلٰكِنَّ هٰذَا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي". قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ فِي مِرْكَنٍ فِي حُجْرَةِ أُخْتِهَا زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حَتّٰى تَعْلُوَ حُمْرَةُ الدَّمِ الْمَاءَ. قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ فَحَدَّثْتُ بِذٰلِكَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَقَالَ: يَرْحَمُ اللهُ هِنْدًا لَوْ سَمِعَتْ بِهٰذِهِ الْفُتْيَا وَاللهِ إِنْ كَانَتْ لَتَبْكِي لِأَنَّهَا كَانَتْ لَا تُصَلِّي.

حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحشؓ جو آنحضرت ﷺ کی خواہر نسبتی اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی زوجہ تھیں انہیں استحاضہ کا خون سات سال تک جاری رہا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں حکم شرعی دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کوئی حیض کا خون نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رگ کا خون ہے لہٰذا تم غسل کرو اور نماز پڑھو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: وہ ایک سلفچی میں غسل کرتی تھیں اپنی بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کے حجرے میں یہاں تک کہ خون کی سرخی پانی کے رنگ پر غالب آجاتی تھی۔

ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ ہندہ پر رحم کرے کاش وہ بھی یہ فتویٰ سن لیتی خدا کی قسم وہ اس بات پر بہت روتی تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھتی۔

تشریح

"ختنة رسول الله" ام حبیبۃ بنت جحش کو اس حدیث میں دو صفتوں سے ممتاز کیا گیا ہے ایک صفت یہ کہ یہ آنحضرت ﷺ کی سالی تھی زینب بن جحش کی بہن تھی دوسری صفت یہ کہ یہ عبدالرحمن بن عوف کی بیوی تھی ان تصریحات سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ یہ ام حبیبہ آنحضرت ﷺ کی بیوی نہیں بلکہ آپ کی بیوی اس کی بہن زینب بنت جحش تھی لوگوں کو وہم ہوگیا ہے کہ ام حبیبہ کنیت ہے زینب بنت جحش کی، اور زینب کو گویا استحاضہ لاحق ہوگیا تھا یہ وہم غلط تھا امام مسلم نے واضح کر دیا ہے۔

"فاغتسلی" آنحضرت نے ان کو صرف غسل کا فرمایا تھا مگر انہوں نے اپنی طرف سے پانچ نمازوں میں ہر نماز کے ساتھ غسل کرنا شروع کر دیا۔

"فی مرکن" لگن، شانک، تھرامی اور ایک قسم ٹب کو مرکن کہا گیا ہے۔

"فی حجرۃ اختھا زینب" اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت زینب بنت جحش جو ام المومنین ہیں ان کو استحاضہ نہیں تھا ان کی بہن ام حبیبہ کو تھا۔

"یرحم اللہ ھنداً" فقہاء کے ہاں جب یہ مسئلہ مسلم ہو گیا کہ مستحاضہ عورت استحاضہ کی حالت میں نماز پڑھیگی تو ابن شہاب زہریؒ نے کہا کہ میں نے یہ مسئلہ ایک بڑے فقیہ ابو بکر بن عبد الرحمن کے سامنے بیان کیا تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ "ھندہ" عورت پر رحم فرمائے کاش وہ اس فتوی کو سن لیتی کہ مستحاضہ عورت نماز پڑھے گی تو وہ نماز ترک نہ کرتی اس کی رائے تھی کہ مستحاضہ نماز نہیں پڑھ سکتی وہ خود مستحاضہ تھی تو نماز ترک کیا کرتی تھی بعد میں مسئلہ کے معلوم ہونے پر روتی رہتی تھی کہ میں نے نمازوں کو کیوں چھوڑ دیا۔

۷۵۷ - وَحَدَّثَنِي أَبُو عِمْرَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ - يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتِ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ إِلَى قَوْلِهِ تَعْلُو حُمْرَةُ الدَّمِ الْمَاءَ. وَلَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام حبیبہ بنت جحشؓ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہیں سات برس تک استحاضہ آیا باقی حدیث سابقہ حدیث کی طرح ہے لیکن آخری حصہ مذکور نہیں ہے۔

۷۵۸ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ ابْنَةَ جَحْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ سَبْعَ سِنِينَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام حبیبہ بنت جحشؓ کو سات سال کی عمر میں حیض آیا۔۔۔

۷۵۹ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الدَّمِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مَلْآنَ دَمًا فَقَالَ: لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ "امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي".

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے حضور ﷺ سے حیض کے خون کے بارے میں دریافت کیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے غسل کا برتن دیکھا وہ خون سے بھرا ہوا تھا رسول ﷺ نے فرمایا: اتنے دنوں تک ٹھہری رہو جتنے دن تمہیں حیض نماز سے روکے رکھے اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دو۔

۷۶۰ - حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ قُرَيْشٍ التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِي كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ شَكَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الدَّمَ فَقَالَ: لَهَا "امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِي". فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ.

حضرت عائشہؓ زوجہ مطہرہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ ام حبیبہ بنت جحشؓ جو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی زوجہ تھیں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے خون جاری رہنے کی شکایت کی آپ ﷺ نے ان سے کہا: اتنے دن تک نماز سے ٹھہری رہو جتنے دن تمہیں حیض آئے اس کے بعد غسل کرلو۔ چنانچہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔

باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوٰۃ

حائضہ عورت پر روزوں کی قضاء واجب ہے نمازوں کی نہیں

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو نقل کیا ہے

۷۶۱ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مُعَاذَةَ ح وَحَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ يَزِيدَ الرِّشْكِ عَنْ مُعَاذَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ فَقَالَتْ أَتَقْضِي إِحْدَانَا الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِهَا فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ قَدْ كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ لَا تُؤْمَرُ بِقَضَاءٍ.

حضرت معاذہؒ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیا ہم میں سے کوئی عورت اپنے ایام حیض میں نمازوں کی قضاء کرے گی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تو حروریہ ہے (خارجی) رسول ﷺ کے زمانے میں اگر ہم میں سے کسی کو حیض آتا تو حضور ﷺ اسے نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیتے تھے۔

تشریح

''عن ابی قلابۃ'' ابوقلابۃ کا نام عبداللہ بن زید ہے قاف پر زیر ہے ''یزید الرشک'' را پر کسرہ ہے اور شین ساکن ہے یہ یزید بن ابی یزید ضبعی بصری ہے ''رشک'' اس کا لقب ہے اس لقب کی وجہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا کہ رشک فارسی لفظ ہے اس کا معنی ''قاسم'' ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ غیور کے معنی میں ہے بعض نے کہا اس کا معنی گھنی داڑھی والا ہے بعض نے کہا کہ رشک بچھو کو کہتے ہیں یزید کو رشک یعنی بچھو والا اس لئے کہا گیا کہ اس کی داڑھی میں بچھو گھس گیا تھا داڑھی اتنی گھنی تھی کہ تین دن تک ان کو خود پتہ نہ چلا کہ اندر بچھو گھسا پڑا ہے اس لئے وہ اس لقب سے مشہور ہو گئے بہر حال اگر علماء یہ لکھتے کہ رشک فارسی لفظ ہے جو غبطہ اور رشک کرنے کے معنی میں ہے یعنی لوگ اس کے علم پر رشک کرتے تھے تو یہ بھی ایک توجیہ ہو سکتی تھی مگر کسی نے نہیں لکھا ہے تو میں کیا لکھوں گا۔

''ان امرأۃ سألت'' یہاں تصریح نہیں ہے بلکہ اس عورت کا نام مبہم چھوڑا گیا ہے اگلی روایت میں اس کا نام ''معاذۃ'' مذکور ہے یہ ''معاذہ'' خود اس روایت کی روایت کرنی والی ہے۔

''اتقضی احدانا الصلوۃ؟'' یعنی نماز کا درجہ بہت اونچا ہے اور روزہ دوسرے مرتبہ پر ہے جب روزہ کی قضا ہے تو کیا ہم نماز کی قضاء نہ کریں یعنی نماز کی قضاء کرنی چاہئے یہ استفہام گویا تقریری ہے۔

"أحروریة أنت" حضرت عائشہؓ نے استفہام انکاری کے طور پر جواب دیا کہ کیا تم خوارج میں سے ہو کہ نماز پڑھنے کی بات کرتی ہو ہم کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی قضاء کا نہیں فرمایا البتہ روزہ کی قضاء کا حکم دیا تھا "حروریة" کی نسبت حروراً کی طرف ہے یہ ایک بستی ہے جو کوفہ سے دومیل کے فاصلہ پر ہے جنگ صفین میں جب حضرت علی کی فوجیں غالب آنے لگیں تو حضرت معاویہ کی فوجوں نے نیزوں پر قرآن اٹھالئے اور کہا کہ "بیننا و بینکم کتاب اللہ" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی ایک جنگی چال ہے جنگ بند نہ کرو مگر آپ کے ساتھیوں نے کہا کہ قرآن کے سامنے ہم لڑنے نہیں جائیں گے چنانچہ صلح کے لئے تحکیم کا واقعہ پیش آیا اس میں ناکامی ہوئی اور جنگ مزید تیز ہوگئی حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے بغاوت کردی کہ حکم اور تحکیم صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے حضرت علیؓ نے انسانوں کو حکم مقرر کر کے غلط کام کیا ہے یہ لوگ حضرت علی سے الگ ہو گئے اور جا کر حروراء مقام میں بیٹھ گئے اور حضرت علی پر کفر کا فتویٰ لگا کر جنگ شروع کردی جنگ نہروان میں ان کے چھ ہزار آدمی مارے گئے بغاوت کے ساتھ ان خوارج کے عقائد میں بھی فساد آگیا تھا انہیں میں سے ایک عقیدہ یہ تھا کہ حائضہ عورت روزہ کی قضاء کی طرح نماز کی بھی قضاء کرے گی کیونکہ نماز کی شان روزہ سے اونچی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اس عورت سے یہی کہا ہے کہ کیا تیرا تعلق خوارج سے ہے کہ اس طرح سوال کرتی ہو اس نے کہا کہ میں خوارج نہیں ہوں یہ سوال صرف سمجھنے کے لئے ہے تعنت اور جھگڑے کے لئے نہیں ہے اب اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بس ہم شریعت کے پابند ہیں ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی قضا کے لئے کہا نماز کی قضاء کے لئے نہیں کہا اب علماء کرام نے نماز اور روزہ میں فرق بیان کیا ہے کہ روزے سال میں ایک بار آتے ہیں اگر دس دن قضاء ہو بھی گئے تو پورے سال میں اس کا رکھنا اور قضاء کرنا مشکل نہیں لیکن نمازیں دن رات میں پانچ ہیں پانچ قضاء بھی لگ جائیں اور گھریلو کام الگ ہو تو اس کو پورا کرنا بہت حرج ہوگا۔

اس لئے اسلام نے فرق کردیا اور صرف روزہ کی قضاء کا حکم دیا خوارج نے اس کو نہیں مانا اس حدیث میں یہی گفتگو ہے ساتھ والی روایت میں "یجزین" کا لفظ ہے جو "یقیضن" کے معنی میں ہے قضی یقضی کی طرح ہے "لاتجزی نفس عن نفس" کی طرح ہے۔

بہر حال "ان یجزین" اور یقضین" دونوں جملے استفہام انکاری کے مقام پر ہیں ہمزہ استفہام موجود ہے حضرت عائشہؓ اس عورت کے جواب میں فرماتی ہیں کہ آنحضرت کے زمانہ میں عورتیں حائضہ ہوتی تھیں تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز قضا کرنے کا حکم دیتے تھے کہ وہ قضا کریں؟ نہیں بلکہ آپ صرف روزوں کی قضاء کا حکم فرماتے تھے "أفأمرھن ان یقضین؟ ای ما امرھن بقضاء الصلوات۔

۷۶۲- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيدَ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاذَةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ أَتَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ قَدْ كُنَّ نِسَاءُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَحِضْنَ أَفَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَجْزِينَ قَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ تَعْنِي يَقْضِينَ۔

حضرت معاذہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا حائضہ عورت نماز کی قضاء کرے گی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تو خارجیہ عورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کو بھی حیض آتا تھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز

کی قضاء کا حکم دیا؟ (یعنی نہیں دیا)

۷۶۳ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ فَقَالَتْ أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ قُلْتُ لَسْتُ بِحَرُورِيَّةٍ وَلَكِنِّي أَسْأَلُ. قَالَتْ كَانَ يُصِيبُنَا ذَلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلاَ نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلاَةِ.

حضرت معاذہؒ کہتی ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے حائضہ عورت روزہ کی تو قضاء کرتی ہے لیکن نمازوں کی قضاء نہیں کرتی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تو خارجیہ ہے؟ میں (معاذہؒ) نے کہا نہیں۔ میں خارجیہ نہیں ہوں لیکن آپ سے دریافت کررہی ہوں فرمایا: کہ اگر اس طرح ہوتا تو ہمیں روزوں کی قضاء کا حکم ہوتا اور نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں ہوتا۔

باب تستر المغتسل بثوب ونحوہ

کپڑا وغیرہ سے پردہ کر کے غسل کرنا ثابت ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۷۶۴ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ. وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ.

حضرت ام ہانیؓ بنت ابوطالب فرماتی ہیں کہ میں فتح مکہ والے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو میں نے حضور ﷺ کو غسل کرتے ہوئے پایا اس حال میں کہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کو آڑ میں لئے ہوئے تھیں۔

تشریح

''ام ھانیؓ'' ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے بعض نے فاطمہ اور بعض نے ھندہ بتایا ہے آنحضرت ﷺ کی چچازاد بہن ہے بڑی عاقلہ، فاضلہ خاتون تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو کہنے لگی کہ میں آپ کو نبی کی حیثیت سے دیکھنا پسند کرتی ہوں جب نکاح ہوجائے گا تو پھر آپ شوہر ہوجائیں گے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائی ہے ''عام الفتح'' یہ فتح مکہ کے دن کی بات ہے حضرت علیؓ ان کے پاس آئے تو گھر میں ان کے شوہر اور دیور کو پایا وہ مشرک تھے، حضرت علی نے ان کو قتل کرنے کی دھمکی دیدی تو ام ھانیؓ آنحضرت ﷺ کے پاس دوڑ کر گئی اور ان کے لئے امان لیا، آنحضرت ﷺ مسجد رایہ کے مقام پر خیمہ لگا چکے تھے، جو چھپرہ بازار میں ہے آج کل سب علاقہ توسیع میں آگیا ہے۔

۷۶۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ

مَوْلَى عَقِيلٍ حَدَّثَهُ أَنَّ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ حَدَّثَتْهُ أَنَّهُ لَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ بِأَعْلَى مَكَّةَ. قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى غُسْلِهِ فَسَتَرَتْ عَلَيْهِ فَاطِمَةُ ثُمَّ أَخَذَ ثَوْبَهُ فَالْتَحَفَ بِهِ ثُمَّ صَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ سُبْحَةَ الضُّحَى.

حضرت ام ھانی ؓ بنت ابو طالب فرماتی ہیں کہ فتح مکہ والے سال وہ حضور ﷺ کے پاس آئیں آپ ﷺ مکہ کے بلند علاقے میں تھے رسول ﷺ غسل کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہ ؓ نے آپ ﷺ کے آگے آڑ کرلی پھر آپ ﷺ نے کپڑا لیا اور اسے اپنے جسم پر لپیٹا اور چاشت کی آٹھ رکعات پڑھیں۔

تشریح

"وھو باعلی مکۃ" اس سے مراد وہی جگہ ہے جہاں مسجد رایہ قائم ہے جو چھپرہ بازار میں تھا اب توسیع حرم میں آکر سب کچھ ختم ہوگیا "ثمان رکعات" علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آٹھ رکعات صلاۃ الفتح تھی اور یہ نماز اب بھی ہے کہ فتح کے موقع پر ایک سلام سے آٹھ رکعات پڑھ لیا جائے مگر علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ یہ چاشت کی نماز کی آٹھ رکعات تھیں جس سے چاشت کی نماز پڑھنے کا واضح ثبوت ملتا ہے بہرحال اگر صلاۃ الفتح اور صلوۃ الضحیٰ دونوں اس سے ثابت ہو جائے تو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے آنے والی روایت میں "سجدات" کا لفظ آیا ہے اس سے رکعات مراد ہیں تسمیة الکل باسم الجزء۔

۷۶۶ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: فَسَتَرَتْهُ ابْنَتُهُ فَاطِمَةُ بِثَوْبِهِ فَلَمَّا اغْتَسَلَ أَخَذَهُ فَالْتَحَفَ بِهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانَ سَجَدَاتٍ وَذَلِكَ ضُحًى.

حضرت سعید بن ابی ھند ؓ سے بھی اس طرح کی روایت مروی ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ ؓ نے اپنے کپڑے سے پردہ کیا جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے کپڑے کو اسی طرح لپیٹا اور چاشت کی آٹھ رکعات پڑھی۔

۷۶۷ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا مُوسَى الْقَارِئُ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاءً وَسَتَرْتُهُ فَاغْتَسَلَ.

حضرت میمونہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھتی اور آڑ کرتی تھی تو آپ ﷺ غسل فرماتے۔

باب تحریم النظر الی العورات

مستورہ اعضاء کی طرف دیکھنا حرام ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۷۶۸ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "لاَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلاَ الْمَرْأَةُ

إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلاَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلاَ تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ"

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کوئی مرد کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو دیکھے اسی طرح دو مرد ایک کپڑے میں لپٹ کر نہ سوئیں اور نہ ہی دو عورتیں ایک کپڑے میں لپٹیں۔

تشریح

"لا ینظر الرجل" یعنی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہیں دیکھ سکتا ہے اور عورت بھی کسی عورت کی شرمگاہ کو نہیں دیکھ سکتی ہے یہ بالا جماع حرام ہے اسی طرح کوئی مرد کسی اجنبیہ عورت یا عورت کسی اجنبی مرد کے مستورہ اعضاء کو نہیں دیکھ سکتی ہے اسی طرح کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ برہنہ حالت میں نہیں سوسکتا ہے اور نہ عورت کسی عورت کے ساتھ برہنہ حالت میں سوسکتی ہے الا یہ کہ درمیان میں لباس اور کپڑوں کا حائل ہو ایک مرد دوسرے مرد کے گھٹنوں سے اوپر اور ناف کے نیچے حصہ کو نہیں دیکھ سکتا ہے ایک محرم اپنی محرم عورت کے بالوں اور جسم کے اوپر حصوں کو دیکھ کر سکتا ہے اسی طرح گھٹنوں کے نیچے اعضاء کا دیکھنا جائز ہے عورتوں کی طرف دیکھنے کی طرح امرد اور بے ریش خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنا بھی منع ہے خواہ شہوت سے ہو یا شہوت کے بغیر ہو کیونکہ یہ محل فتنہ ہے دیکھنے کے یہ سارے مسائل اس وقت ہیں جبکہ کوئی شرعی یا عرفی مجبوری نہ ہو اگر شرعی مجبوری ہے تو پھر دیکھنا جائز ہے ساتھ والی روایت میں عورة کی جگہ عریة کا لفظ ہے ان دونوں لفظوں میں زیادہ فرق نہیں ہے مستورہ اعضاء مراد ہیں اس کی طرف دیکھنا منع ہے البتہ شوہر ہر طرح آزاد ہے۔

۷۶۸ - وَحَدَّثَنِيهِ هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالاَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالاَ - مَكَانَ عَوْرَةِ - عُرْيَةِ الرَّجُلِ وَعُرْيَةِ الْمَرْأَةِ۔

ضحاک بن عثمانؓ سے سابقہ روایت اسی سند کے ساتھ مروی ہے البتہ کچھ الفاظ کی ردوبدل ہے۔

باب جواز الاغتسال عریانا فی الخلوة

تنہائی میں برہنہ ہو کر غسل کرنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے

۷۷۰ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى سَوْأَةِ بَعْضٍ وَكَانَ مُوسَى - عَلَيْهِ السَّلاَمُ - يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوا وَاللَّهِ مَا يَمْنَعُ مُوسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلاَّ أَنَّهُ آدَرُ - قَالَ: - فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ - قَالَ: - فَجَمَحَ مُوسَى بِإِثْرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي حَجَرُ ثَوْبِي حَجَرُ. حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى سَوْأَةِ مُوسَى قَالُوا وَاللَّهِ مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ. فَقَامَ الْحَجَرُ حَتَّى نُظِرَ إِلَيْهِ - قَالَ: - فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا". قَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللَّهِ إِنَّهُ بِالْحَجَرِ نَدَبٌ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ

ضَرْبُ مُوسَى بِالْحَجَرِ.

حضرت ہمام بن منبہؒ کہتے ہیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ نے ہم سے بیان کی ہیں پھر ہمام نے ان میں سے چند احادیث بیان کیں اور کہا حضور ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ ننگے نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو دیکھا کرتے تھے جبکہ حضرت موسیٰؑ تنہائی میں غسل کیا کرتے بنی اسرائیل نے آپس میں یہ کہا کہ خدا کی قسم موسیٰ ہمارے ساتھ اس لئے نہیں نہاتے کہ وہ آدر (خصیے بڑھنے کی) کی بیماری میں مبتلاء ہیں ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ غسل کر رہے تھے اور اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے تھے کہ اچانک پتھر ان کے کپڑوں کو لے کر بھاگنے لگا موسیٰؑ اس کے پیچھے بھاگے یہ کہتے ہوئے کہ اے پتھر میرے کپڑے تو دے اے پتھر میرے کپڑے تو دے حتی کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کی شرمگاہ کو دیکھ لیا اور کہنے لگے خدا کی قسم موسیٰؑ کو تو ایسی کوئی بیماری نہیں ہے بس پتھر وہیں رک گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اچھی طرح آپؑ کو دیکھ لیا پھر اپنے کپڑے لئے اور پتھر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اس پتھر پر موسیٰؑ کے مارنے کے چھ یا سات نشان موجود ہیں۔

تشریح

"عراۃ" یعنی بنو اسرائیل برہنہ ہو کر ایک ساتھ نہاتے تھے یہ ان کے فسق و فجور کا ایک حصہ تھا۔ اگر کوئی شخص تنہائی میں برہنہ ہوتا ہے تو یہ جائز ہے خواہ غسل کے لئے ہو یا کسی اور ضرورت کے تحت ہو بغیر ضرورت خلاف اولیٰ ہے ہاں مجمع عام میں برہنہ ہونا حرام ہے "سوأۃ" عورت غلیظہ اور مستورہ اعضا کو کہتے ہیں جس کے دیکھنے سے آدمی غمگین ہو جاتا ہے "آدر" ہمزہ ممدودہ سے دال پر زبر ہے راء پر تنوین ہے آذر کے وزن پر ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی خصیین پھولنے کی وجہ سے بڑی ہو گئی ہوں اس کو "برہنا" کی بیماری بھی کہہ سکتے ہیں بنی اسرائیل نے بطور استہزاء و ایذاء یہ کلام کیا اور نبی کے ساتھ استہزاء کفر ہے۔

"فجمح موسی" فتح یفتح سے۔ جموح تیز دوڑنے کو کہتے ہیں "مذب" اثر اور زخم کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کو بھیجا ہے وہ سب مرد تھے اور مردوں میں بھی کامل مرد تھے ان میں کوئی نامرد نہیں تھا اور نہ ان میں کوئی لنگڑا لولا تھا اور نہ نابینا تھا اور نہ کسی ایسی بیماری میں کوئی مبتلا تھا جس کو معاشرہ میں عیب سمجھا جاتا ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ جو الزام تھا یہ عیب کی قسم میں سے تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بری کر دیا۔

باب الاعتناء بحفظ العورۃ

مستورہ اعضاء کے چھپانے کا اہتمام

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

بیت اللہ کی تعمیر کا قصہ

۱۷۷- وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ جَمِيعاً عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بَكْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ ح وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لَهُمَا - قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: ابْنُ رَافِعٍ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ - أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ لَمَّا بُنِيَتِ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ حِجَارَةً فَقَالَ: الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلَى عَاتِقِكَ مِنَ الْحِجَارَةِ. فَفَعَلَ فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: "إِزَارِي إِزَارِي". فَشَدَّ عَلَيْهِ إِزَارَهُ. قَالَ: ابْنُ رَافِعٍ فِي رِوَايَتِهِ عَلَى رَقَبَتِكَ. وَلَمْ يَقُلْ عَلَى عَاتِقِكَ۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب کعبہ کی تعمیر کی گئی تو حضور ﷺ اور حضرت عباسؓ پتھر اٹھانے لگے حضرت عباسؓ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا: کہ اپنا تہبند کندھے پر رکھ دو پتھر اٹھانے کے لئے آپ ﷺ نے ایسا کیا تو فوراً زمین پر چت گر پڑے اور آپ ﷺ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور فرمانے لگے میرا تہبند، میرا تہبند، حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کا تہبند باندھ دیا۔

ابن رافعؒ کی روایت میں کندھے کے بجائے گردن کا لفظ ہے۔

تشریح

"لما بنيت الكعبة" کعبہ کو اس لئے کعبہ کہتے ہیں کہ دنیا کے پھیلاؤ کے وقت یہ جگہ ایک ٹیلہ کی مانند بلند تھی پھر کعبہ کی عمارت بھی بلند اور مدوّر ہے علامہ نووی لکھتے ہیں "وسميت الكعبة كعبة "لعلوها وارتفاعها وقيل لاستدارتها وعلوها"

"لما بنيت" علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ تاریخ عالم میں بیت اللہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی ہے۔

① سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بیت اللہ ایک سرخ موتی سے بنے ہوئے خوبصورت خیمہ کی شکل میں تھا حضرت آدم علیہ السلام اس کا طواف کرتے تھے اور اس سے جنت کی تسلی حاصل کرتے تھے کیونکہ یہ عمارت جنت سے آئی تھی جو وہاں بیت المعمور کے نام سے مشہور ہے۔

② دوسرے نمبر پر بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

③ تیسرے نمبر پر اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بیت اللہ کو بنایا جس میں آنحضرت ﷺ نے حصہ لیا زیر بحث حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

④ چوتھے نمبر پر بیت اللہ کی تعمیر اس وقت ہوئی جب جبل ابی قبیس سے آگ کی چنگاری آکر بیت اللہ کے پردوں میں لگی جس سے بیت اللہ کا اکثر حصہ جل گیا یہ عبداللہ بن زبیرؓ کا زمانہ تھا آپ نے بیت اللہ کو مکمل گرادیا اور پھر تعمیر کی یہ تعمیر آنحضرت ﷺ کی خواہش کے مطابق تھی دو دروازے بنائے گئے دونوں زمین پر تھے اور حطیم کو بیت اللہ کے اندر داخل کر دیا گیا۔

⑤ پانچویں مرحلے میں عبدالملک بن مروان کے حکم کے مطابق حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیرؓ کی عمارت کو گرادیا اور پھر قریش کے طرز پر بنادیا عبدالملک بن مروان کو جب حقیقت کا علم ہوا تو پھر افسوس کیا کہ ہم نے عبداللہ بن زبیر کی عمارت کو کیوں گرایا اسی طرح

چھوڑتے تو اچھا تھا یہ تفصیل کچھ تغیر کے ساتھ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں بیان کی ہے کچھ اور تفصیلات بھی ہیں میں نے اہل تاریخ سے جو تراشے یاد کیے ہیں اور مختلف جگہوں میں لکھا ہے اس کو مختصر طور پر یہاں لکھتا ہوں شاید فائدہ ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اتارے گئے تو آپ بہت غمگین تھے کیونکہ ساتویں آسمان میں آپ فرشتوں کے ساتھ بیت المعمور کا طواف کیا کرتے تھے حضرت جبریل کی رہنمائی میں آپ سراندیپ (موجودہ سری لنکا) سے مکہ آئے یہاں فرشتوں نے بیت اللہ کی بنیادیں کھودلیں اور مختلف مبارک پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر لاکر بنیادیں بھردیں اور اوپر سے فرشتوں نے بیت المعمور کی عمارت زمین پر لاکر ان بنیادوں پر رکھدیا طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو واپس آسمانوں پر اٹھالیا اور بیت اللہ کی بنیادیں زمین کے نیچے دب گئیں حضرت ابراہیم علیہم السلام نے ان بنیادوں کو جبریل امین کی رہنمائی میں کھودلیا اور بیت اللہ کی تعمیر فرمائی اوپر چھت نہیں تھی دروازے بھی نہیں تھے صرف دیواریں تھیں پھر یمن کے بادشاہ نے اس کے دروازے بنائے اور چھت ڈال کر پردے لٹکادیئے پھر عمالقہ قبیلہ نے اس کی مرمت کی پھر جرہم قبیلہ نے مرمت کا کام کیا اور پھر قریش نے اس کو بنایا جس میں آنحضرت نے حصہ لیا پھر عبداللہ بن زبیر نے اس کی مکمل تعمیر کی مگر حجاج بن یوسف نے اسکو گرایا اور قریش کے طرز پر بنادیا پھر ہارون الرشید یا ابوجعفر منصور نے امام مالکؒ سے اجازت مانگی کہ میں آنحضرت ﷺ کی خواہش کے مطابق تعمیر کراؤں اس کے جواب میں امام مالک نے فرمایا کہ اب بیت اللہ کو گرانا بنانا حرام ہے یہ بادشاہوں کے کھیل کا ذریعہ بن جائے گا چنانچہ اب قیامت تک اس طرز کو بدلنا منع ہے قیامت سے کچھ پہلے ایک حبشی اس کو گرائے گا اور خزانے لوٹ کر لے جائے گا پھر قیامت کے وقت اللہ تعالیٰ بیت اللہ کی حقیقت کو اٹھالے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔

"فخر الی الارض" یعنی آنحضرت ﷺ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے تاکہ اختیاری طور پر آپ سے یہ لغزش سرزد نہ ہو، انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور معصومیت کا مطلب یہی ہے کہ اگر وہ گناہ کرنا چاہیں گے پھر بھی اللہ تعالیٰ گناہ سرزد نہیں ہونے دیں گے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی تصویر ظاہر ہوگئی ہو تو یہ بھی عصمت انبیاء کا حصہ تھا تاکہ یوسف علیہ السلام سے گناہ سرزد نہ ہوجائے یہاں آنحضرت ﷺ کو آپ کے چچا نے ازار بند اتار کر کندھے پر رکھنے کا حکم دیا کیونکہ کندھا خالی تھا اس پر پتھر رکھنا مشکل تھا اور برہنہ ہونا تو بیت اللہ کے پاس قریش کے لئے باعث عیب نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ میرے بھتیجے کو کوئی ننگا دیکھے آنحضرت بے ہوشی کی حالت میں فرمارہے تھے ثوبی، ثوبی، میرا کپڑا دیدو میرا کپڑا دیدو علامہ ابی نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت پر کسی کی نظر ابھی تک نہیں پڑی تھی تو آپ کو کسی نے برہنہ حالت میں نہیں دیکھا بعض روایات میں ہے کہ فرشتہ آیا اور آپ کے ازار بند کو باندھا۔

ایک حدیث میں آنحضرت فرمایا "من کرامتی علی اللہ انی ولدت مختونا ولم یطلع فی احد علی شیئ" یعنی مختون اس لئے پیدا کیا گیا تاکہ آپ کے مستورہ اعضاء پر کسی کو اطلاع نہ ہو یہ آنحضرت ﷺ کا اعزاز تھا۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

جوانی کے زمانہ میں ایک دفعہ قریش کی شادی کی ایک محفل میں شرکت کی تاکہ کھیل کود سے لطف اندوز ہوں جونہی پہنچے تو آپ پر نیند طاری ہوگئی اور صبح تک سوئے رہے صبح جب اٹھے تو خالی میدان پڑا تھا۔ "فخر" نصر ینصر سے گرنے کے معنی میں ہے جیسے "فخر موسیٰ صعقا"۔ "وطمحت عیناہ" طمح فتح یفتح سے ہے آسمان کی طرف آنکھیں کھول کر دیکھنے کو کہتے ہیں۔

۷۷۲- وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ يَا ابْنَ أَخِي لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَهُ عَلَى مَنْكِبِكَ دُونَ الْحِجَارَةِ -قَالَ:- فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلَى مَنْكِبِهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ -قَالَ:- فَمَا رُؤِيَ بَعْدَ ذَلِكَ الْيَوْمِ عُرْيَانًا.

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ کعبۃ اللہ کے لئے پتھر اٹھا رہے تھے آپ ﷺ تہبند باندھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ سے کہا: اے میرے بھتیجے! تم اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو آپ ﷺ نے اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھا تو غش کھا کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو کبھی عریاں نہیں دیکھا گیا۔

۷۷۳- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى الأُمَوِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ حُنَيْفٍ الأَنْصَارِيُّ أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ: أَقْبَلْتُ بِحَجَرٍ أَحْمِلُهُ ثَقِيلٍ وَعَلَيَّ إِزَارٌ خَفِيفٌ -قَالَ:- فَانْحَلَّ إِزَارِي وَمَعِيَ الْحَجَرُ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَضَعَهُ حَتَّى بَلَغْتُ بِهِ إِلَى مَوْضِعِهِ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "ارْجِعْ إِلَى ثَوْبِكَ فَخُذْهُ وَلاَ تَمْشُوا عُرَاةً".

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک بھاری پتھر اٹھا کر لا رہا تھا اس حال میں کہ میرا تہبند ڈھیلا تھا بوجھ کی وجہ سے میرا تہبند کھل گیا اور میں پتھر کے بوجھ کی وجہ سے تہبند باندھنے کے قابل نہیں تھا تو میں اسی حالت میں چلتا رہا یہاں تک کہ میں اپنی جگہ پر پہنچ گیا حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: جاؤ اپنا کپڑا لو اور عریاں نہیں پھرا کرو۔

باب مایستتر به لقضاء الحاجة

قضاء حاجت کے وقت پردہ کرنا

اس باب میں امام مسلمؒ نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے

امام نوویؒ نے اس باب کے عنوان باب التستر عند البول کو حدیث کے خلاف قائم کیا ہے علامہ ابی مالکی کا عنوان صحیح ہے اس لئے میں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (راقم)

۷۷۴- حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ قَالاَ حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ - وَهُوَ ابْنُ مَيْمُونٍ -

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ أَبِی یَعْقُوبَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ مَوْلَی الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: أَرْدَفَنِی رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ خَلْفَہُ فَأَسَرَّ إِلَیَّ حَدِیثًا لَا أُحَدِّثُ بِہِ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ وَکَانَ أَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِہِ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِحَاجَتِہِ ہَدَفٌ أَوْ حَائِشُ نَخْلٍ. قَالَ: ابْنُ أَسْمَاءَ فِی حَدِیثِہِ یَعْنِی حَائِطَ نَخْلٍ.

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا اور میرے کان میں ایک بات کہی جو میں لوگوں میں سے کسی کو نہیں بتاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت پسند تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے وقت کسی ٹیلے یا کسی کھجور کے جھنڈ کی آڑ لے لیں۔ ابن اسماء فرماتے ہیں یعنی کھجور کے درخت کے پیچھے۔

تشریح

"احب ما استتر بہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لئے بہت دور جاتے تھے آپ کی دوسری عادت یہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے وقت بہت زیادہ پردہ فرماتے تھے تاکہ آپ کا جسم بھی نظر نہ آئے یہاں اسی دوسری عادت کو بیان کیا گیا ہے۔
"ھدف" زمین کے بلند حصے تودہ اور ٹیلہ کو کہتے ہیں اس کی آڑ میں بیٹھ کر قضائے حاجت قبائل کا عام دستور تھا "ھدف" مرفوع ہے خبر ہے اس کو "وھدۃ" بھی کہتے ہیں "حائش نخل" ای حائط نخل وھو البستان اس کو "حَش" بھی کہتے ہیں اور "حُش" بھی کہتے ہیں ح پر فتح اور ضمہ دونوں جائز ہے آج کل عرب لوگ پر پوشیدہ مقام کو حش کہتے ہیں خواہ گھر کی گیلریاں ہوں یا باغات کے پوشیدہ مقامات ہوں یہاں کھجور کے جھنڈ مراد ہے یہ بھی مرفوع ہے خبر واقع ہے۔

باب بیان انما الماء من الماء

منی کے نکلنے سے ہی غسل واجب ہوتا ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

مسئلۃ الاکسال میں اختلاف

۷۷۵- وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی وَیَحْیَی بْنُ أَیُّوبَ وَقُتَیْبَۃُ وَابْنُ حُجْرٍ - قَالَ: یَحْیَی بْنُ یَحْیَی أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرُونَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ - وَھُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ - عَنْ شَرِیکٍ - یَعْنِی ابْنَ أَبِی نَمِرٍ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ عَنْ أَبِیہِ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الاثْنَیْنِ إِلَی قُبَاءٍ حَتّٰی إِذَا کُنَّا فِی بَنِی سَالِمٍ وَقَفَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَی بَابِ عِتْبَانَ فَصَرَخَ بِہِ فَخَرَجَ یَجُرُّ إِزَارَہُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَعْجَلْنَا الرَّجُلَ". فَقَالَ عِتْبَانُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ أَرَأَیْتَ الرَّجُلَ یُعْجَلُ عَنِ امْرَأَتِہِ وَلَمْ یُمْنِ مَاذَا عَلَیْہِ قَالَ: رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ".

حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیر کے روز نکلا قباء کی طرف جب ہم بنو سالم کے محلہ

میں پہنچے تو حضور ﷺ عتبان بن مالک ؓ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور اسے زور سے آواز دی وہ اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے حضور ﷺ نے فرمایا: ہم نے اسے جلدی میں ڈالا۔ عتبان ؓ کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص جلدی اپنی بیوی سے جدا ہو جائے اور اسے انزال نہیں ہوا ہو تو اس پر کیا واجب ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانی تو پانی سے واجب ہوتا ہے۔

تشریح

"اعجلنا الرجل" یعنی آدمی جماع میں مشغول تھا ہم نے آواز دی اس نے جماع کو ترک کیا اور انزال سے پہلے باہر آگیا ہم نے اس کو جلدی میں ڈال دیا اس حدیث سے حضرت عتبان بن مالک کی اطاعت رسول ﷺ کا بہت بڑا جذبہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آواز کے بعد ایک لمحہ انتظار نہیں کیا اور زندگی کا اہم ترین لمحہ چھوڑ کر دوڑ کر باہر آگئے اسی کو **لم یمن، لم ینزل، یعجل عن امرأته** اور یکسل کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

انما الماء من الماء: **ای انما وجوب استعمال الماء بالمنی** تو اول ماء سے غسل کا پانی مراد ہے اور دوسرے ماء سے نطفہ اور منی کا پانی مراد ہے اس حدیث کے الفاظ میں حصر ہے کہ غسل صرف اس صورت میں فرض ہے جبکہ منی کا خروج ہو جائے خروج منی کے بغیر غسل واجب نہیں خواہ حشفہ غائب ہو یا غائب نہ ہو اور خواہ التقاء ختانین ہو یا نہ ہو انزال منی اگر ہوا تو غسل ہے ورنہ غسل نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا عنوان اکسال بھی ہے اکسال کسل سے ست ہونے کے معنی میں ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں اکسال کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص انزال کے بغیر ذکر کو خارج کر کے ٹھنڈا کرنے اور ست بنانے کی کوشش کرتا ہے اب بظاہر ابوسعید خدری ؓ کی یہ روایت آئندہ حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت سے بالکل متعارض ہے کیونکہ اس میں غیبوبت حشفہ پر غسل کو واجب قرار دیا گیا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو اور یہاں انزال کو غسل کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح یہ روایت حضرت عائشہ ؓ کی روایت سے بھی متعارض ہے جس میں **اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل** کے الفاظ آئے ہیں جو بعد میں آرہی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا تفصیلی قصہ اور حضرت عائشہ ؓ کے جواب سے بھی ابوسعید ؓ کی روایت متعارض ہے۔

احادیث کے اس تعارض کی وجہ سے ابتداء اسلام میں دور صحابہ میں اس مسئلہ میں بڑا اختلاف پیدا ہو گیا تھا مہاجرین صحابہ تو ابوہریرہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کی روایت کو لیکر غیبوبت حشفہ پر غسل کو واجب کرتے تھے لیکن انصار صحابہ **انما الماء من الماء** ابوسعید خدری کی روایت پر عمل کرتے تھے حضرت عمر ؓ نے اپنے دور خلافت میں اس مسئلہ میں صحابہ کرام ؓ کو متحد کرنے کی کوشش فرمائی تاکہ سب مسلمان ایک حکم پر متحد ہو جائیں چنانچہ آپ ؓ نے صحابہ سے مشورہ لیا تو طے یہ ہوا کہ اس مسئلہ کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہے لہٰذا ازواج مطہرات سے پوچھنا چاہئے حضرت عمر فاروق نے ابوموسیٰ اشعری ؓ کو حضرت عائشہ ؓ کے پاس بھیجا تو حضرت عائشہ ؓ نے التقائے ختانین والی روایت بیان فرمائی تب حضرت عمر ؓ نے سرکاری فرمان جاری کیا اور انصار کو اکسال سے سختی کے ساتھ منع فرمایا تو اس مسئلہ پر اجماع

منعقد ہو گیا اب داؤد ظاہری کے سوا پوری امت میں کسی کا اختلاف نہ رہا اب انزال ہو یا نہ ہو حشفہ کے غائب ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں صحابہ کرام کے اجماع کے پیش نظر اور دیگر کئی احادیث کے پیش نظر تاویل کرنا ضروری ہو گیا ہے چنانچہ امام محی السنۃ نے مشکوٰۃ میں ایک تاویل یہ کی ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ آئندہ حضرت عائشہؓ کی روایت بھی اس پر صریح دلالت کرتی ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ دوسری تاویل آپؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ کی ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ "انما الماء من الماء" کا حکم احتلام کے بارے میں ہے۔

لیکن اس تاویل اور توجیہ پر حدیث کے شان ورود کی وجہ سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ عتبان بن مالک صحابی مسجد قباء کے قریب رہتے تھے میں اور نبی اکرم ﷺ پیر کے دن وہاں گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کے گھر کے سامنے سے آواز دیکر بلایا وہ جماع میں مشغول تھے اسے چھوڑ کر باہر آئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے آدمی کو جلدی میں ڈالدیا وہ باہر آئے اور آتے ہی مسئلہ پوچھا کہ انزال کے بغیر اگر اکسال ہو جائے تو کیا حکم ہے آپ نے فرمایا "انما الماء من الماء" یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں تو یہ واقعہ بیداری کا ہے اس میں حضرت ابن عباسؓ کی تاویل کیسے چل سکتی ہے کہ یہ احتلام پر محمول ہے؟

علماء نے حضرت ابن عباسؓ کی اس تاویل کو درست بنانے کے لئے ایک توجیہ کی ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک بھی یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ پوری امت کے نزدیک منسوخ ہے مگر ان کے ہاں اس حدیث کی ایک صورت ایسی بھی ہے جو اب بھی منسوخ نہیں ہے اور اس پر عمل ہو سکتا ہے وہ احتلام کی صورت ہے کہ احتلام میں اب بھی "انما الماء من الماء" ضروری ہے یعنی بیداری کی حالت میں یہ حدیث حقیقۃً اور حکماً دونوں صورتوں کو شامل ہے لیکن خواب میں صرف حقیقی صورت کو شامل ہے یعنی منی کا نکلنا غسل کے لئے ضروری ہے ورنہ غسل نہیں ہے۔

۷۷۶ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ".

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانی تو پانی سے ہی واجب ہوتا ہے۔

۷۷۷ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلَاءِ بْنُ الشِّخِّيرِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْسَخُ حَدِيثُهُ بَعْضُهُ بَعْضًا كَمَا يَنْسَخُ الْقُرْآنُ بَعْضُهُ بَعْضًا.

حضرت ابوالعلاء بن شخیرؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بھی بعض اوقات ایک حدیث کو دوسری حدیث سے منسوخ کیا کرتے تھے جیسے قرآن پاک کی ایک آیت دوسری کو منسوخ کرتی ہے۔

تشریح

"ینسخ حدیثه بعضه بعضاً" یعنی جس طرح قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کو منسوخ کرتی ہیں اسی طرح احادیث بھی ایک دوسرے

کو منسوخ بناتی ہیں جیسا کہ "انما الماء من الماء" والی حدیث کو "اذامس المختان الختان" نے منسوخ کر دیا۔

سوال: امام مسلمؒ نے ابو العلاء بن الشخیرؒ کا موقوف کلام یہاں کس مقصد کے لئے پیش کیا ہے کوئی ربط اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلمؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "انما الماء من الماء" والی حدیث منسوخ ہے اور اس کے لئے ناسخ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیثیں ہیں اور ایک حدیث سے دوسری حدیث منسوخ ہو سکتی ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث کا منسوخ ہو جانا چار قسم پر ہے۔

① پہلی قسم یہ ہے کہ حدیث متواتر سے دوسری متواتر حدیث منسوخ ہو جائے۔

② دوسری قسم یہ ہے کہ خبر واحد سے دوسری خبر واحد منسوخ ہو جائے۔

③ تیسری قسم یہ ہے کہ اخبار آحاد خبر متواتر کے ذریعہ سے منسوخ ہو جائے۔

④ چوتھی قسم یہ ہے کہ حدیث متواتر اخبار آحاد کے ذریعہ سے منسوخ ہو جائے۔

پہلے تین اقسام میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ چوتھی قسم میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ نسخ جائز نہیں ہے ہاں اہل ظواہر کے نزدیک جائز ہے۔ (نووی)

اس مسئلہ کی مزید تشریح یوں ہے کہ نسخ کا لغوی معنی مٹانا، لکھنا اور نقل کرنا آتا ہے۔

اور اصطلاح میں نسخ کی تعریف اس طرح ہے "النسخ ھو رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخر" مشکوٰۃ شریف میں "الاعتصام بالکتاب والسنۃ" کے عنوان کے تحت حضرت جابرؓ کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح مذکور ہیں قال رسول اللہ ﷺ کلامی لاینسخ کلام اللہ و کلام اللہ ینسخ کلامی و کلام اللہ ینسخ بعضہ بعضاً۔ اس حدیث سے بھی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

① قرآن کریم قرآن کے لئے ناسخ ہو۔

② حدیث دوسری حدیث کے لئے ناسخ ہو۔

③ قرآن کریم حدیث کے لئے ناسخ ہو۔

④ حدیث شریف قرآن کے لئے ناسخ ہو۔

پہلی تین صورتوں میں امت کا اتفاق ہے آخری صورت میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حدیث شریف سے قرآن کریم کی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی ہے۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشہور حدیث سے قرآن کی آیت منسوخ ہو سکتی ہے۔

جمہور کا بھی یہی مسلک ہے مگر حدیث مشکوٰۃ شریف میں دار قطنی کے حوالہ سے منقول ہے اور میں نے اوپر نقل کیا ہے عام محدثین کے نزدیک وہ روایت ناقابل احتجاج ہے یا خود وہ روایت منسوخ ہے۔

سوال: بعض جاہل لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نسخ کے بارے میں ہم پوچھتے ہیں کہ پہلا نازل کردہ حکم صحیح تھا یا غلط تھا اگر صحیح تھا تو منسوخ کیوں ہوا؟ اور اگر غلط تھا تو غلط حکم نازل کیسے ہوا؟

جواب: اس کا جواب واضح ہے کہ نسخ کا مدار حکمت پر ہے اور حکیم کی حکمت پر اعتراض کرنا احمقوں کا کام ہے دیکھو ایک حکیم اپنے ایک مریض کو ایک وقت میں ایک نسخہ دیتا ہے اور دوسرے وقت میں وہی حکیم اس نسخہ کو تبدیل کرتا ہے تو کیا پہلا نسخہ غلط تھا یا غیر مفید تھا؟ ایسا نہیں بلکہ طبیب نے مریض کے مزاج کے مطابق نسخہ تبدیل کیا ہے اسی طرح حالات اور واقعات کے بدلنے سے ضرورت کے پیش نظر وحی کے نزول کے دوران حکم میں تغیر آتا رہتا ہے نماز اور روزہ کے احکامات میں عہد نبوی میں تغیر آیا ہے۔

جہاد میں تعداد مجاہدین کے احکامات میں تغیر آیا ہے تو یہ تغیر اور یہ نسخ ہمارے علم کے اعتبار سے تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ حکم نزول کے وقت سے اتنے ہی وقت کے لئے اترا تھا جتنے وقت میں یہ منسوخ ہوا ہے بہرحال نسخ ہماری نسبت سے ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی ایسی نئی بات نہیں آئی جو پہلے معلوم نہ تھی جس کو یہود ملعون ''بدا'' کہتے ہیں یعنی پہلے معلوم نہ تھا اب اچھائی ظاہر ہوگئی۔

۷۷۸- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَخَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَقَالَ: "لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ". قَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: "إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ أَقْحَطْتَ فَلَا غُسْلَ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ الْوُضُوءُ". وَقَالَ ابْنُ بَشَّارٍ "إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ أُقْحِطْتَ".

حضرت ابوسعید الخدری ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری کے گھر کے پاس سے گزرے تو اسے بلایا وہ نکل کر آئے تو اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: شاید ہم نے تمہیں جلدی میں ڈالا۔ اس نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو جلدی کرے (یعنی بغیر انزال کے بیوی سے جدا ہو جائے) تو تجھ پر غسل نہیں ہے اور صرف وضوء واجب ہے۔

تشریح

''علی رجل'' اس ''رجل'' سے مراد وہی عتبان بن مالک صحابی ہیں جو ان تمام احادیث کے لئے بنیاد ہیں۔

''اذا عجلت'' یعنی جب تم جلدی میں پڑ جاؤ کہ انزال سے پہلے جماع کو ختم کرو تو صرف وضو کرو۔

''او اقحطت'' یہ لفظ قحط سے بنا ہے قحط اصل میں آسمان سے پانی رکنے اور بارش بند ہونے کو کہتے ہیں یہاں مراد ہے کہ جب تمہارا پانی اور نطفہ قحط زدہ ہو جائے اور باہر نہ نکلے تو تم کو غسل کی ضرورت ہے۔

۷۷۹- حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ

الرَّجُلِ يُصِيبُ مِنَ الْمَرْأَةِ ثُمَّ يُكْسِلُ فَقَالَ: "يَغْسِلُ مَا أَصَابَهُ مِنَ الْمَرْأَةِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي".

حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا اگر مرد اپنی بیوی سے جماع کے دوران اکسال کرے (بغیر انزال کے عضو مخصوص کو عورت کی فرج سے باہر نکال لے) تو اسے جو گندگی عورت سے لگے تو پھر وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عضو پر جو رطوبت لگی ہے اسے دھو کر وضوء کر لے اور نماز پڑھے۔

تشریح

"ثم یکسل" یعنی شوہر جماع کے دوران خروج منی سے پہلے ذکر کو بیوی کے فرج سے نکال کر ٹھنڈا کرتا ہے جب وہ سست پڑ جائے تو یہی اکسال ہے جس کے بارے میں ابتداء اسلام میں حکم تھا کہ صرف وضو کافی ہے اس حدیث میں بھی حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ نے ذکر کے دھونے اور وضو کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا یہاں حضرت ابی بن کعبؓ سے یہی منقول ہے لیکن مشکوٰۃ شریف میں باب الغسل کی فصل ثالث میں حضرت ابی بن کعبؓ سے یہ حدیث منقول ہے "عن ابی بن کعب قال انما کان الماء من الماء رخصة فی اول الاسلام ثم نهی عنها (رواه الترمذی و ابو داؤد و الدارمی)

اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ مسلم شریف میں حضرت ابی بن کعب کی حدیث کا تعلق ابتداء اسلام سے ہے اور آپ نے بعد میں اس کے منسوخ ہونے کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

۷۸۰- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الْمَلِيِّ عَنِ الْمَلِيِّ - يَعْنِي بِقَوْلِهِ الْمَلِيِّ عَنِ الْمَلِيِّ أَبُو أَيُّوبَ - عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: فِي الرَّجُلِ يَأْتِي أَهْلَهُ ثُمَّ لَا يُنْزِلُ قَالَ: "يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ".

حضرت ابی بن کعبؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ کرے فرمایا: وہ اپنا عضو مخصوص دھو لے اور وضوء کرے۔

تشریح

"عن الملی عن الملی" املی علم سے بھرا ہوا آدمی' نیز قابل اعتماد اور قابل بھروسہ آدمی کو الملی کہا گیا ہے پہلے ملی سے ابوایوب مراد ہے جو اس سے پہلے روایت میں مذکور ہے اور دوسرے ملی سے صحابی رسول حضرت ابی بن کعب مراد ہیں۔

۷۸۱- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ: قُلْتُ أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَلَمْ يُمْنِ قَالَ: عُثْمَانُ "يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ". قَالَ: عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

حضرت زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے پوچھا اگر مرد اپنی عورت سے جماع

کرے اور انزال نہ کرے تو کیا حکم ہے؟ آپ ؓ نے فرمایا: نماز کی طرح وضوء کرے اور عضو مخصوص کو دھولے۔ اور حضرت عثمان ؓ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔

تشریح

"قال عثمان" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی رائے بھی انصار کے ساتھ تھی کہ اکسال سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے علامہ ابی مالکیؒ نے شرح مسلم میں اس مقام پر حضرت عثمان ؓ کی طرف زائد نسبت کی کہ وہ بھی اکسال کے قائل تھے سخت مخالفت کی ہے اور کئی مضبوط دلائل سے اس کو رد کردیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ اکسال کے قائل تھے۔

۷۸۲- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: يَحْيَى وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

حضرت ابوایوب ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہی بات سنی ہے۔

باب وجوب الغسل بالتقاء الختانين

التقاء ختانین سے غسل واجب ہوجاتا ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۷۸۳- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ ح وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ وَمَطَرٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ قَالَ: "إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ". وَفِي حَدِيثِ مَطَرٍ "وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ". قَالَ: زُهَيْرٌ مِنْ بَيْنِهِمْ "بَيْنَ أَشْعُبِهَا الأَرْبَعِ".

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: جب مرد عورت کے دونوں جانب میں بیٹھ جائے اور پھر اس سے کوشش کرے تو بے شک اس پر غسل واجب ہوگیا اگرچہ انزال نہیں ہوا ہو۔

تشریح

"من شعبها الاربع" یعنی جب آدمی جماع کی غرض سے عورت کے چار کونوں کے درمیان بیٹھ جائے اور مرد اپنے ختنہ شدہ جگہ عورت کی ختنہ شدہ جگہ کے ساتھ ملائے اور پھر اپنے آلہ تناسل کو دبا کر حرکت دے اور حشفہ غائب ہوجائے تو بس اب غسل فرض ہوگیا انزال ہو یا نہ ہو صرف غیبوبت حشفہ انزال کا قائم مقام ہے اس صورت میں اگر اکسال بھی کرے تب بھی غسل واجب ہوجاتا ہے لہٰذا اکسال کا حکم منسوخ ہوگیا التقاء ختانین کا قانون آگیا۔

شعب جمع ہے اشعب بھی جمع ہے اس کا مفرد شعبہ ہے کونے کو کہتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ چار کونے کیسے بنیں گے؟

تو علماء نے لکھا ہے کہ دو ٹانگیں اور دو ہاتھوں کے درمیان جو علاقہ ہے یہی چار کونوں کے درمیان ہے۔
قاضی عیاض نے عورت کے فرج کے چار کونے مراد لیے ہیں۔
"ثم جهدها" آلہ تناسل کو حرکت دینا مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف ذکر کو فرج پر رکھنا مراد نہیں ہے اس سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ آلہ تناسل کو دبا کر حرکت دینے سے اور حشفہ کے غائب ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے "مطر" راوی کا نام ہے۔

۷۸۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَبَلَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ ح وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ بِهَذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ شُعْبَةَ "ثُمَّ اجْتَهَدَ" وَلَمْ يَقُلْ "وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ".

حضرت قتادہؒ سے بھی سابقہ روایت اسی سند کے ساتھ مروی ہے لیکن شعبہ کی روایت میں انزال کا ذکر نہیں ہے۔

۷۸۵- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى - وَهَذَا حَدِيثُهُ - حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ قَالَ: - وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَبِي بُرْدَةَ - عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: اخْتَلَفَ فِي ذَلِكَ رَهْطٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ فَقَالَ: الأَنْصَارِيُّونَ لَا يَجِبُ الْغُسْلُ إِلَّا مِنَ الدَّفْقِ أَوْ مِنَ الْمَاءِ. وَقَالَ: الْمُهَاجِرُونَ بَلْ إِذَا خَالَطَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ. قَالَ: قَالَ: أَبُو مُوسَى فَأَنَا أَشْفِيكُمْ مِنْ ذَلِكَ. فَقُمْتُ فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَأُذِنَ لِي فَقُلْتُ لَهَا يَا أُمَّاهْ - أَوْ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ - إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكِ عَنْ شَيْءٍ وَإِنِّي أَسْتَحْيِيكِ. فَقَالَتْ لَا تَسْتَحْيِي أَنْ تَسْأَلَنِي عَمَّا كُنْتَ سَائِلاً عَنْهُ أُمَّكَ الَّتِي وَلَدَتْكَ فَإِنَّمَا أَنَا أُمُّكَ. قُلْتُ فَمَا يُوجِبُ الْغُسْلَ قَالَتْ عَلَى الْخَبِيرِ سَقَطْتَ قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ وَمَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ".

حضرت ابوموسی اشعریؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین وانصار صحابہؓ میں سے ایک جماعت میں اختلاف رائے ہوا انصار صحابہؓ نے کہا کہ جب تک منی کود کر شہوت کے ساتھ نہ نکلے اور انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا۔ جبکہ مہاجرین صحابہ کرامؓ نے کہا نہیں بلکہ صرف مرد وعورت کے اختلاط سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ نے فرمایا: میں ابھی تمہارے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں میں اٹھا اور حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کی مجھے اجازت مل گئی تو میں نے ان سے عرض کیا اے اماں جان! یا فرمایا: اے ام المؤمنین! میں آپؓ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے شرم آتی ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تو جس بات کے پوچھنے سے اپنی ماں سے شرم نہ کرے جس نے تجھے جنم دیا ہے تو مجھ سے بھی شرم نہ کر اور پوچھ میں تیری ماں ہوں میں نے کہا کس چیز سے غسل واجب ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: تمہارا بہت اچھے اور باخبر سے واسطہ پڑا ہے" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مرد عورت کے چاروں اطراف میں بیٹھ جائے اور شرمگاہ شرمگاہ سے مل جائے تو اس پر غسل واجب ہے۔

تشریح

"علی الخبیر سقطت" یعنی ایک واقف کار آدمی سے تیرا واسطہ پڑا جو اس مسئلہ کے ظاہری اور باطنی تمام پہلوؤں سے آگاہ ہے یہ ایک کہاوت ہے سب سے پہلے اس کہاوت کو عرب کے حکماء میں سے ایک شخص مالک بن جبیر نے استعمال کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابی مالک نے اپنی شرح اکمال اکمال المعلم میں یوں لکھا ہے:

هذا مثل، قال ابو عبید و اصله لمالک بن جبیر احد حکماء العرب و به تمثل الفرزدق حسین لقیه الحسین رضی اللہ عنہ وهو یرید العراق للبیعة و قال له ماوراء ک؟ قال علی الخبیر سقطت، قلوب الناس معکم و سیوفهم مع بنی امیة و الامر ینزل من السماء فقال صدقتنی۔ (الابی ج ۲ ص ۱۹۷)

و مس الختان الختان "ختان ختن سے بچے کے ختنہ کو کہتے ہیں مراد ختنہ شدہ جگہ ہے لڑکوں میں تو ختنہ معروف اور مسنون اسلامی طریقہ ہے مگر لڑکیوں کے ختنہ کو بھی یہ حدیث شامل ہے حقیقت یہ ہے خط استواء پر قائم گرم ممالک میں اس کا رواج پہلے بھی تھا اور اب بھی بعض ممالک میں ہے اور شوافع حضرات مصر وغیرہ میں اس کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ایسے ممالک میں لڑکیوں کے اندام نہانی میں گوشت اور چربی کا ایک ٹکڑا ابھر کر آتا ہے اسے کاٹنے سے طرفین کے لئے جماع کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے گوشت یا چربی کے اسی ٹکڑے کو کاٹنے کا نام عورتوں کا ختنہ ہے لیکن یاد رکھو یہ مسئلہ برصغیر کے ممالک کیلئے ہے اس سے علماء حق کے خلاف اہل بدعت بڑا طوفان اٹھاتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ کا تذکرہ ہی نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہؓ کی یہ روایت انتہائی واضح اور مفصل ہے اکسال کا حکم منسوخ ہو چکا ہے امام مسلمؒ نے پہلے ان احادیث کو بیان کیا جس سے اکسال کا حکم ثابت ہوتا ہے پھر آپ نے ان احادیث کو بیان کیا جس سے اکسال کا حکم منسوخ ہوگیا اور امام مسلمؒ کی یہی عادت ہے کہ وہ منسوخ روایات کو پہلے لاتا ہے اور پھر ناسخ روایات کو ذکر کرتا ہے۔

۷۸۶ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ وَهَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ قَالاَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عِيَاضُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ إِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُجَامِعُ أَهْلَهُ ثُمَّ يُكْسِلُ هَلْ عَلَيْهِمَا الْغُسْلُ وَعَائِشَةُ جَالِسَةٌ. فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم "إِنِّي لأَفْعَلُ ذَلِكَ أَنَا وَهَذِهِ ثُمَّ نَغْتَسِلُ".

زوجۃ النبی ﷺ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا اس آدمی کے بارے میں جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ کرے (اکسال کرے) تو ان دونوں پر غسل واجب ہوگا؟ حضرت عائشہؓ وہیں قریب بیٹھی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا: میں اور یہ بھی اسی طرح کرتے ہیں اور پھر غسل کرتے ہیں۔

باب الوضوء مما مست النار

آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کا مسئلہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۷۸۷- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ خَارِجَةَ بْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ "الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء لازم ہوتا ہے۔

تشریح

"الوضوء مما مست النار" یعنی آگ سے جو چیز پکی ہو اور آگ نے اس کو چھولیا ہو، اس کے کھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے امام مسلمؒ نے پے در پے دو بابوں میں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے پہلے باب میں وہ احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے اس میں پہلی حدیث حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے اور دوسری حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور تیسری حدیث حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے حضرت عروہ بن زبیر سے منقول ہے۔

اس کے بعد امام مسلمؒ نے دوسرے باب میں اس مسئلہ کے منسوخ ہونے پر بارہ احادیث کو بیان کیا ہے جو زیادہ تر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہیں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان اس مسئلہ میں کبھی کبھی بحث و مباحثہ اور مناظرہ بھی ہوتا تھا۔

چنانچہ علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں وفی الترمذی ناظر ابن عباس اباھریرۃ فی المسئلۃ فقال ابن عباس لو وجب الوضوء مما مست النار لم یجز الوضوء بالماء الحار فقال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ یا ابن اخی اذا حدثت عن رسول اللہ ﷺ فلا تضرب بہ مثلا۔ (ج ۲ ص ۶۰۰)

بہر حال اگر چہ اس مسئلہ میں اختلاف اب باقی نہیں رہا ہے لیکن ابتداء میں کچھ اختلاف تھا اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف

الوضوء مما مست النار: آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے اور استعمال کرنے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں اس بارے میں ابتداء میں دور صحابہؓ میں معمولی سا اختلاف تھا حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ بعض صحابہ اس کے قائل تھے کہ وضو ٹوٹتا ہے لہٰذا نیا وضو بنانا چاہئے لیکن بعد میں صحابہ بھی عدم وضو پر متفق ہو گئے۔ تو جمہور صحابہ جمہور تابعین اور جمہور ائمہ کے نزدیک اکل مما مست النار ناقض وضو نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے استدلال کیا ہے جس میں توضؤا امر کا صیغہ آیا ہے۔

جمہور علماء نے مامست النار کے استعمال سے عدم وضو پر جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ بہت زیادہ ہیں صرف امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں اس کے لئے بارہ احادیث کو پیش کیا ہے امام نووی نے اس کے لئے اس باب کے بعد الگ باب قائم کیا ہے اور اس کو ناسخ قرار دیا ہے۔

ان تمام احادیث میں نہایت وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مامست النار سے وضو کا حکم نہیں ہے اب حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کے علماء نے کئی جوابات دیئے ہیں۔

(۱) پہلا جواب تو علماء کرام نے یہ دیا ہے کہ حضرت ابن عباس کی آنے والی روایت سے حضرت زید اور ابو ہریرہؓ کی یہ روایتیں منسوخ ہوگئی ہیں ابن عباسؓ کی روایت سے یہ نسخ بجا ہے مگر اس میں اتنی تصریح نہیں ہے جتنی تصریح حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے آپؓ نے فرمایا "ان أخر الامرين من النبی ﷺ ترک الوضوء مما مست النار" اس أخر الامرين سے زندگی بھر کے دو اعمال میں سے آخری عمل مراد ہے لہٰذا یہ واضح طور پر سابقہ حکم کے لئے ناسخ ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ وضو کا حکم اب بھی ہے مگر یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ آگ مظہر غضب الٰہی ہے تو خواص کو وضو کر لینا چاہئے ویسے بھی پکانے میں کتنی مصیبتیں آتی ہیں آگ کی تپش ہے، پسینہ ہے، ناک سے رینٹ نکلتی رہتی ہے میل کچیل الگ ہے بد بو الگ ہے دھواں الگ ہے تو پکانے والے اور پکا کر کھانے والے کے لئے وضو مستحب ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ کہ وضو سے مراد لغوی وضو ہے جو ہاتھ دھونا اور مضمضہ کرنا ہے اور ترمذی جلد ثانی کتاب الاطعمہ میں حضرت عکراشؓ کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یا عکراش هذا وضوء مما مست النار یہاں آنحضرت ﷺ نے صرف ہاتھ دھو کر کلی کی تھی یہ تصریح ہے کہ وضو سے مراد لغوی وضو ہے اصطلاحی شرعی وضو نہیں ہے۔

۷۸۸ - قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ قَارِظٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَجَدَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ عَلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ: إِنَّمَا أَتَوَضَّأُ مِنْ أَثْوَارِ أَقِطٍ أَكَلْتُهَا لأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ".

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عمر بن عبدالعزیزؒ نے بتایا کہ عبداللہ بن ابراہیم بن قارظؒ نے انہیں بتایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو انہوں نے مسجد میں وضوء کرتے ہوئے دیکھا اور وہ فرما رہے تھے کہ میں اس لئے وضوء کر رہا ہوں کہ میں نے پنیر کے ٹکڑے کھائے ہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضوء کیا کرو"۔

تشریح

"یتوضأ علی المسجد" یعنی مسجد کے اوپر وضو کر رہے تھے اس لفظ کا ترجمہ جتنے شارحین نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ مسجد کے اندر وضو کر رہے تھے بلکہ علامہ نوویؒ تو اس کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد کے اندر وضو بنانا جائز ہے آپ نے علامہ ابن منذر کے حوالہ سے اس پر علماء کا اجماع بھی نقل کیا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچتی ہو، یہ بات اپنی جگہ پر صحیح

ہوگی مگر میرے خیال میں یہ مسئلہ قبائل کے رسم ورواج سے متعلق ہے ہمارے ہاں مسجدوں کی چھت لکڑیوں سے بنائی جاتی ہے اس پر پونے گز برابر مٹی ہوتی ہے اس کے اوپر لوگ تھوکتے بھی ہیں اور استنجاء کے بغیر وضو بھی کرتے ہیں فقہاء کرام نے بھی اس کو جائز رکھا ہے زیر بحث حدیث میں جب علی المسجد کا لفظ واضح طور پر مذکور ہے تو اس حقیقت کو چھوڑ کر فی المسجد کی طرف جانا اور مجاز اپنانا مناسب نہیں ہے۔

"اثوار اقط" اثوار جمع ہے اسکا مفرد ثور ہے جو قطع اور ٹکڑے کے معنی میں ہے اور "اقط" قرط کو کہتے ہیں جس کا معنی پنیر ہے یہ لَبَنِ مُحجَز ہے دودھ سے بھی بنایا جاتا ہے اور لسی سے بھی بنایا جاتا ہے بلوچ اور چترالی لوگ اس میں بہت ترقی کر چکے ہیں۔

۷۸۹- قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِی سَعِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَأَنَا أُحَدِّثُهُ هَذَا الْحَدِيثَ. أَنَّهُ سَأَلَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ عَنِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ فَقَالَ: عُرْوَةُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ".

حضرت ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان نے مجھے بتایا اور میں ان ہی سے حدیث بیان کر رہا تھا کہ انہوں نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء کے لازم ہونے کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: کہ میں نے حضرت عائشہؓ زوج النبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضوء کیا کرو۔

باب نسخ الوضوء مما مست النار

آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کرنا منسوخ ہو گیا ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے

۷۹۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کی دستی کا گوشت کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

۷۹۱- وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِی وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ح وَحَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ عَنْ عَلِیِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ح وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ أَكَلَ عَرْقًا- أَوْ لَحْمًا- ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہڈی والا گوشت یا صرف گوشت تناول فرمایا پھر نماز پڑھی لیکن وضوء نہیں کیا۔

۷۹۲- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفٍ يَأْكُلُ مِنْهَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت چھری سے کاٹ کر کھاتے دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

۷۹۳- حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَامَ وَطَرَحَ السِّكِّينَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کی دستی کا گوشت چاقو سے کاٹ رہے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ اٹھے چھری پھینکی اور نماز پڑھی لیکن وضوء نہیں کیا۔

۷۹۴- قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِذَلِكَ.

۷۹۵- قَالَ: عَمْرٌو وَحَدَّثَنِي بُكَيْرُ بْنُ الْأَشَجِّ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زوج النبی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس دستی کا گوشت کھایا پھر نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

۷۹۶- قَالَ: عَمْرٌو حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِذَلِكَ.

۷۹۷- قَالَ: عَمْرٌو حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي غَطَفَانَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: أَشْهَدُ لَكُنْتُ أَشْوِي لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَطْنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کا بٹ بھونتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور وضوء نہیں کرتے تھے۔

تشریح

"اشوی" یہ لفظ ضرب یضرب سے ہے گوشت بھوننے کو کہتے ہیں پہلے زمانے میں آگ کے انگاروں پر گوشت کے ٹکڑے ڈال کر پکائے جاتے تھے یا آگ میں گرم شدہ پتھر کے ساتھ گوشت چپکا کر پکایا جاتا تھا آج کل طریقے بدل گئے ہیں "بطن الشاۃ" یعنی

بکری کے اندر کے حصے بھونتا تھا، اس سے دل گردہ کلیجی وغیرہ نرم گوشت مراد ہے یہاں کلام میں کچھ حصہ محذوف ماننا پڑے گا تاکہ ثم صلی کی تفریع صحیح ہو جائے عبارت کی تقدیر یہ ہے "فیاکل منہ ثم صلی" اس حدیث سے پہلے احادیث میں چند الفاظ کی وضاحت اور معانی بھی ملاحظہ فرمائیں "عرقاً" یہ ہڈی کو کہتے ہیں ہڈی کے اوپر گوشت کھانا مراد ہے "یحتز" چھری سے کاٹنے کے معنی میں ہے "کتف" دستی کو کہتے ہیں جانور کے سامنے والے پاؤں کے اوپر کا حصہ مراد ہے "سکین" یہ تسکین سے ہے چاقو کو کہتے ہیں اس کو اس لئے سکین کہتے ہیں کہ اس سے جانور ذبح ہو کر سکون حاصل کر لیتا ہے۔

۷۹۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ شَرِبَ لَبَناً ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ وَقَالَ: "إِنَّ لَهُ دَسَماً".

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے دودھ پیا پھر پانی منگوا کر کلی کی اور فرمایا؛ کہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے۔

تشریح

"ان لہ دسماً" یعنی دودھ میں چکناہٹ اور لزوجت ہوتی ہے اسکا ذائقہ منہ میں باقی رہتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اہتمام کے ساتھ کلی کر کے منہ کو صاف کیا ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ اس حدیث کا مامست النار سے کیا تعلق ہے دودھ تو آگ پر پکی ہوئی اشیاء کے زمرہ میں نہیں آتا ہے؟

جواب: اگرچہ شارحین نے اس سوال و جواب کو نہیں چھیڑا، لیکن میرے خیال میں اس سوال کے دو جواب ہو سکتے ہیں پہلا جواب یہ کہ دودھ پھٹنے سے بچانے کے لئے اکثر آگ پر پکایا جاتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے دسومت کی وجہ سے مضمضہ کیا مگر وضو نہیں بنایا اگرچہ آگ نے اسے چھولیا تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو امام مسلمؒ نے اس مقصد کے لئے یہاں ذکر کیا ہے تاکہ آپ طلباء اور علماء پر یہ بات واضح کر دیں کہ مامست النار سے جو وضو کا حکم ہے اس سے اصطلاحی شرعی وضو مراد نہیں ہے بلکہ لغوی وضوء مراد ہے جس طرح آنحضرت ﷺ نے صرف لغوی وضو کر کے امت کو بتا دیا کہ مامست النار کا وضو اس طرح ہے اگرچہ یہاں دسومت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۷۹۹ - وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ وَأَخْبَرَنِي عَمْرٌو ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الأَوْزَاعِيِّ ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِإِسْنَادِ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ مِثْلَهُ.

سابقہ روایت اس سند سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

۸۰۰ - وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَمَعَ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأُتِيَ بِهَدِيَّةٍ خُبْزٍ وَلَحْمٍ فَأَكَلَ ثَلَاثَ لُقَمٍ ثُمَّ صَلَّى بِالنَّاسِ وَمَا مَسَّ مَاءً.

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کپڑے زیب تن فرمائے اور نماز کے لئے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے لئے روٹی اور گوشت کا ہدیہ لایا گیا آپ ﷺ نے تین لقمے کھائے پھر لوگوں کو نماز پڑھائی اور پانی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

۸۰۱ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ. وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ ابْنِ حَلْحَلَةَ وَفِيهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ شَهِدَ ذَلِكَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَالَ: صَلَّى وَلَمْ يَقُلْ بِالنَّاسِ.

عمرو بن عطاءؒ فرماتے ہیں میں ابن عباس ؓ کے ساتھ تھا پھر سابقہ روایت کو الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

باب الوضوء من لحوم الابل

اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرنے کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۸۰۲ - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَأَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ قَالَ: "إِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَوَضَّأْ". قَالَ: أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ قَالَ: "نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ". قَالَ: أُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ: "نَعَمْ". قَالَ: أُصَلِّي فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ قَالَ: "لَا"

حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا بھیڑ بکری کا گوشت کھانے سے وضوء کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو کر لیا کرو۔ اور چاہو تو مت کرو۔ اس نے پوچھا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کروں؟ فرمایا: ہاں اونٹ کے گوشت سے وضوء کرو۔

اس نے کہا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتا ہوں فرمایا: ہاں پڑھ لیا کرو پھر پوچھا میں اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھوں؟ کہا نہیں۔

تشریح

"اتوضأ من لحوم الابل؟ قال نعم" یعنی کیا اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد میں وضو بناؤں تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضو بنایا کرو۔

اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد آیا وضو واجب ہو جاتا ہے یا نہیں تو اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے ظاہر حدیث کو دیکھ کر جمہور کے خلاف یہ فیصلہ کیا ہے کہ لحوم ابل کے استعمال کے بعد وضو واجب ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مامست النار کا حکم عام تھا لحوم

ابل کا حکم خاص ہے اس کا ممامست النار سے کوئی تعلق نہیں دونوں میں فرق ہے۔لہٰذا لحوم الابل میں وضو واجب ہے ماست النار والی حدیث کے منسوخ ہونے سے لحوم الابل والی حدیث منسوخ نہیں ہوگی اسحق بن راھویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

جواب: جمہور نے جابر بن سمرۃؓ کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں وضو استحبابی مراد ہے وجوبی نہیں ہے۔استحبابی وضو کے لئے کہ اونٹ کے گوشت میں سخت دسومت، رائحہ کریہہ اور چکنائی ہوتی ہے۔اس لئے وضو کرنے کو مستحب قرار دیا گیا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ابتداء میں تھا پھر ممامست النار کی احادیث کے منسوخ ہونے سے یہ بھی منسوخ ہوگیا کیونکہ اس عموم کے تحت یہ بھی داخل ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

فی مرابض الغنم: یعنی بکریوں کے باڑہ میں اگر کوئی صاف جگہ ہے تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جائز ہے اور اونٹوں کے باڑہ میں جائز نہیں ہے۔ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ بکری ایک مسکین جانور ہے اس کے قریب نماز پڑھنے میں تشویش کی کوئی بات نہیں ہوتی نیز وہ جھک کر پیشاب کرتی ہے تو چھینٹیں پڑنے کا خوف نہیں ہوتا پھر وہ پتھریلی زمین میں رہتی ہے وہاں پیشاب زمین میں جذب ہوکر پھیلتا نہیں ہے اس کے برعکس اونٹ ایک متوحش جانور ہے اس کے قریب نماز پڑھنے میں تشویش ہوگی نیز وہ آسمان جیسی بلندی سے پیشاب چھوڑتا ہے جس سے چھینٹیں پڑنے کا خطرہ ہے اسی طرح اونٹ نرم زمین میں رہتا ہے اس میں پیشاب جذب ہوکر پھیل جاتا ہے اونٹ کا پیشاب زیادہ بھی ہوتا ہے لہٰذا اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ویسے بھی عرب کے ہاں اونٹوں کا باڑہ اکثر ناپاک جگہ میں ہوتا تھا لوگ خود بھی وہاں پیشاب کیا کرتے تھے اس لئے وہاں نماز پڑھنے سے منع کردیا گیا بکریوں میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔"مبارک" یہ مبرک کی جمع ہے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں مراد وہی اونٹوں کا باڑہ ہے۔

۸۰۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ سِمَاكٍ ح وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ وَأَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ كُلُّهُمْ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي كَامِلٍ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ.

حضرت جابر بن سمرۃؓ سے ابو عوانہ والی روایت کی طرح یہ روایت منقول ہے۔

باب لا یتوضأ من الشک حتی یتیقن

جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو شک سے وضو نہ کرے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۸۰۴ - وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ جَمِيعاً عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ: عَمْرٌو حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ وَعَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الرَّجُلُ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلاَةِ قَالَ: "لاَ يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتاً أَوْ يَجِدَ رِيحاً". قَالَ: أَبُو بَكْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ فِي رِوَايَتِهِمَا هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ.

سعید اور عباد بن تمیم دونوں عباد کے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے شکایت کی گئی کہ بعض اوقات آدمی کو نماز میں گمان ہوتا ہے کہ کچھ ہوا وغیرہ خارج ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک ہوا کی آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے نماز سے نہ پھرو۔

ابوبکر اور زہیر نے اپنی روایتوں میں عباد کے چچا کا نام عبداللہ بن زید بتایا ہے۔

تشریح

"حتی یسمع صوتا" یعنی ایک شخص کو مثلاً نماز میں یا نماز سے باہر یہ شک لاحق ہوگیا کہ شاید ان کا وضو ٹوٹ گیا ہے تو اس شخص کو چاہئے کہ جب تک اس کو وضو ٹوٹنے کا یقین نہ آجائے وہ نماز کو چھوڑ کر مسجد سے باہر نہ جائے بلکہ جب تک وہ ہوا خارج ہونے کی بدبو نہ سونگھے یا آواز نہ سنے اس وقت تک وہ اپنے آپ کو باوضو خیال کرے چونکہ مسجد میں پاخانہ وغیرہ کا احتمال نہیں تھا اس لئے اس حدیث میں ان نواقض کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مسجد میں واقع ہونا ممکن تھا اس لئے ان دو چیزوں کو بطور تمثیل اور نمونہ پیش کیا گیا ہے ورنہ ان دو میں حصر نہیں ہے نیز یہ شرط بھی نہیں کہ آدمی ضرور آواز سنے یا بدبو سونگھے بلکہ اصل مقصود یقین کا حاصل ہوجانا ہے شک کی بنیاد پر فیصلہ نہ کرے ورنہ شیطان آدمی سے کھیلتا رہے گا۔

نیز اگر کسی کے کان بہرے ہوں یا قوت شامہ خراب ہو تو وہ نہ آواز سن سکتا ہے اور نہ بدبو سونگھ سکتا ہے تو وہ کیا کرے گا لہٰذا اصل مدار یقین آنے پر ہے اور "الیقین لایزول بالشک" بنیادی قاعدہ ہے۔

بعض غیر مقلدین اس میں نقصان کرتے ہیں کہ آواز سننے اور بدبو سونگھنے کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں حالانکہ یقین کے ساتھ ہوا خارج ہوچکی ہوتی ہے ایسے حضرات کے پیچھے نماز پڑھنا خطرناک ہوگا اگرچہ صحیح وضو والے غیر مقلد کے پیچھے نماز صحیح ہے۔

"الرجل" اس آدمی سے مراد عبداللہ بن زید ہے "عن عمه" میں چچا سے مراد بھی یہی عبداللہ بن زید ہے اسی لئے راوی نے وضاحت کردی مگر یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ نہیں ہے وہ صاحبِ اذان ہے جو اور شخص ہے۔

۸۰۵- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئاً فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتاً أَوْ يَجِدَ رِيحاً".

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو اپنے پیٹ میں مروڑ محسوس ہو اور معاملہ اس پر مشکوک ہوجائے کہ آیا کچھ ریح نکلی ہوگی یا نہیں تو ہرگز مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے۔

باب طهارة جلود الميتة بالدباغ

دباغت سے مردار کی کھال پاک ہوجاتی ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دس احادیث کو بیان کیا ہے

۸۰۶- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعاً عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ:

یَحْیَی أَخْبَرَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: تُصُدِّقَ عَلَی مَوْلَاةٍ لِمَیْمُونَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: "هَلاَّ أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ". فَقَالُوا إِنَّهَا مَیْتَةٌ. فَقَالَ: "إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا". قَالَ: أَبُو بَكْرٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِیثِهِمَا عَنْ مَیْمُونَةَ رضی اللہ عنہا.

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ ایک باندی کوکسی نے بکری صدقہ کی وہ بکری مرگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو فرمایا: تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتاری؟ تم اسے دباغت دیتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی ۔انہوں نے جواب دیا کہ یہ مردار تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا تو صرف کھانا حرام کیا گیا ہے۔

تشریح

"فدبغتموہ" دباغت کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے۔

الدباغ هو اصلاح الجلد بمایمنع النتن و الفساد

دباغت کئی طریقہ سے ہوتی ہے تتریب یعنی مٹی سے، تشمیس یعنی دھوپ میں ڈالنے سے تقریظ یعنی بعض درخت کے چھلکوں سے اور نمک ملنے سے ہوتی ہے۔

دباغت کے لئے ضروری ہے کہ کھال قابل دباغت بھی ہو لہٰذا سانپ اور چوہے کی کھال ناقابل دباغت ہونے کی وجہ سے اس حکم سے خارج ہے پھر حلت وحرمت اور دباغت کا یہ حکم مردار جانوروں کی کھالوں کا ہے حلال تو حلال ہے انسان اور خنزیر کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں ہر کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے اور اس سے انتفاع جائز ہے انسان کی کھال انسانی شرافت کی وجہ سے ممنوع ہے اور خنزیر نجس العین ہونے کی وجہ سے ممنوع اور ناپاک ہے۔

امام شافعیؒ نے کتے کی کھال کے بارے میں لکھا ہے کہ چونکہ کتا نجس العین ہے لہٰذا اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہ ہوگی۔ امام مالکؒ کے نزدیک دباغت سے مردار جانور کی کھال پاک نہیں ہوتی لہٰذا اس سے انتفاع ناجائز ہے جمہور نے زیر بحث حدیث کے علاوہ آنے والی کئی حدیثوں سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مردار کی کھال سے استفادہ اور انتفاع کو جائز کہا گیا ہے جبکہ دباغت ہوجائے۔ امام مالکؒ نے عبداللہ بن حکیم کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "ان لا تنفعوا المیتة باهاب و الاعصب" کے الفاظ آئے ہیں جس کو ترمذی اور ابوداؤد نے اپنی اپنی سنن میں ذکر کیا ہے جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مردار جانور کی وہ کھال ہے جس کو دباغت نہیں دی گئی ہو اور اهاب لغت میں اسی غیر مدبوغ کھال کو کہتے ہیں۔

نیز امت کا تعامل بھی جواز پر ہے اور اس ایک حدیث کے مقابلے میں بہت ساری حدیثیں ہیں جو تواتر کے قریب ہیں یہ حدیث ان کے معارض نہیں ہوسکتی ہے۔

و لا عصب: پٹھوں کا حکم بھی کھال کی طرح ہے اس لئے کہ پٹھوں میں حیات ہے کیونکہ اس کے کاٹنے سے درد ہوتا ہے ہڈی میں حیات

نہیں اس کا حکم کھال کی طرح نہیں جن حضرات نے پٹھوں میں حیات کا انکار کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

"قال ابو بکر" امام مسلمؒ اس کلام کے نقل کرنے سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث مسندات میمونہ میں سے ہے مسندات ابن عباس میں سے نہیں ہے بلکہ ابن عباسؓ حضرت میمونہؓ سے نقل کرتے ہیں اوپر روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسندات ابن عباس میں سے ہے۔

۸۰۷- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالاَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَجَدَ شَاةً مَيِّتَةً أُعْطِيَتْهَا مَوْلاَةٌ لِمَيْمُونَةَ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "هَلاَّ انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا". قَالُوا إِنَّهَا مَيْتَةٌ. فَقَالَ: "إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا"

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت میمونہؓ کی آزادکردہ باندی کی صدقے کی بکری کو مردہ پڑا ہوا پایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کی کال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ انہوں نے کہا یہ تو مردار تھی آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا کھانا صرف حرام کیا گیا ہے۔

۸۰۸- حَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعاً عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ بِنَحْوِ رِوَايَةِ يُونُسَ.

حضرت یونس کی روایت کی طرح حضرت صالح ابن شہابؒ سے بھی روایت منقول ہے۔

۸۰۹- وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ - وَاللَّفْظُ لاِبْنِ أَبِي عُمَرَ - قَالاَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ مَطْرُوحَةٍ أُعْطِيَتْهَا مَوْلاَةٌ لِمَيْمُونَةَ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ: النَّبِيُّ ﷺ "أَلاَّ أَخَذُوا إِهَابَهَا فَدَبَغُوهُ فَانْتَفَعُوا بِهِ".

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے یہ بکری حضرت میمونہؓ کی باندی کو صدقہ کی گئی تھی حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کی کھال کو کیوں نہیں اتارا کہ اسے دباغت دیتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔

۸۱۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ مُنْذُ حِينٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ مَيْمُونَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ دَاجِنَةً كَانَتْ لِبَعْضِ نِسَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَمَاتَتْ فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "أَلاَّ أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ".

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے انہیں بتلایا کہ حضور ﷺ کی کسی زوجہ محترمہ کے ہاں ایک جانور پلا ہوا تھا وہ مر گیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں نہیں لیا کہ اس سے فائدہ اٹھاتے۔

۸۱۱- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ لِمَوْلاَةٍ لِمَيْمُونَةَ فَقَالَ: "أَلاَّ انْتَفَعْتُمْ بِإِهَابِهَا".

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت میمونہ ؓ کی باندی کی مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے کہ تم نے اس کی کھال سے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا۔

۸۱۲- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ وَعْلَةَ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "إِذَا دُبِغَ الإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ"

حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ جب کھال کو دباغت دی جاتی ہے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

۸۱۳- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ عَنْ سُفْيَانَ كُلُّهُمْ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ يَعْنِي حَدِيثَ يَحْيَى بْنِ يَحْيَى.

حضرت ابن عباس ؓ سابقہ روایت کی طرح حضور ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

۸۱۴- حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ: ابْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ أَنَّ أَبَا الْخَيْرِ حَدَّثَهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى ابْنِ وَعْلَةَ السَّبَإِيِّ فَرْوًا فَمَسِسْتُهُ فَقَالَ: مَا لَكَ تَمَسُّهُ قَدْ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قُلْتُ إِنَّا نَكُونُ بِالْمَغْرِبِ وَمَعَنَا الْبَرْبَرُ وَالْمَجُوسُ نُؤْتَى بِالْكَبْشِ قَدْ ذَبَحُوهُ وَنَحْنُ لَا نَأْكُلُ ذَبَائِحَهُمْ وَيَأْتُونَا بِالسِّقَاءِ يَجْعَلُونَ فِيهِ الْوَدَكَ. فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: "دِبَاغُهُ طَهُورُهُ".

ابوالخیر کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن وعلہ السبائی کو ایک پوستین پہنے دیکھا تو اسے ہاتھ سے چھوا انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ کیوں اسے چھوتے ہو؟ میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ سے یہ پوچھا کہ ہم مغرب کے رہنے والے لوگ ہیں اور ہمارے ساتھ قبائل اور مجوس رہتے ہیں وہ ذبح شدہ مینڈھا لاتے ہیں اور ہم ان کا مذبوحہ نہیں کھاتے وہ ہمارے پاس مشکیزے لاتے ہیں جن میں چربی اور چکنائی ڈالتے ہیں ابن عباس ؓ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہی بات پوچھی تھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا: کہ اس کی دباغت اسے پاک کر دیتی ہے۔

تشریح

"السبائی" یہ ملک سبا کی طرف منسوب ہے۔

"فروا" اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ جمع ہے اس کا مفرد فراء ہے جیسے کعب وکعاب کا وزن ہے پوستین کو کہتے ہیں بعض علماء نے اس کا مفرد فروۃ بتایا ہے یہ بھی صحیح ہے اگرچہ قلیل ہے "مالک تمسہ" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پوستین کو غور سے دیکھ کر چھونے والے نے اس کے پہننے میں شک کیا کہ یہ

مردار جانور کی کھال ہے اس پر پہننے والے نے جواب دیا کہ آپ کیوں اس کو چھوتے ہو اور شک کرتے ہو؟ یہ دباغت شدہ کھال ہے اور ابن عباسؓ سے میں نے پوچھا تو آپ نے جواز کا فتوی دیا کہ دباغت سے یہ پاک ہوگئی ہے اسی طرح ہمیں آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے۔

''المغرب'' یہ عرب کا ایک بڑا ملک ہے علامہ حموی لکھتے ہیں کہ مغرب افریقہ کی آخری حدود سے لیکر ملک ''سوس'' کے بڑے پہاڑوں کے پیچھے بحر محیط تک پھیلا ہوا دور دراز بڑا وسیع ملک ہے پورا اندلس اس کے اندر آتا ہے اس کی لمبائی اتنی ہے کہ خشکی کا سفر دو مہینے تک ہو جاتا ہے ''ابر بر'' یہ مسلمانوں کی ایک مضبوط قوم کا نام ہے جنہوں نے جہاد میں بڑے کارنامے انجام دیئے کفار نے ان کو بدنام کرنے کے لئے ''بربریت'' کا لفظ بطور گالی متعارف کرایا ہے تاکہ بربر قوم کی خدمات برباد کردے۔

''الودک'' چربی کو ودک کہتے ہیں یعنی مشکیزوں میں چربی رکھتے ہیں تو کیا اس کھال میں رکھی ہوئی چربی کھانا جائز ہے حضرت ابن عباسؓ نے جواز کا فتوی دیا۔

''بشاۃ مطروحۃ'' یہ لفظ اس سے پہلے ایک حدیث میں گزرا ہے یعنی بکری پھینکی ہوئی پڑی تھی۔ ''داجنۃ'' گھر کی پلی ہوئی بکری کو کہتے ہیں وجن گھر میں بیٹھنے کو کہتے ہیں ''اھاب'' غیر مدبوغہ کچی کھال کو کہتے ہیں اس کے بعد والی حدیث میں ایک لفظ ہے ''ارای تراہ'' یعنی اس شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ آپ جو بتا رہے ہو تو کیا یہ کوئی آپ کی رائے ہے یا قیاس ہے جو آپ نے کیا ہے یا حدیث ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ حدیث ہے۔

۸۱۵- وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الرَّبِيعِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ حَدَّثَهُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَعْلَةَ السَّبَإِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قُلْتُ إِنَّا نَكُونُ بِالْمَغْرِبِ فَيَأْتِينَا الْمَجُوسُ بِالأَسْقِيَةِ فِيهَا الْمَاءُ وَالْوَدَكُ فَقَالَ: اشْرَبْ. فَقُلْتُ أَرَأْيٌ تَرَاهُ فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ''دِبَاغُهُ طَهُورُهُ''.

ابن وعلہ السبائیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا اور کہا کہ ہم مغرب کے رہنے والے لوگ ہیں ہمارے پاس مجوسی مشکیزے لاتے ہیں ان میں پانی اور چکنائی وغیرہ ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ ہم یہ چکنائی اور پانی کو پی سکتے ہیں۔ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ یہ اپنی رائے سے بتلا رہے ہیں؟ فرمایا: کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ان کی دباغت ان کی طہارت بن جاتی ہے۔

باب التیمم

تیمم کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

تیمم لغت میں قصد کے معنی میں ہے قرآن کریم کی آیت ولا آمین البیت الحرام میں آمین ای قاصدین البیت الحرام

قصد ہی کے معنی میں آیا ہے ایک عربی شاعر اپنے اونٹوں کے سفر سے متعلق کہتا ہے۔

رمی بصدور العیس منخرق الصبا فلم یدر خلق بعده این یمما

یعنی اس شخص نے اونٹوں کے قافلے کو مشرقی ہوا کی طرف ڈال دیا اس کے بعد کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ اس نے کہاں کا ارادہ کیا۔

اصطلاح شریعت میں تیمم کی تعریف اس طرح ہے "قصد التراب و مایقوم مقامه علی وجه مخصوص بنیة الطهارة"، بعض نے تیمم کی نیت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "نویت ان اتیمم لرفع الحدث و استباحة الصلوٰة" لیکن اس داستان کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قلبی نیت کافی ہے۔

تیمم کا حکم پانچ ہجری میں اس وقت آیا تھا جب آنحضرت ﷺ غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر سفر میں تھے حضرت عائشہؓ نے اس کا پورا قصہ خود سنایا ہے امام بخاری نے اس کو نقل کیا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نبی اکرم کے ساتھ آپ کے بعض اسفار میں نکلے تھے ہم مقام بیداء یا مقام ذات الجیش میں تھے کہ میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گم ہوگیا ہار کو تلاش کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ بھی رک گئے اور صحابہ کرامؓ بھی رک گئے نماز کا وقت ہو چکا تھا ادھر لوگوں کے پاس پانی بالکل نہیں تھا لوگوں نے اس کی شکایت ابوبکر صدیق کے سامنے کی کہ عائشہؓ کی وجہ سے لوگ رک گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ بھی رک گئے ہیں حالانکہ کسی کے پاس پانی نہیں ہے اس پر ابوبکرؓ میرے پاس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے اور آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا تم نے لوگوں کو اور رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا ہے جبکہ کسی کے پاس پانی نہیں ہے عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے خوب ڈانٹا اور پھر اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں مارنے لگے میں حرکت اس لئے نہیں کررہی تھی کہ آنحضرت میری ران پر سر رکھے ہوئے تھے کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہوجائے اتنے میں حضور اکرم ﷺ جاگ اٹھے، اس وقت پانی بالکل نہیں تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرمایا اور لوگوں نے تیمم شروع کیا (اس سہولت کو دیکھ کر) حضرت اسید بن حضیر نے فرمایا:: "ماهی باول برکتکم یا آل ابی بکر" اے ابوبکر کی اولاد یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے ایک روایت میں حضرت اسید بن حضیر کے اس طرح الفاظ ہیں اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے خدا کی قسم جب بھی کبھی آپ پر پریشان کن صورتحال آتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ آپ سمیت پوری امت کے لئے بھلائی رکھ دیتا ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں جس اونٹ پر سوار تھی وہ بیٹھا ہوا تھا جب ہم نے اس کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

٨١٦- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ - أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ - انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي فَأَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالُوا أَلَا تَرَى إِلَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ مَعَهُ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ. فَجَاءَ أَبُو

بَكْرٍ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نَامَ فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ. قَالَتْ: فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعُنُ بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلَى فَخِذِي فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا. فَقَالَ: أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ - وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ - مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ. فَقَالَتْ: عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ کسی سفر میں نکلے جب ہم ''بیداء'' یا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ایک گلے کا ہار ٹوٹ (کر کہیں گر) گیا رسول ﷺ اسے تلاش کرنے کے لئے وہیں رک گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ شرکاء سفر نے بھی پڑاؤ ڈال لیا وہاں پانی بھی نہیں تھا اور قافلہ والوں کے پاس بھی پانی نہیں تھا لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بھی قیام پر مجبور کر دیا ہے اور لوگ بھی ان کے ساتھ ساتھ قیام پر مجبور ہو گئے ہیں اور نہ تو یہ لوگ پانی کے مقام پر ہیں اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ میری (حضرت عائشہؓ کی) ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے ابوبکرؓ نے فرمایا: کہ تو نے رسول اللہ ﷺ اور سارے لوگوں کو روکا ہوا ہے اور نہ تو یہاں پانی ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھے عتاب کیا اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہہ ڈالا اور میری پہلو میں اپنے ہاتھ سے ٹھونگے مارنے لگے اور مجھے حرکت کرنے سے روکے رکھا کہ حضور ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے پس حضور ﷺ صبح تک سوتے رہے اور پانی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی کہ تیمم کرو حضرت اسید بن حضیرؓ نے جو نقباء میں سے تھے فرمایا کہ اے ابوبکر کی اولاد! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اس کے نیچے پایا۔

تشریح

''بالبیداء'' مکہ ومدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے مجنون لیلیٰ نے ایک کتے کو مقام بیداء میں دیکھا تو اس کو اپنی چادر پر بٹھا دیا لوگوں نے ملامت کی تو کہا ملامت نہ کرو میں نے اس کو لیلیٰ کی گلیوں میں گھومتے دیکھا تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کے پاؤں میری چادر پر لگ جائیں۔ شاعر نے کہا: ؎

رای المجنون فی البیداء کلباً	فجر الیہ للاحسان ذیلا
فلاموہ علی ما کان منہ	فقالوا لم منحت الکلب نیلا
فقال دعوا الملامۃ ان عینی	راتہ مرۃ فی حی لیلا

"اوبذات الجیش" اوشک کے لئے ہے یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے علامہ حمویؒ لکھتے ہیں کہ ذات الجیش ذوالحلیفہ اور "برثان" کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جب آنحضرت ﷺ بدر کی طرف جنگ کے لئے نکلے تو یہاں آپ نے پڑاؤ ڈالا تھا اور اسی طرح جب غزوہ بنی المصطلق سے آپ ﷺ واپس آرہے تھے آپ نے ذات الجیش میں پڑاؤ ڈالا تھا جہاں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا اور پھر تیمم کی آیت اتری تھی۔

"عقدلی" گلے کے ہار کو 'عقد' بھی کہتے ہیں اور "قلادۃ" بھی کہتے ہیں یہ ہار درحقیقت حضرت اسماءؓ کا تھا حضرت عائشہؓ کے پاس بطور عاریت تھا۔ "التماسه" ڈھونڈنے کے معنی میں ہے "لَیسوا علی ما؟" یعنی لوگ پانی کے گھاٹ یا چشمہ یا نہر کے پاس بھی نہیں ہیں اور نہ ان کے پاس سامان میں پانی ہے "ولیس معھم ماء" کا یہی مطلب ہے۔

"خاصرتی" پہلو کو خاصرہ کہتے ہیں حضرت عائشہؓ کی فدائیت کو دیکھیں کہ خود سب کچھ برداشت کر رہی ہیں لیکن حرکت اس لئے نہیں کر رہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے آرام میں خلل نہ آئے "احد النُقَبَاء" مدینہ منورہ سے جو لوگ آنحضرت ﷺ کے لینے کے لئے اور اسلام قبول کرنے کے لئے مکہ گئے تھے ان حضرات کو نقباء اور نقیب کہتے ہیں یہ "لیلة العقبة" کے نام سے تاریخی ایام شمار ہوتے ہیں اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑے ایام ہیں اسی فضیلت کی طرف اشارہ ہے "باول بو کتکم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا ہار دو دفعہ گم ہوا تھا ایک دفعہ گم ہونے کی صورت میں واقعہ افک پیش آیا جس کے نتیجے میں سورت نور اتری جوامت کے لئے بڑی باعث برکت ہے دوسری دفعہ ہار گم ہونے پر تیمم کا حکم آیا جس میں امت کے لئے بڑی آسانی پیدا ہو گئی یہ دوسری برکت آگئی اسی کی طرف حضرت اسید بن حضیرؓ اس حدیث میں اشارہ فرما رہے ہیں امام مسلمؒ نے اس باب میں جن احادیث کو بیان کیا ہے ان میں حضرت حذیفہؓ کی حدیث نہیں ہے وہ حدیث امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں کسی اور جگہ میں بیان کی ہے اس حدیث میں بہت عمدہ ترتیب ہے اور اسی کی ترتیب کے مطابق میں تیمم کے مسائل ترتیب کے ساتھ بیان کرتا رہتا ہوں لہٰذا میں پہلے اس حدیث کو نقل کرتا ہوں جس کو مشکوٰۃ شریف میں اس کے مصنف نے باب التیمم میں پہلی حدیث کے طور پر بیان کیا ہے چنانچہ وہ یوں نقل کرتے ہیں۔

تمام امتوں پر امت محمدیہ کی فضیلت

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طُهُوْرًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم لوگ (پہلی امتوں کے) لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دیئے گئے ہیں: (۱) ہماری صفیں (نماز میں یا جہاد میں) فرشتوں کی صفوں جیسی (شمار) کی گئی ہیں (۲) ہمارے واسطے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے (کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں) (۳) جس وقت ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کر دینے والی ہے۔

فضلنا علی الناس بثلاث: یہ فضیلت اور یہ خصوصیت امت محمدیہ علی صاحبہما الف الف تحیۃ کی ہے یہاں تین

خصوصیات کا ذکر ہے دوسری روایات میں اس سے زیادہ کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن اعداد وشمار میں تعارض نہیں ہوتا ہے کیونکہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا نیز فضائل میں زیادتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔تو پہلے تین کا ذکر آیا پھر زیادہ کا ذکر ہوا۔

''الناس'': سے مراد سابقہ امتوں کے لوگ ہیں کیونکہ آنے والے لوگ قیامت تک اس اُمت کے دور اول کے حضرات صحابہ کرامؓ کے تابع ہیں۔لہٰذا ''الناس'' سے اس اُمت کے آنے والے لوگ مراد نہیں ہو سکتے ہیں۔

سید المرسلین ﷺ کی خصوصیات

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات اور آپ کی امت کی خصوصیات بہت ساری ہیں لیکن یہاں صرف تین کا ذکر ہے باب ثواب ہذہ الامۃ اور باب فضائل سید المرسلین ﷺ میں ان تمام خصوصیات کا بیان ہے چند کا ذکر یہاں بھی کرنا مناسب ہوگا چنانچہ آپ نے فرمایا:

(۱) مجھے ایک ماہ کی مسافت تک دور دشمن پر رعب پڑنے کی خصوصیت دی گئی ہے۔(۲) غنائم کو میرے لئے حلال کیا گیا ہے۔

(۳) مجھے شفاعت کبریٰ کا اعزاز دیا گیا ہے۔(۴) مجھے پوری دنیا کے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۵) مجھے جوامع الکلم دیئے گئے۔(۶) میرے ذریعہ سے نبوت کی برکات کی تکمیل ہوگئی ہے۔

(۷) میں خاتم النبیین ہوں۔(۸) مجھے پوری دنیا کی کنجیاں دی گئی ہیں۔(۹) میرا نام احمد رکھا گیا۔

(۱۰) اور میری امت کو سب سے افضل امت قرار دیا گیا ہے۔(۱۱) میرے اگلے پچھلے گناہوں (لغزشوں) کو معاف کر دیا گیا۔

(۱۲) عرش عظیم کے نیچے خاص خزانہ سے مجھے سورت بقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں۔(۱۳) مجھے حوض کوثر دیا گیا۔

(۱۴) قیامت کے دن مجھے ایسا جھنڈا ملے گا جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ باقی سب لوگ بھی ہوں گے۔

ابو سعید نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب ''شرف المصطفیٰ'' کی ساٹھ خصوصیات کا ذکر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ:

فان فضل رسول اللہ لیس لہ　　　حد فیعرب عنہ ناطق بفم

صفوفنا: اس سے میدان معرکہ اور میدان جہاد کی صفیں مراد ہیں بعض نے نماز کی صفوں کا بھی کہا ہے۔

الارض کلھا مسجداً: یعنی پوری زمین اس قابل بنادی گئی ہے کہ اس پر ہم نماز پڑھ سکتے ہیں جب جگہ پاک ہو خواہ وہ خاص مسجد ہو یا مسجد کے علاوہ مکان ہو بنی اسرائیل پر اتنی تنگی تھی کہ وہ مسجد سے باہر کسی جگہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور مسجد میں بھی جماعت کے بغیر پڑھنا جائز نہیں تھا مال غنیمت کو کھانے کے بجائے جلاتے تھے اور کپڑے سے نجاست کی جگہ کو کاٹتے تھے، رات کا پوشیدہ گناہ گھر کے دروازہ پر لکھا جاتا تھا کہ اس شخص نے یہ گناہ کیا ہے گوشت میں چربی نہیں کھا سکتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

وجعلت تربتھا لنا طھوراً: یعنی زمین کی مٹی کو پانی کے قائم مقام بنا دیا جس طرح پانی سے طہارت حاصل ہو سکتی ہے تیمم کی صورت میں مٹی سے بھی طہارت حاصل کی جا سکتی ہے۔اس حدیث اور اس جیسی آنے والی دیگر احادیث میں تیمم کے فضائل اور چند اختلافی مسائل

سامنے آگئے ہیں۔ تیمم کے مسائل میں چار ایسے بڑے مقامات ہیں جہاں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

مسائل تیمم میں فقہاء کا اختلاف

① **پہلا اختلاف:** اس میں ہے کہ کن چیزوں پر تیمم جائز ہے اور کن پر جائز نہیں ہے۔

تو امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق تیمم صرف تراب منبت یعنی زرخیز مٹی پر جائز ہے دیگر کسی چیز پر جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تراب منبت کے ساتھ ساتھ ریت پر بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز جو جنس الارض سے ہو اس پر تیمم جائز ہے پھر امام مالکؒ نے جنس الارض کے متعلق فرمایا کہ ہر وہ چیز جو زمین سے ملحق ہو وہ بھی جنس الارض میں شامل ہے چنانچہ ان کے ہاں اس لکڑی پر بھی تیمم جائز ہے جس کا ایک حصہ زمین سے پیوست ہو۔

امام ابو حنیفہؒ نے جنس الارض میں یہ قید لگائی ہے کہ جو چیز جلانے سے نہ جلتی ہو، پگھلانے سے نہ پگھلتی ہو، حل کرنے سے حل نہ ہوتی ہو اور گلانے سے گلتی نہ ہو اس پر تیمم جائز ہے لہٰذا ان کے ہاں لکڑی، سونا، چاندی، پیتل، لوہا، تانبا، نمک وغیرہ اشیاء پر تیمم جائز نہیں ہے ہاں اگر ان چیزوں پر گرد وغبار پڑ جائے تو پھر جائز ہے یعنی وہ تراب منبت کے حکم میں ہے۔

دلائل:

امام شافعیؒ واحمدؒ وابو یوسفؒ کی دلیل یہ آیت ہے ''فتیمموا صعیدا طیبا أی ترابا منبتا'' جس میں صرف زرخیز مٹی کا ذکر ہے ہاں امام ابو یوسفؒ نے ایک حدیث کی وجہ سے ریت پر بھی تیمم کو جائز قرار دیا ہے حدیث اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک وفد آیا اور اس نے عرض کیا:

فقالوا انا نکون بالرمال الاشهر الثلاثة والاربعة ویکون فینا الجنب والحائض والنفساء ولا نجد الماء فقال علیه السلام علیکم بالارض۔ (احمد بیہقی، طبرانی)

احناف اور مالکیہ کی دلیل بھی قرآن کی یہی آیت: ''فتیمموا صعیدا طیبا'' ہے لیکن ان کے ہاں صعید عام ہے اس سے وجہ الارض مراد ہے تراب منبت کیساتھ خاص نہیں کیونکہ دوسری آیت میں ''صعیدا جرزا'' اور صعیدا زلقا کے الفاظ آئے ہیں جو وجہ الارض کے لئے عام ہے تراب منبت کیساتھ خاص نہیں ہے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ تیمم کے جواز کی اصل علت یسر، سہولت اور آسانی فراہم کرنا ہے اور تراب منبت کی قید سے تو یسر عسر میں تبدیل ہو جائے گا خصوصاً عربستان کے ریگستان میں تراب منبت کا ملنا پانی ملنے سے زیادہ دشوار ہے۔

تیسری دلیل یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تیمم کے حکم کے آنے کے بعد بھی نہ حضر میں اور نہ سفر میں تراب منبت کی تلاش کی ہے اور نہ ہی اسکا حکم دیا ہے اور نہ ہی اس کو ضروری سمجھا ہے۔ جمہور کا مسلک قوی تر اور صحیح تر ہے ہاں احتیاط اس میں ہے کہ مٹی کو تلاش کر کے اس پر تیمم کیا جائے۔ بعض حضرات مٹی کی موجودگی میں خالص نرم ملائم پتھر پر تیمم کرتے ہیں اگر مٹی پر کیا جائے تو اختلاف سے بھی نکل جائیں گے

اور احتیاط پر بھی عمل ہوگا۔

②دوسرا اختلاف: اس بات میں ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ اصلیہ ہے یا طہارت ضروریہ ہے یعنی ایک تیمم سے کئی نمازیں ادا ہوسکتی ہیں یا ایک تیمم سے صرف ایک ہی نماز ادا کی جائے گی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے ''والضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ'' لہٰذا ایک تیمم سے ایک فرض مع لواحقہ جائز باقی جائز نہیں۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ تیمم وضو کا قائم مقام اور خلیفہ ہے وضو اصل اور تیمم اس کا فرع ہے تو جو کام اصل کا ہوگا وہی اس کے قائم مقام اور خلیفہ کا ہوگا ایک وضو سے جب کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں تو ایک تیمم سے کئی نمازیں بھی پڑھ سکتے ہیں یہ احناف کی پہلی عقلی دلیل ہے جو نص شرعی سے مستنبط ہے۔ احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمم والے آدمی کے پیچھے وضو والے آدمی کی نماز اور امامت شوافع کے نزدیک بھی جائز ہے اس سے یہی بات واضح ہوجاتی ہے اور ضابطہ کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ تیمم کی طہارت وضو کی طرح طہارت مطلقہ اصلیہ ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر تیمم عبادت غیر مقصود کے لئے ہو تو اس سے عبادت مقصود ادا نہیں ہوسکتی ہے۔

یہاں بطور لطیفہ یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ غیر مقصودہ عبادت کے لئے پانی کی موجودگی میں بھی تیمم جائز ہے ثواب ملے گا مثلاً ایک آدمی مسجد میں جا کر صرف بیٹھنا چاہتا ہے تو اگرچہ حوض میں پانی موجود ہے پھر بھی یہ شخص حصول برکت طہارت کے لئے تیمم کرسکتا ہے یا رات کو سوتے وقت وضو کے بجائے تیمم کرتا ہے تو جائز ہے یا دینی اور فقہی کتابوں کو چھونے کے لئے تیمم کرنا چاہتا ہے تو کرسکتا ہے اور گناہ سے بچ سکتا ہے خواہ صغیرہ کیوں نہ ہو اور مقام تقویٰ کو حاصل کرسکتا ہے۔

③تیسرا اختلاف: تیمم کی کیفیت میں ہے کہ آیا فعل تیمم میں ضربتین ہیں یا ضربۃ واحدۃ ہے یا کیا ہے۔

تو امام احمد بن حنبلؒ، داؤد ظاہری، اسحاق بن راھویہ اور اکثر محدثین کے ہاں تیمم میں ضربۃ واحدۃ کافی ہے یعنی ایک بار ہاتھوں کو مٹی پر مار ڈالا اور چہرہ اور بازؤں پر مسح کردیا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ یعنی جمہور کے ہاں تیمم میں ضربتین ضروری ہیں: ضربۃ للوجۃ و ضربۃ للیدین الی المرفقین۔

دلائل:

احناف، مالکیہ اور شوافع یعنی جمہور کی ایک دلیل تو مسند بزار کی روایت ہے جس میں حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں:

''قال کنت فی القوم حین نزلت الرخصۃ فی المسح بالتراب اذالم نجد الماء فامرنا فضربنا بواحدۃ للوجہ ثم ضربۃ اخری للیدین الی المرفقین۔'' (مسند بزار)

اس روایت میں تیمم کے لئے دو ضربیں واضح طور پر مذکور ہیں۔ جمہور کی دوسری دلیل بھی بزار کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: **''ان النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجوہ و ضربتہ للیدین الی المرفقین۔''** (نصب الرایہ)

جمہور کی تیسری دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے جس کی تخریج حاکم نے کی ہے دارقطنی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس مرفوع حدیث میں یہ

الفاظ آئے ہیں: ''قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین''۔ (نصب الرایہ)

جمہور کی چوتھی دلیل ابوداؤد شریف میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت ہے جس میں دوضربوں کی تصریح موجود ہے ''ثم عادوا فضربوا باکفهم''۔ (ابوداؤد)

جمہور کی پانچویں دلیل ابوداؤد میں حضرت نافع کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

ضرب رسول اللهﷺ بیدیه علی الحائط ومسح بهما وجهه ثم ضرب ضربة فمسح ذراعیه۔ (رواه ابوداؤد)

حنابلہ اور محدثین واہل ظواہر کی دلیل حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت سے صراحت کے ساتھ ایک ضرب کا پتہ نہیں چلتا ہے یہاں صرف اتنا ہے کہ آنحضرتﷺ نے چہرہ اور ہاتھوں پر مسح ایک ساتھ کیا اب دوضربوں سے کیا یا ایک ضرب سے کیا یہ حدیث میں نہیں ہے نیز یہ تعلیم کے دوران آنحضرتﷺ نے بطور نمونہ بتادیا کہ غسل کے لئے مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وضو کے تیمم کی طرح ضرب مار کر اس طرح چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کافی تھا تو یہاں مکمل تیمم کر کے دکھانا نہیں تھا بلکہ یہ بتانا تھا کہ جنابت کے لئے بھی وضو کے تیمم کی طرح تیمم کافی تھا صرف یہی بتانا مقصود تھا۔ باقی اگر جمہور کے دلائل کچھ کمزور ہیں تو پرواہ نہیں کثرت روایات کی وجہ سے اس میں بڑا زور ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایک ضرب کی حدیث پر عمل کرنے سے دوضربوں والی حدیث پر عمل نہیں ہوسکتا ہے اور اگر دوضربوں والی حدیث پر عمل کیا جائے تو ایک ضرب والی حدیث پر خود بخود عمل ہوجائے گا۔ تو احتیاط اسی میں ہے۔

تیسری بات یہ بھی ہے تیمم میں مٹی استعمال ہوتی ہے جو اصل کے اعتبار سے مطہر نہیں بلکہ ملوث ہے اور پانی اصل کے اعتبار سے مطہر ہے جب ایک پانی کو استعمال کے بعد دوبارہ استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے تو ایک مٹی کے اثر اور استعمال شدہ اجزاء کو آپ دوسرے عضو پر دوبارہ کیسے استعمال کرسکتے ہیں بہرحال جمہور کے مسلک میں بہت ہی احتیاط ہے۔

④ **چوتھا اختلاف:** محل تیمم میں ہے کیونکہ ''ید'' کا لفظ لغت میں کندھوں تک بولا جاتا ہے اور الی المرافق کی قید قرآن میں وضو کے لئے تو ہے تیمم کے لئے نہیں ہے اس لئے اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہوئی ہیں امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راھویہ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم صرف رسغین یعنی کلائی تک ہے پورے ہاتھ یعنی کہنی تک نہیں ہے۔

راجح اقوال کے مطابق امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ یعنی جمہور کے نزدیک پورے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح ضروری ہے، البتہ امام مالک رسغین یعنی کلائی تک فرض کہتے ہیں اور کہنیوں تک سنت کہتے ہیں۔ ابن شہاب زہری مناکب اور کندھوں تک مسح کے قائل ہیں۔ بہرحال تین چار ضربات کا اور اسی طرح کندھوں تک مسح کرنے کا ائمہ اربعہ میں سے کوئی قائل نہیں ہے لہٰذا اس قسم کی روایات اس ابتدائی دور پر محمول ہیں جب تیمم کا نیا نیا حکم آیا تھا اور ''تیمموا'' پر ہر صحابی نے اپنے اپنے انداز سے عمل کیا تھا یہ کوئی ضابطہ نہیں تھا بعد میں ضابطہ وہی بن گیا کہ دوضربیں ہیں اور کہنیوں تک مسح ہے اس پر جمہور امت کا عمل ہے حضرت عمارؓ کی حدیث میں اضطراب بھی ہے امام احمد بن حنبلؒ نے کلائی تک مسح کرنے کو قطع ید پر قیاس کیا ہے کہ وہاں بھی مطلق ید کا ذکر ہے مگر امت نے کلائی تک مراد لیا ہے تو یہاں بھی

ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس کا جواب جمہور نے یہ دیا ہے کہ قطع ید زاجرات میں سے ہے اور تیمم عبادات میں سے ہے زاجرات میں شریعت کم سے کم سزا پر عمل کا حکم دیتی ہے لیکن عبادات میں تو زیادہ سے زیادہ کا حکم ہوتا ہے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے۔

۸۱۷- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ح وَ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ بِشْرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَاساً مِنْ أَصْحَابِهِ فِي طَلَبِهَا فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ فَلَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ شَكَوْا ذَلِكَ إِلَيْهِ فَنَزَلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ. فَقَالَ: أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ جَزَاكِ اللهُ خَيْراً فَوَاللهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجاً وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةً.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے ایک ہار مستعار لیا تھا وہ گم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ میں سے چند کو اسے تلاش کرنے کے لئے بھیجا نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے بغیر وضوء کے نماز پڑھ لی۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی چنانچہ اسی وقت تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ خدا کی قسم آپ پر جب بھی کوئی مصیبت نازل ہوئی اللہ نے اس سے آپ کے لئے خلاصی کی صورت نکال دی اور تمام مسلمانوں کے لئے اس میں برکت رکھدی۔

تشریح

"انہا استعارت" یعنی حضرت عائشہؓ کا جو ہار گم ہو گیا تھا وہ درحقیقت حضرت اسماء بنت ابی بکر کا تھا بطور عاریت حضرت عائشہؓ نے لیا تھا لیکن ادنیٰ ملابست کی وجہ سے اس کی نسبت حضرت عائشہؓ کی طرف بھی ہوئی ہے "فہلکت" یہ گم ہونے کے معنی میں ہے۔

"فصلوا بغیر وضوء" یعنی تیمم کا حکم جب نہیں آیا تھا تو کچھ صحابہ نے وضو کے بغیر نماز پڑھ لی۔

"فارسل رسول اللہ ﷺ" یعنی آنحضرت ﷺ نے ہار کو تلاش کرنے کے لئے کچھ صحابہ کو بھیجا مگر ہار اس وقت ملا جب اونٹ کھڑا ہو گیا اور نیچے سے ہار مل گیا ایک بریلوی عالم مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح مسلم میں یہاں علم غیب کے مسئلے کو چھیڑا ہے اور پھر ہار گم ہونے کے اس قصے کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے یہ جوابات اتنے کمزور ہیں کہ دینے سے نہ دینا بہتر تھا ایک شخص جب قرآن کی صریح آیتوں اور احادیث کے واضح ارشادات اور فقہاء کرام کے متفقہ فتاویٰ کے خلاف بات کریگا تو وہ بات کہاں صحیح ہو سکتی ہے۔

کیا غسل جنابت کے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟

۸۱۸- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ جَمِيعاً عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِساً مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى فَقَالَ: أَبُو مُوسَى يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلاً أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْراً كَيْفَ يَصْنَعُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ: عَبْدُ اللهِ لَا يَتَيَمَّمُ وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْراً. فَقَالَ: أَبُو مُوسَى فَكَيْفَ بِهَذِهِ الْآيَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ (فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباً) فَقَالَ: عَبْدُ اللهِ لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ

فِی هٰذِهِ الآیَةِ - لَأَوْشَکَ إِذَا بَرَدَ عَلَیْهِمُ الْمَاءُ أَنْ یَتَیَمَّمُوا بِالصَّعِیدِ. فَقَالَ: أَبُو مُوسَی لِعَبْدِ اللّٰهِ أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ بَعَثَنِی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِی حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِی الصَّعِیدِ کَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ ثُمَّ أَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَهُ فَقَالَ: "إِنَّمَا کَانَ یَکْفِیکَ أَنْ تَقُولَ بِیَدَیْکَ هٰکَذَا". ثُمَّ ضَرَبَ بِیَدَیْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَاحِدَةً ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَی الْیَمِینِ وَظَاهِرَ کَفَّیْهِ وَوَجْهَهُ. فَقَالَ: عَبْدُ اللّٰهِ أَوَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ یَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ۔

شقیقؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ابوموسیٰؓ نے کہا: اے ابوعبدالرحمن! آپ کی کیا رائے ہے اس بارے میں کہ ایک شخص مسلسل جنابت کی حالت میں ہو اور اسے مہینہ بھر پانی نہ ملے تو اس کی نماز کیا حکم ہے؟ عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: تیمم نہ کرے اگرچہ مہینہ بھر پانی نہ ملے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا پھر سورۃ مائدہ کی آیت: "اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو" کا کیا مقصد؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: اگر لوگوں کو اس آیت کی بناء پر تیمم کی اجازت دے دی جائے تو بہت ممکن ہے کہ جب انہیں سردی لگے تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا کریں حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا: کیا آپ نے حضرت عمارؓ کی وہ بات نہیں سنی کہ انہوں نے فرمایا: کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے کسی ضرورت کے لئے بھیجا راستے میں مجھے جنابت ہوگئی اور مجھے پانی نہیں ملا تو میں مٹی میں لتھڑنے لگا جس طرح چوپائے مٹی میں لوٹ پوٹ ہوتے ہیں پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح کرتے پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے ایک مرتبہ، پھر بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر پھیرا اور ہتھیلیوں کی پشت پر پھیرا اور چہرے پر پھیرا تو عبداللہؓ نے فرمایا: کہ "کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کی بات پر قناعت نہیں کی۔

تشریح

"کنت جالساً مع عبداللہ ابی موسی" عبداللہ سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں اسی روایت میں آپ کی کنیت ابوعبدالرحمن بھی مذکور ہے طبقہ صحابہ میں جب مطلق عبداللہ نام آجائے تو اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود مراد ہوتے ہیں ابوموسیٰ اشعری کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

اس باب میں چند احادیث سے یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ آیا غسل جنابت کے لئے تیمم کرنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے حضرت عمر فاروق اور حضرت ابن مسعود کے ہاں تیمم جائز نہیں ہے ہر حال میں پانی استعمال کرنا ضروری ہے۔

لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے نزدیک ہر قسم کی جنابت کے لئے بدرجہ مجبوری تیمم کرنا جائز ہے اس مسئلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا حضرت ابن مسعودؓ سے طویل گفتگو بلکہ ٹھیک ٹھاک مدلل مناظرہ ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا بھی اچھا خاصا مکالمہ ہوا ہے زیر بحث حدیث میں جب ابوموسیٰ اشعریؓ نے قرآن کی آیت سے واضح استدلال کیا تو حضرت ابن مسعودؓ خاموش ہوگئے لیکن پھر اصل حقیقت واضح فرمادی کہ اگر ہم جنابت کے لئے تیمم کے جواز کا فتوی دیدیں تو لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے اور معمولی سردی کو بہانہ بنا کر غسل کے بجائے تیمم پر اکتفا کریں گے

گو یا یہ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے یہ درحقیقت سداً للذرائع ہے کہ لوگ باز رہیں۔
یہی رائے حضرت عمر فاروق کی بھی تھی لہٰذا اب مسئلہ میں اختلاف باقی نہ رہا اور تیمم حدث اصغر کی طرح حدث اکبر کے لئے بھی کافی ہے امت کا اس پر اتفاق ہے اور تمام فقہاء کرام کا اس پر اجماع ہے۔
بعض شارحین کہتے ہیں کہ جنابت کے لئے تیمم کرنے کی احادیث اتنی کثیر ہیں کہ ان کی وجہ سے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی رائے کو چھوڑا جائے گا بعض شارحین نے ان حضرات کا رجوع نقل کیا ہے۔
آنے والی روایت ۷۲۰ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق نے کسی شخص کو فتویٰ دیا کہ غسل جنابت کے لئے تیمم صحیح نہیں ہے اگر پانی نہیں ملتا ہے تو تم نماز چھوڑ دو مگر تیمم نہ کرو اس پر حضرت عمارؓ نے اپنا قصہ سنایا جس میں آنحضرت ﷺ نے عمار کو تیمم کا حکم دیا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عمار خدا کا خوف کرو یہ کیا بیان کر رہے ہو؟ اس پر حضرت عمار نے فرمایا کہ چونکہ آپ ہمارے امیر المؤمنین ہیں واجب الاطاعت ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں کبھی اس مسئلہ کو بیان نہ کروں تو میں کبھی بیان نہ کروں گا اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ تم نے جس چیز کا بیڑا اٹھا رکھا ہے ہم تمہیں منع نہیں کریں گے جس طرح چاہو بیان کرو تم جانو تمہارا کام جانے ان الفاظ میں بھی وہی راز پوشیدہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے سداً للذرائع کے طور پر تیمم نہ کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ لوگ جری نہ ہو جائیں۔

۸۱۹- وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: قَالَ: أَبُو مُوسَى لِعَبْدِ اللهِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ هَكَذَا". وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الأَرْضِ فَنَفَضَ يَدَيْهِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

حضرت اعمش شقیقؒ سے سابقہ روایت اسی طرح منقول ہے سوائے اتنے اضافے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر ان کو جھٹک دیا اور چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

۸۲۰- حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى - يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ - عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلاً أَتَى عُمَرَ فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدْ مَاءً. فَقَالَ: لاَ تُصَلِّ. فَقَالَ: عَمَّارٌ أَمَا تَذْكُرُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَنَا وَأَنْتَ فِي سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ مَاءً فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ وَصَلَّيْتُ. فَقَالَ: النَّبِيُّ ﷺ "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الأَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ". فَقَالَ: عُمَرُ اتَّقِ اللهَ يَا عَمَّارُ. قَالَ: إِنْ شِئْتَ لَمْ أُحَدِّثْ بِهِ. قَالَ: الْحَكَمُ وَحَدَّثَنِيهِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ مِثْلَ حَدِيثِ ذَرٍّ قَالَ: وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ عَنْ ذَرٍّ فِي هَذَا الإِسْنَادِ الَّذِي ذَكَرَ الْحَكَمُ فَقَالَ: عُمَرُ نُوَلِّيكَ مَا تَوَلَّيْتَ.

حضرت عبدالرحمن بن ابزیؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ: مجھے جنابت لاحق

ہوگئی اور میرے پاس پانی نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: نماز نہ پڑھو۔ حضرت عمارؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہوگئی تھی اور پانی بھی ہمیں نہیں ملا تھا تو آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ لگائی اور نماز پڑھ لی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ: تمہیں صرف یہی کافی تھا کہ زمین پر دونوں ہاتھوں کو مارتے پھر ان پر پھونک مارتے اور پھر دونوں ہاتھ چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر دیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے عمار! اللہ سے ڈرو۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں آئندہ یہ حدیث کبھی بیان نہیں کروں گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس پر فرمایا کہ: تمہاری روایت کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔

تشریح

"فتمعکت" یعنی میں تو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا اصل میں جب کوئی حیوان خاص کر گھوڑا اور گدھا مٹی میں لوٹ پوٹ ہو کر قلابازی لیتا ہے اسی کو تمعک کہتے ہیں چونکہ یہ تیمم کی آیت اترنے کا ابتدائی دور تھا اس لئے وضو کے لئے تیمم کا پورا نقشہ بھی سامنے نہیں تھا تو کچھ صحابہ نے کندھوں تک مٹی سے تیمم کیا اور غسل کا نقشہ بالکل نہیں تھا اس وجہ سے حضرت عمار نے اجتہاد کی بنیاد پر پورے جسم کو مٹی میں لت پت کیا مگر آنحضرت ﷺ نے تیمم کا اشارہ فرمایا کہ تیرے لئے صرف تیمم کافی تھا یہاں پورا تیمم بتانا مقصود نہ تھا بلکہ اس کی طرف اشارہ کرنا تھا لہٰذا اس سے ایک ضرب ثابت کرنا بے موقع ہے "ان تقول" کا لفظ جو اس سے پہلے گزرا ہے وہ ان تفعل کے معنی میں ہے وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے "فنفض" یہ جھاڑنے کے معنی میں ہے کہ ہاتھوں سے جو مٹی لگی تھی اسے جھاڑ کر مسح کیا یہ بھی پہلے حدیث میں ہے۔

"نولیک ماتولیت" یعنی آپ بھی بالکل غلط نہیں کہہ رہے ہو لہٰذا جو ذمہ داری آپ نے لی ہے ہم آپ کو اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

۸۲۱- وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ ذَرًّا عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى قَالَ: قَالَ: الْحَكَمُ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلاً أَتَى عُمَرَ فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدْ مَاءً. وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَزَادَ فِيهِ قَالَ: عَمَّارٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ شِئْتَ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ حَقِّكَ لاَ أُحَدِّثُ بِهِ أَحَداً وَلَمْ يَذْكُرْ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ عَنْ ذَرٍّ.

حضرت عبدالرحمن بن ابزی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں جنبی ہوگیا ہوں اور مجھے پانی نہیں ملا پھر آگے سابقہ حدیث کی طرح بیان کیا۔ اس اضافہ کے ساتھ کہ حضرت عمارؓ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ اس حق کی بناء پر جو اللہ نے آپ کا مجھ پر رکھا ہے یہ چاہتے ہیں کہ میں آئندہ اس حدیث کو بیان نہ کروں تو میں بیان نہیں کروں گا۔

۸۲۲- قَالَ: مُسْلِمٌ وَرَوَى اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي الْجَهْمِ

بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ: أَبُو الْجَهْمِ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

حضرت عمیرؓ جو ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ میں اور عبدالرحمن بن یسار جو حضرت میمونہؓ زوجہ النبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے دونوں ابوالجہم بن حارث الصمہ الانصاری کے پاس آئے ابوالجہم نے کہا کہ حضور ﷺ بیر جمل کی جانب سے تشریف لائے تو آپ ﷺ کو ایک شخص ملا اس نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک دیوار کے قریب آئے اور چہرا اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا اور پھر سلام کا جواب دیا۔

تشریح

"قال مسلم" یہ روایت منقطع ہے کیونکہ امام مسلم کی ملاقات لیث سے نہیں ہوئی ہے اس قسم کی روایت مطلق و منقطع کہلاتی ہے امام مسلم کی صحیح میں تقریبا چودہ منقطع روایات ہیں اس میں سے ایک روایت یہ بھی ہے "عبدالرحمن بن یسار" علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن یسار بالکل غلط ہے یہ عبداللہ بن یسار ہے بخاری اور ابوداؤد میں عبداللہ بن یسار واقع ہے۔ (فتح الملہم)

"علی ابی الجھم" علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابوالجہیم ہے ابوالجہم غلط ہے تصغیر کے ساتھ صحیح ہے ابوالجہم الگ صحابی ہیں جو قریشی ہیں اور یہ ابوالجہیم انصاری ہیں جس کا نام عبداللہ ہے "فلقیہ رجل" یہی ابوالجہیم ہے جو اس حدیث کا راوی ہے "بئر جمل" مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام ہے جو مشہور ہے۔

"فاقبل علی الجدار" معلوم ہوا خالص پتھر پر تیمم کرنا جائز ہے یہی احناف کا مسلک ہے کیونکہ مدینہ کی دیواریں سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی تھیں یہ استدلال صحیح ہے اگرچہ یقینی متعین نہیں ہے کیونکہ دیوار پر مٹی کی لپائی تھی کبھی درمیان میں مٹی ہوتی ہے یہ مسئلہ قبائلی علماء جانتے ہیں۔

"فلم یرد" یعنی آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ دیوار کی طرف جا کر پہلے تیمم کیا پھر سلام کا جواب دیا معلوم ہوا کہ سلام کے لئے بھی باوضو ہونا مستحب ہے کوئی فرض واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے مگر افضل اولیٰ ہے۔

"ان رجلاً" اس سے وہی حدیث کا راوی صحابی ابوالجہم مراد ہے۔

۸۲۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا مَرَّ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَبُولُ فَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ.

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ قضائے حاجت کر رہے تھے کہ ایک شخص وہاں سے گزرا اس نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔

باب المؤمن لا ینجس

مؤمن نجس نہیں ہوتا

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۸۲۴- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى - يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ - قَالَ: حُمَيْدٌ حَدَّثَنَا ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ لَقِيَهُ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ فَانْسَلَّ فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ فَتَفَقَّدَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ: "أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ". قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ لَقِيتَنِي وَأَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ حَتَّى أَغْتَسِلَ. فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "سُبْحَانَ اللهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ".

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ مدینہ منورہ کے راستے پر نبی ﷺ سے ملے وہ جنابت کی حالت میں تھے تو وہاں سے کھسک کر چلے گئے اور غسل کیا نبی ﷺ نے آپ کو تلاش کیا جب وہ آئے تو نبی ﷺ نے کہا اے ابو ہریرہ! کہاں رہ گئے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ جب مجھے ملے تو میں جنبی تھا مجھے یہ بات مکروہ محسوس ہوئی کہ میں جنابت کی حالت میں آپ کے ساتھ بیٹھوں حضور ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! مؤمن تو ناپاک نہیں ہوتا۔ (ظاہری نجاست سے)

تشریح

"فانسل" یہ انسلال سے ہے چپکے سے کھسک کر نکلنے کو کہتے ہیں دوسری روایت میں "فحاد عنہ" کے الفاظ ہیں یعنی ابو ہریرہؓ کسی طرف مڑ کر چلے گئے حاد یحید ٹیڑھا ہو کر جانا۔

"فتفقدہ" یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کو گم پایا تو ان کے متعلق پوچھا کہ ابو ہریرہؓ کہاں ہے۔

"فکرھت" یعنی جنابت کی حالت میں آپ کی مبارک مجلس میں بیٹھنے کو ناگوار سمجھا علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ علماء نے اس حدیث کی وجہ سے علماء کرام اور مشائخ کے احترام اور ان کی مجالس کی قدر و قیمت اور عظمت کو مستحب قرار دیا ہے اور یہ کہ مشائخ اور اساتذہ کی مجالس میں پاک وصاف بدن کے ساتھ خوشبودار اور عمدہ کپڑوں کے ساتھ آ کر بیٹھنا چاہئے تا کہ علم اور علماء کی عظمت کا حق ادا ہو جائے۔ "سبحان اللہ" یہ کلمہ بطور تعجب اور انکار استعمال ہوتا ہے یہاں ایسا ہی ہے۔

"لا ینجس" یہ صیغہ باب سمع سے بھی آتا ہے اور باب کرم یکرم سے بھی آتا ہے نجس اور ناپاک ہونے کے معنی میں ہے علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ایک عظیم اصل ہے کہ مسلمان خواہ زندہ ہو خواہ مرا ہوا ہو وہ پاک ہے زندہ مسلمان کے بدن کے پاک ہونے پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ پاک ہے حتیٰ کہ چھوٹا بچہ جب پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا جسم آلودہ ہوتا ہے وہ بھی پاک ہے اور مردہ

مسلمان کے جسم میں علماء کا اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ اس کا بدن بھی پاک رہ گیا کافر کا معاملہ تو اس کا بدن بھی پاک ہے جمہور کا یہی مسلک ہے البتہ بعض علماء کی رائے ہے کہ کافر کا بدن نجس ہے کیونکہ "انما المشر کون نجس" قرآن کی آیت ہے، جمہور فرماتے ہیں کہ اسی سے اعتقادی نجاست مراد ہے اگر ظاہری بدن پر نجاست نہ ہو تو اس کو پاک سمجھا جائے گا لہٰذا مسلمان کی طرح اس کے بدن کا پسینہ اس کا لعاب اس کے آنسوں اور اس کا جھوٹا پاک ہے خواہ جنب ہو یا حائض ہو یا نفساء ہو اسی طرح مسلمان بچوں کے ہاتھ اور جسم اور کپڑے بھی پاک ہیں ہاں اگر یقینی نجاست ہو وہ الگ بات ہے۔

۸۲۵- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَقِيَهُ وَهُوَ جُنُبٌ فَحَادَ عَنْهُ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: كُنْتُ جُنُباً. قَالَ: "إِنَّ الْمُسْلِمَ لاَ يَنْجُسُ".

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حالت جنابت میں میرا سامنا حضور ﷺ سے ہوا تو میں وہاں سے دور ہو گیا اور غسل کرنے کے بعد پھر آ گیا۔ اور آپ ﷺ سے فرمایا: کہ میں جنبی تھا حضور ﷺ نے فرمایا: کہ مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

باب ذکر الله تعالیٰ فی حال الجنابة وغیرها

حالت جنابت وغیرہ میں اللہ کو یاد کرنا

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۸۲۶- حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالاَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَلَمَةَ عَنِ الْبَهِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

تشریح

"عن ابھی" با پر زبر ہے ھا پر زبر ہے اور یا پر شد ہے یہ ایک راوی کا لقب ہے جن کا نام عبداللہ بن بشار ہے حضرت مصعب بن زبیر کا غلام تھا۔

"علی کل احیانہ" یعنی آنحضرت ﷺ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔

سوال: اس حدیث پر بظاہر یہ اشکال ہے کہ اس میں ہر وقت ذکر اللہ کے جواز کا بیان ہے حالانکہ بعض اوقات وحالات میں ذکر اللہ اور قرآن کی تلاوت منع ہے جیسے جنابت وحیض کی حالت میں اسی طرح قضاء حاجت اور جماع کی حالت میں جائز نہیں ہے۔

نیز اصحاب سنن نے حضرت علی کی یہ روایت نقل کی ہے "لایحجزہ من القرآن شیء ال الجنابة" جنابت کے علاوہ کوئی چیز تلاوت سے روکنے والی نہیں ہوتی تھی تو اس روایت سے تعارض بھی ہے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس سے وہ اوقات مراد ہیں جو تلاوت اور ذکر اللہ کے لئے مناسب ہوں، نامناسب حالات

اور نا مناسب اوقات اس سے خارج ہیں علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ "احیانہ" کی ضمیر ذکر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی جو اوقات ذکر کے تھے اس میں آنحضرت ﷺ ذکر فرماتے تھے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خاص ہے ان احوال کے ساتھ کہ جن احوال میں ذکر اللہ منع نہ ہو لہٰذا یہ حدیث حالت جماع قضاء حاجت حیض و جماع کی حالت کے علاوہ اوقات پر محمول ہے خلاصہ یہ کہ حیض اور جنابت کی حالت میں ذکر اللہ زبان سے بھی منع ہے اور یاد سے قرآن کا پڑھنا اور ہاتھ میں لینا بھی منع ہے ہاں صرف بے وضو آدمی یاد سے ذکر اللہ کر سکتا ہے قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے۔

جمہور اور احناف کا یہی مسلک ہے البتہ ایک آیت سے کم پڑھنے میں حائضہ کے بارے میں علامہ طحاوی اور علامہ کرخی کا اختلاف ہے امام طحاویؒ کے نزدیک حائضہ عورت کے لئے مادون الایۃ قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ اتنے قلیل مقدار پر قرآن کا حکم نہیں لگتا ہے لیکن امام کرخیؒ کے نزدیک مادون الایۃ کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اب بعض مفتی صاحبان نے علامہ کرخی کے قول کو راجح کہا ہے کہ اس میں احتیاط ہے بعض نے امام طحاوی کے قول کو راجح کہا ہے کہ اس میں سہولت ہے اس مسئلہ میں کافی تضاد پایا جاتا ہے آج کل بنات کے مدارس میں معلمات کے لئے یہ مسئلہ دردسر بنا ہوا ہے تو علما ان کو امام طحاوی کا قول بتاتے ہیں کہ ایک آیت سے کم پڑھیں آیت کو کاٹ کاٹ کر پڑھیں یا صرف ہجے کریں اور چھوڑ دیں آیت کو نہ جوڑیں۔

باب الرجل یحدث ثم یأکل الطعام قبل الوضوء

ایک آدمی کا بے وضو ہونا اور پھر وضو سے پہلے کھانا کھانا

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۸۲۷- حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی التَّمِیمِیُّ وَأَبُو الرَّبِیعِ الزَّهْرَانِیُّ قَالَ: یَحْیَی أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ وَقَالَ: أَبُو الرَّبِیعِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِینَارٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَأُتِیَ بِطَعَامٍ فَذَكَرُوا لَهُ الْوُضُوءَ فَقَالَ: "أُرِیدُ أَنْ أُصَلِّیَ فَأَتَوَضَّأَ".

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے تو آپ ﷺ کے لئے کھانا پیش کیا گیا لوگوں نے آپ ﷺ کو وضوء یاد دلایا آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نماز کا ارادہ کر رہا ہوں؟

۸۲۸- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِی شَیْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُولُ كُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَجَاءَ مِنَ الْغَائِطِ وَأُتِیَ بِطَعَامٍ فَقِیلَ لَهُ أَلَا تَوَضَّأُ فَقَالَ: "لِمَ أَأُصَلِّی فَأَتَوَضَّأَ".

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو آپ کے لئے کھانا لایا گیا آپ سے کہا گیا کیا آپ وضوء نہیں فرما رہے ہیں؟ فرمایا: کیوں کیا میں نماز پڑھ رہا ہوں؟ جو وضوء کروں۔

۸۲۹ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ الطَّائِفِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ مَوْلَى آلِ السَّائِبِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْغَائِطِ فَلَمَّا جَاءَ قُدِّمَ لَهُ طَعَامٌ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا تَوَضَّأُ. قَالَ: "لِمَ أَلِلصَّلَاةِ".

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ استنجاء کے بعد تشریف لائے تو آپ کے سامنے کھانا لایا گیا اور کہا گیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ وضوء نہیں فرمار ہے؟ فرمایا کیوں؟ کیا نماز پڑھنی ہے؟

۸۳۰ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَبَلَةَ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ حُوَيْرِثٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى حَاجَتَهُ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَأَكَلَ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً. قَالَ: وَزَادَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قِيلَ لَهُ إِنَّكَ لَمْ تَوَضَّأْ قَالَ: "مَا أَرَدْتُ صَلَاةً فَأَتَوَضَّأَ". وَزَعَمَ عَمْرٌو أَنَّهُ سَمِعَ مِنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوکر تشریف لائے تو آپ کے سامنے کھانا لایا گیا آپ ﷺ نے پانی کو ہاتھ لگائے بغیر کھانا کھالیا۔

عمرو بن دینار نے سعید بن الحویرث کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ نے وضوء نہیں کیا ہے تو آپ نے فرمایا: میں نے کوئی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا ہے جو وضوء کروں۔

تشریح

"انک لم توضأ" یہاں ان تمام احادیث میں شرعی وضو مراد ہے لغوی وضو نہیں، وضو کے اکثر الفاظ کے ساتھ ہمزہ استفہامیہ لگا ہوا ہے اگر نہیں ہے تو ماننا ہوگا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بطور استفہام پوچھا ہے کہ کیا میں کوئی نماز پڑھتا ہوں کہ وضو بناؤں؟ نہیں نماز کے علاوہ وضو لازم نہیں ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بے وضو آدمی کھانا پینا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتا ہے یاد سے قرآن پڑھ سکتا ہے بیوی سے جماع کر سکتا ہے ہاں استحباب الگ چیز ہے کہ ہر وقت باوضو رہنا مستحب ہے۔

باب مایقول اذا اراد دخول الخلاء

بیت الخلاء جانے کے وقت کی دعاء

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو احادیث کو بیان کیا ہے

۸۳۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَقَالَ: يَحْيَى أَيْضاً أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ - فِي حَدِيثِ حَمَّادٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَفِي حَدِيثِ هُشَيْمٍ - أَنَّ رَسُولَ اللهِ

ﷺ کَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَنِيفَ قَالَ: ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ''.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے: ''اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث'' اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں نجاستوں اور ناپاک چیزوں سے۔

تشریح

''اذا دخل الخلاء'' بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد دعا پڑھنا نہیں ہے بلکہ داخل ہونے سے پہلے دعا ہے لہٰذا یہاں ''اذا دخل'' سے ''اذا اراد دخول الخلاء'' مراد ہے۔

''الخلاء'' خ پر زبر ہے لام پر مد ہے آخر میں ہمزہ ہے خلاء ہر اس مکان کو کہا جا سکتا ہے جس میں انسان قضاء حاجت کے لئے جاتا ہو، یہ خالی کے معنی میں ہے کیونکہ انسان بھی وہاں سب سے خالی ہو کر تنہا جاتا ہے یا یوں کہہ دیں کہ انسان وہاں اپنے پیٹ کو غلاظت سے خالی کرتا ہے یا یوں کہہ دیں کہ قضاء حاجت کے علاوہ اوقات میں یہ جگہ خالی رہتی ہے، بہرحال قضاء حاجت کی جگہ کو بیت الخلاء بھی کہتے ہیں اور الکنیف بھی کہتے ہیں اور المرحاض بھی کہتے ہیں اور الحمام بھی کہتے ہیں چونکہ اس مقام میں غلاظت کا عمل سرانجام دیا جاتا ہے اس لئے اس کا نام مکروہ بن جاتا ہے تو انسان اس کا نام بدلتا رہتا ہے پہلے ٹٹی خانہ نام تھا پھر بیت الخلاء ہوا پھر طہارت خانہ ہوا پھر باتھ روم ہوا آج کل عرب میں ''الحمام'' نام پڑ گیا ہے شاہ ولی اللہ احمد اللہ نے بیت الخلاء جانے کے کچھ آداب لکھے ہیں جو یہ ہیں۔

بیت الخلاء جانے کے چند آداب

(۱) سب سے پہلے یہ ادب ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی عظمت کو خوب ملحوظ رکھا جائے۔

(۲) نظافت کا خیال رکھا جائے لہٰذا تین پتھر یا ٹیشو پیپر استعمال کیا جائے اور پھر پانی بہایا جائے۔

(۳) لوگوں کے نقصان پہنچانے سے پرہیز کیا جائے لہٰذا پھل دار اور سایہ دار درخت کے نیچے یا راستہ اور عوامی مقامات میں قضائے حاجت نہ کیا جائے۔

(۴) اپنے نقصان سے پرہیز کرے لہٰذا سوراخ وغیرہ خطرناک جگہوں میں پیشاب نہ کرے۔

(۵) حقوق جوار کا خیال رکھا جائے لہٰذا جنات کی خوراک ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کرے۔

(۶) حقوق نفس کا خیال رکھے لہٰذا دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔

(۷) وسوسہ سے بچنے کی خاطر غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔

(۸) لوگوں کی آنکھوں سے بچنے کی خاطر پردہ اور حجاب کا اہتمام کرے۔

(۹) دخول اور خروج کے وقت مسنون دعائیں پڑھے۔

(۱۰) مؤلف عاجز کہتا ہے کہ دسواں ادب یہ ہے کہ شریعت کا حق ملحوظ رکھا جائے لہٰذا پانی بہانے میں اسراف نہ کرے۔

"من الخبث و الخبائث" علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ "الخبث" کالفظ خ اور ب دونوں کے ضمہ اور پیش کے ساتھ پڑھنا چاہئے الخبث جمع ہے اس کا مفرد خبیث ہے شیاطین کے مردوں کو کہتے ہیں اور الخبائث خبیثة کی جمع ہے جو شیاطین کی عورتوں کو کہتے ہیں علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ب کو ساکن پڑھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے علامہ نووی ؒ نے علامہ خطابیؒ پر رد کیا ہے لیکن خطابی کی بات میں بڑا وزن ہے خبث و خباثت اور چیز ہے اور شیاطین کے خبیث اور خبیثیاں اور چیز ہے حدیث تو شیاطین کے بارے میں ہے نفس خباثت کے بارے میں نہیں ہے۔

۸۳۲- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ - وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ - عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: "أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ".

اسماعیل بن علیہ عبدالعزیز سے اسی سند کے ساتھ اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث منقول ہیں۔

باب الدلیل علی ان نوم الجالس لا ینقض الوضوء

بیٹھے ہوئے آدمی کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۸۳۳- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ كِلاَهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَجِيٌّ لِرَجُلٍ - وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ وَنَبِيُّ اللَّهِ ﷺ يُنَاجِي الرَّجُلَ - فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ.

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی ہوگئی اور حضور ﷺ کسی شخص سے سرگوشی میں مصروف تھے اور آپ ﷺ مسلسل اس سے سرگوشی کرتے رہے کہ صحابہ ؓ سو گئے: پھر اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یعنی بیٹھ کر سونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

تشریح

"یناجی الرجل" کسی شارح نے یہ نہیں لکھا کہ یہ شخص کون تھے میرا خیال ہے کہ یہ صدیق اکبر تھے کیونکہ اس طرح اہم وقت میں آنحضرت ﷺ اس طرح سرگوشی صدیق اکبر کے ساتھ کیا کرتے تھے اقامت ہو چکنے کے بعد امام مختصر گفتگو کر سکتا ہے۔

"حتی نام القوم" مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سے کچھ لوگ سو گئے دوسری روایت میں "نام اصحابہ" کالفظ آیا ہے تیسری روایت میں "ینامون" کے الفاظ آئے ہیں اسی طرح سونے کے بعد وضو بنائے بغیر نماز پڑھتے تھے ادھر دارمی میں ایک حدیث ہے **"انما العینان وکاء السہ"** اس حدیث میں سہ است کو کہا گیا ہے اور "وکاء" تھیلی کے سربند کو کہتے ہیں اس حدیث میں انسان کی تشبیہ مشکیزہ کے ساتھ دی گئی ہے جس کی ڈوری انسان کی آنکھیں ہیں جب آنکھیں کھلی رہتی ہیں تو مشکیزہ بند رہتا ہے اور جب آنکھیں بند ہو جاتی ہیں تو گویا گرہ

کھل جاتا ہے اور مشکیزہ غیر محفوظ ہو جاتا ہے اور سرین کے دھاگے کھلنے سے ہوا خارج ہونے کا قوی امکان پیدا ہو جاتا ہے اگر چہ نیند خود ناقض وضو نہیں ہے لیکن نیند کی وجہ سے بدن میں استرخاء مفاصل آجاتا ہے۔

اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں جو موجب خروج ہوا ہے اور ہوا کے خروج کا پتہ تو چلتا نہیں لہٰذا شریعت نے نیند کو خروج ہوا کا قائم مقام قرار دیا ہے اب ہوا خارج ہو یا نہ ہو صرف نیند سے وضو ٹوٹنے کی علامت بن گئی اور اس پر حکم لگ گیا۔

فقہاء کرام کا اختلاف

نوم کے اس مسئلہ میں عموماً چار قسم کی احادیث آئی ہیں اور چاروں کا رنگ الگ الگ ہے۔ لہٰذا فقہاء کرام میں بھی ان روایات کی وجہ سے اختلاف آ گیا ہے یہاں کئی مذاہب ہیں لیکن مشہور و معروف مذاہب پانچ ہیں۔

(۱) پہلا مسلک ابوموسیٰ اشعریؓ امام اوزاعی اور شعبہ کا ہے کہ نیند قلیل ہو یا کثیر ہو جس حالت میں بھی ہو وہ مطلقاً ناقض للوضو نہیں ہے۔

(۲) دوسرا مسلک اسحاق بن راھویہ اہل ظواہر اور ابوعبدالرحمن مزنی کا ہے کہ نوم مطلقاً ناقض للوضو ہے۔

(۳) تیسرا مسلک امام مالک اور احمد بن حنبلؒ کا ہے کہ نوم قلیل ناقض نہیں ہے اور کثیر ناقض ہے۔

(۴) چوتھا مسلک امام شافعیؒ کا ہے کہ وہ نیند جو جالساً قاعداً معتمداً مقعده على الارض ہو وہ ناقض نہیں اس کے علاوہ ہر حالت میں ناقض للوضو ہے۔

(۵) پانچواں مسلک احناف کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آدمی اگر کسی ہیئت من ہیئات صلوۃ میں ہو تو نیند ناقض نہیں ہے جیسے قائماً راكعاً قاعداً جالساً غير معتمد على شيء لو ازيل لسقط ان ہیئات کے علاوہ میں نیند ناقض وضو ہے۔

دلائل:

حضرت ابوموسیٰ اشریؓ امام اوزاعی اور شعبہؒ نے حضرت انسؓ کی ظاہری روایت:

"حتى تخفق رؤسهم" اور مسلم اور ترمذی کی روایت "ينامون" سے استدلال کیا ہے کہ اس قدر سوتے تھے، پھر بھی وضو کئے بغیر نماز پڑھتے تھے ترمذی کی روایت اس طرح ہے كان اصحاب النبی ﷺ ينامون ثم يصلون ولا يتوضؤن ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے "كان اصحاب النبي ﷺ ينتظرون العشاء حتى تخفق رؤسهم ثم يصلون ولا يتوضؤن"۔

اسحاق بن راھویہ اہل ظواہر اور ابوعبید مزنی نے دارمی کی حدیث "انما العينان وكاء السه" سے استدلال کیا ہے۔

امام مالک اور احمد بن حنبلؒ نے احادیث میں تطبیق اور جمع بین الاحادیث کا راستہ اختیار کیا ہے کہ جہاں نقض وضو کا حکم ہے وہاں کثیر نوم مراد ہے اور جہاں عدم نقض وضو کا حکم ہے وہاں نوم قلیل مراد ہے۔

امام شافعیؒ نے "انما الوضوء على من نام مضطجعاً" سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ نے مفہوم مخالف کے طور پر کہا کہ اضطجاع کے علاوہ کسی بھی صورت میں نیند ناقض وضو نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس حدیث میں جو علت بیان ہوئی ہے احناف نے اس

علت کو بنیاد بنایا ہے وہ علت یہ ہے فانه اذا اضطجع استرخت مفاصلہ تو نقض وضو کے لئے جسم کا ڈھیلا ہونا علت ہے یعنی جوڑوں کا سست ہونا علت ہے اور انسان جب ہیئات صلوۃ میں سے کسی ہیئت پر سوتا ہے تو قوت ماسکہ ختم نہیں ہوتی جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ استرخاء مفاصل نہیں ہوا ہے لہٰذا وضو نہیں ٹوٹتا۔

جوابات:

جن حضرات نے مطلقاً نوم کو ناقض نہیں کہا جیسے ابو موسیٰؓ امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ تو ان کا جواب یہ ہے کہ ان کا مستدل نوم قلیل پر محمول ہے جس میں استرخاء مفاصل نہیں ہوتا ہے۔

اور دوسرے مسلک والوں کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ مسلک کہ نوم بالکل ناقض وضو نہیں ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مسلک صریحاً حضور اکرم کی قولی روایات اور آپ ﷺ کی فعلی روایات سے متعارض ہے جس میں آپ نے وضو کا حکم دیا ہے یا خود وضو فرمایا ہے۔

امام مالکؒ اور احمدؒ کو جواب یہ ہے کہ آپ نے جو جمع بین الاحادیث کیا ہے یہ ٹھیک ہے لیکن قلیل اور کثیر کی تحدید ضروری ہے تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے صرف قلیل اور کثیر کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔

باقی امام شافعیؒ جو قاعداً والی نیند میں ہمارے ساتھ ہیں اور اس کے علاوہ حالات میں مخالف ہیں تو ان کو جواب یہ ہے کہ انما الوضوء علی من نام مضطجعاً کا جملہ سائل کے جواب میں واقع ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا تھا کہ آپ سو گئے ہیں وضو کرنا چاہئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو بیٹھ کر سو گیا تھا اور وضو لیٹ کر سونے والے پر ضروری ہوتا ہے تو یہاں سائل کے جواب میں یہ جملہ واقع ہوا ہے اس میں کوئی حصر نہیں کہ اس کے علاوہ کسی ہیئت کی نیند قابل معافی نہیں ہے بلکہ حدیث میں واضح علت موجود ہے کہ اصل علت استرخاء مفاصل ہے۔

اور وہ ہیئات صلوۃ کی کسی ہیئت پر سونے سے نہیں ہوتا ہے تو احناف نے پوری حدیث کو دیکھ کر عمل کیا ہے اور شوافع نے وسیع حکم کو ایک لفظ تک محدود کردیا ہے جو مناسب نہیں یہ تشریح وتفصیل اس کے بعد آنے والی تمام روایتوں کے لئے بھی کافی شافی ہے۔

۸۳۴ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِي رَجُلاً فَلَمْ يَزَلْ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ أَصْحَابُهُ ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى بِهِمْ.

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نماز تیار تھی اور رسول ﷺ برابر ایک شخص سے سرگوشی فرماتے رہے حتی کہ صحابہ سو گئے پھر آپ ﷺ نے آکر انہیں نماز پڑھائی۔

۸۳۵ - وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ - حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَنَامُونَ ثُمَّ يُصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّئُونَ قَالَ: قُلْتُ سَمِعْتَهُ مِنْ أَنَسٍ قَالَ: إِي وَاللهِ.

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا آپ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سو جاتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

تشریح

"قال ای واللہ" لفظ ای نعم کے معنی میں ہے یعنی قتادہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے یہ حدیث حضرت انس سے خود سنی ہے اس تاکید کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو اصل حقیقت یہ ہے کہ شیخ قتادہ مدلس ہیں اور شعبہ تدلیس کے بارے میں بہت سخت تھے وہ فرماتے تھے کہ "الزنا اهون من التدليس" اس لئے شعبہ نے بطور تاکید قتادہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث انسؓ سے خود سنی ہے انہوں نے قسم کھالی تاکہ شعبہ کا شک بالکل دور ہو جائے ورنہ قسم کی ضرورت نہیں تھی نیز شعبہ کے استفسار کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ قتادہ نے اس حدیث کو عن کے ساتھ نقل نہیں کیا ہے بلکہ سمعت کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن یہ سب کچھ اسی استشبات واستقرار اور تدلیس سے فرار کی بنیاد پر ہوا۔

۸۳۶- حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ صَخْرٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ: أُقِيمَتْ صَلاَةُ الْعِشَاءِ فَقَالَ: رَجُلٌ لِي حَاجَةٌ. فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ - أَوْ بَعْضُ الْقَوْمِ - ثُمَّ صَلَّوْا.

حضرت انس سے روایت ہے کہ نماز کھڑی تھی اور رسول ﷺ برابر ایک شخص سے سرگوشی فرماتے رہے حتی کہ لوگ سو گئے پھر نماز پڑھی۔

الحمدللہ آج میں کراچی میں مورخہ ۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ ہجری میں کتاب الطہارۃ کی تحریر سے مکمل طور پر فارغ ہوا "اللهم تممه بالخير يا فتاح وبک نستعين"۔

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

کتاب الصلوٰۃ کا ماقبل ابواب سے ربط اس طرح ہے کہ امام مسلمؒ نے سب سے پہلے کتاب الایمان رکھا کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں ہے کتاب الایمان کے بعد کتاب الصلوٰۃ کا درجہ اور مقام تھا اس لئے کہ صلوٰۃ تمام عبادات کے لئے جامع ہے کیونکہ نماز میں قیام ہے تو کائنات میں جتنی اشیاء اشجار و احجار قیام کی حالت میں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں نیز جتنے فرشتے پیدائش سے لے کر اب تک قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے ہیں ان سب سے نماز کے قیام میں مشابہت آتی ہے اسی طرح نماز میں رکوع ہے تو کائنات میں جتنی مخلوقات حیوانات وغیرہ اور فرشتے وغیرہ رکوع کی حالت میں ہیں ان سب کی عبادت سے نماز میں مشابہت آتی ہے اسی طرح نماز میں سجدہ ہے تو کائنات میں جتنی مخلوقات تکوینی طور پر اللہ کے سامنے سربسجود ہیں اور جو فرشتے پیدائش سے لے کر اب تک سجدہ کی حالت میں ہیں ان سب کی عبادت سے نماز میں مشابہت آتی ہے۔

اسی طرح کائنات کی جتنی اشیاء پہاڑ وغیرہ قعود و قعدہ کی حالت میں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں اور جتنے فرشتے حالت جلوس میں عبادت میں مصروف ہیں ان سب کی عبادت سے نماز میں مشابہت آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز جامع عبادات ہے ایمان کے بعد اس کا مقام ہے لیکن نماز چونکہ طہارت پر موقوف ہے اور طہارت نماز کے لئے شرط ہے اس لئے امام مسلمؒ نے طہارت کو نماز پر مقدم کیا جب طہارت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب امام مسلمؒ نے اصل مقصود کو بیان کرنا چاہا تو کتاب الصلوٰۃ کا عنوان رکھا۔

ارکان خمسہ کی عجیب ترتیب

حقیقی عاشق اور مجازی عاشق دونوں مرحلہ وار اپنے محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) چنانچہ جب مجازی عاشق اپنے محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے معشوق کی تعریف اور مدح و توصیف کرتا ہے، تاکہ زبانی قصیدہ خوانی سے وہ اپنے محبوب تک رسائی حاصل کر سکے چنانچہ عرب و عجم کے عشاق اور شعراء کے تمام وہ قصائد جو انہوں نے اپنے محبوباؤں سے متعلق کہے ہیں وہ اسی مقصود کے حصول کے لئے کہے گئے ہیں امرء القیس و زہیر اور طرفہ و لبید ابوتمام اور ابوطیب متنبی کے قصائد کو آپ دیکھیں تو آپ کو یہ حقیقت واضح طور پر نظر آجائے گی۔

اسی طرح ایک حقیقی عاشق جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے زبان سے کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان عظمت کو بیان کرتا ہے جس کی طرف ایک حدیث میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و صوم رمضان و حج البیت"۔

(۲) جب مجازی عاشق زبانی قصائد پڑھنے سے اپنے محبوب کو حاصل نہیں کرسکتا تو وہ دوسرے مرحلہ میں محبوب کے سامنے عاجزی کرنے لگتا ہے اس کی تعظیم میں کبھی کھڑا رہتا ہے اور کبھی اس کے سامنے جھکتا ہے اور کبھی سجدہ میں گرتا ہے ادب و تعظیم اور عاجزی و تواضع کی یہ ساری صورتیں ایک کھلی حقیقت ہے جو سب پر آشکارا ہے۔

شریعت مطہرہ نے حقیقی عاشق کے لئے محبوب کے حصول اور راضی کرنے کے لئے اس دوسرے مرحلہ میں نماز رکھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے حقیقی عاشق سب سے پہلے آکر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر تسلیم ورضا کا مظاہرہ کرتا ہے اور دست بستہ ہوکر تعظیم کے ساتھ کھڑا رہتا ہے پھر نہایت عاجزی کی حالت میں رکوع کرتا ہے اور پھر محبوب کے قدموں میں سجدہ ریز ہوکر اپنے جسم کے سب سے زیادہ قابل احترام اعضاء پیشانی اور ناک کو زمین پر رگڑتا ہے محبوب کے حصول میں عاجزی کی یہ آخری حد ہے۔

(۳) مجازی عاشق جب قصیدہ خوانی اور تعظیم وادب کے دو مرحلوں میں محبوب کے حصول میں کامیاب نہیں ہوتا تو پھر وہ مال لٹانے پر اتر آتا ہے معشوق کے حصول میں عاشق کبھی کنجوس نہیں ہوتا، اس میدان میں ہر عاشق سب سے زیادہ سخی بن جاتا ہے چنانچہ لاکھوں روپے خرچ کرنا اس کے لئے بہت آسان ہوجاتا ہے تاکہ معشوق ہاتھ آجائے۔

شریعت مقدسہ میں محبوب کے حصول کے اس مرحلہ میں حقیقی عاشق کے لئے زکوٰۃ دینے کا قانون مقرر کیا گیا ہے تو عاشق حقیقی محبوب کے حصول اور اس کو راضی کرنے کے لئے اپنے مال میں سے ایک معین اور مقرر حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتا ہے تاکہ محبوب راضی ہوجائے۔

(۴) عاشق مجازی جب ان تین مرحلوں میں کامیاب نہیں ہوتا تو وہ پھر کھانا پینا بند کر کے بھوک ہڑتال کرتا ہے تاکہ اس طرح محبوب کا دل نرم ہوجائے اور اس کا ہاتھ عاشق کے ہاتھ میں آجائے چنانچہ بہت سارے عاشق اس طرح مجاہدہ ومظاہرہ کرتے ہیں بعض اس میں مر بھی جاتے ہیں اور بعض مجذوب بن جاتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے حقیقی عاشق کے لئے اس مرحلہ میں روزہ رکھا ہے کہ خواہ گرمی ہو یا سردی ہو وہ رمضان کو روزہ رکھے گا تاکہ اس کا محبوب راضی ہوجائے اور عاشق حقیقی کامیاب ہوجائے۔

(۵) مجازی عاشق جب ان چار مراحل میں اپنے معشوق کے حصول میں ناکام رہ جاتا ہے تو وہ پھر گھر بار بیوی بچوں اور شہر آبادی کو چھوڑ کر بے سروسامان ننگے بدن، ننگے پاؤں، ننگے سر ہوکر دہشت وبیابان اور جنگل وصحراء کی طرف چل پڑتا ہے تاکہ معشوق کے آثار و دیار کو تلاش کرسکے اور اپنے اقرباء اور رشتہ داروں سے الگ ہوکر معشوق کی تلاش میں کامیاب ہوسکے چنانچہ مجنون اور لیلیٰ کے واقعات اور ان کا ایک دوسرے کی گلی کوچوں اور صحراؤں اور چراگاہوں میں دیوانہ وار مارے مارے گھومنا پھرنا کسی پر پوشیدہ نہیں۔

ایک دفعہ مجنون نے ایک کتے کو اپنی چادر پر بٹھا دیا اور لوگوں نے اس کو ملامت کی تو مجنون نے کہا کہ مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے ایک دفعہ اس کتے کو لیلیٰ کی گلی میں گزرتا ہوا دیکھا تھا اس لئے اس کو اپنی چادر پر بٹھلایا تاکہ اس کے پاؤں میری چادر پر پڑ جائیں چنانچہ اشعار میں اس منظر کا اس طرح نقشہ کھینچا گیا ہے۔

رأى المجنون في البيداء كلبا فجر اليه للاحسان ذيلا
فلاموه على ما كان منه فقالوا لم منحت الكلب نيلا
فقال دعوا الملامة ان عيني رأته مرة في حي ليلى

شریعت مطہرہ نے حقیقی عاشق کے لئے اس مرحلہ میں حج بیت اللہ کا فریضہ رکھا ہے کہ محبوب کے حصول اور راضی کرنے کے لئے حقیقی عاشق کفن پہن کر ننگے پاؤں ننگے سر بیوی بچوں کو اور معاشرہ اقرباء اور گھر بار کو چھوڑ کر بیت اللہ کی طرف جاتا ہے پھر منیٰ جاتا ہے عرفات جاکر روتا ہے مزدلفہ اتر کر چیختا چلاتا ہے پھر منیٰ آکر پتھر مارتا ہے پھر محبوب کے گھر کے ارد گرد طواف کرتا ہے اور آخر میں محبوب کو راضی کر لیتا ہے اور گناہوں سے پاک ہو کر وطن لوٹتا ہے۔

اوپر حدیث کی جس روایت کو میں نے نقل کیا ہے اس میں ارکان خمسہ کو اسی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے اور جس انداز سے میں نے اس ترتیب کی وضاحت کی ہے اس کی طرف فتح الملہم میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اجمالی اشارہ فرمایا ہے میں نے اس کے متعلق اپنے استاذ محترم حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ سے اس تشریح کا اجمال پڑھا تھا۔ یہ تشریح و تفصیل میں کتاب الحج کی ابتدا میں بیان کرتا ہوں لیکن عمر کا کوئی پتہ نہیں اس لئے میں نے اس فائدے کو یہاں لکھ دیا اور اگر اللہ نے موقع دیا تو وہاں بھی اشارہ کروں گا۔

صلوٰۃ کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

صلوٰۃ کی اصطلاحی تعریف علماء نے اس طرح فرمائی ہے۔

"هي اركان معهودة وافعال مخصوصة في اوقات مخصوصة بكيفية مخصوصة"

یعنی مخصوص اوقات میں مخصوص کیفیت کے ساتھ مخصوص افعال ادا کرنے کا نام نماز ہے۔

صلوٰۃ منقول شرعی ہے یعنی شریعت نے اس کو یہ حیثیت اور تعارف دیا ہے اس تعارف و تعریف میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ہاں اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے کہ صلوٰۃ جو منقول شرعی ہے اس کا منقول عنہ کیا چیز ہے یعنی یہ کس چیز سے منقول ہو کر آئی ہے اور اس کا مادہ اشتقاق کیا ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ صلوٰۃ لغت میں دعا کے معنی میں ہے پھر اس مخصوص عبادت پر بولا گیا ہے کیونکہ اس میں بھی دعا ہے۔

(۲) صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ لغت میں دعا رحمت اور استغفار کے معنی میں ہے۔

(۳) بعض علماء نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ لغت میں تحریک الصلوین کو کہتے ہیں اور نمازی بھی نماز میں رانوں کو حرکت دیتا رہتا ہے۔

(۴) بعض علماء نے کہا ہے کہ صلوٰۃ صلی الفرس سے ماخوذ ہے کیونکہ گھوڑ دوڑ میں جو گھوڑا آگے ہوتا ہے اس کو مجلی کہتے ہیں اور اس کے رانوں سے بالکل متصل جو دوسرا گھوڑا ہوتا ہے اس کو مصلی کہتے ہیں کیونکہ اس کا سر آگے والے گھوڑے کی رانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ نمازی بھی جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ایک دوسرے کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ صلی یصلی سمع سے بھی ہے اور باب تفعیل سے بھی ہے جو کسی چیز کو آگ میں ڈالنے اور جلانے کو کہتے ہیں لاٹھی کو سیدھا کرنے کے لئے جب آگ میں ڈالتے ہیں تو کہتے ہیں "صلیت العصافی النار" اس اعتبار سے نماز کو اس لئے صلوٰۃ کہا گیا کہ اس سے نمازی سیدھا ہو کر اس کے گناہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔
ان تمام لغوی معانی میں سب سے زیادہ واضح اور راجح معنی وہ ہے کہ صلوٰۃ اصل میں دعا کے معنی میں ہے اور پھر ارکان مخصوصہ کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ علامہ سید سند شریف جرجانی نے اپنی کتاب التعریفات میں نماز کی تعریف اس طرح کی ہے الصلوٰۃ فی اللغۃ الدعاء وفی الشریعۃ عبادۃ من ارکان مخصوصۃ واذکار معلومۃ بشرائط محصورۃ فی اوقات مقدرۃ ص ۹۶۔

نماز کی فرضیت

سب سے پہلے تہجد کی نماز فرض ہوئی اس کے بعد تہجد کا حکم منسوخ ہو کر فجر اور عصر کی نماز فرض ہوئی جیسا کہ قرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ" (پارہ ۲۴)
پھر ہجرت سے دو سال قبل شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جو اب تک فرض ہیں جس کا منکر کافر ہے اس فریضہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آسمانوں کے اوپر عرش پر فرض ہوا ہے۔
اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے امت کے لئے آخری وصیت نماز کے متعلق اس طرح تھی "الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم" یعنی نماز کی پابندی کرو اور ماتحتوں پر ظلم نہ کرو۔ پھر ہجرت کے بعد ۲ سنہ ھ میں زکوٰۃ اور روزہ فرض ہوا اور ۵ سنہ ھ یا ۶ سنہ ھ میں حج فرض ہوا۔
یاد رہے کہ امام مسلمؒ نے کتاب الصلوٰۃ کے بعد صلوٰۃ کے ابواب کو بیان نہیں کیا بلکہ بدأ الاذان کا مسئلہ شروع کیا اذان کے ابواب اور احادیث کو بھی پورا بیان نہیں کیا اگر اسی عنوان کے تحت اذان کی تمام احادیث درج فرماتے تو شرح لکھنے میں بہت آسانی ہو جاتی مگر انہوں نے ترتیب کے ساتھ بیان نہیں کیا کچھ احادیث تو کتاب الایمان میں ذکر کیا اور کچھ کو باب الجمعہ میں ذکر کیا اس لئے شرح لکھنے میں بہت دقت پیش آ رہی ہے یہ صحیح مسلم کے تمام ابواب میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے حالانکہ امام مسلم کی صحیح مسلم حسن ترتیب میں صف اول کی کتاب سمجھی جاتی ہے بہر حال اب اذان کی بحث ملاحظہ ہو پھر کئی صفحات کے بعد صلوٰۃ کے مباحث رفع الیدین سے مستفید ہوں۔

باب بدأ الاذان

اذان کی ابتدا کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۸۳۷- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ

قَالاَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ ح وَ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ - وَ اللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَ: ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَوَاتِ وَلَيْسَ يُنَادِي بِهَا أَحَدٌ فَتَكَلَّمُوا يَوْماً فِي ذَلِكَ فَقَالَ: بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوا نَاقُوساً مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى وَقَالَ: بَعْضُهُمْ قَرْناً مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ فَقَالَ: عُمَرُ أَوَلاَ تَبْعَثُونَ رَجُلاً يُنَادِي بِالصَّلاَةِ قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "يَا بِلاَلُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلاَةِ".

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسلمان جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اکھٹے ہوجاتے اور نماز پڑھنے کے لئے وقت مقرر کرتے تھے اور کوئی آدمی بھی ان کو نماز کیلئے نہیں پکارتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے اس کے بارے میں بات چیت کی۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ: نصاری کے ناقوس کی طرح ناقوس لے لو؛ اور بعض نے کہا کہ یہود کی طرح سینگ لے لو؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کسی شخص کو مقرر نہیں فرمادیتے کہ جو نماز کے لیے بلائے؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلال اٹھو اور لوگوں کو نماز کے لیے پکارو۔

تشریح

"فیتحینون" یہ حین سے ہے اور حین وقت کو کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ مسلمان نماز کے وقت کے تعین اور وقت مقرر کرنے کی فکر میں لگ گئے اس پر آنحضرت ﷺ کی مجلس میں مشورہ ہوا صحابہ کرام کی جانب سے مختلف آراء آئیں مگر آنحضرت ﷺ نے سب کو رد فرمایا پھر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ نماز کے وقت الصلوٰۃ جامعۃ کی آواز بلند کرنا چاہئے اسی پر مجلس برخاست ہوئی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟

مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کو معراج ہوئی لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نمازیں فرض فرمادیں مکہ مکرمہ میں چونکہ کھل کر اسلام کے احکامات پر عمل نہیں ہوسکتا تھا اس لئے ان نمازوں کے لئے اذان کا اہتمام نہیں کیا گیا چونکہ یہ دن مکی دور کے آخری ایام بھی تھے اس لئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے پیش نظر شاید اذان کا انتظام نہیں کیا گیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہجرت کے پہلے سال میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس بات پر مشورہ کیا کہ نمازوں کے اجتماع کے لئے بلانے اور مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کا کیا انتظام کیا جائے چنانچہ اس موقع پر کئی آراء سامنے آگئیں۔

بعض صحابہ کی رائے یہ تھی کہ نماز کا وقت ہوجائے تو محلہ میں ایک جھنڈا بلند کیا جائے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ نماز باجماعت کے لئے مسجد میں آجائیں یہ رائے پسند نہیں کی گئی کیونکہ یہ اعلان ہر شخص تک پہنچانا مشکل تھا کیونکہ ہر شخص کو جھنڈا دکھانا آسان کام نہیں تھا۔

بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ "ان یوروا نارا" یعنی بوقت نماز آگ روشن کردی جائے حضور اکرم ﷺ نے اس کو مسترد کردیا اور فرمایا کہ

اس میں مجوس کے ساتھ مشابہت ہے۔ بعض نے سینگ اور بیگل بجانے کا مشورہ دیا حضور اکرم ﷺ نے اسے بھی رد فرما دیا کہ یہ یہود کی عبادت کا شعار ہے۔ بعض صحابہ نے جرس اور گھنٹی رکھنے اور اسے بجانے کا مشورہ دیا حضور اکرم ﷺ نے اسے بھی رد فرمایا کہ یہ نصاری کی عبادت کا شعار ہے آخر مجلس برخاست ہوگئی اور کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوسکا۔ وقتی طور پر اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ نماز کے وقت ایک آدمی زور سے پکارے گا ''الصلوٰۃ جامعة'' اس پر لوگ نماز کے لئے آئیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ اسکا مشورہ حضرت عمر فاروق نے دیا تھا۔ یاد رہے کہ ہجرت کے بعد پہلی ہجری میں مسجد نبوی قائم ہوئی تھی اور اسی پہلی ہجری میں اذان کی مشروعیت بھی ہوئی اذان اگرچہ ایک بڑی عبادت کے لئے اعلان ہے مگر یہ خود بھی شعائر اسلام میں شمار ہوتی ہے اور اس میں بڑی جامعیت کے ساتھ اسلام کی مہمات کو جمع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت اس میں درج ہے اور توحید کا عظیم درس اس میں موجود ہے کامیابی وفلاح کی دعوت اس میں نمایاں ہے اور آخرت کی تیاری کا پورا انتظام اس سے مربوط ہے بشرطیکہ اذان میں اس کی روح کا پورا خیال رکھا جائے صرف رسم اذان سے کیا حاصل ہوگا شاعر کہتا ہے:

رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی 	فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

الغرض حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس مجلس میں ایک مخلص صحابی تھے جن کا نام ''عبداللہ بن زید بن عبدربہ'' تھا ان کو بہت ہی قلق رہا کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کے اکٹھا کرنے کے بارے میں بہت ہی فکرمند ہیں۔ اور آپ کو ایک قسم کی پریشانی اور غم لاحق ہے اس کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے اس فکر میں وہ سو گئے۔ انہوں نے خواب میں ایک نیک سیرت انسان کو دیکھا جو ناقوس اٹھائے ہوئے تھے ان صحابی کا بیان ہے کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ اے بندۂ خدا کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے جواب دیا کہ تم اس کو خرید کر کیا کرو گے؟۔

میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟۔ میں نے عرض کیا ضرور بتا دیجئے اس نے کہا کہ اس طرح کہو، یہ کہہ کر اس نے قبلہ رخ ہو کر کانوں میں انگلیاں رکھ کر مکمل اذان دیدی۔ صحابی کا بیان ہے کہ میں صبح سویرے حضور ﷺ کے پاس آیا اور سارا قصہ سنا دیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ سچا خواب ہے تم یہ کلمات پڑھ کر بلال کو سنا دو ان کی آواز اونچی ہے وہ ان کلمات کے ذریعہ سے اذان دیدیگا حضرت بلال نے جب اذان دی تو حضرت عمر فاروق ؓ ازار گھسیٹتے ہوئے حضور کے پاس آئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ قسم بخدا میں نے خواب میں یہی کلمات دیکھے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''الحمدللہ'' یعنی آپ ؐ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا بعض روایات میں ہے کہ عبداللہ بن زید نے فرمایا کہ میں نے جب یہ خواب دیکھا اس وقت میں نہ بالکل سویا ہوا تھا اور نہ بالکل بیدار تھا بلکہ غنودگی کے عالم میں تھا ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کی بدگمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کھل کر کہہ دیتا کہ میں اس وقت بیدار تھا۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اذان مدینہ میں مشروع ہوئی جن حضرات نے کہا ہے کہ اذان مکہ میں مشروع ہوئی یا معراج میں حضور ﷺ نے اذان سنی یا جبریل امین جس وقت حضور اکرم ﷺ کو آسمان دنیا پر لے گئے ایک فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پڑھا

"اللہ اکبر اللہ اکبر" تو پردے کے پیچھے سے آواز آئی "انا اللہ اکبر انا اللہ اکبر" ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ تمام روایات صحیح نہیں ہیں اور نہ یہ بات ثابت ہے کہ مدینہ میں دس یا گیارہ یا چودہ صحابہؓ نے اس طرح کا خواب دیکھا تھا۔

سوال: اب یہاں سوال یہ ہے کہ اذان کی حیثیت شرعی کس طرح ہوگئی یہ تو ایک صحابی کا خواب ہے جو شرعی دلیل نہیں؟

جواب: جب حضور ﷺ نے فرمادیا کہ "انہا لرؤیا حق انشاء اللہ" تو اس جملہ سے اذان کی حیثیت شرعی ہوگئی گویا حضور اکرم ﷺ کو اس خواب کے بعد وحی کے ذریعہ سے اذان کا حکم دیا گیا تھا۔

مصنف عبدالرزاق میں بھی ہے اور مراسیل ابوداؤد میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب اذان سن لی تو آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ! میں نے بھی اس طرح خواب دیکھا ہے۔ تو آپ ﷺ نے پہلے فرمایا "سبقک بذلک الوحی" اس روایت سے معلوم ہوا کہ اذان کی مشروعیت اور اس کی شرعی حیثیت کا معاملہ صرف صحابی کے خواب پر مبنی نہیں تھا بلکہ خود حضور اکرم ﷺ کو اس سلسلہ میں وحی بھی ہوئی تھی۔

اذان کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لغت میں اذان، اعلام اور اعلان کے معنی میں ہے یعنی خبر دینا، آگاہ کرنا، اذان باب تفعیل کا مصدر ہے جو فعال کے وزن پر آیا ہے اور باب تفعیل سے ایسا مصدر آتا رہتا ہے جیسے تکذیباً و کذاباً تسلیما و سلاما۔

اور شرعی اصطلاح میں "ھو إعلام بدخول وقت الصلوٰۃ بذکر مخصوص فی وقت مخصوص"

یعنی 'مخصوص اوقات میں چند مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے وقت کے آنے کی خبر دینے کا نام' اذان ہے۔

علامہ میر سید سند شریف نے اپنی کتاب "التعریفات" میں اذان کی یہ تعریف کی ہے، الأذان فی اللغۃ مطلق الإعلان و فی الشرع الإعلام بوقت الصلوٰۃ بألفاظ معلومۃ مأثورۃ۔ (ص ۱۶)

یاد رہے کہ زیر بحث حدیث حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ دونوں نے حضرت انسؓ سے ایک روایت بیان کیا ہے جس میں ناقوس اور "النار" اور پھر یہود اور نصاریٰ کا ذکر ہے وہ حدیث یہاں باب الاذان میں نہیں ہے بلکہ مشکوٰۃ شریف میں اس کے الفاظ اس طرح منقول ہیں۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیهود والنصاری فأمر بلال ان یشفع الأذان و ان یوتر الإقامۃ قال إسماعیل فذکرتہ لأیوب فقال إلا الإقامۃ۔ (متفق علیہ)

آنے والا باب جو امام نووی نے قائم کیا ہے جو "باب الامر بشفع الاذان و ایتار الاقامۃ" کے عنوان سے ہے اس میں حضرت انسؓ کی روایت مذکور ہے لیکن اس میں اس طرح ترتیب نہیں ہے جو اوپر حضرت انسؓ کی روایت میں ہے روایات میں اس اختصار اور تغیر پر کلام کرنے سے پہلے ناقوس اور قرآن کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

ناقوس کی تحقیق

"الناقوس" احادیث میں ناقوس کا لفظ آیا ہے اور اس کو مسترد کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نصاریٰ کی عبادت کا شعار تھا ناقوس دولکڑیوں کے مجموعے کا نام ہے اس میں ایک لکڑی لمبی ہوتی تھی اور ایک چھوٹی ہوتی تھی چھوٹی کو بڑی پر جب مار دیا کرتے تھے تو اس سے آواز نکل آتی تھی عیسائیوں کے گرجوں میں آج کل بھی یہی چیز ہے جس کو گھنٹی کہتے ہیں تاہم لکڑیوں کی جگہ جدید اشیاء نے لے لی ہے۔

"النار" اس حدیث میں آگ کا ذکر ہے اس کو اس لئے مسترد کر دیا گیا کہ یہ مجوس کی عبادت کا شعار تھا۔

سوال: یہاں اس حدیث میں آگ اور ناقوس کا ذکر ہے اور پھر یہود ونصاریٰ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانا یہود کی عبادت کا قومی شعار تھا حالانکہ یہ مجوس کا شعار تھا یہودیوں کا نہیں تھا؟

جواب: اس کا ایک جواب عام شارحین نے دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بعض یہودیوں کے ہاں آگ روشن کرنا عبادت کی علامت ہو اور اکثر کے ہاں نرسنگا اور بُوق یعنی بیگل بجانا علامت ہو۔ اس اعتراض کا جواب صاحب التعلیق الفصیح نے یہ دیا ہے کہ درحقیقت اس حدیث کے بیان کرنے میں راویوں نے اختصار مخل کر کے مفہوم میں پیچیدگی پیدا کی ہے۔

دراصل تفصیلی روایت میں، آگ، ناقوس، اور بُوق کا ذکر ہے اور پھر مجوس نصاریٰ اور یہود کا ذکر ہے اس ترتیب میں لف ونشر مرتب ہے لیکن بعض راویوں نے اس میں اختصار کر کے بُوق کا ذکر نہیں کیا۔ ان کو چاہئے تھا کہ جب انہوں نے بوق کا ذکر نہ کیا تو یہود کا ذکر بھی نہ کرتے اور آگ کے ساتھ مجوس کا ذکر کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا تو مفہوم میں خلل آ گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ آگ یہود کی عبادت کے لئے قومی شعار ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

عمدۃ القاری میں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ عبدالوارث نے اس حدیث میں یہ اختصار کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ "روح" کی روایت کے مطابق ابوالشیخ نے تفصیلی حدیث اس طرح نقل کی ہے۔

فقالوا اتخذنا ناقوسا فقال النبی ﷺ ذاک للنصاری فقالوا اتخذنا بوقا فقال ذاک للیھود فقالوا لو رفعنا نارا فقال ذاک للمجوس۔ (التعلیق الفصیح ص ۹۷)

بوق، اور القرن، اور الشبور، یہ تین الفاظ ایک ہی چیز کے لئے بولے جاتے ہیں یہ بانسری کی طرح ایک آلہ ہے جس میں پھونک مارنے سے زوردار آواز نکل آتی ہے منجد میں اس کی تصویر مائکروفون کی طرح لکھ دی ہے اس کا ترجمہ بیگل نرسنگا اور سینگھ سے کیا جاتا ہے۔

"اولا تبعثون" یعنی ایک آدمی کو بھیج کر وہ الصلوٰۃ وغیرہ الفاظ زور سے کہدے تو لوگ نماز کے لئے آجائیں گے حضرت عمر فاروقؓ کی روحانی کیفیت بہت بلند تھی دیکھئے وہ اذان کے طرز کے قریب پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کی قسمت میں لکھدی تھی تو وہ اس میں سبقت لے گئے۔

"یابلال قم فناد" قاضی عیاض وغیرہ شارحین لکھتے ہیں کہ اس جملہ میں یہ شرعی حجت ہے کہ اذان کھڑے ہوکر دیناواجب ہے اور بیٹھ کراذان دینا جائز نہیں ہے ان کی یہ بات بہت اچھی ہے آج کل مؤذنین بغیر عذر کے بیٹھ کراذان دیتے ہیں اگر چہ علامہ نووی نے کھڑے ہوکراذان کومسنون کہاہے باقی مسئلہ بھی زیر بحث لایا گیاہے کہ اذان کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اذان کی شرعی حیثیت

جمہور فقہاء کا راجح مسلک یہ ہے کہ پانچ وقت نمازوں کے لئے اذان دینا سنت ہے احناف کے اکثر فقہاء کا یہی فتوی ہے۔ہاں بعض احناف نے اذان کوواجب کہاہے کہ پانچ وقت نمازوں کے لئے اذان دیناواجب ہے۔ان حضرات نے امام محمدؒ کے ایک فتوی سے استدلال کیاہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جوقوم اذان ترک کردے حکومت وقت پرلازم ہے کہ ان لوگوں سے قتال کرے اس فتوی سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ اخذ کیاہے کہ اذان واجب ہے تب ہی تواس کے چھوڑنے پر جہاد وقتال کا حکم ہے۔

لیکن ان حضرات کی یہ دلیل تام نہیں ہے کیونکہ اذان سنت ہونے کے ساتھ ساتھ شوکت اسلام کی ایک نشانی بھی ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شعائر اسلام کی حفاظت کرے یہ لڑائی شعائر اسلام کے تحفظ کی بنیاد پر ہے وجوب اذان کی بنیاد پر نہیں ہے۔

کلمات اذان کی حکمت ومقصود

"اللہ اکبر" یہ اسم تفضیل کا صیغہ نہیں ہے بلکہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اگر اسم تفضیل ہوجائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام بڑوں سے بڑا ہے جس میں یہ نقصان ہے کہ توحید کے موقع پر اللہ کے ساتھ اوروں کوبھی بڑا تسلیم کرلیا گیا جووحدانیت کے منافی ہے چارمرتبہ اللہ اکبر کہنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی چاردانگ عالم میں جاری وساری ہے۔

"حی علی الصلوٰۃ" دین ودنیا کی کامیابی اور ہرمصیبت سے حفاظت کا نام "فلاح" ہے اس میں تمام بھلائیاں آگئیں اور تمام برائیوں سے چھٹکارے کی ضمانت دیدی گئی یہ مسنون اور منقول جملہ ہے جونبی کریم ﷺ نے امت کو بتایاہے اور فرشتہ کی تعلیم سے ملاہے اس کوچھوڑ کر شیعہ روافض جو "حی علی خیر العمل" کا جملہ اذان میں کہتے ہیں وہ من گھڑت ہے بدعت ہے۔

روافض کی اذان اہل حق کی اذان سے بہت مختلف ہے جس میں گمراہی اور نفاق اور امت میں تفرقہ ڈالنے کے کئی اعلانات ہیں۔حضرت ابومحذورہ کی روایت میں ترجیع فی الاذان کا ذکر ہے جس کوشوافع اور مالکیہ نے اختیار کیاہے ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ شہادتین کو پہلے ایک مرتبہ آہستہ کہہ دیاجائے اوراس کولوٹا کر پھر زور سے پڑھاجائے آنحضرت ﷺ نے ابومحذورہؓ کودوبارہ شہادتین کے پڑھنے کا حکم بطور تعلیم دیاتھا آپ نے اس کوتشریعی حکم سمجھ لیااور مدۃ العمر اسی پر عمل کرتے رہے۔

اذان کے کلمات سے متعلق قاضی عیاضؒ کا ایک عمدہ کلام ہے جس میں اذان کی جامعیت اور پوری شریعت کے اعتقادیات اور عبادات پر اذان کا مشتمل ہونا بیان کیاگیاہے اختصار کے ساتھ عربی عبارت نقل کرتاہوں فرماتے ہیں: واعلم ان الاذان کلمۃ جامعۃ لعقیدۃ

الایمان مشتملة علی نوعیه من العقلیات والسمعیات فاوله اثبات الذات ومایستحقه من الکمال والتنزیه عن اضدادها وذلک بقوله "اللہ اکبر اللہ اکبر" ثم صرح باثبات الوحدانیة ونفی ضدها من الشرکة المستحیلة وهذه عمدة الایمان والتوحید مقدم علی کل وظائف الدین ثم صرح باثبات النبوة والشهادة بالرسالة لنبینا ﷺ وهی قاعدة عظیمة بعد الشهادة بالوحدانیة وموضعها بعد التوحید ثم دعاهم الی العبادات فدعاهم الی الصلوٰة بعد اثبات النبوة لان معرفة وجوب الصلوٰة من جهة النبی ﷺ لامن جهة العقل ثم دعاهم الی الفلاح وهو الفوز فی النعیم المقیم وفیه اثبات بامور الآخرة من البعث والجزاء وهی آخر تراجم عقائد الاسلام هذا کلام القاضی باختصار وتغیر وتمامه فی النووی،

بہرحال اذان کی ابتدا بھی توحید سے ہے اور انتہاء بھی توحید پر ہے۔

باب الامر بشفع الاذان وایتار الاقامة

اذان کے کلمات کے جفت اور اقامت کے طاق ہونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۸۳۸- حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ جَمِيعاً عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُمِرَ بِلاَلٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ وَيُوتِرَ الإِقَامَةَ. زَادَ يَحْيَى فِي حَدِيثِهِ عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ فَحَدَّثْتُ بِهِ أَيُّوبَ فَقَالَ: إِلاَّ الإِقَامَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار، حضرت ابوایوب کی روایت میں "الا الاقامة" کے الفاظ ہیں۔

تشریح

"ان یشفع الاذان" یعنی اذان کے کلمات جفت کہیں یعنی دو دو کلموں کو ملا کر کہا جائے اور اقامت کے کلمات طاق کہیں یعنی ایک ایک کلمہ الگ الگ کر کے کہا جائے۔ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

کلمات کی تعداد کے اعتبار سے اور اسی طرح ان کلمات کو ادا کرنے اور پڑھنے کے اعتبار سے اذان چار قسم پر ہے۔

(۱) اول مکی اذان ہے۔　(۲) دوم مدنی اذان ہے۔　(۳) سوم کوفی اذان ہے۔　(۴) چہارم بصری اذان ہے۔

مکی اذان وہ ہے جو اہل مکہ نے اپنائی تھی اور مکہ میں دیا کرتے تھے اہل مکہ کی اذان کو شوافع نے لیا ہے اس اذان کے ۱۹ کلمات ہیں اس میں چار مرتبہ "اشهدان لا اله الا اللہ" ہے اور چار مرتبہ "اشهدان محمد رسول اللہ" ہے گویا اس میں آٹھ بار شہادتین ہیں۔ نیز اس

میں چار مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر ہے اور دو دو مرتبہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح ہے، یہ کل سولہ کلمات ہیں اور دو مرتبہ آخر میں اللہ اکبر ہے اور آخر میں "لا الہ الا اللہ" ہے یہ کل ۱۹ کلمات ہیں۔

دوسری اذان اہل مدینہ کی ہے اس کو حضرت امام مالک نے لیا ہے اس اذان کے کلمات سترہ ہیں ایک قول کے مطابق سترہ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق تیرہ کلمات ہیں سترہ کلمات اس طرح ہیں کہ ابتداء میں دو مرتبہ اللہ اکبر ہے اور پھر آٹھ مرتبہ شہادتین اور چار مرتبہ حیعلتین ہیں اور پھر دو مرتبہ تکبیر ہے اور پھر لا الہ الا اللہ ہے امام مالک سے اذان کے بارے میں دوسرا قول جو تیرہ کلمات کا ہے وہ اس طرح ہے کہ اللہ اکبر دو مرتبہ شہادتین چار مرتبہ حیعلتین چار مرتبہ ہے اور آخر میں دو مرتبہ اللہ اکبر ہے اور پھر لا الہ الا اللہ ہے۔

بصریین کی اذان وہ ہے جو اہل بصرہ نے لی ہے اس کے کلمات بھی ۱۹ ہیں لیکن پڑھنے کا طریقہ شوافع سے الگ ہے وہ طریقہ اس طرح ہے کہ تین تین کلمات کو ملا کر پڑھنا ہے مثلاً اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اس طرح اشھد ان لا الہ الا اللہ تین بار ملا کر ایک سانس میں پڑھنا ہے۔

اذان کوفی اہل کوفہ کی اذان ہے جس کو امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری نے لیا ہے یہ اذان ۱۵ کلمات پر مشتمل ہے چار مرتبہ تکبیرات ہیں چار مرتبہ شہادتین ہیں چار مرتبہ حیعلتین ہیں اور آخر میں دو مرتبہ تکبیر اور پھر لا الہ الا اللہ ہے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک اذان کے یہ سارے طریقے اور تمام اقسام نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں یہ اختلاف فی المباح ہے جس نے جس کو پڑھا وہ جائز ہے۔ موقع و محل کے اعتبار سے ہر ایک پر عمل ہو سکتا ہے۔

بہر حال کلمات اذان اور طریقہ اذان میں فقہاء کا جو اختلاف ہے یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے۔

دلائل

شوافع حضرات نے آنے والے "باب صفة الاذان" میں حضرت ابو محذورہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو حدیث ۸۴۳ ہے جس میں ترجیع فی الاذان کا ذکر بھی ہے اور ۱۹ کلمات کا ذکر بھی ہے جو حضرت ابو محذورہ کی تفصیلی روایت ہے شوافع کے ہاں اذان میں ترجیع کرنے کا جو مسئلہ ہے وہ اس طرح ہے کہ شہادتین چار چار مرتبہ پڑھے جائیں ایک دفعہ زور سے اور ایک دفعہ آہستہ سے' اسی کا نام ترجیع ہے اور عام شارحین جب فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ شوافع "ترجیع فی الاذان" کے قائل ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کے ہاں اذان کے کلمات ۱۹ ہیں۔

امام مالک کی دلیل اہل مدینہ کا عمل ہے اور بعض روایات ایسی ہیں کہ جن میں دو دفعہ تکبیرات کا ذکر ہے نیز "ان یشفع الاذان" اور الاذان مثنی مثنی سے بھی مالکیہ ایک حد تک استدلال کرتے ہیں۔

ائمہ احناف کی دلیل ابوداؤد شریف میں عبداللہ بن زید ابن عبدربہ کی روایت ہے اس روایت میں واضح الفاظ کے ساتھ اذان کا بھی ذکر ہے اس کی ابتدا کا بھی ذکر ہے اور ۱۵ کلمات کا بھی واضح بیان ہے اور یہی حدیث اذان کے لئے اصل اور بنیاد بھی ہے۔

احناف کی دوسری دلیل حضرت بلال ؓ کی عمر بھر کی وہ اذانیں ہیں جو آپ نے نبی کریم ﷺ کے حکم سے آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ کرام

کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں دی ہیں جن میں ترجیع کا نام ونشان تک نہیں ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کی اذانیں ہیں جن میں کہیں بھی ترجیع نہیں ہے اسی طرح زیاد بن حارث صدائی کی اذانیں ہیں کسی میں ترجیع نہیں حالانکہ یہ تینوں حضرات حضور اکرم ﷺ کے سامنے اذان دیا کرتے تھے۔

جواب: ائمہ احناف نے شوافع کی دلیل حضرت ابومحذورہ کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ ان کو جو ترجیع شہادتین کا حکم دیا گیا تھا وہ درحقیقت ان کو تعلیم کے طور پر دیا گیا تھا اذان دینے کا کوئی ضابطہ نہیں تھا۔ اصل واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جب آنحضرت ﷺ غزوۂ طائف سے واپس آرہے تھے تو راستے میں نماز کا وقت ہوگیا آپ ﷺ نے اذان دلوائی جب اذان ہورہی تھی تو علاقے کے چند بچوں نے اذان کی نقل اتارنی شروع کردی ان بچوں میں ابومحذورہ کچھ بڑے تھے آپ ﷺ نے ان کو پکڑنے اور اپنے پاس حاضر کرنے کا حکم دیا جب ابومحذورہ لائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اذان پڑھو وہ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن مشرکین بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کو بڑا مانتے تھے اس لئے اللہ اکبر کہنے میں ابومحذورہ نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی مگر جب شہادتین پر پہنچے تو چونکہ ان کے عقیدے پر زد پڑتی تھی اس لئے انہوں نے بہت ہی آہستہ آواز سے پڑھا آنحضرت ﷺ نے دوبارہ زور سے پڑھوایا وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے زور سے پڑھا تو اسلام میرے دل میں اتر گیا آنحضرت ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چھوڑ دیا حضرت ابومحذورہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے مکہ مکرمہ کا مؤذن بنادیں آنحضرت ﷺ نے ان کو مؤذن مقرر فرمایا تو وہ اسی طرح اذان دینے لگے جس طرح حضور نے بطور تعلیم ان کو سکھائی تھی گویا یہ ضابطہ نہیں تھا بلکہ بوجہ محبت وشوق ابومحذورہ کی خصوصیت تھی چنانچہ آپ نے زندگی بھر سر کے ان بالوں کو نہ منڈوایا نہ چھوٹا کیا جن پر حضور اکرم ﷺ کا مبارک ہاتھ لگ گیا تھا اسی طرح معاملہ اذان کے ساتھ بھی کیا اب احناف کہتے ہیں کہ اذان کی سنت ترجیع فی الاذان پر موقوف نہیں ہے اگر کوئی کرتا ہے تو منع نہیں ہے لیکن اگر کوئی نہیں کرتا تو وہ تارک سنت نہیں ہوگا۔ اوپر جو ابومحذورہ کا قصہ نقل کیا گیا ہے اس کو کچھ تغیر کے ساتھ طحاوی اور ابن قدامہ نے نقل کیا ہے۔ باقی امام مالک نے دو تکبیرات والی جس روایت سے استدلال کیا ہے تو ابوداؤد نے قال ابوداؤد کہہ کر اس پر تبصرہ کیا ہے کہ زہری کے جتنے شاگرد ہیں سب نے عبداللہ بن زید بن عبدربہ کی روایت میں زہری سے چار تکبیرات والی روایت بیان کی ہے۔ صرف معمر نے دو تکبیرات کا ذکر کیا ہے۔ انتھی کلامہ

خلاصہ یہ کہ معمر کی روایت ثقات کے خلاف ہے لہٰذا وہ متفرد ہے جو قابل قبول نہیں ہے۔

نماز کے لئے اقامت اور اس کے کلمات

"وان یوتر الاقامۃ" اقامت اذان الحاضرین ہے اس میں آواز اتنی بلند کرنی چاہئے کہ مسجد کے اندر کے لوگ سن سکیں اور جماعت میں شریک ہوجائیں اذان کے کلمات میں اختلاف کی طرح اقامت کے کلمات کی تعداد میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اقامت کے کلمات میں ایتار ہے یعنی یہ کلمات جفت نہیں بلکہ طاق ہیں۔ یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح قدقامت الصلوٰۃ قدقامت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ یہ کل گیارہ کلمات ہیں۔

امام مالک کے نزدیک قدقامت الصلوٰۃ بھی ایک بار ہے تو کل دس کلمات ہوئے جمہور کے مقابلے میں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اقامت اور اذان میں کوئی فرق نہیں دونوں کے پندرہ پندرہ کلمات ہیں ہاں اقامت میں قدقامت الصلوٰۃ دومرتبہ اضافی ہے لہٰذا اقامت کے کل کلمات احناف کے ہاں سترہ ہوئے تو اقامت کے مسئلہ میں جمہور ایک طرف ہیں اور احناف دوسری جانب ہیں۔

دلائل

جمہور نے اقامت کے ایتار اور طاق ہونے پر احادیث کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے جس میں ان یوتر الاقامۃ کے الفاظ آئے ہیں اور زیر بحث حضرت انس کی حدیث میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

ائمہ احناف کی دلیل حضرت عبداللہ بن زید انصاری صاحب اذان کی روایت ہے جس میں "و کذا الاقامۃ" کے الفاظ آئے ہیں یعنی اذان کی طرح اقامت بھی ہے اور قدقامت الصلوٰۃ کا دومرتبہ ہونا تو اقامت میں مُسَلَّم ہے لہٰذا اقامت کے کل سترہ کلمات حدیث سے ثابت ہوگئے۔

احناف کی دوسری دلیل حضرت ابومحذورہ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: وعن ابی محذورہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علمہ الاذان تسع عشرۃ کلمۃ و الاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ۔ (رواہ احمد ابوداؤد والترمذی والنسائی) یہ نہایت صریح دلیل ہے۔

احناف کی تیسری دلیل حضرت سلمہ بن اکوع حضرت ثوبان اور حضرت علیؓ سے منقول روایت ہے جن کے الفاظ یہ ہیں الاذان مثنی مثنی و الاقامۃ مثنی مثنی طرز استدلال اس طرح ہے کہ جب اقامت دودومرتبہ ہے تو پھر ایتار کہاں ہے؟

جواب:

احناف نے جمہور کی دلیل "و ان یوتر الاقامۃ" کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ اگر اس جملے کا یہی مطلب ہے جو جمہور نے لیا ہے تو یہ بیان جواز کے لئے ہے کہ اقامت میں ایتار بھی جائز ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس جملہ میں اقامت کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ اذان پڑھنے میں "تمھل" ہے کہ آہستہ آہستہ پڑھا جائے ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا جائے اور اسی پر ان یشفع الاذان کے الفاظ دلالت کرتے ہیں اور اقامت میں "ترسّل" انحدار اور حدر ہے کہ جلدی جلدی ایک ایک کلمہ ایک سانس میں پڑھا جائے اور اسی پر "و ان یوتر الاقامۃ" کے الفاظ دال ہیں اگر پڑھنے کا انداز اور طریقہ بتانا مراد نہیں ہے تو پھر شفع تو جفت کو کہتے ہیں یعنی اذان میں دودو کلمے ہوں حالانکہ جمہور چار چار کلمات کہنے کے قائل ہیں کہ تکبیرات چار ہوں شھادتین چار چار بار ہوں تو شفعہ پر عمل کہاں ہوا؟

اور اگر ان یشفع الاذان سے پوری اذاں کا شفعہ مراد ہے تو کیا دوبارہ اذان دینی ہوگی تا کہ شفعہ متحقق ہوجائے؟ اور ''وان یوتر الاقامۃ'' میں ایتار کا معنی اگر یہ ہے کہ ایک ایک بار پڑھا جائے تو پھر ایسا ہی پڑھنا چاہئے حالانکہ جمہور قدقامت الصلوٰۃ کو دومرتبہ اور اول وآخر میں تکبیر کو بھی دو دومرتبہ ادا کرنے کا فتوئ دیتے ہیں۔ اگر ایتار پرعمل کرنا ہے تو پھر تمام کلمات کو ایک ایک بار ادا کریں تا کہ کل آٹھ کلمات پرعمل ہوجائے۔ معلوم ہوا اقامت میں ایتار الالفاظ مرادنہیں بلکہ ایتار الصوت مراد ہے۔

تو اصل حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں اذان اور اقامت کے پڑھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جفت اور طاق کی بات نہیں بلکہ کلمات کے ادا کرنے کی کیفیت بتائی گئی ہے ''تحدر'' کی بات بیان کی گئی ہے جس پر حدیث کے ان یشفع الاذان اور ان یوتر الاقامۃ کے الفاظ دال ہیں سنن میں مذکور حضرت جابر کی حدیث میں واضح طور پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو تحدر کا حکم دیا ہے جو اس توجیہ کی تائید کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ بنوامیہ کے بعض حکمرانوں کے ہاں قدیم زمانہ سے اذان اور اقامت کے کلمات یکساں طور پر پڑھے جاتے تھے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن بعد میں بنوامیہ کے بعض حکمرانوں نے اس وجہ سے اقامت میں فرق کر دیا کہ جب وہ نماز کے لئے باہر آتے تھے تو ان کو نماز کی جلدی ہوتی تھی اس لئے انہوں نے اقامت کے کلمات کو ایک ایک کر کے الگ الگ بنا دیا اور اس طرح یہ سلسلہ چل پڑا یہ توجیہ شیخ دھلوی نے اشعہ میں لکھی ہے لیکن یہ بہت ہی بعید از فہم ہے۔ واللہ اعلم۔

''الا الاقامۃ'' یعنی قدقامت الصلوٰۃ دومرتبہ پڑھا جائے گا بعض روایات میں یہ استثناء نہیں ہے جس پر امام مالک نے عمل کیا ہے تو ان کے نزدیک قدقامت الصلوٰۃ بھی ایک مرتبہ پڑھا جائے گا تو ان کے ہاں اقامت کے کلمات دس ہوجائیں گے۔

بہرحال مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات میں کافی فرق ہے اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل کے ہاں موقع ومحل کے اعتبار سے تمام طریقوں کا اپنانا مباح ہے۔ یہ فیصلہ بہت اچھا ہے جس سے تمام احادیث پرعمل ہوسکتا ہے آج کل حرمین شریفین میں بلکہ پورے سعودی عرب میں اذان تو احناف کے مسلک کے مطابق ہے اور اقامت شوافع اور جمہور کے مسلک کے مطابق ہے۔

۸۳۹- وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: ذَكَرُوا أَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُونَهُ فَذَكَرُوا أَنْ يُنَوِّرُوا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرات صحابہؓ نے لوگوں کو نماز کے وقت کی خبر دینے کے لئے باہم مشورہ کیا کہ کس چیز کے ذریعے نماز کے وقت کا علم ہوجائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ آگ بلند کی جائے یا ناقوس بجایا جائے۔ پس بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دومرتبہ کہیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہیں۔

۸۴۰- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ ذَكَرُوا أَنْ يُعْلِمُوا. بِمِثْلِ حَدِيثِ الثَّقَفِيِّ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: أَنْ يُورُوا نَارًا.

حضرت خالد حذاء رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد سے یہ حدیث مبارکہ اس طرح مروی ہے کہ جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو انہوں نے نماز کے وقت کی خبر دینے کے بارے میں مشورہ کیا، باقی روایت پہلی والی روایت کی طرح ہے صرف ''أن یوزوا ناراً'' کا اضافہ ہے یعنی آگ جلائی جائے۔

۸۴۱ - وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ قَالاَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُمِرَ بِلاَلٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ وَيُوتِرَ الإِقَامَةَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک مرتبہ کہیں۔

باب صفة الاذان

اذان کی کیفیت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۸۴۲ - حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَقَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ صَاحِبِ الدَّسْتَوَائِيِّ وَحَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَامِرٍ الأَحْوَلِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ عَلَّمَهُ هَذَا الأَذَانَ ''اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ - ثُمَّ يَعُودُ فَيَقُولُ - أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ - مَرَّتَيْنِ - حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ - مَرَّتَيْنِ''. زَادَ إِسْحَاقُ ''اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ''.

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ اذان سکھائی: اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اشهد ان لا اله الا الله۔ اشهد ان لا اله الا الله۔ اشهد ان محمداً رسول الله۔ اشهد ان محمداً رسول الله۔ پھر دوبارہ: اشهد ان لا اله الا الله۔ دو مرتبہ اور: اشهد ان محمداً رسول الله۔ دو مرتبہ اور حی علی الصلوۃ۔ دو مرتبہ اور۔ حی علی الفلاح دو مرتبہ اور اسحٰق نے: اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا اله الا الله۔ زیادہ کیا۔

تشریح

''عن ابی محذورۃ رضی اللہ عنہ'' علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ کا نام سمرہ ہے کسی نے اوس بتایا ہے اور کسی نے جابر لکھا ہے امام ترمذی نے سمرہ بن معیر لکھا ہے یہ قریشی جمحی ہیں جنگ حنین کے بعد مسلمان ہوئے ہیں لوگوں میں ان کی آواز سب سے اچھی تھی زندگی بھر مکہ

مکرمہ میں مسجد حرام کے مؤذن رہے ہیں اور مکہ ہی میں ۵۹ھ ہجری میں وفات پائی ان کی اولاد میں ایک طویل زمانے تک اذان دینے کا منصب رہا۔ میں نے اس سے پہلے بھی اس کے متعلق امام طحاوی کے حوالہ سے کچھ لکھا ہے کہ ان کے ساتھ کیا قصہ پیش آیا تھا۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر'' علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام نسخوں میں اذان کی ابتدا میں دو دو دفعہ تکبیر کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں چار بار تکبیرات کا ذکر ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں ''ووقع فی بعض طرق الفارسی فی صحیح مسلم اربع مرات''۔ یعنی بعض نسخوں میں چار مرتبہ تکبرات کا تذکرہ موجود ہے۔

اذان کی کیفیت کا یہ باب آئندہ رفع الیدین تک تمام ابواب کے لئے کافی تھا مگر علامہ نوویؒ نے خواہ مخواہ کئی ابواب کا بوجھ بنایا ہے۔

باب مؤذنین لمسجد واحد

ایک مسجد کے لئے دو مؤذن رکھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۸۴۳- حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ مُؤَذِّنَانِ بِلاَلٌ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ الأَعْمَى.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ کے لیے دو مؤذنین تھے۔ حضرت بلالؓ اور حضرت ابن امّ مکتومؓ نابینا صحابی۔

تشریح

''مؤذنان'' یہ دو مؤذن مسجد نبوی میں تھے عموماً حضرت بلالؓ رات کے تہجد کے لئے اذان دیتے تھے اور عبداللہ ابن ام مکتومؓ فجر کے لئے اذان دیتے تھے اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کا ایک مؤذن مکہ میں تھا جن کا نام ابومحذورہ تھا مسجد قباء میں آنحضرت ﷺ کا ایک مؤذن سعد القرظ تھا خاصدا بھی مؤذن تھا ضرورت کے وقت ایک سے زیادہ مؤذنین کو رکھنا جائز ہے البتہ ایک ساتھ اذان دینا مناسب نہیں ہے جبکہ ساتھ ساتھ ہوں اور شور اٹھ رہا ہو، ہاں اگر بڑی جامع مسجد ہو اور اس کے مختلف میناروں پر مختلف اطراف تک آواز پہنچانے کے لئے اذان ہوتی ہو تو یہ جائز ہے جس طرح پہلے حرم میں ہوتی تھی اور مغل بادشاہوں کی بڑی مسجدوں میں ہوتی تھی فقہ حنفیہ میں مؤذنین (جمع) کے الفاظ ملتے ہیں ہاں اقامت کے لئے ایک آدمی کا تعین ہوتا ہے آج کل لاؤڈ اسپیکر نے سب کا بیڑا خود اٹھایا ہے۔

''ابن ام مکتوم'' ان کا نام عمرو بن قیس تھا بعض نے کہا کہ ان کا نام عبداللہ تھا یہ قریشی قدیم الاسلام تھے۔

سورت عبس ان کے بارے میں اتری ہے آنحضرت ﷺ ان کا بہت اکرام فرماتے تھے آپ کو کئی بار مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا جنگ قادسیہ میں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے ان کی والدہ کا نام عاتکہ تھا کہتے ہیں کہ عبداللہ نابینا پیدا ہوئے تھے تو ان کی والدہ کی کنیت ام مکتوم

پڑگئی یعنی مادرزاد نابینا بیٹے کی ماں۔ لیکن زیادہ مشہور یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد عبداللہ نابینا ہو گئے تھے یہاں روایت میں ان کو اعمی کے نام سے یاد کیا گیا ہے تو تعارف کے موقع پر اندھا کانا لنگڑا کہنا جائز ہے۔

۸۴۴- وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی مثل روایت ہے۔

باب جواز اذان الاعمی کان معه بصير

نابینا کی اذان جائز ہے جبکہ بینا ساتھ ہو

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۸۴۵- حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - يَعْنِي ابْنَ مَخْلَدٍ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ يُؤَذِّنُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ أَعْمَى.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم ﷺ کے لیے اذان دیتے تھے۔ حالانکہ وہ نابینا صحابی تھے۔

تشریح

"وهو اعمیٰ" جب نابینا کی راہنمائی کے لئے ان کے ساتھ بینا شخص ہو تو اس کی اذان درست ہے اسی طرح مراہق بچے کی اذان بھی جائز ہے غلام اور ولد الزنا اور دیہاتی کی اذان بھی درست ہے جبکہ اذان کے مسائل کو یہ لوگ جانتے ہوں ہاں عالم فاضل کی اذان ثواب کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز کی امامت ہمیشہ فرمائی ہے مگر واضح طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے کبھی اذان دی ہے اذان میں چند مقامات میں لوگ فحش غلطی کر جاتے ہیں ان سے بچنا چاہئے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ کفر کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱) اللہ اکبر میں لفظ اللہ کے الف پر مد کھینچنا اور اکبر میں اکبار پڑھنا باعث کفر ہے کیونکہ یہ شخص استفہام سے پوچھتا ہے کہ واقعی اللہ بڑا ہے یا نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح اشهد میں الف پر مد کھینچنا خطرناک ہے۔

(۳) اسی طرح ان کی جگہ انا پڑھنا خطرناک ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات وقف کی حالت میں منقول ہیں اس لئے اس میں اعراب ظاہر کرنا صحیح نہیں ہے اکثر مؤذنین قد قامت الصلوٰۃ میں پیش ظاہر کرتے ہیں یہ غلط ہے اگرچہ حرم میں ہو۔

۸۴۶- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ وَسَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

حضرت ہشام سے بھی اسی قسم کی روایت مبارکہ مروی ہے۔

باب مایحقن بالأذان من الدماء

اذان کی وجہ سے خون بہانا بند ہو جانے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کونقل کیا ہے

۸۴۷- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى - يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ - عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُغِيرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْتَمِعُ الأَذَانَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِلاَّ أَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلاً يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "عَلَى الْفِطْرَةِ". ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ. فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ "خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ". فَنَظَرُوا فَإِذَا هُوَ رَاعِي مِعْزًى.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ طلوع فجر کے وقت حملہ آور ہونے سے رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے آپ نے ایک شخص کو ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہتے سنا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ مسلمان ہے۔ پھر اسنے ''اشھد ان لآ الہ الا اللہ اشھد ان الآالہ الآاللہ'' کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم سے آزاد ہو گیا۔ اس کے بعد جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔

تشریح

''یغیر'' یہ باب افعال سے ہے ''اغارہ'' بے خبری میں کسی کے اوپر رات کے وقت اچانک ہلہ بولدینے کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کفار پر مصلحت کے تحت دعوت دینے سے پہلے حملہ کرنا جائز ہے۔

علامہ عثانی فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۸ میں لکھتے ہیں ''وھذا یدل علی جواز مقاتلۃ الکفار و الاغارۃ علیھم قبل الدعوۃ و الانذار الاان الدعوۃ مستحبۃ و بہ قال الثوری و ابو حنیفہ و احمد و اسحاق و الشافعی و منع مالک رحمہ اللہ من مقاتلتھم قبلھا۔

(کذافی المرقات)

''اذاطلع الفجر'' دنیا کا فوجی اصول ہے کہ لوگ فجر کے وقت کاروائی کرتے ہیں عرب کا بھی یہی دستور تھا اور اسلام میں بھی یہی قاعدہ ہے تا کہ لوگ بالکل غفلت میں ہوں دوسری وجہ یہ کہ اذان سے معلوم ہو جائے گا کہ علاقے میں اگر مسلمان ہیں تو پھر کاروائی میں احتیاط کرنی ہوگی کہ مسلمان نہ مارا جائے ورنہ بے دھڑک حملہ ہوگا۔

حدیث کے اس جملے میں "فالمغیرات صبحاً" کی طرف اشارہ ہے علامہ خطابی فرماتے ہیں:

وقال الخطابی ان الاذان شعار الاسلام وانه لایجوز ترکه، ولو ان اهل بلد اجتمعوا علی ترکه کان للسلطان قتالهم علیه۔ (فتح الملهم) وهکذا قال الامام محمد علیہ السلام "ولو ترکه واحد ضربته وحبسته"

ان عبارتوں کو دیکھ کر احناف کے بعض فقہاء نے اذان کو سنت مؤکدہ کے بجائے واجب کہا ہے۔

"علی الفطرۃ" یعنی دین فطرت پر یہ شخص قائم ہے معلوم ہوا کہ خارجی دلائل کے بغیر ہر آدمی عقلی طور پر اس کا پابند ہے کہ وہ اس کائنات کے خالق کا اقرار کرے اور شرک سے اجتناب کرے پھر جب توحید کی تفصیلات آجائیں گی تو اس پر عمل کرے گا۔

چنانچہ اگلے جملے میں جب اس نے شہادت کا اقرار کیا گیا تو پھر "خرجت من النار" کی کامیابی کا صلہ ملا۔ کیونکہ کلمہ شہادت میں نفی اور اثبات ہے اور ایمان کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے۔ "راعی معزی" یعنی یہ شخص بکریاں چرانے والا تھا "معزی" بعض شارحین نے لکھا ہے کہ معزی اسم جنس ہے اس کے اپنے مادے میں اس کا مفرد نہیں آتا ہے بلکہ اس کا مفرد "من غیر لفظه شاة" آتا ہے۔

علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ معزی اسم جنس ہے اسکا مفرد "ماعز" ہے ماعز اور معزی بکریوں کو کہتے ہیں یہ تحقیق لفظ و مادہ کے مطابق ہے اور آسان ہے۔

باب اذا سمع الاذان فلیقل مثل ماقال المؤذن

جب کوئی اذان سنے تو جواب میں وہی کہے جو مؤذن نے کہا

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۸۴۸ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: "إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ".

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم اذان کی آواز کو سنو تو وہی الفاظ کہو جو مؤذن کہتا ہے۔

تشریح

"النداء" اس سے یہاں اذان کی پکار مراد ہے۔ "فقولوا" یعنی تم بھی جواب دو۔ اس جواب کو "اجابة الاذان" کہتے ہیں چونکہ یہاں امر کا صیغہ ہے تو بعض فقہاء نے اذان کے جواب کو واجب کہا ہے لیکن جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے ہاں جواب بالعمل اور جواب بالفعل واجب ہے کہ نماز کی طرف بلانے پر سننے والا آدمی فوراً حرکت شروع کردے اور نماز کے لئے جائے اور نماز پڑھے۔

"مثل مایقول المؤذن" یعنی جو کچھ مؤذن کہتا ہے تم بھی اسی طرح کہو۔ اس لفظ سے بعض ظاہر بینوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ"

کے موقع پر بھی وہی جملہ جواب میں دہرانا چاہئے لیکن صحیح مسلم کی صریح اور صحیح حدیث سے جب لاحول ولاقوۃ الاباللہ ثابت ہے تو پھران کمزور چیزوں کے پیچھے پڑنے کی کیا ضرورت ہے اس باب کی تیسری حدیث میں خوب تفصیل موجود ہے، تمام روایات کے مجموعے سے اس طرح جوابات کو سمجھا جاسکتا ہے کہ

''حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح'' کے جواب میں لاحول ولاقوۃ کہاجائے کیونکہ جب مؤذن نماز کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے تو نماز ایک بڑا بھاری عمل ہے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی طاقت کو اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ماتحت داخل کرے اور نصرت ومدد کی درخواست کرے۔ یہ تو بالکل مناسب نہیں ہے کہ مؤذن بھی کہے نماز کے لئے آؤ اور سننے والا بھی جواب میں کہے کہ نماز کے لئے آؤ علامہ طیبی کا خلاصہ بھی یہی ہے، فجر کی اذان میں مؤذن اعلان کرتا ہے کہ ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہ نیند سے نماز بہتر ہے تو اس کے جواب میں مناسب ہے کہ سننے والا کہدے، ''صدقت و بررت و بالحق نطقت'' یعنی تم نے سچ کہا اچھا کہا اور حق بات کہدی۔ اور جب اقامت کرنے میں مؤذن کہے کہ ''قد قامت الصلوٰۃ'' یعنی نماز کھڑی ہوگئی تو سننے والا جواب میں کہے ''اقامھا اللہ و ادامھا'' یعنی اللہ تعالیٰ نماز کو قائم ودائم رکھے اسی نقشہ پر امت محمدیہ چلی آرہی ہے اذان میں اس کے علاوہ کچھ مزید ہدایات نہیں اور نہ امت نے اس پر عمل کیا ہے صرف آج کل کے بدعتی بریلوی حضرات نے اپنی طرف سے چند چیزوں کا اضافہ کیا ہے کہ اذان سے پہلے مصنوعی درود پڑھو اذان کے بعد کچھ صلوٰۃ وسلام ملاؤ درمیان میں انگوٹھے چوم لیا کرو اگر ایک آدمی انگوٹھے چومتا رہتا ہے تو اذان کا جواب کون دیگا مگروہ کہتے ہیں ہم کو یہی کرنا ہے شارح مسلم مولوی غلام رسول سعیدی صاحب پر تعجب ہے کہ حدیث کی شرح چھوڑ کر ان باتوں پر کئی صفحے لکھ ڈالے مگر حق تو حق ہوتا ہے آخر ظاہر ہوجاتا ہے پوری بحث کے آخر میں غلام رسول سعیدی صاحب نے حق کا اقرار یوں کیا اور کیا اچھا لکھتے ہیں'' لیکن اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مدینہ منورہ میں دس سال اذان دی جاتی رہی، خلفاء راشدین کے دور میں تیس سال اذان دی جاتی رہی اور سو سال تک عہد صحابہ وتابعین میں اذان دی جاتی رہی۔ اور کسی بھی دور میں اذان سے پہلے یا بعد فصل کر کے جھر اًدرود شریف نہیں پڑھا گیا اور آٹھ صدیوں تک مسلمان اسی طریقہ سے اذان دیتے رہے تو آیا اذان دینے کا افضل طریقہ وہ ہے جس طریقہ سے عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اذان دی جاتی تھی یا وہ افضل طریقہ ہے جو آٹھویں صدی سے ایجاد ہوا ہے؟ (شرح صحیح مسلم غلام رسول سعیدی ج ۱ ص ۱۰۹۴)

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں ''وکل مایروی فی ھذا فلایصح رفعہ البتۃ'' (موضوعات کبیر) یعنی انگوٹھے چومنے کی جتنی روایات ہیں یقیناوہ ثابت نہیں ہیں مثل مایقول المؤذن کی ایک توجیہ علامہ عثمانی نے یہ کی ہے کہ ''مثل'' اگر مناسب کے معنی میں لیا جائے تو تمام الفاظ کا حل نکل آئے گا مطلب یہ ہے کہ ہر کلمہ اور ہر لفظ کا مناسب جواب دیا جائے آپ نے اس پر لمبی بحث کی ہے علامہ عثمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اختلاف سے نکلنے کے لئے اگر تمام الفاظ کو مباح کہا جائے تو یہ بھی ایک اچھی صورت ہے آنے والی روایت میں وسیلہ کا لفظ آیا ہے جس کی تفسیر خود حدیث میں ہے کہ یہ جنت میں ایک مقام کا نام ہے شاید مقام محمود یہی ہے آپ ﷺ شفاعت کبریٰ کے لئے جائیں گے علماء نے وسیلہ کے مفہوم میں یہ اضافہ کیا ہے کہ بادشاہ کے قرب کا مقام وسیلہ ہے۔

۸۴۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ حَيْوَةَ وَسَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ وَغَيْرِهِمَا عَنْ كَعْبِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ "إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ".

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جب تم موذن کی اواز کو سنو تو جیسے موذن کہتا ہے تو تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ اس پر دس رحمتیں فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو۔ کیونکہ وسیلہ جنت کا ایک درجہ ہے۔ جو اللہ کے نیک بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا۔ اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہونگا؟ اور جو اللہ سے میرے وسیلہ کی دعا مانگے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائیگی۔

۸۵۰ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسَافٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا قَالَ: الْمُؤَذِّنُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ. فَقَالَ: أَحَدُكُمُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ. قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ. ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ. قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ. قَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب موذن۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے پھر تم میں سے کوئی ایک "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے پھر موذن "اشھدان لاالہ الاّاللہ" کہے تو یہ بھی "اشھد ان لاالہ الاّ اللہ" کہے۔ پھر موذن "اشھد انّ محمدارسول اللہ" ۔ کہے تو یہ بھی۔ "اشھد ان محمد ارسول اللہ" کہے پھر وہ "حی علی الصلوۃ" کہے تو یہ "لا حول ولا قوۃ الاّباللہ" کہے۔ پھر وہ "حی علی الفلاح" کہے تو یہ "لا حول ولا قوہ الاّ باللہ" کہے۔ پھر وہ "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے تو یہ بھی "اللہ کبر اللہ اکبر" کہے پھر وہ "لاالہ الاّاللہ" کہے تو یہ بھی "لاالہ الاّ اللہ" دل کے اخلاص کیساتھ کہے تو یہ (ضرور) جنت میں داخل ہوگا۔

۸۵۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ الْحُكَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ الْقُرَشِيِّ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ الْحُكَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ

قَالَ: "مَنْ قَالَ: حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولاً وَبِالإِسْلاَمِ دِيناً. غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ". قَالَ: ابْنُ رُمْحٍ فِي رِوَايَتِهِ "مَنْ قَالَ: حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ وَأَنَا أَشْهَدُ". وَلَمْ يَذْكُرْ قُتَيْبَةُ قَوْلَهُ وَأَنَا.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ مؤذن کی اذان سن کر جس نے یہ کہا کہ "**اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللّٰہ ربا وبمحمد رسولا وبالاسلام دینا**"۔ تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ دوسری روایات میں اشھد کی بجائے انا اشھد ہے۔ (معنی ومفہوم کے اعتبار سے دونوں کا مطلب ایک ہی ہیں۔

تشریح

"**وانا اشھد**" یعنی جس طرح مؤذن گواہی دیتا ہے میں بھی اسی طرح وحدانیت اور رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ راقم الحروف نے رمضان ۱۴۳۲ھ میں حرم مکہ میں ایک عربی بھائی سے سنا کہ یہاں سعودی عرب میں ایک ڈاکٹر پیدا ہوا ہے جو ایک فتنہ ہے وہ اذان کی شہادتین کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ الفاظ کہنا مؤذن کے لئے جائز نہیں کیونکہ شہادت میں معاینہ کرنا اور حاضر ہونا شرط ہے تو مؤذن کب حاضر تھا بلکہ ان کو اس طرح کہنا چاہئے **اشھد ان اللّٰہ یشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان اللّٰہ یشھد ان محمدا رسول اللّٰہ**۔

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ ان کے رسول ہیں، میرے اس دوست نے کہا کہ اس شخص نے اچھا خاصہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے اسلئے میں نے ان کے خلاف کتاب لکھنا شروع کیا ہے۔

میں نے جواب میں کہا "**اللھم انی اعوذبک من الفتن ما ظھر منھا وما بطن فی الوطن وفی خارج الوطن**"۔

فتنوں کا دور ہے اہل فتن کا زور ہے انہیں فتنوں میں سے ایک فتنہ پاکستان میں اہل بدعت کے ہاں آذانوں سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر زور زور سے ایک مصنوعی درود وسلام پڑھنا ہے غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح مسلم میں بہت زور شور سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ بادشاہ ابوالمظفر کے عہد سے شروع ہوا ہے لیکن آخر میں غلام رسول صاحب نے حق کا اعتراف کیا اور کہا کہ "لیکن اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مدینہ منورہ میں دس سال اذان دی جاتی رہی خلفاء راشدین کے دور میں تیس سال اذان دی جاتی رہی اور سو سال تک عہد صحابہ وتابعین میں اذان دی جاتی رہی اور کسی دور میں بھی اذان سے پہلے یا بعد فصل کر کے جہراً درود شریف نہیں پڑھا گیا اور آٹھ صدیوں تک مسلمان اسی طریقہ سے اذان دیتے رہے تو آیا اذان دینے کا افضل طریقہ وہ ہے جس طریقہ سے عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اذان دی جاتی رہی یا وہ افضل طریقہ ہے جو آٹھویں صدی میں ایجاد ہوا۔ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۹۴)

باب هرب الشيطان عند سماع الاذان

اذان سننے کے وقت شیطان کا بھاگ جانا

اس باب میں امام مسلمؒ نے ۱ احادیث کو بیان کیا ہے

۸۵۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَمِّهِ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ يَدْعُوهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ: مُعَاوِيَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ "الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

حضرت طلحہ بن یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چچا سے روایت کیا ہے: وہ فرماتے ہے کہ میں حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مؤذن آیا جو آپکو نماز کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ تو حضرت معاویہؓ نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے مؤذنین روز جزا کے دن لمبی لمبی گردنوں والے ہوں گے۔

تشریح

"اطول الناس اعناقا" یعنی قیامت کے دن موذنین کی گردنیں تمام انسانوں سے بلند ہونگی۔ اس جملہ کے کئی مطلب ہیں۔

(۱) بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز مؤذنین بڑے معزز لوگ ہونگے سرداروں کی طرح ان کی گردنیں اونچی ہونگی چونکہ انہوں نے اللہ کا نام بلند کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کیا۔

(۲) دوسرا مطلب قاضی عیاض نے بتایا ہے کہ اعناق گردن کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ اعناق باب افعال سے ہے جو تیز دوڑنے کے معنی میں ہے تو مؤذنین جنت کی طرف تیز تیز دوڑ کر جائیں گے پہلا معنی جامع اور واضح ہے۔

۸۵۳- وَحَدَّثَنِيهِ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ قَالَ: رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمِثْلِهِ.

حضرت عیسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت معاویہؓ سے رسول اکرم ﷺ کی یہی حدیث روایت کی ہے۔

۸۵۴- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ "إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتَّى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ". قَالَ: سُلَيْمَانُ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الرَّوْحَاءِ. فَقَالَ: هِيَ مِنَ الْمَدِينَةِ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ مِيلاً.

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کبھی شیطان آذان کی آواز سنتا ہے تو مقام روحا تک بھاگ پڑتا تھا ہے۔ سلیمان کہتے ہے کہ میں نے جب ابوسفیان سے مقام روحا کے بارے میں عرض کیا تو انھوں نے

جواباً عرض کیا کہ روحا مدینہ سے چھتیس میل دور واقع ہے۔

تشریح

"مکان الروحاء" مدینہ منورہ سے جب آدمی بدر کی طرف شارع قدیم پر جاتا ہے تو راستے میں سڑک پر جگہ جگہ بورڈ لگے ہوئے نظر آتے ہیں جس پر لکھا ہوتا ہے "بئر روحاء" یہ ایک پرانا کنواں ہے جو بڑے نالے کے پاس سڑک کے کنارے پر واقع ہے اس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے یہاں سے مقام روحاء کی آبادی کچھ دور ہے یہ بڑا کنواں ہے ڈول اور رسی کے ذریعہ سے پانی نکالا جاتا ہے ہم ایک دفعہ رمضان میں بدر کی طرف اس راستے سے گزرے تھے ہم حضرت مولانا جمیل خان شہیدؒ کے ساتھ تھے مولانا امداد اللہ صاحب نے ڈول سے پانی نکالا ہم نے جسم پر ڈالا مگر روزہ کی وجہ سے پی نہ سکے کہتے ہیں اس مقام پر وقتاً فوقتاً ستر انبیاء کرام نے پڑاؤ کیا تھا آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے سفر کے دوران صحابہ کے ساتھ یہاں رات گزاری تھی چھوٹی سی مسجد ویران پڑی ہے مگر اوپر سایہ ہے میں نے اس کچی مسجد میں نفل پڑھے تو مٹی سے گل نرگس کی خوشبو سونگھ لی مدینہ سے مقام روحاء چھتیس میل پر واقع ہے۔

۸۵۵- وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ بِهَذَا الإِسْنَادِ.

حضرت اعمشؒ سے بھی یہی روایت دوسری اسناد سے روایت کی گی ہے۔

۸۵۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ - وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ - قَالَ: إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ: الآخَرَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ أَحَالَ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لاَ يَسْمَعَ صَوْتَهُ فَإِذَا سَكَتَ رَجَعَ فَوَسْوَسَ فَإِذَا سَمِعَ الإِقَامَةَ ذَهَبَ حَتَّى لاَ يَسْمَعَ صَوْتَهُ فَإِذَا سَكَتَ رَجَعَ فَوَسْوَسَ".

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان جب کبھی آواز سنتا ہے اذان کی تو پاد مارتا ہوا (ہوا خارج کرتا ہوا) دوڑتا ہے یہاں تک کہ اذان کی اواز نہ سنے۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے اور دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جب اقامت سنتا ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اقامت کی آواز بھی نہیں سنتا۔ جب اقامت ختم ہوتی ہے تو دوبارہ آ کر وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔

تشریح

"احال" ای ھرب بھاگنے کے معنی میں ہے۔ "ضراط" دبر سے جو ہوا نکلتی ہے اگر اس میں آواز ہو تو اس کو ضراط کہتے ہیں جو گوز کے معنی میں ہے اگر آواز نہ ہو تو وہ فسوہ اور فساء پُسی کے معنی میں ہے آنے والی روایت میں حصاص کا لفظ ہے وہ بھی گوز مارنے کے معنی میں ہے۔

سوال: اب یہاں سوال یہ ہے کہ نماز میں تکبیرات ہیں قرآن کی قرأت ہے ذکر اللہ ہے شیطان اس سے نہیں بھاگتا ہے اذان سے یہ خبیث کیوں بھاگتا ہے؟

جواب: اصل میں اذان اسلام کی آزادی اور شوکت وغلبہ کی علامت ہے جہاں اسلام مغلوب ہے اور وہاں کھل کر شوکت کے ساتھ اذان نہیں دی جاسکتی ہے وہ لوگ کافروں کے رحم وکرم پر رہتے ہیں تو ابلیس خوش رہتا ہے لیکن ابلیس خبیث جب اذان کی بلندی کو دیکھتا ہے اور اسلام کی شوکت وغلبہ کو دیکھتا ہے تو یہ برداشت نہیں کرسکتا ہے تو نفرت وغضب کے اظہار کے لئے دھواں چھوڑتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

۸۵۷ - حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَيَانٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ - عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ حُصَاصٌ".

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتا ہے اور اس کے لیے گوز ہوتا ہے۔

۸۵۸ - حَدَّثَنِي أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ - يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ - حَدَّثَنَا رَوْحٌ عَنْ سُهَيْلٍ قَالَ: أَرْسَلَنِي أَبِي إِلَى بَنِي حَارِثَةَ - قَالَ: - وَمَعِي غُلَامٌ لَنَا - أَوْ صَاحِبٌ لَنَا - فَنَادَاهُ مُنَادٍ مِنْ حَائِطٍ بِاسْمِهِ - قَالَ: - وَأَشْرَفَ الَّذِي مَعِي عَلَى الْحَائِطِ فَلَمْ يَرَ شَيْئاً فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لأَبِي فَقَالَ: لَوْ شَعَرْتُ أَنَّكَ تَلْقَى هَذَا لَمْ أُرْسِلْكَ وَلَكِنْ إِذَا سَمِعْتَ صَوْتاً فَنَادِ بِالصَّلاَةِ فَإِنِّي سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا نُودِيَ بِالصَّلاَةِ وَلَّى وَلَهُ حُصَاصٌ".

حضرت سہیلؒ سے مروی ہے کہ مجھے میرے والد محترم نے قبیلہ بنی حارثہ کی طرف بھیجا۔ میرے ہمراہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ تو اس کو ایک آواز دینے والے نے نام لے کر آواز دی اور میرے ہمراہ جو ساتھی تھا اسنے دیوار پر دیکھا تو کوئی شئی نہ تھی۔ میں نے یہ بات اپنے والد محترم کو ذکر کی تو والد صاحب نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے ساتھ یہ معاملہ پیش آنے والا ہے تو میں تجھے نہ بھیجتا۔ لیکن جب بھی تُو ایسی کوئی آواز سنے تو اذان دیا کرو۔ کیونکہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا وہ نبی اکرم ﷺ سے حدیث روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا: جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتا ہے اور اس کے لیے گوز ہوا کرتا ہے۔

تشریح

"غلام لنا او صاحب" یعنی ایک لفظ بولا یا غلام کا لفظ بولا یا صاحب کا لفظ استعمال کیا "باسمه" یعنی دیوار کے پیچھے سے کسی نے ان کا نام لیکر آواز دی تو اس نے دیوار کے اوپر سے جھانک کر دیکھا مگر کچھ نظر نہیں آیا گویا کسی غیبی مخلوق نے ان کو آواز دی گویا کوئی شیطان یا جن تھا "تلقی هذا" یعنی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے ساتھ یہ معاملہ پیش آسکتا ہے تو میں تمہیں کبھی نہ بھیجتا آئندہ اگر اس طرح کسی جنی یا ابلیس کی آواز سنو تو فوراً اذان دیا کرو کیونکہ اذان سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

"وله حصاص" ای له ضراط بعض نے حصاص تیز دوڑنے کو کہا ہے یعنی تیز بھاگتا ہے دونوں بھی ہوسکتا ہے پہاڑوں میں یہ واقعات

زیادہ پیش آتے ہیں یہ ایک اچھا علاج ہے میں نے ایک دفعہ سیٹی کی آواز سنی تھی تو میں نے بہت زور سے سورت طٰہٰ پڑھنا شروع کیا مجھے یہ نسخہ معلوم نہ تھا ورنہ اذان دیتا۔

"ثوب" یہ تثویب سے ہے اقامت اور تکبیر کو کہتے ہیں جو اذان الحاضرین ہے یہ لفظ دوسری روایت میں مذکور ہے تثویب اذان کے بعد نماز کے لئے اعلان کو بھی کہتے ہیں اور فجر کے کلمات الصلوٰۃ خیر من النوم پر بھی بولا جاتا ہے یہاں اقامت مراد ہے۔

۸۵۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ - يَعْنِي الْحِزَامِيَّ - عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِذَا نُودِيَ لِلصَّلاَةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لاَ يَسْمَعَ التَّأْذِينَ فَإِذَا قُضِيَ التَّأْذِينُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلاَةِ أَدْبَرَ حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ لَهُ اذْكُرْ كَذَا وَاذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ مِنْ قَبْلُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ مَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى".

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اذان سنائی ہی نہ دے۔ جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو واپس لوٹ کر آتا ہے اور جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے اور جب اقامت ختم ہوتی ہے تو پھر آجاتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو یاد کر اور فلاں چیز کو یاد کر حالانکہ وہ باتیں اس کو پہلے یاد بھی نہیں تھیں۔ ان وسوسوں کی وجہ سے انسان بھول جاتا ہے اور اس کو یاد نہیں رہتا کہ اسنے کتنی نماز پڑھی۔

۸۶۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَيْفَ صَلَّى".

حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے جس طرح پہلی والی حدیث گزر چکی ہے مگر اس میں ہے کہ آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے کس طرح نماز ادا کی۔

تشریح

"یظل الرجل" ای یصیر الرجل یعنی آدمی ایسا ہوجاتا ہے کہ اس کو معلوم بھی نہیں پڑتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی اور کیسی پڑھی۔

"ان یدای" ای مایدری کیف صلی۔

باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین

کندھوں تک رفع یدین کرنے کا استحباب

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۸۶۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ

وَابْنُ نُمَيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ - وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ - عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ وَقَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُهُمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تھے تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی اور دو سجدوں کے درمیان نہیں اٹھایا کرتے تھے۔

تشریح

"حتی یحاذی منکبیه" یعنی کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ "اذاافتتح" کے الفاظ سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ تکبیر تحریمہ کا معاملہ ہے۔

یعنی تکبیر تحریمہ میں حضور اکرم ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھاتے تھے چند احادیث میں اسی طرح کے الفاظ ہیں مثلاً "حذو منکبیه" "حیال منکبیه" اس میں کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے بعض دیگر احادیث میں کانوں کے برابر تک اٹھانے کا ذکر ہے مثلاً مسند احمد اور دارقطنی کی روایت میں "حتی تکون ابهاماه حذاء اذنیه" کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض روایات میں "الی شمحتی اذنیه" کے الفاظ آئے ہیں جس سے کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا اشارہ ملتا ہے اور بعض روایات میں "الی فروع اذنیه" کے الفاظ آئے ہیں جس سے کانوں کے اوپر حصے تک ہاتھ اٹھانے کا عندیہ ملتا ہے ان تینوں قسم کی روایات کی بنیاد پر فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف پیدا ہوگیا ہے کہ ہاتھ اٹھانے کا عندیہ ملتا ہے ان تینوں قسم کی روایات کی بنیاد پر فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف پیدا ہوگیا ہے کہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں حضرات شوافع اور مالکیہ کے ہاں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا معمول ہے اور یہی ان کے ہاں افضل ہے امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں تین اقوال ہیں کندھوں تک کانوں تک اور اختیار مگر مشہور اول قول ہے۔ غیر مقلدین بالائی سینہ تک ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں۔

ائمہ احناف کانوں کے لو تک ہاتھ اٹھانے کو افضل قرار دیتے ہیں یہ مسلک زیادہ اچھا ہے کیونکہ کانوں تک ہاتھ لے جانے سے سینہ اور کندھوں تک ہاتھ لیجانے کے مسلک پر عمل ہوجاتا ہے اس کے علاوہ ہر صورت میں صرف محدود مسلک پر عمل ہوگا۔ یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں بلکہ افضل کا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف حالات کے تحت ان تمام طریقوں پر عمل کیا جائے۔ امام شافعیؒ نے ان تمام احادیث پر عمل کرنے کے لئے ایک بہترین توجیہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل ہوں انگوٹھے کانوں کے مقابل ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے بالائی حصہ کے برابر ہوں تاکہ اس طریقہ سے تمام احادیث پر ایک ساتھ عمل ہوجائے اور احادیث میں تطبیق بھی آجائے۔

امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر اور حضرت مالک بن حویرث کی حدیثیں نقل فرمائی ہیں اس میں مجموعی طور پر حذو اذنین اور فروع

تین قسم کے افعال کا بیان ملتا ہے۔

نماز میں رفع یدین کا مسئلہ

"قبل ان یر کع" اس باب کی زیر بحث حدیث اور آئندہ آنے والی چند احادیث میں رکوع کی حالت میں رفع یدین کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اصل بحث میں جانے سے پہلے یہاں تین بڑے مسائل کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلا مسئلہ

پہلا مسئلہ رفع یدین کا حکم اور اس کی شرعی حیثیت کا ہے تو جاننا چاہئے ک ایک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے تو جمہور کے ہاں یہ سنت ہے اس میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے البتہ بعض اہل ظواہر اور داؤد ظاہری اس طرف گئے ہیں کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے فرض ہیں اہل رفض میں فرقہ زیدیہ نے بھی اس میں اختلاف کیا ہے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مقامات میں رفع یدین کا حکم افضل کی حیثیت رکھتا ہے اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے یا زیادہ سے زیادہ سنت کا اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رفع یدین کا ثبوت نماز میں کہاں کہاں ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین سارے فقہاء کے نزدیک سنت ہے اس میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں چھ مقامات ایسے ہیں جن میں رفع یدین کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں:

(۱) رفع الیدین عندالرکوع۔ (۲) رفع الیدین عندالرجوع عن الرکوع۔ (۳) رفع الیدین عندالذهاب الی السجدۃ۔ (۴) رفع الیدین عندالرجوع عن السجدۃ کمافی النسائی۔ (۵) رفع الیدین عندالقیام الی الرکعۃ الثالثۃ کمافی ابی داؤد ص ۱۰۶۔ (۶) رفع الیدین فی کل تکبیرۃ عندالرفع الخفض کمافی مسند احمد۔

ان چھ مقامات میں سے صرف دو مقامات ایسے ہیں جن میں رفع یدین اور عدم رفع یدین میں اختلاف ہے اور وہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے واپس آتے وقت کے دو مقامات ہیں اس کے علاوہ چاروں مقامات میں رفع یدین تمام ائمہ کے نزدیک منسوخ ہو گیا ہے لہٰذا رفع یدین کا نام جب بھی آجائے تو اس سے مراد یہی دو مقامات ہونگے۔

تیسرا مسئلہ

تیسرا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ رفع یدین میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، مگر یہ مسئلہ اس حدیث کی ابتدا میں لکھا گیا ہے۔

رفع یدین میں فقہاء کا اختلاف اور اس کا پس منظر

بہر حال رفع یدین کا یہ معرکۃ الآراء مسئلہ دور صحابہ سے "مختلف فیھا" چلا آرہا ہے۔ تابعین کے دور میں بھی اس میں اختلاف رہا ہے کوئی رفع یدین کرنے والے ہیں تو کوئی ترک رفع کے قائل ہیں کوئی شہر ایسا نہیں رہا جس میں دونوں طرف کے لوگ موجود نہ ہوں ہاں دنیا میں کوفہ ایک ایسا شہر تھا کہ جس میں رفع یدین کرنے والا کوئی نہ تھا سب ترک رفع یدین کے قائل تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ اکابر صحابہ کی تعلیم کا مرکز رہا ہے اور وہاں حضرت ابن مسعودؓ معلم عام تھے تو ان کی تعلیم کا یہ اثر تھا ان کے بعد ان کے شاگردوں اور پھر امام ابوحنیفہؒ کی تعلیم کا یہ اثر تھا۔
غرضیکہ رفع یدین کے مسئلہ میں ابتداء میں طرفین میں شدت نہیں تھی بعد میں شدت آگئی۔ اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعلیم کی وجہ سے رفع یدین شروع کیا اور پھر حضرت امام شافعیؒ نے رفع یدین کے مسئلے کو خوب شدت سے اپنالیا پھر بعد میں لوگوں نے اس مسئلہ پر تحقیقی کتابیں لکھیں سب سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزء رفع یدین کتاب لکھی، امام بیہقی، علامہ بن عبدالبر اور حافظ ابن قیم نے اس پر کتابیں لکھیں۔ امام بخاریؒ کی کتاب کے جواب میں محمد بن عمرو مروزیؒ نے رفع یدین پر ایک تحقیقی کتاب لکھی۔
علامہ زاہد کوثری نے لکھا ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ کی تحقیق پر سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ مدلل اور جامع کتاب علامہ شاہ انور شاہ کاشمیریؒ کی کتاب نیل الفرقدین فی رفع الیدین اور بسط الیدین لنیل الفرقدین ہیں۔
امام بخاری نے رفع یدین کے ثبوت پر اپنی کتاب میں (۱۳) احادیث کا استخراج کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے (۲۳) احادیث کا استخراج کیا امام بیہقی نے (۳۰) احادیث کا ذکر کیا ہے حافظ عراقی نے رفع الیدین کے ثبوت میں (۵۰) احادیث کا ذکر کیا ہے۔
اسی وجہ سے امام بخاری نے آخر میں کہہ دیا کہ رفع یدین کے مسئلہ میں عدم رفع یدین والوں کے پاس کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ حضرت علامہ شاہ انور شاہ کاشمیریؒ نے امام بخاری کے اس دعویٰ کے متعلق فرمایا کہ روایات کی تحقیق کے بعد یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ نہ یہ دعویٰ صحیح ہے اور نہ وہ کثیر روایات جو قائلین رفع یدین نے نقل کی ہیں ان کے دعوے کو ثابت کرتی ہیں کیونکہ ان حضرات نے جن کثیر روایات کو نقل کیا ہے ان میں بعض کا تعلق رفع یدین عند السجدۃ کے ساتھ ہے کچھ کا تعلق عند القیام الی الرکعۃ الثالثۃ کے ساتھ ہے کچھ کا تعلق عند السلام وغیرہ کے ساتھ ہے کچھ کا تعلق عند الرکوع کے ساتھ ہے اور کچھ نا قابل استدلال ہیں چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ رفع یدین کے سلسلہ میں تین قسم کی روایات ہیں:
(۱) پہلی وہ روایات ہیں جو ناطق برفع الیدین ہیں۔ (۲) دوم وہ روایات ہیں جو ناطق بعدم رفع الیدین ہیں۔ (۳) سوم وہ روایات ہیں جو ساکت عنہما ہیں یعنی رفع یدین اور عدم رفع یدین پر ناطق روایات دونوں طرف سے تقریباً برابر ہیں۔ اور جو روایات ساکت عنہما یعنی دونوں طرف سے خاموش ہیں ان کو جس جانب کے ساتھ لگایا جائے اس جانب کا پلڑا بھاری رہے گا احناف ان خاموش روایات کو اپنے پلڑے میں شمار کر رہے ہیں کہ یہ عدم رفع یدین پر دال ہیں کیونکہ مقام تعلیم میں سائل کے سوال کے جواب میں جب حضور اکرم ﷺ نے رفع یدین کا ذکر نہیں فرمایا تو یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ خاموش روایات ترک رفع یدین کے دلائل

ہیں اس اعتبار سے ترک رفع یدین کی روایات کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ اس جانب کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

بہر حال رفع یدین اور عدم رفع یدین کے پس منظر بیان کرنے کے سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امام شافعیؒ چونکہ غزہ میں پیدا ہوئے اور پھر ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے وہاں اہل مکہ کے طرز عمل پر عمل کیا اور وہاں حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعلیم کی وجہ سے رفع یدین پر عمل ہوتا تھا امام مالکؒ کا عام دستور یہ تھا کہ آپ اہل مدینہ کے تعامل کو تمام مسائل میں پیش نظر رکھتے تھے مدینہ والے بھی ترک رفع یدین کے قائل تھے تو آپ نے اس کو لیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی عادت اور آپ کا فقہی مزاج یہ تھا کہ آپ احادیث کے ظاہر پر عمل کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ کثرت روایات کی وجہ سے آپ کے کئی اقوال ہو جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا فقہی مزاج یہ تھا کہ آپ نے ہمیشہ شریعت مطہرہ کے قواعد کلیہ کا لحاظ کیا ہے کلیات کے تحفظ میں اگر جزئیات میں تاویل کرنی پڑی تو آپ نے جزئیات میں تاویل کی مگر کلیات کو برقرار رکھا یہی وجہ ہے کہ مسلک احناف کو جتنی سطحی نظر سے دیکھا جائے تو جزئیات اس کے منافی نظر آئیں گے لیکن جتنی گہرائی میں دیکھا جائے تو یہ مسلک تمام احادیث پر پورا منطبق نظر آتا ہے۔

امام ترمذی کی رائے

امام ترمذی نے سنن ترمذی میں رفع یدین کے لئے باب باندھ کر دو قسم کی احادیث کا استخراج کیا ہے اور دونوں پر تبصرہ بھی فرمایا ہے اور اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ رفع یدین کے ثبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "**وبھذا یقول بعض اھل العلم**" یعنی رفع یدین پر عمل کرنے والے اور رفع یدین کی رائے رکھنے والے علماء چند ہیں۔

اور جب عدم رفع یدین اور ترک رفع یدین والی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں تو کہتے ہیں "**وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم ص ۵۹**" یعنی ترک رفع یدین کا قول اتنے علماء کی رائے ہے جن کو گنتی میں لانا مشکل ہے۔

شیخ عبدالحق کی رائے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین پر دونوں طرف سے احادیث موجود ہیں اگر چہ رفع عیدین کی احادیث زیادہ ہیں لیکن دوسری طرف بھی احادیث موجود ہیں اور یہ ایک طویل بحث ہے اس تعارض کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ ان احادیث میں یا تطبیق کا قول کریں گے کہ حضور اکرم ﷺ نے کبھی رفع یدین کیا ہے اور کبھی نہیں کیا ہے تو جو شخص جس پر بھی عمل کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے دونوں جائز ہے صحابہ نے حضور اکرم ﷺ کی جس حالت کو دیکھا اسی کو لیکر نقل کیا۔

(۲) اور یا ایک کو منسوخ قرار دیں گے یعنی رفع یدین ابتداء میں تھا پھر منسوخ ہو گیا چونکہ بڑے بڑے صحابہ مثل عمر فاروق اور علی مرتضیٰ اور عبداللہ بن مسعودؓ رفع یدین نہیں کرتے تھے لہٰذا یہ اس حکم کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) اور فرض کرلو اگر رفع یدین اور عدم رفع دونوں ہوں پھر بھی عدم رفع کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ ترک رفع یدین میں حرکت کی نسبت سکون ہے جو نماز کی حالت سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ نماز کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے (قوموا للہ قانتین) ”ساکتین“ اور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ”اسکنوا فی الصلوٰۃ“ یعنی چپ چاپ خاموشی اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو۔

بہر حال جانبین کی مسلکی تحقیق آپ کے سامنے آرہی ہے آگے بڑھئے اور اسے پڑھئے۔

دلائل

رفع یدین کے مثبتین اور غیر مثبتین کے دلائل پیش کرنے سے پہلے ایک بار پھر ان کے مذاہب پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ اور ایک قول میں امام مالکؒ اس طرف گئے ہیں کہ عند الرکوع رفع یدین جیسے ابتداء میں سنت عمل تھا اب بھی اسی طرح سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ سفیان ثوری ابراہیم نخعیؒ اور مشہور مختار قول کے مطابق امام مالکؒ کے نزدیک عند الرکوع رفع یدین نہیں ہے جس طرح باقی مقامات میں رفع یدین پہلے تھا پھر سب کے نزدیک منسوخ سمجھا جاتا ہے اسی طرح عند الرکوع بھی یا منسوخ ہو گیا یا موقوف ہو گیا ہے لہٰذا عدم رفع راجح ہے احناف فرماتے ہیں کہ نسخ کے اس احتمال کی وجہ سے رفع یدین کے بجائے عدم رفع افضل اور اولیٰ ہے کیونکہ رفع یدین کرنے میں خطرہ ہے کہ منسوخ حکم پر عمل نہ ہو جائے اور منسوخ حکم پر عمل کرنا حرام ہے تو سنت کی فضیلت کے حاصل کرنے میں ناجائز میں پڑنے کا احتمال آیا اس لئے اولیٰ اور افضل ترک رفع یدین کو قرار دیا گیا ورنہ دونوں طرف میں احادیث کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

شوافع کے دلائل

(۱) شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حضرت نافع اور ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

(۲) ان حضرات نے اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔

(۳) شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث کے بعد حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ (متفق علیہ)

(۴) رفع یدین کے قائل حضرات نے حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ (رواہ مسلم)

(۵) مثبتین رفع یدین نے حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی لمبی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو ابوداؤد میں ہے۔ ان تمام احادیث میں عند الرکوع اور عند الرفع عن الرکوع کے وقت رفع یدین کی تصریح موجود ہے اور یہ اپنے مطلوب پر واضح دلائل ہیں۔

احناف و مالکیہ کے دلائل

رفع یدین میں احناف و مالکیہ کے دلائل بہت زیادہ ہیں مالکیہ حضرات کا مسلک اگرچہ احناف کی طرح ہے اور مشہور بھی یہی ہے لیکن ان دلائل کا چونکہ احناف زیادہ تذکرہ کرتے ہیں اسی لئے احناف ہی کا نام لیا جاتا ہے چنانچہ رفع یدین پر احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عن علقمة قال قال لنا ابن مسعود الا أصلی بكم صلوٰة رسول الله ﷺ فصلی ولم یرفع یدیه الا مرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

(۲) وعن البراء ابن عازب قال کان النبی ﷺ اذا کبر لافتتاح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یکون ابهاماه قریباً عن شحمتی اذنیہ ثم لا یعود۔ (رواہ الطحاوی ص ۱۵۴)

مندرجہ بالا حدیث کو امام ترمذی نے وفی الباب عن البراء بن عازب کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

(۳) وعن ابن عمر مرفوعا ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود۔

(رواہ البیهقی فی الخلافیات بأسناد صحیح کذا فی معارف السنن)

(۴) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لا یرفع الایدی الا فی سبع مواطن (۱) فی افتتاح الصلوٰۃ (۲) واستقبال القبلة (۳) وعلی الصفا (۴) والمروۃ (۶) وبعرفات (۷) وبجمع وعند الجمرۃ۔

(طبرانی والبخاری فی جزء رفع الیدین) بحوالہ تنظیم الاشتات۔

(۵) وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود۔

(طحاوی ص ۱۵۴ وکذا فی الترمذی والنسائی)

(۶) وعن جابر بن سمرۃ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ۔ (رواہ مسلم)

مسلم شریف کی اس روایت سے استدلال پر مخالفین ناراض ہو جاتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سلام کے وقت رفع یدین سے ہے اس کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے لیکن استدلال کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ "اسکنوا فی الصلوٰۃ" کے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں کہ ہم اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز میں سکون اور کم سے کم حرکات مطلوب ہیں جس کی طرف قرآن میں بھی اشارہ ہے (قوموا للہ قانتین) ای ساکنین ساکتین عابدین۔

(۷) وعن عباد بن الزبیر ان النبی ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ فی اول الصلوٰۃ ثم لم یرفعها فی شیء حتی یفرغ۔

(رواہ البیهقی فی الخلافیات کذا نقله الشیخ محمد هاشم السندهی)

(۸) وعن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبة بیهقی طحاوی ص ۱۵۵)

(۹) روی عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یرفع یدیہ کلما رکع وکلما رفع ثم صار الی افتتاح الصلوٰۃ وترک ماسوا ذلک۔ (کذا فی التعلیق الصبیح بحوالہ تنظیم الاشتات)

(۱۰) عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود (مصنف ابن ابی شیبة طحاوی) قال ورأیت ابراهیم النخعی والشعبی یفعلان کذالک۔ (مصنف ابن ابی شیبة وطحاوی ۱۵۶)

(۱۱) عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعد۔

(رواہ الطحاوی باسنادین جیدین ص ۱۵۴)

(۱۲) ورأی عبداللہ بن الزبیر رجلا رفع یدیه من الرکوع فقال "مه" کان هذا شیء فعله النبی ﷺ ثم ترکه۔

(کذا فی التعلیق الصبیح بحواله تنظیم الاشتات)

(۱۳) وعن المغیرة بن شعبة قال قلت لابراهیم حدیث وائل رضی اللہ عنہ انه رأی النبی ﷺ یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة واذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع فقال ان کان وائل رضی اللہ عنہ رأه مرة یفعل فقد رأه عبداللہ خمسین مرة لا یفعل ذلک۔

(طحاوی ص ۱۵۴)

(۱۴) وفی البدائع روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انه قال العشرة الذین شهد لهم النبی ﷺ بالجنة ما کانوا یرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلوٰة۔ (کمافی العینی ج ۳ ص ۷)

ان تمام احادیث مرفوعہ اور آثار منقولہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ "رفع یدین" کے مسئلہ میں دونوں جانب احادیث کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ اب یا تو دونوں جانب کی احادیث وآثار میں تطبیق کی صورت پیدا کی جائے گی کہ جو حکم جہاں راجح ہے وہاں اس پر عمل کیا جائے اور جائز دونوں کو مانا جائے۔ ابن حزمؒ نے اپنی مایہ ناز تصنیف المحلی ج ۳ ص ۲۳۵ پر لکھا ہے کہ جب جانبین سے احادیث کی صحت ثابت ہوگئی تو اب دونوں عمل مباح ہے کوئی ایک عمل فرض نہیں پس ہمیں بھی اسی طرح اور اسی نیت سے نماز پڑھنا چاہیے کہ اگر ہم نے نماز میں رفع یدین کیا تو ہم نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح حضور اکرم ﷺ نے پڑھی تھی اور اگر ہم نے رفع یدین نہیں کیا تو بھی ہم نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

ابن حزم کے عربی الفاظ اس طرح ہیں:

فلما صح انه علیه السلام کان یرفع فی کل خفض ورفع بعد تکبیرة الاحرام و(کان) لا یرفع (ایضاً) کان کل ذلک مباحا لا فرضا، وکان لنا ان نصلی کذلک فان رفعنا صلینا کما کان رسول اللہ ﷺ یصلی وان لم نرفع صلینا کما کان رسول اللہ یصلی۔ (المحلی ج ۳ ص ۲۳۵)

اگر تطبیق کی صورت کسی کو پسند نہیں آتی تو پھر رفع یدین کی احادیث کو منسوخ یا موقوف قرار دینا ہوگا اور یا عدم رفع یدین کی روایات کو راجح قرار دینا ہوگا جیسا کہ اس بحث میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی رائے کے تحت لکھا جاچکا ہے۔

سوالات وجوابات

سوال: (۱) مندرجہ بالا تمام روایات پر مخالفین نے کوئی نہ کوئی اعتراض کیا ہے آپ اس قسم کی روایات سے کیسے استدلال کرتے ہو؟

جواب: مخالفین کے تمام اعتراضات کو اگر دیکھا جائے تو اصولی طور پر ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان روایات میں یا ارسال ہے یا غرابت وتفرد ہے اور یا اس میں ادراج ہے۔ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ روایات کئی طرق سے وارد ہیں اور تعدد طرق سے

تفرد وغرابت اور ادراج ختم ہوجاتا ہے۔ باقی رہ گیا بعض روایات کا مرسل ہونا تو عرض یہ ہے کہ جمہور کے ہاں ثقہ راوی کا ارسال معتبر ہے ہم جمہور کے ساتھ ہیں اور وہ ہمارے ساتھ ہیں ہم گلیوں میں گھوم پھرنے والے نہیں ہیں۔

سوال: (۲) مثبتین رفع یدین نے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث پر اعتراض کیا ہے چنانچہ سنن ترمذی میں امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے حوالہ سے کہا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی حدیث ثابت ہے جو رفع یدین کے متعلق ہے لیکن ابن مسعودؓ کی روایت ثابت نہیں ہے جس میں عدم رفع یدین کا ذکر ہے۔ (ترمذی ص ۵۹)

صاحب مشکوٰۃ نے حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت کو اصل مبحث سے دور فصل ثالث ص ۷۷ میں ذکر کیا ہے اور پھر اس پر امام ابوداؤد کے حوالہ سے اعتراض کیا ہے کہ وہ قال ابو داؤد "**لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی**۔

جواب: اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت جن واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ تک پہنچی ہے وہاں یہ طویل سلسلہ سند نہیں ہوتا تھا صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو واسطے ہوتے تھے اب امام ابوحنیفہؒ کے بعد ہم تک پہنچنے میں طویل سند کی وجہ سے اگر روایت میں ضعف آجائے تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کے مستدل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، یہ جواب ایک ضابطہ اور قاعدہ کا درجہ رکھتا ہے جو ہر جگہ جاری ہوسکتا ہے۔

امام ترمذی کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ عدم رفع یدین سے متعلق حضرت ابن مسعودؓ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک مرفوع قولی ہے اور دوسری مرفوع فعلی ہے یعنی ابن مسعودؓ نے اپنا فعل دکھا کر حدیث کو مرفوع کہا ہے یا اپنا قول بتا کر حدیث کو مرفوع کہا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مرفوع قولی پر رد کرتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے مرفوع فعلی کو وہ غیر ثابت کیسے کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ خود مرفوع فعلی کے راوی ہیں جیسا کہ نسائی ص ۱۶۸ پر واضح طور پر موجود ہے۔ لامحالہ عبداللہ بن مبارک مرفوع قولی کا انکار کرتے ہیں اور اس کے احناف بھی قائل ہیں کیونکہ احناف مرفوع فعلی کو ثابت مانتے ہیں اور اسی سے استدلال کرتے ہیں مرفوع قولی سے احناف استدلال نہیں کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں "ان النبی ﷺ لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ۔ (ترمذی) حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث جو مرفوع فعلی ہے اس کے ثبوت کے لئے ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کی روایت کا مدار عاصم بن کلیبؒ پر ہے اور وہ مسلم کے راویوں میں سے ہیں لہٰذا مرفوع فعلی ثابت ہے۔ خود امام ترمذی اسی کتاب ترمذی میں حضرت ابن مسعودؓ کی فعلی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے اور بیشمار لوگوں کا اس پر عمل ہے۔

اسی طرح ائمہ جرح والتعدیل میں سے یحییٰ بن سعید القطان المغربیؒ سے "الوھم والایھام" میں یہ الفاظ منقول ہیں "انہ صحح حدیث ابن مسعود" اسی طرح ابن حزم اندلسیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور دارقطنی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے (کذا فی عرف الشذی)۔ اسی طرح ابن عبدالبر علی ابن المدینی، یحییٰ بن معین، امام ذھبی اور ابن مندہؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے امام ابوداؤد کے حوالہ سے جو اعتراض کیا ہے کہ "قال ابو داؤد لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی" تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ

حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع قولی حدیث پر اعتراض ہے یہ جواب درحقیقت صاحب مشکوٰۃ کی غلطی کو چھپانے کے لئے ہے اور اتنے بڑے آدمی کو غلطی سے بچانے کے لئے ہے ورنہ امام ابوداؤد نے براء بن عازبؓ کی روایت کو لیس بصحیح کہا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت پر ابوداؤد نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے جیسا کہ ابوداؤد کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ اور اگر فرض کرلو کہ امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابن مسعودؓ ہی کی روایت پر اعتراض کیا ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ امام ابوداؤد نے اس ضعف کو علی المعنی کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی روایت صحیح ہے دوسرے راویوں نے نقل کی ہے سند صحیح ہے لیکن اس خاص معنی کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

باقی مثبتین رفع یدین کے دلائل میں سب سے زیادہ معتمد ومستند اور مضبوط روایت حضرت ابن عمرؓ کی ہے جس کے بارے میں مثبتین حضرات کہتے ہیں کہ اس کی سند سلسلۃ الذہب ہے کیونکہ نجوم السماء نے اس کو نقل کیا ہے اور یہ حجۃ اللہ علی العالمین ہے آیئے ذرا دیکھتے ہیں کہ اس کی حیثیت کیا ہے تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اگرچہ امام بخاریؒ نے مرفوع ہونے کو ترجیح دیدی ہے لیکن امام ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر اس کے مرفوع اور موقوف ہونے پر کافی بحث کی ہے اب اس حدیث کی بنیادی عمارت ہی کمزور ہوگئی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ موقوف ہو اور موقوف حدیث سے شوافع حضرات کے ہاں استدلال کرنا جائز نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کے باوجود اس میں چھ قسم کے اضطراب ہیں۔

(۱) امام مالکؒ جب "مدونہ" میں حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو وہاں رافع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں ثابت ہوتا ہے۔

(۲) موطا مالک میں ابن عمر کی اس روایت سے صرف عند الرکوع رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

(۳) موطا محمد میں عند الرکوع اور عند الرفع عن الرکوع رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

(۴) امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری میں عند السجدتین رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۵) اور یہی ابن عمرؓ کی روایت جب امام بخاری جزء رفع الیدین میں ذکر فرماتے ہیں تو وہاں تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۶) اور طحاوی وغیرہ میں اسی روایت سے رفع یدین عند کل خفض ورفع یعنی ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ثابت ہے اس قدر اضطراب اور اختلاف سے روایت اپنے مقام سے بہت نیچے آجاتی ہے۔

خلاصۂ کلام

آخر میں خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ رفع یدین کا مسئلہ اولیٰ غیر اولیٰ اور افضل غیر افضل کا مسئلہ ہے جائز اور ناجائز کا مسئلہ نہیں ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ رفع یدین کا مسئلہ ابتداء اسلام میں تھا پھر نماز میں جس طرح باقی تغیرات وتنسیخات رونما ہوئیں تو رفع یدین کا مسئلہ بھی موقوف ومنسوخ ہوگیا اور یہ کوئی فرضی کلام یا کوئی مفروضہ نہیں بلکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت اس نسخ پر دال ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت

اس نسخ پر دال ہے۔اس لئے حدیث کے منسوخ ہونے کا قوی احتمال پیدا ہوگیا اب نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف رفع یدین کی سنت ہے اور دوسری طرف نسخ کا قوی احتمال ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے تو سنت اپنانے اور حرام میں پڑنے کا مقابلہ ہوگیا لہٰذا ایسی سنت کا ترک کرنا اولیٰ وافضل ہے جس پر عمل کرنے سے حرام میں پڑنے کا احتمال ہو اسی وجہ سے احناف ترک رفع یدین کو اولیٰ کہتے ہیں تا کہ منسوخ عمل پر عمل کرنے کا خطرہ نہ آئے۔

سوال: (۳) مثبتین رفع یدین والے حضرات اگر یہ اعتراض کریں کہ رفع یدین کے منسوخ ہونے پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟

جواب: تو اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ مندرجہ بالا احادیث وآثار کی تصریحات وتوضیحات اس بات پر واضح دلائل ہیں کہ یہ حکم پہلے تھا پھر موقوف اور منسوخ ہوگیا دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ رفع یدین کے کل چھ مقامات میں سے باقی چار مقامات میں آپ حضرات نے رفع یدین ترک کر کے ان چار مقامات میں رفع یدین کے حکم کو خود منسوخ تسلیم کیا ہے۔

ان چار مقامات کے لئے جو جواب آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا فرق صرف اتنا ہے کہ آپ چار مقامات میں اور ہم چھ مقامات میں اس عمل کو منسوخ مانتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مناظرہ

ملا علی قاریؒ نے مرقات میں رفع یدین کی اس بحث میں لکھا ہے کہ صاحب فتح القدیر ابن ہمامؒ نے ہدایہ کی شرح کرتے ہوئے رفع یدین کی بحث میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ مکرمہ میں دار الحناطین میں اکٹھے ہوئے تو رفع یدین کے مسئلہ میں دونوں کی اس طرح گفتگو ہوئی۔

امام اوزاعیؒ:

اوزاعی شام نے امام ابوحنیفہؒ سے اس طرح سوال کیا ''آپ لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے واپس آتے وقت ہاتھوں کو کیوں نہیں اٹھاتے ہو؟

امام ابوحنیفہؒ:

ہم رفع یدین اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس میں حضور اکرم ﷺ سے کوئی ایسی صحیح حدیث منقول نہیں ہے جس کے مقابلے میں کوئی حدیث نہ ہو۔

امام اوزاعیؒ:

صحیح حدیث کیوں نہیں حالانکہ مجھے زہری نے بیان کیا انہوں نے سالمؒ سے اور سالمؒ نے اپنے باپ حضرت ابن عمرؓ سے یوں نقل کیا کہ۔

''ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ''۔

امام ابوحنیفہؒ:

اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے عدم رفع یدین کے لئے سند کے ساتھ اس طرح حدیث بیان کی:

"حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ بن مسعود ان النبی ﷺ کان لایرفع یدیہ الاعند الإفتتاح ثم لایعود"۔

امام اوزاعیؒ:

امام اوازعی نے عُلُوِ سند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کو زہریؒ سالمؒ اور ابن عمرؓ کی سند سے حدیث بیان کرر ہا ہوں اور آپ حماد وابراہیمؒ کی سند سے میرے سامنے حدیث پیش کرر ہے ہو؟ (کہاں یہ سند اور کہاں وہ سند)

امام ابوحنیفہ:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دیکھو شیخ حمادؒ شیخ زہریؒ سے بڑھ کر فقیہ تھے اسی طرح ابراہیم نخعیؒ شیخ سالمؒ سے فقہ میں بڑھ کر تھے اور شیخ علقمہؒ حضرت ابن عمرؓ سے فقاہت میں کم نہیں تھے اگر چہ حضرت ابن عمرؓ کو شرف صحابیت کی وجہ سے بڑا مقام حاصل ہے۔ شیخ اسودؒ بطور پاسنگ ہمارے پاس بلا مقابلہ رہ گئے جس سے ہمارا وزن بڑھ گیا۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ کا کیا کہنا عبداللہ تو عبداللہ ہے (فقاہت کے امام اور فضیلت کے چاند تھے) اس بحث میں حضرت امام اوزاعیؒ نے سند کے بلند ہونے اور اس کے عالی ہونے سے اپنی روایت کو ترجیح دینے کی کوشش فرمائی لیکن امام ابوحنیفہؒ نے رواۃ کی فقاہت کی وجہ سے اپنی روایت کو راجح قرار دیا۔ بہرحال مسئلہ میں طرفین میں وسعت وگنجائش ہے تشدد کی ضرورت نہیں غیر مقلدین حضرات اس میں سختی کرتے ہیں اور راہ راست سے تجاوز کرتے ہیں اور اس اختلاف کو جائز وناجائز کا اختلاف سمجھتے ہیں اور عوام الناس کو یک طرفہ احادیث سے تشویش میں مبتلا کرتے ہیں اور فضیلت کی بحث کو فرضیت کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

دراصل ان حضرات کے نزدیک ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ نماز میں سنت کے چھوٹنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور رفع یدین سنت ہے تو اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوجائے گی۔ حالانکہ یہ ضابطہ اور یہ قاعدہ ان کا اپنا ہے امت کے فقہاء اور علماء ومجتہدین کا اس ضابطہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہ ضابطہ نوایجاد اور خانہ ساز ہے۔

علامہ نوویؒ نے رفع یدین کی احادیث کے لئے جو عنوان قائم کیا ہے اس میں آپ نے "باب استحباب رفع الیدین" کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے بھی وہ اشارہ کررہے ہیں کہ رفع الیدین مستحب ہے اسی کو احناف کہتے ہیں کہ یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ محمد بن عبدالرحمن دمشقی شافعی کی ایک مستند کتاب ہے اس میں وہ رفع یدین کے متعلق لکھتے ہیں:

"ورفع الیدین فی تکبیرات الرکوع والرفع منہ سنۃ عند مالک والشافعی واحمد وقال ابو حنیفۃ لیس بسنۃ ص ۲۳)

یہ وہی استحباب اور افضل غیر افضل کی بات ہے۔

۸۶۲ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ لِلصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ وَلَا يَفْعَلُهُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ.

حضرت سالم بن عبد اللہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے پھر تکبیر کہتے اور جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو اسی طرح کرتے اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو اس طرح نہیں کرتے۔

۸۶۳ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا حُجَيْنٌ - وَهُوَ ابْنُ الْمُثَنَّى - حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُهْزَاذَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ كَمَا قَالَ: ابْنُ جُرَيْجٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ لِلصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ.

ابن جریج کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔

۸۶۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ هَكَذَا.

ابی قلابہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مالک بن حویرث کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے تکبیر کہی اور ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو ہاتھ اٹھائے۔ اور یہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح فرماتے تھے۔

۸۶۵ - حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ". فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ.

مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور اسی طرح کرتے۔

۸۶۶- وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ بِهَذَا الإِسْنَادِ أَنَّهُ رَأَى نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ: حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ.

باب اثبات التکبیر عند کل رفع وخفض

نماز میں اٹھنے بیٹھنے کے وقت تکبیرات کا ثبوت

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۸۶۷- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: وَاللَّهِ إِنِّي لأُشْبِهُكُمْ صَلاَةً بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ابی سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ انہیں نماز پڑھا رہے تھے پس وہ تکبیر کہتے تھے ہر نیچے اور اوپر جاتے وقت پس جب وہ فارغ ہوئے تو فرمایا: خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

تشریح

"واللہ انی لاشبھکم صلوٰۃ" یعنی خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو قسم کھانے اور اس طرح تاکید کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو اصل حقیقت یہ ہے کہ مروان بن الحکم کے دور حکومت میں اس نے نماز میں تکبیرات آہستہ کہنی شروع کر دی تھی چونکہ حکومت کا عمل تھا تو کئی لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت ابنؓ کے شاگرد "عکرمہ" کا قصہ ہے کہ اس نے جب حضرت ابو ہریرہؓ کو تکبیرات کہتے سنا تو اس نے اپنے استاذ حضرت ابن عباسؓ سے کہا "انہ احمق" کہ یہ آدمی احمق ہے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ کا قصہ بھی ہے کہ اس نے ایک موقع پر نماز پڑھائی تو انہوں نے سجدہ میں جاتے اور واپس آتے وقت اور قعدہ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت زور سے تکبیرات پڑھیں تو لوگوں میں سے کسی نے کہا یہ نیا طریقہ ہے تو آپ منبر پر بیٹھ گئے اور لوگوں کو بتایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے شیخ عبدالحقؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ مروان اور اس کے پیروکار نماز میں تکبیرات انتقالات آہستہ پڑھتے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو التباس ہو گیا کہ اصل حقیقت کیا ہے تو ابو سعید خدری نے آنحضرت ﷺ کی نماز کا حوالہ دیا۔ یہاں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اسی وجہ سے قسم کھائی تا کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہو، چنانچہ اس وقت سے آج تک مسلمانوں کا عمل سنت کے مطابق جاری ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے باقی تکبیرات سنت ہیں پھر تکبیر کا طریقہ یہ ہے کہ جس رکن سے نمازی دوسرے رکن کی طرف انتقال کے وقت تکبیر پڑھتا ہے تو تکبیر کو اس طرح لمبی کرے کہ دوسرے رکن تک پہنچ جائے مثلاً قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت کھڑے اللہ

اکبر شروع کرے اور اتنی لمبی کرے کہ سجدہ تک پہنچ جائے۔ اس سے تعدیل ارکان میں بھی بہت فائدہ ہوگا اور اس میں اعتدال آئے گا۔
حیرانی اور تعجب کی بات یہ ہے کہ بلند آواز سے جب نماز میں تکبیرات انتقال نہ پڑھی جائیں تو جماعت کے ساتھ نماز کیسی پڑھی جائے گی لوگ سجدہ سے کیسے اٹھیں گے؟ بہر حال تکبیر تحریمہ کے ساتھ دو رکعت نماز میں گیارہ تکبیرات ہیں اور چار رکعات میں بائیس تکبیرات ہیں اور ہر پانچ فرض نمازوں میں مجموعہ چورانوے تکبیرات ہیں۔ (کذا فی النووی)

۸۶۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِی ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِی بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ". حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوعِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ". ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِی سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ فِی الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْمَثْنٰى بَعْدَ الْجُلُوسِ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنِّی لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

ابی بکر بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے، جب رکوع سے اٹھتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے، پھر جب سیدھے کھڑے ہوتے تو ربنا ولک الحمد کہتے، پھر سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے، پھر سجدہ سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہتے پھر سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے پھر سجدہ سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہتے، پھر ساری نماز میں اسی طرح فرماتے یہاں تک کہ نماز پوری ہو جاتی اور دو رکعتوں کے بعد اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کہتے۔ پھر ابو ہریرہؓ نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

۸۶۹ - حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا حُجَيْنٌ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِی أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ أَبِی هُرَيْرَةَ. إِنِّی أَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔۔ حدیث ابن جریج کی طرح لیکن ابو ہریرہ کا یہ قول نقل نہیں کیا: ''میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔''

۸۷۰ - وَحَدَّثَنِی حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِی يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِی أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ - حِينَ يَسْتَخْلِفُهُ مَرْوَانُ عَلَى الْمَدِينَةِ - إِذَا قَامَ لِلصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ. فَذَكَرَ نَحْوَ

حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَفِي حَدِيثِهِ فَإِذَا قَضَاهَا وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لأَشْبَهُكُمْ صَلاَةً بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

ابو سلمہ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی (درانحالیکہ انہیں مروان نے مدینہ کا خلیفہ بنایا تھا)۔ پس ابن جریج کی مثل حدیث نقل کی، پس جب نماز پوری کرلی اور سلام پھیر لیا تو اہل مسجد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

۸۷۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلاَةِ كُلَّمَا رَفَعَ وَوَضَعَ. فَقُلْنَا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا هَذَا التَّكْبِيرُ قَالَ: إِنَّهَا لَصَلاَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ابو سلمہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نماز میں اٹھتے اور نیچے جاتے وقت تکبیر کہتے۔ پس ہم نے کہا اے ابو ہریرہ! یہ تکبیر کیا ہے؟ فرمانے لگے: یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔

۸۷۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ - يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ وَيُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ ہر اوپر اور نیچے جاتے ہوئے تکبیر کہتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

باب وجوب قرأة الفاتحة فی کل رکعة

ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۸۷۳- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعاً عَنْ سُفْيَانَ - قَالَ: أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ - عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ "لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ".

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی یہ بات پہنچی کہ اس شخص کی نماز صحیح نہیں ہے جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

تشریح

"لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" یعنی اس شخص کی نماز صحیح نہیں ہے جس نے نماز میں سورت فاتحہ نہیں پڑھی اوپر اس خاص

عنوان اور حدیث کے پیش نظر میں ایک الگ عنوان رکھتا ہوں جس کے تحت سورت فاتحہ کا وجوب اس کی حیثیت اور پھر فاتحہ خلف الامام کی پوری بحث آجائے گی اور ابتداء میں ناسخ ومنسوخ اور نصوص میں فقہاء کرام کے اختلاف کی وجوہات کا پورا پس منظر سامنے آجائے گا تو لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔

نماز میں قرأت کا بیان

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ''وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ'' ﴿الأعراف: ۲۰۴﴾

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ'' ﴿المزمل: ۲۰﴾

فقہاء کرام کے درمیان مسائل میں کبھی اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے کہ شرعی حکم کے ناسخ ومنسوخ کا صحیح ادراک نہیں ہو پاتا اور کبھی اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے کہ کسی حکم کے اندر استنباط واستخراج کے اسباب وعلل مختلف ہو جاتے ہیں کبھی مجتہدین کے اجتہاد میں تخلف ہوتا ہے کبھی فہم وادراک معانی میں فرق آجاتا ہے کبھی ایک ہی حکم کے متعلق کثرت نصوص اور اس میں تفاوت اختلاف کا ذریعہ بنتا ہے کبھی صحابہ کرام میں عمل کا اختلاف سبب اختلاف بن جاتا ہے چونکہ اس زمانہ میں ذرائع ابلاغ کی کمی تھی دور دراز علاقوں سے لوگ آکر مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ سے ایک حکم کو دیکھ لیتے اور واپس چلے جاتے اور اس حکم پر تاحیات عمل پیرا ہوتے۔ حالانکہ پیچھے اس حکم میں تبدیلی آچکی ہوتی لیکن وہ چونکہ خود نبی اکرم ﷺ سے ایک حکم سیکھ چکے ہوتے اس لئے اسی پر قائم رہتے تو آئندہ آنے والوں کے لئے وہ سبب اختلاف بن جاتا۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام کو جب اللہ تعالیٰ نے ان احکامات کے جمع وترتیب کا موقع فراہم کیا تو نصوص میں معمولی یا غیر معمولی فرق ان کے سامنے آگئے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے انہوں نے بڑی مشقتیں اٹھا کر شریعت مقدسہ کے احکامات کو عمل کرنے کے لئے عوام الناس کے سامنے واضح کر کے رکھ دیا ان بیشمار مسائل میں کہیں کہیں فروعات میں اختلاف کا ہو جانا ایک فطری امر ہے اور یہ اختلاف زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے تاہم شریعت کے احکامات میں فقہاء کرام کا جہاں جہاں اختلاف ہوا ہے ان میں سب سے بڑا اختلاف قرأت خلف الامام میں ہے۔ کیونکہ ایک جانب سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا فرض ہے اور دوسری جانب سے کہا جاتا ہے کہ فرض نہیں بلکہ ناجائز ہے اسی وجہ سے قرأت خلف الامام کا مسئلہ ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی اس سے متعلق چند ابحاث حاضر خدمت ہیں۔

''لاصلوٰۃ'' نماز میں قرأت سے متعلق تین مباحث اہم اور مشہور ہیں جن میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

بحث اول فاتحہ کی رکنیت وعدم رکنیت میں ہے۔

بحث دوم اس میں ہے کہ کتنی رکعات میں قرأت فرض ہے۔

بحث سوم قرأت خلف الامام میں ہے۔

مذکورہ مباحث ثلاثہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

بحث اول فاتحہ کی رکنیت کے بیان میں

نماز میں کتنی مقدار قرآن پڑھنا فرض ہے اور کونسا حصہ متعین ہو کر فرض ہے آیا فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ نماز میں فاتحہ کا پڑھنا متعین طور پر فرض ہے اور یہ رکن صلوٰۃ ہے اگر فاتحہ نہیں پڑھی گئی تو نماز نہیں ہوئی باقی قرآن خواہ کتنا بھی پڑھا گیا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ فاتحہ متعین طور پر پڑھنا رکن صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ رکن صلوٰۃ "**قدر ماتجوز به الصلوٰۃ**" ہے خواہ آیۃ طویلہ یا قصیرہ ہو یعنی اتنی مقدار قرآن کا پڑھنا نماز میں فرض ہے جس سے نماز ہو جاتی ہو خواہ چھوٹی تین آیات ہوں یا ایک طویل آیت ہو ہاں احادیث مبارکہ کی وجہ سے بالخصوص فاتحہ کا نماز میں پڑھنا واجب ہے اگر کسی نمازی نے باقی قرآن پڑھ لیا لیکن فاتحہ چھوڑ دی تو فرض قرأت تو ادا ہو گئی لیکن واجب چھوٹنے کی وجہ سے نماز ناقص رہ گئی لہٰذا سجدہ سہو کرنا ہوگا تاکہ جبیرہ نقصان ہو جائے یا نماز کا اعادہ کرے گا۔

دلائل

جمہور کی دلیل حضرت عبادہ بن صامتؓ کی زیر بحث حدیث ہے کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ عدم قرأت فاتحہ سے نماز کو کالعدم قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ اس کے چھوڑنے سے نماز کی نفی ہوئی ہے اور جس کو یہ مقام حاصل ہو وہ رکن ہوتا ہے لہٰذا فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ حضرات مالکیہ کے ہاں فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا بھی فرض ہے یعنی دونوں رکن صلوٰۃ ہیں ائمہ احناف کی دلیل (**فاقرأوا ماتیسر من القرآن**) قرآن کی مطلق آیت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مطلق قرآن کا نماز میں پڑھنا فرض اور رکن صلوٰۃ ہے یہاں فاتحہ کی تخصیص و تعیین نہیں ہے لہٰذا وہ رکن نہیں ہو سکتی ہاں فاتحہ کی تخصیص حدیث کی خبر واحد سے ہوئی ہے اور جو حکم خبر واحد سے ثابت ہو جائے اس کو فرض نہیں بلکہ واجب کہنا چاہئے اور یہی احناف کا مذہب ہے کہ مطلق قرآن کا پڑھنا رکن اور فرض ہے اور خاص کر فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہ اس لئے کہ فرض اور رکن کا مقام قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور قطعی حکم کے اثبات کے لئے دلیل بھی قطعی ہونی چاہئے کیونکہ دلائل چار قسم پر ہیں: (۱) **قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ** (۲) **قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ** (۳) **ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ** (۴) **ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ**۔

تو پہلی قسم سے فرض ثابت ہوتا ہے دوسری قسم سے واجب ثابت ہوتا ہے تیسری قسم سے سنن مؤکدہ وغیرہ ثابت ہوتی ہیں اور چوتھی قسم سے مستحبات ثابت ہوتے ہیں۔

مذکورہ زیر بحث حضرت عبادہؓ کی حدیث خبر واحد ہے جو ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ ہے جس سے فرض یا رکن ثابت نہیں ہو سکتا ہے بلکہ صرف واجب ثابت ہو سکتا ہے اور وجوب فاتحہ کے احناف قائل ہیں لہٰذا یہ حدیث ان کے مسلک کے مخالف نہیں ہے نہ ان کا مسلک حدیث

کا مخالف ہے نیز ''لا صلوٰۃ'' کے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں ایک مفہوم یہ کہ اس سے بالکل اصل صلوٰۃ کی نفی مراد لی جائے اور دوسرا مفہوم یہ کہ اس سے کمال صلوٰۃ کی نفی مراد لی جائے یعنی فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی بلکہ ناقص ہوجاتی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نے اس دوسرے مفہوم کو متعین کردیا ہے جس میں ''فصلوته خداج غیر تمام'' کے الفاظ آئے ہیں یعنی نماز کا وجود ہے مگر فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے ناقص ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ آدمی امام یا منفرد ہو مقتدی نہ ہو۔

الزامی جواب یہ ہے کہ حدیث میں ما زاد اور فصاعدا کے الفاظ بھی ہیں تو کیا فاتحہ کے علاوہ کچھ اور بھی رکن صلوٰۃ ہے؟

بحث دوم کتنی رکعات میں قرأت فرض ہے

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ فرض نماز کی کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام زفر اور حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے (فاقرؤا) حکم ہے جس میں تکرار نہیں ہے اور امر تکرار کا تقاضا بھی نہیں کرتا ایک رکعت میں فرض قرأت کافی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تین رکعات میں قرأت فرض ہے کیونکہ تین رکعات اکثر ہیں اور للاکثر حکم الکل مسلمہ قاعدہ ہے گویا مالکیہ کے ہاں چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے لیکن تین رکعات میں پڑھنے سے حق ادا ہوجاتا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک فرائض کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور ضم سورۃ فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں نہ واجب ہے نہ سنت ہے بلکہ مستحب ہے مشہور قول کے مطابق حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ تمام رکعات میں قرأت فرض ہے یہ حضرات قرآن وحدیث کے مطلق حکم کو دیکھتے ہیں جس میں قرأت پڑھنے کا حکم ہے۔

ائمہ احناف کا مشہور اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اگر چار رکعت والی نماز ہے تو پہلی دو رکعتوں میں ''بقدر ثلاث ایات قصار'' مطلق قرأت فرض ہے اور خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے البتہ دو رکعتوں کے بعد قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے خواہ فاتحہ پڑھے یا تسبیح پڑھے یا خاموش رہے۔

بحث سوم قرأت خلف الامام

تیسرا اختلاف اس میں یہ ہے کہ مجموعی طور پر نماز تین قسم پر ہے: (۱) **صلوٰۃ الامام** (۲) **صلوٰۃ الماموم** (۳) **صلوٰۃ المنفرد** پھر ایک نماز جہری ہے ایک سری ہے تو امام کے لئے اور اسی طرح منفرد کے لئے جہری اور سری دونوں نمازوں میں مطلق قرأت بالاجماع فرض ہے مقتدی اور ماموم پر امام کے پیچھے سورۃ کا پڑھنا بالاتفاق واجب نہیں اب صرف ایک صورت رہ گئی کہ امام کے پیچھے مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا کیسا ہے اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

قرأت خلف الامام یعنی فاتحہ خلف الامام کے پڑھنے یا نہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا بہت بڑا اختلاف ہے۔ یہ ایک معرکۃ الآراء اختلافی مسئلہ ہے اختلافی مسائل میں یہ سب سے زیادہ سنگین نوعیت کا مسئلہ ہے کیونکہ ایک فریق پڑھنے کو فرض کہتا ہے اور دوسرا فریق ناجائز وحرام کہتا ہے۔ یہ اختلاف بہرحال صحابہ کرام کے دور سے چلا آرہا ہے اس دور میں اس میں اتنی شدت اور اتنا شور نہیں تھا علامہ بدرالدین عینیؒ نے اسی (۸۰) صحابہ کو شمار کیا ہے جو فاتحہ خلف الامام کے ترک کرنے کے قائل تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابن عباس حضرت عمر فاروق حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت ابودرداء حضرت ابن عمر حضرت علی حضرت عائشہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام شامل ہیں اس مسئلہ کا نام قرأت خلف الامام ہے مگر اس سے فاتحہ خلف الامام مراد لینا متعین ہوگیا ہے جمہور فقہاء یعنی امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد بن حنبل سفیان ثوری اوراوزاعی شام اور عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پھر ائمہ ثلاثہ میں سے امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سری نماز میں قرأت خلف الامام مستحب ہے نیز جہری نماز میں اگر مقتدی امام کی قرأت نہیں سنتا ہو تو اس وقت بھی اس کے لئے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق پانچ اقوال معارف السنن میں حضرت سید یوسف بنوریؒ نے نقل کئے ہیں: (۱) پڑھنا واجب ہے (۲) مستحب ہے (۳) مباح ہے (۴) مکروہ تنزیہی ہے (۵) مکروہ تحریمی ہے۔ احناف کے ہاں مکروہ تحریمی کو ترجیح حاصل ہے علماء احناف میں سے امام محمدؒ کی طرف یہ بات صاحب ہدایہ نے منسوب کی ہے کہ ان کے نزدیک سری نمازوں میں قرأت خلف الامام مستحب ہے اسی طرح ملاعلی قاریؒ اور کچھ دیگر علماء نے بھی کہا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک مستحب ہے لیکن امام محمدؒ کی کتابوں کی طرف اگر رجوع کیا جائے تو اس موجودہ حالت میں ان کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک کسی صورت میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی اجازت نہیں ہے چنانچہ مؤطا امام محمد میں آپ فرماتے ہیں: ”**لاقرأة خلف الامام فيماجهرفيه ولا فيمالم يجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابى حنيفة**۔ (ص ۹۴)

اسی طرح وہ کتاب الآثار میں ترک قرأت خلق الامام کی روایات جمع کر کے فرماتے ہیں ”**وبه نأخذ لانرى القراءة خلف الامام فى شىءمن الصلوٰة يجهر فيه اولا يجهر**“۔ (ص ۶۵)

ان روایات سے بے شک معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک فاتحہ خلف الامام میں وہی ہے جو عام احناف کا ہے تاہم صاحب ہدایہ اعراف بیان مسلک الاحناف ہے۔ اس کے قول کو بالکل نظرانداز نہیں کیا سکتا ہے نیز ملاعلی قاری المرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

”**والامام محمد من ائمتنا يوافق الشافعى فى القراءة فى السرية وهو اظهر فى الجمع بين الروايات الحديثية**“۔ (مرقات ج۲ ص ۳۰۱)

یعنی ہمارے ائمہ احناف میں سے امام محمدؒ سری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام میں شوافع کے موافق ہیں اور احادیث کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے یہ مسلک زیادہ واضح ہے اور یہی امام مالکؒ کا بھی مسلک ہے۔ ملاعلی قاری، ابوہریرہؓ کی ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"ومفهومه انهم كانوا يسرون بالقراءة فيما كان يخفى فيه رسول الله ﷺ وهو مذهب الاكثر وعليه الامام محمد من ائمتنا۔"(مرقاۃ ج ۲ ص ۳۰۲)

غالباً شاہ ولی اللہؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ سری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام بہتر ہے۔تاہم ائمہ احناف کے مسلک کا فتویٰ ایسا نہیں ہے۔کاش اگر سری نمازوں میں احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا فتویٰ دیتے اور شوافع جہری نمازوں میں نہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تو اس سے دونوں مسلکوں میں اس سنگین اختلاف کی یہ خلیج کم ہو جاتی اور تمام نصوص میں تطبیق ہو جاتی جیسا کہ مالکیہ وحنابلہ کا مسلک ہے۔

مفتی الہند مفتی کفایت اللہؒ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے۔

سوال: قرأت سے کیا مراد ہے؟

جواب: قرأت قرآن مجید پڑھنے کو کہتے ہیں۔

سوال: نماز میں کتنا قرآن مجید پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: کم از کم ایک آیت پڑھنا فرض ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور فرض کی پہلی دو رکعتوں اور نماز وتر اور سنت اور نفل کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ یا بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔

سوال: کیا سورۃ فاتحہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے؟

جواب: فرض نماز کی تیسری رکعت اور چوتھی رکعت کے علاوہ ہر نماز کی خواہ وہ فرض نماز ہو یا واجب یا سنت یا نفل ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی پر امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

دلائل

شوافع حضرات نے زیر بحث حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل ساتھ والی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں خداج غیر تمام کے الفاظ آئے ہیں یعنی جس نے نماز میں فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص غیر تمام ہے کسی نے سوال کیا کہ اے ابو ہریرہؓ کبھی ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو اس وقت قرأت کے دوران ہم فاتحہ کیسے پڑھیں گے آپ نے جواب میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فاتحہ دل میں پڑھو مگر چھوڑو نہیں کیونکہ فاتحہ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور حدیث میں اس پر صلوٰۃ کا اطلاق ہوا ہے۔

بہرحال شوافع کی اصل دلیل جو اپنے مدعا پر واضح ہے وہ ترمذی وغیرہ سنن کی کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے اس کے علاوہ شوافع حضرات نے صحابہ کرامؓ کے کچھ آثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

جمہور میں مالکیہ اور حنابلہ نے احادیث قرأت خلف الامام کی روایات میں تطبیق پیدا کی ہے کہ جہاں امام کے پیچھے پڑھنے سے ممانعت آئی ہے وہ جہری نمازوں میں ہے اور جہاں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم آیا ہے وہ سری نمازوں میں ہے کاش پوری امت اسی پر جمع ہو جاتی۔

جمہور میں سے ائمہ احناف کے لئے دوقسم کے دلائل کی ضرورت ہے ایک وہ دلیل جس میں جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کا ذکر ہو اور دوسری وہ دلیل جس میں سری نماز میں فاتحہ خلف الامام کے نہ پڑھنے کا ثبوت ہو چونکہ یہ مسئلہ انتہائی نازک ہے اس لئے یہاں ذرا تفصیل سے دلائل کا بیان ہوگا۔

(۱) احناف کی پہلی دلیل

جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے پر احناف اور جمہور کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے:

(واذاقرئ القرآن فأستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (۔(اعراف ۲۰۴)

یہاں دولفظ ہیں ایک (فاستمعوا) ہے اس کا تقاضا ہے کہ جب قرآن پڑھنے کے وقت سناجاتا ہو تو تم خاموش رہ کر اس کو سنا کرو، یہاں دوسرا لفظ (انصتوا) ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہے ہو تو اگرچہ وہ نہیں سنا جاتا ہو پھر بھی تم خاموش رہو۔ اس صورت میں استمعوا اور انصتوا میں لغت کے اعتبار سے فرق ہوگا اور اس فرق کو مفسرین نے تسلیم کیا ہے لہٰذا یہ دلیل احناف کے دونوں دعوؤں پر واضح دلیل ہے کہ امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت نہیں ہے۔

اور اگر استمعوا اور انصتوا کا مفہوم الگ الگ نہ ہو بلکہ ایک ہو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش رہا کرو تو اس صورت میں یہ آیت جہری نمازوں میں امام کے پیچھے نہ پڑھنے پر احناف اور جمہور کی واضح دلیل ہے۔

سوال: شوافع اور خاص کر غیر مقلدین نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت خطبہ جمعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لہٰذا خطبہ کے دوران خاموش رہنا چاہیے نماز سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

جواب: یہ کہ مفسرین اور جمہور علماء کے نزدیک یہ آیت نماز کے متعلق اتری ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"قال احمد اجمع الناس علی انها نزلت فی الصلوٰۃ" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۲ ص ۲۹۵)

امام المفسرین محمد بن طبری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے شان نزول میں تین قسم کے اقوال مشہور ہیں اول یہ کہ نماز سے متعلق ہے دوسرا یہ کہ اس کا تعلق خطبہ سے ہے تیسرا احتمال یہ کہ یہ آیت نماز اور خطبہ دونوں سے متعلق ہے کہ دونوں میں قرآن کے پڑھنے کے دوران خاموش رہنا چاہئے ابن جریرؒ نے تیسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسرا جواب: یہ کہ چلو یہ آیت خطبہ جمعہ کے بارے میں آئی ہے تو جب خطبہ کی چند آیتوں کی وجہ سے استماع اور خاموش رہنے کا حکم ہے تو نماز کی قرأت میں بدرجہ اولیٰ خاموش رہنا چاہئے کیونکہ نماز میں بہت ساری آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد اور خصوص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا کما فی الاصول۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ سورۃ اعراف کی یہ آیت مکی ہے اور خطبہ جمعہ یا خطبہ عیدین کی مشروعیت وابتداء مدینہ منورہ میں ہوئی تھی تو آیت کا تعلق خطبہ سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ (کذا قال شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

غیر مقلدین حضرات جب اس آیت کے جواب سے عاجز آجاتے ہیں تو پھر سورۃ فاتحہ کو قرآن سے خارج کرتے ہیں میں نے خود ایک غیر مقلد سے سنا کہ سورۃ فاتحہ قرآن نہیں ہے لہٰذا امام جب فاتحہ پڑھتا ہو تو مقتدی کے لئے خاموش رہنا ضروری نہیں کیونکہ فاتحہ قرآن نہیں ہے خاموش رہنا تو قرآن پڑھنے کے وقت ہوتا ہے۔

(۲) احناف کی دوسری دلیل

احناف اور جمہور کی دوسری دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "واذاقرأفانصتوا" یعنی جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴ پر نقل کیا ہے اور تاکید کے ساتھ اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اگرچہ حدیث کے بعض طرق میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے آگے تفصیل آرہی ہے۔

سوال: شوافع حضرات نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس روایت پر دو اعتراض کئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ کہ اس روایت کی سند میں سلیمان تیمیؒ ہے اور وہ مدلس ہے جو یہاں قتادہؒ سے عنعنہ کے ساتھ نقل کررہا ہے اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ واذاقرأفانصتوا کا جو جملہ ہے وہ قتادہ سے صرف ان کے ایک شاگرد سلیمان تیمی نقل کرتے ہیں قتادہ کے دیگر تلامذہ اس جملہ کو نقل نہیں کرتے تو سلیمان تیمیؒ اس جملہ کے نقل کرنے میں منفرد ہیں لہٰذا یہ جملہ معتبر نہیں۔

جواب: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بعض مدلسین کی ثقاہت کی وجہ سے ان کا عنعنہ قبول کیا جاتا ہے جیسے قتادہ، اعمش اور سلیمان تیمی لہٰذا یہاں بھی ان کا عنعنہ قبول ہے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ صحیحین کی روایتوں میں اگر مدلس کا عنعنہ بھی آجائے تو وہ مقبول ہے کیونکہ صحیحین کی سب روایتوں کی صحت پر علماء کا اتفاق ہے وہ اگر عنعنہ کے ساتھ بھی مدلس کی روایت نقل کرتے ہیں تو پوری تحقیق اور پورے اعتماد کے ساتھ نقل کرتے ہیں چنانچہ امام نوویؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

"فقد قدمنا فی مواضع من هذا الشرح ان مارواه البخاری ومسلم عن المدلسین وعنعنوه فهو محمول علی انه ثبت من طریق آخر سماع ذلک المدلس هذا الحدیث فیمن عنعنه منه اکثر هذا او کثیر منه یذکر مسلم وغیره سماعه من طریق آخر متصلا به۔" (مسلم ج ۱ ص ۲۰۹)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قتادہ سے "واذاقرأفانصتوا" کا جملہ صرف سلیمان تیمی نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے کئی متابع موجود ہیں چنانچہ صحیح ابوعوانہ کی روایت میں قتادہؒ سے ابوعبیدہ نقل کررہے ہیں اور بیہقی و دارقطنی اور بزاز کی روایت میں حضرت قتادہؒ سے عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نقل کرتے ہیں تو قتادہؒ سے اگر یہ جملہ سلیمان تیمیؒ نے اعتماد کے ساتھ دیگر نقل کیا اور دیگر روایات میں حضرت قتادہؒ کے دیگر شاگردوں کی مخالفت نہیں کی بلکہ آپ نے ایک زائد مستند جملہ کو ذکر کیا ہے جس کو دوسرے شاگردوں نے نقل نہیں کیا تو یہ مخالفت نہیں ہے بلکہ اتقان وحفاظت ہے۔

امام مسلمؒ نے اس جملہ کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ آپ سے آپ کے شاگرد ابوبکرؒ نے پوچھا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں جو

و اذاقرأفانصتوا کا جملہ ہے وہ کیسا ہے امام مسلمؒ نے فرمایا "ھو صحیح عندی" یعنی میرے نزدیک صحیح ہے۔

"فقال لم لم تضعه، فقال لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ھھنا" (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴)

یعنی شاگرد نے پوچھا کہ جب یہ جملہ صحیح تھا تو پھر آپ نے کتاب میں ابوموسیٰ اشعریؓ والی اس حدیث میں درج کیوں نہیں کیا؟ امام مسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ میں ہر صحیح حدیث کو یہاں جمع کردوں۔ بہت ساری صحیح احادیث ہیں مگر میں نے یہاں جمع نہیں کیں؛ جیسے یہی حدیث ہے جس میں یہ جملہ البتہ جس حدیث کو میں جمع کرتا ہوں وہ ضرور صحیح ہوتی ہے۔ تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے احناف کا صرف ایک دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ جہری نماز میں قرأت خلف الامام نہیں ہے۔

(۳) احناف کی تیسری دلیل

امام کے پیچھے فاتحہ اور قرأت نہ پڑھنے کے بارے میں ائمہ احناف و مالکیہ وحنابلہ کی تیسری مضبوط دلیل حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے جس کو امام مسلم نے قرأت کے ابواب سے دور باب سجود التلاوۃ میں صحیح مسلم کے صفحہ ۲۱۵ پر نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عن عطاء بن یسار انہ اخبرہ انہ سأل زید بن ثابت عن القرأۃ مع الامام فقال لا قراءۃ مع الامام فی شیء الخ"

یعنی عطاء بن یسار سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ اس نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ امام کے ساتھ مقتدی قراءت کرے یا نہ کرے تو اس نے جواب میں فرمایا کہ امام کے ساتھ کسی قسم کی قراءت نہیں ہے یہاں "فی شیء" کا لفظ اتنا عام ہے کہ امام نووی کا جواب نہیں چل سکتا کہ یہ صرف سورت ملانے اور سورت پڑھنے کی ممانعت ہے باقی حضرت زید بن ثابت کا یہ فتویٰ ہے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اتنے اہم مسئلہ میں انہوں نے اپنی طرف سے فتویٰ جاری کردیا ہو اور نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی نہ ہو لہٰذا یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

(۴) احناف کی چوتھی دلیل

ائمہ احناف اور جمہور کی چوتھی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کو ابوداؤد، امام نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیئوتم بہ فاذا کبر فکبروا و اذاقرأفانصتوا"۔ (رواہ ابوداؤد)

سوال: شوافع نے اس روایت پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی ابوخالد ہے جو ضعیف ہے لہٰذا استدلال صحیح نہیں ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن حجرؒ نے ابوخالد کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان نے ان کو ثقہ کہا ہے نیز ابوخالد کا متابع محمد بن سعد انصاری بھی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملھم میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اگر و اذاقرأفانصتوا کے الفاظ نہ بھی ہوں پھر بھی یہ حدیث عدم قرأت خلف الامام پر واضح دلیل ہے کیونکہ بخاری و مسلم میں اور دیگر تمام کتب احادیث میں وہ حدیث بکثرت موجود ہے جس میں مقتدی کو امام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور امام کی اتباع تکبیر میں یہ ہے کہ تم بھی تکبیر کہو رکوع میں اتباع یہ کہ تم بھی رکوع میں جاؤ سجدہ میں اتباع یہ کہ تم بھی سجدہ کرو قیام میں اتباع یہ کہ تم بھی قیام کرو اب سوچنا چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں امام کی اتباع کرنے کا طریقہ کیا ہے آیا پڑھنا ہے یا خاموش رہنا ہے تو بخاری کی روایت میں ہے کہ جب جبرئیل علیہ

السلام وحی لاکر قرآن پڑھتے تھے تو حضور اکرم ﷺ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے تو قرآن کی آیت آئی (فاذا قرأناه فاتبع قرآنه) یعنی اس فاتبع قرآنہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "ای استمع له وانصت" اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت امام کی اتباع یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے خواہ قرآن سنے یا نہ سنے اس لئے کہ یہ ذمہ داری امام خود پوری کررہا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بھی احناف کے دونوں دعوؤں کے لئے دلیل بن سکتی ہے۔

(۵) احناف کی پانچویں دلیل

ائمہ احناف کی پانچویں دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة"۔

طحاوی نے اس روایت کو مختلف طرق سے نقل کیا ہے اسی طرح امام محمدؒ نے مؤطا میں اس کو ذکر کیا ہے نیز مسند ابی حنیفہ میں بھی موجود ہے اور بیہقی و دارقطنی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس کے اکثر طرق میں اگرچہ ضعف ہے لیکن بعض طرق بالکل صحیح ہیں۔

سوال: دارقطنی نے اس روایت کے مرفوع ہونے پر اعتراض کرکے لکھا ہے کہ "لم یسنده عن موسی بن ابی عائشه غیر ابی حنیفه والحسن بن عمارة وهما ضعیفان" یعنی اس روایت کو مرفوع نقل کرنے والے صرف دو راوی ہیں ایک ابوحنیفہ ہیں اور دوسرا حسن بن عمارہ ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں:

جواب: علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دارقطنی میں ذرا بھی شرم وحیاء ہوتی وہ اس طرح کی بات بھی نہ کرتے، پھر ان کے اپنے ہی علماء شوافع نے دارقطنی پر اس طرح قلم اٹھایا ہے کہ اس کو پاش پاش کرکے رکھ دیا ہے اور پھر اصحاب الجرح والتعدیل کے علماء نے کہا ہے کہ ائمہ اربعہ پر تفصیلی جرح بھی معتبر نہیں ہے چہ جائیکہ اجمالی جرح ہو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے آپ نے اکابر علماء کے یہ جملے نقل کیے ہیں فرماتے ہیں و الجرح المبهم لا یقبل فی حق من ثبت عدالته کما حقق فی مقدمة هذا الشرح علی ان الجرح المفسر ایضاً لا یقبل ببعض الاحیان فی حق الاعیان قال العلامة التاج السبکی رحمہ اللہ فی الطبقات الکبری قد عرفناک ان الجارح لا یقبل منه الجرح وان فسره فی حق من غلبت طاعته علی معاصیه و مادحوه علی ذامیه و مزکوه علی جارحیه۔ (فتح الملہم ج۳ ص ۳۵۶)

بلکہ علماء جرح والتعدیل نے امام ابوحنیفہؒ کی زبردست توثیق فرمائی ہے چنانچہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

"ابو حنیفة ثقة مامون ماسمعت احدا ضعفه و شعبة بن الحجاج یکتب الیه ان یحدث" نیز شعبہ بن الحجاج نے آپ کو 'صدق فی الحدیث' کے شاندار الفاظ سے یاد کیا ہے آپ نے لکھا ہے "قال شعبه ابو حنیفة ثقة من اهل الدین و الصدق و لم یتهم بالکذب و کان مامونا فی دین الله صدوقا فی الحدیث۔ یاد رہے شعبہ بن الحجاج امام ابوحنیفہؒ کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں۔ بہر حال امام ابوحنیفہؒ کی شان بہت اونچی ہے امام بخاری و مسلم کے استاذ فی الحدیث عبدالرزاق صاحبؒ المصنف امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں وہ اپنی

کتاب میں جب امام ابوحنیفہؒ کی حدیث نقل کرتے ہیں تو فرماتے ہیں اخبرنا ابو حنیفۃ الخ، شیخ عبدالرزاقؒ نے اپنی کتاب مصنف میں قریبا ستر روایات امام ابوحنیفہؒ سے لی ہیں۔ امام شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ تو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اسی لئے امام شافعیؒ نے فرمایا "الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفه رحمہ اللہ اس شرح کی ابتداء میں مقام ابوحنیفہ کے تحت میں نے بہت کچھ عبارات جمع کی ہیں بہر حال دارقطنی کو مناسب نہیں تھا کہ اپنے ہی سلسلے کے اتنے بڑے فقیہ وامام پر اس طرح رکیک حملے کرتے۔ چلو ہم دوسری ایسی سند لاتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نہیں ہیں:

عن اسحاق الازرق عن سفیان و شریک عن موسیٰ بن ابی عائشة عن ابراهیم عن جابر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من کان له امام فقراءة الامام له قراءة۔

تیسری سند بھی لیجئے تاکہ تسلی ہو جائے: عن اسحاق الازرق عن سفیان الثوری و شریک عن موسی بن ابی عائشة عن شداد بن الهاد عن جابر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من کان له امام فقراءة الامام له قراءة۔

یہ تمام روایات مرفوع ہیں اور یہ آخری سند تو علی شرط مسلم ہے۔ اور اگر دارقطنی بضد ہیں کہ حدیث مرسل ہے تو ہم ان کو بتادیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور جمہور علماء کے نزدیک مرسل روایت حجت ہے اگر دارقطنی کے ہاں حجت نہیں ہے تو ہم ان کے اس درد کو کم نہیں کر سکتے ہیں۔

یہ روایت ائمہ احناف کے دونوں دعوؤں کے لئے بہترین دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سری وجہری دونوں نمازوں میں امام کی قرأت مقتدیوں کیلئے کافی ہے۔

(۶) احناف کی چھٹی کی دلیل

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تکفیک قراءة الامام خافت و جهر " (رواه دارقطنی)

بعض نے اس روایت پر منکر کا حکم لگایا ہے لیکن ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت پر فقہاء کے مذہب کی بنیاد عام ہے اور فقہاء کا مسلک جن روایات پر قائم ہو ان روایات کو منکر نہیں کہا جا سکتا ہے یہ روایت ائمہ احناف کے مسلک کے واضح ترین دلائل میں سے ہے اور احناف کے دونوں دعوے اس سے ثابت ہو جاتے ہیں۔

(۷) احناف کی ساتویں دلیل

ائمہ احناف کی ساتویں دلیل ابوداؤد ص ۱۴۰ پر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

"قال فانتهی الناس عن القراءة مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث جہری نماز میں قراءۃ خلف الامام نہ کرنے پر واضح ترین دلیل ہے جو جمہور کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے نیز ابو ہریرہؓ متاخر فی الاسلام ہیں تو شاید یہ روایت قرأت کی باقی احادیث کے لئے ناسخ ہو۔

سوال: اس حدیث پر شوافع کی جانب سے ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ "فانتهی الناس" کا جملہ زہری کا ہے صحابی کا نہیں ہے تو یہ روایت مرسل ہے اور یہ جملہ مرفوع نہیں۔

جواب: احناف اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت ابو ہریرہؓ کا نقل کردہ جملہ ہے اور زہری کا نہیں ہے شوافع کو وہم ہو گیا اور وہم کا قصہ یوں پیش آیا کہ زہری اس روایت کو بیان فرما رہے تھے جب فانتھی الناس تک پہنچے تو آواز پست ہو گئی اور سنائی نہیں دے رہی تھی تو شاگردوں نے ایک دوسرے سے پوچھا قال الزھری؟ یعنی زہری نے کیا کہا جب ان کی آواز پست ہو گئی تو بتانے والے نے بتایا کہ قال الزھری فانتھی الناس تو آئندہ نقل کرنے والوں کو شبہ ہو گیا کہ یہ قول امام زہریؒ کا ہے صحابی کا نہیں ہے۔ حالانکہ ادھر ابوداؤد شریف ص نمبر ۱۴۰ میں تصریح موجود ہے کہ "قال قال ابو ھریرۃ فانتھی الناس" دوسرا جواب یہ ہے کہ چلو مرسل ہے تو کیا ہوا؟ جمہور تو مرسل کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں یہ روایت بھی ہمیں قبول ہے اس روایت سے بھی احناف کا ایک دعویٰ ثابت ہو رہا ہے کہ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے سے لوگ رک گئے اور باز آ گئے۔

(۸) احناف کی آٹھویں دلیل

احناف کی ایک مضبوط دلیل حضرت ابوبکرہؓ کی روایت اور ان کا واقعہ ہے جنہوں نے مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت حضور اکرم ﷺ کو رکوع میں پایا اور وہیں دروازہ سے نیت باندھی اور رکوع کی حالت میں صف کی طرف دوڑتے ہوئے پہنچے نماز سے فراغت کے بعد آپؓ نے حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا "زادک اللہ حرصاً ولا تعد" (رواہ البخاری) آنحضرت ﷺ نے ان کو نماز لوٹانے کا نہیں فرمایا بلکہ شوق بڑھنے کی دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی طرف تیرے شوق میں اضافہ کرے آئندہ ایسا نہ کرو بلکہ صف کے ساتھ شامل ہو کر تکبیر تحریمہ ادا کرو جو نماز مل گئی اسے پڑھو اور جو قضا ہو گئی اس کو ادا کرو امام بخاری نے اس حدیث کو بخاری میں نقل کیا ہے۔ حدیث کے اس واقعہ میں شوافع کوئی تاویل نہیں کر سکتے اور یہ ایک مضبوط دلیل ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ فرض چھوڑنے سے نماز کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ دراصل یہاں ایک اصل اور ضابطہ کارفرما ہے جس نے شوافع کو اس طرح مسلک اپنانے پر مجبور کر دیا ہے وہ یہ کہ شوافع کے نزدیک امام اور مقتدیوں کے درمیان نماز میں اتحاد نہیں ہے بلکہ صرف اشتراک عمل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا عمل ہے اس لئے ہر ایک کو فاتحہ پڑھنا چاہئے امام کا پڑھنا خود اس کے لئے ہے مقتدی کو خود پڑھنا چاہئے لیکن احناف کے نزدیک دونوں کی نماز میں صرف اشتراک عمل نہیں بلکہ اتحاد عمل بھی ہے لہٰذا امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت ہے۔ بہرحال یہ روایت بھی احناف کے دونوں دعوؤں کے لئے دلیل ہے۔

(۹) احناف کی نویں دلیل

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اور اس میں فاتحہ نہ پڑھے تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی "الا ان یکون وراء الامام" یعنی ہاں اگر امام کے پیچھے ہو تو پھر فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے (ترمذی طحاوی اور مؤطا مالک میں اس روایت کو نقل کیا ہے)۔ یہ روایت احناف کے لئے سری اور جہری دونوں نمازوں کے لئے بالکل واضح دلیل ہے۔

(۱۰) احناف کی دسویں دلیل

احناف کی دسویں دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ مشہور حدیث ہے جس کو شوافع حضرات اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ احناف کی دلیل ہے اس کے چند الفاظ یہ ہیں: "وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج ثلاثا غیر تمام"۔ (مسلم شریف)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے نمازی کی نماز کو ناقص قرار دیا ہے باطل نہیں فرمایا اگر فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر نماز باطل ہو جاتی۔

سوال: اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اے احناف! تم خود مانتے ہو کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے تو تم ناقص نمازوں کو کیوں پڑھتے ہو؟ اور اس نقصان اٹھانے پر اتنا زور کیوں دیتے ہو؟

جواب: نماز پر کئی دور آئے ہیں ایک وقت ایسا تھا جبکہ نماز میں باتیں کرنے کی اجازت تھی پھر وہ حکم موقوف ہو گیا اور امام کے ساتھ ساتھ جہری نمازوں میں قرآن پڑھنا باقی رہ گیا پھر یہ حکم موقوف ہو گیا اور سرّی نمازوں میں پڑھنا رہ گیا پھر یہ بھی موقوف ہوا اور صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم باقی رہ گیا جو اوپر حدیث میں مذکور ہے پھر یہ حکم موقوف ہو گیا اور امام کی قرأت کو مقتدیوں کے لئے کافی قرار دیا گیا باقی روکا گیا تو جب امام کا پڑھنا حکمی طور پر مقتدیوں کا پڑھنا ہے تو اب یہ نقصان ختم ہو گیا لہٰذا مقتدی کا فاتحہ پڑھے بغیر نماز ناقص نہیں ہے۔

قراءت خلف الامام نہ کرنے پر صحابہ کے فتوے

حضرت ابن مسعودؓ سے علقمہؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کاش اس آدمی کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ (رواہ طحاوی باسناد حسن)

اسی طرح عطاء بن یسارؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کچھ نہ پڑھا کرو۔ (طحاوی ص ۱۵۱)

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ چونکہ امام اور مقتدی دونوں کی نماز میں وحدت واتحاد آگئی ہے کیونکہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ ان کی اقتدا اور اتباع کی جائے امام کی نماز ضامن ہے اور مقتدی کی نماز متضمن ہے۔ اب اگر مقتدی بھی پڑھنا شروع کر دے تو یہ اصول اقتداء اور اصول اتباع کے خلاف ہے مگر یاد رہے یہ قاعدہ صرف قرآن پڑھنے کے متعلق ہے کیونکہ قرآن کے متعلق (استمعوا وانصتوا) کا حکم آیا ہے قرآن کے علاوہ دیگر اذکار کا امام کے پیچھے پڑھنا منع نہیں ہے۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ مثلاً ایک جرگہ اور معزز وفد بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ پہلے سب کے سب بادشاہ کے حضور میں حاضری کے وقت سلام وغیرہ آداب بجالاتے ہیں پھر سب ملکر اپنے ایک ساتھی کو بات پیش کرنے کا وکیل بناتے ہیں اور وکیل کی بات سب کی بات ہوتی ہے بادشاہ

کے سامنے سب کا بولنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے پھر جب وکیل درخواست پیش کرتا ہے تو وفد کے دیگر ارکان اس کی تائید کرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح صف میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سب نمازی ''ثنا'' پڑھتے ہیں پھر خاموش ہو کر ایک امام درخواست پیش کرنے کے لئے فاتحہ پڑھتا ہے آخر میں تمام مقتدی اس درخواست پر آمین کہہ کر دستخط کرتے ہیں اور اس مضمون کی تائید کرتے ہیں اب یہاں سب کے پڑھنے سے اصول وکالت اور اصول اقتداء پامال ہونے کا خطرہ ہے۔ ادھر درخواست میں چونکہ ہدایت کی استدعا کی گئی ہے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھو یہی ہدایت ہے اس لئے امام سورۃ ملا کر قرآن پڑھتا ہے اور جب درخواست قبول ہو جاتی ہے تو سب بیٹھ کر بطور شکر التحیات پڑھتے ہیں اور پھر رخصتی سلام کر کے واپس آجاتے ہیں۔

ایک لطیف مباحثہ

امام موفق احمد مکی نے کتاب مناقب ابی حنیفہ لکھی ہے اس میں آپ نے ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ قرأت خلف الامام پر بعض علماء نے مباحثہ کیا آپ نے فرمایا کہ بحث و مناظرہ کے لئے ایک جماعت تشکیل دو انہوں نے ایک جماعت بنائی امام صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے بحث میں سب بات کرو گے یا ایک کرے گا؟ انہوں نے کہا بات ایک کرے گا آپ نے فرمایا کہ بات کرنے کے لئے جس کو تم منتخب کرو گے اس کی بات سب کی بات ہوگی یا ان کی اپنی بات ہوگی؟ وفد نے کہا کہ نہیں وہ ہمارا نمائندہ اور وکیل ہوگا ان کی بات سب کی بات ہوگی امام صاحب نے فرمایا کہ بس مناظرہ ہو گیا ان میں سے جو کم فہم تھے انہوں نے شور کیا کہ نہیں اب مناظرہ کرنا ہے مگر ان کے ماہرین نے کہا کہ بس کرو چلے جاؤ تم ہار گئے ہو اور شکست کا تم نے اقرار کر لیا ہے۔ (مناقب ابی حنیفہؒ)

گویا امام ابو حنیفہؒ نے ان کو عملی طور پر بتا دیا کہ جب میرے سامنے ایک ہی وکیل بات کرے گا اور ان کی بات سب کی طرف سے سمجھی جائے گی اور سارے نہیں بولیں گے تو یہی ضابطہ و قاعدہ نماز کے متعلق بھی ہے نماز میں اس سے کیوں انحراف کیا جاتا ہے علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں ایک بادشاہ اور اس کے پاس جانے والے وفد کا ذکر کیا ہے کہ مثلاً وفد کے تمام ارکان نے اگر بولنا شروع کیا تو بادشاہ کتنا ناراض ہوگا اور کہہ دیگا کہ کیا وفد کے سربراہ کا کلام سب کا کلام نہیں ہے؟ ہر ایک یہی کہے گا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول مذکور ہے۔ کہ اسلام میں پہلی بدعت یہ شروع ہوگئی کہ لوگوں نے امام کے پیچھے پڑھنا شروع کر دیا (کذا فی الجوہرۃ النقی) بظاہر اس عبارت کا مقصد جہری نمازوں میں پڑھنا بدعت ہے سری نماز میں نہیں اور اس پر امام شافعیؒ کی ایک عبارت دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں:

''نحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام یقرأ قراءۃ لا یسمع فیها قرأ فیها''۔ (کتاب الام ج، ص ۱۵۳)

یعنی ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے ادا کی جائے اور امام ایسی قرأت کر رہا ہو جو سنی نہیں جا سکتی ہو (یعنی سری قرأت) تو ایسی صورت میں مقتدی قرأت کرے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کا قول جدید امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی طرح ہے کہ جہری قرأت میں امام کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے صرف سری نماز میں پڑھنا چاہئے۔

شوافع کے دلائل کے جوابات

شوافع حضرات کے دلائل کے ضمن میں تین مشہور حدیثیں پیش کی گئی ہیں اسی کا جواب دیا جارہا ہے شوافع حضرات نے زیر بحث حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اس کا ایک جواب تو پہلے دیا جاچکا ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی ہے فرضیت کے ثبوت کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص کی ضرورت ہے جو یہاں نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے جو روایت صحیحین میں منقول ہے کہ **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اس سے قرأت خلف الامام پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس روایت میں قطعاً یہ تصریح موجود نہیں ہے کہ یہ نماز منفرد کی ہے یا امام کی ہے یا مقتدی کی ہے اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہے تو اسکے متعلق ہم بھی کہتے ہیں کہ منفرد اور امام کی نماز فاتحہ کے بغیر درست نہیں ہے۔ قرأت خلف الامام کی اس قسم کی تمام روایات کی اسی طرح توجیہ امام احمد بن حنبلؒ نے کی ہے اور اسی طرح جواب حضرت سفیان ثوریؒ نے دیا ہے کہ اس طرح کی روایات امام یا منفرد کے بارے میں ہیں سفیان ثوریؒ کا قول ابوداؤد ص ۱۱۹ پر ہے اور احمد بن حنبلؒ کا قول ترمذی ص ۵۰ پر مذکور ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول ابن قدامہ نے المغنی میں نقل کیا ہے عبارت مزیدار ہے اس لئے ہدیہ ناظرین کررہا ہوں۔

''قال احمد ماسمعنا احداً من اھل الاسلام یقول ان الامام اذا جھر بالقراءۃ لاتجزئی صلوٰۃ من خلفہ اذا لم یقرأ، وقال ھذا النبی ﷺ واصحابہ فی المدینۃ، وھذا مالک فی اھل الحجاز وھذا الثوری فی اھل اعراق وھذا الاوزاعی فی الشام وھذا اللیث فی اھل المصر، ماقالوا الرجل صلی وقرأ امامہ ولم یقرء ھو، صلوتہ باطل''۔

اس پُر مغز کلام کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا جو یہ کہتا ہے کہ اگر امام جہری آواز کے ساتھ قرأت کررہا ہو اور مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز نہیں ہوتی پھر فرمایا کہ ذرا دیکھ لو یہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ مدینہ میں موجود ہیں اور یہ امام مالکؒ حجاز میں موجود ہیں یہ سفیان ثوریؒ عراق میں ہیں وہ دیکھو اوزاعیؒ شام میں ہیں اور لیث بن سعدؒ مرکز علم مصر میں ہیں یہ سب حضرات اس شخص کی نماز کو باطل نہیں کہتے جس کا امام قرأت کررہا ہو اور وہ خود قرأت نہ کرتا ہو۔ (المغنی)

امام ترمذیؒ نے بھی فاتحہ خلف الامام کے نہ پڑھنے والے کی نماز کو صحیح کہا ہے اور فرمایا کہ جو لوگ نماز کے فاسد ہونے کی بات کرتے ہیں وہ تشدد سے کام لیتے ہیں اور پھر فرمایا کہ احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ عبادہ بن صامتؓ کی روایت منفرد کے بارے میں ہے۔

عبادہ بن صامتؓ کی اس روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ''لاصلوٰۃ'' میں لام کا کلمہ نفی کمال کے لئے ہے جس طرح مندرجہ ذیل احادیث میں لا نفی کمال کے لئے ہے، مثال کے طور پر۔

لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد ایمان لمن لاعھد لہ، لیس المسکین الذی تردہ التمرۃ والتمرتان، لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ لایؤمن من یشبع وجارہ جائع۔ ان سارے جملوں میں ''لا'' کا کلمہ نفی کمال کے لئے ہے۔

بہرحال حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث میں اصل صلوٰۃ کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی ہے جو ہم بھی کہتے اور مانتے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ

حدیث بہت قوی ہے مگر مدعا پر نص نہیں ہے حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی ایک روایت وہ ہے جو سنن ترمذی اور ابوداؤد میں مذکور ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ ص ۸۱ پر نقل کیا ہے اس حدیث میں قصہ بھی ہے اور وہ اپنے مدعا پر صریح نص بھی ہے لیکن وہ حدیث ثبوت کے اعتبار سے کمزور ہے اسی کمزوری کی وجہ سے امام ترمذی ؒ نے اس کو صرف حسن کا درجہ دیا ہے اور بخاری و مسلم نے نقل ہی نہیں کیا کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ مکحول کبھی محمود بن ربیع سے نقل کرتا ہے کبھی درمیان میں نافع کا واسطہ ذکر کرتا ہے کبھی مکحول اور عبادہ بن صامت ؓ کے درمیان ایک واسطہ آتا ہے کبھی دو واسطے آتے ہیں نیز یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ ؓ جس دور میں فاتحہ کا ذکر فرماتے ہیں یہ دوسرا دور تھا بعد میں تیسرا دور جب آیا تو یہ حکم موقوف ہو گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ نماز پر تغیرات کے تین دور آئے ہیں۔

نیز علماء اصول کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ نہی کے بعد جو استثناء آتا ہے وہ اباحت کا فائدہ دیتا ہے یعنی امر بعد الحظر اباحت کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا فاتحہ کی فرضیت اس سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ (کذا قال الشیخ گنگوہی)

الزامی جواب یہ کہ حضرت عبادہ ؓ کی زیر بحث روایت میں بعض طرق میں "فصاعدا" اور "مازاد" اور "ماتیسر" کے الفاظ بھی آئے ہیں حالانکہ شوافع حضرات مقتدی پر ضم سورۃ واجب نہیں کرتے ہیں صرف فاتحہ فرض کرتے ہیں تو آدھی حدیث پر عمل ہے آدھی پر عمل نہیں ہے یہاں تک شوافع حضرات کے دو دلائل کا ایک ساتھ جواب ہو گیا۔ ان کی تیسری دلیل حضرت ابوہریرہ ؓ کی وہ روایت ہے جس میں فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج قرار دیا ہے اور حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا کہ دل میں پڑھا کرو مگر فاتحہ نہ چھوڑا کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ روایت تو احناف کی دلیل ہے جو فاتحہ کو واجب کہتے ہیں شوافع تو فاتحہ کو فرض سمجھتے ہیں اگر فاتحہ فرض ہے تو پھر نماز ناقص کہاں ہوئی پھر تو باطل ہو گئی۔ پھر بھی احناف اس کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ سفیان ثوری ؒ اور احمد بن حنبل ؒ اس حدیث کو منفرد کے لئے قرار دیتے ہیں باقی "اقرأ في نفسک" کا مطلب یہ ہے کہ دل میں فاتحہ کا تصور کرو اور اس کے معانی میں غور کرو ورنہ دل سے قرأت نہیں ہوتی بلکہ کسی کے ہاں وہ قرأت معتبر نہیں ہے جس کے الفاظ زبان پر چڑھ نہ جائیں۔ باقی بطور الزام ہم شوافع حضرات سے پوچھتے ہیں کہ مقتدی فاتحہ کس وقت پڑھے گا اگر تم کہتے ہو کہ ثنا کے وقت پڑھے تو امام شافعیؒ نے کتاب الام میں واضح طور پر اس کو منع کیا ہے اگر تم کہتے ہو کہ سکتات میں پڑھے یعنی جب امام فاتحہ کے ختم ہونے پر سکتہ کرے یا کسی اور وقت سکتہ کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام پر کوئی سکتہ واجب نہیں ہے اگر امام بیچ میں سکتہ نہ کرے تو تم کیا کرو گے اور اگر آمین کے وقت سکتہ میں پڑھو گے تو وہاں اتنا وقت نہیں کہ فاتحہ ہو جائے اگر امام مقتدی کا انتظار کرنے لگا تو پھر وہ پیش امام نہیں رہے گا بلکہ پیش امام بن جائے گا کیونکہ یہ امام نماز میں مقتدی کی تابعداری کر رہا ہے اور یہ قلب موضوع ہے تو خدارا تم بتاؤ کہ مقتدی جہری نماز میں فاتحہ کس وقت پڑھے؟۔

بہرحال جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ فحول علماء کی تحریرات کی روشنی میں لکھا ہے میں کسی حدیث کی بے ادبی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے التجا کرتا ہوں کہ اے میرے مولیٰ! میرے قلم کو بے ادبی، گستاخی اور دانستہ اور غیر دانستہ غلطی سے بچائے یہ حق و باطل کا مسئلہ نہیں ہے احادیث کی روشنی میں اجتہادی نقطہ نظر سے اختلاف ہے۔ اے اللہ ہماری دنیا و آخرت کی حفاظت فرما۔ (آمین یارب العالمین)

۸۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔''

۸۷۵۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْتَرِئْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ام القرآن نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔''

۸۷۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ مَحْمُودَ بْنَ الرَّبِيعِ، الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ مِنْ بِئْرِهِمْ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے ام القرآن نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

(؟؟؟)وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ فَصَاعِدًا

حضرت معمرؒ ابن شہاب زہریؒ سے یہی روایت اسی سند کے نقل کرتے ہیں، مگر اس میں فَصَاعِدًا (کچھ اور زائد نہ پڑھے) کا اضافہ ہے۔

۸۷۷۔ وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ .فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ: اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ ؛ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، قَالَ: مَجَّدَنِي عَبْدِي – وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي – فَإِذَا قَالَ: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ قَالَ: هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ: اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، قَالَ: هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ "قَالَ: سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي بِهِ الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمنِ بْنِ يَعْقُوبَ، دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَرِيضٌ فِي بَيْتِهِ .فَسَأَلْتُهُ أَنَا عَنْهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: ''جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص اور ادھوری ہے۔'' تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم لوگ تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں (تو اس کی اتباع کی وجہ سے اس کے پیچھے فاتحہ کیسے پڑھ سکتے ہیں؟) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے دل میں فاتحہ پڑھو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے اور میرا بندہ جو مانگتا ہے اس کو دیا جاتا ہے، جب بندہ: ''الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب وہ ''الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثنا و صفت بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے: ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا۔ جب وہ کہتا ہے: ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے نے جو مانگا، اسے دیا گیا۔ جب وہ کہتا ہے: ''اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو مانگا اسے دیا گیا۔ سفیانؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے علاء بن عبد الرحمٰن بن یعقوب نے اس وقت بیان کی جب میں ان کی بیماری کے دوران ان کے گھر گیا تھا اور ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا۔

تشریح:

"فقیل لابی هریرةؓ" یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم سنایا تو ایک ثقہ تابعی انصاری عبد اللہ بن سائب یا ابو سائبؒ نے سوال کیا کہ ہم جب امام کے پیچھے کھڑے ہوں تو اس وقت فاتحہ کیسے پڑھیں گے، کیونکہ جہری نماز میں تو سننا پڑتا ہے، بولنا نہیں پڑتا؟ اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دل میں پڑھو۔ اس سوال اور اس جواب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کا ایک منظر سامنے آتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے کو عام صحابہ رضی اللہ عنہم معروف نہیں، بلکہ غیر معروف سمجھتے تھے، ورنہ اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک اجتہادی انداز سے جواب دیا ہے کہ فاتحہ دل میں پڑھا کرو۔ اس جواب سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہری نماز میں فاتحہ پڑھنا ممکن نہیں ہے کہ دل سے پڑھنے کو کسی نے پڑھنا نہیں کہا ہے۔ اس کو سوچنا، غور کرنا اور تدبر کہہ سکتے ہیں۔ اسی اجتہاد کے انداز سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آگے حدیث نقل فرمائی ہے اور بتانے کی یہ کوشش کی ہے کہ اس حدیث میں فاتحہ پر "صلوٰۃ" کا اطلاق کیا گیا ہے، لہٰذا جس نے فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہ بھی اجتہاد ہے، وگرنہ بات وہی ہے کہ فاتحہ پڑھنا کب ہے؟ پڑھنے میں

جب تک حروف زبان پر آ کر ادا نہ ہو جائیں اور زبان اور ہونٹ حرکت نہ کریں، اس کو کوئی بھی قرأت نہیں کہتا۔ یہ صرف دل سے سوچنا ہے اور دل سے سوچنے کو پڑھنا نہیں کہتے ہیں۔ میں نے جو یہ لکھا ہے یہ فتح الملہم کی اس عبارت کا خلاصہ ہے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالے سے علامہ عثمانیؒ نے نقل کیا ہے۔

۸۷۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا السَّائِبِ، مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس سند سے بھی سابقہ روایت مروی ہے۔

۸۷۹۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ، أَنَّ أَبَا السَّائِبِ، مَوْلَى بَنِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى صَلَاةً فَلَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ بِمِثْلِ حَدِيثِ سُفْيَانَ وَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نماز ادا کی اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، باقی حدیث سفیانؒ کی روایت ہی کی طرح ہے، لیکن اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے۔

۸۸۰۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْمَعْقِرِيُّ، حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُوَيْسٍ، أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ، قَالَ: سَمِعْتُ مِنْ أَبِي، وَمِنْ أَبِي السَّائِبِ، - وَكَانَا جَلِيسَيْ أَبِي هُرَيْرَةَ -، قَالَا: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَهِيَ خِدَاجٌ يَقُولُهَا ثَلَاثًا بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بغیر فاتحہ کتاب کے بغیر نماز پڑھی تو ایسی نماز ادھوری اور ناقص ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا۔''

تشریح:

''جلیسی ابی هریرة'' یعنی یہ دونوں راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور مجلس کے ساتھی تھے۔ ایک کا نام عبد الرحمٰن تھا جو ''العلاء'' کے والد تھے اور دوسرے کا نام ابو سائب تھا، جو مسلم میں ہے۔ بعض نے عبد اللہ بن سائب بتایا ہے۔ سوال اسی نے کیا ہے۔ یہ نہایت معتمد اور ثقہ راوی ہیں، جو انصار مدینہ میں سے ہیں۔

''خداج'' الخداج هو النقص ای صلوته ذات نقص، من خدجت الناقة اذا القت ولدها قبل وقته وان تم خلقه یعنی علامہ اُبی مالکی وشتانی لکھتے ہیں کہ خداج نقصان کو کہتے ہیں۔ یہ اونٹنی کے اس بچے کے بارے میں عرب کہتے ہیں جب کہ وہ

وقت سے پہلے بچے کو پیدا کرے۔ اگر چہ بچہ جسمانی طور پر پورا ہو چکا ہو۔ حدیث میں غیر تام اسی کی تفسیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز میں نقصان آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔

"ثلاثاً" یعنی تین بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خداج کا لفظ استعمال فرمایا۔

۸۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَمَا أَعْلَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَنَّاهُ لَكُمْ، وَمَا أَخْفَاهُ أَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بغیر قرأت کے نماز نہیں ہے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے پڑھا، وہ ہم نے تمہارے سامنے بلند آواز سے پڑھ دیا اور جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ (آہستہ) پڑھا، اسے ہم نے بھی آہستہ پڑھا۔

تشریح:

"فما أعلن لنا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جس حصہ کو ظاہر کر کے پڑھا، بلند آواز سے پڑھا، ہم اس حصہ کو تمہارے سامنے ظاہر کر کے پڑھتے ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ رکھا، ہم بھی اس کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ آنے والی روایت میں "اسمعنا" کا لفظ آیا ہے، جس میں مزید وضاحت ہے۔

۸۸۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، - وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو -، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فِي كُلِّ الصَّلَاةِ يَقْرَأُ، فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَسْمَعْنَاكُمْ، وَمَا أَخْفَى مِنَّا، أَخْفَيْنَا مِنْكُمْ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: إِنْ لَمْ أَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ؟ فَقَالَ: إِنْ زِدْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنِ انْتَهَيْتَ إِلَيْهَا أَجْزَأَتْ عَنْكَ۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ نماز میں ہر رکعت میں تلاوت کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمیں سنایا (جہراً تلاوت کر کے) وہ ہم نے تمہیں بھی سنا دیا اور جو سراً (آہستہ) پڑھا وہ ہم نے بھی آہستہ پڑھ دیا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں سورۂ فاتحہ سے زائد کچھ نہ پڑھوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر زیادہ پڑھو گے تو یہ بہت اچھی بات ہے اور اگر فاتحہ پر انتہا کر دی تو یہ بھی تمہارے واسطے کافی ہے۔

۸۸۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ، عَنْ حَبِيبٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فِي كُلِّ صَلَاةٍ قِرَاءَةٌ فَمَا أَسْمَعَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَسْمَعْنَاكُمْ، وَمَا أَخْفَى مِنَّا، أَخْفَيْنَاهُ

مِنْكُمْ، وَمَنْ قَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ فَقَدْ أَجْزَأَتْ عَنْهُ، وَمَنْ زَادَ فَهُوَ أَفْضَلُ۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر نماز میں قرأت ہے، پس جو قرأت ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنائی، وہ ہم نے تمہیں بھی سنائی (مقصد یہ ہے کہ جو قرأت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز جہراً کرتے وہ ہم بھی جہراً کرتے ہیں) اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے مخفی رکھی وہ ہم نے بھی مخفی رکھی (جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراً اور آہستہ آواز سے کی، وہ ہم نے بھی آہستہ کی) جس نے سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو وہ اس کے لیے کافی ہے اور اس سے زائد پڑھنا افضل ہے۔

تشریح:

"من زاد فهو أفضل" فاتحہ پڑھنے کے بعد ضم سورت کا مسئلہ یہ ہے کہ شوافع حضرات ضم سورت کو نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سنت قرار دیتے ہیں۔ حنابلہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے۔ علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں: "و العجب ان الشافعية و من نحا نحوهم كيف يقولون بفرضية الفاتحة ولا يوجبون ضم السورة مع أن حديث الباب قد صح فيه زيادة "فصاعدا" عند مسلم و النسائي" (فتح الملهم)

ائمہ احناف نماز کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد ضم سورت کو واجب کہتے ہیں اور اخریین میں اختیار ہے کہ خاموش رہے یا تسبیحات پڑھے یا صرف فاتحہ پڑھے۔ امام مالکؒ کے ہاں بھی ضم سورت اولیین میں واجب ہے، مگر اخریین میں مکروہ بتاتے ہیں۔ بہر حال احناف کے ہاں منفرد اور امام اخریین میں فاتحہ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں ایک ضابطہ لکھا ہے، جس کا اردو ترجمہ اور خلاصہ اس طرح ہے: "فصاعداً" کا جو لفظ ہے، یہ اپنے سے ماسبق کلام کے مفہوم کو اپنے سے مابعد کی طرف کھینچ کر لاتا ہے، اگر پہلے کلام کا حکم واجب ہے تو بعد کا حکم بھی واجب ہوگا اور اگر پہلے کلام کا حکم کچھ اور ہوگا تو دوسرے کا بھی وہی ہوگا، لہٰذا ہر مقام کے مناسب حکم آئے گا، خواہ وجوب کا ہو یا استحباب کا ہو یا اباحت کا ہو۔ (انتھیٰ)

حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شوافع فاتحہ کو فرض کہتے ہیں تو ضم سورت کو بھی فرض کہنا چاہیے اور احناف اولیین میں فاتحہ کو واجب کہتے ہیں تو ضم سورت بھی واجب ہے اور اخریین میں کچھ واجب نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

نماز میں تعدیل ارکان کا مسئلہ

۸۸٤۔حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ قَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلَّى كَمَا كَانَ صَلَّى، ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .فَقَالَ الرَّجُلُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَ هٰذَا عَلِّمْنِي، قَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار مسجد میں داخل ہوئے تو ایک اور آدمی مسجد میں آیا اور نماز پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد وہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس) آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ لوٹ جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ واپس گیا اور (دوبارہ) ایسے ہی نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام پھر فرمایا واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے، یہاں تک کہ تین بار اسی طرح ہوا، بالآخر اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس سے زیادہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھ سکتا، آپ سکھا دیجئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ، پھر حسب توفیق قرآن کریم کی تلاوت کر، پھر رکوع کر، یہاں تک کہ پورے اطمینان سے جھک جائے، پھر پورے اطمینان سے سجدے میں چلا جا، پھر سجدے سے سر اٹھا اور اطمینان سے جلسہ میں بیٹھ جا اور پھر پوری نماز میں اس طرح کرتا رہ۔

تشریح:

"فدخل رجل" یعنی مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا۔اس شخص کا نام خلاد بن رافع انصاریؓ ہے۔یہ بدری صحابی ہیں اور بدر ہی میں شہید ہوئے ہیں، لہٰذا یہ قصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔اس حدیث کو "حدیث المسیء للصلوٰۃ" کا نام دیا جاتا ہے۔

"فصلی" اس نماز سے تحیۃ المسجد کی نماز مراد ہے اور اس وقت صحابہ کرامؓ تحیۃ المسجد کے بعد آکر ادب کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتے تھے۔

"فانک لم تصل" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاد بن رافع انصاریؓ کو نماز کے اعادہ کا حکم اس لیے دیا کہ انہوں نے رکوع، سجود، جلسہ اور قومہ میں تعدیل ارکان نہیں کی تھی۔ "ارجع فصل فانک لم تصل" یعنی جاؤ دوبارہ نماز پڑھو۔

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خلاد بن رافعؓ نماز پڑھنے میں غلطی کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی غلطی نہیں بتائی، بلکہ اس طرح نماز پڑھنے کا بار بار حکم دیا، یہ تقریر علی الخطاء ہے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف سے تقریر علی الخطاء محال ہے، ایسا کیوں ہوا؟

جواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو حکم دیا کہ تمہاری نماز ٹھیک طرح ادا نہیں ہوئی، جا کر پھر صحیح طرح پڑھو، نماز کے اعادہ کا یہ حکم تقریر علی الخطاء نہیں ہے، بلکہ تنبیہ علی الخطاء ہے۔

سوال: یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس صحابی کو صحیح طریقہ کیوں نہ بتایا، تیسری بار تک نماز دہرانے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا یہ شخص یہ غلطی عدم علم کی وجہ سے کررہا ہے یا غفلت کی وجہ سے ایسا ہورہا ہے۔ جب خوب معلوم ہوا کہ یہ غلطی عدم علم کی وجہ سے ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سے سمجھا دیا اور صحیح طریقہ بتا دیا۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بار بار نماز دہرانے کا حکم اس لیے دیا کہ بار بار غلطی کرنے کے بعد جب صحیح طریقہ ان کو سمجھایا جائے گا تو وہ اوقع فی النفس ہوگا اور وہ ایسا سیکھ لے گا کہ پھر کبھی غلطی نہیں کرے گا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاد بن رافع ؓ کے مطالبہ پر ان کو صرف نماز نہیں، بلکہ وضو سے لے کر نماز کے تمام ارکان کو تفصیل سے بتا دیا اور امت کے سامنے صحیح نماز پڑھنے کا پورا طریقہ آگیا، حالانکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صحابی ؓ کی غلطی کا علم دیکھنے والے صحابہ ؓ کو بھی نہیں ہوا۔ (کما فی فتح الملهم)

"ثم اقرأ" یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد قرآن پڑھو، جو حصہ قرآن کا تمہیں آسان لگے وہی پڑھا کرو۔ یہ فریضہ قرأت کی طرف اشارہ ہے اور الفاظ کا انداز ایسا ہے کہ مطلق قرأت فرض ہے۔ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے، اگرچہ مسند احمد اور سنن بیہقی اور ابن حبان میں "ثم اقرأ بأم القرآن" کے الفاظ آئے ہیں۔

"حتی تطمئن راکعاً" نماز کے ہر رکن کو اس کی اپنی جگہ ادا کرنا اور ہر رکن میں اتنی مقدار تک ٹھہرنا کہ جسم کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر سیدھا ہوجائے، اس کو تعدیل کہتے ہیں۔

تعدیل ارکان میں فقہاء کا اختلاف

اس میں تمام فقہائے کرام ؒ کا اتفاق ہے کہ رکوع اور سجدہ قومہ اور جلسہ میں تعدیل کرنا چاہیے اور ٹھہر ٹھہر کر ہر رکن کو ادا کرنا چاہیے، لیکن اختلاف اس میں ہوا ہے کہ اس تعدیل کی حیثیت کیا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے، مگر امام شافعیؒ اور قاضی ابو یوسفؒ ایک بار سبحان اللہ کی مقدار تک ٹھہرنے کو فرض کہتے ہیں اور امام احمدؒ تین بار سبحان اللہ کی مقدار تک ٹھہرنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔

امام مالکؒ کا مسلک یہاں واضح نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں، بلکہ واجب ہے۔

دلائل:

جمہور نے تعدیل ارکان کی فرضیت پر حضرت خلاد بن رافع انصاریؓ کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔اس حدیث میں اعادۂ نماز کا حکم ہے جو فرضیت کی دلیل ہے، نیز اس میں "فانك لم تصل "میں نماز کی بالکل نفی کردی ہے۔ یہ بھی فرضیت کی دلیل ہے۔اسی طرح اس حدیث میں طمانیت کا حکم اور امر کیا ہے اور مطلق امر فرضیت کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح ترمذی کی ایک اور روایت ہے، جس کے الفاظ اس طرح ہیں:"لا تجزئی صلوۃ لا یقیم الرجل فیھا یعنی صلبه فی الرکوع والسجود" اس سے بھی جمہور نے تعدیل کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ قرآن کریم کی آیت ﴿وارکعوا واسجدوا﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔طرز استدلال اس طرح ہے کہ سجدہ "وضع الجبهة علی الارض" کا نام ہے اور رکوع مطلق انحناء کو کہتے ہیں، اب اس پر تعدیل ارکانؒ کا اضافہ خبر واحد سے آیت پر اضافہ ہے، جو مناسب نہیں ہے، لہٰذا مطلق رکوع وسجدہ فرض ہے اور تعدیل ارکان بوجہ حدیث واجب ہے۔ نیز فرض کے ثبوت کے لیے نص قطعی الثبوت والدلالۃ کی ضرورت ہے اور یہاں حدیث قطعی الثبوت نہیں، اگرچہ قطعی الدلالۃ ہے تو ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ نص سے فرض نہیں، بلکہ واجب ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح احناف کی دوسری دلیل مسند احمد اور طبرانی کی وہ روایت ہے، جس میں نماز سے سرقہ کا بیان ہے، الفاظ یہ ہیں۔

"ان اسواء السرقة من یسرق من صلوۃ قالوا کیف یسرق من صلوته قال لایتم رکوعها و لا سجودها"

اس حدیث میں تعدیل ارکان نہ کرنے والے شخص کو نماز کا چور بتلایا گیا ہے، لیکن اس کی نماز کو باطل نہیں کہا گیا۔ یہ وجوب کی دلیل ہے، کیونکہ اگر تعدیل فرض ہوتی تو فرض کے چھوٹنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، حالانکہ بطلان کا حکم نہیں لگا۔

جواب: احناف نے حضرت خلاد بن رافعؓ کی روایت کا محمل بتانے کے لیے کئی جواب دیئے ہیں۔اول جواب یہ کہ ترمذی میں خلاد بن رافعؓ کی حدیث کے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

"اذا فعلت ذلك فد تمت صلوتك وان انتقصت منه شیئا انتقصت من صلوتك"

امام ترمذیؒ اس حدیث پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"کان هذا اهون علیهم من الاولیٰ انه من انتقض ذلك شیئا انتقص من صلوته ولم تذهب کلها" (ترمذی)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "انك لم تصل" سے پریشانی ہوئی کہ تعدیل نہ کرنے سے نماز فوت ہوجاتی ہے، لیکن جب آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی تو صحابہؓ کو تسلی ہوئی کہ نماز بالکلیہ نہیں جاتی، بلکہ ناقص ہوجاتی ہے۔اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔جمہور کی دلیل "انك لم تصل "کا احناف دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ نفی کمال کی ہے، اصل نماز کی نفی مراد نہیں ہے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف درحقیقت اعتقاد کا اختلاف ہے کہ وہ فرض کہتے ہیں اور ہم تعدیل کو واجب کہتے ہیں، ورنہ عمل کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ترک واجب سے احناف کے نزدیک بھی نماز کا اعادہ لازم ہے۔اختلاف کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ احناف دلائل کے تفاوت کی وجہ سے فرض اور واجب

میں فرق کرتے ہیں اور دوسرے ائمہ کے ہاں واجب کا درجہ زیادہ واضح نہیں ہے۔ بہرحال احتیاط کے اعتبار سے جمہور کا مسلک بہتر ہے۔ احناف نے تعدیل کو فرض نہیں کہا تو احناف کے عوام نے سمجھ لیا کہ تعدیل کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ پھر انہوں نے تعدیل میں بے اعتدالی شروع کی، چنانچہ افغانستان اور بلوچستان وسرحد کے نمازی تعدیل ارکان میں بہت ہی نقصان کرتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں کئی دلائل سے یہ بات ثابت فرمائی ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں۔ انہوں نے نماز کے کسی فرض یا واجب میں کوتاہی نہیں کی ہوگی، بلکہ کسی سنت اور مستحب کی کوتاہی پر ان کو شدید تنبیہ کی گئی ہے۔

حضرت شاہ انور شاہ کاشمیریؒ کی رائے

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان کے مسئلہ میں جو اختلاف مشہور ہے، یہ اختلاف حقیقی نہیں، بلکہ لفظی ہے، اس لیے کہ تعدیل ارکان کے تین درجے ہیں۔

(۱) پہلا درجہ یہ کہ کسی رکن میں اتنا توقف کرنا کہ جسمانی اعضاء کی حرکت انتقالیہ بند ہو جائے اور ہر عضو کو قرار آجائے، تعدیل ارکان وطمانیت کا یہ درجہ اتفاقی طور پر فرض ہے۔

(۲) دوسرا درجہ یہ کہ کسی رکن میں اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ ایک بار سبحان اللہ کہا جا سکے۔ یہ درجہ سب کے نزدیک واجب ہے۔

(۳) تیسرا درجہ یہ کہ آدمی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک توقف کرے، یہ سنت کا درجہ ہونا چاہیے۔ ان تین درجات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن حضرات نے تعدیل ارکان کو فرض کہا ہے، انہوں نے پہلا درجہ مراد لیا ہے اور جن حضرات نے تعدیل کو واجب کہا ہے، انہوں نے دوسرا درجہ مراد لیا ہے اور جن حضرات نے سنت کہا ہے، انہوں نے تیسرا درجہ مراد لیا ہے، لہٰذا اب کوئی حقیقی اختلاف نہیں رہا، بلکہ صرف لفظی اور تعبیر کا اختلاف رہ گیا۔

"ثم اقرأ ما تیسر معك من القرآن" اس کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں مطلق قران کا پڑھنا فرض ہے اور سورت فاتحہ واجب ہے، ورنہ تعلیم کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتحہ کی تلقین ضرور فرماتے۔

بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ "فاقرء وا ما تیسر من القرآن" تہجد کے بارے میں تھی، جب تہجد کا وجوب ختم ہو گیا تو مطلق قرآن پڑھنے کا حکم بھی موقوف ہو گیا۔ علامہ عثمانیؒ نے جواب دیا ہے کہ وجوب تہجد ایک حکم تھا، اس کے ختم ہونے سے آیت ختم نہیں ہوگی۔ آیت تو قرآن ہے، جو دیگر نمازوں پر صادق ہے۔

۸۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَاحِيَةٍ، وَسَاقَا الْحَدِيثَ بِمِثْلِ هَذِهِ الْقِصَّةِ وَزَادَا فِيهِ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف کو تشریف فرما تھے، آگے سابقہ حدیث (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اس صحابی کو فرمایا:

واپس جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) کی مانند سارا واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو کامل طریقے سے وضو کر پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ۔"

باب نهي المأموم عن جهره بالقرأة خلف امامه

امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت پڑھنے کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۸۸۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، قَالَ سَعِيدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الظُّهْرِ - أَوِ الْعَصْرِ - فَقَالَ: أَيُّكُمْ قَرَأَ خَلْفِي بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا وَلَمْ أُرِدْ بِهَا إِلَّا الْخَيْرَ، قَالَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ تم میں سے کس نے میرے پیچھے سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ (زور سے) پڑھی تھی؟ ایک شخص نے کہا کہ میں نے لیکن پڑھنے سے میرا مقصد صرف نیکی کا حصول تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ تم میں سے کوئی مجھے خلجان میں مبتلا کر رہا ہے (سری نمازوں میں چونکہ آہستہ آہستہ قرأت ہوتی ہے، لہٰذا کسی کے زور سے پڑھنے سے امام کو پڑھنا دشوار ہوتا ہے اور قرأت میں خلل واقع ہوتا ہے، لہٰذا امام کے پیچھے مقتدی کو زور سے پڑھنا جائز نہیں ہے)

تشریح:

"فی صلوۃ الظهر و العصر" اس روایت میں ظہر اور عصر میں شک کے ساتھ روایت آئی ہے، لیکن اس کے بعد دونوں روایتوں میں شک نہیں، بلکہ صلوٰۃ ظہر کو یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہی راجح ہے۔

"ولم ارد بها الا الخير" یعنی میں نے ثواب کے ارادے سے پڑھا ہے، نماز ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھنا ہے۔ شور و شغب سے بھی نہیں پڑھا ہے۔ یہاں سورت "سبح اسم ربك الاعلى" کا تذکرہ ہے تو یہ امر اتفاقی واقعی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ سورت نہیں پڑھنی چاہیے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی سورت ہو، امام کے پیچھے نہیں پڑھنی چاہیے، کیونکہ خود قرآن میں امام کی قرأت کے سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔ امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہے، خواہ سری نماز ہو یا جہری نماز ہو۔ یہاں تو ظہر کی سری نماز کی تصریح موجود ہے۔

"قد علمت" یعنی مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض ایسے ہیں جو میرے پیچھے پڑھتے ہیں، جس سے مجھے تشویش ہوتی ہے۔

"خالجنيها" یہ "نازعنيها" کے معنی میں ہے، یعنی میرے ساتھ پڑھنے میں منازعہ کرتے ہو، میرے منہ سے قرأت چھینتے ہو، چھینا جھپٹی کرتے ہو۔ دیگر روایات میں "منازعہ" کا لفظ بھی آیا ہے۔ تخلیط ومخالطہ کا لفظ بھی آیا ہے۔ التباس کا لفظ بھی آیا ہے، سب

کا معنی ایک ہے، یہاں سری نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پڑھنے سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ایک روحانی اثر تھا، جس طرح ایک ناقص وضو والے مقتدی کے ناقص وضو سے آپ متاثر ہوگئے تھے اور قرأت میں غلطی آگئی تھی، اسی طرح یہاں بھی ایک روحانی اثر ہوا، جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر وانکار کے انداز میں فرمایا کہ "مالی انازع القرآن "اور زیر بحث حدیث میں فرمایا "خالجنیها" روکنے کا یہ انداز اس سے زیادہ ابلغ وصریح ہے، اگر آپ کھلے الفاظ میں فرماتے کہ "لاتقرء وا ورائی" معلوم ہوا سری نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کرنے سے سختی سے روکا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اس مقتدی کی آواز بلند ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا ہے، صرف قرأت کی وجہ سے نہیں کیا، لیکن علامہ عثمانیؒ نے مدلل انداز سے فرمایا کہ یہاں رفع الصوت اور تصادم اصوات کی بات نہیں تھی، کیونکہ یہ جتنے الفاظ ہیں، اس کے مادہ میں رفع الصوت کا کوئی مفہوم نہیں ہے، لہٰذا روکنے کا سبب صرف پڑھنا تھا۔ علامہ اُبی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے اصل قرأت کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ بہرحال ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ یہ حضرات اتنے واضح الفاظ سے کس طرح ایک پوشیدہ معنی نکالتے ہیں، حالانکہ سری نماز میں کوئی آدمی مسجد میں زور زور سے کیسے پڑھ سکتا ہے؟

"وقتادة عن زرارة" اس روایت میں قتادہ عنعنہ کے ساتھ زرارہ سے روایت کرتا ہے، مگر آنے والی روایت میں امام مسلمؒ نے عنعنہ ختم کردیا، کیونکہ قتادہؒ مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے، اس لیے دوسری روایت میں "سمعت زرارة" نقل کیا۔

۸۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ زُرَارَةَ بْنَ أَوْفَى، يُحَدِّثُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ، فَجَعَلَ رَجُلٌ يَقْرَأُ خَلْفَهُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: أَيُّكُمْ قَرَأَ - أَوْ أَيُّكُمُ الْقَارِئُ - فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا، فَقَالَ: قَدْ ظَنَنْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سورہ سبح اسم کی قرأت شروع کردی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کس نے پڑھی یا فرمایا کہ کون پڑھنے والا تھا؟ ایک شخص نے عرض کیا: میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے سمجھا تم میں سے کوئی مجھ سے قرآن چھین (کر مجھے الجھن میں ڈال) رہا ہے (یعنی ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے)

۸۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ .وَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور فرمایا تحقیق میں نے جان لیا کہ تم میں سے کوئی مجھے قرأت میں الجھا رہا ہے۔

باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی دلیل کا ثبوت

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۸۸۹ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، كِلَاهُمَا عَنْ غُنْدَرٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: " صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (زور سے) پڑھتے ہوں۔

تشریح:

"فلم اسمع احداً" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق، فاروق وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، مگر میں نے ان میں سے کسی سے نہیں سنا کہ انہوں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی ہو۔ ان احادیث سے بالکل واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ نماز میں رکعت شروع کرتے وقت قرأت سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی گئی ہے، بلکہ براہِ راست **"الحمد لله"** سے رکعت شروع ہوتی تھی۔

نماز میں بسم اللہ آہستہ یا اونچی آواز سے پڑھنی چاہئے؟

چونکہ کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہری نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھی گئی ہے، اس لیے اس مسئلے میں فقہائے کرامؒ کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے یا جہراً پڑھی جائے۔

سابقہ ادوار میں اس مسئلہ میں شدت تھی۔ طرفین سے علماء نے کتابیں بھی لکھیں، لیکن بعد میں یہ مسئلہ ٹھنڈا پڑ گیا، پھر بھی فقہاء کا اختلاف باقی ہے، مگر یہ جواز عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے، اختصار کے ساتھ اس کو **"بسمله"** اور **"تسمیه"** کا اختلاف کہتے ہیں۔

فقہائے کرامؒ کا اختلاف

امام مالکؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے، نہ سراً اور نہ جہراً، یعنی بسم اللہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے، مگر جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مطلقاً بسم اللہ کو آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جہری نماز میں بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنا سنت ہے۔

دلائل:

امام مالکؒ نے بسم اللہ بالکل نہ پڑھنے پر زیر بحث حضرت انسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:
"عن انسؓ قال صليت خلف النبی صلی الله عليه و سلم و ابی بكرو عمر وعثمان و علی فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم" (رواہ مسلم)
امام مالکؒ نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جوعنقریب احناف کے دلائل کے ضمن میں آرہی ہے۔ امام مالکؒ نے اس بات میں حضرت انسؓ کی دیگر احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ حضرات شوافع نے بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنے پر حضرت نعیم بن مجمرؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:
"صليت وراء ابی هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بام القرآن الخ" (رواہ ابن خزيمه وابن حبان والنسائی)
شوافع نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، حدیث یہ ہے:
"عن ابن عباسؓ قال كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحيم" (ترمذی)
شوافع نے صحابہؓ وتابعینؒ کے کچھ آثار سے بھی استدلال کیا ہے، جن کو امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے۔
(۱) ائمہ احناف اوران کے موافقین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیر بحث صحیح وصریح حدیث سے ترك الجهر بالتسمية پر استدلال کیا ہے، جو واضح تر ہے۔
(۲) ائمہ احناف نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: "استفتح القراءة بالحمد لله رب العالمين" (رواہ مسلم)
(۳) امام ترمذیؒ نے ترك جهر بالبسملة کے لیے ایک باب باندھا ہے اوراس میں وہ روایت نقل کی ہے جسے حضرت یزید بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن مغفلؓ سے اس طرح روایت کرتے ہیں: "عن ابن عبد الله بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوة اقرأ بسم الرحمن الرحيم فقال لی ای بنی محدث اياك و الحدث الخ (ترمذی ص ۵۸) اس روایت سے احناف نے استدلال کیا ہے اور کہا کہ یہ صحابی جہر بسم اللہ کو بدعت قرار دے رہے ہیں، لہٰذا اس کے مقابلے میں استحباب وغیرہ کی کسی روایت کو نہیں لیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ مبیح اور محرم کا مسئلہ ہے اور مبیح کے مقابلے میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔
(۴) مسند احمد کی ایک روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ ابن عباسؓ ہی سے امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور

حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ سب حضرات بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے۔امام طحاویؒ نے حضرت ابن عباسؓ ہی کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے جب بسم اللہ کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کے متعلق معلوم کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا:"ذلك فعل الاعراب "یعنی بسم اللہ زور سے پڑھنا بے علم، گنوار لوگوں کا کام ہے۔ان تمام روایات سے ائمہ احناف نے بسم اللہ کے آہستہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے۔

جواب:

سب سے پہلے امام مالکؒ کے استدلال کا جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے جس احادیث سے استدلال کیا ہے، اس میں "جهر بالبسلمة" کی نفی تو ہے، یعنی بسم اللہ کی اونچی آواز سے پڑھنے کی نفی ہے، مگر بسم اللہ بالکل پڑھنے کی نفی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ احناف نے انہی روایات سے بسم اللہ کے آہستہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے، لہٰذا امام مالکؒ کی دلیل تام نہیں ہے۔

ائمہ احناف نے شوافع حضرات کی پہلی دلیل حضرت نعیم بن مجمرؒ کی روایت کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ اس سے جهر بالبسمله پر استدلال یقینی نہیں ہے، کیونکہ بعض دفعہ پڑھنے والا آہستہ پڑھتا ہے، مگر وہ اس انداز سے ہوتا ہے کہ قریب والا سن پاتا ہے۔ یہاں یہی احتمال ہے اور جب احتمال آتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے تعلیم کے لیے ایسا کیا ہو، کیونکہ موقع تعلیم کا تھا اور تعلیم کے لیے اونچی آواز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں قرأت بھی پڑھی ہے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ جہر والی روایات معلل بالشذوذ ہیں، کیونکہ اس طرح عام مسئلہ میں صرف ایک یا دو راویوں کا بیان کرنا باعث علت ہے یا جواب یہ کہ جہر والی روایات ان روایات کے مقابلے میں کمزور ہیں، جن میں آہستہ پڑھنے کا تذکرہ ہے۔

شوافع نے حضرت ابن عباسؓ کی جس روایت سے استدلال کیا ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ "هذا حديث ليس اسناده بذاك" یعنی اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جن آثار اور روایات سے شوافع نے استدلال کیا ہے، ان سب کے بارے میں خود دارقطنیؒ اس طرح رقم طراز ہیں:
"وعن الدارقطنی انه قال لم يصح من النبی صلى الله عليه وسلم فی الجهر حديث" (کذا فی المعات) دارقطنی ہی کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے مصر میں "جهر بالبسملة" پر کتاب لکھی، کتاب تیار ہونے کے بعد ایک مالکی عالم نے ان کو قسم کھلائی اور کہا کہ مجھے اس کتاب میں کوئی صحیح حدیث بتا دو، جو جهر بالبسملة پر دلالت کرتی ہو۔آپ نے جواب میں فرمایا کہ جہر کے بارے میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں ملتی ہے۔ (کذا فی اللمعات)

علامہ حازمیؒ فرماتے ہیں کہ "جهر بالبسملة" کی احادیث اگرچہ صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں، لیکن ان کا اکثر حصہ ضعف سے خالی نہیں ہے۔علامہ عثمانیؒ فتح الملہم میں بڑے مدلل انداز سے لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے کہا کہ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت سے لے کر آپ کی وفات تک آپ کی خدمت کی ہے۔حجاب سے پہلے گھر کے

اندر و باہر اسی طرح سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا جھاگ ولعاب حضرت انسؓ کے جسم پر گرتا رہتا تھا۔ اس طویل رفاقت اور اس قرب خاص کے باوجود کیا یہ ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جھر بالبسملة کرتے اور حضرت انسؓ نہ سنتے جو کوئی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ انسؓ نے نہیں سنا ہوگا، یہ حدیث میں تاویل نہیں، بلکہ تحریف ہے۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افتتاح صلوٰۃ الحمد لله سے نقل کیا ہے، جس طرح آئندہ حدیث نمبر ۱۱۰۹ میں تصریح موجود ہے، لہٰذا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ جھر بالبسملة کی روایات یا ضعیف نا قابل استدلال ہیں اور یا یہ جہر تعلیم امت کے لیے وقتی اور عارضی تھا۔ عرب امارات میں اگرچہ مالکی مسلک سرکاری طور پر جاری ہے، لیکن مساجد میں اکثر ائمہ شوافع ہیں، لہٰذا وہاں جہری نمازوں میں فاتحہ کی ابتدا میں بھی سورت شروع کرتے وقت بھی بڑے مزے سے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔

۸۹۰۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ، وَزَادَ قَالَ شُعْبَةُ: فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: أَسَمِعْتَهُ مِنْ أَنَسٍ قَالَ: نَعَمْ نَحْنُ سَأَلْنَاهُ عَنْهُ۔

شعبہؒ سے یہی سابقہ حدیث مروی ہے لیکن اس اضافے کے ساتھ کہ انہوں نے قتادہؒ سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خود سنی ہے یہ حدیث؟ فرمایا کہ ہاں! ہم نے ان سے سوال کیا تھا اس بارے میں۔

۸۹۱۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ عَبْدَةَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ يَجْهَرُ بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ وَعَنْ قَتَادَةَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَيْهِ يُخْبِرُهُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ: " صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، فَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ بِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا "

حضرت عبدہؒ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات زور سے پڑھا کرتے تھے: "سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك" علاوہ ازیں قتادہؒ سے منقول ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، سب کے سب قرأت کی ابتدا "الحمد لله رب العالمين" سے کرتے تھے اور نہ تو ابتداء فاتحہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے اور نہ ہی انتہاء فاتحہ میں۔

تشریح:

"عن عبدة" اس راوی کی کنیت ابن ابی لبابہ ہے۔ انہوں نے یہاں حضرت عمر فاروقؓ سے روایت نقل کی ہے، حالانکہ ان کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا ابو علی غسانی نے کہا کہ یہ روایت "مرسل" ہے۔ امام مسلمؒ نے چونکہ اپنے اساتذہ سے اسی

طرح سنا تھا، لہٰذا اسی طرح نقل فرمایا دیا، لیکن کمال احتیاط کو دیکھئے کہ اس کے بعد "وقال قتادہ" کہہ کر امام مسلمؒ نے عن عبدۃ پر عطف کر کے قتادہ سے ایسی روایت نقل فرمادی، جس سے ارسال کی صورت ختم ہوگئی اور روایت متصل ہوگئی۔ امام مسلمؒ کا صحیح مسلم میں یہی طرز رہا ہے اور یہاں بھی یہی مقصود ہے۔

"ولا فی آخرھا" سوال یہ ہے کہ آخر قرأت کی نفی کرنے کی کیا ضرورت تھی، حالانکہ قرأت کے آخر میں بسم اللہ کا تصور نہیں ہوتا ہے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ یہ نفی تاکید کے لیے ہے کہ نہ ابتداء میں بسم اللہ تھی نہ آخر میں تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فاتحہ کے آخر میں سورت شروع کرتے وقت بسم اللہ نہیں تھی۔ یہ نفی صحیح بھی ہے، کیونکہ آج کل عرب امارات میں شوافع حضرات فاتحہ کے آخر میں بسم اللہ پڑھ کر قرأت شروع کرتے ہیں، اگرچہ باقی عرب دنیا میں یہ طریقہ نہیں ہے۔

"ان عمر بن الخطاب کان یجھر" یعنی حضرت عمر فاروقؓ کبھی کبھی ثناء کے کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ یہ تعلیم امت کے لیے تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس سکتہ کے دوران کیا پڑھا جاتا ہے، لہٰذا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، بشرطیکہ دائمی عمل خاموشی کے ساتھ پڑھنے کا ہو۔

"سبحانک اللھم" سبحان غفران کی طرح مصدر ہے، تسبیح تنزیہ کے معنی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، اصل عبادت اس طرح ہے: "سبحانك اللهم" ای اسبح سبحانك "وبحمدك" ای احمد بحمدك "و تبارك اسمك" ای المبارك و المعظم اسمك "وتعالیٰ جدك" ای علت عظمتك و کبریائك و جلالك "والا اله غیرك" فی تلك الصفات و لا فی غیرها و لا شریك لك۔

۸۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، أَخْبَرَنِي، إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ ذٰلِكَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اسی سند سے یہی حدیث (میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی، سب اپنی قرأت کی ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے......الخ) مذکور ہے۔

باب حجة من قال البسملة آية من كل سورة سوى البرأة

ان حضرات کی دلیل جنہوں نے بسم اللہ کو ہر سورت کا جزء قرار دیا ہے

امام مسلمؒ نے اس باب میں دو احادیث کو بیان کیا ہے

۸۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، أَخْبَرَنَا الْمُخْتَارُ بْنُ فُلْفُلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْمُخْتَارِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ بَيْنَ أَظْهُرِنَا إِذْ أَغْفَى إِغْفَاءَةً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُتَبَسِّمًا، فَقُلْنَا: مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ فَقَرَأَ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ

الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ .إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ ثُمَّ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْكَوْثَرُ؟ فَقُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: " فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَعَدَنِيهِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ، هُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، آنِيَتُهُ عَدَدُ النُّجُومِ، فَيُخْتَلَجُ الْعَبْدُ مِنْهُمْ، فَأَقُولُ: رَبِّ، إِنَّهُ مِنْ أُمَّتِي فَيَقُولُ: مَا تَدْرِي مَا أَحْدَثَتْ بَعْدَكَ "زَادَ ابْنُ حُجْرٍ، فِي حَدِيثِهِ: بَيْنَ أَظْهُرِنَا فِي الْمَسْجِدِ .وَقَالَ: مَا أَحْدَثَ بَعْدَكَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ اسی دوران (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند کا غلبہ ہونے سے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرا سی غفلت طاری ہوئی تو پھر آپ نے متبسم چہرے کے ساتھ سر اٹھایا، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے آپ نے تبسم فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی ابھی میرے اوپر ایک سورت نازل ہوئی، پھر آپ نے اس کی تلاوت فرمائی: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم، انا اعطیناك الکوثر، فصل لربك و انحر، ان شانئك هو الابتر '' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ و رسولہ اعلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ایک نہر ہے، میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس میں بہت سی خیر و خوبیاں ہیں، وہ ایک حوض ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے لوگ (سیراب ہونے کے لیے) اس پر آئیں گے، اس کے پینے کے برتن تعداد میں ستاروں کے برابر ہیں۔ میری امت کے لوگوں میں ایک شخص کو ان میں سے بھگا دیا جائے گا (مراد ایک گروہ ہے) میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت میں سے ہے تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی باتیں ایجاد کر ڈالیں۔

تشریح:

"اغفا اغفاءۃ" علامہ نوویؒ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: "ای نام نومة" علامہ الابی المالکی فرماتے ہیں:"الا غفاء السنة" یعنی اغفا اونگھ کی کیفیت کو کہتے ہیں۔ وھی الحالة التی کان یوحی الیه فیھا غالباً یعنی غالباً یہ وحی کی آمد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حالت ہو جاتی تھی، وہی مراد ہے۔ "آنفاً" یعنی ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت اتری ہے۔

"فقرأ بسم الله" سورت کوثر پڑھنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ لی، اب احتمال پیدا ہو گیا کہ بسم اللہ کو اس سورت کا جزء بنایا گیا تھا یا کیا تھا؟ اس سے شوافع حضرات نے ایک اختلافی مسئلہ کھڑا کر دیا، جس سے فقہاء کے درمیان اختلاف آ گیا۔

کیا بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے؟

جمہور امت اس پر متفق ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے اور یہ ایک آیت ہے۔ صرف امام مالکؒ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ سورۃ نحل کے علاوہ بسم اللہ قرآن کریم کا جزء نہیں ہے، یہ بطور اذکار ماثورہ منقول ہے۔ یہ اختلاف سورۃ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ

میں ہے۔سورۃ نمل کا جزء ہونا اور قرآن ہونا اتفاقی امر ہے۔اب امام مالکؒ کے علاوہ جمہور کا آپس میں اختلاف ہوا کہ آیا بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء ہے یا یہ صرف بین السورتین میں فصل کیلئے ہے۔

فقہائے کرام کا اختلاف

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ ہر سورۃ کا اسی طرح جزء ہے، جس طرح یہ سورۃ نمل کا جزء ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء نہیں، بلکہ یہ سورت کی ابتداء میں صرف فصل بین السورتین کے لیے ہوتی ہے، لہٰذا یہ ایک ہی آیت ہے جو اس مقصد کے لیے کئی جگہ دہرائی گئی ہے اور شوافع کے ہاں یہ کئی آیات ہیں، ایک آیت نہیں ہے۔بسم اللہ سے متعلق حنابلہ حضرات کے اقوال مختلف ہیں، اس لیے اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اتنا سمجھ لیں کہ وہ اس مسئلہ میں احناف کے قریب ہیں۔
بسم اللہ کی جزئیت وعدم جزئیت پر جھر بالبسملۃ کا اختلاف گزر چکا ہے۔

دلائل:

امام شافعیؒ اور ان کے موافقین نے جزئیت بسم اللہ کے لیے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:''عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه و سلم انه كان يقول الحمد لله رب العالمين سبع آيات احداهن بسم الله الرحمن الرحيم۔'' (تعليق الفصيح)
بسم اللہ کی جزئیت پر شوافع حضرات نے ام سلمہؓ کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:
''عن ام سلمة انه عليه السلام قرأ الفاتحة وعد بسم الله الرحمن الرحيم و الحمد لله رب العالمين آية''
شوافع حضرات نے جزئیت بسم اللہ پر ابوداؤد شریف کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:
''عن انس بن مالك قال رسول الله صلی الله عليه و سلم انزلت علی آنفا سورة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم انا اعطيناك الكوثر حتی ختمها''
شوافع حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ بسم اللہ کو ہر سورۃ کی ابتداء میں قلم وحی کے ساتھ بالالتزام اس طرح لکھا گیا ہے کہ کسی کو وہم تک نہیں ہوسکتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ کا جزء نہیں ہے، جب بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء ہے تو یہ فاتحہ کا بھی جزء ہے اور جب فاتحہ نماز میں پڑھی جائے گی تو بسم اللہ کو بھی جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ پڑھا جائے گا تاکہ فاتحہ کا کوئی جزء نہ رہ جائے۔
ائمہ احناف اور ان کے موافقین فرماتے ہیں کہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے اتاری گئی ہے۔یہ کسی سورۃ کا جزء نہیں ہے، ہاں سورۃ نمل میں ایک آیت کا حصہ ہے۔
اپنے مدعا پر احناف نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جو حدیث قدسی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔
''قال الله تعالیٰ قسمت الصلوة بينی و بين عبدی نصفين و لعبدی ما سأل فاذا قال العبد الحمد لله رب العالمين

قال الله حمدنی عبدی......" (رواہ مسلم)

اس حدیث میں فاتحہ کی ایک ایک آیت کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، مگر اس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوا بسم اللہ کسی سورۃ کا جزء نہیں، فاتحہ کا بھی نہیں۔

احناف کی دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الملک کو تیس آیات قرار دیا، الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی هریره انه علیه السلام قال سورت فی القرآن ثلاثون آیة شفعت لصاحبه حتی غفرله تبارك الذی بیده الملك"

اگر بسم اللہ کو سورت کا جزء مان لیا جائے تو سورت الملک تیس کے بجائے اکتیس آیتوں والی سورت بن جائے گی، حالانکہ حدیث میں تیس کا ذکر ہے۔

احناف نے حضرت ابن عباسؓ کی اس مشہور روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے صاف بتا دیا ہے کہ بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان جدائی اور فصل کے لیے اتاری گئی ہے، الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابن عباسؓ کان النبی صلی الله علیه و سلم لا یعرف السورة حتی ینزل علیه بسم الله الرحمن الرحیم" (ابوداؤد)

احناف اور ان کے موافقین نے اس مضبوط دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ تمام قراء اور تمام فقہاء اور تمام علماء کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۃ کوثر تین آیتوں پر مشتمل ہے اور سورۃ اخلاص چار آیتوں پر مشتمل ہے، اگر بسم اللہ کو ہر سورۃ کا جزء مان لیا جائے تو سورۃ کوثر کی چار اور سورۃ اخلاص کی پانچ آیتیں بن جائیں گی، حالانکہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی تمام سورتوں میں بھی اختلاف اٹھ کھڑا ہو جائے گا اور فاتحہ کو بھی سات کے بجائے آٹھ آیات کہنا پڑے گا۔

جواب: شوافع نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، کیونکہ بعض محدثین نے اس سند میں حضرت ابو ہریرہؓ کے نام ذکر کرنے میں شک کیا ہے۔

نیز اس حدیث کے مرفوع ہونے اور موقوف ہونے میں بھی محدثین کا اختلاف ہے۔ ان دونوں وجوہات سے یہ حدیث ہر حال میں ضعیف ہے، نیز حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی روایتوں میں تعارض ہے۔ ام سلمہؓ کی روایت میں بسم الله، الحمد لله رب العالمین سے مل کر ایک آیت ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بسم اللہ مستقل آیت ہے۔ و اذا تعارضا تساقطا.

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قطعی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور بسم اللہ کو فاتحہ یا کسی اور سورۃ کا جزء قرار دینے کے لیے قطعی علم کی ضرورت ہے، جو عقل سے نہیں، بلکہ نقل سے ثابت ہونا چاہیے، حالانکہ اس روایت کے مقابلے میں دیگر روایات زیادہ قوی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے حدیث قدسی مروی ہے۔

شوافع حضرات کی دوسری اور تیسری دلیل کا ایک جواب تو وہی ہے کہ یہ اخبار آحاد ہیں، جس سے قطعی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور بسم اللہ کا فاتحہ یا کسی اور سورۃ کے جزء ہونے کے لیے قطعی علم کی ضرورت ہے جو حاصل نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ کا ذکر ان

احادیث میں بطور جزئیت نہیں، صرف تبرک کے طور پر ہے۔ نیز یہ احادیث ان قوی تر اور مشہور تر احادیث کے مقابلے میں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کا جزء نہیں ہے، لہٰذا ان کثیر احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔ شوافع حضرات کی چوتھی دلیل جو درحقیقت عقلی دلیل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل اور جدائی کے لیے ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ یا فاتحہ کا جزء ہے۔ (تعلیق الفصیح)

زیر بحث حضرت انسؓ کی حدیث کے بارے میں علامہ اُبی المالکی یوں لکھتے ہیں:

"قلت لم یقل احد انها آیة منها و الا یدل علی انها آیة من کل سورة" (الابی ج ۲ ص ۲۷۶)

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کو بطور تبرک پڑھا ہو، سورۃ الگ ہے۔ بہر حال اس حدیث سے جزئیت بسم اللہ ثابت کرنا بعید بلکہ ابعد ہے۔ سورت توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

"اتدرون ما الکوثر" یعنی کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ ایک نہر ہے اور مزید تفصیلات بتادیں۔ علماء نے الکوثر کے تین معنی لکھے ہیں، ایک تو حوض کوثر ہے۔ دوسرا مطلب قرآن ہے کہ دنیا میں قرآن حوض کوثر ہے، جس نے اس سے سیرابی حاصل کی، وہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ الکوثر خیر کثیر کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت کی خیر کثیر عطا کی ہے، جس میں دینی اور دنیوی اور آخرت کی ساری بھلائیاں آگئیں، جیسے بیت اللہ ہے، قرآن ہے، ایمان ہے، نبی آخر الزمانؐ ہیں اور دین اسلام ہے۔ اس حدیث میں خود کوثر کی وضاحت خیر کثیر سے آگئی ہے۔

"فیختلج" یہ خلیج سے بنا ہے، حائل اور رکاوٹ کے معنی میں ہے، یعنی میرے اور اس آدمی کے درمیان فرشتے حائل ہو جائیں گے اور اس کو مجھ سے الگ کر دیں گے۔ یہ بد باطن بدعقیدہ مرتدین مبتدعین لوگ ہوں گے، جو حوض کوثر پر ساقی کوثر کے پاس نہیں جاسکیں گے۔

۸۹۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، أَخْبَرَنَا الْمُخْتَارُ بْنُ فُلْفُلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْمُخْتَارِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ بَيْنَ أَظْهُرِنَا إِذْ أَغْفَى إِغْفَاءَةً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُتَبَسِّمًا، فَقُلْنَا: مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ فَقَرَأَ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الأَبْتَرُ ثُمَّ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْكَوْثَرُ؟ فَقُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: " فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَعَدَنِيهِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ، هُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، آنِيَتُهُ عَدَدُ النُّجُومِ، فَيُخْتَلَجُ الْعَبْدُ مِنْهُمْ، فَأَقُولُ: رَبِّ، إِنَّهُ مِنْ أُمَّتِي فَيَقُولُ: مَا تَدْرِي مَا أَحْدَثَتْ بَعْدَكَ " زَادَ ابْنُ حُجْرٍ، فِي حَدِيثِهِ: بَيْنَ أَظْهُرِنَا فِي الْمَسْجِدِ. وَقَالَ: مَا أَحْدَثَ بَعْدَكَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند کا غلبہ ہوا۔ آگے سابقہ حدیث ہی معمولی فرق (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہوگی، جس کا اللہ مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور اس نہر پر ایک حوض ہے اور اس حدیث میں برتنوں کا ستاروں کی تعداد کے برابر ہونے کا ذکر نہیں ہے) کے ساتھ بیان کی۔

باب وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ بعد تکبیرۃ الاحرام

تکبیر تحریمہ کے بعد دائیاں ہاتھ بائیں پر رکھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۸۹۵۔حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، وَمَوْلًى لَهُمْ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِيهِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ: أَنَّهُ "رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ، - وَصَفَ هَمَّامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ - ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ، ثُمَّ رَفَعَهُمَا، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، فَلَمَّا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا، سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہو رہے تھے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی۔ اس حدیث کے ایک راوی ہمامؒ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کپڑا لپیٹ لیا، دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ رکوع میں جاتے وقت کپڑے سے ہاتھوں کو نکالا، پھر انہیں اٹھایا (کانوں تک) پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ فرمایا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ فرمایا۔

تشریح:

"وصف ھمام" یعنی ہمام راوی نے رفع یدین کی اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھایا۔ "حیال" برابری اور محاذات کو کہتے ہیں۔

نماز میں ہاتھ کیسے باندھے جائیں؟

"ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی السیریٰ" اس حدیث میں تین مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کی تفصیل ضروری ہے۔ ان مسائل میں فقہائے کرام کا اختلاف بھی ہے، مگر یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا مسئلہ: ارسال یدین یا عدم ارسال؟

اس حدیث میں دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھنے کی کیفیت بتائی گئی ہے، جس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ نماز میں قیام کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو باندھ کر رکھنا چاہیے، ارسال کرنا اور کھلا چھوڑ کر لٹکانا نہیں ہے۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

فقہائے کرام کا اختلاف

حالت قیام میں نماز میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے یا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا مسنون ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور سلف و خلف کا مسلک یہ ہے کہ وضع یدین سنت ہے، یعنی نمازی جب نماز میں کھڑا ہو تو ہاتھ باندھے رکھنا سنت ہے، ارسال نہیں ہے۔
امام مالکؒ کا مشہور قول ارسال ہے، یعنی حالت قیام میں ہاتھ ناف وغیرہ پر نہ رکھے جائیں، بلکہ چھوڑ دیئے جائیں۔ آپ کا دوسرا قول جمہور کی طرح ہے کہ ہاتھ باندھنا سنت ہے، ارسال یدین میں امام مالکؒ نے قیاس سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی آدمی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو مرعوب ہو کر ہاتھ چھوڑتا ہے، باندھتا نہیں ہے، لہٰذا جب آدمی احکم الحاکمین کے سامنے آ کر نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو رعب و ہیبت کا تقاضا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھے، باندھنے کی کوشش نہ کرے۔
جمہور نے زیر بحث وائل بن حجرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مقصد میں واضح تر ہے۔ اس کے علاوہ جمہور نے بخاری میں حضرت سہل بن سعدؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور جامع ترمذی میں حضرت قبیصہؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔
ان تمام احادیث کی موجودگی میں حضرت امام مالکؒ کے قیاس کا کوئی مقام نہیں ہے، نیز یہ کثیر احادیث شیعہ شنیعہ اور رافضہ مرفوضہ پر حجت ہیں، جو اس وجہ سے نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے کہ کہیں ان کی عبادت میں مسلمانوں سے اشتراک نہ آجائے، کیونکہ شیعہ ہر عمل میں مسلمانوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں جیسا کہ ان کا طریقہ ہے۔ شیعہ کا باطل خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین نماز میں کسی دھوکہ دہی کی غرض سے ہاتھ باندھ لیا کرتے تھے۔ قرآن کی آیت ﴿یقبضون أیدیھم﴾ میں تحریف کر کے اس سے استدلال کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

جب اس حدیث میں نماز میں ہاتھ باندھنے کی صراحت ہوگئی تو اب جمہور کا آپس میں اختلاف ہوا کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں۔

فقہائے کرام کا اختلاف

امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مشہور قول کے مطابق نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا افضل ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اور ایک غیر مشہور قول میں امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نماز میں ہاتھ سینے کے نیچے اور ناف سے اوپر رکھنا افضل ہے۔
(کذا فی رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص ۳۲)
امام شافعیؒ نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ الفاظ اس طرح ہیں: ''فوضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ علی

صدرہ" اس روایت میں سینے کے اوپر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول اسی طرح بھی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے "علی صدرہ" کے الفاظ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور بڑے بڑے علماء کے اقوال کی روشنی میں "علی صدرہ" کے الفاظ کو ایک راوی مؤمل بن اسماعیل کا تفرد قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس راوی کو منکر الحدیث کہا ہے۔ فتح الملہم کو دیکھا جائے۔

ائمہ احناف اور حنابلہ نے حضرت علیؓ کے اثر سے استدلال کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: "قال من السنة وضع الكف على الكف في الصلوٰة تحت السرة" اس روایت کو سنن بیہقی میں ج ۲ ص ۳۱ پر نقل کیا گیا ہے اور بذل المجهود میں ج ۲ ص ۲۳ پر نقل کیا گیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ج ا ص ۳۹۸ پر لایا گیا ہے۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"عن وائل بن حجر قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله تحت السرة" (مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٣٩٨)

یاد رہے کہ ہاتھ باندھنے کے مقام کی تعیین میں جتنی روایات ہیں، اصول جرح و تعدیل کے پیش نظر ان سب پر کلام ہے، تاہم احناف نے جن روایات سے استدلال کیا ہے، ان پر شوافع کے متدلات سے نسبتاً کم کلام کیا گیا ہے، بہرحال یہ افضل غیر افضل کا مسئلہ ہے، پھر بیان جواز کے لیے اس طرح عمل کیا گیا ہے، لہٰذا یہ کوئی بڑا جھگڑا نہیں ہے

امام ترمذیؒ اس طرح فیصلہ فرماتے ہیں۔

"والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم و من بعد هم يرون أن يضع الرجل يمينه على شماله في الصلوٰة و راى بعضهم أن يضهما فوق السرة و راى بعضهم ان يضعهما تحت السرة و كل ذلك واسع عندهم" (ترمذی ج ا ص ۵۹)

امام ترمذیؒ کے اس فیصلے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہاتھ ناف کے اوپر ہوں یا نیچے ہوں، سب میں گنجائش ہے۔ ہاں فوق الصدر کا ذکر نہ کر کے امام ترمذیؒ نے غیر مقلدین حضرات کو پریشانی میں ڈال دیا ہے، کیونکہ ان کے عمل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض حضرات اس میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ سینے کے اوپر گلے کی جڑ میں جا کر ہاتھ رکھتے ہیں، یہ کونسی سنت ہے؟ اسی طرح ناف سے نیچے جو حضرات ہاتھ رکھتے ہیں، ان کو بھی احتیاط کرنی چاہیے کہ زیادہ نیچے ہاتھ نہ لے جائیں، کیونکہ نیچے عورت غلیظہ ہے۔ اگر ہاتھوں کا کچھ حصہ ناف پر ہو اور کچھ حصہ نیچے ہو تو یہ صورت مستحسن ہوگی۔ علامہ عثمانیؒ نے بھی فتح الملہم میں اسی صورت کو اچھا قرار دیا ہے کہ ناف پر ہاتھ رکھے جائیں۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ ناف پر ہاتھ ہوں تو وہ اکثر روایتوں پر عمل ہو جائے گا۔

تیسرا مسئلہ: ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی کیفیت میں اختلاف

ہاتھ باندھنے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے، بلکہ ائمہ احناف کے آپس میں بھی اختلاف ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں وضع الکف علی الکف کا ذکر آیا ہے جیسا کہ اوپر حضرت علیؓ کی روایت میں ہے۔ بعض روایات میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کا ذکر آیا ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت بخاری میں ہے۔ بعض روایات میں ''رسغین''کا ذکر بھی ہے۔ علمائے کرام نے اس میں ایک بہترین تطبیق دی ہے، جس سے تمام روایات پر آسانی سے عمل ہو جاتا ہے، مثلاً دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا جائے اور انگوٹھے اور چھنگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹوں کا احاطہ کیا جائے اور دائیں ہاتھ کی باقی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کے بازو یعنی کلائی پر رکھ لی جائیں۔ اس طرح کف اور رسغین اور ذراع والی تمام روایات پر عمل ہو جائے گا۔ ہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ بعض لوگ پورے ہاتھوں اور بازوؤں کو کندھوں کے قریب تک لے جا کر ایک دوسرے پر لپیٹ کر سینے کے اوپر رکھتے ہیں۔ یہ مسنون شکل نہیں ہے، اسی لیے یہ شکل اچھی بھی نہیں لگتی ہے۔

''مـن الثـوب'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت وائلؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سردی کے موسم میں دیکھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ پھر ظاہر فرمایا تھا۔

''بیـن کفیه'' مسنون طریقہ یہی ہے کہ سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو کانوں کے پاس اس طرح رکھا جائے کہ اگر کانوں سے کچھ گر جائے تو وہ ہاتھوں کی پشت پر جا کر گرے، ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پیچھے زمین پر رکھے ہوں اور سر آگے ہو یا سر پیچھے ہو اور ہاتھ آگے رکھے ہوں اور نہ ایسا ہو کہ ہاتھ سر اور چہرہ سے بہت دور رکھے ہوں۔ شوافع کندھوں کے برابر رکھنے کو بہتر قرار دیتے ہیں۔

وائل بن حجر کون تھے؟

وائل بن حجرؓ شان والے صحابی ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔ یہ حضر موت کے رہنے والے تھے اور وہاں کے قبائلی سرداروں میں سے تھے اور ان کے والد حضر موت وغیرہ کے بادشاہ تھے۔ وائل بن حجرؓ نے غالباً سنة الـوفود میں مدینہ منورہ آکر از خود برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے آنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس طرح بشارت سنائی تھی:

''تمہارے پاس ایک دور دراز علاقہ حضر موت سے وائل بن حجر مسلمان ہو کر آ رہے ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برضا و رغبت دل سے مان لیا ہے اور وہ اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے شہزادوں میں سے ایک شہزادہ ہے۔''

جب حضرت وائل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کو اپنے قریب فرمایا اور پھر اپنی چادر بچھا کر اس پر ان کو بٹھا دیا اور ان کے حق میں یہ دعا فرمائی: ''اللهم بارك فی وائل و ولده و ولـد ولـده'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وائلؓ کو اپنے علاقے کا سردار مقرر فرمایا۔ حضرت وائلؓ نے زیادہ تر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ ان کے والد کا نام حجر ہے، حاء پہلے اور جیم بعد میں ہے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔

باب التشهد فی الصلوٰۃ

نماز میں تشہد کا حکم

امام مسلمؒ نے اس باب میں دس احادیث کو بیان کیا ہے

۸۹۶۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، - قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ - حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: السَّلَامُ عَلَى اللهِ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ. فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ: " إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، فَإِذَا قَالَهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز میں (قعدہ کے اندر) یہ کہتے تھے کہ "السلام علی الله السلام علی فلان" ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سلام تو اللہ تعالیٰ ہے (یعنی اس کا صفاتی نام ہے) چنانچہ جب تم میں سے کوئی نماز میں قعدہ کرے تو کہے: "التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ" ان کلمات کو کہنے سے بندے کا سلام زمین وآسمان میں موجود ہر نیک بندۂ (مؤمن) کو پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔

تشریح:

"کنا نقول" یعنی تشہد میں بیٹھ کر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس طرح کلمات کہتے تھے۔ یہ کلمات اوران کی تشریح ابھی آجائے گی۔ اس سے پہلے تشہد اور دو قعدوں سے متعلق یوں سمجھیں کہ دو قعدوں میں بیٹھ کر جو خاص ذکر کیا جاتا ہے، اس کا نام تشہد ہے۔ شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں، چونکہ اس ذکر میں بطور خاص شہادتین کا بیان ہوتا ہے، اس لیے اس کو تشہد کہا گیا۔ یہاں صرف تشہد کا لفظ ہے۔ اس عنوان کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور شہادتین کا پڑھنا کس طرح ہے۔ اس کے بعد الصلوۃ علی النبی کا عنوان ہے۔ یہ بھی درحقیقت انہی دو قعدوں کے اندر اذکار کا بیان ہے، مگر یہ درود پڑھنے سے متعلق ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قعدتین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کس طرح پڑھنا چاہیے۔ اس کے بعد دعا کا بیان ہے۔ یہ بھی درحقیقت قعدتین میں اذکار سے متعلق ہے کہ شہادت و درود کے بعد دعا کا طریقہ کیا ہے اور دعا کس طرح ہوتی ہے، یہ سلام پھیرنے تک اذکار کا بیان ہے۔

''السلام علی جبریل و میکائیل و فلان و فلان'' کے الفاظ آئے ہیں، ان الفاظ کا ظاہری معنی یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سلامتی ہو، جبریل ومیکائیل پر سلامتی ہو۔ظاہر ہے کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں درست نہیں ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کے طور پر فرمایا: ''فان اللہ ھو السلام'' یعنی سلامتی کی دعا تو ان کے لیے مناسب ہے، جہاں ذاتی طور پر سلامتی نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کی ذات خود سلامتی والی ہے، بلکہ دوسروں کو سلامتی دینے والی ہے، لہٰذا وہاں سلامتی کی دعا مناسب نہیں ہے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغۃ میں اس ممانعت کی وجہ اسی طرح بیان کی ہے، فرماتے ہیں ''یعنی ان الدعاء بالسلامۃ انما یناسب من لاتکون السلامۃ من العدم ولواحقہ ذاتیاً لہ'' (فتح الملہم)

شارحین نے اس جملے کی بہت توجیہات لکھی ہیں، مگر شاہ ولی اللہؒ کی توجیہ بہت واضح اور عمدہ ہے، اس لیے یہی کافی شافی ہے۔

''فلیقل التحیات اللہ'' ای العبادات القولیۃ للہ یعنی میری تمام قولی اور زبانی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

''و الصلوات للہ'' ای العبادات الفعلیۃ للہ یعنی میری تمام بدنی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

''و الطیبات للہ'' ای الصدقات المالیۃ للہ یعنی میری تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

مندرجہ بالا جملوں کی شارحین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں، مگر میں نے سب سے واضح اور آسان توجیہ کو لکھا ہے، جو کافی شافی ہے۔ان تینوں جملوں سے قرآن عظیم کی اس آیت کا مفہوم ادا ہو رہا ہے، گویا نمازی اعلان کر رہا ہے۔ ''ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین'' مذکورہ تشہد عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد کہلاتا ہے۔اس میں ''فلیقل التحیات للہ'' میں امر کا صیغہ آیا ہے، بعض احادیث میں ''یعلمنا التشہد'' کے الفاظ آئے ہیں، آنے والی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نمبر ۹۰۰ میں ''علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم التشہد کفی بین کفیہ کما یعلمنی سورۃ من القرآن'' کے الفاظ آتے ہیں۔یہ سب کچھ تشہد ابن مسعودؓ کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔چنانچہ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

کونسا تشہد راجح ہے؟

قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور قعدہ اخیرہ نماز میں فرض ہے۔ان دونوں قعدوں میں تشہد پڑھا جاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ تشہد کے بارے میں کئی روایتیں موجود ہیں، جن میں مختلف تشہدات کا ذکر ہے، لیکن مشہور روایتوں میں تین تشہد مشہور ہیں۔(۱) تشہد ابن مسعودؓ (۲) تشہد ابن عباسؓ (۳) تشہد عمر فاروقؓ۔چونکہ تشہد میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بہتر سے بہتر انداز میں ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے تو صحابہ کرامؓ نے مختلف الفاظ میں اس کو پیش کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ صحابہؓ کے دور میں مختلف تشہد پڑھے جاتے تھے اور دسیوں صحابہؓ کے الگ الگ تشہد تھے۔یہ سب جائز ہیں، جواز و عدم جواز میں اختلاف نہیں، البتہ افضل غیر افضل اور اولیٰ غیر اولیٰ میں اختلاف آیا ہے۔بات صرف ترجیحات کی ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ تین تشہد مشہور ہیں، تشہد ابن مسعودؓ، تشہد ابن عباسؓ اور تشہد عمر فاروقؓ۔اب ان میں سے کونسا افضل ہے اور

کس کو ترجیح ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے تشہد کو افضل کہا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے۔ امام مالکؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کے تشہد کو ترجیح دی ہے جو مؤطاء مالک میں ہے۔اس تشہد کو حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کے سامنے منبر پر پڑھ کر سنایا۔اس کے صیغے اس طرح ہیں۔

"التحيات لله الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله سلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته"

امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو ترجیح دی ہے،حنابلہ بھی احناف کے ساتھ ہیں۔

وجوہِ ترجیح

ائمہ احناف اور حنابلہ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو کئی وجوہات کی بنا پر ترجیح دی ہے۔

(۱) وجہ اول امام ترمذی نے اعتراف کیا ہے کہ تشہد کے بارے میں جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کا عمل حضرت ابن مسعودؓ کے تشہد کے مطابق ہے اور یہ حدیث اپنے مطلب میں سب سے زیادہ اصح اور واضح ہے۔

(۲) تشہد ابن مسعودؓ کے الفاظ کے نقل کرنے پر تمام ائمہ حدیث کا توافق واتفاق ہے۔

(۳) لوگوں کی تعلیم کی غرض سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منبر نبوی پر یہی تشہد پڑھ کر سنایا ہے۔حدیث میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وامره أن يعلمه الناس" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تشہد لوگوں کو لکھاؤ۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں تجدد عمل ہے،کیونکہ اس میں دو دفعہ واو کے ساتھ کلام کو ذکر کیا گیا ہے،یعنی التحيات لله و الصلوات لله و الطيبات لله اس کے برعکس دوسرے کسی تشہد میں عطف نہیں،بلکہ ایک ہی جملہ ہے جو صفات کے ساتھ مذکور ہے۔تو اس میں عطف کے ساتھ تاسیس آگئی،جو تاکید سے افضل ہے۔

(۵) امام ترمذیؒ نے خصیف راوی کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے،خصیف کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا،الفاظ اس طرح ہیں:"رأيت النبى صلى الله عليه وسلم فى المنام فقلت له يا رسول الله! ان الناس قد اختلفوا فى التشهد فقال عليك بتشهد ابن مسعود" (فتح الملہم)

(۶) تشہد ابن مسعودؓ "مسلسل باخذ اليد" ہے،چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ نے نقل کیا ہے:

"ان ابا حنيفة قال، اخذ حماد بيدى فقال حماد اخذا ابراهيم النخعى بيدى وقال ابراهيم اخذ علقمة بيدى وقال علقمة اخذ ابن مسعود بيدى وقال ابن مسعود اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى وعلمنى التشهد كما يعلمنى السورة من القرآن وكان عبد الله يكره ان يزاد فيه حرف او ينقص منه" (فتح الملہم)

حکایت

یہاں ایک دلچسپ قصہ علماء نے لکھا ہے کہ ایک دیہاتی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ "بواو او بواوين" امام

صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ "بواوین" "فقال بارك الله فيك كما بارك فی لا و لا ثم ولّی "حاضرین مجلس اس گفتگو کو نہ سمجھ سکے اور امام صاحبؒ سے پوچھنے لگے کہ اس دیہاتی نے کیا پوچھا اور آپ نے کیا جواب دیا، ہمیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس نے پوچھا کہ میں کونسا تشہد پڑھوں، آیا وہ پڑھوں جس میں ایک واو ہے یا وہ پڑھوں جس میں دو واو ہیں؟ میں نے اس کو جواب دیا کہ ابن مسعود والا تشہد پڑھو، جس میں دو واو ہیں۔ اس پر اس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے درخت زیتون کی طرح مبارک کرے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی، اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية ولا غربية﴾

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی مبارک زبان سے ابن مسعودؓ کو حکم دیا کہ اس تشہد کی تعلیم آگے امت کو دے دیا کرو، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام سے حضرت ابن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ تشہد سمجھا دیا، چنانچہ یہ حدیث "مسلسل باخذ الید" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے شاگرد کا ہاتھ پکڑ کر سکھا دیا، یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ کے استاد حمادؒ نے امام صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر اس تشہد کی تعلیم دی، جس طرح اوپر میں نے عربی عبارت نقل کر دی ہے۔

(۸) میرے خیال میں عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کی سب سے بڑی وجہ ترجیح حدیث معراج ہے، جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے خود وہی کلمات ادا فرمائے ہیں، جو عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہیں۔

بہر حال یہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے، ہر ایک کے پاس ترجیحات کی وجوہات موجود ہیں۔

پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

تشہد میں ندا کرنے کی تحقیق

"السلام علیک ایها النبی" اے نبی! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہو اور اُس کی رحمت و برکتیں ہوں۔

سوال: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تو پھر نمازی اس طرح خطاب کیوں کرتا ہے، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، جس طرح بعض کم فہم لوگوں کا خیال ہے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ یہ خطاب اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ شب معراج میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ایک حبیب دوسرے حبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ کوئی تحفہ لے کر آتا ہے، تم میرے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "التحیات اللہ الخ" یہ جواب چونکہ بہت عظیم تھا، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "السلام عليك أيها النبی ورحمة الله وبركاته" یہ جواب چونکہ بہت بڑا اعزاز و انعام تھا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس میں شامل کر کے فرمایا: "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" یہ چونکہ امت کی بڑی ہمدردی تھی اور یہ پورا مکالمہ انتہائی مناسب تھا، اس پر جبرئیل امینؑ نے اعتراف شان نبی میں فرمایا: "اشهد ان الله لا اله

الاالله واشهد ان محمدا عبده ورسوله " اس پورے مکالمہ کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خطاب ہماری طرف سے ہے، درحقیقت اس مکالمہ کو ہم نقل کررہے ہیں جو شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہوا۔

عمدۃ القاری میں علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام ان صحابہ کو سکھایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے، پھر اس کلام کو ان صحابہؓ نے بھی لیا، جو غائب تھے اور اس طرح یہ سلسلہ غائبین میں چل پڑا۔ اس کلام کا مطلب بھی یہ ہے کہ یہ صیغہ حاضر و ناظر عقیدہ کے تحت نہیں ہے، بلکہ یہ بطور نقل وحکایت ہے۔ علامہ سیوطیؒ اور دیگر محدثین مثل کرمانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرامؓ اس جگہ "السلام على النبی" کہتے تھے، جس میں حاضر کے ساتھ خطاب کے بجائے غائب کا خطاب ہے۔

بہرحال فقہاء اور محدثین اس جملہ کی یہ توجیہات اس لیے کررہے ہیں کہ امت مسلمہ کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں، ورنہ ان جوابات وتوجیہات کی کیا ضرورت تھی۔ صاف فرمادیتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، اس لیے یہ خطاب ہوا ہے۔

علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں "السلام عليك ايها النبی" پر طویل کلام کیا ہے۔ آپ نے علمائے احناف اور دیگر فقہاء کی عبارتوں کو اور پھر اکابر علمائے دیوبند کی عبارتوں کو نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نمازی ان کلمات کے پڑھنے کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تصور اور خیال کے تحت موجود فرض کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خطاب کے ساتھ یہ الفاظ پڑھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ میرے یہ الفاظ اور یہ درود وسلام فرشتے حضرت تک پہنچاتے ہیں تو اس طرح واسطہ اور تصور وتخیل سے نمازی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت حاضر و ناظر ہیں اور نمازی کا کلام سنتے ہیں، جس طرح اہل بدعت کا عقیدہ ہے۔ آپ نے اس کی مثال اس طرح دی ہے کہ ہم کسی کو جب خط لکھتے ہیں تو مکتوب الیہ کو اپنے سامنے موجود تصور کرکے خطاب کرتے ہیں، حالانکہ وہ حاضر نہیں ہوتا۔ (فتح الملہم)

علامہ عثمانیؒ کے کلام کا خلاصہ یہی نکلا کہ خواہ معراج کی رات کا کلام ہم بطور حکایت نقل کررہے ہوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تصور اور خیال کے طور پر اپنے پاس موجود فرض کررہے ہوں یا فرشتوں کے ذریعے سے اس کلام کے سنانے پہنچانے کا عقیدہ رکھ رہے ہوں، یہ سب طریقے ہماری طرف سے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لاتے ہیں اور حاضر و ناظر ہیں اور ہمارا کلام براہِ راست سن رہے ہیں۔ فقہائے احناف کی عبارتوں کا بھی یہی مطلب ہے کہ یہ ایک تصوراتی فرضی ماحول ہے، جس میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہورہے ہیں۔ چنانچہ فقہاء کی عبارات میں بارہا یہ لفظ مکرر ملتا ہے، مثلاً عالم گیری میں اس طرح الفاظ ہیں: "ولا بد من ان يعقد بالفاظ التشهد معانيها التى وضعت لها من عنده كانه يحيّ الله تعالىٰ ويسلم على النبى" (عالمگیری ج ۱ ص ۷۲ مصری)

یہی الفاظ علامہ شرالنبلالی حنفیؒ نے نقل کیے ہیں، فرمایا "كانه يحيّ الله تعالىٰ ويسلم على النبى صلى الله عليه وسلم" یہی الفاظ علامہ ابن نجیم حنفیؒ نے ذکر کیے ہیں، فقہائے احناف میں سے بعض فقہاء اور شارحین حدیث مثلاً شیخ عبدالحق اور بدر

الدین عینیؒ وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تصور اور خیالی حاضری کو ایک فرضی مجلس کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا ہے، گویا نمازی ایک مجلس میں ہے، وہاں اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیرۂ قدس میں حضور ہے تو نمازی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عبادت کا ہدیہ پیش کر رہا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سلام کا ہدیہ پیش کر رہا ہے۔ جن فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ یہ کلام معراج کی حکایت کے طور پر نہ پڑھا جائے تو ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ کوئی نمازی اس تصور اور اس خیال سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور سے غافل نہ ہو جائے، ورنہ اگر کوئی نمازی اس حکایت کرنے میں بھی ایک مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور و خیال قائم کر کے یہ الفاظ پڑھے تو اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے والد مولانا عبدالحلیمؒ اس فرضی خیال مجلس کو ''ماحول سا'' کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، لکھتے ہیں تشہد کے ان کلمات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے، جس کا راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر موجود میں جلوہ گر ہے اور ہر بندہ کے باطن میں موجود ہے۔ یہ کیفیت حالت نماز میں پورے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح خطاب کا ''ماحول سا'' پیدا ہو جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر دیا جاتا ہے۔ (کتاب نور الایمان ص ۷۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی فرشتہ کے واسطہ سے درود و سلام پہنچنے کی وجہ سے خطاب کرنے کو جائز لکھا ہے، بغیر واسطہ ندا کرنے اور سننے کو کفر کہا ہے اور تشہد کے خطاب کو معراج کی حکایت پر بھی حمل کیا ہے۔

شیخ غلام رسول سعیدی صاحب نے اس مقام پر اپنی شرح مسلم میں بہت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے علمائے دیوبند پر طعن کیا ہے، کبھی کچھ لکھا ہے، کبھی کچھ لکھا ہے، مگر آخر میں وہی بات لکھ دی جو اہل حق علمائے دیوبند کی بات ہے، لکھتے ہیں: ''البتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دیئے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کا عقیدہ رکھنا باطل اور شرک ہے۔'' (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۱۶۸)

شیخ غلام رسول مزید لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مسلمان بھی یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرتا ہے، وہ آپ کو مستقل سامع اور عالم اعتقاد نہیں کرتا، بلکہ بقول شیخ گنگوہیؒ کے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ آواز سنا دیتا ہے یا بقول شیخ کشمیریؒ کے سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''صفات اللہ'' کے مظہر ہیں اور اس کی صفت سماعت سے سنتے ہیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۱۷۰)

شیخ غلام رسول سعیدی صاحب نے بے شک یہ لکھا ہے، لیکن بریلوی حضرات ان دقیق نکات کو کہاں سمجھتے ہیں اور ان کے علماء عوام کو اس تحقیق سے کہاں آگاہ کرتے ہیں۔ ان حضرات کا سارا زور تو اسی پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح عالم الغیب ہیں کہ دلوں کے پوشیدہ رازوں کو جانتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے ہر انسان کی ہر پکار کو سنتے ہیں، ورنہ اصل حقیقت تو احمد رضا خان صاحب نے بھی یوں لکھی ہے ''اور یہ یقیناً حق ہے کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے (وہ) یقیناً کافر ہے۔'' (ملفوظات ج ۳ ص ۴۷)

دراصل یہاں اسی عقیدہ حاضر و ناظر کی بنیاد پر ''یا رسول اللہ'' کے الفاظ میں فرق آتا ہے، ایک بریلوی شخص جب یا رسول اللہ کہتا ہے تو غلط بنیاد پر اس کا عقیدہ کفر کی حد تک جا پہنچتا ہے، لیکن ایک صحیح عقیدہ والا شخص یا رسول اللہ کا خطاب کرتا ہے تو اس کے عقیدہ کی بنیاد پر دور سے یہ ندا گو نامناسب ہے، مگر اس کے لیے شرک و کفر نہیں ہے، کیونکہ وہ حاضر و ناظر کا عقیدہ نہیں رکھتا۔

یاد رہے علمائے دیوبند کا اختلاف دور سے ندا کرنے کے بارے میں ہے، قبر شریف کے پاس ندا کے تمام الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنے کے عام علمائے دیوبند قائل ہیں اور اس پر وہاں جا کر عمل بھی کرتے ہیں۔
بہر حال جب اس ندا کا دارومدار صحیح اور غلط عقیدہ کی بنیاد پر ہے تو اس کی مثال اسی طرح ہے کہ ایک معتزلی شخص جب کہتا ہے کہ "انبت الربیعُ البقل" یعنی موسم بہار نے سبزہ اگایا تو اس کے غلط عقیدہ کی بنیاد پر یہ جملہ حقیقت پر مبنی ہوگا، جو گمراہی ہے، لیکن یہی جملہ جب اہل سنت میں سے کوئی شخص کہتا ہے تو اس کا یہ قول مجاز پر محمول ہوگا، جو گمراہی نہیں ہے۔
"یتخیر من المسالة ماشآء" یعنی شہادت کے اقرار اور درود کے پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اب نمازی جو چاہے دعا مانگ لے۔ امام ابوحنیفہ " فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی منقولہ مشہورہ واضح دعا مانگے۔ ایسی دعا نہ ہو، جس سے نماز خراب ہو جائے یا کلام الناس کے ساتھ مشابہت آجائے، مثلاً یہ کہہ دے: "اللھم زوجنی فلانة" تاہم احناف کے ہاں یہ احتیاط فرائض میں ہے، نوافل میں کچھ گنجائش ہے۔ رہ گیا تشہد میں "ایھا النبی" کے الفاظ میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا تو یہ خصوصیت پیغمبری ہے۔
"وعلی عباد اللہ الصالحین" اس قید کے لگانے سے وہ سارے لوگ خارج ہو گئے جو صالح نہ ہوں، بلکہ غیر صالح ہوں۔ علماء فرماتے ہیں کہ صالح آدمی وہ ہے، جو خالق اور مخلوق کے حقوق کو بجالاتا ہو اور دونوں کی رعایت رکھتا ہو۔
کتنی بڑی خوش قسمتی ہے ان لوگوں کی جو صالح ہیں، کیونکہ دنیا کے اولیاء اللہ اور حرمین شریفین کے ائمہ وفضلاء کی دعائیں ان کو مفت میں مل رہی ہیں، صرف یہ کہ صالح بن جائے۔ "اللھم ارزقنا صلاحاً واعطنا فلاحاً"

۸۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ: ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث حضرت منصور رضی اللہ عنہ سے معمولی فرق (اس روایت میں "اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے" کا جملہ نہیں ہے) کے ساتھ منقول ہے۔

۸۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِهِمَا وَذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ: ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ بَعْدُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ - أَوْ مَا أَحَبَّ -

حضرت منصور رضی اللہ عنہ سے اس سند کے ساتھ بھی یہ سابقہ روایت مروی ہے، لیکن اس روایت میں ہے کہ "اس کے بعد اس کو اختیار ہے جو چاہے مانگے"

۸۹۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ كُنَّا إِذَا جَلَسْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَنْصُورٍ وَقَالَ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ بَعْدُ مِنَ الدُّعَاءِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں قعدہ میں بیٹھتے تھے۔ آگے سابقہ حدیث (کہ قعدہ میں التحیات پڑھنا) ہی ذکر کر کے فرمایا پھر نمازی کو اختیار ہے جو چاہے دعا مانگے۔

۹۰۰۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا، يَقُولُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَخْبَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ، يَقُولُ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ، كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، وَاقْتَصَّ التَّشَهُّدَ بِمِثْلِ مَا اقْتَصُّوا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں میرا ہاتھ لے کر مجھے مندرجہ بالا تشہد (التحیات ......الخ) اس طرح سکھایا، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قرآن کریم کی سورتیں سکھایا کرتے تھے۔

۹۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَعَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُولُ: التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ، الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورتیں سکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: ''التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ، الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ'' ابن رمح کی روایت میں ہے جیسا کہ قرآن سکھلاتے۔

۹۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو تشہد سکھلاتے جیسا کہ قرآن کریم کی سورت سکھلاتے تھے۔

۹۰۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْأُمَوِيُّ، - وَاللَّفْظُ لِأَبِي كَامِلٍ -، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقَاشِيِّ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ صَلَاةً فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الْقَعْدَةِ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أُقِرَّتِ الصَّلَاةُ بِالْبِرِّ وَالزَّكَاةِ؟ قَالَ فَلَمَّا قَضَى أَبُو مُوسَى الصَّلَاةَ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ: أَيُّكُمُ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ: فَأَرَمَّ الْقَوْمُ، ثُمَّ قَالَ: أَيُّكُمُ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا؟ فَأَرَمَّ الْقَوْمُ، فَقَالَ: لَعَلَّكَ يَا حِطَّانُ قُلْتَهَا؟

قَالَ: مَا قُلْتُهَا، وَلَقَدْ رَهِبْتُ أَنْ تَبْكَعَنِي بِهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا قُلْتُهَا، وَلَمْ أُرِدْ بِهَا إِلَّا الْخَيْرَ فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَمَا تَعْلَمُونَ كَيْفَ تَقُولُونَ فِي صَلَاتِكُمْ؟ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا .فَقَالَ: " إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذْ قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، فَقُولُوا: آمِينَ، يُجِبْكُمُ اللَّهُ فَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوا وَارْكَعُوا، فَإِنَّ الْإِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ، وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ " فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فَتِلْكَ بِتِلْكَ وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ .فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللَّهُ لَكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، قَالَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَإِذَا كَبَّرَ وَسَجَدَ فَكَبِّرُوا وَاسْجُدُوا فَإِنَّ الْإِمَامَ يَسْجُدُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ "فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فَتِلْكَ بِتِلْكَ، وَإِذَا كَانَ عِنْدَ الْقَعْدَةِ فَلْيَكُنْ مِنْ أَوَّلِ قَوْلِ أَحَدِكُمْ: التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

حضرت حطان بن عبد اللہ الرقاشیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک نماز پڑھی، جب وہ قعدہ میں گئے تو لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ نماز نیکی اور زکوۃ کے ساتھ مقرر کی گئی ہے۔ جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کی تو پیچھے مڑے اور فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ایسی ایسی بات کہی؟ قوم خاموش رہی تو انہوں نے پھر کہا: ایسی بات کہنے والا تم میں سے کون ہے؟ قوم پھر خاموش رہی تو انہوں نے کہا اے حطان! شاید تم نے یہ بات کہی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے نہیں کہی، مجھے تو خوف تھا کہ کہیں آپ اس سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ یہ بات میں نے کہی تھی اور میرا مقصد صرف نیکی تھا (کوئی غلط سوچ یا اعتراض مقصد نہ تھا) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا تم نہیں جانتے کہ تمہیں اپنی نماز میں کیا پڑھنا چاہیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطاب کر کے ہمیں ہمارا (نماز کا) طریقہ بتلایا اور ہماری نماز ہمیں سکھلا کے فرمایا: جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرو، پھر تم میں سے کوئی تمہاری امامت کروائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جاؤ، کیونکہ امام تم سے پہلے رکوع کرے گا اور تم سے پہلے سر اٹھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (تمہارا امام سے ذرا سے لحہ بھر تاخیر کرنا) یہ برابر ہی ہے، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم کہو: اللھم ربنا ولك الحمد اللہ تمہاری پکار سنتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے یہ فرمایا کہ سمع الله لمن حمدہ (یعنی اللہ نے اس کی سن لی، جس نے اس کی تعریف کی) پھر جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو، کیونکہ امام تم سے قبل سجدہ کرے گا اور تم سے قبل ہی سجدہ سے سر اٹھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ یہ درحقیقت برابر برابر ہی ہوگا، جب وہ قعدہ میں بیٹھے تو تم میں سے ہر ایک کو پہلے یہ کلمات پڑھنے چاہئیں:

"اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"

تشریح:

"قال رجل من القوم" یعنی نمازیوں میں سے کسی شخص نے نماز کے دوران کہا۔

"اقرت الصلاۃ بالبر و الزکوٰۃ" یعنی نماز کو نیکی اور زکوٰۃ کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، سب ایک جیسے ہیں۔اس شخص نے جذباتی انداز سے یہ جملہ کہا۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان پر نکیر تو فرمائی، مگر نماز لوٹانے کا نہیں کہا، کیونکہ یہ کلمات ذکر اذکار کے قبیلہ سے ہیں تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کذا قالہ الشراح۔

"فأرم القوم" اَرَمَّ میں را اور ہمزہ پر فتحہ ہے اور میم پر شد ہے "ای سکتوا" یعنی لوگ خاموش رہے، کسی نے نہیں بتایا کہ یہ کلام کس نے کیا ہے۔

"یاحطان" یعنی حاضرین میں سے ایک شخص کا نام حطان تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کا نام لیا اور کہا کہ اے حطان! شاید یہ کلمات تم نے کہے ہیں، کیونکہ تم اس طرح جرأت کرتے رہتے ہو۔

"لقد رھبت" یعنی مجھے تو پہلے سے ڈر اور خوف تھا کہ آپ اس طرح بات سے ناراض ہوکر مجھے ڈانٹیں گے، اس لیے میں نے کوئی بات نہیں کی۔

"تبکعنی" بکع فتح یفتح سے ڈانٹنے کے معنی ہیں ہے "ای توبخنی و تبکتنی و تزجرنی"

"الا الخیر" یعنی میں نے ثواب کی نیت سے اور اچھے ارادے سے یہ جملہ کہا ہے۔ یہ بات حاضرین میں سے ایک شخص نے ظاہر کردی۔

"ما تعلمون؟" یعنی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جانتے نہیں ہو کہ نماز میں کیا بولتے ہو، تم کو سوچ کر قدم اٹھانا چاہیے، دیکھو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران ہمیں اس طرح رہنمائی فرمائی۔ یہ کہہ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے نماز کی کیفیت پر لمبی حدیث سنادی۔

"فقولوا آمین" آمین کا مسئلہ آئندہ باب میں تفصیل سے آرہا ہے۔

"یجیبکم اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ آمین کہنے کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

"فتلک بتلک" یعنی رکوع اور سجدہ میں امام کچھ پہلے جاتا ہے، مقتدی کچھ دیر بعد جاتا ہے، پھر امام کچھ پہلے واپس ہوجاتا ہے اور مقتدی کچھ دیر بعد واپس ہوجاتا ہے۔اس طرح دونوں کے وقت کا دورانیہ پورا ہوجاتا ہے اور دونوں برابر ہوجاتے ہیں، اس جملہ کا یہی مطلب ہے: "ای تلك اللحظة بتلك اللخطة و صار قدر رکوعکم کقدر رکوعه"

"سمع الله لمن حمده" یہاں سمع سننے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ قبول کرنے کے معنی میں ہے۔

"یسمع الله لکم" یہ بھی حمد کرنے والے کی حمد کو قبول کرنے کے معنی میں ہے۔

"علی لسان نبیه" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو سن لیا اور قبول کیا "ای حکم فی سابق قضائه باجابة دعاء من حمده" (قاله الابی)

"اوّل قول احدکم" اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ میں بیٹھنے کے بعد التحیات کے علاوہ کوئی دعا نہیں، سب سے پہلے التحیات شروع کرے، پھر آخر میں درود ہو، پھر دعا ہو، یہی دعا کے آداب کی ترتیب بھی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہو، پھر درود ہو، پھر دعا ہو، جس طرح جنازہ کی نماز میں ہوتا ہے۔

٩٠٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ قَتَادَةَ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ وَفِي حَدِيثِ جَرِيرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ قَتَادَةَ مِنَ الزِّيَادَةِ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا "وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَحَدٍ مِنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ قَالَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ إِلَّا فِي رِوَايَةِ أَبِي كَامِلٍ، وَحْدَهُ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: ابْنُ أُخْتِ أَبِي النَّضْرِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ. فَقَالَ مُسْلِمٌ: تُرِيدُ أَحْفَظَ مِنْ سُلَيْمَانَ؟ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ؟ فَقَالَ: هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا فَقَالَ: هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ فَقَالَ: لِمَ لِمَ تَضَعْهُ هَا هُنَا؟ قَالَ: لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدِي صَحِيحٍ وَضَعْتُهُ هَا هُنَا إِنَّمَا وَضَعْتُ هَا هُنَا مَا أَجْمَعُوا عَلَيْهِ

اس سند سے حضرت قتادہؒ سے یہی سابقہ حدیث منقول ہے، اس کے ایک طریق میں یہ زیادتی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "واذا قرأ فانصتوا" (جب امام تلاوت کرے تو خاموش رہو)۔ اس کے علاوہ اس سند سے ابو کامل عن ابی عوانہ کے طریق کے علاوہ کسی بھی طریق میں یہ مذکور نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان پر یہ فرمایا کہ سمع الله لمن حمده (سن لی اللہ نے اس کی جس نے تعریف کی اس کی) (یعنی یہ الفاظ صرف ابو کامل کی روایت میں ہیں، اس حدیث کے دوسرے طریق میں موجود نہیں ہیں) ابو اسحٰقؒ نے فرمایا کہ ابو بکر جو ابو النضر کے بھانجے ہیں، انہوں نے اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے۔ اس پر امام مسلمؒ نے اس سے فرمایا: کیا تم سلیمان تیمیؒ سے بھی زیادہ کوئی حافظ چاہتے ہو کہ (وہ روایت کرے، یعنی سلیمان سے بڑا حافظ نہیں مل سکتا) ابو بکر نے ان سے کہا کہ تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں کیا خیال ہے؟ امام مسلمؒ نے فرمایا کہ صحیح ہے۔ یعنی یہ اضافہ واذا قرأ فانصتوا کا میرے نزدیک صحیح اضافہ ہے تو اس پر ابو بکر نے کہا کہ پھر آپ نے وہ حدیث اپنی کتاب میں کیوں نہ لی؟ امام مسلمؒ نے فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو اسے میں اپنی کتاب میں تخریج بھی کردوں، بلکہ جو باتفاق صحیح حدیث ہے صرف اسے ہی یہاں لایا ہوں اس کتاب میں۔

تشریح:

"وفی حدیث جریر عن سلیمان التیمی من الزیادۃ "واذا قرأ فانصتوا" یعنی سلیمان تیمی کی جو روایت ہے، اس میں دیگر شاگردوں کی نسبت اضافہ ہے جو واذا قرأ فانصتوا کا اضافہ ہے۔

یہاں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو آگے پیچھے بیان کیا ہے، جس کی وضاحت ضروری ہے۔ اس سے پہلے جو لمبی حدیث گزری ہے، وہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے۔ اس سند میں حضرت قتادہؒ کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ مگر اس میں "واذا قرأ فانصتوا" کا جملہ نہیں ہے۔ امام مسلمؒ نے شیخ قتادہؒ کی سابقہ سند کے ساتھ یہاں ایک اور روایت نقل کی ہے، جو قتادہؒ کے تین شاگردوں کے حوالہ سے منقول ہے۔ ایک شاگرد سعید بن ابی عروبہ ہے۔ دوسرا شاگرد معاذ بن ہشام ہے اور تیسرا شاگرد سلیمان تیمیؒ ہے۔ اب اس دوسری سند اور پہلی سند کی دونوں روایتوں میں دو جملوں کا فرق آرہا ہے۔ ایک جملہ فان اللہ قال علی لسان نبیہ الخ ہے۔ یہ جملہ سابقہ سند کی روایت میں ابو کامل حجدری نے ابوعوانہ کے حوالے سے شیخ قتادہ سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں امام مسلمؒ اس دوسری زیر بحث روایت میں فرماتے ہیں کہ یہاں یہ جملہ مذکور نہیں ہے۔ ان دونوں روایتوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ سلیمان تیمیؒ نے شیخ قتادہؒ سے "واذا قرأ فانصتوا" کا اضافی جملہ اس دوسری سند میں نقل کیا ہے، جو ان کے دیگر ساتھیوں نے نقل نہیں کیا ہے۔ اس میں تنازع پیدا ہوگیا کہ آیا یہ جملہ ثابت اور قابل قبول ہے یا نہیں ہے۔ اس تنازع کو امام مسلمؒ کے شاگرد اور صحیح مسلم کے ناقل ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "واذا قرأ فانصتوا" پر ابونضر کے بھانجے ابوبکر نے امام مسلمؒ پر اعتراض کیا اور اس جملہ پر طعن کیا اور اس کی صحت کو مخدوش قرار دیا اور کہا اس میں سلیمان متفرد اور اکیلے ہیں، لہٰذا ان کی یہ زیادت قبول نہیں ہے اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو استاد جی! آپ نے اس کو کیوں نقل کیا؟ اس کے جواب میں امام مسلمؒ نے ابونضر کے بھانجے ابوبکر سے کہا کہ سلیمان تیمی حافظ متقن کامل ضبط راوی ہے، کیا تم اس سے زیادہ ضابط وحافظ پیش کرسکتے ہو، یعنی نہیں پیش کرسکتے ہو، بلکہ جن لوگوں نے اس روایت میں ان کی مخالفت کی ہے، وہ مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ پھر ابوہریرہؓ کی حدیث کا کیا حال ہے، اس میں بھی "واذا قرأ فانصتوا" کا جملہ مذکور ہے، کیا وہ صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے، عربی عبارت کی وضاحت اور حدیث ابی ہریرہؓ اس طرح ہے "فحدیث ابی ہریرہ؟ ای حدیث ابی ہریرہ صحیح عندك ام لا؟ قلت وحدیث ابی ہریرۃ اخرجہ ابو دائود والنسائی و ابن ماجۃ وھو قولہ علیہ السلام "انما جعل الامام لیئوتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا و اذا قال غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا آمین" (فتح الملہم ج۳ ص ۴۲۸)

جب ابوبکر نے امام مسلمؒ سے پوچھا کہ کیا ابوہریرہؓ کی حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں تو امام مسلمؒ نے جواب دیا کہ جی ہاں وہ میرے نزدیک بالکل صحیح ہے، اس کے جواب میں ابوبکر نے پھر اعتراض کیا کہ جب ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح تھی تو آپ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہاں قرأت کے باب میں اسے نقل کرکے درج کیوں نہیں کیا؟ اس کے جواب میں امام مسلمؒ نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ میں ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب مسلم میں درج کروں، میں یہاں وہ احادیث جمع کرتا ہوں، جن پر ائمہ حدیث کا

اتفاق اور اجماع ہوا اور ابو ہریرہؓ کی حدیث پر اجماع نہیں ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث پر تو ائمہ حدیث کا اتفاق ہے، جس میں یہ جملہ نہیں ہے، لیکن جس حدیث میں یہ جملہ ہے، اس پر اتفاق نہیں ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ دعویٰ کیسے کیا ہے کہ سب ائمہ اس پر متفق ہوں، حالانکہ صحیح مسلم میں ایک سو بیس احادیث پر باقاعدہ کلام کیا گیا ہے اور بہت ساری احادیث اس طرح ہیں کہ اس پر ائمہ حدیث کا اجماع نہیں ہوا ہے تو یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: علامہ سیوطیؒ نے "دیباج" میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شاید سہو اور ذہول سے یا کسی اور سبب سے یہ شرط پوری نہیں ہوئی، مگر امام مسلمؒ کا دعویٰ اپنی جگہ دعویٰ ہے۔ دیگر علماء نے دوسرا جواب دیا ہے، وہ یہ کہ "ما اجمعوا علیه" سے چار ائمہ کا اتفاق اور صحت پر جمع ہونا مراد ہے اور وہ چار ائمہ یہ ہیں: (۱) احمد بن حنبلؒ (۲) یحییٰ بن معینؒ (۳) ابوزرعہ رازیؒ (۴) ابوحاتم رازیؒ۔ بعض نے یہ چار مراد لیا ہے: (۱) احمد بن حنبلؒ (۲) یحییٰ بن معینؒ (۳) سعید بن منصورؒ (۴) عثمان بن ابی شیبہؒ۔ فتح الملہم میں پہلے چار حضرات کا ذکر ہے۔ اس پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ امام مسلمؒ کے نزدیک واذا قرأ فانصتوا کا جملہ مستند صحیح اور ثابت قابل قبول ہے، جو احناف کی دلیل ہے۔ علامہ نوویؒ وغیرہ حضرات بہت زور و شور سے کہتے ہیں کہ امام مسلمؒ کی تصحیح سے دوسرے ائمہ کی تضعیف راجح ہے۔ ان حضرات کی اس بات پر تعجب اس لیے آتا ہے کہ امام مسلمؒ اس میدان کے شہسوار ہیں۔ انہوں نے مقدمہ مسلم میں اپنا لوہا منوالیا ہے اور اس تفرد کے لیے انہوں نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں ص ۵ پر ایک ضابطہ مقرر کیا ہے، جس کی تائید نوویؒ اور ان کے تمام موافقین نے کی ہے۔ اب نہ معلوم یہاں اس جملہ کے تفرد پر یہ حضرات کیوں اتنے ناراض ہو رہے ہیں۔ شاید احناف کے فائدے سے بوجھ محسوس کرتے ہوں گے، ورنہ امام مسلمؒ نے تفرد کے بارے میں یوں لکھا ہے: "والذی یعرف من مذہبهم فی قبول ما یتفرد به المحدث من الحدیث ان یکون قد شارك الثقات من أهل العلم والحفظ فی بعض ما رووا و أمعن فی ذالك علی الموافقة لهم فاذا وجد ذالك ثم زاد بعد ذالك شیئاً لیس عند أصحابه قبلت زیادته" (صحیح مسلم ص ۵)

امام مسلمؒ کے اس واضح کلام کو جب ہم دیکھتے ہیں تو روایت میں تفرد کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اب یہاں قتادہؒ کے تمام شاگردوں کے ساتھ سلیمان تیمیؒ تمام روایات میں شریک ہیں، رتبہ و علم کے اعتبار سے بھی کسی سے کم نہیں ہیں، اگر صرف ایک جملہ میں تفرد ہے تو اس تفرد کو تو ان کے کمال علم اور کمال حفظ اور کمال تیقظ پر حمل کرنا چاہیے نہ یہ کہ سلیمان کو بھی مسترد کیا جائے اور امام مسلمؒ کی تصحیح کو بھی نظر انداز کیا جائے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ پھر عجیب بات یہ ہے کہ حدیث میں تو جرأت کے ساتھ اس جملہ کو رد کیا جا رہا ہے، لیکن یہ جملہ تو صرف حدیث نہیں ہے، یہ تو قرآن کی آیت ہے اور نماز کے بارے میں نازل ہے، وہاں کیا کروگے کیا "واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" قرآن کی آیت نہیں ہے اور اس کے ضمن میں "واذا قرأ فانصتوا" مندرج نہیں ہے، قرآن میں صرف "قرأ" مجہول کا صیغہ ہے اور حدیث میں "قرأ" معروف کا صیغہ ہے، جس کی ضمیر خاص نمازی کی طرف راجع ہے، بہر حال میں نے اس مقام کی تشریح ایک خالص مدرس اور طالب علم کی غرض سے کی ہے، لہٰذا میں زندگی میں بھی اور مرنے کے

بعد بھی پڑھانے والے مدرس اور پڑھنے والے طالب علم سے بھرپور دعا کی امید رکھوں گا، جب وہ یہ تحریر پڑھیں تو مجھے دعا میں یاد کریں۔(فضل محمد)

۹۰۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ. وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَضَى عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرو، پھر تم میں سے کوئی تمہاری امامت کروائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب ولا الضالین کہے تو آمین کہو......الخ) منقول ہے۔

باب الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم بعد التشهد

تشہد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۹۰۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُجْمِرِ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ الأَنْصَارِيَّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ، هُوَ الَّذِي كَانَ أُرِيَ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ، قَالَ: أَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ لَهُ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ: أَمَرَنَا اللَّهُ تَعَالَى أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى تَمَنَّيْنَا أَنَّهُ لَمْ يَسْأَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَالسَّلاَمُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (جو جلیل القدر صحابی اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے) کی مجلس میں حاضر تھے کہ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے (اشارہ ہے قرآن کریم کی سورۂ احزاب کی آیت ۵۶ کی طرف) تو ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا (اور اتنی دیر تک خاموش رہے کہ ہمیں آپ کی ناگواری کا خدشہ ہونے لگا) حتیٰ کہ ہم یہ تمنا کی کہ کاش! بشیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہی نہ کرتے۔بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یوں کہا کرو: ''اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ'' اور سلام کا طریقہ تو تم جانتے ہی ہو۔

تشریح:

"قولوا اللهم صل على محمد" یعنی صحابہ کرامؓ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس طرح درود پڑھا کرو، یہ نماز کے اندر درود پڑھنے کی بات ہے۔

صلوٰۃ لغت میں دعا، استغفار، رحمت اور حسن الثناء کو کہتے ہیں۔

صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے تو اس سے رحمت کاملہ کا نزول مراد ہوتا ہے۔ اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو استغفار مراد لیا جاتا ہے اور اگر اس کی نسبت انسانوں اور جنات کی طرف کی جائے تو اس سے دعا مراد ہوتی ہے اور اگر اس کی نسبت وحوش وطیور کی طرف کی جائے تو اس سے تسبیح وتہلیل مراد لیا جائے گا۔

پوری عمر میں ایک بار درود کا پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، قرآن کی آیت اس پر دال ہے۔ ہر مجلس میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پہلی بار لیا جائے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے، دوبارہ لیا جائے تو درود پڑھنا مستحب وسنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا مقصود بالذات ہے اور بالتبع دوسرے انبیاء وآل واصحاب پر پڑھنا جائز ہے، مستقل طور پر کسی دوسرے شخص پر صلوٰۃ وسلام جائز نہیں، بلکہ بعض محققین نے صلوٰۃ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور سلام تمام انبیائے کرام کے لیے عام قرار دیا ہے۔ ہاں بالتبع صلوٰۃ دیگر انبیاء پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

"رضي الله عنه" کا لفظ چونکہ اخبار بالرضاء ہے، اس لیے صحابہ کرامؓ کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ صحابہؓ کے ساتھ خاص ہے، بعض متقدمین علماء "رضي الله عنه" کے لفظ کو غیر صحابی کے لیے بھی جائز مانتے ہیں۔ اس لیے بعض مقامات پر غیر صحابی کے لیے لفظ "رضي الله عنه" استعمال کیا گیا ہے۔

"رحمة الله عليه" کا لفظ اولیاء اللہ اور علماء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، البتہ بالتبع رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ صحابی اور غیر ولی کے لیے بولا جاتا ہے۔

لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۸۸ پر شیخ عبدالحقؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے اگر صرف دعا مراد لیا جائے، یعنی اس کا لغوی معنی مراد لیا جائے تو پھر انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اللهم صل على آل ابي اوفى" اور "اللهم صل على عمرو بن العاص" پڑھا، یہ سب دعا اور رحمت کے طور پر تھا، درود کے طور پر نہیں۔ یہی صورت حال لفظ "رضي الله عنه" کی بھی ہے، کتاب الایمان کی ابتداء میں تفصیل لکھی گئی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت؟

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ التحیات میں بھی درود پڑھنا فرض ہے اور تشہد کے بعد قبل السلام بھی پڑھنا فرض ہے، لیکن اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے ساتھ کوئی نہیں ہے، بلکہ امام شافعیؒ کا یہ قول شاذ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا معتمد قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام سنے تو ایک بار درود پڑھنا

واجب ہے، اس کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے اور التحیات اور تشہد کے بعد درود پڑھنا سنت ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ البتہ امام احمدؒ کا ایک قول امام شافعیؒ کے ساتھ بھی ہے۔ شوافع حضرات نے قرآن کریم کی درود والی آیت سے بھی استدلال کیا ہے اور احادیث میں درود کے جو فضائل مذکور ہیں، اس سے بھی استدلال کیا ہے۔ یہ استدلال واضح نہیں ہے، آیت میں مطلق درود کا ذکر ہے، نماز کے ساتھ خاص نہیں، نہ ہر مرتبہ پڑھنے کی بات ہے اور احادیث میں درود کی فضیلت کا بیان ہے، درود پڑھنے کی ترغیب ہے، یہ فرضیت کی دلیل نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ سے صرف تشہد پڑھنے پر فرمایا کہ "اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتك" یہاں درود پڑھے بغیر صرف تشہد تک پڑھنے یا اس مقدار تک بیٹھنے پر نماز کو مکمل اور جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہاں درود فرض نہیں ہے، ہاں عمر میں ایک بار پڑھنا فرض ہے اور خصوصی طور پر تشہد کے بعد قبل السلام سنت مؤکدہ ہے۔

"**كيف نصلي**" یعنی التحیات میں "السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته" کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سلام پڑھنے کا طریقہ بتادیا، یعنی معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خود سلام پڑھا۔ اب صلوٰۃ کا طریقہ آپ بتادیجیے، کیونکہ قرآن میں صلوٰۃ وسلام دونوں کے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درود ابراہیمی پڑھا کرو۔ علماء لکھتے ہیں کہ تمام درودوں میں افضل درود وہی ہے جو نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے، جس کے پڑھنے سے بریلوی حضرات تقریباً محروم ہیں۔

"**وعلى آل محمد**"

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟

"آل" اہل وعیال کو کہتے ہیں اور تابعدار کو بھی آل کہتے ہیں، چنانچہ آل کے تعین میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء آل محمد سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال مراد لیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آل محمد سے تابعدار وفرمانبردار لوگ مراد ہیں اور ہر مؤمن متقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آل محمد سے وہ اہل بیت مراد ہیں جن کے لیے صدقہ لینا حرام ہے۔

فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اہل بیت میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت کے پہلے مفہوم میں شامل ہیں۔ اس کے بعد دوسرے لوگ اس میں شامل کیے گئے ہیں۔ ازواج مطہرات خود بخود اہل بیت ہیں۔ آئندہ ازواج کے مناقب میں تفصیل انشاء اللہ آئے گی۔

"**على ابراهيم**" حدیث میں درود کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کی گئی ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام علی الاطلاق جد الانبیاء ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالخصوص جد امجد ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت محمدی اصولی طور پر دین ابراہیمی کی تابع ہے،

چنانچہ اہل مکہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور کچھ نا قابل اعتبار عبادات میں ان کی پیروی کرتے تھے۔
"محمد" جس میں تمام اچھی صفات جمع ہوں، وہ محمد کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمد ومحامد کے تمام الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معروف ومشہور ہیں، قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا نام لواء الحمد ہے۔ آپ کی امت حمادون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود ہے جہاں آپ کو سارے محامد القاء ہوں گے۔ یہ نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں پندرہ آدمیوں نے رکھا تھا، مگر آپ کا نام جو احمد ہے، یہ آپ کی بعثت سے پہلے کسی نے نہیں رکھا۔ (فتح الملہم)

"کماصلیت" کی بحث

سوال:

یہاں علماء میں یہ بحث چلی ہے کہ تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ادنیٰ کی تشبیہ اعلیٰ کے ساتھ دی جاتی ہے تاکہ ادنیٰ مشبہ کو کامل مشبہ بہ کے ساتھ ملایا جائے، اگر یہ قاعدہ یہاں درود میں مان لیا جائے تو اس سے اسلام کا وہ عقیدہ متاثر ہوتا ہے، جس میں یہ طے ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرامؑ سے افضل وبزرگ تر ہیں؟

جواب:

علمائے کرام نے اس سوال کے کئی جوابات دیئے ہیں، بلکہ بعض علماء نے اس لفظ پر کتابیں لکھی ہیں۔
(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ تشبیہ میں اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ کی تشبیہ کا قاعدہ اکثریہ ہے، قاعدہ کلیہ نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ صورت اس قاعدے کے تحت نہیں ہے۔
(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ "مشبہ بہ" کا اقویٰ واعلیٰ اور افضل ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اوضح واظہر واعرف ہونا ضروری ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور الٰہی کی تشبیہ طاقچہ اور قندیل میں رکھے ہوئے چراغ سے اس طرح دی ہے: ﴿مثل نوره کمشکاة فیها مصباح المصباح فی زجاجة الخ﴾
ایک شاعر پر کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کی سخاوت وشجاعت کی تشبیہ حاتم طائی اور عمرو سے دے کر بادشاہ کی توہین کی ہے کہ اعلیٰ کی تشبیہ ادنیٰ سے دے دی تو اس نے جواب دیا:

لَا تُنْكِرُوْا ضَرْبِیْ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖ مَثَلًا شَرُوْدًا فِی النَّدیٰ وَالْبَأْسِ
فَاللّٰهُ قَدْ ضَرَبَ الْاَقَلَّ لِنُوْرِهٖ مَثَلًا مِنَ الْمِشْکَاةِ وَالنِّبْرَاسِ

یعنی میں نے سخاوت اور شجاعت میں کم تر چیز سے جو تشبیہ دی ہے، تم اس پر تنقید واعتراض نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی تشبیہ ایک کم تر چیز طاقچہ اور فانوس سے دی ہے۔
(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے، کیفیت وکمیت صلوٰۃ میں نہیں ہے، بالفاظ دیگر یہاں اشتراک فی النوع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نوع صلوٰۃ ہو۔ اس میں بحث نہیں کہ کونسی نوع اتم ہے اور کونسی نوع غیر اتم ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں کما صلیت میں کاف کالفظ مقحم یعنی زائد ہے، پھر تو تشبیہ کی بات ہی ختم ہوگئی۔ یہ جوابات علماء بیان فرماتے ہیں۔ میرے خیال میں اس بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا نزول ہوا تھا، وہ جدالانبیاء والمرسلین ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں۔ اگر اس کی دعا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانگی گئی تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔

"وبارک علی محمد" درود کے الفاظ اور اس کے صیغے مختلف انداز سے وارد ہیں، جس طرح مختلف احادیث میں بھی مختلف صیغے آئے ہیں۔ علماء نے اس کے متعلق کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ صیغے احادیث سے ثابت ہیں اور کچھ بزرگوں کے معمولات سے منقول ہیں۔ بہرحال جو صیغے شان نبوت کے منافی نہ ہوں یا شریعت کے اصولی قواعد کے مخالف نہ ہوں، ان کے پڑھنے کی گنجائش ہے۔ تاہم جو صیغے احادیث سے ثابت ہوں، ان کا اختیار کرنا زیادہ باعث برکت ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ درود ابراہیمی سب سے افضل ہے۔ بریلوی حضرات جو اپنے آپ کو عاشقانِ رسول کہتے ہیں اور اپنے آپ کو درود پڑھنے والے بتاتے ہیں، وہ اکثر وبیشتر اس درود سے محروم ہیں جو مستند ہے اور اپنی طرف سے گھڑا ہوا نمائشی درود پڑھتے ہیں، جس کے اندر اُن کا غلط عقیدہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس پر کیا ثواب ملے گا۔

دلائل الخیرات میں درود کی بہت ساری قسمیں موجود ہیں، آج کل اور بھی بہت ساری کتابیں علمائے دیوبند نے شائع کی ہیں، جن میں مختلف صیغوں پر درود درج ہیں۔

حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ الحدیث محمد زکریاؒ نے فضائل درود شریف پر بہت مفید تصنیفات لکھی ہیں۔

"والسلام کما علمتم" یعنی سلام کا طریقہ تو تم تشہد میں جان چکے ہو، اسی طرح پڑھا کرو۔

۹۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، - وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى - قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ، فَقَالَ: أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا: قَدْ عَرَفْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی، وہ کہنے لگے کہ کیا میں تمہیں ایک ہدیہ نہ دوں؟ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف آنکلے تو ہم نے عرض کیا کہ ہمیں آپ کو سلام کرنے کا طریقہ تو معلوم ہی ہے، آپ پر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہو: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ"

۹۰۸۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، وَمِسْعَرٍ، عَنِ الْحَكَمِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ مِسْعَرٍ: أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً

حضرت حکم رضی اللہ عنہ سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے، مگر اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ کیا میں تم کو ایک ہدیہ نہ کردوں۔

۹۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَعَنْ مِسْعَرٍ، وَعَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الْحَكَمِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ، أَنَّهُ قَالَ: وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَلَمْ يَقُلْ: اللَّهُمَّ

حضرت حکم رضی اللہ عنہ سے اسی سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے، مگر اس روایت میں اللھم بارک کے بجائے وبارک علی محمد کے الفاظ ہیں۔

۹۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ، ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: أَخْبَرَنَا رَوْحٌ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ، أَنَّهُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى أَزْوَاجِهِ، وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَزْوَاجِهِ، وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یوں کہا کرو: ''اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى أَزْوَاجِهِ، وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَزْوَاجِهِ، وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ''

تشریح:

''وعلی ازواجہ و ذریتہ'' ازواج سے امہات المؤمنین مراد ہیں۔ یہ خود آل میں داخل ہیں، جس طرح ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''ما شبع آل محمد میں خبز مادوم ثلاثاً'' لیکن اہتمام شان اور واضح طور پر بتانے کی غرض سے ان کو آل کے بعد ازواج کے لفظ سے الگ ذکر کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر انبیاء پر تبعاً صلوٰۃ وسلام کا اطلاق جائز ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی ایک عبارت ملاحظہ ہو۔ قال ابن القیم و المختار ان یصلی علی الانبیاء و الملائکۃ و ازواج النبی صلی اللہ علیہ و سلم بالاجمال (ای بالتبع) و تکرہ فی غیر الانبیاء لشخص مفرد بحیث یصیر شعاراً کما یفعلہ الرافضۃ (خلاصہ فتح الملہم)

روافض کی عادت ہے کہ اپنے تمام اماموں پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اور کتابوں میں ان کے ساتھ لکھتے ہیں اور ابوطالب کے ساتھ علیہ السلام امام باڑوں وغیرہ مقامات میں لکھتے ہیں۔ ابن قیمؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور روافض پر رد کیا ہے۔

۹۱۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ، وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔''

تشریح:

''صلی علی واحدۃ'' یعنی جس شخص نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کو دس بار درود پڑھنے کا ثواب دیتا ہے۔ یہاں ایک مشہور سوال ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ایک درود ملا، مگر امتی کو دس کا ثواب ملا، جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ امتی کا درجہ فضیلت کے حوالہ سے بڑھ گیا، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب شارحین نے دیا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والے کو ایک درود پر دس کا ثواب ملتا ہے، مگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو درود چلا گیا، وہ تو حساب وکتاب اور شمار کے دائرہ سے باہر ہے، کیونکہ درود کا مقام ہر شخص کی اپنی حالت کے مطابق بنتا ہے۔ کبھی ایک درود کا مقابلہ ہزار درود نہیں کر سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''وَكَمْ مِنْ وَاحِدٍ لَا يُسَاوِيهِ أَلْفٌ فَمِنْ أَيْنَ التَّفْضِيلُ؟''

اس موقع پر شیخ عبدالحقؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خصوصی درود ہمارے ہزاروں درود سے زیادہ افضل ہو، جس طرح ایک موتی ہزاروں دراہم سے افضل ہوتا ہے۔

بندہ عاجز کہتا ہے کہ یہاں تقابل کا سوال اٹھانا ہی نہیں چاہیے، کیونکہ بادشاہوں سے لوہاروں کا تقابل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ جملہ شاید عدل ہے: ''لا يقاس الملوك بالحدادين'' یعنی بادشاہوں کو لوہاروں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ باب میں بار بار درود کے ساتھ لفظ ''اللھم'' آ گیا ہے، یہ اصل میں یا اللہ تھا۔ حرف ندا کو حذف کیا اور اس کے عوض میں آخر میں میم بڑھایا گیا تو ''اللھم'' ہو گیا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللھم'' تمام دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ ''اللھم مجتمع الدعا'' نضر بن شمیلؒ فرماتے ہیں: ''من قال اللهم فقد سأل الله بجميع أسمائه'' (فتح الملہم)

باب التسميع والتحميد والتامين

سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد اور آمین کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۹۱۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم کہو اللھم ربنا لك الحمد کیونکہ جس کی تحمید فرشتوں کی تحمید سے مل گئی تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح:

"سمع الله لمن حمده" اوپر عنوان میں تسمیع کا جو لفظ مذکور ہے، اس سے یہی الفاظ مراد ہیں اور تحمید سے ربنالك الحمد کے الفاظ مراد ہیں۔

"سمع الله لمن حمده" یہاں سمع کا معنی قبول کرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حمد قبول فرمائی، جس نے ان کی حمد کی۔

"لِمن" میں لام نفع کے لیے ہے، یعنی اللہ نے حمد کرنے والے کے فائدہ کے لیے اس کی حمد قبول فرمائی۔

"حمده" میں "ھا" ساکنہ ہے، جو سکتہ اور استراحت کے لیے ہے۔ (لمعات)

"ربنالک الحمد" یہ الفاظ احادیث میں تین طرح پر آئے ہیں اول "ربنا لك الحمد" دوم "ربنا و لك الحمد" سوم "اللھم ربنا و لك الحمد" ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آخر والے دو جملے پہلے جملہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور سے بعد کے علماء کے معمول میں یہ دعا اس طرح بھی ہے: "ربنا ولك الحمد حمداً كثيرا طيباً مباركاً فيه"

اب اس میں بحث ہے کہ تحمید و تسمیع کے بارے میں اصل ذمہ داری کس کی ہے، آیا امام اور مقتدی دونوں پڑھیں یا کچھ امام پڑھے اور کچھ مقتدی، پڑھنے میں تقسیم کار ہے یا نہیں؟ فقہائے کرامؒ کا اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

تحمید و تسمیع میں تقسیم

زیر بحث حدیث کے پیش نظر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام تحمید و تسمیع دونوں پڑھے یعنی سمع الله لمن حمده کے ساتھ ربنا و لك الحمد بھی پڑھے، کیونکہ حدیث سے یہ طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا بھی یہ مسلک ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کار کے طور پر امام سمع الله لمن حمده پڑھے اور مقتدی ربنا و لك الحمد پڑھے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جو ابن ماجہ کے علاوہ سنن کی تمام کتابوں میں مذکور ہے، الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا و لك الحمد"

طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام اور ماموم کے درمیان کلمات کو تقسیم فرما دیا ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ زیر بحث حدیث کو حالت امامت پر محمول نہیں کرتے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ منفرد کی نماز کی کیفیت ہے اور منفرد دونوں جملوں کو ادا کرے گا۔

"ومن وافق قوله قول الملائكة" یعنی "ربنا لك الحمد" کے الفاظ فرشتے بھی ادا کرتے ہیں، خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا

آسمانوں میں ہوں، ان کے کلمات سے جب انسان کے کلمات موافق ہو جائیں تو انسان کے سارے سابقہ صغائر گناہ معاف ہو جائیں گے۔ علامہ اُبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت صرف ربنا لك الحمد کے لیے ہے، عام درود کی بات یہاں نہیں ہے۔

۹۱۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ سُمَيٍّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی، اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

۹۱۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: آمِينَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز میں آمین کہتا ہے تو فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں، پس اگر ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے مل گئی تو نمازی کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

تشریح:

"کان رسول اللہ یقول آمین" لفظ آمین میں سب سے پہلی بحث یہ ہے کہ یہ کس لغت اور کس زبان کا لفظ ہے؟ بعض علماء نے اس کو فارسی کا لفظ تسلیم کیا ہے کہ اصل میں لفظ "همین" تھا، جس کا معنی "کذالك" ہے۔ اس لفظ کو عربی کی طرف منتقل کیا گیا تو "آمین" بن گیا۔ اس کا مطلب اور مفہوم اس طرح ہے کہ امام جب فاتحہ پڑھتا ہے اور پھر دعا کے طور پر آمین کہتا ہے تو مقتدی لوگ بھی اس درخواست پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے آمین کہتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ "آپ نے بجا فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔"

بعض علماء نے "آمین" کو عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ تسلیم کیا ہے۔ ان زبانوں میں اس طرح کے اوزان کثرت کے ساتھ آتے ہیں، جیسے ہابیل، قابیل، میکائیل اور اسرافیل۔ تو یہ لفظ ان زبانوں میں "استجب یعنی قبول فرما" کے معنی میں ہے۔ بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ لفظ عجمی نہیں ہے، بلکہ عربی لفظ ہے اور عربوں نے اس کو استعمال کیا ہے، مجنون لیلیٰ کہتا ہے:

امین امین لا ارضی بواحدة حتی اضم الیها الفین امینا

پھر کہتا ہے:

اللهم لا تسلبنی حبها ابدا و یرحم الله عبدا قال امینا

یہ لفظ دوطرح پڑھا گیا ہے، یعنی بالقصر "امین" اور بالمد "آمین" دونوں طرح صحیح ہے اور "امینا" الف اشباعی کے ساتھ بھی صحیح ہے۔ اس لفظ کا دوطرح پڑھنا غلط ہے، ایک الف پر زبر کے ساتھ، جیسے "اَمین" اور دوسرا الف پر مد اور میم پر شد کے ساتھ پڑھنا غلط ہے، جیسے "آمّین" جو قصد کے معنی میں ہے۔

آمین کے مسئلے میں دو مقام میں اختلاف ہے، پہلا اختلاف تو اس میں ہے کہ آیا آمین کہنا صرف امام کا وظیفہ ہے یا امام اور مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے۔

تو امام مالکؒ کے نزدیک یہ صرف مقتدی کا وظیفہ ہے اور حدیث "اذا قال الامام و لا الضالین فقولوا آمین" میں تقسیم کار ہے، امام کا کام فاتحہ پڑھنا اور مقتدی کا کام آمین کہنا ہے۔ جمہور فقہاء اور ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ آمین امام اور مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے۔

ان حضرات کی دلیل صحیحین کی یہ روایت ہے: "قال رسول الله اذا امن الامام فامنوا" یعنی جب امام آمین کہہ دے تو تم بھی کہہ دو۔ جمہور نے امام مالکؒ کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ دلیل اپنے دعوے پر صریح اور نص نہیں ہے، بلکہ صرف اشارۃ النص سے استدلال ہے، جبکہ جمہور نے عبارۃ النص سے استدلال کیا ہے، جو اولیٰ وارجح ہے۔ سری نماز میں آمین صرف امام کا وظیفہ ہے۔

فرقہ ضالہ شیعہ شنیعہ اور رافضہ مرفوضہ نے آمین کہنے کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے۔ ابن حزم ظاہری اور غیر مقلدین آمین کہنے کو واجب کہتے ہیں۔

آمین بالجہر کی بحث

آمین میں دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ آیا اس کو زور سے جہراً پڑھا جائے یا آہستہ سراً پڑھا جائے۔

آمین بالجہر فقہاء کا اختلاف

آمین جہراً اور سراً پڑھنے میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، کسی جانب میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ احناف جہراً پڑھنے پر مسنون کا اطلاق نہیں کرتے، بلکہ جائز کے درجے میں مانتے ہیں۔ اور شوافع حضرات سراً کو جائز کہتے ہیں اور جہراً پڑھنے کو افضل کہتے ہیں تو یہ اختلاف درحقیقت افضل، غیر افضل اور اولیٰ، غیر اولیٰ کا ہے، جائز و ناجائز کا نہیں۔ تو امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ جہری نمازوں میں آمین بالجہر کو افضل کہتے ہیں، جبکہ احناف اور مالکیہ آمین بالسر کو افضل قرار دیتے ہیں۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، جس میں "کان رسول الله یقول آمین" کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح شوافع نے وائل بن حجرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، جس میں "مد بہا صوتہ" کے الفاظ آئے ہیں۔ (ترمذی)

شوافع کی دوسری دلیل بشر بن رافعؒ کی ایک روایت سے ہے، جس میں "یرفع بها صوته" کے الفاظ آئے ہیں جو اپنے مدعا پر صریح دلیل ہے۔اسی طرح ابن ماجہ کی روایت میں ہے "حتی یسمعها الصف الاول فیرتج بها المسجد" (کذا فی لمعات)

شوافع کی تیسری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جو ابوداؤد نے نقل کی ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: "کان رسول الله صلی الله علیه و سلم اذا تلا غیر المغضوب علیهم و لا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول" (لمعات ج۳ص۱۴۴)

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں دونوں روایات کو نقل کیا ہے، ایک میں جہر کا ذکر ہے اور دوسرے میں عدم جہر کا ذکر ہے، پھر امام ترمذیؒ نے جہر والی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بخاریؒ کے حوالے سے عدم جہر والی روایت پر اعتراضات وارد کیے ہیں۔

احناف و مالکیہ کی پہلی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے، جسے صاحب ہدایہ نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔اصل روایت حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "عن عمر بن الخطابؓ انه قال یخفی الامام اربعة اشیاء التعوذ و البسملة و امین و سبحانك اللهم و بحمدك و عن ابن مسعود مثله" (لمعات، ج۳، ص۱۴۴)

اسی روایت کو صاحب ہدایہ روایت بالمعنی کر کے فرمایا: ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: "اربع یخفیهن الامام و ذکر من جملتها التعوذ و التسمیة وامین" (ہدایہ، ص۱۰۳)

(۲) احناف کی دوسری دلیل جمع الجوامع کی روایت ہے، جو علامہ سیوطیؒ نے نقل فرمائی ہے، الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی وائل قال کان عمر و علی لا یجهران بالبسملة و لا بالتعوذ و لابامین" (رواه ابن جریر و الطحاوی کذا فی لمعات)

(۳) احناف کی تیسری دلیل سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے، جو اس طرح منقول ہے:

"عن سمرة بن جندب رضی الله عنه انه حفظ عن رسول الله صلی الله علیه و سلم سکتتین سکتة اذا فرغ من قراء ة غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فصدقه أبی بن کعب" (رواہ ابوداؤد)

اس روایت میں و لا الضالین کے وقت سکتہ کا جو ذکر ہے، یہ صرف آمین بالسر پڑھنے کے لیے تھا۔

(۴) احناف کی چوتھی دلیل تہذیب الآثار میں طبرانی کی روایت ہے، الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی ابی وائل قال لم یکن عمرو علی یجهران ببسم الله الرحمن الرحیم و لا امین"

(۵) احناف و مالکیہ کی پانچویں دلیل یہی وائل بن حجرؓ کی روایت ہے جو اس طرح ہے: "عن وائل بن حجر ان النبی صلی الله علیه و سلم قرء غیر المغضوب علیهم و لاالضالین فقال آمین و خفض بها صوته" (ترمذی ۳۴)

روایات و آثار دونوں طرف سے ہیں، مگر مدار اختلاف اسی روایت وائل بن حجرؓ پر ہے۔شوافع نے مد بها صوته کو راویوں کی وجہ سے اور قوت سند کے اعتبار سے راجح قرار دیا ہے اور احناف کے تمام مستدلات کو کسی نہ کسی وجہ سے معلول قرار دے دیا ہے۔

شوافع کے اس مستدل کو سفیان ثوری ؒ نقل کرتے ہیں اور شوافع حضرات سفیان کے طریق سند کو عمدہ قرار دیتے ہیں، احناف کے طریق سند کو شعبہ نقل کرتے ہیں، احناف ان کو سفیان ثوریؒ پر ترجیح دیتے ہیں۔ آٹھ آٹھ وجوہ ترجیح بیان کی جاتی ہیں، مگر فیصلہ نہیں ہوتا۔ احناف و مالکیہ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی آمین بالسر پر استدلال کرتے ہیں ﴿ادعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین﴾ (اعراف آیت:۵۵)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے کہ آہستہ مانگا کرو، لہٰذا آمین بھی آہستہ پڑھنا چاہیے۔

جواب: ائمہ احناف وائل بن حجرؓ کی روایت مد بها صوته کا جواب یہ دیتے ہیں کہ زور سے پڑھنے میں یہ نص صریح نہیں ہے، بلکہ مد بها کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دراز آواز سے آمین پڑھا، مگر یہ جواب کمزور ہے۔ اصل جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شک بلند آواز سے آمین پڑھی ہے، لیکن یہ تعلیم امت پر محمول ہے، جیسے کہ ظہر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور سے قراءت پڑھی ہے۔ رفع بها صوته کا یہی جواب ہے۔ بہر حال جب ابتدا میں بتایا گیا کہ یہ اختلاف افضل غیر افضل کا ہے تو یہ اختلاف درحقیقت اختلاف نہیں ہے۔ شیخ عبدالحق لمعات میں لکھتے ہیں: "والظاهر الحل علی کلا الفعلین تلوة فتارة "یعنی ظاہر یہ کہ دونوں فعل جائز ہیں، کبھی زور سے کبھی آہستہ سے دونوں طرح موقع و مقام کے مناسب جائز ہے، تاہم جن عوام کو جن علاقوں میں عدم جہر کی تعلیم دی گئی ہے تو یہ بھی ایک جائز صورت ہے، اگر وہ اس پر عمل کرتے ہیں تو سنت پر ہیں، ان کو تشویش میں نہیں ڈالنا چاہیے کہ تم زور سے پڑھو، آخر جواز کے ایک پہلو پر وہ بھی کھڑے ہیں تو ان کو کیوں چھیڑتے ہو؟

لطیفہ:۱

دروس و تعلیم کے زمانے میں ہم نے اِستادوں سے یہ لطیفہ سنا کہ ہندوستان میں جب غیر مقلدین حضرات نے اس مسئلے میں شدت اختیار کی اور آمین بالسر والوں کی نماز کو فاسد کہنا شروع کیا تو عوام میں تشویش پیدا ہوگئی۔ علماء کے مناظرے شروع ہوگئے۔ انگریز کا دور تھا۔ ایک دفعہ انگریز جج کے سامنے مناظرہ ہوا۔ اس نے طرفین کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یوں سنا دیا کہ میں نے جو کچھ سنا، اس سے میں نے اندازہ لگالیا کہ ایک آمین بالجہر ہے تمہارے نبی یہ بھی ثابت ہے، دوسری آمین بالسر ہے تمہارے نبی سے یہ بھی ثابت ہے۔ تیسری آمین بالشر ہے جو کسی کو چھیڑنے اور بھڑکانے اور تشویش پیدا کرنے کے لیے ہے، یہ تمہارے نبی سے ثابت نہیں۔

واقعی اس بات میں وزن ہے، ہم نے دیکھا کہ اکثر بد باطن لوگ مودودی وغیرہ اپنے مقاصد نکالنے کے لیے مسجد میں زور سے آمین کہتے ہیں، حالانکہ وہ غیر مقلد اور اہل حدیث نہیں ہوتے ہیں، جس طرح کسی جگہ پر قبضہ کرنے کے لیے بعض حضرات اپنا نمائشی درود پڑھتے ہیں، مقصد صلوٰۃ وسلام نہیں ہوتا، بلکہ ارادے کچھ اور ہوتے ہیں، فالی الله المشتکی۔

لطیفہ:۲

ہندوستان میں جب "آمین بالجہر و السر" کے اختلاف نے زور پکڑا تھا، اس زمانے میں ایک غیر مقلد صاحب علمائے دیوبند کی مسجد میں آکر زور زور سے آمین کہتا تھا۔ ایک دفعہ امام صاحب نے ان سے کہا کہ آپ یہاں آکر زور زور سے آمین کیوں کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں آمین بالجہر کی سنت مرچکی ہے، اسے زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس عالم نے کہا کہ جناب آپ کی مسجد میں آمین بالسر کی سنت مرچکی ہے، اسے زندہ کرنے کی فکر کیجئے، مہربانی ہوگی تو وہ کہنے لگا کہ اچھا! آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اِدھر بھی پٹ جاؤں اور اُدھر بھی پٹ جاؤں؟۔

غیر مقلدین حضرات کے ہاں پریشان کن صورت یہ ہے کہ سنت چھوٹنے سے ان کے ہاں نماز باطل ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے ان میں شدت ہے، حالانکہ اعمال کے مختلف درجات ہیں، فرض چھوٹنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، واجب سے ناقص ہو جاتی ہے، سنت کے چھوٹنے سے آدمی ثواب وادب اور استحباب سے محروم ہو جاتا ہے، لیکن نماز کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۹۱۵۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ ابْنِ شِهَابٍ

ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمین فرمایا کرتے تھے۔

۹۱۶۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا يُونُسَ، حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ: آمِينَ .وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ. فَوَافَقَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى .غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالکؒ کی حدیث (جب امام تسمیع کہے تو تم تحمید کہو جس کی تحمید فرشتوں کی تحمید سے مل گئی اس کے سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے) کی طرح، لیکن اس روایت میں ابن شہابؒ کا قول نہیں ہے۔

۹۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِينَ .وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ .فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى .غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں اور پھر ایک آمین دوسری آمین کے مطابق ہو جائے تو سابقہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

۹۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث (انسان اور فرشتوں کی آمین ایک دوسرے کے موافق ہو جائے تو سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں) دوسری سند سے مروی ہے۔

۹۱۹۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا قَالَ الْقَارِءُ: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ: مَنْ خَلْفَهُ: آمِينَ، فَوَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ أَهْلِ السَّمَاءِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قاری (امام) غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہتا ہے تو اس کے پیچھے والے (مقتدی) آمین کہتے ہیں، اگر ان کا قول آسمان والوں (ملائکہ) کے قول سے مل جائے تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

باب ائتمام المأموم بالامام

مقتدی کو امام کی اتباع کرنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پندرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۹۲۰۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَقَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ .فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا، فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعُونَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دایاں پہلو زخمی ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، جب نماز پوری ہوگئی تو ارشاد فرمایا: "امام کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو اس کے بعد تم تکبیر کہو، جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، جب سجدہ سے اٹھے تو تم بھی اٹھو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ جاؤ۔"

تشریح:

"فجحش شقه الایمن" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ گھوڑے سے گر گئے تو آپ کے جسم مبارک کا دائیاں پہلو زخمی ہو گیا۔ بعض روایات میں پاؤں میں موچ آنے کا ذکر بھی ہے اور بعض روایات میں چہرۂ انور کے زخمی ہونے کا بھی ذکر ہے تو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دائیں پہلو پر گرنے سے اس جانب کا چہرہ بھی زخمی ہو گیا اور اسی طرف کے پاؤں میں موچ بھی آئی اور پہلو بھی زخمی ہو گیا۔ شاید یہ جہادی تربیت میں گھوڑ دوڑ کے دوران ہوا ہوگا۔ زیر بحث احادیث میں صرف گھوڑے کی سواری کا تذکرہ ہے۔ علامہ اُبی لکھتے ہیں کہ انبیائے کرامؑ ظاہری امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تا کہ ان کے درجات بلند ہو جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بشر اور انسان تھے، تاہم علماء نے لکھا ہے کہ انبیاءؑ پر ایسے امراض مسلط نہیں ہوتے ہیں جس سے عام معاشرے میں نفرت پائی جاتی ہو اور انسانی عظمت کو نقصان پہنچتا ہو۔

"لیئوتم بـه" یعنی امام کو اس لیے امام بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا اور اتباع کی جائے، اس جملے میں ایک گہری حقیقت کی طرف اشارہ ہے، جس سے کافی مسائل اور فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ یہاں امام کو متبوع اور مقتدی کو تابع قرار دیا گیا ہے اور تابع کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ متبوع کے کسی عمل کی مخالفت نہ کرے، بلکہ تابع رہے، اپنے امام سے آگے نہ جائے، نیز ہر حرکت وسکون میں اپنے متبوع کا خیال رکھے اور تابعداری کرے اور تمام احوال میں کسی چیز میں مخالفت نہ کرے نہ برابری کرے۔ (حافظ ابن حجرؒ)

علامہ اُبی مالکیؒ کی عربی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے، یہ حدیث امام مالکؒ اور احناف بلکہ جمہور کی دلیل ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مربوط ہے، خاص کر جب حدیث میں "فلا تختلفوا علیه" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ اس سے امام شافعیؒ اور ان محدثین پر رد ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے کے پیچھے ہو جاتی ہے اور ظہر کی نماز پڑھنے والے مقتدی کی نماز عصر پڑھانے والے امام کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ انہوں نے صرف ظاہری افعال میں امام کی متابعت کا قول کیا ہے۔ باطنی طور پر سب کی نمازیں الگ الگ ہیں۔ لیکن امام مالکؒ اور جمہور نے امام کی متابعت کو ظاہر و باطن دونوں حالتوں کے لیے عام مانا ہے، کیونکہ اس سے بڑھ کر امام کی کیا مخالفت ہو سکتی ہے کہ دو فرضوں کی الگ الگ نیت ہو (ایک ظہر کی نیت میں ہے، دوسرا عصر کی نیت میں ہے) یا ایک کی نیت نفل کی ہے اور دوسرے کی نیت فرض کی ہو۔

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ امام کی متابعت صرف ظاہری افعال میں کی جائے۔ عربی عبارت اس طرح ہے:

"فمعناه عند الشافعي و طائفة في الافعال الظاهرة و الا فيجوز ان يصلى الفرض خلف النفل و عكسه و الظهر خلف العصر و عكسه الخ" یہی ضابطہ اور قاعدہ ہے، جس کی وجہ سے شوافع کے ہاں مقتدی اپنے امام کے پیچھے سب کچھ قرأت وغیرہ کر سکتا ہے، بلکہ کرے گا اور امام بے وضو نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی، امام کی فاسد ہوگی، گویا الگ الگ نماز ہے، صرف ظاہری شکل میں اتفاق و موافقت ہے۔ احناف کے ہاں امام اور مقتدیوں کی نماز میں ظاہراً و باطناً اتحاد ہے، امام کی

نماز ضامن ہے، لہٰذا اس کے فساد اور صحت سے مقتدیوں کی نماز مربوط ہے، بہر حال اوپر مذکورہ باب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں وہ احادیث بیان ہوں گی جن میں یہ بتایا گیا کہ مقتدی کے لیے امام کی تابعداری کتنی ضروری ہے اور یہ بھی بیان ہوگا کہ مقتدی کو امام کی تابعداری کن چیزوں میں کس طرح کرنی چاہیے، نماز میں جو ارکان فرض یا واجب ہیں، ان میں تمام مقتدیوں پر امام کی متابعت واجب ہے، لیکن جو ارکان سنت ہیں، ان میں مقتدیوں پر امام کی متابعت واجب نہیں، جیسے رفع یدین اور آمین بالجہر اور قنوت فجر وغیرہ میں۔ فجر کی قنوت کا مسئلہ اس طرح ہے کہ مثلاً شافعی امام نے فجر میں قنوت شروع کیا تو حنفی مقتدی پر اس سنت میں متابعت لازم نہیں، وہ خاموش رہے اور وتر میں قنوت واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شافعی امام عشاء کے بعد وتر میں اپنے مذہب کے موافق قنوت رکوع کے بعد پڑھے تو حنفی مقتدیوں کو امام کی متابعت وموافقت کے پیش نظر رکوع کے بعد ہی قنوت پڑھنا چاہیے، یہ ایک ضابطہ ہے جو حرمین الشریفین میں احناف کے کام آئے گا۔

"فصلوا قعودا اجمعون" یعنی جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب ان کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھو۔

معذور امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

اس حدیث کا پس منظر اس طرح ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سے گرے اور آپ کا دایاں پہلو ایک جانب مکمل طور پر زخمی ہو گیا۔ آپ نے ایک نماز باجماعت گھر میں اس طرح ادا فرمائی کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھی بھی بیٹھے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے، نماز سے فارغ ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معذور امام سے متعلق یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ جب امام بیٹھ جائے تو تم بھی بیٹھ جایا کرو اور بیٹھ کر نماز ادا کرو۔

"فصلوا قعودا" کا یہی مطلب ہے، اب اس حدیث کی وجہ سے ایک اختلافی مسئلہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ کہ قادر علی القیام کی اقتداء عاجز عن القیام کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اگر امام قیام پر قادر نہیں اور مقتدی قادر ہیں تو کیا یہ اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یا بیٹھ کر۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ اور امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ قادر علی القیام مقتدی عاجز عن القیام امام کے پیچھے نماز ہی نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ یہ اقتداء صحیح نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قادر علی القیام مقتدی عاجز عن القیام امام کے پیچھے اقتداء کر سکتے ہیں، لیکن قادر مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عاجز امام کے پیچھے قادر مقتدیوں کی اقتداء درست ہے، لیکن مقتدی بھی امام کی طرح بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔

دلائل:

امام مالکؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ اقتداء ہی صحیح نہیں ہے، کیونکہ تندرست مقتدیوں کی نماز قوی ہے اور قاعد کی نماز ضعیف ہے

اور امام کی نماز ضامن ہوتی ہے اور مقتدی کی نماز اس کے ضمن میں ہوتی ہے تو ضعیف نماز قوی نماز کو اپنے ضمن میں کیسے لے سکتی ہے اور اگر مقتدی بیٹھ گئے تو پھر نماز صحیح نہیں، کیونکہ اصحاء کے لیے بیٹھنے کی اجازت کہاں ہے؟ لہٰذا یہ اقتداء ہی باطل ہے۔ امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے اس طرز عمل اپنانے سے وہ اس اختلاف ہی سے نکل گئے، اب صرف جمہور اور احمد بن حنبلؒ کا مقابلہ رہ گیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرض الوفات کے وقت نماز پڑھانے کا ایک قصہ ہے، جس میں واضح طور پر آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور صحابہؓ پیچھے کھڑے تھے۔ یہ حدیث زیر بحث حدیث کے بعد آنے والی حدیث نمبر ۵ ہے۔

ان حضرات کی دوسری دلیل قرآن کریم کی آیت ﴿قوموا لله قانتين﴾ ہے۔ اس میں قیام کو ہر تندرست مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اور "قوموا" امر سے نماز کا قیام مراد ہے، کیونکہ دوسرا کوئی قیام ایسا نہیں ہے جس کو عبادت کا درجہ حاصل ہو اور وہ مامور بہ ہو۔

جواب: امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے مستنبط یہ حکم بعد میں آنے والے حکم سے منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ یہ واقعہ پانچ ہجری کا ہے اور ہم جس دلیل سے استدلال کرتے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری واقعہ ہے اور شریعت میں ہر متاخر حکم کو اپنایا جاتا ہے، کیونکہ وہ نسخ سے محفوظ ہوتا ہے۔ امام مسلمؒ نے بھی آنے والے باب میں ناسخ روایتوں کو نقل کیا ہے۔

"**قال الحميدی**" یہ حمیدی امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، جامع صحیحین والا حمیدی نہیں ہے۔ یہ حضرت بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر وہ فعل جو آخر میں کیا گیا ہو، اسی کو لیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال نہیں ہوتا ہے۔ عربی عبارت صحیح بخاری میں اس طرح ہے:

"قال الحميدی قوله اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا فی مرضه القديم ثم صلی بعد ذالك النبی صلی الله عليه و سلم جالساً و الناس خلفه قيام لم يأمرهم و انما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی الله عليه و سلم رواه البخاری و اتفق مسلم الی اجمعون" نسخ پر یہ واضح حکم ہے۔ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں ایسا طرز اپنایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی روایت واقعہ جزئیہ ہے، یہ ناسخ نہیں بن سکتا، قاعدہ وہی ہے کہ امام جس طرح پڑھے، اسی طرح بیٹھ کر مقتدی اقتداء کر کے پڑھیں۔ حضرت عثمانیؒ کا رجحان اسی طرف ہے، لیکن جمہور اور احناف کا مورچہ مضبوط ہے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں "وقوله صلی الله عليه و سلم اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا منسوخ بدليل امامة النبی صلی الله عليه و سلم فی آخر عمره جالسًا و الناس قيام" (حجۃ اللہ البالغہ)

۹۲۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ خَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ فَصَلَّى لَنَا قَاعِدًا، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی پھر سابقہ حدیث (امام کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے......الخ) کی طرح ذکر فرمایا۔

۹۲۲۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُرِعَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، بِنَحْوِ حَدِيثِهِمَا وَزَادَ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کا داہنا حصہ چھل گیا، پھر سابقہ حدیثوں کی طرح ذکر کیا، لیکن اس روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

۹۲۳۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ، عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ وَفِيهِ إِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا "

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے اور گر پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کا داہنا حصہ چھل گیا، بقیہ روایت حسب سابق ہے اور اس روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

۹۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَنَسٌ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ مِنْ فَرَسِهِ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَلَيْسَ فِيهِ زِيَادَةُ يُونُسَ، وَمَالِكٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داہنا پہلو چھل گیا، باقی اس روایت میں یونس اور مالک والی زیادتی (جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو) نہیں ہے۔

۹۲۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: " اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ يَعُودُونَهُ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا، فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ: أَنِ اجْلِسُوا فَجَلَسُوا "فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے (اس دوران نماز کا وقت ہو گیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اشارے سے بیٹھنے کا حکم فرمایا، پھر نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: امام کو اتباع کے لیے مقرر کیا گیا ہے، لہٰذا جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ اٹھے تو تم بھی اٹھو، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

تشریح:

"اشتکی" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے۔ اس لفظ سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ عام بیماری تھی، گھوڑے سے گرنے کا واقعہ الگ ہے، یا الگ ہے۔ تاہم ایک واقعہ بھی ہو سکتا ہے۔

"یعودنہ" یعنی صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت شروع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز شروع فرمائی، مگر صحابہؓ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ کر پڑھو تو صحابہؓ بیٹھ گئے۔

علامہ عثمانیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے فتح الملہم میں لکھا ہے کہ ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس موقع پر دو مرتبہ عیادت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں موقعوں پر بیٹھ نماز پڑھائی ہے، لیکن ایک موقع پر یہ نماز نفل کی جماعت تھی اور ایک دفعہ فرض کی جماعت تھی، نفل نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھڑے کھڑے نماز پڑھنے پر برقرار رکھا، لیکن فرض نماز میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے کھڑے نماز پڑھنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ (فتح الملہم)

۹۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، جَمِيعًا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

ہشام رضی اللہ عنہ سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت (امام کو اتباع کے لیے مقرر کیا گیا ہے لہٰذا جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو جب وہ اٹھے تو تم بھی اٹھو جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو) منقول ہے۔

۹۲۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: اشْتَكَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ تَكْبِيرَهُ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا فَرَآنَا قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْنَا فَقَعَدْنَا فَصَلَّيْنَا بِصَلَاتِهِ قُعُودًا فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ: إِنْ كِدْتُمْ آنِفًا لَتَفْعَلُونَ فِعْلَ فَارِسَ وَالرُّومِ يَقُومُونَ عَلَى مُلُوكِهِمْ، وَهُمْ قُعُودٌ فَلَا تَفْعَلُوا ائْتَمُّوا بِأَئِمَّتِكُمْ إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِنْ صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہو گئے تو اسی حالت میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکبیر کی آواز (مکبر کی حیثیت سے) پہنچا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، ہمیں کھڑا دیکھا تو اشارے سے بیٹھنے کا حکم دیا، چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا: ''تم نے ابھی فارس وروم کے لوگوں کا کام کیا ہے جو اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور ان کے بادشاہ بیٹھے رہتے ہیں، آئندہ ایسا مت کرو اور اپنے اماموں کی اقتداء کرو، اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔''

٩٢٨۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الرُّؤَاسِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ خَلْفَهُ فَإِذَا كَبَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ أَبُو بَكْرٍ لِيُسْمِعَنَا ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ اللَّيْثِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیں سنا دیتے...... پھر حسب سابق روایت بیان فرمائی۔

٩٢٩۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ يَعْنِي الْحِزَامِيَّ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّمَا الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام کو اس لیے امام مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا تم اس کی مخالفت مت کیا کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب رکوع کرے تو رکوع کرو، جب سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو، جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

٩٣٠۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

اس سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سابقہ حدیث (امام کو اس لیے امام مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے...... الخ) منقول ہے۔

٩٣١۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ ''امام سے جلدی مت کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہا کرو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع میں جاؤ، جب سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو۔''

۹۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سابقہ روایت (امام سے جلدی مت کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو) کی طرح یہ روایت منقول ہے، لیکن اس روایت میں ولا الضالین کہنے کا تذکرہ نہیں، البتہ اتنا اضافہ ہے کہ امام سے پہلے سر مت اٹھاؤ۔

۹۳۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَابْنُ خَشْرَمٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا يَقُولُ: " لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ: وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا: آمِينَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک امام ڈھال ہے، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، جب سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو، سو اگر اہل زمین کی تحمید آسمان والوں کی تحمید سے مل گئی تو اس نمازی کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

۹۳۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ إِلَّا قَوْلَهُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا: آمِينَ، وَزَادَ وَلَا تَرْفَعُوا قَبْلَهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام کو اقتداء کے لیے امام بنایا گیا ہے، جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، جب وہ بیٹھ ہو کر نماز پڑھے تو تم سب لوگ بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

باب نسخ قعود المأموم خلف الامام الجالس و فيه قصة أبي بكرؓ

معذور امام کے پیچھے مقتدیوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا قصہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۹۳۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

قَالَتْ: بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا: لَا، وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا لَا، وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا لَا، وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ فَقُلْنَا لَا، وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَتْ: وَالنَّاسُ عُكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، قَالَتْ: فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ بِذٰلِكَ، قَالَتْ: فَصَلَّى بِهِمْ أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ، لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يَتَأَخَّرَ وَقَالَ لَهُمَا: أَجْلِسَانِي إِلَى جَنْبِهِ فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ قَائِمٌ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ: أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَاتِ فَعَرَضْتُ حَدِيثَهَا عَلَيْهِ فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ: لَا .قَالَ: هُوَ عَلِيٌّ"

عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اوران سے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کے بارے میں نہیں بتائیں گی؟ فرمایا کیوں نہیں! جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض اور کمزوری بڑھ گئی تو (بیماری کے دوران ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کے انتظار میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے طشت میں پانی رکھ دو، ہم نے پانی رکھ دیا تو غسل فرمایا اور کھڑے ہونے کی کوشش فرمائی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی، غشی سے افاقہ ہوا تو فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نہیں، وہ آپ کے انتظار میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے طشت میں پانی رکھ دو، ہم نے پانی رکھ دیا تو آپ نے غسل فرمایا، پھر کھڑے ہو کر چلنے کی کوشش کی تو پھر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، وہ آپ کے انتظار میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے طشت میں پانی رکھ دو، ہم نے رکھ دیا تو غسل فرمایا، پھر کھڑے ہو کر چلنے کی کوشش کی تو پھر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو

پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں، یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں اور لوگوں کی یہ حالت تھی کہ مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے اور عشاء کی نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، قاصد ان کے پاس آیا اور (یہ پیغام دیا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب آدمی تھے (تلاوت قرآن کے وقت آنسو روکنے پر قادر نہ ہوتے تھے) انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ امامت کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں میں امامت کروائی، پھر انہی ایام میں ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبیعت ہلکی (اور بہتر) محسوس ہوئی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے، ان میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے، نماز ظہر کا وقت تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا (یعنی دوران نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آہٹ کا احساس ہوا) تو پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور دونوں حضرات سے (جو سہارا دیئے ہوئے تھے) فرمایا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی پیروی کرتے ہوئے اور بقیہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی پیروی کرر ہے تھے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا اور کہا کہ کیا میں آپ سے وہ حدیث نہ بیان کروں، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کی ہے؟ فرمایا: ہاں! (سناؤ) تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ پوری حدیث بعینہ سنا دی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کسی چیز کا انکار نہیں فرمایا، سوائے اس کے کہ یہ فرمایا: تم سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے شخص کا نام ذکر کیا جو عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح:

"**عن مرض رسول الله صلى الله عليه و سلم**" اس مرض اور بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ خیبر کے موقع پر ۷ ہجری میں ایک یہودیہ عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر کھلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زہر کو فوراً اثر کرنے سے روک دیا، لیکن وفات سے کچھ پہلے اسی زہر نے اثر دکھا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ۲۸ صفر ۱۱ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کی ابتدا

ہوئی اور چودہ دن بیمار رہ کر ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ بیماری کے ان دنوں میں نمازیں آپ نے خود نہیں پڑھائیں، بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پڑھانے کے ملیے مقرر فرمایا۔ سترہ نمازوں کی امامت حضرت صدیق اکبرؓ نے کرائی۔

زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کے نام جو پیغام تھا وہ یہ تھا: "الصلوٰة وما ملكت أيمانكم" یعنی نماز کی پابندی کرو اور ماتحتوں پر ظلم نہ کرو۔ اپنے بارے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری جملہ تھا وہ یہ تھا: "اللهم الرفيق الاعلىٰ" مولائے کریم! عالی مجلس عطا فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید سوتی کپڑے میں کفن پہنایا گیا۔ پیر اور منگل دو دنوں تک جنازہ پڑھا گیا۔ جنازے کے لیے کوئی امام مقرر نہیں تھا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود امام تھے، سب سے پہلے فرشتوں نے جنازے میں شرکت کی، پھر ترتیب کے ساتھ انسان آتے رہے اور جنازہ پڑھ کر جاتے رہے، پھر جنات نے جنازے میں شرکت کی اور بدھ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں جہاں آپ کا وصال ہوا تھا، لحد میں اتارے گئے۔ انشاء اللہ مسلم جلد ثانی میں تفصیل آئے گی۔ اگر میں زندہ رہا، اللہ زندگی دے۔

"ثقل" مرض کی شدت کی وجہ سے جب آدمی بوجھل ہو کر ضعیف ہو جاتا ہے، ثقل اسی سے تعبیر ہے۔

"أصلى الناس؟" بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کا پوچھا ہے، یہ نماز کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔ آج بھی نیک لوگ شدت مرض سے ہوش آنے پر نماز کا پوچھتے رہتے ہیں۔

"المخضب" یہ ایک قسم کا برتن ہے، جس کو ٹب بھی کہہ سکتے ہیں، ترامی اور لگن اور شانک بھی کہہ سکتے ہیں، کسی نے اس کو طشت بھی کہا ہے۔ میم مکسور ہے خاء ساکن اور ضاد پر فتحہ ہے۔ عموماً ایسے برتن میں کپڑے دھوتے ہیں، قبائل میں دس آدمی بیٹھ کر اس میں کھانا کھاتے ہیں۔

"فاغتسل" ہو سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استحباباً یا علاجاً بار بار غسل کیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وضو کرنا مراد ہو، جس طرح قاضی عیاضؒ نے کہا ہے، اگرچہ الفاظ غسل کے ہیں۔

"لینؤ" ناء ینوء اٹھنے کے معنی میں ہے۔

"فاغمی علیه" اغماء بے ہوش ہونے کو کہتے ہیں، انبیاء کرامؑ پر مختصر بے ہوشی آتی ہے، یہ نبوت کے منافی نہیں ہے۔ البتہ ایک مہینہ یا دو مہینے تک نہیں آتی ہے، وہ جنون کا ایک حصہ ہے جو کہ نبوت کے منافی ہے، اس قسم کی مختصر بیماری درجات کی بلندی کے لیے آتی ہے، نیز اس سے یہ معلوم ہو جائے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندہ ہے، خالق اور معبود نہیں۔

"عکوف" عاکفین اور عکوف عاکف کی جمع ہے، مقیمین کے معنی میں ہے، یعنی لوگ مسجد میں خاموش بیٹھتے تھے۔

"فارسل" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بھیجا کہ جا کر ابو بکرؓ سے کہہ دو کہ نماز پڑھا دیں۔ "الرسول" اس سے حضرت بلالؓ مراد ہیں۔

"يأمرك أن تصلى بالناس" اس میں حضرت صدیق اکبرؓ کی افضلیت وفضیلت کی واضح دلیل ہے اور خلافت بلافصل کی

طرف واضح اشارہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے نماز پڑھائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ابوبکر کے علاوہ اللہ کسی کو نہیں چاہتا، لوگ بھی کسی اور کو نہیں چاہیں گے، اسی لیے صحابہ کرام ؓ بشمول حضرت علیؓ سب نے یہ جملہ کہا ہے کہ "رضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لدیننا" حضرت عمرؓ نے یہاں تک فرمایا کہ جس مقام پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑا کیا، کس کا دل چاہے گا کہ اُن کو اس مقام سے پیچھے کردے۔

"فقال أبو بكر و كان رجلاً رقيقاً" یعنی ابوبکر ؓ نرم دل تھے، روتے زیادہ تھے، انہوں نے خیال کیا کہ اس مقام پر کھڑے ہو کر میں جرأت سے نماز نہیں پڑھا سکوں گا، اس لیے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ آپ نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سوچا کہ امامت کرانے کے مسئلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے توسع ہے، اس لیے حضرت عمر ؓ کو فرمایا کہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کا مقصد اتنا ہی تھا، البتہ حضرت عائشہ ؓ نے حضرت عمرؓ کے نماز پڑھانے کی بات فرمائی، ان کا مقصد کچھ اور تھا جو آگے آرہا ہے۔

"أنت أحق بذالک" یعنی یہ امامت صغریٰ درحقیقت امامت کبریٰ کے لیے پیش خیمہ ہے، اس کا مستحق آپ ہیں، ہم آگے نہیں آسکتے۔

"تلک الایام" علامہ اُبی نے لکھا ہے کہ جمعرات کے دن عشاء کی نماز سے صدیق اکبرؓ نے پڑھانا شروع کیا تھا، جمعہ، ہفتہ اور اتوار تک سولہ نمازیں ہوئیں اور پیر کی صبح کی نماز بھی صدیق اکبرؓ نے پڑھائی، یہ سترہ نمازیں ہوئیں۔

"خفة" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں ہمت محسوس کی کہ اب میں خود نماز پڑھا سکتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو آدمیوں کا سہارا لیا اور باہر نکل آئے، ان میں ایک حضرت عباس ؓ تھے اور ایک اور آدمی تھے۔

"لصلوٰة الظهر" معلوم ہوا کہ یہ ظہر کی نماز کا قصہ ہے، پیر کے دن فجر کا قصہ نہیں ہے۔

"هات" یعنی حضرت عائشہؓ نے جو حدیث بیان کی ہے، وہ مجھ پر پیش کرو اور بیان کرو۔

"اَسَمَّٰى لک الرجلَ الآخر" یعنی حضرت عباسؓ کے نام کے ساتھ حضرت عائشہؓ نے سہارا دینے والے دوسرے شخص کا نام لیا یا نہیں لیا؟ جواب دینے والے نے کہا نہیں لیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ علیؓ تھے۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت علی ؓ کا نام کیوں نہیں لیا، کیا ان سے کوئی نفرت وعداوت تھی؟

جواب: (۱) عام شارحین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ کی کوئی نفرت عداوت نہیں تھی اور نہ یہ جائز تھا، نہ حضرت عائشہؓ کی یہ شان تھی، لیکن چونکہ سہارا دینے والوں میں حضرت عباس ؓ تو آخر تک ایک جانب پر مقرر تھے، مگر دوسرے ہاتھ کو سہارا دینے والے ایک سے زائد تھے، علی ؓ بھی تھے، اسامہ ؓ بھی تھے اور فضل بن عباس ؓ بھی تھے، یہ لوگ بدلتے رہتے تھے، اس لیے ان کو متعین کرنا مشکل تھا تو حضرت عائشہؓ نے "ورجل آخر" کہہ کر بات ختم کردی اور متعین نام نہیں لیا، اس میں عداوت نہیں تھی، حضرت عائشہؓ نے کئی مواقع پر حضرت علی ؓ کا نام لیا ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جواب: (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ واقعہ افک میں حضرت علیؓ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہؓ کے

بارے میں مشورہ لیا تو حضرت علیؓ نے ان سے جدائی کا مشورہ دیا۔ اس سے حضرت عائشہؓ پر ایک طبعی بوجھ تھا، اسی طرح جنگ جمل بڑی طویل جنگیں ہوئیں، جس میں طرفین سے تقریباً نو ہزار افراد مارے گئے تھے، اس بُعد کی وجہ سے بشری تقاضے کے تحت اگر حضرت عائشہؓ نے نام نہیں لیا ہے تو اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے، کسی کی غیبت کرنا، بدگوئی کرنا گناہ ہے، نام لینا نہ لینا تو کسی شرعی ضابطے کے تحت نہیں آتا ہے۔

علامہ اُبیؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں، ایک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر سے حضرت عائشہؓ کے گھر آئے ہیں اور دوسرے میں گھر سے مسجد کی طرف نماز کے لیے جانے کا قصہ ہے۔ یہ تفصیل میں نے اس لیے لکھ دی کہ بہت سارے علماء اس طرف گئے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے نام نہیں لیا تو علیؓ نہیں تھے، حالانکہ خود حضرت ابن عباسؓ کی گواہی سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ دوسرے آدمی علیؓ تھے، جن کا نام عائشہؓ نے نہیں لیا تو ہم حضرت ابن عباسؓ کی وضاحت اور صراحت کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں؟ بس یہ کہہ دیں کہ یہاں نام نہیں لیا، دوسرے مواقع میں نام لیا ہے۔ بہرحال اس طویل حدیث میں یہ جملہ واضح طور پر موجود ہے کہ "وکان ابوبکر یصلی و ھو قائم و النبی صلی اللہ علیہ و سلم قاعد" اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معذور امام کے پیچھے غیر معذور مقتدی قیام کو ترک نہیں کرے گا، یہ روایت ماقبل کے لیے ناسخ ہے، اختلاف اس سے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔

۹۳٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، - وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ -، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، قَالَ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: " أَوَّلُ مَا اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ فَاسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِهَا وَأَذِنَّ لَهُ قَالَتْ: فَخَرَجَ وَيَدٌ لَهُ عَلَى الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَيَدٌ لَهُ عَلَى رَجُلٍ آخَرَ، وَهُوَ يَخُطُّ بِرِجْلَيْهِ فِي الْأَرْضِ "فَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ هُوَ عَلِيٌّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت ام میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر مرض لاحق ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت طلب کی کہ آپ اپنے مرض کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزاریں تو سب نے اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (بیماری کے دوران ایک بار) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں نکلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ہاتھ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے اوپر اور دوسرا ہاتھ کسی اور شخص پر تھا۔ اور شدت ضعف کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قدموں کو زمین پر گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ راوی عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم جانتے ہو وہ دوسرا شخص کون تھا، جس کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہیں لیا؟ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح:

"فاستأذن" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے اجازت چاہی کہ آپ کی بیماری کی خدمت عائشہؓ کے سپرد ہو، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قلبی سکون تھا، اس اجازت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باری مقرر کرنا واجب تھا جو آخر تک برقرار رہی، لیکن عام علماء کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باری واجب نہیں تھی، البتہ آپ نے احساناً و استحباباً و مروءۃً اس کی پابندی کی ہے۔

"أن یمرض" یہ باب تفعیل سے ہے، جو کسی مریض کی خدمت اور تیمارداری کو کہتے ہیں۔

"وأذِنَّ له" یہ مؤنث کا صیغہ ہے، مشدد ہے، یعنی ازواج مطہراتؓ نے اجازت دے دی۔

"یخط بر جلیه" یعنی بیماری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں زمین پر جم کر نہیں پڑتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کھینچ کر لے جا رہے تھے۔

۹۳۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ، بَيْنَ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللَّهِ بِالَّذِي قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ: هَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا .قَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ عَلِيٌّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے بیماری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہنے کی اجازت مانگی۔ سب نے اجازت دے دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو آدمیوں کے درمیان باہر نکلے کہ آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے، عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص کے درمیان۔ عبید اللہ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت بن عباس رضی اللہ عنہ کو جو واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتلایا، اس کی اطلاع دی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ دوسرے آدمی کو جانتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

۹۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ وَمَا حَمَلَنِي عَلَى كَثْرَةِ مُرَاجَعَتِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِي قَلْبِي أَنْ يُحِبَّ النَّاسُ بَعْدَهُ رَجُلًا، قَامَ مَقَامَهُ أَبَدًا، وَإِلَّا أَنِّي كُنْتُ أَرَى أَنَّهُ لَنْ يَقُومَ مَقَامَهُ أَحَدٌ إِلَّا

تَشَائَمَ النَّاسُ بِهِ، فَأَرَدْتُ أَنْ يَعْدِلَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنانے) کے بارے میں رجوع کیا اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع پر اس اندیشے نے آمادہ کیا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کا قائم مقام ہوگا لوگ اسے پسند نہیں کریں گے اور مجھے یہ اندیشہ دامن گیر ہوا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقام شخص کو بدشگونی کے طور پر یاد رکھیں گے۔ تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے کے فیصلے سے باز رکھ سکوں (اس لیے کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراجعت کرتی تھی)

تشریح:

"وما حملنی" یعنی بار بار اس مطالبے پر مجھے دو چیزوں نے مجبور کر کے ابھارا، ایک تو یہ کہ مجھے یقین آرہا تھا کہ لوگ ایسے شخص کو کبھی پسند نہیں کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی جگہ پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے، اس طرح میرے ابا جان سے لوگ نفرت کریں گے۔ دوسری بات یہ تھی کہ لوگ جب میرے ابا جان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ نماز پڑھاتے ہوئے کھڑا دیکھیں گے تو ان کو منحوس سمجھیں گے کہ دیکھو اس کا کھڑا ہونا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ حضرت عائشہؓ کا خیال تھا اور دل کی اصل بات تھی، حالانکہ آپؓ زبان سے بظاہر کچھ اور وجہ بتا رہی تھیں کہ میرے ابا جان رقیق القلب ہیں، روئیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈانٹ پلائی تو حفصہؓ نے کہا کہ عائشہ! میں نے ہمیشہ تیری وجہ سے مصیبت اٹھائی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یہاں توریہ استعمال کیا ہے کہ ظاہری لفظ کچھ ہو ارادہ کچھ اور ہو۔ کلام عرب میں توریہ کا استعمال فصاحت و بلاغت کا حصہ ہوتا ہے، اس پر کوئی قانونی گرفت نہیں ہوتی ہے۔

۹۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، - وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَأَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتِي قَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَا يَمْلِكُ دَمْعَهُ فَلَوْ أَمَرْتَ غَيْرَ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: وَاللّٰهِ، مَا بِي إِلَّا كَرَاهِيَةُ أَنْ يَتَشَائَمَ النَّاسُ، بِأَوَّلِ مَنْ يَقُومُ فِي مَقَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: فَرَاجَعْتُهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقَالَ: لِيُصَلِّ بِالنَّاسِ أَبُو بَكْرٍ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مرض وفات میں) میرے گھر تشریف لائے تو فرمایا: ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن کریم پڑھتے ہیں تو اپنے آنسوؤں کو نہیں روک پاتے، اگر آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی

اور کو حکم دے دیں (تو شاید مناسب ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم! میرے اس مشورے کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نحوست کا خیال نہ کریں کہ یہی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے قائم مقام ہوئے۔ چنانچہ میں اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو یا تین بار رجوع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا کہ ابوبکر ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں اور تم خواتین تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خواتین کی طرح ہو۔

تشریح:

"فانكن صواحب يوسف" صواحب جمع ہے، اس کا مفرد صاحبة ہے، عورتوں کی جماعت پر بولا گیا ہے۔ یہاں مراد صرف حضرت عائشہؓ ہیں، اگرچہ حضرت حفصہ ؓ کو بھی یہ خطاب کیا گیا ہے، مگر اس سے اصل مقصود حضرت عائشہؓ ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے پاس جو عورتیں اکٹھی ہوگئیں اور زلیخا کی بات منوانے کی کوشش کی، وہاں بھی ظاہر کچھ اور تھا اور باطن میں کچھ اور تھا۔ ظاہر میں ان عورتوں نے زلیخا کو ملامت کرنا چاہا کہ یوسف کی طرف میلان رکھتی ہے، لیکن باطن میں ان عورتوں نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہاں بھی ان خواتین نے حضرت ابوبکرؓ سے امامت ہٹانے کی حامی بھری اور ظاہر یہ کیا کہ ابوبکرؓ نرم دل ہیں، روئیں گے، امامت نہیں کرسکیں گے، لیکن ان کا مقصد کچھ اور تھا وہ یہ کہ حضرت ابوبکر ؓ کی طرف نحوست کی نسبت نہ ہوجائے۔ اس منصوبے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حاضر خواتین سب شریک تھیں، اس لیے سب کو خطاب کیا گیا یا اس خطاب سے مقصود صرف عائشہؓ ہوں، پھر مطلب اور زیادہ واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بظاہر تو صدیق اکبرؓ کے رونے اور دل کی نرمی کی بات کا تذکرہ کیا، مگر دل میں یہ تھا کہ لوگ ابوبکر صدیقؓ کی طرف نحوست کی نسبت متوجہ نہ کریں۔ جس طرح زلیخا نے عورتوں کو اکرام کی غرض سے اکٹھا کیا، مگر اصل مقصود حضرت یوسفؑ کا حسن ان کو دکھانا تھا، دونوں مطلب صحیح ہیں۔ (منۃ المنعم ج ا ص ۲۸۰)

۹۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ. فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعِ النَّاسَ فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ قَالَتْ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعِ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَتْ لَهُ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ: فَأَمَرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ، قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ، ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُمْ مَكَانَكَ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُو بَكْرٍ قَائِمًا يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تھی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے لیے بلانے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہو کر امامت کریں گے تو لوگ (تلاوت کی آواز) نہیں سن سکیں گے، اگر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دیں (تو شاید مناسب ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو امامت کروائیں۔ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو تلاوت قرآن نہ سنا سکیں گے۔ کاش! آپ عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم تو یوسفؑ کی عورتوں کی طرح ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کریں۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تو انہوں نے امامت کروائی، بعد ازاں جب انہوں نے نمازیں پڑھانا شروع کردیں تو ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبیعت میں کچھ بہتری اور ہلکا پن محسوس ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور دو آدمیوں کے سہارے زمین پر پاؤں گھسیٹے مسجد میں داخل ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے، جبکہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔

تشریح:

''رجل اسیف'' اسیف سمع یسمع سے صفت کا صیغہ ہے، غمگین کے معنی میں ہے، ای حزین سریع الحزن و البکاء ﴿فرجع موسیٰ غضبان اسفا﴾

''یھادی بین رجلین'' جب کوئی مریض کمزوری کی وجہ سے خود نہیں چل سکتا اور سہارا لینے کے لیے دونوں ہاتھوں کو دو آدمیوں کے کندھوں پر رکھ کر خالص ان کے سہارے پر چل رہا ہو تو اسی کیفیت کو ''یھادی'' کہتے ہیں، یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ''ای یمشی بینھما متکا علیھما یتمایل الیھما'' (نووی)

۹۴۱۔ حَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا

عِيسَى بْنُ يُونُسَ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، وَفِي حَدِيثِهِمَا لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَضَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، وَفِي حَدِيثِ ابْنِ مُسْهِرٍ فَأُتِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أُجْلِسَ إِلَى جَنْبِهِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُهُمُ التَّكْبِيرَ، وَفِي حَدِيثِ عِيسَى فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَبُو بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ

اعمشؒ سے اسی سند کے سابقہ روایت منقول ہے، لیکن اس روایت میں ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بیماری لاحق ہوئی کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا اور ابن مسہرؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔ اور عیسیٰ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے بیٹھے نماز پڑھا رہے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں تھے اور وہ لوگوں کو (تکبیر کی آواز) سنا رہے تھے۔

۹٤۲۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامٍ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، - وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ - قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي مَرَضِهِ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ قَالَ عُرْوَةُ: فَوَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ وَإِذَا أَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّ النَّاسَ فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اسْتَأْخَرَ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ كَمَا أَنْتَ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے مرض وفات میں لوگوں کی امامت کا حکم فرمایا، چنانچہ وہ امامت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عروہ کا بیان ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبیعت مبارک ذرا ہلکی محسوس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکل آئے، دیکھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت کر رہے ہیں۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ اسی طرح رہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کی اور لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کی۔

۹٤۳۔حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، - قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنِي، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ - وَحَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ

بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ كَشَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سِتْرَ الْحُجْرَةِ، فَنَظَرَ إِلَيْنَا، وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا قَالَ: فَبُهِتْنَا وَنَحْنُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرَحٍ بِخُرُوجِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجٌ لِلصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، قَالَ: ثُمَّ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْخَى السِّتْرَ قَالَ: فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَوْمِهِ ذٰلِكَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں لوگوں کے امام تھے۔ (بیماری کے دوران) جب پیر کا روز ہوا لوگ صف باندھے نماز میں مشغول تھے (کہ اچانک) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارکہ کے پردے کی اوٹ سے نمودار ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا، آپ کھڑے ہوئے تھے، چہرۂ انور مصحف کے کاغذ کی طرح روشن تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہنستے ہوئے تبسم فرمایا۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر تشریف لانے پر مارے خوشی کے مبہوت ہو کر رہ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے قدموں ہٹنے لگے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھائیں گے) تاکہ صف میں مل جائیں اور انہیں یہ گمان ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو، بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں داخل ہو گئے اور پردہ گرادیا اور پھر اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے۔

تشریح:

"یوم الاثنین" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری دن تھا، فجر کی نماز میں آپ نے اپنے گھر کے دروازے سے اپنے ہاتھ کو لٹکائے ہوئے مبارک سرسبز لہلہاتے ہوئے باغ کو آخری نگاہ ڈالتے ہوئے دیکھا اور خوش ہو کر مسکراتے ہوئے منہ موڑ لیا اور پردہ چھوڑ کر گھر واپس چلے گئے اور پھر ایک دوسرے کو دنیا میں نہیں دیکھا، شاید یہ مسکرانا اور خوش ہونا اس آیت کی تعبیر تھی ﴿کزرع اخرج شطاء ہ فآزرہ فاستوی علی سوقہ لیعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار﴾ یعنی باغبان نے پھلتا پھولتا باغ دیکھا تو خوش ہوا اور حاسدین و دشمنان اسلام جل کر راکھ ہو گئے۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی، جس سے آج تک دشمنان اسلام منافقین اور روافض جل رہے ہیں۔

"کأن وجھہ ورقۃ مصحف" مصحف قرآن کے صحیفے پر بولا جاتا ہے، یہ چمک دمک میں بھی تشبیہ اور عزت وعظمت میں بھی تشبیہ ہے۔ عرب لوگ انتہائی روشن چہرے کی تشبیہ سفید کاغذ اور مصحف سے دیتے ہیں۔

قال فی فتح الملهم يجوز فی ميم المصحف الحركات الثلاث وورقة المصحف كناية عن الجمال و حسن البشرة و مآء الوجه كما قال الآخر "كأن وجهه مذهّبة"

"فبهتنا" یہ مجہول کا صیغہ ہے ای دهشنا و تحيرنا فرحاً برسول الله صلى الله عليه و سلم بخاری شریف میں اس طرح ہے "فهممنا ان نفتتن من الفرح برؤية النبی صلی الله علیه و سلم"

"فارخى الستر" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ چھوڑ کر دروازے پر لٹکا دیا اور ہمیشہ کے لیے پردہ فرما دیا "فصلی الله على النبی الامی الكريم"

٩٤٤۔وَحَدَّثَنِيهِ عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ آخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. كَشَفَ السِّتَارَةَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ، وَحَدِيثُ صَالِحٍ أَتَمُّ وَأَشْبَعُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آخری مرتبہ بس پیر کے دن دیکھنا تھا جب کہ آپ نے پردہ اٹھایا، باقی صالح کی روایت زیادہ کامل ہے۔

٩٤٥۔وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمَا

اس سند سے بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث مروی ہے۔

٩٤٦۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يُحَدِّثُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمْ يَخْرُجْ إِلَيْنَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ فَقَالَ: "نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهُ، فَلَمَّا وَضَحَ لَنَا وَجْهُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا قَطُّ، كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَحَ لَنَا، قَالَ: فَأَوْمَأَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ، وَأَرْخَى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَابَ فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهِ حَتَّى مَاتَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی علالت کے ایام میں تین دن تک ہماری طرف باہر تشریف نہیں لائے، ان ایام میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ایک دن دوران نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ شریفہ کا پردہ اٹھایا، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور ہمارے سامنے واضح ہوا تو (ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ) ہم نے اس سے زیادہ عمدہ اور پسندیدہ منظر پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھ کر حاصل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ (امامت کے لیے) آگے ہو جائیں، بعد ازاں آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ گرادیا اور اس کے بعد ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک دیدارِ رخِ انور سے محروم رہے۔

تشریح:

"ثلاثا" یعنی تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے۔یہ تین دن جمعہ اور ہفتہ اور اتوار کے ایام تھے، شدت مرض کی وجہ سے آپ باہر نہیں آسکے، پھر پیر کے دن صبح کے وقت آپ پردہ ہٹا کر دروازے تک آئے اور واپس چلے گئے۔

"فقال بالحجاب" يعني أخذ الحجاب فرفعه ففيه اطلاق القول على الفعل ۔قال کا لفظ اپنے صلے کے سبب معنی کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، عربی میں یہ شائع ہے قال بيده اى اشار، قال فيه اى طعن فيه، قال عنه اى روى عنه، قال عليه أى كذب عليه۔

بہر حال اس باب کی تمام احادیث اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ معذور امام کے پیچھے قادر علی القيام مقتدی قیام کے ساتھ نماز پڑھیں گے، کیونکہ قیام فرض ہے۔یہ قیام قادر علی القیام سے ساقط نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ روایات سابقہ روایات کے لیے ناسخ ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

٩٤٧۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: مَرِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ: مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ قَالَ: فَصَلَّى بِهِمْ أَبُو بَكْرٍ حَيَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور مرض میں شدت پیدا ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو نماز پڑھانے پر قادر نہیں ہوسکیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر ہی کو حکم دو کہ لوگوں کی امامت کریں، کیونکہ تم عورتیں تو یوسفؑ کی عورتوں کی طرح ہو۔چنانچہ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری وقت تک امامت کروائی۔

چند فوائد:

اس باب کی احادیث میں چند فوائد ہیں (۱) پہلا فائدہ یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ سے افضل تھے، اس لیے بلافصل خلیفہ بھی وہی تھے۔

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب وقت کا امام خود نماز پڑھانے سے معذور ہو تو وہ اپنا نائب مقرر کرے، مگر سب سے افضل کا انتخاب کرے، جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے، کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے امامت کے لیے آپ کا نام لیا۔

(۴) چوتھا فائدہ یہ ہے کہ جب کوئی افضل و اعلیٰ شخص کسی ادنیٰ پر کوئی عہدہ قبول کرنے کے لیے پیش کرے تو ادنیٰ اس کو قبول نہ کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کیا۔

(۵) پانچواں فائدہ یہ ہے کہ جب فتنے کا خطرہ نہ ہو تو منہ پر کسی کی تعریف کرنا جائز ہے، جس طرح حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کے لیے کہا "انت احق بذالك"۔

اس باب کی روایات میں بعض جگہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے، بعض جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور بعض حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے تو یہ کوئی تعارض نہیں ہے، حضرت عباسؓ چونکہ بزرگ تھے تو وہ اکیلے ایک جانب میں تھے، دوسری جانب تین حضرات باری باری بدلتے رہے، جس نے جس کو دیکھا بیان کیا۔

باب تقديم الجماعة من يصلي بهم اذا تأخر الامام

جب امام کے آنے میں تاخیر ہو تو کسی اور کو امام بنانا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۹۴۸۔حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأُقِيمُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ، فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي الصَّلَاةِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ فَرَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ؟ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ وَإِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی عمرو بن عوف میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے (واپسی میں تاخیر ہوگئی اور) نماز کا وقت ہوگیا تو مؤذن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نماز کے لیے تیار ہو تو میں اقامت کہوں؟ فرمایا کہ ہاں! چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، لوگ ابھی نماز میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور لوگوں میں سے ہوتے ہوئے صف میں آکر رک گئے۔ لوگوں نے ہتھیلیوں پر ہاتھ مارے (تاکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوسکیں) جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ نہیں ہوتے تھے، جب لوگوں کی ہاتھ مارنے کی آواز میں کثرت ہوئی تو وہ متوجہ ہوئے، دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اشارے سے فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر (کہ انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت کے قابل سمجھا) بعدازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے آکر صف میں شریک ہوگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے ہوگئے اور نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مڑے اور فرمایا کہ اے ابوبکر! جب میں نے تمہیں حکم دے دیا تو تم اپنی جگہ کھڑے کیوں نہ رہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ابن ابی قحافہ کی کیا مجال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نماز پڑھائے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں نے تمہیں بہت زیادہ تالی کی آوازیں نکالتے دیکھا؟ اگر کسی کو نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ سبحان اللہ کہے، کیونکہ جب تم تسبیح کہو گے تو امام تمہاری طرف متوجہ ہوجائے گا اور تالی تو عورتوں کے لیے ہے۔

تشریح:

"الی بنی عمرو بن عوف" یہ مالک بن اوس کی اولاد اور خاندان کا نام ہے، انصار کے دو قبیلوں میں سے ایک کا نام 'اوس' تھا اور دوسرے کا نام ''خزرج'' تھا۔ عمرو بن عوف قبیلہ اوس کی بڑی شاخ او بطن کا نام ہے۔ یہ قبیلہ ''قباء'' کے علاقے میں آباد تھا، اس قبیلے کے لوگوں میں ایک دفعہ جھگڑا ہوا، یہاں تک کہ ایک دوسرے پر پتھراؤ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ نے بعض صحابہؓ سے فرمایا کہ چلو چلتے ہیں تاکہ ان کی صلح کرادیں۔ چنانچہ ظہر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ اور دیگر ساتھی چلے گئے۔

"فحانت الصلوٰۃ" یعنی عصر کی نماز کا وقت ہوگیا اور مسجد نبوی میں امام کا انتظام نہیں تھا، البتہ تفصیلی روایات میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر میں عصر کی نماز میں نہیں پہنچ سکا تو ابوبکر کو کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائے۔ اسی بنیاد پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کی دعوت دی اور کہا "اتصلی بالناس" یعنی آپ نماز جلدی پڑھائیں گے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں نماز کو مؤخر کریں گے؟ حضرت بلالؓ کے

استفہام کے ساتھ پوچھنے کا مقصد یہی تھا کہ "فاقیم" أی فان اقیم یعنی اگر جلدی کرنی ہے تو ہم اقامت کریں۔
"فصلی أبو بکر" یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اول وقت میں حصول فضیلت کی غرض سے نماز پڑھانے کو ترجیح دی اور جماعت کھڑی ہوگئی اور آپ ؓ نماز پڑھانے لگے۔
"فجاء رسول الله صلی الله علیه و سلم" یعنی جماعت اور نماز کے دوران نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علاقہ قباء سے واپس تشریف لائے۔
"فتخلص" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معذور نہیں تھے، صرف تاخیر ہوگئی تھی، لہٰذا آپ کو امامت خود کرانی تھی، اس لیے لوگوں کے پیچھے کھڑا ہونا مناسب نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے، اس لیے صفوں کو چیر کر آگے بڑھے اور صف اول میں کھڑے ہوگئے۔
"فصفق الناس" یہ باب تفعیل سے ہے، ہاتھ پر ہاتھ مار کر آواز نکالنے کو کہتے ہیں، یہ تالیاں بجانا نہیں، بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت مارنے کو کہتے ہیں۔ اسی روایت کے آخر میں اس کو تصفیح کہا گیا ہے۔ ایک ہی معنی ہے۔
"امکث مکانک" یعنی اپنے جگہ پر کھڑے رہو، نماز پڑھاؤ پیچھے نہ ہٹو۔
"فرفع ابوبکر یدیه" خوشی اور شکرادا کرنے کی غرض سے آسمان کی طرف سر اور ہاتھ اٹھا کر عملاً اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا کہ وہ اس قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے امامت کرانے کے لیے حکم دیا۔
"فحمد الله" عملاً شکرادا کرنے کے ساتھ ساتھ قولاً آپ ؓ نے الحمدللہ پڑھا اور پیچھے ہٹ گئے، کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوں کو چیر لیا اور آگے آئے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ امامت کرانا چاہتے ہیں، ہاں اکرام کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا کہ تم نماز پڑھالو، جس سے حضرت ابوبکر ؓ نے اندازہ لگالیا کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے، اس پر عمل کرنے کو لازم نہیں سمجھا، بلکہ ادب واحترام اور تواضع کا راستہ اختیار کر کے پیچھے ہٹ گئے۔ معلوم ہوا "الامر فوق الادب" ہر جگہ نہیں ہوتا، بلکہ بعض جگہ یہ جملہ زیادہ مناسب ہے "ان سلوك طريقة الادب خير من امتثال الامر" يعني الادب فوق الامر.
"وتقدم النبی صلی الله علیه و سلم فصلی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیاً و میتاً امام تھے، مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی جونہی آپ آگے بڑھے خود امامت وقیادت آپ کی طرف منتقل ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت کرائی۔
"ما کان لابن ابی قحافه" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی احترام اور نہایت تواضع کے ساتھ جواب دیا کہ ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے کیا مناسب تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔ آپ ؓ نے اپنا نام یا کنیت کا ذکر نہیں کیا، بلکہ باپ کا صریح نام ذکر کیا اور اس کے بیٹے کا حوالہ دیا جس میں انتہائی عقیدت ومحبت وفدائیت کارفرما تھی۔
"من نابه شیء" کسی حادثے اور واقعے کے پیش آنے کو نوب اور ناب کہتے ہیں، نماز میں اس طرح حادثہ پر تنبیہ کے لیے

مردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہیے۔

"التفت الیہ" یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔

"وانما التصفیح للنساء" یعنی ہاتھ پر ہاتھ مار کر تنبیہ کرنا عورتوں کے لیے ہے تاکہ ان کی آواز کی بے پردگی نہ ہو۔ مردوں کے لیے تو تالی بجانے اور دستک دینے کے بدلے میں زبان اور بلند آواز سے سبحان اللہ کا جملہ ادا کرنا چاہیے۔ آئندہ باب کی احادیث میں اس کی تفصیل ہے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں امامت خود کرائی ہے، صرف مرض الوفات میں صدیق اکبرؓ نے نیابت وامامت فرمائی ہے۔ اور دوسرا موقع یہ ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ نے امامت شروع کرائی ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر صدیقؓ کی امامت منقطع ہو کر حضرت نے خود امامت کرادی۔ تیسرا موقع غزوۂ تبوک کا ہے، جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقتداء فرمائی جیسا کہ آئندہ احادیث میں آرہا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت خود کرائی ہے، البتہ آپ نے اذان خود نہیں دی ہے، بلکہ دوسروں سے دلوائی ہے۔

بہر حال اس حدیث میں اور آنے والی احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر فتنے کا خطرہ نہ ہو تو لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ امام کی تاخیر پر کسی اور سے نماز پڑھوائیں۔

۹۴۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي حَازِمٍ، وَقَالَ قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيُّ، كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ وَفِي حَدِيثِهِمَا فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ، وَرَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ،

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث معمولی فرق (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکریہ ادا کیا اور الٹے پاؤں ہٹ گئے، حتیٰ کہ صف میں آکر مل گئے) کے ساتھ منقول ہے۔

۹۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَزِيعٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: ذَهَبَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْلِحُ بَيْنَ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ وَزَادَ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَقَ الصُّفُوفَ حَتَّى قَامَ عِنْدَ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ وَفِيهِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجَعَ الْقَهْقَرَى

اس سند سے بھی سابقہ حدیث ہی معمولی فرق الفاظ (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو صفوں کو چیرا اور پہلی صف میں شامل ہو گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹے) کے ساتھ منقول ہے۔

تشریح:

"فخرق" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوں کو چیرا اور آگے بڑھ کر صف اول میں کھڑے ہو گئے، ضرورت کے وقت اس طرح کرنا جائز ہے، اسی طرح باہر جانے کے لیے بھی ضرورت کے وقت سامنے سے صفوں کو چیر کر جانا بھی جائز ہے، یہاں

خرق کا لفظ ہے، اس سے پہلے ”تخلص“ کا لفظ آیا ہے، دونوں سے مراد صف کو چیر کر آگے جانا ہے۔

”لایلتفت“ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں اس طرح منہمک و مستغرق رہتے تھے کہ کسی کی تالی کی آواز کی طرف توجہ نہیں جاتی تھی، لیکن جب لوگوں نے بہت زیادہ تالیاں ماریں تب آپ رضی اللہ عنہ متنبہ ہوئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہے ہیں۔

”ورجع القهقرىٰ“ ای نکص و رجع علی عقبیه یعنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گئے، یہ اس لیے تاکہ قبلہ سے منہ اور سینہ نہ مڑ جائے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

۹۵۱ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، قَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ حَدِيثِ عَبَّادِ بْنِ زِيَادٍ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبُوكَ قَالَ: الْمُغِيرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهُ إِدَاوَةً قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَلَمَّا رَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَخَذْتُ أُهَرِيقُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ وَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ، ثُمَّ ذَهَبَ يُخْرِجُ جُبَّتَهُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ، فَضَاقَ كُمَّا جُبَّتِهِ فَأَدْخَلَ يَدَيْهِ فِي الْجُبَّةِ، حَتَّى أَخْرَجَ ذِرَاعَيْهِ مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ، وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ عَلَى خُفَّيْهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ قَالَ: الْمُغِيرَةُ فَأَقْبَلْتُ مَعَهُ حَتَّى نَجِدُ النَّاسَ قَدْ قَدَّمُوا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ فَصَلَّى لَهُمْ فَأَدْرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى مَعَ النَّاسِ الرَّكْعَةَ الْآخِرَةَ، فَلَمَّا سَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتِمُّ صَلَاتَهُ فَأَفْزَعَ ذَلِكَ الْمُسْلِمِينَ فَأَكْثَرُوا التَّسْبِيحَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ: أَحْسَنْتُمْ أَوْ قَالَ: قَدْ أَصَبْتُمْ يَغْبِطُهُمْ أَنْ صَلَّوُا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت فرمائی، مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر سے قبل قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، میں نے آپ کے لیے پانی کا برتن اٹھالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوٹ کر میرے پاس آئے تو میں نے پانی برتن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ تین بار دھوئے، پھر اپنا چہرہ دھویا، پھر دونوں بازو اپنے جبہ کی آستینوں سے نکالنا چاہا تو آستینوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے دوبارہ بازو جبے کے اندر کر کے نیچے سے نکال لیے اور پھر دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک دھویا، بعدازاں موزوں کے اوپر مسح فرمایا، پھر آپ پلٹے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ ہم نے لوگوں کو جالیا، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے کر دیا ہے، انہوں نے امامت کرائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتوں میں سے ایک رکعت پائی (جماعت کے ساتھ) دوسری رکعت لوگوں کے ساتھ پڑھی، جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے

اپنی نماز پوری کرنے کے لیے، مسلمانوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو گھبرا کر بکثرت تسبیح پڑھنا شروع کردی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز پوری فرمائی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اچھا کیا یا فرمایا تم نے صحیح کیا اور ان کے اس فعل کو قابل رشک بتلایا کہ تم نے نماز کو اس کے وقت پر پڑھا۔

تشریح:

''غـزا تبوک'' یعنی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے۔ تبوک مدینہ منورہ اور خیبر سے براستہ مدائن صالح وثمود شمال کی جانب شام کی طرف اردن کے قریب واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک بڑا شہر ہے۔ ۹ ہجری میں تیس ہزار کا لشکر لے کر سلطنت روم کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر گئے۔ رومی لوگ بھاگ گئے، جنگ نہیں ہوئی۔ روم کے سرحدی علاقوں کو پُر امن بنانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کاروائیاں کیں، کچھ معاہدے ہوئے اور تقریباً بیس دن کے بعد آپ مدینہ تشریف لائے۔

''فتبرز'' قضائے حاجت کے لیے باہر صحرا کی طرف نکلنے کو کہتے ہیں۔

''الـغـائـط'' اصل میں نشیبی زمین اور باپردہ جگہ کو غائط کہتے ہیں، پھر ایسی جگہ میں قضائے حاجت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس کو غائط میں استعمال کیا جو تسمية الحال باسم المحل ہے، قضائے حاجت سے کنایہ ہے۔

''اداوۃ'' لوٹے کو کہتے ہیں، چمڑے کے لوٹے پر زیادہ بولا جاتا ہے، جس کو چھاگل کہتے ہیں۔

''اھریق'' پانی بہانے کو کہتے ہیں۔

''فـضـاق کُمّـا جبتـه'' جبہ سے چوغہ اور شیروانی مراد ہے، جبہ کی آستین کبھی کھلی ہوتی ہیں، لیکن کبھی کوٹ کی طرح تنگ ہوتی ہیں۔ وضو کے وقت اس کا بازو کے اوپر چڑھانا مشکل ہوتا ہے، یہی صورت یہاں بن گئی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آستینوں کے نیچے سے بازؤں کو نکال کر دھویا اور جبے کی آستینوں کو کندھوں پر ڈال دیا۔ یہ قبائل کے لوگوں کا ایک معمول ہے، شہروں کے لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہے، اس لیے ایک بہت بڑے عالم نے ریاض الصالحین کی شرح میں اس کا ترجمہ غلط لکھا ہے، مطلب بھی نہیں سمجھا ہے، اس حدیث میں ''کُمّا'' کا لفظ تثنیہ ہے، جبہ کی طرف مضاف ہے، اس کا مفرد کُم ہے، آستین کو کہتے ہیں۔

''احدی الر کعتین'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک رکعت ملی، ایک فوت ہوگئی، جس سے امت کو مسبوق کا ایک نقشہ مہیا ہوگیا اور شریعت کی تکمیل ہوگئی۔

''فـافـزع'' یعنی اس صورت حال نے مسلمانوں کو پریشان کردیا، گھبراہٹ میں ڈال دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک رکعت فوت ہوگئی، یہ ہم نے غلطی کی کہ انتظار نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں آگے بڑھنے کی کوشش نہیں فرمائی، ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب آپ کی ایک رکعت فوت ہوگئی تو اگر آپ امام بن جاتے تو جماعت کے لوگوں میں خلل پڑ جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام نہیں پھیر سکتے اور لوگوں کو دو رکعت پوری ہونے پر سلام پھیرنا تھا، لہٰذا اس موقع پر آپ پیچھے رہے اور مسبوقین کے ساتھ اپنی نماز مکمل فرمائی۔

"یغبطهم" یہ باب تفعیل سے ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غبطہ کرنے پر ابھارا کہ تم نے وقت پر نماز پڑھ کر قابل تحسین کام کیا ہے۔ اس پر خوش ہو جاؤ۔ یہ صیغہ باب ضرب یضرب سے بھی لیا گیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اچھے کام پر غبطہ کر رہے تھے کہ انہوں نے وقت پر نماز پڑھی۔

۹۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَالْحُلْوَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، نَحْوَ حَدِيثِ عَبَّادٍ، قَالَ الْمُغِيرَةُ: فَأَرَدْتُ تَأْخِيرَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ: النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ

حضرت حمزہ بن مغیرہ سے بھی سابقہ حدیث مروی ہے اس فرق کے ساتھ کہ جب مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پیچھے ہٹانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں پڑھانے دو۔

باب اذا ناب فی الصلوٰۃ شیء فالتسبیح للرجال و التصفیق للنساء

جب نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو مرد تسبیح کریں اور عورتیں ہاتھ پر ہاتھ ماریں

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۹۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي سعيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ زَادَ حَرْمَلَةُ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَقَدْ رَأَيْتُ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يُسَبِّحُونَ وَيُشِيرُونَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے جب کہ عورتوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔" حرملہ نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا: میں نے کئی اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ تسبیح کے ساتھ اشارہ بھی کرتے تھے۔

تشریح:

"التصفیح للنساء" یہاں تصفیح کا لفظ ہے، اس سے پہلے تصفیق کا لفظ گزرا ہے، دونوں کا معنی و مطلب ایک ہی ہے کہ عورتیں نماز میں حادثہ کے وقت امام کو متنبہ کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ ماریں، دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر ماریں، دونوں ہتھیلیاں ملا کر مارنے سے تالیاں بن جاتی ہیں جو لہو و لعب ہے اور نماز میں جائز نہیں، بلکہ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ بعض جگہ اردو ترجمہ میں تالی کا لفظ آیا ہے، مگر اس سے معروف تالی مراد نہیں ہے، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا یا دستک

دینا ان الفاظ کا اچھا ترجمہ ہے۔ مردوں کی آواز میں پردہ نہیں ہے، لہٰذا وہ زبان سے تسبیح پڑھ کر امام کو متنبہ کریں گے، لیکن عورتوں کی آواز چونکہ عورت ہے، اس لیے ان کا آواز سے متنبہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ امام نوویؒ کو یہاں باب باندھنے کی ضرورت نہیں تھی، ہم نے امام نوویؒ کے عنوان کو چھوڑ کر ایک نیا عنوان اختیار کیا ہے، جو دیگر شروحات میں ہے۔

٩٥٤۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

اس سند سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسب سابق روایت نقل کرتے ہیں۔

٩٥٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ وَزَادَ فِي الصَّلَاةِ

اس سند سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسب سابق روایت نقل کرتے ہیں، البتہ اس حدیث میں نماز کا اضافہ ہے۔

باب الامر بتحسين الصلوٰة و اتمامها و الخشوع فيها

دل لگا کر اچھی طرح نماز پڑھنے کے احکام

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

٩٥٦۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا فُلَانُ، أَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَكَ؟ أَلَا يَنْظُرُ الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّى كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَإِنَّمَا يُصَلِّي لِنَفْسِهِ، إِنِّي وَاللّٰهِ لَأُبْصِرُ مِنْ وَرَائِي كَمَا أُبْصِرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا: اے فلاں شخص! تم اپنی نماز اچھی طرح کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا نمازی کو دکھائی نہیں دیتا کہ وہ کس طرح نماز پڑھ رہا ہے، باوجود یہ کہ نمازی اپنے ہی فائدے کے لیے نماز پڑھتا ہے، خدا کی قسم! میں جس طرح اپنے سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح:

"الا تحسن صلاتک" یعنی تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے ہو، اعتدال اور طمانیت کا خیال نہیں رکھتے ہو۔ علامہ ابیؒ لکھتے ہیں

کہ اس روایت سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں جو اعتدال ارکان کو فرض نہیں کہتے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو نماز کے اعادہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ تعدیل ارکان کے مختلف درجات ہیں، بعض فرض کے درجے میں ہیں، بعض واجب ہیں مگر بعض تو سنت اور مستحبات کے درجے میں ہیں، جس کے نقصان سے اعادۂ صلوٰۃ نہیں ہوتا ہے، بہرحال تعدیل ارکان کا مسئلہ اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

"فانما یصلی لنفسہ" یعنی اپنے ہی فائدے اور ثواب کے لیے پڑھتا ہے، جب اچھی طرح نہیں پڑھے گا تو اپنا ہی نقصان ہوگا کہ ثواب نہیں ملے گا۔

"لابصر من ورائی" اگلی روایت میں "انی لاراکم من وراء ظھری" کے الفاظ آئے ہیں، اس کے بعد والی روایت میں "انی لاراکم من بعدی" کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد "من بعد ظھری" کے الفاظ آئے ہیں۔ سب کا مطلب یہی ہے کہ میں جس طرح آگے اور سامنے کی طرف دیکھتا ہوں اسی طرح مجھے پیچھے سے بھی نظر آتا ہے، لہٰذا صفوں میں تمہاری حرکات اور نماز میں اعتدال ارکان مجھے نظر آتا ہے، تم نماز میں سنت کے خلاف کوئی حرکت نہ کرو۔

سوال: اس مقام پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم غیب کو اپنا خاصہ قرار دیا ہے، قرآن کریم میں بہت ساری آیات اور انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے بہت سارے قصے اور واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ احادیث مقدسہ کی بے شمار روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، حالانکہ یہاں اس حدیث سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب تھے اور آپ آگے پیچھے حاضر اور پوشیدہ چیزوں پر واقف ہو جاتے تھے، اس تعارض کا جواب کیا ہے؟

جواب: شارحین حدیث نے اس روایت میں کئی توجیہات کی ہیں اور اس تعارض کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

۱۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حالت نماز میں انکشاف تام ہو جاتا تھا اور انکشاف تام کی اس حالت کی وجہ سے آپ پر تجلیات کا مکمل نزول ہو جاتا تھا، جس کی وجہ سے بطور خرق عادت آپ کو آگے پیچھے سب کچھ نظر آنے لگتا تھا۔ یہ کیفیت نماز سے باہر نہیں ہوتی تھی، اس لیے نماز کے علاوہ آپ سے علم غیب کی جو نفی کی گئی اس کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے۔ (کذا فی المرقات بتغیر یسیر)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی عربی عبارت اس طرح ہے جسے ملا علی قاریؒ نے مرقات میں نقل کیا ہے اور مشکوٰۃ کے صفحہ ۷۷ کے حاشیہ نمبر ۹ پر موجود ہے، لکھتے ہیں: "انی لاری من خلفی قال ابن حجر ای فی حال الصلوٰۃ لانہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یحصل لہ فیھا قوۃ العین بما یفاض علیہ فیھا من غایات القرب و خوارق التجلیات فینکشف لہ حقائق الموجودات علی ما ھی علیہ فیدرك من خلفہ کما یدرك من امامہ لانہ الباھر کمالہ لایشغلہ جمعہ عن فرقہ فھو و ان استغرق فی عالم الغیب لا یخفی علیہ شیء من عالم الشھادۃ فعلم ان ما ھھنا لا ینافی قولہ صلی اللہ علیہ و سلم "انی لا اعلم ماوراء جداری" علی تقدیر صحتہ لانہ بالنسبۃ الی خارج الصلوٰۃ ھذا ما قالہ

صاحب المرقات وقال الشيخ الدهلوی الصواب انه محمول على ظاهره و ان هذه الابصار ادراك حقيقي بحاسة العين خاص به صلى الله عليه و سلم على خرق العادة فكان يرى من غير مقابلة و يحتمل أن يكون علماً بالقلب بوحي أو الهام و لم يكن دائماً" (مشکوٰۃ ص ۷۷ حاشیہ ۹)

میرے خیال میں ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ انکشاف تام اس طرح ہوتا تھا کہ آپ کے سامنے دیوار میں تمام نمازیوں کا نقشہ آجاتا تھا، جس طرح شفاف آئینے میں یا آج کل کیمرہ کی اسکرین پر نقشہ آتا ہے۔صلوٰۃ کسوف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامنے کی دیوار میں جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے۔

(۲)　شیخ عبدالحق ؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز میں آگے پیچھے یکساں طور پر دیکھنا بطور معجزہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقی آنکھوں سے آگے پیچھے دیکھتے تھے۔

شیخ ؒ کے اس جواب میں کوئی بُعد نہیں ہے، کیونکہ وحی کا کنکشن جب جڑتا ہے تو انبیائے کرامؑ کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور پھر وہ علم الغیب نہیں رہتا، علامہ بوصیری ؒ فرماتے ہیں:

تبارك الله ما وحی بمکتسب　　ولا نبی على غيب بمتهم

بابا سعدی ؒ نے حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے فراق کے بارے میں اس طرح کہا ہے:

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند　　کہ اے روشن گہر پیر خرمند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی　　چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی؟
بگفت احوال مابرق جہاں است　　دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　　گہے برپشت پائے خود نہ بینم

ان اشعار کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب وحی کا کنکشن جڑ جاتا ہے تو ہم عرش کی باتیں کرتے ہیں اور جب رابطہ کٹ جاتا ہے تو اپنے پاؤں پر ڈنگ مارنے والے بچھو وغیرہ کو نہیں دیکھتے، جب ربط نہیں تھا تو کنعان کے کنویں میں یوسفؑ کو نہیں دیکھا، جب ربط ہو گیا تو مصر میں قمیص کی خوشبو محسوس کی۔

(۳)　بعض شارحین نے یہ جواب دیا ہے کہ شاید وحی یا الہام کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوتا تھا، بہرحال جس طرح بھی ہو مگر یہ حالت مستمرہ نہیں تھی، بلکہ یہ حالت صرف نماز کی حالت تک محدود تھی اور شارحین حدیث محنت کر کے جوابات دیتے ہیں، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امت محمدیہ کا عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غیب دانی کا نہیں ہے۔

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگا　　ہر کہ گوید ما بدانم تو ازو باور مدار
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتی جبرئیل　　جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

۹۵۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَا هُنَا؟ فَوَاللَّهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ، وَلَا سُجُودُكُمْ إِنِّي

لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ میں صرف اپنے سامنے دیکھتا ہوں؟ خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارے رکوع کی حالت مخفی ہے نہ سجدوں کی۔ میں اپنے پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

۹۵۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " أَقِيمُوا الرُّكُوعَ، وَالسُّجُودَ فَوَاللّٰهِ، إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي - وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي - إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ "

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رکوع سجدے اچھی طرح کیا کرو، خدا کی قسم! میں اپنے پیٹھ پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں، جب تم رکوع سجدہ کرتے ہو۔

۹۵۹۔ حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنِي ابْنَ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتِمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَوَاللّٰهِ، إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا مَا رَكَعْتُمْ، وَإِذَا مَا سَجَدْتُمْ وَفِي حَدِيثِ سَعِيدٍ إِذَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا سَجَدْتُمْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رکوع سجدے پوری طرح اطمینان سے کیا کرو، خدا کی قسم! میں پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں جب تم رکوع اور سجدے میں ہوتے ہو۔

باب تحریم سبق الامام برکوع أو سجود و نحوهما

رکوع یا سجدہ وغیرہ میں امام سے آگے بڑھنا حرام ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۹۶۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، - وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَ ابْنُ حُجْرٍ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي إِمَامُكُمْ، فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ، وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالِانْصِرَافِ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ أَمَامِي وَمِنْ خَلْفِي ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْ رَأَيْتُمْ مَا رَأَيْتُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا قَالُوا: وَمَا رَأَيْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: رَأَيْتُ

الْجَنَّةَ وَالنَّارَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد ہماری جانب رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں، لہٰذا مجھ سے آگے مت بڑھو رکوع یا سجدہ یا قیام میں اور نہ ہی سلام پھیرنے میں۔ اس لیے کہ میں تمہیں سامنے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی۔ پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر تم وہ کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلو جو میں مشاہدہ کرتا ہوں تو ضرور بہ ضرور تم ہنسنا کم کردو اور رونے کی کثرت کردو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کیا مشاہدہ کرتے ہیں؟ فرمایا: جنت اور جہنم کے مناظر میرے سامنے ہوتے ہیں۔

تشریح:

"اِنی اِمامکم"، یعنی میں تمہارا امام ہوں، جب میں سلام نہیں پھیروں گا تو تم مجھ سے پہلے نماز سے نہیں نکل سکتے ہو، جب تمہارا یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا ہے تو مجھ سے سبقت کیوں اختیار کرتے ہو؟ ایسا نہ کرو، یہ صرف گناہ ہے فائدہ کچھ بھی نہیں ہے۔ فتح الملہم میں لکھا ہے کہ امام سے پہلے جانے سے روکنے کا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ خیال کرے کہ میں جتنی بھی جلدی کروں، پھر بھی امام سے پہلے نماز سے نہیں نکل سکتا ہوں تو پھر اس جلدی کرنے کا کیا فائدہ ہے، اس طرح جلدی کا علاج ہوجائے گا۔

"ولا بالانصراف" علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ انصراف سے مراد سلام پھیرنا ہے یعنی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیرو، یہ بھی منع ہے۔ علامہ عثمانیؒ فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ "ویحتمل ان یکون المراد النهی عن الانصراف من مکان الصلوٰۃ قبل الامام الخ" اس پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس انصراف اور لوٹنے سے مراد یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ امام کے اٹھ کر چلے جانے سے پہلے مقتدی اپنی جگہ سے اٹھ کر نہ جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ امام کو نماز میں سہو ہوگیا ہو اور نماز کو لوٹانا پڑے، نیز مقتدی کا ٹھہرے رہنے سے یہ فائدہ بھی ہے کہ وہ خوب دعا کرے، نیز ابوداؤد شریف میں ایک حدیث بھی ہے کہ امام کے اٹھ کر چلے جانے سے پہلے مقتدی نہ جائے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم حضهم علی الصلوٰۃ و نهاهم ان ینصرفوا قبل انصراف الامام من الصلوٰۃ" (رواہ ابوداؤد)

البتہ مجبوری کے وقت مقتدی امام کے انتظار کے بغیر جاسکتا ہے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

"ولبکیتم کثیرا" اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر جنت اور دوزخ کو دیکھ لیتے تو ہنسنا کم اور رونا زیادہ ہوجاتا، کیونکہ حصول جنت کے لیے جس عمل کی ضرورت ہے، اس میں کوتاہی کی طرف خیال جاتا یا ویسے بھی جنت کے مناظر دیکھنے سے دل پر رقت طاری ہوجاتی، جس سے رونا آتا ہے، یہی قصہ دوزخ کا بھی ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ ابھی سے تیار ہیں، معتزلہ وغیرہ خرافات کہتے ہیں کہ جنت وجہنم ابھی تیار نہیں ہیں۔

۹۶۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ فُضَيْلٍ، جَمِيعًا عَنِ الْمُخْتَارِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ وَلَا بِالِانْصِرَافِ

اس سند سے بھی سابقہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۹۶۲۔ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، وَأَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، كُلُّهُمْ عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: خَلَفٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، أَنْ يُحَوِّلَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جو امام سے قبل سر اٹھاتا ہے کیا ڈرتا نہیں اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر سے تبدیل کر دے گا۔

تشریح:

"رأس حمار" ایک حدیث میں یہی لفظ ہے، ایک اور حدیث میں "صورته فی صورة حمار" کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک اور حدیث میں "وجهه وجه حمار" کے الفاظ آئے ہیں۔ ان تمام الفاظ کا مطلب اور معنی ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی شکل مسخ کر دے گا۔ چنانچہ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

جو شخص نماز میں امام سے پہلے سجدہ یا رکوع سے سر اٹھاتا ہے، اس کے بارے میں یہ خطرہ موجود ہے کہ اس کا سر گدھے کا سر بن جائے۔ علماء نے اس حدیث کے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ اول مطلب یہ ہے کہ یہ کلام حقیقت پر نہیں بلکہ مجاز پر محمول ہے یعنی اس کا سر واقعی گدھے کا سر نہیں بنتا البتہ یہ شخص گدھے کی طرح ناسمجھ بلید اور بے عقل ہے، گویا یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے۔ دوسرا مطلب علامہ ابن حجرؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مسخ ہونا خاص ہے جو ایک جزئی حالت سے متعلق ہے، اس کا واقع ہونا منع نہیں ہے اور ایک عام مسخ ہے کہ پوری امت مسخ ہو جائے وہ منع ہے تو احادیث میں جس مسخ کی ممانعت کی بات آئی ہے، وہ وہی عام مسخ ہے، لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ اس حدیث کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ مسخ سے مراد حقیقی مسخ بھی ہو سکتا ہے اور اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اشراط الساعة میں مسخ کے واقعات کا ذکر موجود ہے اور گزشتہ زمانوں میں بھی مسخ کے حقیقی واقعات کبھی کبھی رونما ہو چکے ہیں۔

عبرت ناک حکایت:

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے تحت مرقات ج ۳ ص ۹۸ پر ایک عبرتناک قصہ لکھا ہے کہ ایک جلیل القدر محدث علم حدیث کے حصول کے لیے ایک مشہور شیخ الحدیث کے پاس دمشق پہنچ گئے، جن کے علم اور حدیث کا ڈنکا اس وقت بج رہا تھا، علم حدیث کے اس شوقین طالب علم نے ان سے حدیث لینا شروع کر دی اور تمام احادیث اس شیخ الحدیث سے حاصل کر لیں، لیکن عجیب صورت

حال یہ پیش آئی کہ پورے عرصے میں استاذ نے اپنے عقیدت مند شاگرد کو کبھی اپنا چہرہ نہیں دکھایا، بلکہ حجاب سے اس کو پڑھاتا رہا۔ جب استاذ کو اندازہ ہوا کہ اب شاگرد کو پوری عقیدت اور خدمت کا پورا جذبہ اور حدیث کا پورا شوق حاصل ہوگیا ہے اور اب یہ قابل اعتماد ہے تو استاذ نے پردہ سامنے سے ہٹا دیا۔ شاگرد نے جب دیکھا تو حیران ہوکر رہ گیا، کیونکہ اس کے استاذ کا چہرہ گدھے کا چہرہ تھا۔ اس حیرت پر استاذ نے کہا کہ بیٹے! امام سے نماز کے ارکان میں پہل کرنے سے بچنا (اور حدیث کی تعلیم اور فرمان میں شک کرنے سے بچنا) کیونکہ میں نے جب یہ حدیث سنی تو مجھے یقین نہیں آیا کہ واقعۃً ایسا ہوسکتا ہے، چنانچہ میں امام سے آگے جانے لگا تو میرا چہرہ گدھے کا چہرہ بن گیا جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

یاد رہے انسان جب اچھے اعمال میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ انسانیت کے بلند مقام سے گر کر حیوان کے نچلے درجے میں پہنچ جاتا ہے، پھر بلادت و جہالت میں اس کی تشبیہ مکروہ قسم کے حیوانات کے ساتھ دی جاتی ہے، جیسے امام سے آگے جانے پر گدھے کے ساتھ اور سر جھکانے میں بھی "تجبیر حمار" کے ساتھ تشبیہ دی گئی، جلدی جلدی نماز پڑھنے میں مرغ اور کوے کے ٹھونگوں کے ساتھ، سجدے میں زمین پر ہاتھ پھیلانے میں لومڑی کے افتراش کے ساتھ، ایڑیوں پر بیٹھنے میں کتے کے اقعاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، بے موقع ہاتھ اٹھانے میں گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی گئی ہے "کاذناب خیل شمس" گویا انسان کو "لقد خلقنا احسن تقویم" کے اونچے مقام سے "ثم رددناه اسفل السافلین" کے نیچے مقام پر گرایا گیا۔

۹۶۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَأْمَنُ الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ فِي صَلَاتِهِ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللَّهُ صُورَتَهُ فِي صُورَةِ حِمَارٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو جو امام سے قبل نماز میں سر اٹھاتا ہے ڈرنا چاہیے اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ اس کی صورت کو گدھے کی صورت سے تبدیل کردے گا۔

۹۶۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلَّامٍ الْجُمَحِيُّ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ مُسْلِمٍ، جَمِيعًا عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ مُسْلِمٍ، ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ الرَّبِيعِ بْنِ مُسْلِمٍ، أَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ وَجْهَهُ وَجْهَ حِمَارٍ

اس سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا بے خوف ہے وہ آدمی جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ گدھے کے چہرے کی طرح کردے۔

باب النهی عن رفع البصر الی السمآء فی الصلوٰۃ

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

٩٦٥ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ، أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہیں وہ اس عمل سے باز آجائیں، ورنہ ان کی نگاہیں ان کی طرف نہ پلٹیں گی۔

تشریح:

"الی السماء فی الصلوٰۃ" یعنی نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے سے لوگ یا تو باز آجائیں یا اللہ تعالیٰ ان کی نگاہوں کو لے گا پھر نگاہیں واپس نہیں ہوں گی۔ آنے والی روایت میں "عند الدعاء فی الصلوٰۃ" کے الفاظ کا اضافہ ہے تو ممانعت کی دو وجوہات بیان کی ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ آسمان کی طرف دیکھنے سے قبلہ اور سجدہ گاہ کی طرف دیکھنے سے ایک قسم کا اعراض لازم آتا ہے، دوسری وجہ یہ کہ نماز کی ہیئت وکیفیت سے آدمی نکل جاتا ہے۔

ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا مکروہ ہے، ہاں نماز سے باہر دیگر اوقات میں دعا مانگتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھنے میں اختلاف ہے۔ قاضی شریح اور ان کے کچھ ساتھیوں کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے، لیکن عام علماء کے نزدیک یہ جائز ہے "لان السمآء قبلة الدعاء كما ان الكعبة قبلة الصلوٰۃ" (فتح الملہم)

علامہ اُبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ آسمان کی طرف سے آدمی جہت قبلہ سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے منع ہے کیونکہ قبلہ اوپر نہیں ہے، نیچے زمین پر ہے۔ میرے خیال میں دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی سمجھتا ہے کہ بس اللہ تعالیٰ اوپر ہی ہے اور میں اسے دیکھ کر دعا مانگتا ہوں، اس توجیہ پر قاضی شریح کا قول بھی دلیل ہے، جب ایک شخص نے ایسا کیا تو شریح نے کہا "اكفف يديك واخفض بصرك فانك لن تناله و لن تره" (شرح الابی ج ۲ص ۳۲۱) یعنی اوپر دیکھ کر گویا تم اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنا چاہتے ہو، ایسا نہیں ہوسکتا لہٰذا نگاہیں نیچے رکھا کرو۔

"اَوْ لَتُخْطَفَنَّ" مجہول کا صیغہ ہے، نگاہ اچکنے کے معنی میں ہے۔

٩٦٦ـ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى السَّمَاءِ، أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگ نماز میں دعا کے وقت نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں، ورنہ ان کی بصارت ختم کردی جائے گی۔

باب الامر بالسكون و النهى عن رفع الايدى عند السلام

نماز میں سکون اختیار کرنے اور سلام کے وقت ہاتھ نہ اٹھانے کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۹۶۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ قَالَ: ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَرَآنَا حَلَقًا فَقَالَ: مَالِي أَرَاكُمْ عِزِينَ قَالَ: ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ: أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ: يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا ہوا میں تمہیں شریر گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز میں سکون کے ساتھ رہو، پھر ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہمیں حلقوں میں دیکھا، فرمایا میں تمہیں الگ الگ کیوں دیکھ رہا ہوں؟ پھر ایک بار ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگ ملائکہ کی طرح صف کیوں نہیں باندھتے ہو، جس طرح وہ اپنے رب کے سامنے صف باندھے ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ملائکہ اپنے رب کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں؟ فرمایا: وہ اگلی صفوں کو پہلے پورا کرتے ہیں، اس کے بعد ترتیب سے صفیں بناتے ہیں۔

تشریح:

”رافعی ایدیکم“ نماز کے آخری قعدے میں سلام کے وقت صحابہ کرامؓ زبانی سلام کے ساتھ عملی اور فعلی سلام بھی کیا کرتے تھے کہ دائیں بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر السلام علیکم کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو منع کردیا اور اس حرکت کو گھوڑوں کی ناشائستہ حرکت سے تشبیہ دے دی۔

”کاذناب خیل شمس“ شمس جمع ہے، اس کا مفرد شمیس اور شموس ہے۔ یہ اس سرکش گھوڑے کو کہا جاتا ہے جو دم اٹھا کر اچھلتا اور کودتا ہے۔ وھی التی لا تستقر بل تضطرب و تتحرك باذنابها و ارجلها (فتح الملہم)

آنے والی روایت میں عند السلام کا لفظ موجود ہے لہٰذا اس سے رکوع میں رفع یدین نہ کرنے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اور نہ

احناف کو اس کی ضرورت ہے۔البتہ اس حدیث میں ایک لفظ ہے کہ "اسکنوا فی الصلوٰۃ" تو ہاتھ اٹھانا گویا سکون کے خلاف ہے اور آیت ہے ﴿قوموا الله قانتین ای ساکتین﴾ اس طرح بطور استیناس استدلال کیا جا سکتا ہے، اگرچہ علامہ اُبی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ و احتج ابن القصار بهذا الحديث لرواية المنع من رفع الايدى فی الصلوٰۃ جملة ۔(الابی ج۲ص۳۳۲)

بہرحال اس حدیث میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہے، امت محمدیہ نے اس پر عمل کیا، لیکن شیعہ رافضی پابندی کے ساتھ سلام کے وقت دونوں ہاتھوں کو سرکش گھوڑوں کی طرح اٹھا کر رانوں پر مارتے ہیں اور پھر سلام پھیرتے ہیں۔ "خذلهم الله فی الدنیا و الاخرة"

"حلقا" حاء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ حلقة کی جمع ہے، گول دائرے میں بیٹھنے کی ہیئت کو حلقہ کہا جاتا ہے۔"عزين" عزة کی جمع ہے، جماعت کے معنی میں ہے، یعنی الگ الگ جماعت اور ٹولیاں بنا کر کیوں بیٹھتے ہو قبلہ رخ ہو کر صف میں بیٹھو اور پھر صف بنا کر نماز میں کھڑے رہو۔

"الا تصفون" ترغیب دلانا مقصود ہے کہ فرشتوں کی طرح صف بنا کر کیوں کھڑے نہیں ہوتے ہو؟

"يتراصون" یعنی فرشتے جڑ جڑ کر صف بنا کر کھڑے ہوتے ہیں، تم بھی ایسا ہی کرو کہ صف میں خلل اور درمیان میں فاصلہ نہ ہو۔ قاعدہ اور ترتیب یہ ہے کہ پہلی صف مکمل ہونے پر دوسری صف امام کے پیچھے سے شروع کی جائے اور دائیں بائیں اطراف سے مکمل ہو جائے۔

۹۶۸۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، ح وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، قَالَا: جَمِيعًا حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

اس سند سے بھی اعمشؒ سے سابقہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

۹۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ مِسْعَرٍ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ الْقِبْطِيَّةِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْجَانِبَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَامَ تُومِئُونَ بِأَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيهِ مَنْ عَلَى يَمِينِهِ، وَشِمَالِهِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے تو سلام کے وقت دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے ہاتھوں سے کس کی طرف اشارہ کرتے ہو جیسے کہ وہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہیں، تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ اپنا ہاتھ ران پر رکھے رہو اور دائیں بائیں اپنے ساتھ والے بھائی کی طرف سلام پھیرو۔

تشریح:

"علام تؤمئون" یہ صیغہ باب افعال سے ہے، اس کا مقصد "ایماء" ہے جو اشارہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی تم سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کیوں کرتے ہو؟ رانوں پر ہاتھ رکھ کر زبان سے سلام کے الفاظ کہہ کر سلام پھیرا کرو۔

"ثم یسلم علی أخیه" یعنی دائیں بائیں جانب صف میں نمازی بھائی ہیں، سلام میں ان کی نیت کرو۔ اس کی ترتیب ہدایہ میں اس طرح لکھی ہے کہ نمازی سب سے پہلے کرام کاتبین کی نیت کرے، پھر دائیں جانب نمازی بھائیوں کی نیت کرے، جنات اور عورتوں اور غائب لوگوں کی نیت نہ کرے پھر بائیں جانب سلام میں بھی اسی طرح کرے، اگر مقتدی امام کی دائیں جانب کھڑا ہے تو بائیں طرف سلام پھیرنے میں امام کی نیت کرے اور اگر بائیں جانب کھڑا ہے تو دائیں جانب سلام پھیرنے میں امام کی نیت کرے اور اگر مقتدی بالکل امام کے پیچھے بیٹھا ہو تو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے اور اگر نمازی منفرد ہے تو وہ صرف کرام کاتبین فرشتوں کی نیت کرے۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں السلام علیکم کے ساتھ ورحمة الله کے الفاظ یا دیگر الفاظ ملانا بدعت ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر شارحین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے نمازی کا دوطرفہ سلام ثابت ہوتا ہے، ایک جانب سلام پر اکتفا صحیح نہیں ہے۔

۹۷۰۔ وَحَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ فُرَاتٍ يَعْنِي الْقَزَّازَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا إِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِأَيْدِينَا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَنَظَرَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا شَأْنُكُمْ تُشِيرُونَ بِأَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ؟ إِذَا سَلَّمَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ إِلَى صَاحِبِهِ، وَلَا يُومِءُ بِيَدِهِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، ہم لوگ جب سلام پھیرا کرتے تھے تو ہاتھوں سے بھی سلام کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو فرمایا کیا ہوا تمہیں کہ ہاتھوں سے اشارہ کررہے ہو گویا کہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہوں، جب تم میں سے کوئی سلام کرے تو اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہو کر سلام کیا کرے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کیا کرے۔

باب تسوية الصفوف و فضل الاول فالاول منها

نماز میں صفوں کو سیدھا کرنے اور اگلی صفوں کی فضیلت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پندرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۹۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ، وَيَقُولُ: اسْتَوُوا، وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى ثُمَّ

الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ سیدھے اور برابر کھڑے ہو جاؤ، آگے پیچھے مت ہو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی اور میرے قریب عقل و فہم رکھنے والے کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں پھر وہ جو ان کے قریب ہوں۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج (صفیں سیدھی نہ بنانے کی وجہ سے) لوگوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

تشریح:

"تسوية الصفوف" صفوف سے متعلق پانچ اہم مسائل ہیں جو تمام مسائل کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ صف بالکل سیدھی ہو گویا اس کے ساتھ تیر کو سیدھا کیا جاتا ہو۔

(۲) صفوں میں تلاصق و تلازق ہو یعنی اس طرح جڑی ہوئی ہو کہ بیچ میں شیطان کے لیے کوئی فرجہ اور خلا نہ ہو۔

(۳) پیش امام صفوں کے آگے ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ دونوں طرف دائیں بائیں مقتدی برابر برابر ہوں۔

(۴) پہلی صف کو مکمل کر کے تب دوسری صف شروع کردے پھر ثانی کی تکمیل پر صف ثالث شروع کی جائے الی آخرہ۔

(۵) صفوف کو ایک دوسرے سے اس قدر فاصلے پر قائم کیا جائے کہ بیچ میں صرف سجدہ کی مقدار کی جگہ ہو، اس قاعدے پر فقہاء کے چند مسائل بھی ملاحظہ ہوں۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ صفوں کے درمیان اگر کوئی سڑک یا نہر نہ ہو تو یہ صفوف متصلہ ہیں، امامت و جماعت صحیح ہے، لیکن اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی نہر یا سڑک ہو تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ اقتداء صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اقتداء صحیح نہیں ہے اور اگر امام مسجد میں ہو اور مقتدی قریب تر گھر میں کھڑا ہو لیکن بیچ میں کوئی ایسا حائل ہو کہ امام نظر نہیں آتا اور امام کے پیچھے صفوف بھی نظر نہ آتی ہوں تو جمہور فرماتے ہیں یہ اقتداء صحیح نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ اقتداء صحیح ہے گویا جمہور کے ہاں بُعد اور قرب کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ حائل و حاجب کا اعتبار ہے اور امام ابوحنیفہؒ بُعد و قرب کا اعتبار کرتے ہیں، حائل کا اعتبار نہیں کرتے۔

نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا سنت مؤکدہ ہے، بعض نے واجب کہا، کیونکہ احادیث میں صف سیدھا نہ رکھنے پر سخت وعیدات آئی ہیں جو وجوب کی دلیل ہے۔

"یمسح مناکبنا" صف کو سیدھا کرنے کی ایک کیفیت کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح زبان مبارک سے اس کا بیان فرماتے اسی طرح عملی طور پر بھی صفوں کو سیدھا کیا کرتے تھے اور ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر صف سیدھی فرماتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صف کے سیدھا کرنے کے لیے کندھوں اور ٹخنوں کا سیدھا ہونا ضروری ہے، اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

"ولا تختلفوا" یعنی صف میں لوگ برابر کھڑے ہوں، کسی کے بدن کا کوئی حصہ آگے پیچھے نہ ہو، اس ظاہری افتراق سے تم میں

باطنی افتراق بغض اور عداوت ونفرت پیدا ہو جائے گی، تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

"لیلینی" یعنی جو لوگ علم ودانش اور فہم وفراست والے اور کامل بالغ ہیں، وہ اگلی صف میں میرے قریب کھڑے ہوں تا کہ میری نماز کا پورا نقشہ دیکھ کر امت تک پہنچائیں، نماز کے تمام احکام کو بچشم خود معائنہ کر کے سیکھ لیں اور اگر کبھی امام کو نماز میں سہو ہو جائے تو صحیح طور پر لقمہ دے سکیں یا اگر امام کو کوئی حادثہ پیش آئے اور وہ اپنا نائب مقرر کرنا چاہے تو صف میں قریب ایسے افراد موجود ہوں جو اس ذمہ داری کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اب صفوں کی ترتیب اس طرح ہوگی:

پہلی صف میں عاقل بالغ ہوں، پھر ان کے بعد قریب البلوغ مراہق لوگ ہوں اور بچے بھی ہوں، پھر ان کے بعد خنثیٰ لوگ ہوں یعنی جن میں مردوں اور عورتوں کی علامات بیک وقت پائی جاتی ہوں، پھر ان کے بعد آخری صفوں میں عورتیں ہوں۔

"اشد اختلافا" حضرت ابو مسعود انصاریؓ کے اس کلام کا مقصد یہ کہ آج تم لوگ نمازوں کی صفوں کو سیدھا کرنے میں احتیاط نہیں کرتے ہو لہٰذا تمہاری خارجی زندگی میں تم افتراق وانتشار اور اختلاف کا شکار ہو گئے۔ جتنا نماز کی صفوں میں افتراق ہے اتنا تم پر فتنوں کی بھرمار شروع ہو گئی ہے، لہٰذا پہلے نماز کا یہ ظاہری اختلاف ختم کر دو پھر باطنی اختلاف کے خاتمے کی فکر کرو۔

بہر حال ابو مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب ان تابعینؒ سے ہے جن میں یہ نقصان آ گیا تھا۔

۹۷۲۔ وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ح، قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ ح، قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنَ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ

اس سند سے بھی حضرت ابن عیینہؒ سے سابقہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

۹۷۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، وَصَالِحُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ وَرْدَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنِي خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَلِنِي مِنْكُمْ، أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا، وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے قریب ہو کر وہ لوگ کھڑے ہوں جو تم میں سے ارباب عقل ودانش ہیں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو عقل و شعور میں ان سے کم ہوں اور نماز کے دوران بازاری حرکتوں اور شور وغیرہ سے بچتے رہو۔

تشریح:

"ھیشات" جمع ہے اس کا مفرد ھیشه ہے، یہ لفظ باب نصر ینصر سے آتا ہے، اس کا ترجمہ خلط ملط اور گڈمڈ ہونے کا بھی ہے اور اس کا ترجمہ شور وغل اور غوغا کا بھی ہے، یہاں دونوں ترجمے صحیح ہیں، لہٰذا اس لفظ کے دو مطلب ہوئے۔ اول یہ کہ مسجدوں میں بازاروں کی طرح شور وغوغا نہ کرو، بلکہ خاموشی سے آ کر نماز پڑھو اور خاموشی سے جاؤ۔ یہ مطلب زیادہ واضح ہے، اصل عبارت اس طرح ہوگی "وایاکم و ھیشات کھیشات الاسواق" دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم ایسے مقامات میں نماز پڑھنے سے

احتراز کرو جہاں شور وغل ہوتا ہو اور حضور قلبی میسر نہ ہو جیسے بازار وغیرہ شور والے مقامات ہوتے ہیں۔ (لمعات)

٩٧٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ، مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صفوں کو سیدھا رکھو کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے۔

٩٧٥۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتِمُّوا الصُّفُوفَ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صفیں پوری کیا کرو کیونکہ میں تمہیں اپنی پیٹھ پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

٩٧٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ: أَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ

حضرت ہمام بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ (وہ صحیفہ) ہے جسے ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا، پھر انہوں نے ان میں سے چند احادیث ذکر کیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز میں صف کو سیدھا رکھو، کیونکہ صفوں کی درستگی نماز کا حسن ہے۔

٩٧٧۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ الْغَطَفَانِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ تم لوگ ضرور بالضرور اپنی صفیں سیدھی رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان مخالفت اور انتشار پیدا کر دے گا۔

٩٧٨۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا

قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ، حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ، فَقَالَ: عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفوں کو اتنے اہتمام سے درست اور سیدھا فرماتے گویا آپ تیر کی لکڑی کو درست کر رہے ہوں، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات اچھی طرح سیکھ لی۔ پھر ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بندو! اپنی صفیں ہر قیمت پر درست کرلو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا۔

تشریح:

"القداح" قداح تیر کو کہتے ہیں، عرب لوگ تیروں کو سیدھا کرنے کی بہت ہی کوشش کرتے تھے کیونکہ تیر میں ذرہ برابر بھی ٹیڑھ رہ جائے تو وہ نشانہ پر صحیح نہیں بیٹھتا، لہٰذا ان کے ہاں تیر کا سیدھا ہونا اتنا مشہور و مسلّم تھا کہ وہ دوسری چیزوں کے سیدھا پن اور ہمواری کی تشبیہ تیر سے دیا کرتے تھے، یہاں اسی مبالغہ کو بیان کیا گیا ہے کہ صفوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح سیدھا فرماتے تھے کہ گویا ان کے ذریعے سے تیر کو سیدھا کرنا چاہتے تھے۔

"قد عقلنا عنه" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندازہ ہو گیا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صفوں کے ہموار اور سیدھا کرنے کا مسئلہ سیکھ لیا۔

"او لیخالفن الله" علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہری ادب وفرمانبرداری چونکہ باطنی ادب وفرمانبرداری کی علامت ہوتی ہے، لہٰذا اگر تم صفوں میں غلط کھڑے ہو کر ظاہری اطاعت وفرمانبرداری نہیں کرو گے تو تمہاری یہ ظاہری نافرمانی تم کو باطنی نافرمانی تک پہنچا دے گی، یعنی دلوں کے اختلاف کی طرف پہنچا دے گی جس کا انجام یہ ہوگا کہ آگے چل کر یہ نافرمانی آپس کی عداوت و رقابت کا ذریعہ بن جائے گی، جس سے قلوب میں بگاڑ اور اختلاف پیدا ہو جائے گا اور دلوں کے اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے سے اعراض وانقباض شروع ہو جائے گا، جس سے تمہاری معاشرتی وسماجی زندگی تباہ ہو جائے گی، زیر بحث حدیث میں اسی پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔

۹۷۹۔ حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث مروی ہے۔

۹۸۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ، لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ، لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ یہ جان لیں کہ اذان اور صف اول کا کیا ثواب ہے اور انہیں بغیر قرعہ اندازی کے اس کا موقع نہ ملے تو وہ اس پر قرعہ اندازی کرنے لگیں اور اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ رات کو جاگنے میں کیا اجر ہے تو وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور اگر عشاء اور فجر کی جماعت کا اجر انہیں معلوم ہو جائے تو وہ ان دونوں نمازوں میں ضرور آئیں خواہ سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑے۔

۹۸۱۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ الْعَبْدِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ: تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِي، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ، لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز میں پچھلی صفوں میں دیکھا تو فرمایا: آگے بڑھ جاؤ اور تم میری اقتدا کرو اور تم سے پیچھے والے تمہارے اقتدا کریں، لوگ پچھلی صفوں میں رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انعامات میں بھی انہیں پیچھے رکھے گا۔

تشریح:

"تاخراً"، یعنی صف میں شامل ہونے میں کچھ تاخیر دیکھی۔

"فاتموا بی"، یعنی تم مجھے دیکھ سکتے ہو، لہٰذا مجھے دیکھو، میری نماز کی کیفیت دیکھو اور سیکھو اور اس پر عمل کرو، پھر اس کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ تمہاری نماز کو دیکھیں گے اور تمہاری کیفیت و ہیئت پر عمل کریں گے، اس طرح دین کا علمی و عملی ڈھانچہ اور اس کی بنیاد و اساس آگے بڑھے گی، چنانچہ الحمد للہ آج تک یہ نقشہ اسی طرح موجود ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔ اس میں علم کی فضیلت عمل پر ثابت ہوتی ہے کہ علم اور تعلیم و تعلم دین اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے دین کی بقا وابستہ ہے۔ میں نے جو یہ تفصیل لکھی ہے علامہ ابی مالکیؒ کے کلام سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، ورنہ عام شارحین نے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگلی صف کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کریں اور دیگر صفوف کے لوگ اپنے سامنے والوں کو دیکھ کر عمل کریں، کیونکہ ان کو امام نظر نہیں آتا ہے نہ آواز سنتے ہیں۔

"یتاخرون"، یعنی نماز میں اگلی صفوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

"یؤخرھم اللہ"، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمت سے ان کو پیچھے رکھ دیتا ہے، اسی طرح خصوصی علم اور بڑے درجات وغیرہ سے بھی پیچھے کر دیتا ہے۔

۹۸۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقَاشِيُّ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا فِي مُؤَخَّرِ الْمَسْجِدِ فَذَكَرَ مِثْلَهُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کو مسجد کے آخری حصے میں دیکھا......آگے حدیث سابقہ روایت کی طرح بیان فرمائی۔

۹۸۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ الْوَاسِطِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْهَيْثَمِ أَبُو قَطَنٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ خِلَاسٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ تَعْلَمُونَ - أَوْ يَعْلَمُونَ - مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَكَانَتْ قُرْعَةً وَقَالَ ابْنُ حَرْبٍ: الصَّفِّ الْأَوَّلِ مَا كَانَتْ إِلَّا قُرْعَةً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم صف اول کی فضیلت جان لوتو قرعہ اندازی کرنے لگو۔

۹۸٤۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی بہترین صف پہلی اور بدترین صف آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین پہلی ہے۔

تشریح:

"خیر صفوف الرجال" مردوں کی صف اول کی فضیلت دو وجہوں سے ہے، ایک تو پہلی صف کی فضیلت دوسری اور تیسری صف کے مقابلے میں زیادہ ہے تو اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ مردوں کی پہلی صف دوسری صفوف کے مقابلے میں ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے، یعنی اس کا ثواب زیادہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مردوں کی صف اس وقت بہترین صف ہے جبکہ پیچھے عورتوں کی صفیں بھی ہوں تو عورتوں کی صفوں سے مردوں کی یہ صف بہت دور ہے اور وساوس شیطانی ونسوانی کا اس تک رسائی نہیں ہے، اس لیے یہ سب سے بہترین صف ہے اور مردوں کی آخری صف کو بری صف اس لیے کہہ دیا گیا ایک تو وہ امام اور محراب سے بہت دور ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عورتوں سے زیادہ قریب ہے، جس میں وساوس شیطانی ونسوانی کا احتمال قوی تر ہے۔

"صفوف النساء" عورتوں کی صفوف میں افضل غیر افضل کی ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ ان کی آخری صف سب سے بہتر ہوتی ہے، کیونکہ یہ مردوں سے زیادہ دور ہوتی ہے تو وساوس شیطانی ومردانی سے محفوظ تر ہے، اس لیے ثواب کے اعتبار سے اس میں زیادہ ثواب ملتا ہے اور عورتوں کی پہلی صف بدتر یعنی بری اس لیے ہے کہ عورتوں کو امام کے قریب ہونے کی وجہ سے ثواب تو ملتا نہیں، لہٰذا اس فضیلت سے تو پہلے سے محروم رہ گئیں اور چونکہ ان کی پہلی صف مردوں کے قریب ہوتی ہے، جس میں وساوس شیطانی

ومردانی کا قوی احتمال ہے، اس لیے ثواب کے لحاظ سے اس کو بری صف قرار دیا گیا کہ اس میں ثواب کم ملتا ہے اور خطرہ زیادہ ہے۔

سوال: یہاں ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز بہر حال نماز ہے، اس کی صفیں بہر حال نماز ہی کی صفیں ہیں جو خیر ہی خیر ہے، پھر نماز کی صف اور "شرھا" کے نام سے کیسے کیا گیا، خواہ مردوں کی صف ہو یا عورتوں کی ہو؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ "بدترین صف" نماز کی صف کی حیثیت سے نہیں فرمایا، بلکہ اس صف کے خارجی برے اثرات کی وجہ سے اس کو بدترین کہا گیا ہے۔

دوسرا جواب جو عام فہم ہے، وہ یہ ہے کہ "شرھا" اور "خیرھا" کے مقابلے میں آیا ہے، اس کا ترجمہ بدترین نہیں، بلکہ افضل کے مقابلے میں غیر افضل ہے اور افضلیت وغیر افضلیت ثواب کی کمی کے اعتبار سے ہے تو عورتوں کے لیے پہلی صف میں ثواب کم ہے اور مردوں کے لیے آخری صف میں ثواب کم ہے۔

۹۸۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ، عَنْ سُهَيْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ

اس سند سے بھی حضرت سہیل رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث بعینہ منقول ہے۔

باب لا ترفع النساء رؤسهن حتى يرفع الرجال

جب تک سجدے سے مرد سر نہ اٹھائیں عورتیں نہ اٹھائیں

اس باب امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو ذکر کیا ہے

۹۸۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ الرِّجَالَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ فِي أَعْنَاقِهِمْ مِثْلَ الصِّبْيَانِ مِنْ ضِيقِ الْأُزُرِ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .فَقَالَ قَائِلٌ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ حَتَّى يَرْفَعَ الرِّجَالُ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے ازار کپڑا چھوٹا ہونے کی وجہ سے گلے میں باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اسی لیے کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ اے عورتوں کی جماعت! جب تک مرد سجدہ سے سر نہ اٹھالیں تم سر نہ اٹھانا۔

تشریح:

"عـاقدی ازرهم" عقد باندھنے کے معنی میں ہے اور "أُزُر" جمع ہے "عُنُقٌ" کے وزن پر ہے، اس کا مفرد ازار ہے، دھوتی اور ازار بند کو کہتے ہیں، اس کے باندھنے کا طریقہ اس طرح ہے کہ ازار کا آدھا حصہ کمر سے نیچے اور آدھا اوپر کیا جائے اور کمر پر خوب باندھ لیا جائے، پھر اوپر کے حصے کو دائیں اور بائیں دو طرف سے کندھوں پر ڈالا جائے اور گردن کے ساتھ گرہ باندھ لیا جائے، اس طرح ایک چادر سے ستر عورت کا مقصد حاصل ہو جائے گا، مگر پھر بھی سجدے کے دوران نچلا حصہ کھلا رہ سکتا ہے، جس سے ستر عورت میں خلل واقع ہونے کا خطرہ تھا، لہٰذا عورتوں کو منع کر دیا کہ مردوں سے پہلے سجدے سے سر نہ اٹھاؤ، کہیں غیر اختیاری طور پر

مردوں کے ستر پر نظر نہ پڑ جائے۔ ابتدائے اسلام میں کپڑوں کی تنگی تھی، اس لیے یہ صورت پیش آتی تھی، معلوم ہوا ستر عورت ایک اہم حکم ہے، جس کی خوب پابندی کرنی چاہیے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دھوتی کو اوپر نیچے اوڑھنا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ صرف نیچے باندھ لیا جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ستر عورت کا حکم اطراف و جوانب سے ہے، اگر کوئی شخص اوپر ہے اور نیچے ٹانگوں کی جانب سے کسی نے نماز میں اس کے ستر کو دیکھا تو نماز کا نقصان نہیں ہوگا۔ (فتح الملہم)

بنی اسرائیل کی عورتوں نے جب مسجدوں میں نماز کے دوران مردوں کی شرم گاہوں کو دیکھنا شروع کر دیا تو ان پر نماز کے لیے مسجدوں میں جانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنة

جب فتنے کا خوف نہ ہو تو عورتوں کا مسجدوں میں جانا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۹۸۷۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، سَمِعَ سَالِمًا، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع مت کرو۔

تشریح:

"اذا استأذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعها" یعنی جب تم میں کسی سے اس کی بیوی نماز کے لیے مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اس کو مسجد سے نہ روکو۔

بہت ساری احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتوں کو نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانے کی اجازت تھی اور عورتیں حاضر بھی ہوتی تھیں، لیکن اس مبارک دور میں بھی عورتوں پر چند پابندیاں اور چند شرائط لگائی گئی تھیں، مطلق اجازت اس وقت بھی نہیں تھی۔

عورتوں کے مسجد میں جانے کے لیے چند شرائط

۱: عورتوں کو حکم تھا کہ وہ خوشبو استعمال کر کے مسجد نہ آئیں ورنہ نماز نہیں ہوگی، اس طرح زیب و زینت کا لباس پہن کر نہ آئیں۔

۲: عورتوں کو حکم تھا کہ وہ مردوں سے بالکل آخر میں مسجد آئیں اور اخری صفوف میں بیٹھ جائیں اور سلام کے بعد فوراً گھروں کو جائیں۔

۳: مردوں کو حکم تھا کہ وہ مسجد سے اس وقت تک باہر نہ جائیں جب تک عورتیں گھروں نہ پہنچ جائیں۔

۴: عمر رسیدہ عورتوں کو اجازت تھی اور وہ بھی اندھیری والی نمازوں میں، مثلاً فجر، مغرب اور عشاء جوان عورتوں کو اس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

۵: عورتوں کو واضح طور پر بتا دیا گیا تھا کہ ان کی وہ نماز جو گھروں کے اندر وہ پڑھیں گی، اس کا ثواب اس نماز سے زیادہ ہے جو مسجد میں جا کر پڑھی جائے گی۔

اس وقت کی ضرورت

عہدِ رسالت میں عورتوں کے مسجد میں حاضر ہونے کی ایک خاص ضرورت تھی، وہ یہ کہ اس وقت نئے نئے احکام کا نزول ہو رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ حسنہ مسجد ہی میں ہوتے تھے اور ان کے حصول کا واحد ذریعہ مسجد میں حاضر ہونا تھا، اس مجبوری کے تحت عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس کی برکات کا حصول بھی اس کے علاوہ ممکن نہ تھا، نیز دین اسلام کے سیکھنے کا واحد راستہ بھی یہی تھا۔

اس وقت کا ماحول

یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اس وقت کا ماحول کیا تھا، جس میں عورتیں مسجدوں میں جایا کرتی تھیں۔ ذرا جھانک کر دیکھ لیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی فرشتوں جیسی جماعت تھی، سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس جلوہ افروز تھے، آسمان سے قرآن کریم کی عظیم برکات کا نزول ہو رہا تھا، جبریل امینؑ اس مقدس سرزمین پر صبح وشام اپنی مبارک توجہات کے ساتھ مبارک قدم رکھ کر آتے جاتے تھے۔ خیر القرون کا دور تھا، دل پاک صاف تھے، خوف خدا اور تقویٰ کا ماحول تھا، ایسے ماحول میں عورتوں کا مسجدوں میں آنا باعث فتنہ نہیں تھا، بلکہ باعث برکت تھا، اصولی طور پر ایسے ماحول پر کسی اور ماحول کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جب عہد رسالت والی مجبوری باقی نہ رہی اور اس جیسا ماحول نہ رہا، بلکہ فتنہ وفساد کا دور آ گیا تو ایسے حالات میں عورتوں کا مسجدوں میں جانا درست نہیں ہوگا۔

عہد صحابہؓ میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا اور اس پر گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو مسجد جانے سے روکا تو انہوں نے بات نہ سنی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت ان کو معلوم تھی جو ایک قوی دلیل تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر کی کہ راستے میں بیٹھ گئے اور جب ان کی بیوی مسجد جا رہی تھیں تو حضرت زبیرؓ نے ان کی طرف کنکری پھینک دی، وہ وہیں پر کھڑی ہو گئیں اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون یہ کہہ کر واپس آ گئیں اور حضرت زبیرؓ سے فرمانے لگیں کہ اب وہ دور نہیں رہا جس میں عورتیں مسجدوں میں جایا کرتی تھیں۔

مسلم شریف کے اسی باب کے تحت کئی حدیثوں میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور ان کے بیٹے بلال کی گفتگو مذکور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ عورتوں کے مسجد جانے کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں مت روکو۔ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے بلال نے کہا کہ میں تو روکوں گا۔اس صوری معارضہ پر حضرت ابن عمرؓ اتنے ناراض ہوئے کہ زندگی بھر بلال سے کلام نہیں فرمایا۔حضرت بلال نے حدیث کا معارضہ وانکار نہیں کیا تھا، صرف صورت معارضہ کی بن گئی۔ جب یہ قصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو فرمانے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ابن عمر پر رحم فرمائے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج کے دور میں ہوتے تو عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا، بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت اس طرح ہے۔

"لو ادرك رسول الله صلى الله عليه و سلمما احدث النساء لمنعهم المسجد كما منعت نساء بنی اسرائيل" (بخاری، ج۱،ص۱۲۰)

بہر حال عورتوں کا مسجد جانا فقہائے احنافؒ نے اس معروضی احوال کے پیش نظر مکروہ لکھا ہے، حدیث کا جواز اپنی جگہ صحیح ہے، مگر حدیث کے لیے وہ ماحول نہیں رہا، جس ماحول میں یہ حدیث کہی گئی تھی اور جس مجبوری کے پیش نظر کہی گئی تھی، اب وہ مجبوری نہیں رہی، اس وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ "فلا يمنعها" میں جو نہی وارد ہے وہ مکروہ تنزیہی پر محمول ہے یعنی روکنا خلاف اولیٰ ہے، مطلب یہ کہ اگر کوئی روکے تو وہ بھی جائز ہے۔

جب عورت عبادت کے لیے مسجد نہیں جاسکتی تو چلے میں کیسے جاسکتی ہے؟

فقہائے احناف کی فقہ کی کتابوں میں اصحاب متون نے ایک حکم لکھا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "ولا يحضرن الجماعات" یعنی عورتیں جماعت کی نماز میں حاضر نہیں ہوسکتی ہیں۔

کنز الدقائق کی اس عبارت کی شرح علامہ ابن نجیمؒ نے بحر الرائق میں اس طرح کی ہے:

"ولا يحضرن الجماعات لقوله تعالىٰ ﴿وقرن فی بیوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ﴾ وقال صلى الله عليه و سلم صلوتها فی قعر بيتها افضل من صلوتها فی صحن دارها و صلوتها فی صحن دارها افضل من مسجدها و بيوتهن خير لهن و لانه لا يؤمن الفتنة من خروجهن۔ اطلقه فشمل الشابة و العجوزة و الصلوة النهارية و الليلية قال المصنف فی الكافی و الفتوى اليوم على الكراهة فی الصلوٰة كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة فلان يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلو بحلية العلماء اولىٰ" (ذكره فخر الاسلام)

وفی فتح القدير المعتمد منع الكل الا العجائز المتفانية فيما يظهر لی دون العجائز المتبرجات و ذوات الرمق" (البحر الرائق، ج ۱، ص ۳۵۸)

اور عورتیں نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوسکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ گھروں میں بیٹھی رہو اور جاہلیت اولیٰ کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلو، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز گھر کے تہ خانے میں اس نماز سے افضل ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور گھر کے صحن والی نماز اس نماز سے افضل ہے

جو مسجد میں ہو اور عورتوں کے لیے ان کا گھر ہی بہتر مقام ہے، قرآن وحدیث کے بعد عقلی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کے نکلنے سے ان کے فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، متن میں منع کے مسئلے کو عام رکھا ہے لہٰذا یہ حکم جوان اور بوڑھی سب عورتوں کو شامل ہے، اسی طرح دن اور رات والی نمازوں میں بھی کوئی فرق نہیں (سب منع ہے) مصنف نے کتاب ''کافی'' میں لکھا ہے کہ آج کل کراہت کا یہ فتویٰ تمام نمازوں کے لیے ہے، کیونکہ شر وفساد کھل کر ظاہر ہو چکا ہے اور جب نماز کے لیے مسجد میں مکروہ ہے تو وعظ کی مجالس میں حاضر ہونا بطریق اولیٰ مکروہ ہے، خصوصاً ان جاہلوں کے وعظ کی مجلس میں جو علماء کے جبے قبے اور ان کے دستار ولباس میں ملبوس ہو کر آتے ہیں، فخر الاسلام بزدویؒ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

فتح القدیر میں لکھا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ تمام نمازوں میں ہر قسم کی عورتوں کا مسجد میں آنا منع ہے، ہاں وہ بوڑھی عورتیں جو بالکل بڈھی کھوسٹ ہوں، مگر وہ بوڑھیاں بھی نہیں جاسکتیں جو بناؤ سنگار کرتی ہیں اور مردوں کے لیے قابل التفات ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا چلوں میں نکلنا، گشت لگانا اور محلوں میں دور دراز علاقوں میں جانا مکروہ وممنوع ہے، اسی طرح مدرسۃ البنات کا جو طوفان اٹھا ہے، یہ بھی خطرات سے خالی نہیں ہے، اگر چہ اس کا کچھ ثبوت عہد نبوی میں ملتا ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک پر آج کے پُرفتن دور کو قیاس کرنا اُس دور کی بے ادبی ہے، کیونکہ "لایقاس الملوك بالحدادين"

۹۸۸۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَمْنَعُوا نِسَائَكُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا قَالَ: فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ، قَالَ: فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ: فَسَبَّهُ سَبًّا سَيِّئًا مَا سَمِعْتُهُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ: " أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ: وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ "

حضرت سالم بن عبداللہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اپنی خواتین کو مسجد جانے سے مت روکا کرو جب وہ اجازت مانگیں۔ (ابن عمرؓ کے صاحبزادے) بلال بن عبداللہ نے کہا: خدا کی قسم! ہم ضرور ان کو منع کریں گے۔ سالم کہتے ہیں: عبداللہ بن عمرؓ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اتنا شدید برا بھلا کہا کہ ہم نے ان کی زبان سے کبھی ایسی باتیں نہیں سنی تھیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بتلا رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم ضرور منع کریں گے۔

تشریح:

''واللہ لنمنعھن'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عورتوں سے متعلق مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی حدیث بیان فرمائی، جس میں یہ تھا کہ عورتوں کو مسجد جانے سے مت روکو، اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت بلال نے کہا کہ میں تو یقیناً منع کروں گا، گفتگو میں دونوں کے کلام کا تبادلہ کچھ اس طرح ہوا کہ ظاہری طور پر حضرت بلال کے کلام میں حدیث نبوی سے معارضہ کی صورت پیدا ہوگئی، یہ صورۃً معارضہ تھا حقیقۃً بالکل نہ تھا کیونکہ حقیقۃً معارضہ تو انکار حدیث اور اسلام کے ایک حکم کا انکار

ہے، جس کا حضرت بلالؒ سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بہر حال حضرت ابن عمرؓ اس صوری معارضے پر سخت ناراض ہوئے اور حضرت بلالؒ کو سخت سست کہا اور قسم کھائی کہ تم سے زندگی بھر کلام نہیں کروں گا، چنانچہ زندگی بھر اپنے لخت جگر سے کلام نہیں فرمایا۔ تین دن سے زیادہ باتوں کا بائیکاٹ کرنا دنیاوی مقصد کے لیے حرام ہے، دینی حمیت اور دینی غیرت کی وجہ سے جائز ہے، یہاں ایسا ہی تھا۔ بہر حال حضرت عائشہؓ کو جب اس کا واقعہ کا علم ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن عمرؓ پر رحم فرمائے، ان کا بیٹا بلال صحیح کہتا ہے، آج اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے تو آپ خود عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرما دیتے، آنے والی چند احادیث میں یہی صورت مذکور ہے، تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۹۸۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، وَابْنُ إِدْرِيسَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے مت روکا کرو۔

۹۹۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: جب تم سے تمہاری خواتین مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دیا کرو۔

۹۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ مِنَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: لَا نَدَعُهُنَّ يَخْرُجْنَ فَيَتَّخِذْنَهُ دَغَلًا. قَالَ فَزَبَرَهُ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ: "أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَتَقُولُ: لَا نَدَعُهُنَّ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی عورتوں کو رات میں مسجد جانے سے مت روکا کرو، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کسی بیٹے نے کہا کہ ہم تو انہیں باہر نکلنے کی چھوٹ نہیں دیں گے، وہ تو اس کو بہانہ بنالیں گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کو بہت برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور تو کہتا ہے کہ ہم انہیں اجازت نہیں دیں گے۔

تشریح:

"فیتخذنہ دغلا" دغل اصل میں درخت کے جھنڈ اور آپس میں لپٹے ہوئے گنجان درختوں کو کہتے ہیں، عیاش مرد اور فساق عورتیں ایسی جگہوں کو اپنی نجاشی کے لیے بطور دھوکہ اختیار کرتی ہیں کہ بظاہر تو سایہ ہے اور چھپ کر بیٹھنا ہے، مگر اندر سے مقصد کچھ

اور ہوتا ہے، یہاں بھی اس لفظ سے مکروفریب دھوکہ وفساد اور خیانت اور مشکوک معاملات کی طرف اشارہ ہے ای ھو الفساد و الخداع و الریبة (نووی)

"فزبرہ" ای نھرہ یعنی اس کو خوب ڈانٹا، یہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو سخت سست کہہ کر ڈانٹا مگر اگلی روایت میں "واقد" کا نام آتا ہے، اس میں ہے کہ "فضربہ فی صدرہ" حضرت ابن عمرؓ نے واقد کے سینے میں مکا مارا تو اس بارے میں علماء کہتے ہیں کہ یہ دونوں ابن عمرؓ کے بیٹے ہیں، شاید دونوں نے عورتوں کے منع کرنے کی بات کی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے خلاف کارروائی فرمائی، لیکن بلال اصل تھے، پہلے اسی کا کلام ہے، پھر اس کے بھائی واقد کا کلام ہے۔

۹۹۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ

اس سند سے بھی اعمشؒ سے سابقہ حدیث بعینہ منقول ہے۔

۹۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، وَابْنُ رَافِعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَقَالَ ابْنٌ لَهُ: يُقَالُ لَهُ وَاقِدٌ: إِذَنْ يَتَّخِذْنَهُ دَغَلًا .قَالَ: فَضَرَبَ فِي صَدْرِهِ وَقَالَ: " أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَقُولُ: لَا "

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو رات میں مسجد جانے کی اجازت دے دیا کرو، ان کے ایک بیٹے جن کا نام "واقد" تھا نے کہا کہ پھر تو یہ عورتیں اسے (باہر نکلنے کا) بہانہ بنالیں گی، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ان کے سینے پر مارا اور فرمایا: میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ نہیں۔

۹۹۴۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِءُ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا كَعْبُ بْنُ عَلْقَمَةَ، عَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ: وَاللَّهِ، لَنَمْنَعُهُنَّ .فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ: " أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ أَنْتَ: لَنَمْنَعُهُنَّ "

حضرت بلالؓ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی خواتین کو مسجد جانے سے مت روکو جب وہ تم سے اجازت مانگیں۔ بلال کہتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔ تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم منع کریں گے۔

۹۹۵۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ

زَيْنَبَ الثَّقَفِيَّةَ، كَانَتْ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ فَلَا تَطَيَّبْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ

حضرت زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز کے لیے جائے تو رات میں خوشبو نہ لگائے۔

۹۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، حَدَّثَنِي بُكَيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَتْ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيبًا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا: جب تم میں سے کوئی خاتون مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔

۹۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُورًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ عورت جو خوشبو کی دھونی لے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

۹۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ: فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ: أَنِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُنِعْنَ الْمَسْجِدَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ

حضرت عائشہ صدیقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ لیتے کہ خواتین نے کیا کیا زیب وزینت اور بناؤ سنگھار شروع کر دیا ہے تو انہیں ضرور مسجد میں حاضری سے منع فرما دیتے، جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔ یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا؟ فرمایا: ہاں۔

۹۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي الثَّقَفِيَّ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ

اس سند سے بھی یحیٰ بن سعیدؒ سے سابقہ روایت بعینہ منقول ہے۔

باب التوسط فی القرأة بین الجھر و الاسرار اذا خاف الفتنة

جب فتنے کا خوف ہو تو متوسط آواز سے قرآن پڑھنا چاہیے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

١٠٠٠۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، جَمِيعًا عَنْ هُشَيْمٍ، قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا قَالَ: نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَارٍ بِمَكَّةَ، فَكَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ، فَإِذَا سَمِعَ ذَلِكَ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ قِرَاءَتَكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا عَنْ أَصْحَابِكَ أَسْمِعْهُمُ الْقُرْآنَ وَلَا تَجْهَرْ ذَلِكَ الْجَهْرَ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا، يَقُولُ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ

حضرت ابن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''آپ اپنی نماز میں نہ جہر کیجئے اور نہ ہی آہستہ'' کے بارے میں فرمایا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں (کسی گھر میں) روپوش تھے جب آپ اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو تلاوت قرآن میں آواز بلند فرمالیتے، جب مشرکین تلاوت سنتے تو قرآن کریم، اللہ تعالیٰ (جس نے اسے نازل فرمایا) اور جبرئیل امین علیہ السلام (جو اسے لے کر آئے) سب کو گالیاں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: کہ آپ اپنی نماز میں اتنی زور سے بھی تلاوت نہ کیجئے کہ مشرکین آپ کی قرأت سن پائیں اور نہ ہی اتنی آہستہ آواز سے قرأت کیجئے کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن سنائیے نہ ہی جہر کیجئے بلکہ دونوں کے درمیان کوئی راستہ نکال لیجئے۔ جہر اور سر کے درمیان۔

تشریح:

''متوار بمكة'' متوار باب تفاعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، چھپنے، پوشیدہ اور روپوش ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ مکی دور کے سخت حالات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی ایذا رسانی کی وجہ سے باہر آکر عام گھوم پھر نہیں سکتے تھے۔

''رفع صوته بالقرآن'' یعنی نماز پڑھتے وقت آپ بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو کفار قریش قرآن کو اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کو گالیاں دیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زیادہ اونچا نہ پڑھیں کہ کفار تک آواز جائے اور اتنا آہستہ بھی نہ پڑھیں کہ خود نہ سنیں، متوسط درجہ اختیار کریں، اس آیت اور اس کی تعلیم سے نماز میں متوسط قرأت کی رہنمائی ملتی

ہے۔فقہائے احناف کے سرخیل علامہ ابن عابدین شامیؒ نماز میں ادنیٰ اور اعلیٰ قرأت کا تعین اس طرح کرتے ہیں کہ قرأت آہستہ پڑھنے کا بلند تر درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سنائے اور دائیں بائیں ایک ایک آدمی بھی اس کی قرأت کو سنے اور کم تر درجہ یہ ہے کہ قرأت میں حروف زبان پر صحیح طور پر چڑھ جائیں اور جہر کے ساتھ قرأت پڑھنے کا کم تر درجہ یہ ہے کہ آدمی دوسروں تک آواز پہنچائے جو اس کے زیادہ قریب نہ ہو، مثلاً صف اول کے لوگوں تک آواز پہنچائے اور جہر کے بلند تر درجہ کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔(فتح الملہم)

اب یہ تحقیق ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ امام اپنی نماز میں کس حد تک آواز بلند کرسکتا ہے آیا ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتاویٰ ہندیہ کی عبارت ملاحظہ ہو

(۱)"ولا یجھد الامام نفسه بالجهر كذا في البحرالرائق۔ و اذا جهر الامام فوق حاجة الناس فقد اسآء، لان الامام انما يجهر لاسماع القوم ليدبروا في قرأته ليحصل احضار القلب" (ص۷۲،واجبات الصلوٰۃ)

''زور سے قرأت کرنے میں امام اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے، بحرالرائق میں اسی طرح لکھا ہے اور اگر امام نے لوگوں کی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کی تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا، کیونکہ امام اس لیے بلند آواز سے پڑھتا ہے تاکہ لوگ قرأت کو سنیں اور اس میں غور وفکر کریں اور ان کو حضور قلب حاصل ہو جائے۔''

(۲)قال السيد احمد الطحاوی والاولیٰ ان يجهد نفسه بالجهد نفسه بالجهر بل بقدر الطاقة لان اسماع بعض القوم يكفي والمستحب ان يجهر بحسب الجماعة فان زاد فوق الجماعة فقد اساء (طحاوی علی مراقی الفلاح،ص۲۰۴)

علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ امام قرأت کو زور سے پڑھنے سے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے، بلکہ مشقت سے کم اپنی طاقت کے مطابق آواز کو بلند کرے، کیونکہ بعض نمازیوں تک آواز پہنچانا کافی ہے اور مستحب یہ ہے کہ جماعت کے اعتبار سے جہر کرے، اگر جماعت کی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کی تو امام گناہ گار ہو جائے گا۔

فقہاء اور فقہ کی ان عبارات اور فتوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ائمہ حضرات چیخ چیخ کر پڑھتے ہیں، یہ اچھا نہیں کرتے، خود گناہ گار ہو جاتے ہیں اور مقتدیوں کو عذاب میں مبتلا کر کے ان کے دل و دماغ کے غور وفکر اور قلبی رقت اور خشوع خضوع کو تباہ کرتے ہیں۔ میں فجر کی نماز میں بچاؤ کے لیے جامع مسجد میں ان کی قرأت کے دوران کانوں میں ٹشو پیپر رکھتا ہوں۔لا حول و لا قوة الا بالله

ایک ہزار احادیث کی تشریح مکمل

الحمدللہ آج مورخہ ۱۶ دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تشریح کے سلسلے میں ایک ہزار احادیث کی تشریح سے فارغ ہو گیا ہوں۔مقدمۂ مسلم کی روایات بھی اس میں شمار ہیں۔ میں نے تحفۃ المنعم شرح مسلم کی ابتدا ۲۵ فروری

۲۰۱۱ء کو کی تھی، گویا دس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کامیابی عطا فرمائی۔ الحمد للہ کثیراً کثیراً (فضل محمد یوسف زئی)

۱۰۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا قَالَتْ: أُنْزِلَ هَذَا فِي الدُّعَاءِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها'' کے بارے میں فرماتی ہیں کہ یہ آیت مبارکہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی۔

تشریح:

''قالت انزل هذا فی الدعاء'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ دعاء میں آواز کو متوسط رکھا کرو کہ نہ زیادہ اونچی ہو اور نہ زیادہ پست ہو، خواہ یہ دعاء نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر ہو۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عائشہ کی رائے سامنے آگئی کہ آیت کا تعلق دعاء سے ہے، اس سے پہلے حضرت ابن عباسؓ کی رائے تھی کہ اس آیت کا تعلق نماز کی قرأت سے ہے؛ دونوں حضرات کی آراء میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ علامہ نوویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی رائے کو راجح قرار دیا ہے، اگرچہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول اسی طرح منقول ہے جو حضرت عائشہ کا قول ہے، بہرحال علماء نے دونوں اقوال میں تطبیق کی یہ صورت پیدا کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دعا کا جو قول کیا ہے تو دعا سے وہ دعا مراد ہے جو نماز کے اندر ہو، جب نماز کے اندر کی دعا مراد لی گئی تو پھر آیت کا نزول نماز اور دعا دونوں پر صادق آئے گی اور تعارض نہیں رہے گا۔

۱۰۰۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، وَوَكِيعٌ، ح قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ

اس سند سے بھی ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سابقہ روایت (ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے) مروی ہے۔

باب الاستماع للقرأة

کان لگا کر قرآن سننے کا بیان

امام مسلمؒ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۱۰۰۳۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، كُلُّهُمْ عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ كَانَ مِمَّا

يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ، فَكَانَ ذٰلِكَ يُعْرَفُ مِنْهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ أَخْذَهُ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ فَتَقْرَؤُهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ قَالَ: أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ لَهُ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ أَنْ نُبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ فَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَهُ اللّٰهُ

حضرت ابن عباسؓ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لا تحرك به لسانك لتعجل به" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر نزول فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کو دہراتے اپنی زبان اور ہونٹوں کو ہلا کر (تاکہ الفاظ وحی یاد رہیں بھول نہ جائیں) لیکن اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دقت اٹھانی پڑتی تھی اور وہ دشواری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے جھلکتی تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: ''آپ اپنی زبان مبارک کو نہ ہلائیں (الفاظ وحی کو) جلدی جلدی (یاد کرنے کیلئے) بیشک اس قرآن کریم کو جمع کر کے آپ سے پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔'' یعنی آپ مشقت برداشت نہ کریں اسے آپ کے سینہ میں ہم نقش کر دیں گے اور اسے پڑھوائیں گے آپ سے تو آپ پڑھیں گے اور جب اس کی تلاوت کریں بزبان جبرئیل علیہ السلام تو آپ اسے سنتے رہیں یعنی جو ہم نازل کریں اسے سنتے رہیں بیشک (اس کے الفاظ و معانی اور معارف و علوم کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم آپ کی زبان مبارک سے اسے لوگوں کے سامنے بیان کروائیں۔'' چنانچہ ان آیات کے نزول کے بعد جب حضرت جبرئیلؑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تو آپ خاموشی سے گردن جھکا کر سنتے اور ان کے جانے کے بعد وعدہ الٰہی کے مطابق وحی کو پڑھتے تھے۔

تشریح:

"نزل علیه جبریل" جبریل عبرانی زبان کا لفظ ہے، عام فرشتوں کے نام عبرانی زبان میں ہیں۔ جبریل میں ایک لغت جبرال بھی ہے، جبرئیل بھی ہے۔ یہ وہ مقدس فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا بطور سفیر مقرر تھے، جو انبیائے کرام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتے رہے، سابقہ اقوام کے بڑے بڑے عذاب بھی زیادہ تر جبریلؑ کے ذریعے سے پایۂ تکمیل تک پہنچے ہیں۔ علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جبریلؑ کا اصل نام عبد الجلیل تھا اور آپ کی کنیت ابو الفتوح ہے۔ حضرت میکائیلؑ کا اصل نام عبد الرزاق ہے اور کنیت ابو المغانم ہے۔ حضرت اسرافیلؑ کا اصل نام عبد الخالق ہے اور کنیت ابو المنافخ ہے اور حضرت عزرائیلؑ کا اصل نام عبد الجبار ہے اور کنیت ابو یحییٰ ہے۔

"عن ابن عباس" سورۂ قیامت مکی سورتوں میں سے ہے، اس کے نزول کے وقت حضرت ابن عباسؓ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش تو ہجرت سے تین سال پہلے ہے تو انہوں نے ان آیات سے متعلق یہ حدیث کیسے بیان فرمائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصہ بعد میں حضرت ابن عباسؓ کو بتایا ہے، اس کو یہ بیان فرما رہے ہیں۔

"قال و کان النبی" یہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف سے جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔

"فکان ذالک" یہ اعادۂ بُعدِ عہد کے طور پر ہوتا ہے، تکرار نہیں، بلکہ کلام کے طویل ہونے پر پہلا والا جملہ اعادہ کیا جاتا ہے، یہ بلاغت کا حصہ ہے جسے اعادۂ بُعدِ عہد کہا جاتا ہے۔

"لا تحرک به لسانک" یعنی جلدی جلدی زبان سے پڑھنے کی کوشش نہ کریں، جب جبریل امین فارغ ہو جائیں پھر آپ پڑھیں، بھولنے کا خوف نہ کریں، ہم یاد بھی کرائیں گے، محفوظ بھی کرائیں گے اور پھر تفسیر کی وضاحت بھی کرائیں گے۔

سوال: یہاں ایک مشہور سوال ہے، وہ یہ کہ سورۂ قیامۃ میں اول سے لے کر آخر تک قیامت کا بیان ہے، درمیان میں یہ آیت آگئی، جس کا سیاق وسباق سے تعلق اور مناسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی ہے، شیعہ شنیعہ جو قرآن کریم کی تحریف کے قائل ہیں، وہ اس کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو، یہاں کتنی بڑی عبارت متادی گئی ہے، جس کی وجہ سے کلام کا جوڑ ختم ہو گیا ہے؟

جواب: علمائے تفسیر نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں، مگر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے جو جواب دیا ہے، وہ عام فہم بھی ہے اور انتہائی مناسب بھی ہے۔ میں اسی کو نقل کرتا ہوں، ان حضرات کے جواب کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ قیامہ میں منکرین قیامت پر زد کرنا مقصود ہے، جو اس بات کو انتہائی بعید سمجھتے تھے کہ انسان کے یہ منتشر اور چور چور اجزاء مرنے کے بعد قیامت میں کیسے جمع کر کے اسے زندہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ انسان کے منتشر اجزا کو اور اس کے پور پور کو پھر سے جوڑ دیں، سورۃ قیامۃ کے اس پورے مضمون کے بیچ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے میں قرآن عظیم کے جمع کرنے کو بطور مثال بیان فرمایا کہ جس طرح ہم ان منتشر اجزا کے اکٹھا کرنے اور جزا و سزا دینے پر قادر ہیں، اسی طرح ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ قرآن کریم کی آیتوں کو اور اس کے مختلف حصوں کو اپنے نبی کے سینے میں جمع کر دیں اور محفوظ کر کے اس کی تفسیر اور بیان کی وضاحت کر دیں، لہٰذا آپ جلدی نہ کریں، یہ سب ذمہ داری ہماری ہے۔ اس تفصیل سے یہ آیتیں انتہائی دقیق وعمیق اور خوبصورت انداز سے سورت قیامت کے مضمون کے سیاق وسباق سے پیوست ہو جاتی ہیں، اب اس میں کسی سقوط کا قول کرنا یہ روافض کی سیاہ کاریوں میں سے بڑی سیاہ کاری ہے۔

١٠٠٤ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً كَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ، فَقَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ: أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا فَقَالَ سَعِيدٌ: أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: لَا

تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ قَالَ: جَمْعَهُ فِي صَدْرِكَ ثُمَّ تَقْرَؤُهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ قَالَ: فَاسْتَمِعْ وَأَنْصِتْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا أَقْرَأَهُ

حضرت ابن عباسؓ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لا تحرك به لسانك لتعجل به'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت بڑی دقت و پریشانی سے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ سعید بن جبیرؒ (جو ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے مجھے ہونٹ ہلا کر بتلایا کہ اس طرح حضور علیہ السلام ہونٹ ہلاتے تھے اور اب میں بھی ابن عباسؓ کی طرح ہونٹ ہلا کر یہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''آپ اپنی زبان کو جلدی یاد کرنے کیلئے حرکت مت دیجئے بیشک قرآن کریم کو آپ کے سینہ میں جمع کیا جائے گا پھر آپ اسے پڑھیں گے) اور جب ہم اسے بزبان جبرئیل پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کو سنیں، یعنی کان لگا کر خاموشی سے سنیں اس کے بعد آپ سے اسے پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد کے بعد غور سے قرآن کریم کی وحی کو سنتے تھے اور جب وہ چلے جاتے تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) پڑھوایا جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔

تشریح:

''یعالج'' یہ معالجہ سے ہے، مشقت اٹھانے کے معنی میں ہے۔

''احرکھما لک'' حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک شفتین کو خود نہیں دیکھا تھا، اس لیے اپنے دیکھنے کی بات نہیں کی، لیکن اپنے شاگرد کو تحریک کا نقشہ دکھا کر فرمایا کہ یہ تحریک اس طرح تھی جس طرح میں کرتا ہوں۔ یہ حدیث مسلسلات میں سے مسلسل بتحريك الشفتين سے مشہور ہے، سب شاگردوں نے اپنے اپنے اساتذہ کی مسلسل کیفیت کو دکھا کر بیان کیا ہے۔

''جمعه فی صدرک'' تو جَمَعَه کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر کے جمع فرمادیا اور نبی مکرم کی زبان مبارک پر پڑھنے کے لیے محفوظ کیا تو جمعه کا تعلق سینے سے ہے اور قرآنه کا تعلق زبان کی قرأت سے ہے۔

''فاستمع و انصت'' اتباع قرآن کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے استمع اور انصت دو لفظوں کو ارشاد فرمایا، گویا آپؓ نے واضح طور پر بتادیا کہ اگر جہری قرأت سنتے ہو تو کان لگا کر سنو اور اگر کانوں سے نہیں سن سکتے تو خاموش رہا کرو۔ ائمہ احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر حال میں امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہیے، یہی امام کی اتباع ہے۔

باب القرأة فی الصبح و القرأة علی الجن

صبح کی نماز میں جنات کے سامنے قرآن پڑھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۰۵۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجِنِّ وَمَا رَآهُمُ انْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ .وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ .فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا: مَا لَكُمْ .قَالُوا: حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ .قَالُوا: مَا ذَاكَ إِلَّا مِنْ شَيْءٍ حَدَثَ .فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا .فَانْظُرُوا مَا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَانْطَلَقُوا يَضْرِبُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا .فَمَرَّ النَّفَرُ الَّذِينَ أَخَذُوا نَحْوَ تِهَامَةَ – وَهُوَ بِنَخْلٍ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ – فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوا لَهُ .وَقَالُوا: هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَرَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ .فَقَالُوا: يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا .فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جنات کو قرآن سنایا نہ ہی انہیں دیکھا، بلکہ بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کے ساتھ بازار عکاظ (جو عرب کا مشہور بازار تھا) وہاں دعوت اسلام کیلئے جانے) کا قصد کیا۔ اس زمانہ میں شیاطین اور آسمانی خبروں کے درمیان تعطل ہوگیا تھا اور شیاطین پر (جب وہ خبروں کے حصول کیلئے آسمانوں کے دروازوں تک جاتے تھے) شہاب ثاقب مارے جاتے تھے: ''شیاطین اپنے گروہ کے پاس لوٹے تو انہوں نے کہا کہ کیا ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم پر آسمانوں کے دروازے بند کردیئے گئے اور شہاب ثاقب ہم پر مارے گئے۔ ان شیاطین نے کہا کہ ہو نہ ہو ضرور کوئی بڑا واقعہ ہوا ہے (جس کی بناء پر آسمان کے دروازے تم پر بند کردیئے گئے) تم مشرق و مغرب کے اطراف میں پھیل جاؤ اور دیکھو کہ ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان کیا رکاوٹ حائل ہوگئی ہے۔ چنانچہ شیاطین مشارق و مغارب میں پھیل گئے، ان میں سے ایک گروہ تہامہ (حجاز) کی طرف چل پڑا۔ بازار عکاظ کی طرف آپ علیہ السلام اس وقت مقام نخل میں اپنے صحابہ کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ جب ان شیاطین نے قرآن کی تلاوت سنی تو کان لگالئے اور کہنے لگے یہی ہے وہ چیز جو

ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس لوٹے اور کہا کہ ''اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی راہ نمائی کرتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔'' چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ الجن نازل فرمائی۔

تشریح:

''**ما قرأ رسول الله**'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کے سامنے قرآن نہیں پڑھا، نہ آپ نے جنات کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت کو جنات نے بلایا تھا، آپ ان کے پاس گئے اور ان پر قرآن پڑھا۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ دور اسلام کا بالکل ابتدائی واقعہ بیان کررہے ہیں، لیکن ابن مسعودؓ دور اسلام کے درمیانی زمانے کی بات کررہے ہیں، جس وقت اسلام کی شہرت ہوگئی تھی، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

''**فی طائفة من أصحابه**'' اہل تاریخ میں سے ابن اسحٰق اور ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ قصہ دس نبوی کا ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف گئے تھے، لیکن اس پر اشکال ہے کہ طائف کے سفر میں آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ کے سوا کوئی نہیں تھا، حالانکہ یہاں کئی صحابہ کا ذکر ہے، ممکن ہے یہ قصہ کسی اور طرف جانے کا ہے، یہاں سوق عکاظ کی طرف جانے کی تصریح موجود ہے، لہٰذا شک وشبہ کی گنجائش نہیں، ان مواقع میں آنحضرت باہر سے آنے والوں کو دعوت دینے کے لیے جایا کرتے تھے۔

''**عامدین**'' ای قاصدين الى سوق عكاظ

عکاظ بازار کا میلہ

عکاظ کے عین پر پیش ہے اور کاف پر زبر ہے، آگے ظا ہے، منصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔ یہ عرب کے تجارتی میلوں میں سے مشہور ہے اور بڑا میلہ لگتا تھا، طائف اور مکہ کے درمیان مقام ''فتق'' میں کھجور کے درختوں میں یہ میلہ لگتا تھا، طائف سے دس میل کے فاصلے پر واقع تھا، آج کل جہاں قرن المنازل میقات حج واقع ہے وہیں پر یہ بازار لگتا تھا، واقعہ فیل سے پندرہ سال پہلے یہ بازار اور یہ میلہ شروع ہوگیا تھا اور ایک سو بیس سال تک چلتا رہا، یہاں تک کہ ''حروراء'' کے خوارج نے اس کو لوٹ کر گرادیا جو آج تک قائم نہ ہوسکا، جب یہ بازار لگتا تھا تو یکم ذی القعدہ سے شروع ہوکر بیس ذی القعدہ تک جاری رہتا تھا، پھر اس کے بعد ''سوق مجنة'' کا میلہ شروع ہوکر دس دن تک رہتا تھا اور یکم ذی الحجہ پر جاکر ختم ہوتا تھا، پھر اس کے بعد ''سوق ذو المجاز'' کا میلہ شروع ہوجاتا تھا، جو آٹھ دن جاری رہتا، آٹھ ذی الحجہ کو لوگ منیٰ کی طرف حج کے لیے روانہ ہوجاتے اور یہ میلے ختم ہوجاتے تھے۔

''**حیل**'' یہ حائل ہونے کے معنی میں ہے یعنی آسمان سے جنات کی خبروں کا رابطہ بند کردیا گیا۔

''الشھب'' یہ معروف ستارے مراد نہیں ہیں، بلکہ ایک خاص قسم کے راکٹ ہیں جو شیاطین پر مارے جاتے ہیں تا کہ اوپر سے کوئی خبرا چک کر نہ لائیں، اب یہ بات رہ گئی کہ شیاطین پر شہاب ثاقب بعثت نبوت سے پہلے مارے جاتے تھے یا نبوت کی بعثت کے بعد شروع ہوگئے ہیں تو فیصلہ کن بات یہ ہے کہ بعثت سے پہلے بھی یہ شہاب شیاطین پر دیگر مقاصد کی حفاظت کے لیے مارے جاتے تھے، جس پر آثار اور عرب کے اشعار دال ہیں، لیکن بعثت کے بعد ان راکٹوں کے مارے جانے میں وحی کی حفاظت کے لیے بہت تیزی آگئی تو دونوں باتیں صحیح ہیں۔ علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ ابلیس جب جنت سے نکالا گیا تو یہ سارے آسمانوں میں جا کر آزادی سے گھومتا پھرتا تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اٹھائے گئے تو ابلیس کو اوپر کے چار آسمانوں پر جانے سے روکا گیا، جب بعثت نبوت ہوئی تو ابلیس کو باقی تین آسمانوں پر جانے سے بھی روکا گیا، اس بات کی تائید طبری میں ایک روایت سے ہوتی ہے، جس میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیانی زمانے میں آسمانوں کی چوکیداری نہیں ہوتی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تب سخت پہرہ لگا اور شیاطین پر شہاب ثاقب مارے جانے لگے جس کو شیاطین نے عجیب محسوس کیا۔

سوال: یہ شہاب ثاقب شیاطین پر وحی کی حفاظت کے لیے مارے جاتے تھے لیکن جب وحی بند ہوگئی تو اب کیوں مارے جاتے ہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اب اگرچہ وحی بند ہوگئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانوں سے زمین کی طرف اور فرشتوں کی طرف پیغامات اور احکامات بھیجنے کا سلسلہ بند نہیں ہوا، اس لیے اب خبروں کی حفاظت کے لیے شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں، ایک حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔

''وھو بنخل'' شارحین کہتے ہیں یہ لفظ نخل کے بجائے نخلۃ ہے، مسلم میں نخل واقع ہے جو صحیح نہیں ہے۔

''نخلۃ'' مکہ سے ایک دن کے فاصلے پر طائف کی طرف واقع ہے۔

''فآمنا به'' یعنی صرف قرآن سن کر اس کی فصاحت و بلاغت اور اخبار بالغیب کی وجہ سے ایمان لائے، نہ کسی نے دعوت دی اور نہ مطالبہ کیا۔ علماء لکھتے ہیں کہ ان شیاطین کو خود ابلیس نے چن کر تشکیل پر بھیجا تھا، یہ کتنے سرکش اور خبیث ہوں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو سب کچھ آسان ہو جاتا ہے، کہتے ہیں ان شیطانوں نے جب نماز کی عجیب ہیئت و کیفیت دیکھی تو حیران رہ گئے اور سوچا کہ اس طرح عبادت کی ترتیب اور سب مل کر ایک امام کی اطاعت کوئی غیبی نظام ہے تو مسلمان ہو گئے اور جا کر قوم کو بتایا۔ کہتے ہیں یہ جنات یہود میں سے تھے، ایک روایت میں ہے کہ یہ نو افراد تھے، ایک روایت میں ہے کہ یہ جن نصیبین میں سے سات افراد تھے، ایک روایت میں ہے بارہ ہزار تھے اور ان کا تعلق جزیرہ موصل عراق سے تھا۔ (فتح الملہم)

جنات کے متعلق چند مباحث

یہاں جنات کے متعلق مختلف پہلوؤں پر کلام کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، سب سے زیادہ تفصیل ''اکام المرجان فی احکام

الجان" کتاب میں ہے جو قاضی بدرالدین عمر بن عبداللہ شبلی حنفی المتوفی ۷۶۹ھ کی تصنیف ہے جو بہت ہی عمدہ اور جامع ہے۔
پھر حیات الحیوان میں "الجن" کے عنوان کے تحت لمبا کلام موجود ہے اور پھر البدایہ والنہایہ میں اس پر کافی کلام کیا گیا ہے۔

جنات کا وجود ثابت ہے

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے شیاطین اور جنات کا وجود ثابت ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ امام الحرمین نے اپنی کتاب "الشامل" میں بہت سارے فلاسفہ اور زنادقہ اور معتزلہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اس پر تعجب نہیں ہے کہ ملحدین اور زنادقہ انکار کرتے ہیں جن کا آسمانی شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو شریعت کو جانتے اور مانتے ہیں اور پھر بھی جنات کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث کی نصوص اور متواتر احادیث جنات کے وجود پر دلالت کرتی ہیں اور عقل کے لیے بھی انکار کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، ان منکرین جنات میں اکثر یہ دلیل دیتے ہیں کہ جنات اگر انسانوں کے پاس آتے جاتے ہیں تو یہ نظر کیوں نہیں آتے؟ اگر یہ جنات چاہتے تو اپنا وجود انسانوں کو دکھا دیتے، برصغیر میں جدید ملحدین اور ان کا سربراہ سرسید احمد خان نیچری بھی جنات کے انکار پر یہی دلیل دیتے رہے ہیں۔ معتزلہ کے امام عبد الجبار معتزلی کہتے ہیں کہ جنات کا وجود نقل اور شریعت سے تو ثابت ہے، مگر عقل سے ثابت نہیں ہے۔ جنات نظر نہ آنے کی وجہ سے ہم قبول نہیں کر سکتے ہیں، لیکن جب شریعت کہتی ہے تو ہم اضطراری طور پر اقرار کریں گے اختیاری طور پر نہیں کر سکتے۔

جنات کی جسمانی کیفیت کیا ہے؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ جنات کے اجسام رقیقہ بسیطہ ہیں، اس لیے رقت ولطافت کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ باطل ہے کہ لطافت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے، اگر ہماری آنکھوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھی ہے تو وہ اگر کثیف جسم کے بھی ہوں تو ہم پھر بھی انہیں نہیں دیکھ سکیں گے۔
ابویعلی بن الفراء کہتے ہیں کہ جنات کے اجسام کی مختلف کیفیات ہیں، بعض اجسام کثیف ہیں اور بعض رقیق ہیں، بعض اجسام ہی اجسام ہیں اور بعض اشخاص کی شکل میں ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں جنات کو دیکھتا ہوں تو وہ مردود الشہادۃ ہے، ہاں نبی یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں اصلی شکل وصورت میں جنات کو دیکھتا ہوں تو وہ مردود الشہادۃ ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں جنات کو مختلف شکلوں میں بدلتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ جنات مختلف اوقات میں مختلف شکلوں میں بدلتے رہتے ہیں، کیونکہ ان کی تعریف میں بھی "یتشکل باشکال مختلفة یذکر و یؤنث" کے الفاظ آئے ہیں، اسی پر حضرت عمر فاروقؓ کی روایت دلالت کرتی ہے، جب

آپؐ کے سامنے چڑیلوں کی بات آئی تو آپؐ نے فرمایا کہ "اِنَّ أَحَدًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَتَحَوَّلَ عَنْ صُورَتِهِ الَّتِي خَلَقَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا وَ لٰكِنْ لَهُمْ سَحَرَةٌ كَسَحَرَتِكُمْ" (ابن شیبہ)

یعنی کرشموں اور جادو حیلوں سے جنات مختلف اشکال اپناتے ہیں، اصل تخلیق سے نہیں نکل سکتے۔

جنات کس کی اولاد ہیں؟

اب یہ بحث رہ گئی کہ جنات کس سے پیدا ہیں اور کس کی اولاد ہیں؟ تو مشہور یہی ہے کہ یہ ابلیس کی اولاد ہیں، لیکن آگے جا کر فرق آجاتا ہے جو کافر ہو گیا اس کو شیطان کہتے ہیں اور جو مسلمان رہا اس کو جن کہتے ہیں، پھر جو جنات گھروں میں آکر رہنے لگتے ہیں ان کو عمار اور عوامر کہتے ہیں، جو جنات بچوں پر آکر بیٹھ جاتے ہیں ان کو ریح اور ارواح کہتے ہیں، جو شیاطین سے زیادہ سرکش ہو جاتے ہیں ان کو "مارد" کہتے ہیں جو مارد سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں ان کو عفریت کہتے ہیں۔ (اکام المرجان)

اس تعبیر سے کچھ زیادہ واضح تعبیر حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جنات آگ سے پیدا ہیں، ان میں طبعی طور پر شرارت موجود ہے لیکن جو شرارت میں انتہا درجہ پر چلے گئے، وہ شیاطین کہلاتے ہیں اور جن سے شرارت ختم ہوگئی وہ پریاں بن جاتی ہیں اور جن میں درمیانہ درجے کی شرارت ہو وہ جنات کہلاتے ہیں۔

کیا جنات مکلّف ہیں یا نہیں؟

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جنات امور تکلیفیہ کے مکلف ہیں، یہ علماء کے ایک طبقے کا فیصلہ ہے، معتزلہ بھی جنات کے مکلف ہونے کے قائل ہیں، لیکن بعض حشویہ باطنیہ کا عقیدہ ہے کہ جنات مکلف نہیں ہیں، البتہ افعال کرنے پر مجبور ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے، اس لیے کہ تواتر کے ساتھ قرآن وحدیث کی نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات بھی اعمال کے مکلف ہیں اور جزا وسزا اور عقاب وثواب کے مستحق ہوں گے، اس پر مزید یہ تحقیق ہے کہ جنات توحید اور دین اسلام کے بنیادی ارکان کے مکلف ہیں اس کے علاوہ فروعات میں جنات انسانوں سے مختلف ہیں کیونکہ وہ گوبر اور ہڈیاں کھاتے ہیں جو انسانوں کے لیے ممنوع ہیں۔ شاہ عبد العزیزؒ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ انسانوں میں جتنے حق وباطل کے فرقے ہیں وہ سارے فرقے جنات میں بھی ہیں، مثلاً دیوبندی، بریلوی، شیعہ توسنی، قادیانی، آغاخانی وغیرہ وغیرہ۔

جنات کے لیے نبی کون ہوتا ہے؟

جب جنات اعمال کے مکلف ہیں تو کیا ان میں کوئی نبی بھی آیا ہے یا نہیں، اگر آیا ہے تو کیا وہ انہی میں سے ہوتا ہے یا کسی اور جنس سے ہوتا ہے؟ علامہ طبریؒ نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ جنات کی طرف جنات ہی میں سے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ابن حزمؒ نے

ایک حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جنات کا اپنا رسول ہوتا تھا، وہ حدیث اس طرح ہے قال علیہ السلام: ''وکان النبی یبعث الی قومه'' فرمایا کہ جنات کی قوم انسانوں سے الگ ہے، لہٰذا ان کا نبی بھی الگ ہے، ابن حزمؒ نے مزید فرمایا کہ ''ولم یبعث الی الجن من الانس نبی الا نبینا صلی الله علیه وسلم لعموم بعثته الی الجن و الانس باتفاق......'' و قال ابن عبد البر لا یختلفون انه صلی الله علیه وسلم بعث الی الجن والانس و هذا فما فضل الله به علی الانبیاء...... قال امام الحرمین و قد علم ضرورة انه صلی الله علیه و سلم ادعیٰ کونه مبعوثا الی الثقلین......وقال ابن تیمیة اتفق علی ذالك علماء السلف من الصحابة والتابعین و ائمة المسلمین و ثبت التصریح بذالك فی حدیث ''وکان النبی یبعث الی قومه و بعثت الی الانس و الجن'' (مسند بزار) وعن ابن الکلبی ''وکان النبی یبعث الی الانس فقط وبعث محمد صلی الله علیه وسلم الی الانس و الجن''

ان عبارات کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تو یہ طریقہ تھا کہ جنات کے لیے جنات ہی میں سے نبی بھیجا جاتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز و اکرام اور آپ کی شان اور عموم بعثت کے پیش نظر آپ کو نبی الثقلین بنا کر انسانوں اور جنات سب کے لیے رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے مبعوث فرمایا گیا۔

کیا جنات کھاتے پیتے ہیں؟

ایک بحث یہ بھی ہے کہ کیا جنات کھاتے پیتے ہیں اور نکاح بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ اس میں معمولی سا اختلاف ہے۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ جنات کھاتے پیتے نہیں ہیں، دوسرے فریق کا خیال ہے کہ جنات انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں، اب یہ الگ تحقیق ہے کہ کھاتے پیتے ہیں تو اس کھانے کی نوعیت وحیثیت کیا ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ جنات کا کھانا پینا صرف سونگھنا ہے، چبانا دبانا نہیں ہے، یہ رائے غلط ہے کیونکہ احادیث میں جنات کے کھانے کی تصریح موجود ہے ''فان الشیطان یأکل بشماله و یشرب بشماله''

علامہ ابن عبد البرؒ وہب بن منبہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''ان الجن اصناف فخالصهم ریح لا یاکلون و لا یشربون و لا یتوالدون و جنس منهم یقع ذالك''

احادیث میں ہڈیوں کے کھانے کا ذکر واضح طور پر موجود ہے، اب یہاں یہ سوال ہے کہ ان ہڈیوں پر نیا گوشت چڑھ کر آتا ہے یا صرف سونگھنے سے کام چل جاتا ہے؟ میرے استاذ حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کے درس میں فرمایا کہ میں نے ایک جنی سے پوچھا کہ تمہارے لیے ہڈیوں پر نیا گوشت آتا ہے یا کیا ہوتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ نیا گوشت نہیں آتا ہم ہڈی کو صرف سونگھ کر گزارہ کرتے ہیں، ہوسکتا ہے یہاں بھی جنات کے مختلف اقسام وانواع کے ساتھ مختلف معاملہ پیش آتا ہو۔

کیا جنات کو ثواب وعقاب ملے گا؟

جب جنات مکلف ہیں تو کیا ان کو ان کے نیک اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ تو اس پر سب علما کا اتفاق ہے کہ جنات کو برے اعمال پر عذاب ہوگا اور سزا ملے گی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نیک اعمال پر ثواب ملے گا یا نہیں، اگر ملے گا تو اس کی نوعیت کیا ہوگی۔ ابن ابی الدنیا نے لیث بن ابی سلیم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جنات کو ثواب دینا اس طرح ہے کہ ان کو دوزخ سے بچایا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ ''کونوا ترابا'' یعنی مٹی ہو جاؤ۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف بھی اس طرح قول منسوب ہے، لیکن جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ جنات کو ان کے نیک اعمال پر ثواب ملے گا، یہی امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اوزاعی شامیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے، گویا احناف کا بھی اسی پر فتویٰ ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر ان کو ثواب ملے گا تو کیا جنت میں جنات انسانوں کے ساتھ ہوں گے یا کہاں ہوں گے؟ اس میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ کہ انسان و جنات جنت میں اکٹھے ہوں گے، یہی مشہور ہے۔ دوسرا قول یہ کہ جنات جنت کے کناروں میں ہوں گے، یہی امام مالکؒ اور ایک طائفہ علماء کا قول ہے، تیسرا قول یہ کہ جنات اعراف میں ہوں گے، چوتھا قول یہ ہے کہ جنات کے دخول جنت کے بارے میں خاموش رہنا بہتر ہے۔

بہر حال ظاہری نصوص سے واضح طور پر جنات کا جنت میں جانا معلوم ہوتا ہے اور ثواب میں شریک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ سورۂ رحمان کی تلاوت کیجیے، سب کچھ معلوم ہو جائے گا بہر حال ان تمام مباحث کا اکثر حصہ فتح الملہم میں مذکور ہے۔

١٠٠٦ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَلْقَمَةَ هَلْ كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ شَهِدَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ؟ قَالَ: فَقَالَ عَلْقَمَةُ، أَنَا سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقُلْتُ: هَلْ شَهِدَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَفَقَدْنَاهُ فَالْتَمَسْنَاهُ فِي الْأَوْدِيَةِ وَالشِّعَابِ .فَقُلْنَا: اسْتُطِيرَ أَوِ اغْتِيلَ .قَالَ: فَبِتْنَا بِشَرِّ لَيْلَةٍ بَاتَ بِهَا قَوْمٌ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا إِذَا هُوَ جَاءٍ مِنْ قِبَلَ حِرَاءٍ .قَالَ: فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَدْنَاكَ فَطَلَبْنَاكَ فَلَمْ نَجِدْكَ فَبِتْنَا بِشَرِّ لَيْلَةٍ بَاتَ بِهَا قَوْمٌ .فَقَالَ: أَتَانِي دَاعِي الْجِنِّ فَذَهَبْتُ مَعَهُ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ قَالَ: فَانْطَلَقَ بِنَا فَأَرَانَا آثَارَهُمْ وَآثَارَ نِيرَانِهِمْ وَسَأَلُوهُ الزَّادَ فَقَالَ: " لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَقَعُ فِي أَيْدِيكُمْ أَوْفَرَ مَا يَكُونُ لَحْمًا وَكُلُّ بَعْرَةٍ عَلَفٌ لِدَوَابِّكُمْ .فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلَا تَسْتَنْجُوا بِهِمَا فَإِنَّهُمَا طَعَامُ إِخْوَانِكُمْ

حضرت عامرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے علقمہؒ (جو ابن مسعودؓ کے بیٹے تھے) سے پوچھا کہ کیا ابن مسعودؓ لیلۃ الجن میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے؟ تو علقمہؒ نے کہا میں نے بھی ابن مسعودؓ سے یہ بات پوچھی تھی کہ کیا آپ میں سے (صحابہ میں سے) کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الجن میں موجود تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں! البتہ ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ غائب ہوگئے، ہم نے وادیوں اور گھاٹیوں میں آپ کو تلاش کیا (مگر آپ نظر نہ آئے) ہم نے کہا کہ شاید آپ کو جنات اڑا کر لے گئے یا آپ کو بے خبری میں مار ڈالا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نے وہ رات بدترین رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو گم کر دیا اور آپ کو بہت ڈھونڈا مگر آپ کو نہ پا سکے، ہم نے نہایت بری رات گزاری ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس جنات کا داعی آیا تھا تو میں اس کے ساتھ چلا گیا تھا اور ان کو قرآن سنایا ہے۔ پھر آپ ہم کو لے کر چلے اور جنات کے نشانات، ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے جنات نے آپ سے (حلال) غذا مانگی تو فرمایا کہ ہر وہ جانور جسے اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو اس کی ہڈیاں تمہاری غذا ہے کہ تمہارے سامنے آتے ہی وہ ہڈی گوشت سے خوب بھر جائے گی اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہڈی اور مینگنی، لید وغیرہ سے استنجامت کیا کرو کہ یہ تمہارے بھائی جنات کی غذا ہے''۔

تشریح:

''قال لا''، یعنی ابن مسعودؓ نے سائل کے جواب میں فرمایا کہ ''لیلۃ الجن'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں نہیں تھا۔ ''آکام المرجان فی احکام الجان'' میں جنات کے پاس آنحضرت ؐ کا چھ مرتبہ جانا ثابت ہے، تین دفعہ حضرت ابن مسعودؓ ساتھ تھے، تین مرتبہ نہیں تھے، یہ تعدد واقعات پر محمول ہے۔ امام ترمذیؒ نے ابواب الامثال میں حضرت ابن مسعودؓ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ابن مسعود کا حضور کے ساتھ لیلۃ الجن میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے، دیگر روایات کو بھی فتح الملہم نے نقل کیا ہے۔

''استطیر''، یعنی کہیں جنات وغیرہ نے آپ کو اڑا لیا اور اغوا کر لیا۔

''واغتیل''، یعنی اچانک خفیہ طور پر دشمن نے آپ کو قتل کر دیا۔

''داعی الجن'' یعنی جنات کی طرف سے بلانے والا آ گیا، کہتے ہیں یہ جن جزیرہ کے تھے، جس کو جن نصیبین کہا گیا ہے، نصیبین جزیرہ کے اندر ایک علاقہ ہے، جزیرہ شام اور عراق کے درمیان ہے۔

''وسألوہ الزاد'' حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث اس سے پہلے مکمل ہوگئی، یہاں سے شعبی کا کلام شروع ہوگیا ہے، لہٰذا یہ مسند حدیث نہیں ہے، اگلی روایت میں شعبی کی تصریح موجود ہے۔

"زاد" سے مباح اشیاء کے بارے میں پوچھنا مراد ہے کہ کیا جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے۔

"آذنتہ بھم شجرۃ" یعنی آنحضرت کو درخت نے بتادیا کہ جنات نے قرآن سنا اور ایمان لا کر چلے گئے، اس میں آپ معجزہ ہے، یہ درخت کیکر کا تھا۔

١٠٠٧۔ وَحَدَّثَنِيهِ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ دَاوُدَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ إِلَى قَوْلِهِ: وَآثَارَ نِيرَانِهِمْ .قَالَ الشَّعْبِيُّ: وَسَأَلُوهُ الزَّادَ وَكَانُوا مِنْ جِنِّ الْجَزِيرَةِ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ مِنْ قَوْلِ الشَّعْبِيِّ. مُفَصَّلًا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ.

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جنات کا داعی آیا تھا تو میں اس کے ساتھ چلا گیا تھا......الخ) کے معمولی تغیر وتبدل (کہ وہ تمام جن جزیرہ کے تھے) کے ساتھ منقول ہے۔

١٠٠٨۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَوْلِهِ: وَآثَارَ نِيرَانِهِمْ وَلَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ

اس سند سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... نیز یہ حدیث جنات کے آثار تک ہے باقی حدیث کے آخر کا حصہ ذکر نہیں کیا۔

١٠٠٩۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: لَمْ أَكُنْ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ مَعَهُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے سابقہ حدیث مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں لیلۃ الجن میں حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ تھا لیکن مجھے یہ تمنا ہی رہی کہ کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا۔

١٠١٠۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرْمِيُّ، وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ مَعْنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: سَأَلْتُ مَسْرُوقًا: مَنْ آذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِنِّ لَيْلَةَ اسْتَمَعُوا الْقُرْآنَ؟ فَقَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوكَ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ أَنَّهُ آذَنَتْهُ بِهِمْ شَجَرَةٌ

معن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت مسروق" (مشہور تابعی) سے پوچھا کہ جس رات جنات نے قرآن کریم سنا اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے دی؟ فرمایا: مجھ سے تمہارے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کی آمد وسماع کی اطلاع درخت نے دی۔

باب القرأة فی الظهر و العصر و قصة سعدؓ

ظہر اور عصر میں قرآن پڑھنے کا بیان اور سعدؓ کا قصہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے دس حدیثوں کو بیان کیا ہے

۱۰۱۱۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ الْحَجَّاجِ يَعْنِي الصَّوَّافَ، عَنْ يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا فَيَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا وَكَانَ يُطَوِّلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى مِنَ الظُّهْرِ وَيُقَصِّرُ الثَّانِيَةَ وَكَذَلِكَ فِي الصُّبْحِ

حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے تو ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سی سورتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی ایک آدھ آیت ہمیں سنا دیا کرتے تھے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت کو دوسری کی بنسبت لمبا کرتے جب کہ دوسری کو چھوٹا کرتے تھے،اسی طرح فجر کی نماز میں کیا کرتے تھے۔

تشریح:

"یقرأ فی الظهر" یعنی ظہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول آہستہ قرأت کرنے کا تھا،مگر کبھی کبھی ظہر کی نماز میں ہمیں کوئی سورت یا کوئی آیت بلند آواز سے سنایا کرتے تھے، یہ عمل امت کی تعلیم کے لیے ہوتا تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت بھی ملائی جاتی ہے اور ملانے کا طریقہ کیا ہوتا ہے،ظہر کی قید اتفاقی ہے،احترازی نہیں، کیونکہ آپ عصر میں بھی کبھی ایسا کیا کرتے تھے، یہ سب تعلیم امت کے لیے تھا۔

"یطول" باب تفعیل سے طویل کرنے کے معنی میں ہے،اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل کرنا چاہیے۔اس مسئلے میں فقہائے کرام کا تھوڑا سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالک، امام شافعی ،امام احمد بن حنبل اور امام محمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی نسبت زیادہ لمبا کرنا چاہیے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک صرف فجر کی نماز کی یہ خصوصیت ہے کہ پہلی رکعت کو طویل کیا جائے، باقی تمام نمازوں میں تمام رکعتوں کی حیثیت مساویانہ ہے،البتہ جن رکعتوں میں ضم سورت نہیں ان کی حیثیت الگ ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیرِ نظر ابوقتادہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ظہر، فجر اور عصر میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کا ذکر ملتا ہے اور مغرب وعشاء کو ان حضرات نے ان تین نمازوں پر قیاس کیا ہے۔ عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ پہلی رکعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے طویل فرماتے تھے تاکہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں، امام ابوداؤد نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت کو طویل کرنا فجر کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ فجر کا وقت غفلت کا وقت ہے، اگر نفس قرأت کو دیکھا جائے تو استحقاق قرأت میں دونوں رکعتیں برابر ہیں، اس لیے مقدار قرأت میں بھی دونوں کو برابر ہونا چاہیے، لیکن صرف اس عارض کی وجہ سے فجر میں پہلی رکعت کو طول دیا گیا ہے، ایک روایت میں "فی کل رکعۃ قدر ثلاثین آیۃ" کے الفاظ آئے ہیں جو امام صاحبؒ اور امام ابویوسفؒ کی دلیل ہے، کیونکہ وہاں دونوں رکعتوں کی قرأت برابر بتلائی گئی ہے۔ امام صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت دعا، استفتاح اور تعوذ وتسمیہ پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے لمبی ہوجاتی ہے، قرأت کی وجہ سے لمبی کرنا صرف فجر کی خصوصیت ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ اور جمہور کا مسلک راجح اور پسندیدہ ہے، یعنی پہلی رکعت کو تمام نمازوں میں طول دینا بہتر ہے۔

۱۰۱۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، وَأَبَانُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور کوئی سورت پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھار کوئی آیت ہمیں بھی سنادیا کرتے اور آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ ہی پڑھا کرتے تھے۔

تشریح:

"حزرنا" حزر نصر ینصر سے اندازہ کرنے کے معنی میں ہے، چونکہ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت سراً ہوتی ہے اس لیے قیام کی مقدار کو اندازہ ہی سے معلوم کیا جاسکتا تھا، جب لوگ نیک تھے تو قرآن کی سورتوں کی مقدار سے مسافت کا اندازہ لگایا کرتے تھے، ہمارے دادا پردادا کے ہاں عام رواج تھا کہ راستوں کے اندازے سورۂ یٰسین یا سورۂ کہف سے معلوم کرتے تھے، ایک کہتا تھا کہ گاؤں سے جب چل پڑتا ہوں تو دو دفعہ سورۂ یٰسین پڑھ کر گھر پہنچتا ہوں، دوسرا کہتا تھا کہ میں ایک دفعہ پڑھنے پر پہنچتا ہوں، اسی طرح اندازہ حضرات صحابہ کرامؓ لگایا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر اور عصر کی پہلی رکعتوں میں قیام الم تنزیل

السجدة کی مقدار فرماتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے پڑھنے کی مقدار قیام فرماتے تھے۔مطلب یہ کہ آنحضرت ہر دو رکعت میں الم تنزیل السجدة کے بقدر قرأت کیا کرتے تھے۔

”قدر النصف من ذالک“ پوری حدیث کو سمجھنے کے اعتبار سے اس طرح سمجھنا چاہیے کہ حضور اکرم کی ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ جب ہم ظہر کی پچھلی دو رکعتوں کے قیام سے کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آخری رکعتوں کا قیام پہلی رکعتوں کے قیام سے نصف مقدار میں ہے، یعنی پہلی رکعتوں میں قرأت لمبی ہوتی تھی اور آخری رکعتوں میں اس کا نصف ہوتی تھی اور جب عصر کی نماز میں ہم اندازہ کرتے تھے تو عصر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کی مقدار ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کی مقدار تھی اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں قیام کی مقدار عصر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کی مقدار کے نصف تھی۔

تمام شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کرتے تھے پھر فرماتے ہیں کہ یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت ہونی چاہیے، پھر فرماتے ہیں کہ یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے، قول قدیم یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت سورت ضروری نہیں ہے اور فتویٰ اسی پر ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورت ملا کر پڑھنا نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر پڑھا ہے تو بیان جواز کے لیے پڑھا ہوگا، ان تمام شارحین کے برعکس شارح مشکوٰۃ علامہ شمس الدینؒ صاحب التعلیق الفصیح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک واضح اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ضم سورت ہوتی ہے اور ظہر کی آخری دو رکعتوں میں ضم سورت نہیں ہوتی تو ان دونوں کی مقداریں کیسے یکسانیت ہوسکتی ہے۔اس کا جواب شیخ شمس الدین نے یہ دیا ہے کہ یہاں ان نمازوں اور ان رکعتوں میں قرأت میں برابری مراد نہیں ہے اور نہ اس حدیث میں قرأت میں مساوات کا ذکر ہے، بلکہ یہاں تو صرف قیام کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام پہلی رکعتوں میں کتنا تھا اور آخری رکعتوں میں کتنا تھا تو ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کو اس طرح ترتیل کے ساتھ پڑھا ہو کہ پہلی رکعتوں کے وقت سے اس کا وقت آدھا ہو جاتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں قیام کی مقدار کی بات ہے قرأت کی بات نہیں ہے تو اول دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد ضم سورت ہوتا تھا اور آخری دو رکعتوں میں نہیں ہوتا تھا تو وہ اول رکعتوں کے نصف مقدار میں تھی، بڑی گہرائی کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب واضح اور مناسب ہے۔

فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں مسنون یہی ہے کہ فاتحہ پڑھ لی جائے ورنہ تسبیحات پڑھ لے یا خاموش رہے، اختیار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر امام کے پیچھے مقتدی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کا اہتمام کریں تو پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھنے کا یہ پڑھنا قائم مقام ہو جائے گا اور اختلاف سے بچ جائیں گے۔

۱۰۱۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، جَمِيعًا عَنْ هُشَيْمٍ، قَالَ: يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كُنَّا نَحْزِرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ، وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَبُو بَكْرٍ فِي رِوَايَتِهِ: الم تَنْزِيلُ وَقَالَ: قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً

حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ظہر وعصر میں قیام کا اندازہ لگایا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا اندازہ لگایا تو وہ اتنا تھا جتنی دیر میں سورہ الم سجدہ پڑھی جاتی ہے۔اور ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کا اندازہ لگایا تو وہ اس کے نصف کے مطابق تھا۔اسی طرح عصر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا اندازہ لگایا تو وہ تقریباً اتنا تھا جتنا ظہر کی آخری رکعتوں میں ہوتا تھا اور عصر اخیر کی دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اس کے نصف تھا۔اودا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت میں سورہ الم تنزیل السجدہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ تیس آیتوں کے برابر کہا ہے۔

۱۰۱۴۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْوَلِيدِ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً، وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً أَوْ قَالَ نِصْفَ ذَلِكَ – وَفِي الْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ قِرَاءَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ نِصْفِ ذَلِكَ "

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس آیات کے بقدر پڑھا کرتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتوں میں پندرہ آیات کے بقدر یا پہلی کے آدھے کے برابر قیام کرتے تھے اور عصر کی نماز میں پہلی دو میں سے ہر رکعت میں پندرہ آیات کے بقدر پڑھا کرتے تھے جب کہ اخیر کی دو میں اس کے آدھے کے برابر قیام کرتے تھے۔

تشریح:

"الکوفة" کوفہ عراق میں مسلمانوں کے بڑے مرکزی شہر کا نام ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کے نائبین نے بصرہ کوفہ دونوں شہروں کو بنا کر آباد کیا۔شہر کوفہ سے بڑے بڑے فضلاء اور علماء وابستہ رہے ہیں، حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں یہ پوری دنیا کے لیے دار الخلافہ رہا ہے، لغت میں کوفہ گول چیز کو کہا جاتا ہے، یہ شہر بھی گول تھا اس لیے کوفہ نام پڑ گیا، اس کے بسنے والے قلابازیوں میں مشہور ہیں، اس لیے عرب کہتے ہیں "الکوفی لا یوفی" یعنی کوفہ والوں میں وفا نہیں ہے۔

''شکوا سعداً'' سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور آنحضرت کے رشتے کے ماموں ہیں، مستجاب الدعوات تھے، حضرت عمرؓ کی جانب سے یہ کوفہ کے گورنر تھے، اس وقت کے گورنر علاقے کے قاضی بھی ہوتے تھے اور پانچوں نمازوں کے امام بھی ہوتے تھے اور جہاد کے کمانڈر بھی ہوتے تھے۔ حضرت سعدؓ پر جہاد اور امامت کے حوالے سے ''بنو اسد'' کے کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ اس حدیث میں ''شکوا سعداً'' کے الفاظ میں اسی قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت سعدؓ کے مناقب میں جو حدیث نقل کی ہے، اس میں زیادہ تفصیل ہے، اسی کی روشنی میں یہاں اس قصے کو نقل کرتا ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر اعتراض کا قصہ

''رمی بسهم'' یہ سریہ عبید بن حارث کی طرف اشارہ ہے، یہ اسلام کا پہلا دستہ تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یکم ہجری میں ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے جنگی جھنڈا باندھا۔ ساٹھ آدمیوں پر مشتمل اس سریہ میں حضرت سعدؓ بھی تھے، اس موقع پر کفار سے باقاعدہ جنگ تو نہیں ہوئی، مگر حضرت سعدؓ نے اسلامی تاریخ اور جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں کفار پر پہلا تیر چلایا، اسی خصوصیت کا تذکرہ آپ یہاں فرما رہے ہیں، اس سے پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ یہاں کچھ تفصیل لکھتا ہوں کہ حضرت سعد کو حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ کا گورنر مقرر فرما دیا تھا، کوفہ کے کچھ لوگوں کی طرف سے حضرت سعدؓ پر کچھ اعتراضات کئے گئے تھے، یہ بد باطن لوگ تھے، انہوں نے کہا کہ سعد نمازوں میں سستی کرتے ہیں، مال غنیمت کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، جہاد پر نہیں جاتے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو مدینہ منورہ بلا کر فرمایا کہ سعد! آپ سے شکایتیں ہیں، یہاں تک کہ نماز کی شکایت بھی آگئی ہے؟ حضرت سعدؓ نے اپنے تزکیہ میں اپنے چند کارناموں کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ اگر ان لوگوں کے الزامات درست ہیں پھر تو میرے یہ اعمال ضائع ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ آپ کے بارے میں میرا گمان اسی طرح تھا جس طرح آپ صفائی پیش کر رہے ہیں، لیکن اہل کوفہ سے میرے نمائندے گھر گھر جا کر پوچھیں گے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ دو سرکاری آدمی حضرت سعدؓ کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے اور گھر گھر جا کر انہوں نے حضرت سعدؓ سے متعلق پوچھا، سب نے حضرت سعدؓ کی بہت تعریف کی مگر ایک بوڑھے نے کہا کہ جب تم لوگ قسم کھلا کر پوچھتے ہو تو میں کہہ دوں گا کہ سعد نمازیں اور تقسیم اموال میں گڑبڑ کرتے ہیں، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا کہ اگر تم نے یہ اعتراض شہرت حاصل کرنے کے لیے کیا ہے تو میں تیرے لیے بددعا میں کہتا ہوں کہ اے اللہ! اس شخص کی عمر دراز فرما اور اس کو فاقوں میں مبتلا فرما اور اس کو ذلیل وخوار فرما! یہ تینوں بددعائیں اس شخص کو لگ گئیں، عمر اتنی لمبی ہو گئی کہ آنکھوں کے آبرو آنکھوں پر آ کر گر گئے جب کسی سے بات کرتا تھا تو ہاتھوں سے آبرو کو اوپر اٹھا کر دیکھنے لگتا تھا، فقر و فاقہ میں زندگی گزرتی تھی، موت نہیں آتی تھی، مگر اسی حالت میں زمین پر گھسٹتا ہوا چھوٹی چھوٹی بچیوں کو پکڑ لیا کرتا تھا اور اپنے جسم کے ساتھ رگڑتا تھا اور ذلیل وخوار ہو رہا تھا، جب کوئی اس سے پوچھتا کہ شرم کرو یہ کیا کر رہے ہو؟ تو کہتا تھا کہ کیا کروں؟ سعد کی بددعا لگ گئی ہے، زیر بحث حدیث میں ''فاصبحت بنوا اسد تعزرنی'' کے الفاظ میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ تعزرنی زجر و توبیخ اور ڈانٹنے

کے معنی میں ہے۔ عام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بلاوجہ مساجد کے اماموں پر اعتراضات نہ کریں، بعض کی دل آزاری سے تباہی آجاتی ہے۔

''ما اخرم عنها''یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز میں سے کوئی کمی نہیں کرتا، کٹوتی نہیں کرتا ای لا انقص عنها، بلکہ مکمل کر کے پڑھاتا ہوں۔

''انی لارکد بهم'' ای اطولهما و ادیمهما و امدهما یعنی میں پہلی دو رکعتوں میں خوب ٹھہر ٹھہر کر طول اختیار کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں میں مختصر کر کے پڑھاتا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا ہوں، یہی طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، مطلب یہ کہ پہلی دو رکعتوں میں نیت کے بعد ثناء ہے، پھر اعوذ باللہ ہے پھر فاتحہ کے بعد قرأت ہے، دوسری رکعتوں میں یہ چیزیں نہیں ہیں، اس لیے وہ رکعتیں مختصر ہوتی ہیں، اسی کو حضرت سعدؓ نے'' واحذف فی الاخریین '' فرمایا ہے، حذف سے مراد مختصر کرنا ہے۔

'' ذاک الظن بک یا ابا اسحاق '' حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعد کا نام بہت احترام سے لیا، ابواسحٰق آپ کی کنیت تھی اس سے ان کو یاد کیا تاکہ آنحضرت کے ماموں کی بے اکرامی نہ ہو لیکن جہاں تک شکایت کی بات تھی اس کی تحقیق میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ محلّہ کے لوگوں سے گھر گھر جا کر آپ کے بھیجے ہوئے آدمی نے معلوم کیا، وہاں کی اطلاع بھی بالکل حضرت سعدؓ کے حق میں تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کے بارے میں شاندار کلمات ابتدا میں بھی اور تفتیش کے بعد بھی ارشاد فرمائے، وفات کے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سعد کو خلافت کی شوریٰ میں بٹھادو، میں نے ان کو کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا بلکہ ایک انتظامی معاملہ کے تحت ایسا ہوا تھا، چنانچہ اس برأت کے بعد بھی حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو کوفہ کی گورنری سے ہٹادیا، اگرچہ ان پر سارے اعتراضات غلط تھے، اس روایت کے بعد حضرت عمرؓ والی روایت میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ دیکھو آپ پر ہر قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں بھی اعتراض کیا گیا ہے۔

''حتی فی الصلوٰۃ'' یہ نماز کی اہمیت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے ورنہ ان لوگوں جہاد پر نہ جانے اور مال غنیمت کی تقسیم کرنے پر بھی اعتراض تھا۔

''ما آلو''یعنی میں آنحضرت کی اقتدا میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ ای لا اقصر فی ذالك دوسری آنے والی روایت میں حضرت سعد نے فرمایا''تعلمنی الاعراب بالصلوٰۃ'' یعنی یہ گنوار دیہاتی جن کے پاس سنت وفرض کا علم نہیں ہے، نہ معاشرے کے فضلاء علماء سے ان کا واسطہ ہے، یہ آج مجھ پر علم کے دقیق مسائل میں اعتراض کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ نماز کی تمام رکعتوں میں مساوات ضروری ہے، یہ ان کی اپنی غلطی ہے جو مجھ پر تھوپنا چاہتے ہیں، حالانکہ میں اسلام لانے میں چھٹا مسلمان ہوں، دین کو سیکھ چکا ہوں، جہاد میں سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے، درختوں کے پتے کھا کھا کر میدان جہاد میں دین کے لیے مشقتیں اٹھائی ہیں، آج تیار میدان میں آکر یہ اعتراض کرتے ہیں، اگر ان کا اعتراض صحیح ہے تو پھر تو میں ناکام ہو کر رہ گیا، میرے اعمال ضائع ہو گئے، یہ اعتراض بنو اسد قبیلہ کے لوگوں نے کیا تھا جس کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔

۱۰۱۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، أَنَّ أَهْلَ

الْكُوفَةِ شَكَوْا سَعْدًا إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرُوا مِنْ صَلَاتِهِ . فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ عُمَرُ فَقَدِمَ عَلَيْهِ فَذَكَرَ لَهُ مَا عَابُوهُ بِهِ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ . فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْرِمُ عَنْهَا إِنِّي لَأَرْكُدُ بِهِمْ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ فَقَالَ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ أَبَا إِسْحَاقَ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کوفہ نے حضرت سعدؓ (بن ابی وقاص) کی شکایت کی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کی نماز کے بارے میں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ تشریف لائے تو ان سے اہل کوفہ کی شکایات کا تذکرہ کیا کہ انہوں نے آپ کی نماز کے بارے میں شکایت کی ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاتا ہوں اور اس میں کمی نہیں کرتا۔ پہلی دو میں لمبا قیام کرتا ہوں جب کہ دوسری دو میں اختصار کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے آپ کے بارے میں یہی گمان تھا اے ابواسحاق (یہ حضرت سعدؓ کی کنیت ہے)

۱۰۱۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ

اس سند سے بھی عبدالملک بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سابقہ حدیث بعینہ مروی ہے۔

۱۰۱۷۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عَوْنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ قَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى فِي الصَّلَاةِ . قَالَ: أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ . وَمَا آلُو مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ، أَوْ ذَاكَ ظَنِّي بِكَ،

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لوگوں نے آپ کی ہر بات کی شکایت کی ہے حتیٰ کہ نماز کی بھی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا میں تو پہلی دو رکعتوں کو لمبا اور آخری دو رکعتوں کو مختصر کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے آپ سے یہی گمان تھا''۔

۱۰۱۸۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ بِشْرٍ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، وَأَبِي عَوْنٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، بِمَعْنَى حَدِيثِهِمْ وَزَادَ فَقَالَ: تُعَلِّمُنِي الْأَعْرَابُ بِالصَّلَاةِ

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سابقہ روایت اسی سند کے بھی ساتھ مذکور ہے باقی اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ دیہاتی مجھے نماز سکھاتے ہیں۔

۱۰۱۹۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: لَقَدْ كَانَتْ صَلَاةُ الظُّهْرِ تُقَامُ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْبَقِيعِ

فَيَقْضِي حَاجَتَهُ .ثُمَّ يَتَوَضَّأُ .ثُمَّ يَأْتِي وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِمَّا يُطَوِّلُهَا

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز کھڑی ہوجاتی تو کوئی جانے والا بقیع کو جاتا، قضاء حاجت سے فارغ ہوتا، پھر وضو کر کے مسجد پہنچتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی پہلی ہی رکعت میں ہوتے تھے اس کو لمبا کرتے تھے۔

۱۰۲۰۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ رَبِيعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي قَزَعَةُ، قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، وَهُوَ مَكْثُورٌ عَلَيْهِ فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْهُ قُلْتُ: إِنِّي لَا أَسْأَلُكَ عَمَّا يَسْأَلُكَ هٰؤُلَاءِ عَنْهُ قُلْتُ: أَسْأَلُكَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا لَكَ فِي ذَاكَ مِنْ خَيْرٍ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ .فَقَالَ: كَانَتْ صَلَاةُ الظُّهْرِ تُقَامُ فَيَنْطَلِقُ أَحَدُنَا إِلَى الْبَقِيعِ فَيَقْضِي حَاجَتَهُ، ثُمَّ يَأْتِي أَهْلَهُ فَيَتَوَضَّأُ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى

حضرت قزعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس داخل ہوا تو ان کے پاس بہت سے لوگ موجود تھے۔ جب لوگ وہاں سے منتشر ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے وہ باتیں نہیں پوچھتا جو یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں۔ میں تو آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھنا چاہ رہا ہوں؟ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس بارے میں پوچھنے میں تمہارے لئے کوئی خیر نہیں (کیونکہ تم ویسی نماز پڑھ ہی نہیں سکتے) میں نے پھر وہی بات کہی تو انہوں نے فرمایا: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) ظہر کی نماز کھڑی ہو جاتی تھی تو ہم میں سے کوئی (نماز کھڑی ہونے کے بعد) بقیع کو جاتا اور قضاء حاجت کرتا اس کے بعد اپنے گھر آکر وضو کر کے مسجد لوٹتا تو ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں ہی ہوتے تھے (گویا کافی لمبی پہلی رکعت ہوتی تھی)

تشریح:

''وھو مکثور علیہ'' یعنی لوگوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو گھیر رکھا تھا، اس لیے ان کے اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا استفادہ کرنے کے لیے ایک جم غفیر اکٹھا تھا۔

''فی ذالک من خیر'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بہت طویل ہوتی تھی، تم اس طرح کی نماز کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہو اور نہ اس طرح کی نماز پڑھ سکو گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر تکلیف اٹھا کر اس طرح نماز پر عمل کرو گے تو تمہاری کمر ٹوٹ جائے گی اور مشقت میں پڑ جاؤ گے اور اگر پیچھے ہٹو گے تو ایک سنت عمل کو سیکھ کر چھوڑ دو گے جو بالکل مناسب نہیں ہوگا، لہٰذا ان چیزوں میں نہ پڑو، جو آسانی سے کر سکتے ہو وہی کرو اس میں تمہاری بھلائی ہے لیکن سائلین نے اصرار کیا تو حضرت ابوسعید خدریؓ نے پوری تفصیل بتادی، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم آدھا گھنٹہ ظہر کی پہلی رکعت میں لگتا ہوگا۔

باب القرأة فی الصبح

فجر کی قرأت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پندرہ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۲۱۔ وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح، قَالَ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، - وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ، يَقُولُ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ سُفْيَانَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْعَابِدِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ: " صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى، وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى - مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ يَشُكُّ - أَوِ اخْتَلَفُوا عَلَيْهِ أَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ السَّائِبِ، حَاضِرٌ ذَلِكَ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ فَحَذَفَ فَرَكَعَ وَفِي حَدِيثِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو وَلَمْ يَقُلِ ابْنَ الْعَاصِ

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورۃ المؤمنون کی تلاوت شروع فرمائی، جب حضرت موسیٰ وھارون علیہما السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا (یہ اختلاف راویوں کے شک کی بناء پر ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی کا دسکہ لگا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کر دیا اور عبداللہؓ بن السائب وہاں حاضر تھے اور عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت موقوف کردی اور رکوع کر دیا۔ اور ان کی روایت میں ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بجائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

تشریح:

”بمكة“ یہ فتح مکہ کے موقع پر فجر کی نماز پڑھانے کی بات ہے۔

”سورة المؤمنين“ یہ ایک لمبی سورت ہے، آنحضرت کی قرأت لمبی سورتوں پر مشتمل ہوتی تھی لیکن اس میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ دوسرے لوگوں میں نہیں ہوتی تھیں، ایک تو آپ کی قرأت حدر ہوتی تھی جو خالص عربی لہجہ ہوتا تھا، مصری لہجہ اور مصری قرأت نہیں تھی جس میں دس آیتوں کے پڑھنے میں گھنٹہ لگتا ہے، دوسری بات یہ کہ آنحضرت کی قرأت کی لذت آواز کی مٹھاس اور نبی معظم کی اقتدا یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں کوئی کبھی بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کر سکتا تو اس پر دیگر اپنے آپ کو قیاس نہیں کر سکتے۔ ”لا يقاس الملوك بالحدادين“

”محمد بن عباد يشك“ یعنی یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا، اس میں محمد بن عباد راوی کو

شک ہوگیا ہے، یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔

"اخذت النبیَّ سعلة" یہاں سے جملہ معترضہ کے بعد کلام شروع ہورہا ہے۔ "سعلة" یہ "اخذت" کا فاعل ہے اور لفظ "النبی" مفعول بہ ہے۔ سعلة کھانسی کو کہتے ہیں، جب جھٹکا اور دسکہ لگ جائے اور گلا خشک ہوکر کھانسی آجائے۔

"فحذف" یعنی آپ نے قرأت چھوڑ دی اور مختصر کر کے رکوع کیا، علماء نے لکھا ہے کہ کھانسی سے گلا صاف کرنے کے لیے کھنکھارنے سے قرأت ختم کرنا بہتر ہے، فقہاء نے بلاضرورت کھنکھارنے کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے۔

"ولم یقل ابن العاص" ابن جریج کے بعض شاگردوں کو وہم ہوگیا تو انہوں نے عبداللہ بن عمر کے ساتھ ابن العاص کا لفظ لگادیا، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ صحیح نہیں ہے، مصنف ابن عبدالرزاق میں عبداللہ بن عمرو بن القاری کا لفظ ہے جو کہ صحیح ہے، کیونکہ یہ راوی تابعی ہے اور حجازی ہے، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ شان والے صحابی ہیں، وہ مراد نہیں ہیں۔

١٠٢٢ ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، ح وَحَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - أَخْبَرَنَا ابْنُ بِشْرٍ، عَنْ مِسْعَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ سَرِيعٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں والیل اذا عسعس (سورۃ التکویر) پڑھتے سنا۔

١٠٢٣ ـ حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّيْتُ وَصَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ: ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ. حَتَّى قَرَأَ: وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ، قَالَ: فَجَعَلْتُ أُرَدِّدُهَا وَلَا أَدْرِي مَا قَالَ

حضرت قطبہؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ق کی تلاوت کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیت "والنخل باسقات......" پر پہنچے تو میں بھی اسے دہرانے لگا اور پھر مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پڑھا۔

تشریح:

"فجلعت اردد ها" یعنی میں ان کلمات کو سن کر دوہراتا رہا مگر یہ نہیں سمجھا کہ ان کا معنی اور مطلب کیا ہے، اردو تراجم کے علما نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن میں تہہ بہ تہہ گھنے خوشے ہوں۔"

١٠٢٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ۔

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں آیت "والنخل باسقات لها طلع نضيد" پڑھتے سنا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ق تلاوت فرمائی)

١٠٢٥ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ وَ رُبَّمَا قَالَ: ق

حضرت زیادؒ بن علاقہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں والنخل باسقات والی سورۃ (سورۃ ق) پڑھی

١٠٢٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَكَانَ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيفًا

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ ق و القرآن المجید پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد کی دوسری نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلکی ہوتی تھیں (قرأت کے اعتبار سے بہ نسبت فجر کی نماز کے)

١٠٢٧ ـ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ سِمَاكٍ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ وَلَا يُصَلِّي صَلَاةَ هٰؤُلَاءِ .قَالَ: وَأَنْبَأَنِي: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِـ ق وَالْقُرْآنِ وَنَحْوِهَا

حضرت سماکؒ بن حرب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ علیہ السلام نماز ہلکی پڑھایا کرتے تھے اور ان لوگوں کی طرح (لمبی لمبی) نمازیں نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ سماکؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ "ق والقرآن المجید" اور ان جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

تشریح:

"**وکانت صلوته بعد تخفیفا**" اس جملے کے کئی مطلب ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت ابتداء ہجرت کے زمانے میں لمبی نماز پڑھاتے تھے، مگر اصحاب کی کثرت ہونے اور لوگوں کی تھکاوٹ کی وجہ سے پھر بعد میں آپ ہلکی اور مختصر نماز پڑھاتے تھے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت فجر کی نماز تو لمبی پڑھاتے تھے لیکن فجر کے علاوہ ظہر عصر وغیرہ نمازیں ہلکی پڑھاتے تھے، تیسرا مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ ہو جو میرے ذہن میں آتا ہے کہ آپ طویل نماز پڑھاتے تھے لیکن اب بھی وہ مختصر اور ہلکی معلوم ہوتی تھی کیونکہ آپ ﷺ کے پیچھے کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی، یہ بات اوروں کی نماز میں نہیں ہوتی تھی، لہٰذا کسی اور کو اس طرح کی

کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

''ولا یصلی صلوٰۃ ھولاء'' یہ جملہ آنے والی روایت میں ہے، صحابی نے اپنے زمانے کے بعض امراء کی نماز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت ان لوگوں کی طرح نماز نہیں پڑھاتے تھے، یہ لوگ تو بہت بھاری نماز پڑھاتے ہیں یا بہت ہلکی نماز پڑھاتے ہیں۔

۱۰۲۸۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَلِكَ .وَفِي الصُّبْحِ أَطْوَلَ مِنْ ذَلِكَ

حضرت جابرؓ بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ واللیل اذا یغشیٰ اور فجر کی نماز میں اس سے بھی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے جب کہ فجر کی نماز میں اس سے زیادہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

۱۰۲۹۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَ فِي الصُّبْحِ بِأَطْوَلَ مِنْ ذَلِكَ

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ سبح اسم ربک الاعلی تلاوت فرماتے تھے جبکہ فجر کی نماز میں اس سے زیادہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

۱۰۳۰۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ساٹھ سے سو آیات تک کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔

۱۰۳۱۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ آيَةً

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیات تک تلاوت فرماتے تھے۔

۱۰۳۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ، سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هَذِهِ السُّورَةَ .إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ

حضرت ابن عباسؓ کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے ابن عباسؓ کو سورۃ

المرسلات پڑھتے سنا، تو فرمایا کہ اے میرے بیٹے! تمہارے اس سورت کے پڑھنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخری سورت میں نے سنی وہ یہی تھی اور آپ نے اسے مغرب کی نماز میں پڑھا تھا۔

۱۰۳۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، ح، قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ فِي حَدِيثِ صَالِحٍ ثُمَّ مَا صَلَّى بَعْدُ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

ان اسناد کے ساتھ بھی سابقہ روایت مروی ہے لیکن اس میں یہ زیادہ ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا۔

۱۰۳۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ فِي الْمَغْرِبِ

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کی نماز میں سورۃ طور سنی۔

۱۰۳۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، ح قَالَ: وحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ

اس سند سے بھی حضرت زہری سے سابقہ حدیث (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھی) مروی ہے۔

تشریح:

"لا یقرأ بالطور فی المغرب" بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۃ مرسلات اور سورۃ اعراف پڑھتے تھے اور سورۃ انفال اور سورۃ دخان پڑھتے تھے، یہاں ان احادیث کے ساتھ دیگر احادیث کا ذکر بھی ملتا ہے، ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نماز میں کسی رکعت کے ساتھ کوئی خاص سورۃ متعلق نہیں اور نہ کسی نماز کے ساتھ کوئی خاص سورۃ یا آیات وابستہ ہیں۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ ان طویل سورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ہے جو بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے، یہ آنحضرت کا معجزہ تھا یا مطلب یہ ہے کہ ان لمبی سورتوں کا پڑھنا اس پر محمول ہے کہ آپ نے نماز میں اس کا کچھ حصہ پڑھا، پوری سورت کا پڑھنا مراد نہیں ہے، اگرچہ نام پوری سورت کا ہے یا یہ سمجھ لیں کہ گویا آپ نے کئی رکعتوں میں ایک ہی سورت کو تقسیم کر کے پڑھا ہے۔

باب القرأة في العشاء و قصة معاذؓ

عشاء کی نماز میں قرأت اور حضرت معاذؓ کا قصہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۳۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذِ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ فِي سَفَرٍ فَصَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فَقَرَأَ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِـ التِّينِ وَالزَّيْتُونِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں عشاء کی نماز پڑھائی تو دونوں میں سے ایک رکعت میں والتین والزیتون پڑھی۔

۱۰۳۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فَقَرَأَ بِـ التِّينِ وَالزَّيْتُونِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والتین والزیتون پڑھی۔

۱۰۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ بِـ التِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔لیکن اس روایت میں حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ خوبصورت آواز نہیں سنی۔

تشریح:

''احسن صوتا''، جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باطنی کمالات میں سب سے زیادہ کامل واکمل انسان تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری اور جسمانی خوبصورتی اور کمالات سے نوازا تھا پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن صورت میں بلند وبالا بنایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش آوازی میں امتیازی شان عطا فرمائی تھی، اسی کا تذکرہ حضرت براء بن عازبؓ نے اس حدیث میں کیا ہے، یہ کوئی جذباتی اور مبالغہ آرائی پر مبنی جذبات کا اظہار نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک صحابی کی قوت بیان کی آخری حد تو ہوسکتی ہے، لیکن کمال پیغمبری کی حد کی شاید ابتدا ہوگی۔

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ ابن عساکر نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

جب بھی کسی نبی کو بھیجا تو اس کو اچھی آواز اور خوبصورت چہرہ دے کر مبعوث فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا تو ان کو بھی اچھی آواز اور خوبصورت چہرہ دے کر مبعوث فرمایا (مرقات، ج۳، ص۲۹۲)

احادیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی، جہاں تک کسی کی آواز نہیں جاتی تھی۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے خطبہ دیا تو گھروں میں پردہ نشین خواتین نے آپ کی آواز سنی۔ ابونعیم نے عبد اللہ بن رواحہؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں بنو تمیم میں تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں نے سنی، آپ فرما رہے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ ام ہانیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت اس وقت سنتی تھیں جب کہ حضور اکرم رات کے وقت کعبہ کے پاس تلاوت فرماتے اور ام ہانی اپنے گھر میں ہوتی تھیں، بہر حال کیوں نہ ایسا ہو جبکہ ۔

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

۱۰۳۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ، يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوا لَهُ: أَنَافَقْتَ؟ يَا فُلَانُ، قَالَ: لَا. وَاللَّهِ وَلَآتِيَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَأُخْبِرَنَّهُ. فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى مَعَكَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ أَتَى فَافْتَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مُعَاذٍ فَقَالَ: يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ اقْرَأْ بِكَذَا وَاقْرَأْ بِكَذَا قَالَ سُفْيَانُ: فَقُلْتُ لِعَمْرٍو، إِنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ، حَدَّثَنَا عَنْ جَابِرٍ، أَنَّهُ قَالَ: اقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالضُّحَى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى فَقَالَ عَمْرٌو نَحْوَ هَذَا

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ بن جبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے بعد ازاں اپنی قوم میں آکر انہیں نماز پڑھاتے (امامت کرتے) تھے۔ ایک رات انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے اور ان کی امامت کی، نماز میں سورۃ البقرہ شروع کر دی، ایک شخص نے (طوالت سے گھبرا کر) منہ موڑ کر سلام پھیرا اور تنہا نماز پڑھ لی اور چلا گیا، لوگوں نے اس سے کہا کہ اے فلاں! کیا تو منافق ہو گیا ہے؟ (جو نماز جماعت سے نہیں پڑھی) اس نے کہا نہیں خدا کی قسم نہیں! میں ضرور بالضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتلاؤں گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! ہم اونٹوں کے چرانے والے ہیں، دن بھر کام کرتے ہیں، حضرت معاذؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر آئے اور (امامت کرائی تو) سورۃ بقرہ شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ

ہوئے اور فرمایا اے معاذ! کیا تم فتنہ پھیلانا چاہتے ہو؟ یہ یہ سورتیں پڑھا کرو۔ سفیان (راوی) فرماتے ہیں میں نے عمرو (راوی) سے کہا ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے فرمایا و الشمس وضحها و اللیل اذا یغشی اور سبح اسم ربك الا علیٰ اور ان جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرو۔

تشریح:

"کان معاذ بن جبل" اس حدیث کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاذؓ مدینہ منورہ میں کسی محلے میں رہتے تھے اور وہاں اپنے محلے والوں کی مسجد میں ان کو نماز بھی پڑھایا کرتے تھے اور کبھی مسجد نبوی میں بھی نماز کے لیے آنا جانا ہوتا تھا تو کبھی کبھی آپ عشاء کی نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں مسجد نبوی میں پڑھتے تھے، حضور اکرمؐ عشاء کی نماز کچھ تاخیر سے ادا فرماتے تھے قرأت بھی طویل ہوتی تھی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد عشاء میں دیر ہو جاتی تھی، حضرت معاذ مسجد نبوی سے فارغ ہو کر اپنے محلے کی طرف جاتے تھے، اس میں بھی وقت لگتا تھا، محلے والوں کو انتظار کرنا پڑتا تھا پھر جب نماز پڑھاتے تھے سورت بقرہ وغیرہ لمبی سورتوں میں سے لمبی قرأت کرتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس محلے میں "سلیم" یا "حزام" نام کے ایک صحابی نے نماز توڑ دی اور الگ پڑھ لی، لوگوں نے ان کو ملامت کیا کہ تم منافق ہو گئے ہو؟ انہوں نے کہا منافقت کی بات نہیں، میں کل ضرور جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے معاذ کی شکایت کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے شکایت کی اور کہا کہ ہم مزدوری کرنے والے لوگ ہیں تھکے ماندے آتے ہیں، پہلے تو معاذ کا انتظار کرنا پڑتا ہے پھر ان کی طویل نماز برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے میں نے گزشتہ رات نماز الگ پڑھ لی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذؓ پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو، ایسا نہ کرو بلکہ ایسا کرو کہ یا میرے پیچھے نماز پڑھو تو اپنی قوم کو نہ پڑھاؤ یا میرے پیچھے نہ پڑھو اور ان کو پڑھاؤ، لیکن اس میں بھی یہ خیال رکھو کہ فلاں فلاں مختصر صورتیں پڑھا کرو۔

اب اس واقعہ کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف آیا کہ کیا متنفل امام کے پیچھے فرض پڑھنے والوں کی نماز جائز ہے یا نہیں، کیونکہ حضرت معاذ نفل پڑھنے والے تھے اور محلے کے لوگ فرض پڑھنے والے تھے۔ حضرت معاذ فرض نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ چکے ہوتے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ کے نزدیک متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز جائز ہے امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے۔ شوافع کے نزدیک نابالغ کی امامت بھی اسی اصول کے پیش نظر جائز ہے۔

ائمہ احناف امام ابوحنیفہ، امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام احمد سب کا مسلک یہ ہے کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

دلائل شوافع

شوافع حضرات نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث اور اس واقعے سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ یہ بات

ظاہر ہے کہ معاذ نے فرض پہلے پڑھ لی اور اب محلے والوں کی جو امامت فرما رہے ہیں اس میں آپ متنفل ہیں لہٰذا متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز جائز ہے اسی طرح عمرو بن سلمہ ایک نابالغ بچہ اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتا تھا وہ بھی متنفل تھا اور قوم کی نماز فرض تھی جیسا کہ باب الامامۃ میں محدثین اس قصہ کو نقل کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل کی دلیل ترمذی و ابوداؤد کی حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "الامام ضامن و المؤذن مؤتمن "اس حدیث میں امام کی نماز متضمِن (اسم فاعل) قرار دیا گیا، یعنی کسی چیز کو بغل میں لینے والی اور مقتدی کی نماز کو متضمَن (اسم مفعول) قرار دیا گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ متنفل کی نماز قوت و کیفیت کے اعتبار سے کمزور تر ہے اور مفترض کی نماز کو جو قوت و کیفیت کے اعتبار سے قوی تر ہے اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتی۔

"انما جعل الامام لیؤتم به" کی حدیث بھی یہی تعلیم دیتی ہے کہ امام اعلیٰ حالاً ہونا چاہیے، جبکہ متنفل امام ادنیٰ حالاً ہوتا ہے لہٰذا یہ اقتدا جائز نہیں ہے، یہاں ایک بنیادی ضابطہ ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف اور قرأت خلف الامام کا اختلاف آیا ہے، وہ یہ کہ شوافع کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کی نماز میں اتحاد نہیں ہے، ہمارے ہاں امام اور مقتدی کی نماز میں اتحاد ہے، ان کے ہاں نہیں، صرف افعال میں اشتراک ہے لہٰذا الگ الگ نماز ہے تو ہر طرح سے جائز ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل اسلام میں صلوٰۃ خوف کا طریقہ ہے، اگر متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ہوتی تو امام دو تین دفعہ الگ الگ جماعت کراتا اور مقتدیوں کی نماز کی حالت میں آنے جانے کی یہ ساری مشقت برداشت نہ کرنی پڑتی۔

جواب:

جمہور کی طرف سے شوافع کے مستدل اور حضرت معاذؓ کی حدیث کے کئی جوابات ہیں۔

(۱) اول جواب یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کا واقعہ اس وقت پر محمول ہے جبکہ فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جاتی تھی پھر یہ طریقہ منسوخ ہو گیا اس پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت دلالت کرتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے "نهی ان نصلی فریضة فی یوم مرتین" (لمعات ج ۳ ص ۱۳۸) امام طحاویؒ نے بھی اسی طرح رائے دی ہے کہ یہ عمل منسوخ ہو گیا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی آدمی کی نیت کا علم کسی کو نہیں ہوتا حضرت معاذؓ کے عمل میں یہ احتمال ہے کہ آپ نے حصول فضیلت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نفل کی نیت کی ہو اور پھر اپنی قوم کے ہاں فرض پڑھائی ہو تاکہ جماعت کی فضیلت بھی حاصل کر لے بلکہ احراز فضیلتین حاصل ہو جائے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ معاذ بن جبلؓ کا یہ عمل ان کی اپنی رائے اور ان کا اپنا اجتہاد تھا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر و توثیق نہیں تھی بلکہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرما دیا۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ عشاء کا اطلاق مغرب پر ہوتا ہے جس کو عشاء اولیٰ کہتے ہیں اور عشاء پر اس کا اطلاق عام ہے جس کو عشاء آخرۃ کہتے ہیں تو قوی احتمال ہے کہ یہاں مغرب کی نماز مراد ہو اور اس کا تذکرہ ترمذی ج ۱ ص ۵۷ پر بھی ملتا ہے۔

(۵) پانچواں جواب یہ کہ ان لوگوں کی دو شکایتیں تھیں، اول یہ کہ عشاء میں تاخیر ہوتی ہے، دوم یہ کہ قرأت میں طوالت ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو جواب دیئے، اول یہ کہ عشاء کی نماز دو جگہ مت پڑھو اور قوم کے ہاں نماز پڑھائی ہو تو تخفیف قرأت کرو تو ایک منہی عنہ فعل سے کیسے استدلال کیا جاتا ہے؟ باقی عمرو بن سلمہ کی حدیث کا بیان وہیں پر آئے گا، جہاں پر وہ حدیث آئے گی بہرحال حضرت معاذؓ کے واقعہ میں اور ان کے فعل میں کئی احتمالات ہیں، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

"اقراء والشمس وضحها" یعنی یہ سورت پڑھو وہ سورت پڑھو ان چھوٹی سورتوں میں سے لے کر پڑھا کرو تو اس سے مقصد یہ نہیں کہ پہلی رکعت میں سورت شمس پڑھو اور دوسری رکعت میں سورت اعلیٰ پڑھو، کیونکہ یہ اس طرح پڑھنا ترتیب مصحفی کے خلاف ہے کیونکہ سورت اعلیٰ پہلے ہے بلکہ حدیث میں واو مطلق جمع کے لیے ہے کہ ان سورتوں میں سے تخفیف کی غرض سے کوئی پڑھا کرو اور اگر مطلب یہ ہو کہ پہلی رکعت میں والشمس پڑھا کرو اور دوسری رکعت میں سورت اعلیٰ پڑھا کرو تو یہ بیان جواز کے لیے ہوگا کیونکہ مسنون طریقہ مصحفی کے مطابق پڑھنے کا ہے اور اس کے خلاف پڑھنا خلاف اولیٰ ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک سورت کی آیات میں تقدیم و تاخیر سے پڑھتا ہے تو یہ ناجائز ہے وجہ فرق یہ ہے کہ آیات کی ترتیب قطعی اور توقیفی ہے اور سورتوں کی ترتیب نزول کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجتہاد سے ہے نیز آیات میں تقدیم و تاخیر سے مضمون میں اور معانی میں فرق آتا ہے اور سورتوں میں ایسا نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے امت کو یہ تعلیم حاصل ہوگئی کہ امام کو چاہیے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی نمازوں میں ہر لحاظ سے خیال رکھا کرے تاکہ لوگ متنفر و منتشر نہ ہو جائیں۔

"اصحاب نواضح" یہ ناضح کی جمع ہے، ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن پر مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر لایا جاتا ہے یہ سخت مشقت کا کام ہوتا ہے۔

"افتان انت یا معاذ" فتان مبالغہ کا صیغہ ہے، کسی کو فتنے میں ڈالنے کے معنی میں ہے، مراد یہ ہے کہ لمبی نماز پڑھا کر تم لوگوں کو نماز سے متنفر کر کے فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو ایسا نہ کرو۔

۱۰۴۰۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ الْأَنْصَارِيُّ لِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ. فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ فَانْصَرَفَ رَجُلٌ مِنَّا. فَصَلَّى فَأُخْبِرَ مُعَاذٌ عَنْهُ فَقَالَ: إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ الرَّجُلَ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ مَا قَالَ مُعَاذٌ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتُرِيدُ أَنْ تَكُونَ فَتَّانًا يَا مُعَاذُ؟ إِذَا أَمَمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت معاذؓ بن جبل الانصاری نے اپنے ساتھیوں کو عشاء کی نماز پڑھائی تو نماز لمبی کر دی، ایک شخص ہم میں سے منہ پھیر کر چلا گیا اور تنہا نماز پڑھ لی۔ حضرت معاذؓ کو اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے فرمایا: "وہ تو منافق ہے۔" جب اس شخص کو اس بات کی اطلاع پہنچی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس گیا اور حضرت معاذؓ کی بات سے آپ کو باخبر کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: اے معاذ! کیا تم فتنہ پھیلانے والے ہونا چاہتے ہو۔ جب لوگوں کی امامت کرو تو والشمس وضحٰھا اور سبح اسم ربك الاعلیٰ، اور سورہ اقراء باسم ربك اور واللیل اذا یغشیٰ جیسی سورتیں پڑھا کرو۔

١٠٤١ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ، فَيُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ الصَّلَاةَ

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی قوم میں لوٹتے اور انہیں وہی نماز جماعت سے پڑھاتے۔

١٠٤٢ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، قَالَ أَبُو الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ يَأْتِي مَسْجِدَ قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمْ

حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے بعد ازاں اپنی قوم کی مسجد میں آتے اور ان کو نماز پڑھاتے (امامت کرتے)

باب امر الائمة بتخفيف الصلوٰة فی تمام

ائمہ کو تکمیل کے ساتھ نماز مختصر پڑھانے کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے

١٠٤٣ ـ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ، مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضِبَ فِي مَوْعِظَةٍ قَطُّ أَشَدَّ مِمَّا غَضِبَ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ أَمَّ النَّاسَ، فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِهِ الْكَبِيرَ، وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ

حضرت ابو مسعود الانصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: میں فجر کی نماز فلاں شخص کی وجہ سے نکال دیتا ہوں، کیوں کہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ ابو مسعودؓ فرماتے ہیں: میں نے اس روز سے زیادہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ ونصیحت میں غصہ فرماتے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ دین سے بیزار کرنے والے ہیں۔ تم میں سے جو بھی امامت کرے اسے چاہئے کہ مختصر نماز پڑھائے، کیونکہ تمہارے پیچھے (جماعت میں) بڑی عمر والے اور کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں (جنہیں نماز سے فارغ ہو کر کام سے جانا ہوتا ہے)۔

تشریح:

"منفرین" یعنی طویل نماز پڑھا کر لوگوں کو نماز سے متنفر کرنے والے ہو۔

"فلیوجز" یعنی امامت کی صورت میں نماز مختصر پڑھایا کرو۔ "الکبیر" اس سے بوڑھے لوگ مراد ہیں۔

"والضعیف" اس سے بیمار لوگ مراد ہیں، لیکن اگر اس کے ساتھ سقیم کا لفظ آجائے تو پھر اس سے بوڑھے لوگ مراد ہو سکتے ہیں، کچھ ترادف ہوگا یا تصرف روات ہے۔

"و ذوالحاجة" اس سے اصحاب حوائج اور مجبور لوگ مراد ہیں کہ کسی کو جلدی ہے اور گاڑی نکل رہی ہے، ایئر پورٹ پر جانا ہے، دکان و سامان بے جا پڑا ہے، دوسری روایت میں چھوٹے بچوں کا ذکر بھی ہے۔

"فلیطل ماشاء" یہ اگلی روایت کا جملہ ہے کہ اگر کوئی تنہا نماز پڑھتا ہے تو اس کی مرضی ہے کہ جس طرح نماز کو طویل کر کے پڑھنا چاہتا ہے پڑھ لے، لیکن اگر امام ہے تو اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے، مگر تعدیل ارکان میں تخفیف نہ کرے طول قرأت میں اعتدال سے کام لے۔

۱۰۴۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، وَوَكِيعٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِ حَدِيثِ هُشَيْمٍ

حضرت اسماعیل سے ہشیم کی روایت (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ دین سے بیزار کرنے والے ہیں تم میں سے جو بھی امامت کرے اس کو چاہئے کہ مختصر نماز پڑھائے ...... الخ) کی طرح حدیث منقول ہے۔

۱۰۴۵۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِزَامِيُّ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ، وَالْكَبِيرَ، وَالضَّعِيفَ، وَالْمَرِيضَ، فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کے فرائض انجام دے تو مختصر اور ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ تمہارے درمیان (مقتدیوں میں) چھوٹے بچے، بڑی عمر کے لوگ اور کمزور و مریض بھی ہوتے ہیں۔ (ان کی رعایت کر کے مختصر نماز پڑھانی چاہئے) البتہ جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو جس طرح دل چاہے نماز پڑھے"۔

١٠٤٦ـ حَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا .وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَا قَامَ أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفِ الصَّلَاةَ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ، وَفِيهِمُ الضَّعِيفَ، وَإِذَا قَامَ وَحْدَهُ فَلْيُطِلْ صَلَاتَهُ مَا شَاءَ

حضرت ہمامؒ بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو حضرت ابو ہریرہؓ نے ہم سے بیان کی ہیں پھر انہوں نے ان میں سے چند احادیث ذکر کیں اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ لوگوں میں بوڑھے اور کمزور بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے''

١٠٤٧ـ وَحَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِي النَّاسِ الضَّعِيفَ، وَالسَّقِيمَ وَذَا الْحَاجَةِ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی تم میں سے لوگوں کی امامت کروائے تو ذرا ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ لوگوں میں کمزور و بیمار اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں'' (جنہیں جلدی ہوتی ہے)

١٠٤٨ـ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: بَدَلَ السَّقِيمِ الْكَبِيرَ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (جو کوئی تم میں سے لوگوں کی امامت کروائے تو ذرا ہلکی نماز پڑھائے ......الخ) لیکن اس حدیث میں بیمار کے بجائے بوڑھے کا لفظ ہے، منقول ہے۔

١٠٤٩ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ طَلْحَةَ، حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيُّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: أُمَّ قَوْمَكَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا قَالَ: ادْنُهْ فَجَلَّسَنِي بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ فِي صَدْرِي بَيْنَ ثَدْيَيَّ .ثُمَّ قَالَ: تَحَوَّلْ فَوَضَعَهَا فِي ظَهْرِي بَيْنَ كَتِفَيَّ، ثُمَّ قَالَ: أُمَّ قَوْمَكَ .فَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ، وَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ، وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ، وَإِنَّ فِيهِمْ ذَا الْحَاجَةِ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ وَحْدَهُ، فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنی قوم کی امامت کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے نفس میں کچھ (ڈر یا کوئی اور) بات پاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: میرے قریب آؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے روبرو بٹھلایا، اپنا دست مبارک میرے سینے پر چھاتیوں کے درمیان رکھا اور فرمایا، پھر جاؤ (رخ تبدیل کرو) پھر اپنی ہتھیلی میرے کندھوں کے درمیان رکھی اور فرمایا: اپنی قوم کی امامت کیا کرو اور جو قوم کی امامت کرے اسے چاہئے کہ مختصر نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بزرگ، مریض، کمزور اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں، ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے نماز پڑھے (لمبی کرے یا مختصر)

تشریح:

"ام قومک" یعنی اپنی قوم میں جا کر امامت کے فرائض سنبھال لو۔

"انی اجد فی نفسی شیئا" یعنی مجھے امام بننے میں ریاکاری اور عجب کا خطرہ بھی ہے اور وسوسہ آنے کا خطرہ بھی ہے آنے والی روایت میں وسوسے آنے کا تذکرہ موجود ہے۔

"ادنه" اس میں ہاء سکتہ کے لیے ہے اور فجلسنی باب تفعیل سے بٹھانے کے معنی میں ہے۔

"فی صدری" یعنی آنحضرت نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر دبایا پھر پشت پر ہاتھ رکھ کر دبایا یہ قلب کا مقام تھا تاکہ دل میں قوت آجائے اور وسوسے ختم ہوجائیں، عجب اور گھبراہٹ دور ہوجائے، چنانچہ اس عمل کے بعد یہ صحابی ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور امام بنے رہے، یہ طریقہ آج کل بعض اہل تصوف اپنے مریدین کے ساتھ اختیار کرتے ہیں وہ بیعت کے وقت یا تجدید بیعت کے وقت اسی طرح کرتے ہیں۔

١٠٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: حَدَّثَ عُثْمَانُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ، قَالَ: آخِرُ مَا عَهِدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَمْتَ قَوْمًا، فَأَخِفَّ بِهِمُ الصَّلَاةَ

حضرت عثمانؓ ابن ابی العاص فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری بات مجھ سے کہی فرمایا: جب تم لوگوں کی امامت کرو تو نماز پڑھانے میں اختصار کیا کرو۔"

١٠٥١ - وَحَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، وَأَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوجِزُ فِي الصَّلَاةِ وَيُتِمُّ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختصر اور مکمل نماز پڑھاتے تھے۔

١٠٥٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، - قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا وَقَالَ قُتَيْبَةُ: - حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ أَخَفِّ النَّاسِ صَلَاةً فِي تَمَامٍ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز پڑھاتے تھے۔

۱۰۵۳۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ - قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرُونَ: - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً، وَلَا أَتَمَّ صَلَاةً مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مختصر اور مکمل ترین نماز پڑھاتا ہو۔

۱۰۵٤۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ أَنَسٌ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ مَعَ أُمِّهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ الْخَفِيفَةِ، أَوْ بِالسُّورَةِ الْقَصِيرَةِ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوران نماز کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے جو اپنی ماں کے ساتھ ہوتا (اور ماں جماعت میں شامل ہوتی) تو مختصر یا چھوٹی سورت تلاوت فرماتے۔

تشریح:

"او بالسورة القصيرة" یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طوال مفصل اور قصار مفصل کی کچھ تفصیل آجائے تا کہ طلبہ کے لیے اس کی پہچان میں آسانی ہو، چنانچہ قرآن کریم کی سورتوں میں سے چند اصلاحی نام ہیں۔سورت بقرہ، سورت آل عمران، سورت مائدہ، سورت انعام، سورت اعراف، اور سورت انفال و براءت یہ سات سورتیں "السبع الطول" کے نام سے مشہور ہیں بشرطیکہ انفال و توبہ ایک ہو۔اس کے بعد وہ سورتیں جو زیادہ آیات پر مشتمل ہیں، یہ سورتیں "مئین" کے نام سے مشہور ہیں، اس کے بعد وہ سورتیں جو مثانی کہلاتی ہیں، یہ سلسلہ سورت حجرات تک جاتا ہے، سورت حجرات سے سورت الناس تک تمام سورتوں کو مفصلات کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک دوسرے سے جلدی جلدی جدا ہوتی ہیں، ان مفصلات میں پھر تمام چھوٹی سورتوں کو تین درجوں میں تقسیم کرکے طوال، اوساط اور قصار کا نام دیا گیا ہے، مگر مفصل کا نام ساتھ لگا دیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ تقسیم "مفصلات" میں ہے، چنانچہ سورت حجرات سے سورت بروج تک طوال مفصل ہیں اور سورت بروج سے سورت بینہ تک اوساط مفصل ہیں اور سورت بینہ سے سورت والناس تک قصار مفصل کہلاتی ہیں، اس حدیث میں اسی تفصیل کی طرف اجمالی اشارہ ہے، تفصیل فقہاء نے کی ہے۔"والحمد لله علىٰ ذالك"

"من شدة وجد امه" وجد موجدة شدید غم اور قلبی اضطراب وتشویش کو کہتے ہیں، اس کے غم و حزن کا خیال کرکے آنحضرت نماز کو مختصر کیا کرتے تھے، لہٰذا ائمہ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔

۱۰۵۵۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ،

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَدْخُلُ الصَّلَاةَ أُرِيدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأُخَفِّفُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ بِهِ

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں جب نماز میں ہوتا ہوں تو اسے لمبا کرنا چاہتا ہوں، پھر کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو بہت تکلیف ہوگی۔

باب اعتدال ارکان الصلوٰۃ و تخفیفها فی تمام

اعتدال ارکان کے ساتھ مختصر نماز پڑھانے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۵۶۔ وحَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ، وَأَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، قَالَ حَامِدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: رَمَقْتُ الصَّلَاةَ مَعَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُ قِيَامَهُ فَرَكْعَتَهُ، فَاعْتِدَالَهُ بَعْدَ رُكُوعِهِ، فَسَجْدَتَهُ، فَجَلْسَتَهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، فَسَجْدَتَهُ، فَجَلْسَتَهُ مَا بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالِانْصِرَافِ، قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ لگایا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام، رکوع، رکوع کے بعد سیدھا ہونے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور دوسرے سجدہ، قعدہ اور سلام پھیرنے کو تقریباً برابر پایا۔ (وقت کے اعتبار سے یعنی ہر رکن کو اعتدال اور پورے اطمینان سے ادا کرتے تھے)

تشریح:

''رمقت الصلوٰۃ'' یعنی میں نے آنحضرت کے ساتھ نماز کو خوب غور سے دیکھا۔

''فوجدت'' یہ فعل اور فاعل دونوں ساتھ ساتھ ہیں، آگے جتنے کلمات آرہے ہیں وہ سب منصوب ہیں کیونکہ سب مفعول بہ کی جگہ واقع ہیں، مثلاً: قیامه فرکعته فسجدته فجلسته الخ

شارحین لکھتے ہیں کہ فرکعته سے رکوع مراد ہے، رکعت نہیں۔

''اقریبا من السواء'' یعنی یہ تمام ارکان تقریباً تقریباً برابر ہوتے تھے، اس پر اعتراض ہے کہ قیام اور سجدہ و رکوع تو برابر نہیں ہو سکتے ہیں، قیام میں تو کافی وقت لگتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام روایتوں میں قیام اور قعدہ میں قعود کو ''ماخلاء القیام والقعود'' کے الفاظ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ امر تقریبی ہے، بالکل بتانا نہیں ہے ویسے کبھی کبھی نوافل میں آپ کا سجدہ اور رکوع اتنا طویل ہوتا تھا کہ وہ قیام کے برابر ہو جاتا تھا۔

۱۰۵۷۔ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: غَلَبَ عَلَى الْكُوفَةِ رَجُلٌ - قَدْ سَمَّاهُ - زَمَنَ ابْنِ الْأَشْعَثِ، فَأَمَرَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَكَانَ يُصَلِّي، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ قَدْرَ مَا أَقُولُ: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ .قَالَ الْحَكَمُ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى فَقَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ: كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُكُوعُهُ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَسُجُودُهُ، وَمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ قَالَ شُعْبَةُ: فَذَكَرْتُهُ لِعَمْرِو بْنِ مُرَّةَ فَقَالَ: قَدْ رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى، فَلَمْ تَكُنْ صَلَاتُهُ هٰكَذَا.

حکم کہتے ہیں کہ ابن اشعث (محمد بن الاشعث جس نے حضرت مسلمؒ بن عقیل کا محاصرہ کیا تھا) کے زمانہ میں ایک شخص کوفہ پر غالب آگیا جس کا نام حکم نے لیا تھا (لیکن راوی کو یاد نہیں اور فی الحقیقت اس کا نام مطر بن ناجیہ تھا)۔ اس نے ابوعبیدہ بن عبید اللہ کو امامت کا حکم دیا، چنانچہ وہ نماز پڑھایا کرتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر کھڑے ہوتے کہ میں یہ دعا پڑھ لیتا تھا۔ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ حکم کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کا تذکرہ حضرت عبدالرحمانؒ بن ابی لیلیٰ سے کیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد قومہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجود اور سجدوں کے درمیان جلسہ (یہ سب کے سب اپنے وقت کے اعتبار سے) برابر تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں عمرو بن مرہ سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا: میں نے ابن ابی لیلیٰ کو دیکھا تو ان کی نماز تو اس بیان کردہ طریقہ کے مطابق نہ تھی (ان کا عمل اس حدیث کے موافق نہ تھا)۔

تشریح:

''رجل'' کوفہ پر ایک آدمی کو غلبہ حاصل ہوگیا اور وہ وہاں کا امیر بن گیا، آنے والی روایت میں اس شخص کا نام مطر بن ناجیہ مذکور ہے۔

''زمن الاشعث'' شاید یہ اس زمانے کی طرف اشارہ ہو جب محمد بن اشعث نے حضرت حسینؓ کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کا محاصرہ کر رکھا تھا، پھر ان کو پکڑ کر عبید اللہ بن زیاد کے حوالے کر دیا، اس نے انہیں شہید کرا دیا۔

''امر ابا عبیدۃ'' اس سے ابوعبیدہ بن الجراح صحابیؓ مراد نہیں ہیں، بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیٹے ابوعبیدہ تابعی مراد ہیں۔

''من شئ بعد'' یعنی زمین و آسمان کے علاوہ بھی جو آپ چاہیں اس کے بھرنے کے برابر حمد و ثناء تیرے لیے ہے۔

"اهل الثناء" یہ حرف ندا سے منصوب ہے یا احمد یا امدح کا فعل محذوف ہے۔

"منک" یہ مقابلہ کے معنی میں ہے۔

"الجد" یہ "لا ینفع" کا فاعل ہے اور ذالجد مالدار کے معنی میں مفعول بہ واقع ہے۔

"فلم تکن صلوته هکذا" یعنی ابن ابی لیلیٰ کی نماز اس کی روایت کردہ حدیث کے موافق نہیں تھی۔

۱۰۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ أَنَّ مَطَرَ بْنَ نَاجِيَةَ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى الْكُوفَةِ، أَمَرَ أَبَا عُبَيْدَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ

حضرت حکم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب مطر بن ناجیہ کوفہ پر غالب ہوا تو اس نے حضرت ابوعبیدہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر بقیہ حدیث حسب سابق بیان کی۔

۱۰۵۹۔ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: " إِنِّي لَا آلُو أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا، قَالَ: فَكَانَ أَنَسٌ يَصْنَعُ شَيْئًا لَا أَرَاكُمْ تَصْنَعُونَهُ، كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ انْتَصَبَ قَائِمًا، حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ مَكَثَ، حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ "

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، جس طریقہ سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ہمیں نماز پڑھاتے۔ ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ ایک کام کرتے تھے (اپنی نماز میں) میں تمہیں وہ کام کرتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ وہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر کھڑے رہتے کہ کہنے والا یہ کہہ دیتا کہ شاید وہ بھول گئے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر ٹھہرتے کہ کہنے والا کہہ بیٹھتا کہ شاید بھول گئے ہیں۔

۱۰۶۰۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مَا صَلَّيْتُ خَلْفَ أَحَدٍ أَوْجَزَ صَلَاةً مِنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَمَامٍ، كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَقَارِبَةً، وَكَانَتْ صَلَاةُ أَبِي بَكْرٍ مُتَقَارِبَةً، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَدَّ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ، حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ، ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے پیچھے اتنی مختصر اور مکمل ترین نماز نہیں پڑھی جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قریب قریب ہوتی تھی (کہ ایک رکن دوسرے رکن کے برابر ہوتا تھا وقت کے اعتبار سے) جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز بھی قریب قریب تھی۔ پھر جب حضرت عمرؓ کا

زمانہ آیا تو انہوں نے فجر کی نماز کو لمبا کر دیا۔اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر کھڑے ہوتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ ہم کہنے لگے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہم ہو گیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے) پھر آپ سجدہ فرماتے تو دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر جلسہ کرتے کہ ہم کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں۔

تشریح:

"فی تمام" یعنی اعتدال ارکان میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی، ارکان مکمل ہوتے تھے البتہ قرأت میں اختصار ہوتا تھا اسی طرح سلسلہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں چلتا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے فجر کی نماز میں قرأت میں خوب اضافہ کر دیا ہاں آنحضرتؐ رکوع وسجدہ میں بہت وقت لیتے تھے یہاں تک کہ صحابہؓ سوچنے لگتے کہ کہیں نبی مکرم اس رکن کو بھول تو نہیں گئے کہ اس سے آگے بڑھتے ہی نہیں، اوپر روایت میں "لا آلو" کا لفظ ہے یہ کوتاہی کے معنی میں ہے، یعنی میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

"تصنعونہ" یعنی حضرت انسؓ کے عمل پر تم نہیں چلتے وہ تو اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ رکوع وسجدہ میں ٹھہر کر لوگ سمجھتے تھے کہ آگے بڑھنے سے بھول گئے۔

باب متابعة الامام و العمل بعده

امام کی متابعت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۶۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ أَرَ أَحَدًا يَحْنِي ظَهْرَهُ، حَتَّى يَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ يَخِرُّ مَنْ وَرَاءَهُ سُجَّدًا

حضرت عبداللہؓ بن یزید کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ جھوٹے نہ تھے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے ہوتے تو میں کسی کو نہ دیکھتا کہ اپنی پیٹھ جھکائے ہوئے ہو (سجدے میں جانے کیلئے بے تاب ہو کر بلکہ سب پورے اطمینان سے کھڑے رہتے) یہاں تک کہ حضور علیہ السلام اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے اس کے بعد سب کے سب آپ کے پیچھے سجدہ میں چلے جاتے تھے۔

تشریح:

"وھو غیر کذوب" یہ تزکیہ حضرت براء بن عازبؓ کے لیے نہیں ہے، وہ صحابی ہیں اور صحابی کا اس طرح تزکیہ کرنا مناسب

نہیں ہے، کیونکہ الصحابۃ کلھم عدول کے درجے میں ہیں، یہ تزکیہ عبداللہ بن یزید کے بارے میں ہے۔
"والعمل بعدہ" یہ الفاظ اوپر عنوان میں مذکور ہیں، علامہ نوویؒ نے اس کو خوامخواہ اضافہ کردیا ہے، اس کی ضرورت نہیں تھی، صرف اپنے شافعی مسلک کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام کے ساتھ مقارنت کے بجائے موافقت کرنا چاہیے یعنی امام جب اپنے فعل وعمل سے فارغ ہوجائے تب مقتدی عمل شروع کرے جیسا کہ اختلافی مسئلہ ابھی ابھی آرہا ہے۔
"لم یحن" حنا یحنو جھکنے اور ٹیڑھا ہونے کے معنی میں ہے، یہ لفظ باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے، مراد یہ ہے کہ ہم جب رکوع سے واپس قومہ میں جاتے تو کھڑے رہتے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر سجدہ نہ کرتے ہم ٹیڑھے نہ ہوتے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سجدہ میں مسابقت لازم نہ آجائے۔
اب یہاں فقہی مسئلہ اس طرح ہے کہ امام سے مسابقت تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے، بلکہ متابعت ہی کرنا چاہیے، پھر متابعت کی دو صورتیں ہیں، اول مقارنت، دوم موافقت۔ مقارنت وہ ہوتی ہے کہ امام کے افعال کے ساتھ متصلاً مقتدی کا فعل شروع ہوجائے اور موافقت وہ ہوتی ہے کہ امام کے افعال کے کچھ دیر بعد مقتدی کا فعل شروع ہوجائے۔ اب اس میں فقہاء کے ہاں افضلیت میں اختلاف ہے کہ مقارنت افضل ہے یا موافقت افضل ہے۔ احناف کے ہاں مقارنت افضل ہے صرف تکبیر تحریمہ میں موافقت افضل ہے یعنی تکبیر تحریمہ میں امام کے بعد تکبیر پڑھے۔ شوافع کے ہاں تانّی و تاخر افضل ہے کہ امام کے فعل کی انتہاء پر مقتدی کے فعل کی ابتداء ہو۔ مذکورہ حدیث شوافع کی دلیل ہے۔ علامہ نوویؒ نے عنوان میں "والعمل بعدہ" کے الفاظ اسی اپنے مسلک کے لیے بڑھادیئے ہیں کہ مقتدی کا عمل امام کے بعد ہونا چاہیے، اس اشارہ کی ضرورت نہیں تھی۔
احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں مسابقت سے ممانعت آئی ہے، اصل مقصد یہ ہے کہ مسابقت نہ آجائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم بھاری ہوگیا اور عمر زیادہ ہوگئی تو اس وقت مسابقت کا خطرہ بڑھ گیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسابقت نہ کرو جب تک میں سجدہ میں نہ جاؤں تم ذرا بھی ٹیڑھے نہ ہو، چنانچہ صحابہ نہیں جھکتے تھے، اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک حضور اکرم سجدہ میں نہیں پہنچتے کسی صحابی کو حرکت کرنے کا حق حاصل نہیں تھا، ایسا نہیں تھا بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم چونکہ تیز حرکت نہیں کرسکتے تھے تو تم انتظار کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم حضور سے آگے نکل جاؤ، اسی لیے فرمایا "لم یحن" یعنی کوئی ٹیڑھا ہی نہیں ہوتا تھا۔

۱۰۶۲۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ، حَتَّى يَقَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ

عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا اور وہ جھوٹے نہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو ہم میں سے کوئی نہیں جھکتا تھا جب

تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں نہ جاتے پھر ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سجدے میں جاتے۔

۱۰۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْمٍ الْأَنْطَاكِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ، يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ، حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ: أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا رَكَعَ رَكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ نَزَلْ قِيَامًا، حَتَّى نَرَاهُ قَدْ وَضَعَ وَجْهَهُ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ نَتَّبِعُهُ

حضرت عبداللہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے منبر پر بیٹھ کر کہا کہ مجھ سے حضرت براءؓ نے بیان کیا کہ وہ (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے تو سب رکوع کرتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے اور سمع الله لمن حمده کہتے تو ہم کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی زمین پر رکھ دی ہے پھر ہم بھی پیچھے پیچھے سجدہ میں جاتے۔

۱۰۶۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، وَغَيْرُهُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْنُو أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ، حَتَّى نَرَاهُ قَدْ سَجَدَ فَقَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْكُوفِيُّونَ: أَبَانُ وَغَيْرُهُ قَالَ حَتَّى نَرَاهُ يَسْجُدُ

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے نماز میں۔ اور ہم میں سے کوئی اپنی پشت نہ جھکاتا تھا یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کرلیا ہے۔

۱۰۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحْرِزُ بْنُ عَوْنِ بْنِ أَبِي عَوْنٍ، حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ الْأَشْجَعِيُّ أَبُو أَحْمَدَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ سَرِيعٍ، مَوْلَى آلِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، قَالَ: " صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ فَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ وَكَانَ لَا يَحْنِي رَجُلٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَسْتَتِمَّ سَاجِدًا "

حضرت عمروؓ بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الشمس کی آیت فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ پڑھتے سنا اور ہم میں سے کوئی اپنی پشت جھکاتا نہیں تھا جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح سجدہ میں نہ چلے جاتے تھے۔

باب ما يقول اذا رفع رأسه من الركوع

نمازی جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا پڑھے؟

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۶۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنِ

ابْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ، وَمِلْءُ الْأَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔

حضرت ابن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ، وَمِلْءُ الْأَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ

تشریح:

"ملء السموات" یعنی زمین و آسمان جس تعریف سے بھر جائیں وہ تیرے لیے ہو اور اس کے بعد جس چیز کے بھرنے کی مقدار تو چاہے وہ تعریف بھی تیرے لیے ہو یعنی تیرے علم میں زمین و آسمان کے علاوہ اگر کوئی بڑا کرہ ہو تو اس کے بھر جانے کی مقدار تعریف بھی تیرے لیے ہے، جیسے عرش عظیم، کرسی اور ما تحت الثراء وغیرہ بڑے وسیع کرے ہیں۔

۱۰۶۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ الْحَسَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَدْعُو بِهٰذَا الدُّعَاءِ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ، وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ، وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔

۱۰۶۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَجْزَأَةَ بْنِ زَاهِرٍ، قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمَاءِ، وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اللّٰهُمَّ طَهِّرْنِي بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَالْمَاءِ الْبَارِدِ اللّٰهُمَّ طَهِّرْنِي مِنَ الذُّنُوبِ وَالْخَطَايَا، كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْوَسَخِ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! اے ہمارے رب! تمام تعریفیں آپ کیلئے ہیں تمام آسمان بھر کر اور زمین بھر کر اور اس کے بعد جو بھی چیز آپ چاہیں وہ بھر کر۔ اے اللہ! مجھے برف، اولے اور ٹھنڈے پانی سے پاک کر دیجئے، اے اللہ! مجھے گناہوں اور خطاؤں سے ایسا پاک کر دیجئے جیسے سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے۔"

تشریح:

"بالثلج" برف کا پانی مراد ہے۔ "والبرد" اولوں کا پانی مراد ہے، گویا ہر قسم کے پانی سے پاک کرنے کی دعا مانگی جا رہی ہے، لہٰذا ممکنہ تمام پانیوں کا نام لیا گیا ہے۔ "ینقی" یہ تنقیہ سے ہے، پاک کرنے کے معنی میں ہے۔

"الوسخ" میل کچیل کو کہتے ہیں، اگلی روایت میں "الدنس" کا لفظ ہے پھر "الدرن" کا لفظ ہے، سب کا معنی ایک ہی میل و

کچیل ہے۔

۱۰۶۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي ح قَالَ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ فِي رِوَايَةِ مُعَاذٍ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّرَنِ وَفِي رِوَايَةِ يَزِيدَ مِنَ الدَّنَسِ

اس سند کے ساتھ سابقہ روایت (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ تمام تعریفیں آپ کیلئے ہیں آسمان وزمین بھر کر) کچھ الفاظ کے تغیر وتبدل کے ساتھ منقول ہے۔

۱۰۷۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ: " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ، وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ: اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ "

حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے ربنا لک الحمد الخ (اخیر کی عبارت کا ترجمہ ہے) بندہ نے جو تعریف کی آپ ہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اور ہم سب آپ کے بندے ہیں۔اے اللہ! جسے آپ دیں اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے آپ روک دیں اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش آپ کے سامنے کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

تشریح:

"اهل الثناء و المجد" یعنی اے تعریفوں والے اللہ! اور اے بزرگیوں والے اللہ! اس صورت میں لفظ اللہ منصوب ہوگا اور یا حرف ندا محذوف ہوگی، شارحین اس کو راجح کہتے ہیں، دوسری صورت یہ کہ اهل الثناء مرفوع ہے اور خبر واقع ہے مبتدا محذوف ہے جو کہ لفظ انت ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل محذوف کی وجہ سے یہ لفظ منصوب ہے، ای امدح و احمد اهل الثناء۔ پہلی صورت راجح ہے۔

"احق ما قال العبد" یعنی بندے نے جو کچھ کہا ہے اس میں سب سے لائق اور برحق بات یہ ہے کہ اللهم لا مانع الخ کا کلمہ کہہ دے۔

"و كلنا لک عبد" یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

"الجد" اس کا ایک معنی دادا کا ہے جو کہ یہاں صحیح نہیں ہے، دوسرا معنی محنت کا ہے جو اگرچہ صحیح ہے مگر واضح نہیں ہے، تیسرا معنی مال کا ہے جو مناسب ترجمہ ہے، کیونکہ "ذالجد" سے مراد مالدار آدمی ہوا اور "منك" میں "من" مقابلے کے معنی میں ہے تو ترجمہ یہ ہوا کہ تیرے مقابلے میں کسی مالدار کی مالداری اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے، صرف تیرا فضل وکرم ہی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

۱۰۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، قَالَ: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

۱۰۷۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا حَفْصٌ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَوْلِهِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَلَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت میں مِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ تک دعا نقل کرتے ہیں اس کے بعد کا حصہ ذکر نہیں کرتے۔

باب النهي عن قرأة القرآن في الركوع و السجود

سجدہ اور رکوع میں قرآن پڑھنے کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۷۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ سُحَيْمٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَشَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّتَارَةَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الْمُسْلِمُ، أَوْ تُرَى لَهُ، أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ قَالَ أَبُو بَكْرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُلَيْمَانَ،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے مرض الموت میں) پردہ ہٹایا حجرہ مبارک کا اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صف باندھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لوگو! نبوت کے مبشرات میں سے سوائے نیک اور اچھے خوابوں کے کچھ نہیں رہا وہ خواب جو مسلمان دیکھتا ہے اسے دکھائے جاتے ہیں۔ سنو! مجھے رکوع وسجدہ کی حالت میں قرأت قرآن سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع کی حالت میں تو اپنے رب کی عظمت و بزرگی بیان کرو اور سجدہ کی حالت میں دعا کوشش کیا کرو تو مناسب اور مستحق ہے (سجدہ کی دعا) کہ اسے قبول کیا جائے۔

تشریح:

"الستارة" گھر کے دروازے پر جو پردہ پڑا تھا مرض وفات میں آپ نے ایک دن اس کو اٹھا کر صحابہ کو دیکھا۔

"انی نهیت" بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نہی تحریمی ہے، قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ نہی تحریمی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی حالتوں کے لیے الگ الگ وظیفہ مقرر فرمایا ہے، چنانچہ نماز میں قیام سب سے اچھی حالت ہے، اس لیے اس میں قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ قرآن تمام اذکار میں سب سے اعلیٰ ذکر ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس منشا کے خلاف کرنا یا حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے، علامہ عثمانیؒ نے اکثر شارحین کے اقوال نقل کیے ہیں، خلاصہ یہ کہ قرآن کی اعلیٰ شان یہ ہے کہ انسان اس کو اعلیٰ شان اور اعلیٰ حالت میں پڑھے اور وہ حالت قیام وقعود ہے، رکوع سجدہ انتہائی عاجزی کی کیفیت ہے، اس لیے حدیث میں اس حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے رکوع وسجود کی حالت کے لیے اذکار مقرر فرمائے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے، لہٰذا رکوع میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں دعا مانگا کرو، تعظیم تو سبحان ربی العظیم ہے اور سجدہ میں جو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم تو یہ ہے کہ اللہ سے بذریعہ الفاظ اپنے مطلب کی دعا مانگی جائے، دعا کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور عظمت بیان کی جائے، یہ بھی درحقیقت دعا ہے کیونکہ سخی اور عظمت والے آدمی کی تعریف کرنے سے وہ عطا یا دیا کرتا ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں اور پھر افاضۂ خیر کرتے ہیں تو اس حمد کے ضمن میں حصول مقصود کے لیے بہترین انداز کی دعا ہے، چنانچہ ایک حدیث اس کی تشریح کرتی ہے فرمایا: "افضل الذکر لا اله الا الله و افضل الدعا الحمدلله" سجدہ دونوں قسم کی دعاؤں پر مشتمل ہے معلوم ہوا کہ احناف نے نماز میں صریحاً دعا مانگنے کے بجائے جو ذکر اللہ کو راجح قرار دیا ہے وہ خود دعا ہے، بعض احناف فرماتے ہیں کہ نوافل میں سجدہ میں خوب دعا مانگنی چاہیے لیکن فرائض میں صرف تسبیحات پر اکتفا کرنا چاہیے۔ (لمعات مختصراً)

"فقمن" قاف پر فتحہ ہے اور میم پر کسرہ ہے، یہ لائق اور مناسب کے معنی میں ہے۔ قمن واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے، لائق، قریب، سزاوار، مناسب و مستحق کے معنی میں آتا ہے۔

"لم یبق من مبشرات النبوة" ایک روایت میں "لم یبق بعدی" کے الفاظ آئے ہیں، ایک روایت میں ہے "ذهبت النبوة و بقیت المبشرات" (رواہ احمد) ان احادیث میں مبشرات کی وضاحت اور تفصیل اچھے خوابوں کو بتایا ہے تو بطور بشارت اور تسلی اب غیبی نظام کے صرف خواب رہ گئے ہیں، نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا، مرزا غلام قادیانی ملعون اور اس کے حواری کہتے ہیں کہ دیکھو نبوت کے اجزاء جب باقی ہیں تو نبوت بھی باقی اور جاری ہے، یہ مبشرات خود نبوت ہے، جو جاری ہے، اس لیے اس سیلاب میں غلام قادیانی نبی بن کر آ گیا ہے، اس فضول مفروضے کا جواب دینا بے کار ہے، ہم اتنا کہیں گے کہ ایک کل ہوتا ہے ایک جز ہوتا ہے، جز پر کل کا حکم لگانا ایسا ہے کہ ایک آدمی اذان کا ایک کلمہ "اشهد ان لا اله الا الله" زور سے پڑھتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ اذان ہے، حالانکہ یہ اذان نہیں ہے، جز اذان ہے، اسی طرح ایک آدمی نے کھڑے کھڑے نماز میں ایک رکعت

پڑھ لی اور قرآن کی ایک آیت پڑھ لی اور پھر کہا کہ میں نے نماز پڑھ لی اور قرآن پڑھ لیا، حالانکہ اس نے نماز اور قرآن کا ایک جزء پڑھ لیا ہے، اس کو کوئی نہیں کہے گا کہ اس نے نماز پڑھ لی یا قرآن پڑھ لیا۔ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے کہ خواب نبوت کی بشارتوں کی طرح ایک بشارت وتسلی ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

"او تری له" یعنی یا خود خواب دیکھے یا کوئی دوسرا اس سے متعلق خواب دیکھے۔

"ثم ذکر بمثل حدیث سفیان" امام مسلمؒ نے یہاں اس سند میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے، وہ اس طرح کہ امام مسلمؒ کے تین اساتذہ جو اس سند کی ابتدا میں ہیں تینوں نے اس روایت کو سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے، سفیان بن عیینہ چونکہ مدلس ہیں اور انہوں نے اس سند میں "اخبرنی سلیمان" کہا ہے، اس پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس روایت میں اپنے دوساتھیوں سے مختلف روایت نقل کی ہے جو عنعنہ کے ساتھ تھی، امام مسلمؒ نے سفیان بن عیینہ کے عنعنہ کو واضح کرنے کے لیے یہ ٹکڑا نقل کیا کہ ابوبکر بن ابی شیبہ نے سفیان بن عیینہ کی روایت کو عنعنہ کے ساتھ نقل کیا ہے جو اس نے سلیمان سے لیا ہے گویا عنعنہ کی تصریح کرنا چاہتے ہیں۔

"ورأسه معصوب" یہ ساتھ والی روایت میں ہے، معصوب عصابۃ سے ہے، مریض جب اپنے سر کو درد وغیرہ کی وجہ سے کسی کپڑے سے مضبوط باندھ لیتا ہے، اس کو عصابہ اور معصوب کہتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کو کپڑے سے لپیٹ رکھا تھا۔

١٠٧٤ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ سُحَيْمٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ كَشَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّتْرَ وَرَأْسُهُ مَعْصُوبٌ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا يَرَاهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوْ تُرَى لَهُ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ سُفْيَانَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں پردہ ہٹایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک پٹی سے بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ پھر ارشاد فرمایا: نبوت کے مبشرات میں سے سوائے اچھے خوابوں کے جسے نیک بندہ دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے کچھ باقی نہیں رہا۔ پھر بقیہ حدیث سفیان کی سابقہ روایت کی طرح بیان کی ہے۔

١٠٧٥ـ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ حُنَيْنٍ، أَنَّ أَبَاهُ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: نَهَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رکوع یا سجدہ میں قرآن کریم پڑھنے سے منع کیا تھا۔

۱۰۷۶ ـ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، يَقُولُ: نَهَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَأَنَا رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع یا سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۰۷۷ ـ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَلَا أَقُولُ نَهَاكُمْ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود کی حالت میں قرآن کریم پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور میں نہیں کہتا کہ تمہیں منع کیا تھا۔

تشریح:

"ولا اقول نہاکم" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روکا ہے، صیغہ کا تعلق میری ذات سے ہے، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے تم کو روکا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا مقصد یہ ہے کہ میں نے آنحضرت سے جو لفظ سنا ہے اس میں صرف مجھے خطاب ہے میں اس کو نقل کرتا ہوں اگر چہ یہ حکم عام انسانوں کے لیے بھی ہے، لیکن "انھاکم" کے الفاظ کو میں نقل نہیں کروں گا۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں جو عموم خطاب کے قائل نہیں، بلکہ خصوص لفظ کی وجہ سے حکم کو خاص کرتے ہیں، بعض اہل اصول اسی کے قائل ہیں، لیکن دیگر علماء عموم خطاب کے قائل ہیں، خصوص الفاظ کے قائل نہیں ہیں کیونکہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے عموم خطاب ہی مراد لیا جاتا رہا ہے، گویا یہ اجماعی مسئلہ ہے اس کے لیے یہ اصطلاحی لفظ ہے "العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص المعنی"

۱۰۷۸ ـ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: نَهَانِي حِبِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ أَقْرَأَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ میں رکوع یا سجدہ کرتے ہوئے قرأت کروں۔

۱۰۷۹ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ ح، وَحَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، ح وَحَدَّثَنِي

هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ، وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدٌ وَهُوَ ابْنُ عَمْرٍو، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ كُلُّ هَؤُلَاءِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ، إِلَّا الضَّحَّاكَ، وَابْنَ عَجْلَانَ، فَإِنَّهُمَا زَادَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ قَالُوا: " نَهَانِي عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، وَأَنَا رَاكِعٌ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِي رِوَايَتِهِمُ النَّهْيَ عَنْهَا فِي السُّجُودِ كَمَا ذَكَرَ الزُّهْرِيُّ، وَزَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، وَالْوَلِيدُ بْنُ كَثِيرٍ، وَدَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ،

ان اسناد کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رکوع کی حالت میں قرآن کریم پڑھنے سے منع کیا ہے اور ان تمام راویوں نے سجدہ کی ممانعت نہیں بیان کی جیسا کہ زہری، زید اسلم ولید بن کثیر اور داؤد بن قیس کی روایتوں میں موجود ہے۔

۱۰۸۰۔ وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ، عَنْ حَاتِمِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ عَلِيٍّ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي السُّجُودِ

اس سند سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت میں بھی سجدہ کا ذکر موجود نہیں۔

۱۰۸۱۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ وَأَنَا رَاكِعٌ لَا يَذْكُرُ فِي الْإِسْنَادِ عَلِيًّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رکوع کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔اور اس سند میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ نہیں ہے۔

باب ما يقال فی الرکوع و السجود

رکوع اور سجدہ میں کیا پڑھا جائے؟

اس باب میں امام مسلمؒ نے دس احادیث کو بیان کیا ہے

۱۰۸۲۔ وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ، وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا (حالت سجدہ میں) دعا کی کثرت کیا کرو۔''

تشریح:

"اقرب مایکون العبد" یعنی بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ میں آدمی اپنی ذات کے اعتبار سے انتہائی عاجزی کے مقام پر ہوتا ہے، وہ اپنے رب کے سامنے ناک رگڑتا ہے اور پیشانی کو زمین پر چپکا کر چہرے کو جھکاتا ہے بلکہ تمام اعضاء کو خاک میں ملا کر رکھ دیتا ہے، عارفین نے کہا ہے کہ جب آدمی سجدے میں گرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حوض میں غوطہ لگاتا ہے اور گویا اللہ تعالیٰ کے قدموں میں سر رکھتا ہے، اس حدیث سے یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ آیا طول سجود افضل ہے یا طول قیام افضل ہے۔ علامہ نوویؒ کی تشریح کے مطابق یہاں تین مذاہب ہیں، پہلا مذہب یہ ہے کہ تطویل سجود اور کثرت سجود ورکوع طول قیام سے افضل ہے، امام ترمذیؒ نے اسی کو ایک جماعت کا مؤقف کہا ہے اور حضرت ابن عمر کا یہی مسلک ہے، دوسرا مذہب امام شافعیؒ اور ایک جماعت اور امام ابوحنیفہ کا ہے کہ طول قیام افضل ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے "افضل الصلوٰۃ طول القنوت" (رواہ مسلم)

تیسرا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں برابر ہیں، اس میں توقف بہتر ہے، یہ امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے، اگرچہ اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ رات کی نمازوں میں تطویل قیام افضل ہے اور دن کی نمازوں میں کثرت سجود ورکوع افضل ہے۔

بہرحال امام نوویؒ نے اس طرح لکھا ہے لیکن عام کتابوں میں امام شافعی کا مسلک احناف کے مقابل لکھا ہے کہ تطویل سجود تطویل قیام سے افضل ہے۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں صرف اتنا ہے کہ بندہ سجدے میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے، اس سے تطویل قیام اور تطویل سجدہ کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایک خادم بادشاہ کا زیادہ قریب ہوتا ہے مگر ایک وزیر اس سے افضل ہوتا ہے حالانکہ وہ قریب نہیں ہے، اگلی روایت میں "دقہ وجلہ" کے الفاظ آئے ہیں ای قلیلہ و کثیرہ و صغیرہ و کبیرہ دونوں معنی شارحین نے بیان کیے ہیں یعنی چھوٹے بڑے اور تھوڑے زیادہ گناہ سب معاف فرمادے۔

"فاکثروا الدعاء" اس باب کی حدیثوں میں مختلف ادعیہ کا ذکر ہے جو سجدے میں پڑھی گئی ہیں لہٰذا تسبیحات کے ساتھ ان دعاؤں کے پڑھنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، سنن کی کتابوں میں رکوع کی تسبیحات اس طرح ہیں کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھا جائے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جائے، پھر اس کا ادنیٰ درجہ تین بار پڑھنا ہے پھر طاق مرتبہ نو تک آدمی پڑھ سکتا ہے اور یہ مستحب ہے، مگر امام کے لیے زیادہ پڑھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ مقتدیوں کو پریشانی ہوسکتی ہے، البتہ تین بار سے کم پڑھنا مکروہ ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک سجدہ ورکوع میں تسبیحات پڑھنا سنت ہے۔

۱۰۸۳۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: فِي سُجُودِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ، وَجِلَّهُ، وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ کلمات کہا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ، وَجِلَّهُ، وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ یعنی اے اللہ! تمام گناہوں کو خواہ کم ہوں یا زیادہ، اولین

ہوں یا آخری گناہ ہوں، کھلے عام کئے ہوں یا چھپ کر، سب کو معاف فرما دے۔''

۱۰۸۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَ سُجُودِهِ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں ان کلمات کو اکثر پڑھتے تھے: اے اللہ آپ ہر عیب وشرک سے پاک ہیں ہمارے رب ہیں، تعریف کے لائق آپ ہی ہیں، اے اللہ میری مغفرت فرما اور یہ قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے تسبیح فرمایا کرتے تھے۔ (کیونکہ قرآن میں آپ کو تسبیح کا حکم دیا گیا ہے)

تشریح:

"یتأول القرآن" یعنی قرآن کریم کے ایک مطلب اور معنی کو سمجھانے کی غرض سے اور اس پر عمل کرنے کے مقصد سے زیادہ توبہ و استغفار کرتے تھے، قرآن سے مراد بعض قرآن ہے، وہ سورت نصر ہے اور سورت نصر میں خاص کر "فسبح بحمد ربك و استغفر" کے الفاظ ہیں گویا یہ آیت آنحضرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دے رہی ہے کہ اس طرح پڑھا کریں۔

۱۰۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ: سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاكَ أَحْدَثْتَهَا تَقُولُهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ إِلَى آخِرِ السُّورَةِ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے قبل کثرت سے یہ کلمات کہتے تھے: سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیسے نئے کلمات ہیں جنہیں میں آپ کو کہتے دیکھتی ہوں؟ فرمایا میرے لئے میری امت میں ایک علامت مقرر کردی ہے۔ جب میں اس علامت کو دیکھتا ہوں تو یہ کلمات کہتا ہوں اور وہ علامت ہے: سورة الفتح اذا جاء نصر الله و الفتح

تشریح:

"علامة فی امتی" یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت میں میری زندگی کی ایک علامت رکھ دی ہے جب میں اس کو دیکھتا ہوں تو توبہ واستغفار کثرت سے کرتا ہوں، وہ علامت سورت نصر ہے، مطلب یہ کہ جب یہ امت غالب آجائے گی اور جزیرہ عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگ جائے گا اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوجائیں گے تو آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہوجائے گا پھر ہم آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے تو میں جب اس سورت کو دیکھتا ہوں تو اپنے رب سے مزید لگاؤ کے لیے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

۱۰۸۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ صُبَيْحٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ نَزَلَ عَلَيْهِ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ النصر: يُصَلِّي صَلَاةً إِلَّا دَعَا .أَوْ قَالَ فِيهَا: سُبْحَانَكَ رَبِّي وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نماز پڑھیں اور اس میں یہ دعا اور یہ کلمات نہ کہیں ''سُبْحَانَكَ رَبِّي وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي''

۱۰۸۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنِي عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَاكَ تُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ؟ فَقَالَ: "خَبَّرَنِي رَبِّي أَنِّي سَأَرَى عَلَامَةً فِي أُمَّتِي، فَإِذَا رَأَيْتُهَا أَكْثَرْتُ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، فَقَدْ رَأَيْتُهَا إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات بہت کثرت سے کہا کرتے تھے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو کثرت سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ کے کلمات کہتے دیکھتی ہوں؟ فرمایا: مجھے میرے رب نے بتلایا ہے کہ میں اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا، تو جب میں اس علامت کو دیکھتا ہوں تو کثرت سے مذکورہ کلمات کہتا ہوں اور وہ علامت یہ ہے:'' إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا'' یعنی جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی اور آپ دیکھیں کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو پھر آپ اپنے رب کی تعریف وتسبیح کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے۔ بے شک وہ بہت توجہ فرمانے والا ہے۔''

تشریح:

''خبرنی ربی''، یعنی مجھے میرے رب نے اطلاع دی ہے کہ میں اپنی امت میں عنقریب ایک علامت اور نشانی دیکھوں گا اور وہ غلبہ اسلام اور امت کا غالب وفاتح ہونا اور مکہ مکرمہ اور حجاز کا فتح ہونا اور لوگوں کا دین اسلام میں فوج درفوج داخل ہونا ہے، اب جبکہ میں نے اس کو دیکھ لیا جو سورت نصر کی صورت میں سامنے آ گئی ہے تو میں جب اس کو دیکھتا ہوں تو کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا مطلب کیا ہے؟

جب جزیرۂ عرب پر اسلام کا جھنڈا شان وشوکت کے ساتھ لہرانے لگا، مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اس وقت سورت نصر اتری جس میں اشارہ دیا گیا کہ آنحضرت کا مشن اور حیات طیبہ کا مقصد زمین میں پورا ہوگیا، آپ کو آخرت کی طرف جانا چاہیے اس لیے آپ کو رفع درجات اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے مزید اہتمام کے ساتھ استغفار اور توبہ کی کثرت کا حکم دیا گیا، اس کے پیش نظر آپ اس کا اہتمام کرتے تھے۔

سوال: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں، صغائر و کبائر سے پاک ہیں تو آپ کو استغفار کرنے اور گناہوں کی معافی کا حکم کیوں دیا جارہا ہے؟ آپ نے بھی فرمایا ہے کہ میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں، اس کی کیا حکمت ہے؟

جواب: (۱) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے عبدیت کے اظہار کے لیے بطور احتیاج وافتقار ایسا کیا ہے۔

(۲) علامہ ابی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا استغفار درجات کی بلندی کے لیے تھا۔

(۳) آپ نے امت کی تعلیم کے لیے استغفار کا عمل اپنایا ہے۔

(۴) آنحضرت کا ہر آنے والا حال پہلے حال سے بلند تر ہوتا تھا، آپ نے گزشتہ کم تر حالت کو دیکھ کر استغفار کیا ہے۔

(۵) آپ یہ استغفار ان امور مباحہ کے کرنے کی وجہ سے کرتے تھے جو اگرچہ آپ کے لیے جائز تھے مگر آپ کی شان عالی کے شایان شان نہیں تھے، گویا یہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قبیل سے تھا۔

شارحین نے اس کے علاوہ بھی جوابات دیئے ہیں مگر وہ زیادہ واضح نہیں ہیں، یہ پانچ جوابات کافی وشافی ہیں۔

مودودی صاحب نے چونکہ کسی استاذ سے مدرسہ میں بیٹھ کر نہیں پڑھا تھا تو وہ اپنی عقل پر بھروسہ کرکے اپنی تفسیر میں جہاں استغفار کی بات آتی ہے تو وہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی کوتاہی کی نشاندہی کرتا ہے پھر استغفار کا جبیرہ چسپاں کرتا ہے، باقی انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے، یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے، اس کے لکھنے سے نہ لکھنا زیادہ اچھا تھا، کیونکہ لکھنے سے سوال ہوگا اور نہ لکھنے میں سوال و جواب نہیں تھا، اب سوال یہ ہے کہ یہاں استغفار اور توبہ کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے، تو کیا ان دونوں کلمات میں کوئی فرق ہے؟ اس سے متعلق دیگر جوابات ہوں گے مگر یہاں صرف ایک بات سمجھ لیں کہ اگر استغفار کا تعلق گزشتہ لغزشوں پر ندامت کی وجہ سے ہوجائے اور توبہ کا تعلق آئندہ کسی لغزش سے اجتناب کے عزم مصمم سے ہوجائے تو دونوں جملوں کا الگ الگ محل آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ استغفار کا تعلق سابقہ زمانے سے اور توبہ کا تعلق لاحقہ زمانے سے ہے۔

١٠٨٨ ـ وَحَدَّثَنِي حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: كَيْفَ تَقُولُ أَنْتَ فِي الرُّكُوعِ؟ قَالَ: أَمَّا سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ. فَأَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: افْتَقَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ ذَهَبَ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَتَحَسَّسْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ، فَإِذَا هُوَ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ فَقُلْتُ:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، إِنِّي لَفِي شَأْنٍ وَإِنَّكَ لَفِي آخَرَ

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاءؒ ابی رباح سے کہا کہ آپ رکوع میں کیا کلمات کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ''سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ'' مجھے ان کلمات کے بارے میں ابن ابی ملیکہؒ نے بتلایا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''ایک رات میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب پایا تو مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس چلے گئے ہیں (چونکہ خود بھی زوجہ تھیں اس لئے فطری طور پر تجسس ہوا) تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے نکلی، جب واپس لوٹی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع یا سجدہ کی حالت میں تھے اور فرما رہے تھے ''سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ'' میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں تو کسی (غلط) خیال میں تھی (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور زوجہ کے پاس جا کر خلاف عدل کر رہے ہوں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی اور ہی کام میں مصروف ہیں۔

تشریح:

''افتقدت'' یہ فقدان سے ہے، نہ ملنے اور نہ پانے کے معنی میں ہے۔

''نسائه'' یعنی میری باری میں کسی اور بیوی کے پاس گئے جو عدل کے خلاف تھا۔

''فتحسست'' یہ طلب کرنے اور ڈھونڈھنے کے معنی میں ہے۔

''ثم رجعت'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دوسری ازواج مطہرات کے آس پاس جہاں دیکھنا ممکن تھا دیکھ لیا، مگر کامیاب نہیں ہوئیں تو اپنے گھر کی طرف لوٹ کر آئیں تو اچانک معلوم ہوا کہ آپ مسجد میں نماز میں مشغول ہیں۔

''انی لفی شان و انک لفی آخر'' یعنی میں کسی بدگمانی میں مبتلا تھی کہ آپ میری باری میں کسی اور کے ہاں گئے ہیں اور اپنی دنیا میں لگے ہیں اور آپ کس شان میں ہیں کہ دنیا سے الگ ہو کر اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں۔

۱۰۸۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے غائب پایا، (اندھیرے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آ رہے تھے) میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے پر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑے ہوئے تھے اور دونوں پاؤں کھڑے کئے ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''اللّٰهُمَّ

أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ...... اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی رضامندی کی آپ کی ناراضگی سے اور آپ کے معافی کی پناہ مانگتا ہوں آپ کی سزا سے اور میں آپ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی تعریف شمار نہیں کرسکتا آپ کی ذات ایسی ہے جیسی آپ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

تشریح:

"اعوذ برضاک من سخطک" یعنی میں تیرے غضب کے مقابلے میں تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا کے مقابلے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں۔

"واعوذ بک منک" یعنی تیرے عذاب سے بچنے کے لیے تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں۔

"لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علی نفسک" ای لا اطیق ان اثنی علیك كما تستحقه و هذا بيان لكمال عجز ابشر عن اداء حقوق الرب تعالىٰ و اعترف بالعجز عن تفصيل الثناء كما يقول العارفون : "ما عبدناك حق عبادتك و ما عرفناك حق معرفتك"

۱۰۹۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، أَنَّ عَائِشَةَ نَبَّأَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ، رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اور سجود میں یہ کلمات فرماتے تھے۔ "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ، رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ"

تشریح:

"سبوح" مبالغہ کا صیغہ ہے،ای منزه عن كل عيب، قدوس ای طاهر عن كل عيب۔ یہ دو الفاظ ساتھ ساتھ واقع ہیں، دونوں کے معنی قریب قریب ہیں، بعض شارحین نے اس کو تاکید قرار دیا ہے، بعض نے سبوح کو ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع کیا ہے اور قدوس کو صفات کی طرف راجع کیا ہے۔

میرے خیال میں یہ ممکن ہوگا اور بے جا بات نہیں ہوگی کہ سبوح اللہ تعالیٰ کی اس پاکی کی طرف اشارہ ہو جس کا تعلق ماضی سے ہو اور قدوس اس پاکی کی طرف اشارہ ہو جس کا تعلق مستقبل سے ہو یعنی اللہ تعالیٰ ماضی میں بھی ہر عیب سے پاک تھے اور مستقبل میں بھی ہر عیب سے پاک ہیں۔

۱۰۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَحَدَّثَنِي هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی حدیث (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں "سُبُّــوحٌ قُدُّوسٌ، رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" پڑھا کرتے تھے) اس سند سے بھی منقول ہے۔

باب فضل السجود و الحث عليه

سجدہ کی فضیلت اور ترغیب

امام مسلمؒ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۱۰۹۲۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَوْزَاعِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ هِشَامٍ الْمُعَيْطِيُّ، حَدَّثَنِي مَعْدَانُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيُّ، قَالَ: لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ؟ أَوْ قَالَ قُلْتُ: بِأَحَبِّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ، فَسَكَتَ. ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ .ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلّٰهِ، فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً، إِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً قَالَ مَعْدَانُ: ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي: مِثْلَ مَا قَالَ لِي: ثَوْبَانُ

حضرت معدان بن ابی طلحہ الیعمریؒ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جس پر عمل کی بناء پر اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرما دیں یا مجھے اللہ تعالیٰ کا کوئی محبوب عمل بتلائیں۔ثوبانؓ خاموش ہوگئے، میں نے پھر سوال کیا تو پھر خاموش ہوگئے، میں نے پھر سوال کیا تو فرمایا: میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ''تمہارے اوپر کثرت سے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ تم جو بھی سجدہ اللہ تعالیٰ کیلئے کرتے ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بلند فرماتے اور ایک خطا کو معاف فرماتے ہیں'' معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی وہی بات کہی جو حضرت ثوبانؓ نے کہی تھی۔

۱۰۹۳۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى أَبُو صَالِحٍ، حَدَّثَنَا هِقْلُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَوْزَاعِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ، حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي: سَلْ فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ .قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ .قَالَ: فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ

حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارا کرتا تھا (آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیلئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وضو کا پانی لاتا اور قضائے حاجت کیلئے بھی پانی لاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار (میری خدمت سے خوش ہو کر) فرمایا: مانگو (کیا مانگتے ہو) میں نے عرض کیا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے علاوہ بھی کچھ مانگو۔ میں نے کہا بس صرف یہی چاہتا ہوں۔ فرمایا اچھا تو پھر کثرت سجود سے اپنے نفس پر میری مدد کرو۔ (تمہارے کثرت سجود سے جنت میں داخلہ آسان ہوگا اور تمہاری یہ خواہش اللہ تعالیٰ میری سفارش پر پوری فرمائیں گے)۔

تشریح:

"وحاجته" یعنی وضو کے لیے پانی لوٹا اور نماز کے لیے جائے نماز یا آپ کے استنجا کے لیے ڈھیلے پتھر لانا یا دیگر خدمت کرنا یہ سب "حاجته" یعنی ضرورت میں داخل ہیں، رات کے وقت اس مشقت والی خدمت اور جذبہ اطاعت سے خوش ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور صلہ فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اس سچے خادم اور عقیدت مند غلام نے فرمایا کہ جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ یہ شخص اس کے علاوہ کوئی اور دعا مانگ لے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاید اندازہ لگانا چاہا کہ اس شخص کا یہ مطالبہ صرف ایک جذباتی جذبہ کا اظہار ہے یا اس کی گفتار کے پیچھے سچا جذبہ کارفرما ہے لیکن اس سچے عاشق نے جب جواب دیا کہ سوال یہی ہے تب آپ نے فرمایا کہ دعا میں کروں گا مگر تم میرا اتنا تعاون کرو کہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرو خوب محنت کرو۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے یہ نہیں کہ صرف دعا کی بنیاد پر اپنے اعمال کو خیر باد کہہ دے اور خالی تمنائیں پکارتا رہے، کسی نے سچ کہا ہے کہ چابی تالہ کھولنے کے لیے بے شک ذریعہ ہے لیکن ہاتھ سے زور دے کر چابی کو دبانا پڑتا ہے۔

فتح قفل ارچہ کلید اے عزیز　　جنبش از دست تو می خواہند نیز

تالہ اگرچہ کنجی ہی سے کھلتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ بھی ضروری ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت سعادتوں کے حصول کا بڑا ذریعہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدمت کرنے والے کی نظر آخرت کی سعادت پر لگی رہنی چاہیے۔ دنیا کی چیزیں فانی ہیں، اس خوش قسمت صحابی کو دیکھئے کہ جنت بھی مل گئی اور حضور اکرم کی رفاقت بھی مل گئی۔

جنت بھی مل گئی تو رفاقت بھی مل گئی　　جذبہ ہوا صحیح تو ہر دولت بھی مل گئی

باب السجود علی سبعة اعضاء و النهی عن کف الشعر

سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم اور بال سمیٹنے کی ممانعت

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

١٠٩٤ـ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، - قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ أَبُو الرَّبِيعِ - حَدَّثَنَا

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ، وَنُهِيَ أَنْ يَكُفَّ شَعْرَهُ، وَثِيَابَهُ هَذَا حَدِيثُ يَحْيَى وَقَالَ أَبُو الرَّبِيعِ: عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَنُهِيَ أَنْ يَكُفَّ شَعْرَهُ وَثِيَابَهُ، الْكَفَّيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ وَالْجَبْهَةِ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور منع کیا گیا نماز میں بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنے سے اور ابوالربیع کی روایت میں (سات ہڈیوں کا ذکر بھی) ہے کہ وہ دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں اور پیشانی ہے۔

تشریح:

"علی سبعة اعضاء" اس حدیث میں بتایا جا رہا ہے کہ سجدہ میں زمین پر کون کونسے اعضاء ٹیکنا ضروری ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فقہاء کا اس میں اتفاق ہے کہ سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا سنت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور سجدہ "وضع الوجه علی الارض" کا نام ہے، اب چہرے میں کئی اعضاء ہیں، قرآن میں کسی کی تعیین موجود نہیں تو اگر اس حکم پر عمل کرنے کے لیے صرف رخسار کو زمین پر رکھا گیا تو حکم پورا نہیں ہوگا کیونکہ رخسار رکھنے سے انحراف عن القبلة بھی لازم آتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا کرنا ثابت بھی نہیں ہے، چہرے میں دوسرا عضو تھوڑی ہے مگر اس کو زمین میں رکھنے سے سجدہ کا حکم پورا نہیں ہوگا، ایک تو اس وجہ سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں، دوسرا اس وجہ سے کہ تھوڑی کو زمین پر ٹیکنے میں کوئی تعظیم نہیں ہے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف

اب صرف پیشانی اور ناک رہ گئی، اس کو زمین پر رکھنے میں تعظیم بھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت بھی ہے، اس میں اختلاف ہے تو جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا رکھنا افضل ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کسی ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے یا نہیں تو جمہور فقہاء کے نزدیک سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کا رکھنا ضروری ہے اگر کسی نے ایک پر اکتفا کیا تو نماز جائز نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ "لا علی التعیین" ان میں سے ایک عضو کا رکھنا فرض ہے اب کسی نے صرف پیشانی رکھ کر سجدہ کیا تو سجدہ بلا کراہت جائز ہے، کیونکہ بعض روایات میں صرف پیشانی کا مستقلاً رکھنا ثابت ہے (کمافی لمعات) ایک روایت میں جائز مع الکراہت ہے اور اگر کسی نے صرف ناک رکھ کر سجدہ کیا تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں تو جمہور اور صاحبین سب کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ سجدہ کراہت سے ساتھ جائز ہے دوسری روایت یہ کہ اکیلے ناک کے ساتھ سجدہ جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

یہ تمام اختلافات اس وقت ہیں جبکہ کوئی عذر نہ ہو اگر کسی کو کوئی عذر ہے تو پھر عذر کے مطابق جواز ہوگا۔

"اذا سجد وضع" علماء نے اعضاء سجدہ کو سجدہ کے وقت زمین پر رکھنے اور سجدہ سے اٹھتے وقت اٹھانے کے بارے میں ایک اصول وضع کیا ہے، وہ یہ اس طرح ہے کہ جب آدمی کھڑا ہو تو اس کا جو عضو قیام کی حالت میں زمین سے جتنا قریب ہو اسی کو سب سے پہلے زمین پر رکھنا چاہیے اور آدمی کا جو عضو قیام کی حالت میں زمین سے جتنا دور ہو سجدہ سے اٹھتے وقت وہ سب سے پہلے زمین سے اٹھانا چاہیے، ان اعضاء میں بعض علماء نے پیشانی اور ناک کو ایک عضو قرار دیا ہے لہٰذا اس میں تقدیم وتاخیر ضرورت نہیں ہے، لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ ناک اقرب الی الارض ہے لہٰذا سجدہ میں جاتے وقت اس کو سب سے پہلے ٹیک لینا چاہیے۔ بہرحال اس کیفیت کا لحاظ رکھنا اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو اگر عذر ہے تو عذر تو عذر ہے۔

قدمین کو سجدہ میں جما کر رکھنا ضروری ہے

اب سجدہ میں قدمین اور پاؤں رکھنے کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں زمین پر ٹیکنا احناف کے ہاں ایک قول میں فرض ہے ایک میں واجب ہے اور ایک قول میں سنت ہے۔ علامہ عثمانیؒ نے خوب تحقیق سے لکھا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے اور اگر پورے سجدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھائے رکھے تو سجدہ نہیں ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک پاؤں اٹھائے رکھا دوسرا زمین پر تھا تو یہ صورت مکروہ ہے۔

حدیث میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا ذکر ہے، لیکن قدمین کے علاوہ بقیہ اعضاء کی حیثیت اس طرح نہیں بلکہ ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھنا مسنون ہے، یہ بات پھر سن لیں کہ یہ بحث اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو، عذر کے وقت سب جائز ہے۔

"لا نکفت" کفت ضرب سے سمیٹنے کے معنی میں ہے، بالوں کو کسی چیز کے ساتھ باندھنے کو "کفت" کہا گیا ہے، یہ سمیٹنا ممنوع ہے تاکہ سجدہ میں کپڑے اور بال بھی شریک ہو جائیں اور یہ احتیاط نہ کرے کہ زمین اور مٹی کے ساتھ لگ کر بال یا کپڑے خراب ہو جائیں گے، کیونکہ مٹی کی طرف سب کو جانا ہے۔

ع وکل الذی فوق التراب تراب

"الکفین و القدمین" یہ جملہ اس سے پہلے لفظ سبعة اعضاء سے بدل ہے اور اس کی تفصیل وتفسیر ہے کہ سات اعضاء سے دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو قدم اور ایک پیشانی مراد ہے۔

۱۰۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا أَكُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعَرًا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے یہ حکم دیا گیا کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور (دوران نماز) اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹوں۔"

۱۰۹۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أُمِرَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعٍ وَنُهِيَ، أَنْ يَكْفِتَ الشَّعْرَ وَالثِّيَابَ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کپڑے اور بال سمیٹنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۱۰۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ الْجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ، وَالرِّجْلَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ، وَلَا الشَّعْرَ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی پر۔ ناک کی طرف دست مبارک سے اشارہ فرمایا۔ دونوں ہاتھوں پر۔ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور مجھے حکم دیا گیا کہ کپڑے اور بال (دوران نماز) نہ سمیٹوں۔''

۱۰۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعٍ، وَلَا أَكْفِتَ الشَّعْرَ، وَلَا الثِّيَابَ، الْجَبْهَةِ، وَالْأَنْفِ، وَالْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَالْقَدَمَيْنِ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات (ہڈیوں) پر سجدہ کروں اور بال و کپڑے نہ سمیٹوں، (وہ سات یہ ہیں) پیشانی ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ (پیشانی اور ناک ایک عضو کے حکم میں ہیں)

۱۰۹۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بَكْرٌ وَهُوَ ابْنُ مُضَرَ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ أَطْرَافٍ: وَجْهُهُ، وَكَفَّاهُ، وَرُكْبَتَاهُ، وَقَدَمَاهُ "

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی بندہ سجدہ کرے تو وہ اپنے سات اعضاء کے ساتھ سجدہ کرے اور اپنی پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور اپنے دونوں قدموں کے ساتھ سجدہ کرے۔

۱۱۰۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ بُكَيْرًا، حَدَّثَهُ أَنَّ كُرَيْبًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ، يُصَلِّي وَرَأْسُهُ مَعْقُوصٌ مِنْ وَرَائِهِ فَقَامَ فَجَعَلَ يَحُلُّهُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: مَا لَكَ وَرَأْسِي؟ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّمَا مَثَلُ هَذَا، مَثَلُ الَّذِي يُصَلِّي وَهُوَ مَكْتُوفٌ

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن الحارث کو جوڑا باندھے نماز پڑھتے دیکھا (کہ پیچھے سے بالوں کا جوڑا باندھا ہوا ہے) ابن عباسؓ نے ان کے جوڑے کو کھولنا شروع کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ابن عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میرے سر سے تمہارا کیا تعلق؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ایسے شخص کی مثال (جو جوڑا باندھ کر نماز پڑھے) اس شخص کی سی جو عریاناً نماز پڑھے۔

تشریح:

"وراسه معقوص" عقص يعقص ضرب يضرب سے ہے، عقاص اور عقیصه استعمال ہوتا ہے، امرأالقیس کہتا ہے:

غدائرها متشزرات الى العلى　　　تضل العقاص فى مثنىً و مرسل

سر کے بالوں کو جوڑا بنا کر باندھنے کو کہتے ہیں، کبھی گردن کے پاس باندھتے ہیں کبھی سر کی چوٹی اور درمیان میں بناتے ہیں جس کو کلغی کہتے ہیں۔

"معقوص" ای مضفور مفتول۔ چونکہ اس میں اطراف سے بال جمع کرا کر ایک ساتھ باندھا جاتا ہے، اس لیے اس کو مکتوف کے نام سے یاد کیا گیا ہے یعنی جس شخص کے ہاتھ کندھوں سے باندھے گئے ہوں، اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ سجدہ میں تمام اعضاء کا شامل ہونا باعث برکت ہے، بعض روایات میں ہے کہ اس جوڑے اور گچھے کی جڑ میں شیطان بیٹھتا ہے جب کھلا ہو تو شیطان کا ٹھکانا ختم ہو جائے گا۔

"یحله" یعنی حضرت ابن عباسؓ اس گچھے کو کھولنے لگے تو عبداللہ بن حارث نے برا مانا اور کہا "مالك و رأسى" میرے سر کے ساتھ آپ کا کیا کام ہے کہ نماز کے دوران بالوں کو کھولنے کی کوشش کر رہے ہو؟ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے حدیث پڑھ کر سنا دی۔

"مکتوف" ای مشدود الیدین بالکتف یعنی کندھوں کے ساتھ ہاتھوں کو باندھنے کو کہتے ہیں۔

باب اعتدال فی السجود و النهی عن انبساط ذراعيه

نمازی سجدہ میں اعتدال کرے اور کہنیاں زمین پر نہ پھیلائے

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدہ میں برابر رہا کرو اور تم میں سے کوئی سجدہ میں اپنے بازوؤں کو کتے کی طرح زمین پر مت بچھائے۔"

تشریح:

"انبساط الکلب" ایک روایت میں ابتساط الکلب کا لفظ بھی ہے اور ایک روایت میں افتراش الکلب کا لفظ بھی ہے سب کے معنی پھیلانا ہے، کتا جب زمین پر سینہ پھیلا کر بیٹھتا ہے تو پاؤں سامنے کی طرف خوب دراز کر کے پھیلاتا ہے، یہ اکثر درندوں کی عادت بھی ہے، اسی لیے حدیث میں "السبع" کا لفظ بھی آیا ہے۔

بہرحال انسان کو خاص مسلمان نمازی کو نماز کے اندر حیوانات کی صورت اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، کئی احادیث میں نماز میں حیوانات کی ہیئت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، بعض حیوانات کا نام بھی لیا گیا ہے جیسے (۱) افتراش السبع (۲) افتراش الکلب و اقعاء الکلب (۳) بروك البعير (۴) التفات الثعلب (۵) نقرة الديك (۶) نقرة الغراب (۷) عقبة الشيطان (۸) رفع الايدی کاذناب الخيل الشمس (۹) تدبيج الحمار۔ یعنی رکوع میں گدھے کی طرح سر جھکانا۔

ان تشبیہات سے معلوم ہوا کہ نماز انسان کو حیوانیت سے دور کرتی ہے اور انسان کو انسان بناتی ہے جیسے کہ کہا گیا ہے:

علم معقولات گندہ می کند علم منقولات بندہ می کند
علم منقولات علم انبیاء است علم معقولات علم اشقیاء است

۱۱۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِيهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ جَعْفَرٍ وَلَا يَتَبَسَّطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ

اس سند سے سابقہ حدیث (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدہ میں برابر رہا کرو......الخ) مروی ہے لیکن ابن جعفر کی روایت میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی کلائیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

۱۱۰۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ إِيَادٍ، عَنْ إِيَادٍ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَجَدْتَ، فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اٹھائے رکھو۔"

۱۱۰۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بَكْرٌ وَهُوَ ابْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ، حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن مالک بن بحسینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو (سجدہ کی حالت میں) دونوں ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے کہ آپ کی بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

۱۱۰۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ،

كِلَاهُمَا عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي رِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ يُجَنِّحُ فِي سُجُودِهِ، حَتَّى يُرَى وَضَحُ إِبْطَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ اللَّيْثِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ يَدَيْهِ عَنْ إِبْطَيْهِ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى بَيَاضَ إِبْطَيْهِ۔

جعفر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت حسب سابق منقول ہے، باقی عمرو بن حارث کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کشادہ رکھتے یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی اور لیث کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو دونوں ہاتھ بغلوں سے جدا رکھتے یہاں تک کہ میں آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھ لیتا۔

تشریح:

"و عن عبد الله بن مالک ابن بحینة" اس سند میں ایک فنی بات ہے جس کا یاد کرنا بہت ضروری ہے، وہ بات یہ ہے کہ عبداللہ کے باپ کا نام مالک ہے اور عبداللہ کی والدہ کا نام بحینہ ہے، یہاں عبداللہ ماں اور باپ دونوں کی طرف منسوب ہے، جس طرح عبداللہ بن ابی ابن سلول دونوں کی طرف منسوب ہے، اس سند میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شاید مالک بحینہ کا بیٹا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بحینہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہے، محدثین اس طرح سند میں الف بڑھا کر ابن کے ساتھ لکھتے ہیں چنانچہ یہاں بھی مالک پر تنوین پڑھنا چاہیے اور پھر الف بڑھا کر پڑھنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ ابن بحینہ عبداللہ کی صفت ہے، اس قاعدہ کو میں نے توضیحات جلد اول ص ۹۷ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

بہرحال معلوم ایسا ہو رہا ہے کہ عبداللہ نے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اس وقت حضور کے جسم پر قمیص کے بجائے کوئی چادر تھی جس کے کناروں سے بغل نظر آ رہے تھے ورنہ قمیص میں بغل کی سفیدی نظر نہیں آتی۔ "بغل کی سفیدی" کے الفاظ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت خوبصورت تھے کیونکہ بغل عموماً سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں جس شخص کے بغل چمک دار ہوں اس کا باقی جسم کتنا خوبصورت اور پیارا ہوگا۔

منزه عن شريك فى محاسنه فجوهر الحسن فيه غير منقسم

اس روایت میں "بياض ابطيه" کے الفاظ میں دیگر روایات میں "وضح ابطيه" کے الفاظ ہیں، سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی بغل کی سفیدی، یہاں اس روایت میں "فرج" کا لفظ ہے یعنی کہنیوں اور ہاتھوں کو پہلو سے اور رانوں سے الگ رکھتے تھے، ساتھ والی روایت میں "یجنح" کا لفظ آیا ہے یہ جناح سے ہے معنی وہی "فرج" کا ہے، اس کے بعد "خوی" کا لفظ آیا ہے، اس کا معنی بھی "فرج" کا ہے، اس کے بعد "جافی" کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آنحضرت کہنیوں کو رانوں اور پہلو اور پیٹ سے الگ رکھتے تھے۔

۱۱۰۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ،

عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ عَمِّهِ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو (ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے کہ) بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔

تشریح:

"بھمة" باء پر زبر ہے، اس کی جمع "بھام" ہے۔ بھیڑ یا بکری کا بچہ جب نیا پیدا ہو جائے تو اس کو "سخلة" کہتے ہیں، جب اپنے پاؤں پر چلنے لگتا ہے اس وقت اسے "بھمة" کہتے ہیں۔ علامہ جوہریؒ کہتے ہیں کہ بھمة بھیڑ کے بچوں کو کہتے ہیں اور سخلة بکریوں کے بچوں پر بولا جاتا ہے، یہ ان کی تحقیق ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں اپنا شکم مبارک اپنی رانوں سے اور کہنیاں زمین سے اتنے فاصلے پر رکھتے تھے کہ نیچے سے بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

۱۱۰۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ خَوَّى بِيَدَيْهِ - يَعْنِي جَنَّحَ - حَتَّى يُرَى وَضَحُ إِبْطَيْهِ مِنْ وَرَائِهِ. وَإِذَا قَعَدَ اطْمَأَنَّ عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى۔

حضرت ام المومنین میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو ہاتھوں کو پہلوؤں سے اتنا جدا رکھتے کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی اور قعدہ کی حالت میں بائیں ران پر اطمینان سے بیٹھ جاتے۔

۱۱۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ - وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرُونَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ جَافَى حَتَّى يَرَى مَنْ خَلْفَهُ وَضَحَ إِبْطَيْهِ قَالَ وَكِيعٌ: يَعْنِي بَيَاضَهُمَا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام جب سجدہ فرماتے تو (دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے) جدا رکھتے یہاں تک کہ پیچھے سے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

باب ما يجمع صفة الصلوٰة وما يفتح به و ما يختم به

نماز کا جامع نقشہ اور اس کے افتتاح اور اختتام کا طریقہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۱۱۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي الْأَحْمَرَ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، ح قَالَ:

وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ .وَالْقِرَاءَةِ، بِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ، وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ، وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ، حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا، وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ، لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا، وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ، وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ .وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ، وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ نُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عَقِبِ الشَّيْطَانِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ نماز کا آغاز فرماتے اور الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ الفاتحہ) کی قرأت فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے تو سر کو نہ نمایاں اور اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ (پشت کے ہموار) درمیان میں رکھتے۔ جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے تو سجدہ میں نہ جاتے (اعتدال کے ساتھ سجدہ فرماتے) جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو جب تک اچھی طرح بیٹھ نہ جاتے، دوسرے سجدہ میں نہ جاتے (جلسہ بھی اطمینان سے کرتے) اور ہر دو رکعت کے بعد قعدہ میں التحیات پڑھتے۔ قعدہ کی حالت میں بائیں ٹانگ کو بچھا کر دائیں ٹانگ (پاؤں) کو کھڑا رکھتے اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے۔ اور اس سے بھی منع فرماتے کہ آدمی اپنے ہاتھوں کو درندے کی مانند زمین پر بچھائے۔ نماز کا اختتام سلام کے ذریعہ فرماتے تھے۔

تشریح:

"لیستفتح الصلوٰۃ بالتکبیر" یعنی آنحضرتؐ نماز کی ابتدا "اللہ اکبر" سے فرماتے تھے، اس حدیث میں نماز کے کئی مسائل کی طرف اجمالی اشارہ کیا گیا ہے اور واقعی میں نماز کا جامع نقشہ موجود ہے، میں کوشش کروں کہ ہر حکم سے متعلق مواد اکٹھا کر کے لکھوں، ملاحظہ فرمائیں:

"بالتکبیر" اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام محرمات اسی تکبیر سے وابستہ ہیں جب نمازی نے تکبیر تحریمہ کہہ دی تو نماز سے باہر جو چیزیں حلال ہیں وہ سب حرام ہو گئیں۔ تکبیر تحریمہ کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

تکبیر تحریمہ میں فقہائے کرام کا اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ دخول صلوٰۃ کے لیے جو تکبیر تحریمہ ہے آیا یہ صرف اللہ اکبر کے ساتھ خاص ہے یا دیگر الفاظ سے بھی دخول فی الصلوٰۃ جائز ہے ہاں تکبیر تحریمہ سب کے ہاں فرض ہے خالی نیت سے دخول صحیح نہیں، اگر چہ ابن شہاب زہریؒ صرف نیت سے

دخول فی الصلوٰۃ کو جائز مانتے ہیں مگر جمہور کا اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف صرف تخصیص الفاظ میں ہے، چنانچہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دخول فی الصلوٰۃ کے لیے صرف ''اللہ اکبر'' کا لفظ خاص ہے اس کے علاوہ کوئی لفظ جائز نہیں، مذکورہ حدیث میں حصر ہے۔

امام شافعی کے نزدیک صرف دو لفظ ''اللہ اکبر'' اور ''اللہ الاکبر'' سے جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ الاکبر کے معرف باللام ہونے سے مزید حصر آتا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ کبریائی میں اضافہ ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر اور اللہ الکبیر یہ چار الفاظ جائز ہیں، اس کے علاوہ جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں اللہ اکبر صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے اللہ بہت بڑا ہے، یہ اسم تفضیل نہیں تو یہ صیغہ کبریائی کے لیے آیا ہے جو کبیر کے معنی میں ہے جب اللہ کبیر کہنا جائز ہوا تو اس مادے کے دیگر الفاظ بھی جائز ہوئے جو مزید کبریائی پر دال ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وصف جو بڑائی کو مستلزم ہو وہ جائز ہے، اس سے تکبیر تحریمہ کا فرض ادا ہو جائے گا ہاں خاص طور پر لفظ ''اللہ اکبر'' کا پڑھنا واجب ہے لہٰذا جو لفظ مشعر تعظیم ہو وہ جائز ہے جیسے اللہ عظیم یا اللہ اعظم وغیرہ کے الفاظ ہیں۔

دلائل:

امام مالک اور امام احمد کی ایک دلیل تو مذکورہ حدیث ہے جس میں حصر ہے کہ تحریمہ کے لیے صرف اللہ اکبر خاص ہے، دوسری دلیل ''وربك فكبر'' ہے، تیسری دلیل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر صرف اللہ اکبر پر مداومت فرمائی ہے کسی اور لفظ کو ادا نہیں فرمایا، شوافع حضرات کے دلائل بھی وہی ہیں جو مالکیہ اور حنابلہ کے ہیں ہاں اللہ الاکبر میں کبریائی کا اضافہ ہے تو وہ بھی جائز ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے بھی مالکیہ اور حنابلہ کے دلائل سے دیگر صیغوں کی نفی کی ہے مگر اللہ کبیر کے معنی میں ہے لہٰذا چار صیغے جائز ہو گئے، امام ابو یوسفؒ کو جواب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے اللہ اکبر کے لفظ میں تعمیم لفظی کر کے چار الفاظ کو جائز قرار دے دیا ہے اسی طرح آپ تعمیم معنوی کر کے ہر اس لفظ کو جائز قرار دیں جو مشعر تعظیم ہو تعمیم لفظی جب کی تو تعمیم معنوی بھی کیجئے۔

کیونکہ جب کبیر جائز ہوا تو الکبیر اور الاکبر بھی جائز ہوا اس لیے کہ یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی پہلی دلیل ''وذكر اسم ربه فصلى'' ہے کہ یہ تکبیر تحریمہ کے لیے ہے اور ''اسم ربه'' کے لفظ میں عموم ہے تو جس لفظ سے اسم رب کی تعظیم ہو وہ جائز ہو گا اور اس سے فرض ادا ہو جائے گا۔ یہاں اس آیت سے ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ احناف کے ہاں تکبیر تحریمہ رکن صلوٰۃ نہیں بلکہ شرط صلوٰۃ ہے دیگر ائمہ کے نزدیک تو تحریمہ رکن صلوٰۃ ہے۔ شرط اپنے مشروط پر مقدم ہوتی ہے اور رکن داخل صلوٰۃ ہوتا ہے۔ یہاں آیت ''فصلى'' میں فا تعقیب مع الوصل کے لیے آئی ہے تو ''وذكر اسم ربه'' اور چیز ہے اور ''فصلى'' اس کے بعد اور چیز ہے تو تحریمہ رکن نہیں ہوا بلکہ خارج صلوٰۃ شرط صلوٰۃ کے درجہ میں ہوا۔

جواب:

احناف نے دیگر ائمہ کے دلائل کے جواب میں مالکیہ اور حنابلہ کو یہ جواب دیا ہے کہ ''وتحريمها التكبير'' میں حصر کا قاعدہ جو

بیان کیا گیا ہے یہ قاعدہ اکثر یہ ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے، اور علامہ تفتازانیؒ نے بھی اس کو ذکر کیا ہے، چنانچہ ''زید العالم'' میں یہ حصر نہیں کہ دنیا میں صرف زید ہی عالم ہے بلکہ یہ کبھی کبھی اہتمام شان کے لیے اور فرد کامل بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ باقی وربك فكبر تو احناف کی دلیل ہے کیونکہ اس میں تعظیم کا حکم دیا گیا ہے کہ بڑائی بیان کرو اس میں خصوصیت الله اکبر نہیں۔
مالکیہ کی تیسری دلیل کہ آنحضرتؐ نے الله اکبر پر مداومت فرمائی، اس کا جواب یہ ہے کہ مداومت سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور الله اکبر کی تخصیص کے وجوب کے ہم بھی قائل ہیں، آپ تو اس کو فرض کہتے ہیں حالانکہ فرضیت کے ثبوت کے لیے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نص کی ضرورت ہے کیونکہ احکام کے اعتبار سے دلائل اثبات بھی چار قسم پر ہیں۔

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالة — اس سے فرض ثابت ہوتا ہے۔

(۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالة · (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالة — ان دونوں سے واجب ثابت ہوتا ہے۔

(۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالة — اس سے سنن مؤکدہ اور مستحبات ثابت ہوتے ہیں۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شارع نے اگر مداومت کی ہے مگر کبھی کبھی ترک بھی کیا ہے تو یہ سنت مؤکدہ ہے اور کبھی کیا کبھی ترک کیا تو وہ مستحب ہے اور ایک ہی بار جواز کے لیے کیا تو وہ مباح ہے بیان جواز کے لیے کبھی کبھی مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بھی کیا جاتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث خبر واحد ہے، اس سے فرض ثابت نہیں ہوتا، یہ تفصیل ان دلائل اور نصوص کی جانب اثبات میں ہوئی اور جانب نفی وعدم میں قسم اول سے حرام ثابت ہوتا ہے اور قسم دوم اور سوم سے مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے اور قسم چہارم سے مکروہ تنزیہی وغیرہ ثابت ہوتا ہے۔
''لم یشخص'' یہ اشخاص سے ہے، سر اٹھانے کے معنی میں ہے۔
''ولم یصوبه'' یہ تصویب سے ہے، سر جھکانے کے معنی میں ہے یعنی نماز میں نمازی نہ سر زیادہ اٹھا کر رکھے اور نہ جھکا کر رکھے بلکہ اعتدال کے ساتھ رکھے سر اور پیٹھ اس طرح برابر ہو کہ اگر نمازی کی پیٹھ پر برتن میں پانی رکھا جائے تو وہ گر نہ جائے۔
''یستوی جالسا اور قائما'' سے مکمل تعدیل ارکان کی طرف اشارہ ہے۔
''التحیة'' یعنی ہر دو رکعت کے بعد آنحضرت التحیات پڑھتے تھے پہلے قعدہ میں تشہد کا سبق پڑھنا سنت ہے قعدہ واجب ہے دوسرے قعدہ میں سبق پڑھنا واجب اور قعدہ فرض ہے۔
''وکان یفرش رجله الیسری''

قعدہ میں بیٹھنے کا افضل طریقہ کیا ہے؟

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے یعنی آپ جب قعدہ میں بیٹھتے تھے تو بایاں پیر بچھایا کرتے تھے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے، اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا افضل طریقہ یہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے یا کولہوں پر بیٹھ کر ''تورك'' کا طریقہ اختیار کرنا زیادہ افضل ہے، جس کا ذکر دوسری حدیث میں آیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ پہلے قعدہ میں افتراش افضل ہے اور دوسرے قعدہ میں تورک بہتر ہے، کیونکہ دوسرے قعدہ میں زیادہ دیر تک بیٹھا پڑتا ہے اور تورک کے طریقے پر بیٹھنے میں آسانی اور سہولت ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی افضل ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نماز دو قعدوں والی ہے تو آخری قعدہ میں تورک کرنا چاہیے، لیکن اگر نماز صرف ایک قعدہ اور ایک تشہد والی ہو تو اس میں تورک کے بجائے افتراش کرنا افضل ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش کرنا چاہیے، تورک صرف مجبوری کی صورت میں ہے۔

دلائل:

شوافع وغیرہ حضرات نے تورک کے لیے آئندہ آنے والی حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے اور تورک اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی قعدہ میں بیٹھ کر دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال دے اور اپنے ''ورك'' یعنی مقعد پر بیٹھ جائے، ابوحمید ساعدیؓ کی روایت میں دوسرے قعدہ میں تورک کا حکم صریح طور پر مذکور ہے۔ ائمہ احناف نے زیر بحث حضرت عائشہؓ والی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں قعدہ اولیٰ وثانیہ کی کوئی قید نہیں، بلکہ یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول نماز میں یہ تھا کہ دائیاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور بائیاں بچھا دیا کرتے تھے۔ یاد رہے یہ اختلاف افضلیت کا ہے جواز وعدم جواز کا نہیں ہے، جائز دونوں طریقے ہیں، البتہ احناف نے افتراش کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ اس میں مشقت ہوتی ہے اور عبادت وہی افضل ہوتی ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔ ''وکان افضل الاعمال احمزها ای اشدها'' احناف نے تورک والی احادیث کو کبر سن اور حالت ضعف پر حمل کیا ہے۔

''وكان ينهى عن عقبة الشيطان''

قعدہ میں شیطان کی طرح نہ بیٹھا کرو

دوسری حدیث میں ''اقعاء الكلب'' کا لفظ آیا ہے، دونوں کا مطلب ایک ہے، عقبة الشيطان اور اقعاء الكلب کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی ٹانگوں اور گھٹنوں کو کھڑا رکھے اور مقعد پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے جیسا کہ کتا بیٹھتا ہے، نماز میں اس طرح بیٹھنا تمام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، ہاں اگر آدمی معذور ہو تو وہ الگ بات ہے۔ علامہ طیبیؒ نے اقعاء کی ایک صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ آدمی اپنے پاؤں کی ایڑیوں پر مقعد رکھ کر بیٹھ جائے، لغت کے اعتبار سے عقبہ کی یہ صورت زیادہ واضح ہے کیونکہ عقب ایڑی کو کہتے ہیں، لیکن حدیث میں اقعاء الكلب کی پہلی صورت مراد ہے جو مکروہ تحریمی ہے۔

''وينهى ان يفترش الرجل'' یعنی آدمی کو نماز کی حالت سجدہ میں دونوں بازو اس طرح بچھانا منع ہے جس طرح درندے بیٹھتے

وقت سامنے کے دونوں پاؤں زمین پر پھیلا کر بچھاتے ہیں، اس سے آدمی سست ہو جاتا ہے اور نماز میں غفلت آتی ہے۔
"رجل" یعنی مرد کا لفظ بول کر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ عورت سجدہ کی حالت میں ہاتھ سمیت تمام اعضاء کو سمیٹ کر زمین سے چپکا دیا کرے، کیونکہ یہ اس کے ستر کے لیے زیادہ مناسب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی نماز کی ادائیگی میں فرق ہے۔
"وکان یختم بالتسلیم" یعنی آنحضرت السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہہ کر نماز کو ختم فرماتے تھے، دوسری ایک حدیث میں "وتحلیلھا التسلیم" کے الفاظ آئے ہیں، اب یہ مسئلہ بھی تفصیل طلب ہے، کیونکہ نماز سے نکلنے کے لیے جو لفظ اختیار کیا جاتا ہے اس میں بھی فقہائے کرام کا اختلاف ہے، تینوں ائمہ اور جمہور کے نزدیک صرف لفظ سلام سے نمازی اپنی نماز سے خارج ہو سکتا ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہی حدیث اور یہی الفاظ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں خاص لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے اور صنع مصلی کے ساتھ عمداً نماز سے نکلنا فرض ہے خواہ کوئی بھی لفظ یا کوئی بھی عمل ہو اور یہ نکلنا در حقیقت دوسری نماز کی تیاری اور پڑھنے کی وجہ سے فرض ہو جاتا ہے مثلاً کسی نے مغرب کی نماز اتنی طویل کی کہ عشاء کا وقت آگیا اب نماز سے نکلنا فرض ہے تاکہ عشاء پڑھ لے۔
امام ابو حنیفہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: فان شئت ان تقوم فقم (رواہ ابوداؤد) نیز اعرابی کو تعلیم کے وقت آنحضرتؐ نے فرض سلام کا ذکر نہیں کیا، تکبیر تحریمہ کی بحث میں جن جوابات کا ذکر کیا گیا ہے وہ جوابات یہاں بھی چلتے ہیں۔ بہر حال مداومت سلام کی وجہ سے ہم بھی لفظ سلام کو واجب کہتے ہیں، فرض کا قاعدہ الگ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ آنحضرت نے ایک دن ان سے فرمایا "اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوٰتك" اس سے بھی سلام کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔

باب سترة المصلی

نمازی کے سترہ کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے سترہ احادیث کو بیان کیا ہے

"سترۃ" سین پر ضمہ ہے اور تا ساکنہ ہے لغت میں آڑ اور پردہ کے معنی میں ہے، اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ سترہ ہر اس چیز کا نام ہے جو نمازی کے سامنے کھڑی کی جائے تاکہ اس سے نمازی کے سجدہ گاہ کا پتہ چل جائے اور گزرنے والا گناہ گار نہ ہو جائے، سترہ میں دیوار، لکڑی، ستون وغیرہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی ہر وہ چیز جو گزرنے والے کو دور سے نظر آتی ہو، سترہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کا طول کم از کم ایک ذراع ہو اور زیادہ کی کوئی مقدار نہیں، اسی طرح عرض کی بھی کوئی حد نہیں اگر کھڑا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر عرض میں رکھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سترہ بڑا ہو۔ شوافع ایک ذراع کے دو ثلث کو طول میں جائز مانتے ہیں، احناف ایک ذراع کو کافی مانتے ہیں، مصنف عبدالرزاق میں ایک روایت اس طرح ہے: "عن نافع ان مؤخرۃ رحل ابن عمرؓ کانت قدر ذراع" سترہ کی موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر ہونا چاہیے تاکہ نظر آئے، امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے، الگ الگ سترہ کی

ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص صرف مقتدیوں کی صفوں کے درمیان سے گزرتا ہے تو وہ اس وعید میں نہیں آئے گا جو احادیث میں مذکور ہے کیونکہ امام کا سترہ قوم کے لیے کافی ہے، نیز اگر کوئی شخص طولاً صفوں کو چیرتا ہوا آگے آتا ہے یا باہر جاتا ہے وہ احادیث کی وعید سے خارج ہے اگرچہ بغیر ضرورت اس طرح کرنا مناسب نہیں ہے، مگر اصل وعید عرضاً گزرنے والے کے لیے ہے، اسی طرح اگر کوئی مسجد ساٹھ قدم سے زیادہ وسعت والی ہے تو اس میں نمازی کے سامنے اس حد تک گزرنا جائز ہے جہاں پر نمازی کی نگاہ نہیں پڑتی ہو جبکہ وہ اپنے سجدہ کی جگہ کو دیکھ رہا ہو اگر مسجد اس سے کم ہو تو پھر سامنے سے مطلقاً گزرنا منع ہے۔

اگر سترہ کے لیے لکڑی وغیرہ نہ ہو تو پھر ایک محرابی شکل کی لکیر کا سترہ بنانا بھی جائز ہے، حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے، اگرچہ فقہاء احناف مثل صاحب ہدایہ نے لکیر کی حیثیت کو سترہ میں شمار نہیں کیا ہے، قاضی عیاض نے بھی لکیر کی حیثیت کو نہیں مانا ہے۔

امام مالکؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ امام کا سترہ صرف امام کے لیے ہے اور مقتدیوں کے لیے امام کا وجود خود سترہ ہے۔

۱۱۱۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ - قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ، وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَلِكَ

حضرت موسیٰ ابن طلحہ اپنے والد (طلحہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو اب بے کھٹک نماز پڑھے اور اس سترہ کے پاس سے گزرنے والے کی پروانہ کرے۔''

تشریح:

''مثل مؤخرة الرحل'' یہ الفاظ چار طرح پڑھے جاتے ہیں۔

(۱): باب افعال کے اسم فاعل کے وزن پر میم پر ضمہ، ہمزہ ساکن اور خاء پر زیر ہے جیسے ''مُؤْخِرَةٌ''

(۲): باب افعال کے اسم مفعول کے وزن پر میم پر ضمہ، ہمزہ ساکن اور خاء پر زبر ہے جیسے ''مُؤْخَرَةٌ''

(۳): باب تفعیل کے اسم مفعول کے وزن پر میم پر ضمہ ہے ہمزہ پر فتحہ اور خاء پر شد کے ساتھ فتحہ ہے جیسے ''مُؤَخَّرَةٌ''

(۴): مجرد ابواب کے اسم فاعل کے طرز پر ہمزہ پر مد ہے، خاء پر کسرہ ہے، را پر زبر ہے جیسے ''آخِرَةٌ''

پہلی اور آخری لغت زیادہ مشہور ہیں، اونٹ اور گھوڑے کے کجاوے اور پالان پر جب دو آدمی بیٹھتے ہیں تو ہر آدمی کے پیچھے ایک ذراع کے برابر لکڑی ہوتی ہے تا کہ وہ اس کے ساتھ ٹیک لگائے، اسی کو مؤخرة الرحل کہا گیا ہے، حدیث میں سامنے والے شخص کے پیچھے والی لکڑی مراد ہوسکتی ہے کیونکہ اس کی تصریح دیگر احادیث میں ہے بالکل آخری لکڑی بھی مراد ہوسکتی ہے۔

''ولا يبال'' یعنی سترہ کے بعد نمازی اس کی پروانہ کرے کہ کون اس کے سامنے سے گزرتا ہے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں کسی کے گزرنے سے نماز کے خشوع وخضوع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اطمینان سے نماز پڑھے، اس صورت میں لا يبال کا تعلق نمازی

سے ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ لا یبال کا تعلق گزرنے والے کے ساتھ ہو، مطلب یہ کہ جب سترہ موجود ہو تو نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ پروانہ کرے کہ میں نمازی کے آگے سے گزر رہا ہوں بلکہ بے خوف وخطر گزر جائے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں گزرنا جائز ہے کسی قسم کے غم کی ضرورت نہیں ہے۔

"من مر وراء ذلک" یعنی سترہ سے آگے آگے اگر کوئی گزرتا ہے تو جائز ہے نمازی بھی پریشان نہیں ہوگا، سجدہ لگانے کی جگہ سے کچھ آگے سترہ کھڑا کیا جاتا ہے جس کو ممر الشاۃ بھی کہا گیا ہے۔ بین یدیہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ سترہ اور نمازی کے درمیان گزرنا مضر نہیں ہے، اس طرح گزرنا تو منع ہے مراد سترہ سے آگے آگے گزرنا ہے۔

۱۱۱۱۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، - قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي وَالدَّوَابُّ تَمُرُّ بَيْنَ أَيْدِينَا فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ تَكُونُ بَيْنَ يَدَيْ أَحَدِكُمْ، ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: فَلَا يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ

حضرت موسیٰ بن طلحہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ: "ہم لوگ نماز پڑھا کرتے تھے اور چوپائے ہمارے سامنے سے گزرتے رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے اس کا ذکر کیا تو فرمایا: پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز تمہارے سامنے ہونی چاہئے۔ پھر سامنے سے گزرنے پر تمہاری نماز کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

۱۱۱۲۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي؟ فَقَالَ: مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی کے سترہ کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر ہونا چاہئے۔

۱۱۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ، أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي؟ فَقَالَ: كَمُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں نمازی کے سترہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر ہونا چاہئے۔

۱۱۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ، أَمَرَ

بِالْحَرْبَةِ فَتُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا .وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ .وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ .فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے روز باہر نکلتے تو نیزہ (اپنے سامنے گاڑنے) کا حکم فرماتے۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے اور لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھتے۔ سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے۔ یہیں سے امراء اور حکام نے بھی نیزہ ساتھ رکھنا شروع کیا۔

تشریح:

"امر بالحربة" یعنی آنخضرت حکم فرماتے تو آپ کے حکم پر بطور سترہ نیزہ آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا۔ الحربة چھوٹے نیزے اور برچھی کو کہتے ہیں، رکھنے سے صرف زمین پر رکھنا مراد نہیں ہے بلکہ گاڑنا مراد ہے، جو دوسری حدیث میں "یغرز" کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے، دوسری حدیث میں جو "العنزة" کا جو لفظ مذکور ہے اور "حربة" ایک ہی چیز ہے، "وھی الحربة" یعنی عنزہ اور حربہ ایک ہی چیز ہے۔

"ومن ثم اتخذھا الامراء" یعنی آنخضرتؐ نے سفر اور حضر میں سترہ کے لیے نیزے کو استعمال فرمایا، اس لیے آپ کے بعد مسلمانوں کے بادشاہوں نے بھی عیدین کے موقع پر اس سنت کو زندہ رکھا اور نیزہ ہی کو استعمال کیا، کسی اور لاٹھی وغیرہ کو استعمال نہیں کیا، آنے والی روایات میں زیادہ تر عنزہ کا لفظ آیا ہے۔

عنزہ ایک تاریخی نیزہ

"والعنزة" عین پر فتحہ ہے، نون اور زاء پر بھی فتحہ ہے، ایسے نیزے کو کہتے ہیں جو عصا سے لمبا ہوتا ہے مگر لمبے نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے، اگر نون پر ساکن پڑھ لیا جائے تو "عنزة" بکری کو کہتے ہیں یہاں اس نیزے سے ایک تاریخی نیزہ مراد ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیرؓ نے ایک کافر پر حملہ کیا جس کا نام عبیدہ بن سعید تھا جو اسلحہ میں غرق تھا صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس پر حملہ کیا اور اپنا عنزہ اس کی آنکھ میں گھسا دیا، کافر مر گیا مگر حضرت زبیر کو اپنا نیزہ نکالنا مشکل ہو گیا، آپ نے اس پر پورا بوجھ ڈال کر نکال دیا جس سے وہ ٹیڑھا ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ کو زندہ رکھنے کے لیے اس نیزے کو سترہ میں استعمال فرمایا، پھر صدیق اکبرؓ اور پھر حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت تک اس تاریخی نیزے کو خلفائے راشدین نے استعمال فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نیزے سے سترے کا کام بھی لیتے تھے اور اسے زمین نرم کرنے یا ڈھیلے نکالنے کے لیے بھی استعمال فرماتے تھے اور جنگ بدر کی تاریخی فتح کو یاد رکھنے کی طرف اشارہ بھی فرماتے تھے ایک حدیث میں "تغرز" کا لفظ ہے ایک حدیث میں یغرز اور یعرض کے الفاظ ہیں سب کا معنی گاڑنا ہے اسی طرح "تنصب" نصب کرنے اور گاڑنے کے معنی میں ہے۔

"بالمصلی" اس سے مراد عیدگاہ ہے چونکہ عیدگاہ کھلے میدان میں تھی کوئی دیوار سامنے نہیں تھی، اس لیے سترہ گاڑنے کی ضرورت تھی۔

فتح الملہم میں علامہ عثمانیؒ نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے کہ یہ نیزہ نجاشی بادشاہ نے آنخضرت کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا آپ نے

اس کو سترہ میں استعمال فرمایا دونوں باتیں ممکن ہیں۔

۱۱۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْكُزُ - وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَغْرِزُ - الْعَنَزَةَ وَيُصَلِّي إِلَيْهَا زَادَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: وَهِيَ الْحَرْبَةُ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیزہ گاڑتے اور پھر اس برچھی (نیزہ) کی آڑ میں نماز پڑھتے تھے۔

۱۱۱۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْرِضُ رَاحِلَتَهُ وَهُوَ يُصَلِّي إِلَيْهَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کو اپنے سامنے کر کے نماز پڑھا کرتے تھے (اونٹنی کو بطور سترہ کے سامنے کر لیتے تھے)

تشریح:

"یعرض" یہ صیغہ باب ضرب سے ہے، کسی جانور کو چوڑائی میں بٹھانا مراد ہے تاکہ نمازی اور قبلہ کے درمیان سترہ بنے، باب تفعیل سے بھی یہی معنی مراد ہوسکتا ہے۔امام بخاریؒ نے اس روایت کو مزید تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں کسی سائل نے حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا ہے، آپ نے جواب دیا ہے۔

"افرأیت" یعنی مجھے خبر دو اور مجھے بتلادو۔

"اذاھبت" ھبوب نیند سے اٹھنے یا کسی جانور کے بیٹھنے کے بعد اٹھنے کو کہتے ہیں۔

شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ ھبوب کا لفظ چلے جانے کے لیے بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے یعنی جب جانور اٹھ کر چلا جاتا، پھر سترہ کس چیز سے ہوتا تھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں "اذا ھبت" ای قامت للسیر، اس کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر جانور دوران نماز اٹھ کر چلا جائے تو پھر کیا ہوگا تو حضرت ابن عمرؓ نے نافع کو جواب دیا کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کجاوہ کو ٹھیک کر کے اس سے سترہ بناتے تھے، حدیث کے سیاق وسباق کا تقاضا یہی ہے کہ دوران نماز جانور کے چلے جانے کے بعد سترہ کے بارے میں سوال کیا گیا اور جواب اسی کے متعلق آیا ہے اور کجاوہ ٹھیک کرنا نماز کے دوران عمل قلیل ہے، ایک ہاتھ سے ہوسکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ کے اشارہ سے میں اس سیاق وسباق کی بات کرتا ہوں ورنہ کسی شرح میں اس طرح تشریح میں نے نہیں دیکھی، کاش میں دیکھ لیتا، عام شراح نے وہی مطلب لیا ہے کہ اگر جانور چرنے کے لیے چلا جاتا اور سترہ کے لیے کوئی جانور نہیں ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے؟ تو ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر کجاوہ کو سترہ کے لیے استعمال فرماتے، یہ مطلب سیاق وسباق سے بہت بعید ہے، کیونکہ سترہ بنانے کے لیے کوئی جانور متعین ہوتا نہیں تھا، سترہ تو ہر چیز

سے بنایا جاتا تھا پھر اس سوال و جواب کی ضرورت کیا تھی۔

"الرکاب" اس سے مراد اونٹ ہیں، اس کا مفرد راحلہ ہے، اپنے صیغہ سے اس کا مفرد نہیں آتا، قاموس میں لکھا ہے کہ رکاب بروزن کتاب، اس کا مفرد راحلہ ہے اور اس کی جمع رُکُبٌ کُتُبٌ کی طرح آتی ہے اور رکابات اور رکائب بھی آتی ہے۔ (کذا فی اللمعات)

"یُعَدِّلُه" تعدیل سے ہے، برابر کرنے اور سیدھا کرنے کے معنی میں ہے۔

"الی آخرته" کجاوہ کے ساتھ دو طرفہ لکڑی لگی ہوتی ہے، ایک اس کے اگلے حصے میں جس کو سوار سے پکڑتا ہے اور ایک لکڑی اس کے آخری حصے میں ہوتی ہے جس سے سوار ٹیک اور تکیہ لگاتا ہے، آخرۃ اسی آخری لکڑی کا نام ہے، اس کو مؤخرۃ الرحل بھی کہتے ہیں جو آنے والی حدیث میں ہے، اس حدیث میں حیوان کا ذکر ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی نمازی کے آگے بیٹھا ہو تو اس کی پشت کو سترہ بنایا جاسکتا ہے، ہاں چہرہ آمنے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔

۱۱۱۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي إِلَى رَاحِلَتِهِ وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِلَى بَعِيرٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے اور ابن نمیر نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی۔

تشریح:

"الی البعیر" مختلف احادیث میں نمازی کو سترہ کے معاملہ میں کچھ سہولتیں دی گئی ہیں، ایک آسانی اور سہولت یہ دی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس سترہ کے لیے کچھ بھی میسر نہیں ہے تو وہ عصا کو بطور سترہ سامنے گاڑ کر استعمال کرسکتا ہے اور اگر زمین سخت ہو گاڑنے کی صورت نہیں بن رہی ہو تو پھر طولاً عصا کو سامنے رکھنا بھی کافی ہو جائے گا۔ شرح منیة المصلی میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو بجائے گاڑنے کے صرف طولاً سامنے رکھ دے تو بعض علماء کے نزدیک اس طرح کرنے سے سترہ کا عمل پورا ہو جائے گا، مگر بعض علماء کے نزدیک اس طرح رکھنے سے یہ سترہ کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ کفایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہتا ہے تو اس کو عرضاً نہیں رکھنا چاہیے بلکہ طولاً رکھنا چاہیے، جانور کو بھی سترہ بنانا جائز اور ثابت ہے۔ ایک حدیث سے نمازی کو یہ سہولت بھی میسر آتی ہے کہ اگر اس کے پاس سترہ کے لیے کوئی چیز نہ ہو ہاتھ میں عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے لکیر کھینچ کر نماز ادا کرے، اس کے سترے کے لیے یہ کافی ہے، اس سے نمازی کے دل کے شکوک وشبہات اور وساوس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، امام شافعی کا قول قدیم اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے کہ لکیر کھینچنا سترہ کے لیے کافی ہے، احناف کے متاخرین علماء نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، حنفیہ کے اکثر علماء اور امام مالکؒ کے نزدیک لکیر کھینچنا سترہ کے لیے کافی

نہیں ہے، اس سے امتیاز حاصل نہیں ہوتا، امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے، صاحب ہدایہ نے بھی اسی قول کو لیا ہے کہ لکیر کا کوئی اعتبار نہیں، بہرحال میں اضطراب بھی ہو مگر لکیر کا ذکر اور اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے۔

پھر علماء لکیر کھینچنے کے طریقہ میں مختلف ہوئے ہیں بعض نے محرابی شکل کی لکیر کی بات کی ہے، بعض نے طولاً لکیر کھینچنے کو ترجیح دی ہے بعض نے عرضاً لکیر کو پسند کیا ہے، محرابی شکل زیادہ باعث اطمینان ہے اور عام احناف کے ہاں لکیر کا اعتبار ہے، صاحب ہدایہ کا قول معتبر نہیں ہے، محقق ابن ہمامؒ اور امام ابو یوسفؒ خط کھینچنے کو راجح قرار دیا ہے۔

۱۱۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ: زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، قَالَ: فَخَرَجَ بِلَالٌ بِوَضُوئِهِ، فَمِنْ نَائِلٍ وَنَاضِحٍ، قَالَ: فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ سَاقَيْهِ، قَالَ: فَتَوَضَّأَ وَأَذَّنَ بِلَالٌ، قَالَ: فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَا هُنَا وَهَا هُنَا يَقُولُ: يَمِينًا وَشِمَالًا - يَقُولُ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ .قَالَ: ثُمَّ رُكِزَتْ لَهُ عَنَزَةٌ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْحِمَارُ وَالْكَلْبُ، لَا يُمْنَعُ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں ابطح کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ چمڑے کے خیمہ میں تھے۔ حضرت بلالؓ وضو کا پانی لے کر نکلے۔ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچ گیا تھا، لوگوں نے برکت کیلئے اسے لینا چاہا تو) کسی کو تو پانی ملا اور کسی کو نہ ملا تو اس نے دوسرے سے لے کر اپنے اوپر چھینٹے ہی مار لیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا پہنے باہر تشریف لائے گویا کہ میں آج بھی آپ کی پنڈلیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ میں اِدھر اُدھر ان کے منہ کی اتباع کرنے لگا جو دائیں پھر بائیں جانب حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہہ رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نیزہ گاڑ دیا گیا، آپ آگے ہوئے اور ظہر کی دو رکعات (قصر) پڑھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گدھا، کتا جانور وغیرہ گزر رہے تھے، مگر آپ انہیں روکتے نہیں تھے۔ پھر آپ نے عصر کی دو رکعات پڑھیں پھر آپ مستقل مدینہ لوٹنے تک دو رکعت ہی پڑھتے رہے۔

تشریح:

"و هو بالابطح" ابطح کو محصب بھی کہتے ہیں، رمی جمرات سے جب آنحضرت فارغ ہوئے تو واپسی پر آپ نے مقام ابطح کے نالے پر نزول فرمایا اور رات گزار کر پھر مدینہ روانہ ہوئے، مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے سرنگ کے اوپر جو پہاڑ ہے اسی کی پشت پر ایک نالے کو ابطح کہتے ہیں، مشرکین نے بنو ہاشم سے بائیکاٹ کا ظالم صحیفہ اسی جگہ لکھا تھا، جب سرنگ نہیں تھی تو راستہ اوپر تھا۔

"فمن نائل" نائل اس شخص کو کہا گیا ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی مل گیا۔
"وناضح" ناضح اس شخص کو کہا گیا ہے جس کو پانی نہیں ملا، بلکہ دوسرے ساتھی کے ہاتھوں سے کچھ تری حاصل کی، اگلی روایت میں تصریح موجود ہے، اس سے تبرك بآثار الصالحین ثابت ہوتا ہے۔
"حلة حمراء" سرخ لباس مردوں کے لیے ناجائز ہے، یہاں ایسا کپڑا مراد ہے، جس میں سرخ دھاریاں ہوں، بالکل سرخ نہ ہو۔
"صلی رکعتین" یہ صلوٰۃ سفر بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ آنحضرت منیٰ میں مسافر تھے، احناف اسی کے قائل ہیں، لیکن مالکیہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ نماز قصرالحج کے طور پر تھی کہ سہولت کے پیش نظر عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں عید کی نماز بھی جمعہ کی نماز بھی نہیں ہے اور نماز بھی قصرالحج کے طور پر ہے، یہ بات بہت اچھی ہے، کئی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

۱۱۱۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، أَنَّ أَبَاهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخْرَجَ وَضُوءًا، فَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخْرَجَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا فَصَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ

حضرت عون بن ابی جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سرخ چمڑے کے خیمہ میں دیکھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت بلالؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی نکالا تو لوگ اسے حاصل کرنے کیلئے جھپٹ پڑے (تاکہ برکت حاصل کریں) جسے کچھ مل گیا اس نے اپنے بدن پر پھیر لیا اور جسے کچھ نہ ملا اس نے اپنے بھائی کے گیلے جسم سے تری حاصل کر کے (برکت حاصل کی) پھر میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ ایک نیزہ انہوں نے نکالا اور اسے گاڑ دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑے میں ملبوس تیزی سے تشریف لائے اور نیزہ کی طرف کھڑے ہو کر لوگوں کے ساتھ دو رکعت پڑھیں اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور چوپائے نیزہ کے سامنے سے گزر رہے تھے (کیونکہ سترہ تھا اس لئے ان کے گزرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑا)

۱۱۲۰۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَيْسٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، كِلَاهُمَا عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِ سُفْيَانَ، وَعُمَرَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ يَزِيدُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ .وَفِي حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ فَلَمَّا كَانَ بِالْهَاجِرَةِ خَرَجَ بِلَالٌ فَنَادَى بِالصَّلَاةِ

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سابقہ حدیث اس سند کے ساتھ بھی کم و بیش منقول ہے، لیکن مالک بن مغول والی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب دوپہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور نماز کیلئے اذان دی۔

۱۱۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ إِلَى الْبَطْحَاءِ فَتَوَضَّأَ فَصَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ قَالَ شُعْبَةُ: وَزَادَ فِيهِ عَوْنٌ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي جُحَيْفَةَ: وَكَانَ يَمُرُّ مِنْ وَرَائِهَا الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ.

حضرت ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو بطحاء مقام کی طرف نکلے پھر وضو کر کے ظہر اور عصر کی دو دو رکعات پڑھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک نیزہ تھا اور نیزہ کے اس پار سے عورتیں اور گدھے گزر رہے تھے۔

۱۱۲۲۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، بِالْإِسْنَادَيْنِ جَمِيعًا مِثْلَهُ وَزَادَ فِي حَدِيثِ الْحَكَمِ فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ

شعبہؒ سے دونوں سندوں کے ساتھ سابقہ روایت ہی کی طرح منقول ہے اور حکم کی حدیث میں اتنا اضافہ ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لینا شروع کر دیا۔

۱۱۲۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيِ الصَّفِّ، فَنَزَلْتُ فَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا، میں ان دنوں قریب البلوغ تھا، دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو منیٰ میں نماز پڑھا رہے ہیں، میں صف کے سامنے سے گزرا اور سواری سے اتر کر گدھی کو چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا، لیکن کسی نے مجھ پر نکیر نہیں کی (کہ تم نے نمازیوں کے سامنے سے گزر کر غلط کیا ہے)۔

تشریح:

"علی اتان" اکثر روایات میں حمار کا لفظ آیا ہے، اس سے گدھا مراد ہے، مگر یہاں لفظ اتان ہے جو گدھے کی میم صاحبہ گدھی کو کہتے ہیں، اس تصریح کے بعد کہا جائے گا کہ حمار جنس مراد لیا گیا ہے جو گدھے اور گدھی دونوں کو کہتے ہیں، یہاں گدھی کا تعین آ گیا کہ حمار مراد نہیں بلکہ گدھی مراد ہے۔

"ناہزت الاحتلام" قریب البلوغ ہونا مراد ہے۔علماء نے آنحضرت کی وفات کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر اس وقت دس سال کی تھی، بعض نے تیرہ بتایا ہے، بعض نے پندرہ سال لکھا ہے، امام احمدؒ نے پندرہ سال کو ترجیح دی ہے (نووی) علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ہجرت سے تین سال

پہلے پیدا ہوئے تھے دس سال آنحضرت کے ساتھ مدینہ میں گزارے تو آنحضرت کی وفات کے وقت آپؓ کی عمر تیرہ سال تھی یہ زیادہ واضح ہے۔

"فلم ینکر علی احد" یعنی کسی نے مجھ پر نکیر نہیں کی یا تو اس وجہ سے کہ آپ چھوٹے تھے یا اس وجہ سے کہ سترہ موجود تھا، امام کا سترہ قوم کے لیے سترہ ہوتا ہے اگر چہ حضرت ابن عباسؓ صف کے سامنے سے گزرے تھے۔

۱۱۲۴۔ حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ أَقْبَلَ يَسِيرُ عَلَى حِمَارٍ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي بِمِنًى فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ يُصَلِّي بِالنَّاسِ قَالَ: فَسَارَ الْحِمَارُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، ثُمَّ نَزَلَ عَنْهُ فَصَفَّ مَعَ النَّاسِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں حجۃ الوادع کے موقع پر کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے تھے، گدھا بعض صفوں کے سامنے سے گزرا اور ابن عباسؓ اس سے نیچے اترے اور لوگوں کے ساتھ صف میں شریک ہو گئے۔

۱۱۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ: وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِعَرَفَةَ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے، لیکن اس روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں نماز پڑھا رہے تھے۔

۱۱۲۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ .وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ مِنًى وَلَا عَرَفَةَ .وَقَالَ: فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَوْ يَوْمَ الْفَتْحِ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے، لیکن اس روایت میں منیٰ اور عرفات کا کوئی ذکر نہیں۔

تشریح:

"منی و لا عرفة" اوپر کی روایت میں ابن عیینہ ابن شہاب زہریؒ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت نے سترہ رکھ کر جو نماز پڑھی آپ عرفہ میں تھے، زیر بحث روایت میں معمر ابن شہاب زہری سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منیٰ اور عرفہ کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ حجۃ الوداع یا فتح مکہ کی بات ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دو الگ الگ واقعے ہوں، لیکن علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ "عرفہ" کا قول شاذ ہے، یہ منیٰ کا واقعہ ہے، وہ روایت محفوظ ہے پھر اگلی روایت میں فتح مکہ کا قول بھی صحیح نہیں ہے بلکہ حجۃ الوداع کا شک کے بغیر صحیح ہے۔

باب منع المار بین یدی المصلی

نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۲۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلْيَدْرَأْهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کسی گزرنے والے کو گزرنے نہ دے اپنے سامنے سے اور جہاں تک قدرت ہو تو اسے روکے اور اگر وہ انکار کرے (یعنی گزرنے پر مُصر ہی ہو) تو اس سے لڑائی کرے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔“

تشریح:

”ولیدرئہ ما استطاع“ عمل کثیر سے دفع کرنا اجماعاً مفسد صلوٰۃ ہے نیز دفاع کا یہ حق سترہ رکھنے کے بعد ہے، اگر کسی نمازی نے سترہ نہیں رکھا ہے تو جرم خود نمازی کا ہے، باقی رہ گیا یہ مسئلہ کہ دفاع کرنا اولیٰ اور بہتر ہے یا غیر اولیٰ ہے تو اس میں تفصیل ہے کہ نفس دفاع تو مباح ہے مگر دفاع نہ کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اولیٰ ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک بھی دفاع کرنا کوئی وجوبی حکم نہیں ہے۔ جن احادیث میں دفاع کا حکم آیا ہے وہ بیان رخصت کے لیے ہے یا ابتدا میں وجوب تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ (کذا فی الزیلعی)

”فلیقاتلہ“ یہ لڑنے کے معنی میں ہے، قتل کرنے کے معنی میں نہیں ہے، کیونکہ قتال کا مفہوم قتل کے مفہوم سے الگ ہے، مگر بعض روایات میں ”فلیقتلہ“ کے الفاظ آئے ہیں جس سے بظاہر قتل کرنا مراد ہے؛ اب کسی نے ظاہری حدیث کو دیکھ کر دفاع کیا اور اس سے وہ آدمی واقعی مارا گیا تو قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ دفاع کی حد تک دفاع کرنے سے اگر کوئی آدمی مر گیا تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے، البتہ دیت میں اختلاف ہے بعض نے دیت کو واجب کیا اور بعض نے واجب نہیں کیا۔

”فانہ شیطان“ یعنی اب یہ شخص شیطان والا کام کر رہا ہے، شیطان کی طرح سرکشی پر اتر آیا ہے ایک نمازی کی نماز میں تشویش ڈال رہا ہے تو یہ شیطان کی طرح ہو گیا، ہاں اگر کوئی نمازی وسط طریق میں کھڑا ہو گیا تو گناہ اس پر ہو گا، گزرنے والا معاف ہو گا۔

۱۱۲۸۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَنَا ابْنُ هِلَالٍ يَعْنِي حُمَيْدًا، قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا وَصَاحِبٌ لِي نَتَذَاكَرُ حَدِيثًا .إِذْ قَالَ أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ، أَنَا أُحَدِّثُكَ مَا سَمِعْتُ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ وَرَأَيْتُ مِنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا مَعَ أَبِي سَعِيدٍ يُصَلِّي يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، إِذْ جَاءَ رَجُلٌ شَابٌّ مِنْ بَنِي أَبِي مُعَيْطٍ أَرَادَ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَدَفَعَ فِي نَحْرِهِ فَنَظَرَ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا، إِلَّا بَيْنَ يَدَيْ أَبِي سَعِيدٍ فَعَادَ، فَدَفَعَ فِي

نَحْرِهِ أَشَدَّ مِنَ الدَّفْعَةِ الْأُولَى، فَمَثَلَ قَائِمًا، فَنَالَ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ، ثُمَّ زَاحَمَ النَّاسَ، فَخَرَجَ فَدَخَلَ عَلَى مَرْوَانَ فَشَكَا إِلَيْهِ مَا لَقِيَ، قَالَ: وَدَخَلَ أَبُو سَعِيدٍ عَلَى مَرْوَانَ، فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ: مَا لَكَ وَلِابْنِ أَخِيكَ جَاءَ يَشْكُوكَ. فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلْيَدْفَعْ فِي نَحْرِهِ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔

ابو صالح السمان فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی نماز میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا۔ وہ کسی چیز کی آڑ میں لوگوں سے الگ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس دوران ایک نوجوان شخص جو بنی ابی معیط سے تعلق رکھتا تھا ان کے پاس آیا اور انہیں عبور کر کے گزرنا چاہا، ابو سعیدؓ نے اس کے سینہ میں ہاتھ مار کر اسے روکنا چاہا۔ اس نے دوسری طرف دیکھا تو راستہ نہ پایا سوائے ابو سعیدؓ کے سامنے سے۔ وہ دوبارہ گزرنے لگا تو ابو سعیدؓ نے پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اس کے سینہ میں مارا، وہ وہیں کھڑا ہو کر رہ گیا اور ابو سعیدؓ سے جھگڑنے لگا۔ (برا بھلا کہنے لگا) پھر لوگوں میں گھس کر وہ وہاں سے نکلا اور مروان (حاکم مدینہ) کے پاس گیا اور سارے واقعہ کی شکایت مروان سے کی۔ جب ابو سعیدؓ مروان کے پاس پہنچے تو مروان نے ان سے کہا کہ آپ کا اپنے بھتیجے کے ساتھ کیا معاملہ ہوا جو آپ سے شکایت کرتا ہے۔ ابو سعیدؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی سترہ رکھ کر نماز پڑھے اور پھر کوئی تمہارے سامنے سے گزرنے کی کوشش کرے تو اس کے سینہ میں مار کر اسے روکے، اگر وہ پھر بھی انکار کرے (اور زبردستی نکلنا چاہے) تو اس سے لڑے اس لیے کہ وہ تو شیطان ہے۔

تشریح:

''بنی ابی معیط'' شارحین کے اقوال میں اختلاط اور تشویش ہے کہ یہ نوجوان کس کی اولاد میں سے تھا مگر بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ نوجوان عقبہ بن ابی معیط کی نسل میں سے کوئی تھا۔ اس نے ضد سے کام لیا اور زبردستی ایک نمازی اور شان والے صحابی ابو سعید خدریؓ کے سامنے سے گزرا اور گالی بھی دے دی پھر جا کر تھانہ میں رپورٹ بھی کی اور مروان کے سامنے شکایت لگائی، جس پر حضرت ابو سعید خدریؓ سے باز پرس بھی کی مگر مروان جب حدیث نبوی سن لی تو خاموش ہو گیا اور فیصلہ گویا حضرت ابو سعیدؓ کے حق میں ہو گیا کہ یہ لڑکا غلطی پر تھا بلکہ اس نے شیطان والا کام کیا ہے۔

''فمثل قائما'' یعنی ادھر ادھر دیکھنے لگا اور کھڑا ہو گیا۔

''فنال من ابی سعید'' یعنی ابو سعید خدریؓ کو سخت سست کہا اور گالم گلوچ پر اتر آیا۔

''ثم زاحم'' پھر لوگوں کو دھکے دے کر زبردستی اپنا راستہ نکال کر چلا گیا، اگلی روایت میں ''القرین'' کا لفظ ہے، اس سے مراد شیطان ہے کہ وہ اس گزرنے والے کے ساتھ قرین ہے، یعنی ہمزاد ہے شیطان ساتھ ہوتا ہے۔

۱۱۲۹۔ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ،

عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کسی کو سامنے سے گزرنے نہ دے اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے لڑو کیونکہ اس کے ساتھ قرین (شیطان) ہے۔ (قرین سے مراد شیطان ہے)

۱۱۳۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ، حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ يَسَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمِثْلِهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی حدیث مذکورہ سند سے مروی ہے۔

۱۱۳۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ، أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ، يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي؟ قَالَ أَبُو جُهَيْمٍ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ، مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ: " لَا أَدْرِي قَالَ: أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً؟ "

حضرت بسر بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت زید بن خالد الجہنیؓ نے انہیں ابو جہیم کے پاس بھیجا یہ بات پوچھنے کیلئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کے بارے میں کیا سنا ہے؟ ابو جہیم نے (جن کا نام عبداللہ بن حارث انصاریؓ تھا) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کتنا وبال ہے تو چالیس (برس) کھڑے رہنا اس کے لیے نمازی کے سامنے سے گزرنے سے بہتر ہو۔ ابوالنضرؒ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا چالیس دن یا مہینے یا سال۔

تشریح:

''ابو جھیم'' تصغیر کے ساتھ یہ کنیت ہے، ان کا نام عبداللہ بن حارث ہے، انصاری صحابی ہیں، ایک ابوجہم ہے، وہ اور صحابی ہیں جن کا نام عامر بن حذیفہ ہے، ان کا ذکر خمیصہ چادر کے ساتھ آیا ہے، ابوجہیم کا تذکرہ تیمم میں آیا ہے۔

''ما ذا علیه'' یعنی نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اگر عین الیقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس گزرنے کی سزا کتنی سخت ہے تو وہ چالیس سال تک انتظار کرتا اور نمازی کے آگے سے نہ گزرتا، آدمی پانچ منٹ کے انتظار سے کتنا اکتا جاتا ہے تو چالیس سال تک رک کر کھڑا رہنا کتنا مشکل ہے لیکن نمازی کے آگے سے گزرنے کے شدید عذاب کے پیش نظر اگر چالیس سال بھی رکنا پڑے تب بھی کم ہے کیونکہ گزرنے کا عذاب بہت زیادہ ہے۔

"اربعین" اس لفظ میں شک پڑ گیا کہ اربعین کی تمیز کیا ہے آیا چالیس دن ہیں یا چالیس ماہ ہیں یا چالیس سال ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں نقل کیا ہے، جس میں سو برس ٹھہرنے کا ذکر ہے، امام طحاویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ زیر نظر حدیث میں چالیس سے چالیس سال مراد ہیں، بعض روایات میں اربعین خریفا ای سنة کا لفظ موجود ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ وعید اس گزرنے والے کے بارے میں ہے جو نمازی کے سامنے سے عرضاً گزرتا ہے، نیز یہ اس صورت میں ہے جبکہ گزرنے والا نمازی کے سجدہ کی جگہ سے گزرتا ہے، بعض فقہاء نے نمازی کے جسم سے مس ہونے کی قید بھی لگائی ہے، بہر حال وعید شدید ہے، علماء نے مجبوری کے تحت حرمین شریفین کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، ورنہ پھر وہاں دن بھر کوئی آدمی کسی طرف نہیں جا سکے گا، ابن حجرؒ نے کعبہ کو لوگوں کے لیے سترہ قرار دیا ہے۔ (کذا فی المرقات)

نمازیوں کے آگے سے گزرنے کی چار صورتیں

نمازی کے آگے سے جو آدمی گزرتا ہے تو اس میں کون گناہ گار ہوگا آیا صرف گزرنے والا گناہ گار ہوگا یا نمازی کا قصور بھی ہے، اس میں چار صورتیں ہیں، جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱): نمازی نے سترہ بھی رکھا ہے، شارع عام میں بھی نماز نہیں پڑھ رہا ہے، سامنے سے گزرنے والے کے لیے دوسرا راستہ بھی ہے، اس صورت میں نمازی کے سامنے سے گزرنے والا ہی گناہ گار ہوگا، نمازی پر کوئی گناہ نہیں۔

(۲): نمازی شارع عام میں کھڑا ہے، سترہ بھی نہیں رکھا، گزرنے والے کے لیے دوسرا راستہ بھی نہیں ہے، اس صورت میں نمازی ہی گناہ گار ہوگا، گزرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

(۳): نمازی شارع عام میں کھڑا ہے، سترہ بھی نہیں رکھا، لیکن گزرنے والے کے لیے دوسرا راستہ موجود ہے پھر بھی وہ نمازی کے سامنے سے گزرتا ہے تو یہ نمازی اور وہ سامنے سے گزرنے والا دونوں گناہ گار ہوں گے۔

(۴): نمازی نے سترہ بھی رکھا ہے، شارع عام بھی نہیں ہے لیکن سامنے سے گزرنے والے کے لیے کوئی اور راستہ نہیں ہے، مجبور ہے تو اس صورت میں نہ نمازی کو گناہ ہوگا اور نہ گزرنے والا گناہ گار ہوگا۔

کیا مسجد حرام میں نمازیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے؟

حرمین شریفین میں ایک اہم مسئلہ تمام مسلمانوں کو درپیش ہے کہ وہاں ازدحام اور رش ہوتا ہے کہ اگر نمازیوں کے سامنے سے گزرنا ممنوع اور حرام قرار دیا جائے تو پھر دن بھر وہاں کوئی شخص حرکت نہیں کر سکے گا یا حرم شریف جانا ہی چھوڑ دے گا، اس حرج کے پیش نظر ہمیشہ یہ خیال رہا کہ آیا اس کا کوئی شرعی حل نکل سکتا ہے یا نہیں۔ ایک بات تو پہلے سے کہی جاتی تھی کہ یہاں حرج ہے اور حرج شریعت میں مدفوع ہے، لہٰذا نمازی کے سامنے سے گزرنے کی گنجائش ہے مجبوری ہے، یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ حرمین کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے لیکن اس مسئلے حل کے لیے کسی نص کا پیش کرنا مشکل تھا، آج الحمد للہ مسجد حرام مکہ مکرمہ سے متعلق چند

حوالے مل گئے ہیں جو فتح الملہم نے اس مقام پر بحث کے تحت درج کیے ہیں، جب مکہ مکرمہ کے حرم کا مسئلہ معلوم ہو جائے گا تو مدینہ منورہ مسجد نبوی کے حرم کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کیونکہ دونوں کی نوعیت اور مجبوری ایک جیسی ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الملہم ج ۳ ص ۶۶۷ پر لکھتے ہیں:

(۱): واغتفر بعض الفقهاء المرور بين يدي المصلي للطائفين دون غيرهم للضرورة و عن بعض الحنابلة جواز ذلك في جميع مكة كما ترجم به عبد الرزاق حيث قال لا يقطع الصلوٰة بمكة شئ (كذا في الفتح)

یعنی بعض فقہاء نے اس جائز قرار دیا ہے کہ صرف طواف کرنے والے ضرورت کے پیش نظر نمازی کے سامنے سے گزر سکتے ہیں بلکہ بعض حنابلہ علماء کا فتویٰ ہے کہ پورے مکہ میں اس طرح نمازیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے، مصنف عبدالرزاق میں اس کے لیے اس طرح عنوان باندھا گیا ہے کہ ''مکہ میں کوئی چیز نماز کو نہیں توڑ سکتی ہے۔''

(۲): وفي ردالمختار ذكر في حاشية المدني لا يمنع المار داخل الكعبة و خلف المقام و حاشية المطاف لما روى احمد و ابو دائود عن المطلب بن ابي وداعة "انه رأى النبي ﷺ يصلي مما يلي باب بني سهم و الناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة" وهو محمول على الطائفين فيما يظهر و مثله في البحر العميق و كذا نقله ابن جماعة و نقله سنان آفندي ايضاً في منسكه...... انتهى

یعنی علامہ ابن عابدین شامیؒ نے حاشیہ مدنی میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ کعبہ کے اندر مقام ابراہیم کے پیچھے اور مطاف کے کناروں پر نمازیوں کے سامنے سے کسی گزرنے والے کو منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ امام احمد اور امام ابوداؤد دونوں نے مطلب بن ابی وداعہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''باب سہم'' کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، لوگ آپ کے سامنے سے گزرتے تھے اور آپ کے سامنے سترہ نہیں تھا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ بھی طواف کرنے والوں کے متعلق ہے۔

(۳): وقال العلامة قطب الدين في منسكه: رأيت بخط بعض تلامذة ابن همام في حاشية فتح القدير اذا صلى في المسجد الحرام ينبغي ان لا يمنع المار للحديث المذكور قال ابن عابدينؒ: وهذا فرع غريب فليحفظه

یعنی علامہ قطب الدینؒ نے حج سے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے فتح القدیر کے حاشیہ میں ابن ہمامؒ کے بعض شاگردوں کے اپنے لکھے ہوئے خط کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہو تو مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے سے گزرنے والے کو منع نہ کرے کیونکہ اس کے جواز پر مذکورہ حدیث موجود ہے، علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عجیب وغریب فقہ کا جزئیہ ہے، اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

علامہ عثمانیؒ نے ان حوالوں کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ مسجد حرام میں اپنے سامنے سے گزرنے والے کو روکا کرتے تھے، بہرحال آج کل کی مجبوری اور ازدحام اگر اس زمانے میں کوئی دیکھتا تو دس فتوے جاری کرتا کہ اس کی گنجائش ہے تاہم اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے سے بچنے کی کوئی صورت بن سکتی ہے تو ہرگز نہیں گزرنا چاہیے، بعض بے پروا ہو کر مجبوری کے بغیر گزر جاتے ہیں جو کہ غلط ہے، اسی طرح حرمین کے علاوہ مساجد میں اس کی عادت بنانا بھی غلط ہے کیونکہ حدیث

میں وعید شدید موجود ہے۔

۱۱۳۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمِ بْنِ حَيَّانَ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ، أَرْسَلَ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ الْأَنْصَارِيِّ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فَذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ

اس سند سے سابقہ حضرت مالک والی حدیث (اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کتنا وبال ہے تو چالیس (برس) کھڑے رہنا بہتر ہے) مروی ہے۔

باب دنو المصلي من السترة

نمازی کا سترہ کے قریب کھڑے ہونے کا بیان

امام مسلمؒ نے اس باب میں تین احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۳۳۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّٰی اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی تھی۔

"الجدار" اس دیوار سے مراد قبلہ کی طرف دیوار ہے اور "مصلی رسول الله" سے وہ مقام مراد ہے جہاں آنحضرت کھڑے ہوتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے یہی مطلب بیان کیا ہے، لیکن علامہ نوویؒ "مصلی" سے آنحضرت کے سجدہ کا مقام مراد لیتے ہیں یعنی آپ کی سجدہ گاہ اور سامنے دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی تھی، یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

"ممر الشاة" ای قدر مکان مرور الشاۃ۔ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ بکری کے گزرنے کی مقدار کم سے کم ہے جو نمازی اور اس کے سترہ کے درمیان ہونا چاہیے، بعض علماء کہتے ہیں کہ کم از کم مقدار تین شرعی گز ہیں کیونکہ حضرت بلالؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی، آپ کے اور دیوار کے درمیان تین گز کا فاصلہ تھا، علامہ حلبیؒ نے کہا ہے کہ تین گز سے زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیے، بہر حال شیطان کے وساوس دور کرنے کے لیے اور شیطان نما انسان کے گزرنے سے بچاؤ کے لیے بہتر یہی ہے کہ نمازی سترہ کے قریب کھڑا ہو، احناف کے فقہاء کا رجحان اسی طرف ہے، نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ سترہ کو پیشانی کے بالکل سیدھ میں نہ رکھے بلکہ پیشانی سے کچھ ہٹ کر ہو تا کہ اسلام کی عالیشان توحید میں شرک کا شائبہ بھی نظر نہ آئے۔

۱۱۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، - وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: - حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنْ يَزِيدَ يَعْنِي ابْنَ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ وَهُوَ ابْنُ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ كَانَ يَتَحَرَّى مَوْضِعَ مَكَانِ الْمُصْحَفِ يُسَبِّحُ فِيهِ، وَذَكَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَحَرَّى

ذٰلِكَ الْمَكَانَ، وَكَانَ بَيْنَ الْمِنبَرِ وَالْقِبْلَةِ قَدْرُ مَمَرِّ الشَّاةِ

حضرت سلمہؓ بن الاکوع سے روایت ہے کہ وہ مصحف کی جگہ کو تلاش کرتے تھے تا کہ وہاں نفل وغیرہ پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبلہ کے درمیان بکری کے گزرنے کی مقدار برابر جگہ تھی۔

تشریح:

"ویتحری" ڈھونڈھنے تلاش کرنے اور اہتمام کرنے کے معنی میں ہے یعنی سلمہ بن اکوع ایک خاص مکان میں نفل پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے جہاں مصحف عثمانی رکھا ہوتا تھا، مصحف سے وہ نسخہ مراد ہے جو حضرت عثمانؓ کے حکم پر قریش کی لغت میں قرآن کریم کو جمع کیا گیا تھا، ایک نسخہ مکہ میں تھا، ایک مدینہ میں تھا، ایک مصر میں تھا، ایک شام میں تھا اور ایک کوفہ میں تھا، مدینہ میں مسجد نبوی میں یہ نسخہ ریاض الجنۃ میں ایک ستون کے پاس صندوق میں ہوتا تھا۔ مکان المصحف سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔
"یسبح" نفل نماز پڑھنا مراد ہے۔

۱۱۳۵۔ حَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مَكِّيٌّ، قَالَ يَزِيدُ: أَخْبَرَنَا، قَالَ: كَانَ سَلَمَةُ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ .فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هَذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا

یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمہؓ بن اکوع اس ستون کے قریب جگہ ڈھونڈتے تھے نماز کیلئے جو مصحف کے پاس تھا، میں نے ان سے کہا کہ اے ابومسلم! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ اسی ستون کے قریب جگہ تلاش کرتے ہیں نماز کیلئے؟ فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قریب نماز پڑھتے دیکھا ہے (اس لیے بطور تبرک میں بھی اسی جگہ کو ڈھونڈتا ہوں نماز کیلئے)

تشریح:

"عند الاسطوانة" اسطوانہ ستون کو کہتے ہیں۔ علامہ عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کی تحقیق کے مطابق یہ ستون ریاض الجنۃ کے درمیان میں واقع تھا اور یہ اسطوانۃ المہاجرین کے نام سے مشہور تھا اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگ اگر اس جگہ کو پہچان لیں تو اس پر قرعہ اندازی میں دھکم پیل شروع ہو جائے گی، نیز حضرت عائشہؓ نے چپکے سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ جگہ بتادی تھی تو وہ یہاں کثرت سے نماز پڑھتے تھے، کہتے ہیں کہ مہاجرین زیادہ تر یہاں نماز پڑھتے تھے۔
(فتح الملہم)

روایات میں صراحۃً یہ بات موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ سے مسجد نبوی میں سب سے افضل جگہ کا پوچھا تو آنحضرت نے حضرت عائشہ کو اسطوانہ عائشہ کی دائیں جانب ایک مختصر سی جگہ بتادی، اس جگہ میں آج کل ایک مضبوط مشہور ستون ہے جو ریاض الجنۃ کے درمیان میں واقع ہے، جب نمازی قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتا ہے تو نمازی کا بائیاں کندھا اس ستون کے ساتھ مل جاتا ہے یہی جگہ ہے

جس کا تذکرہ زیر بحث حدیث میں ہے، آج کل اس ستون کا نام اسطوانہ عائشہ ہے، شاید مصحف عثمانی بھی قدیم زمانے میں اسی جگہ پر ایک صندوق میں ہوتا تھا جس کا ذکر اس حدیث میں ہے، حضرت سلمہ بن اکوع نے صرف اسطوانہ یا مصحف رکھنے کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ آنحضرت کے نماز پڑھنے کو پیش نظر رکھا، آج تک علماء اور صلحاء اس پر عمل کررہے ہیں مگر جن کو معلوم نہیں وہ کیا کرسکتے ہیں؟

باب قدر ما يستر المصلى

اس سترہ کی مقدار جو نمازی کے لیے پردہ بن جائے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

ملاحظہ:

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ نوویؒ نے سترہ کے ابواب کو ضرورت سے زیادہ قائم کیا ہے، اکثر شارحین نے علامہ نووی کے بعض ابواب کو یہاں سے حذف کردیا ہے مگر میں ابواب کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے پیش نظر مجبور ہوں ورنہ ایک باب السترۃ کافی شافی تھا۔ (فضل محمد غفرلہ)

عورت، گدھے اور کتے کے آگے سے گزرنے سے نماز کا حکم

١١٣٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي، فَإِنَّهُ يَسْتُرُهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ، فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ، وَالْمَرْأَةُ، وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ قُلْتُ: يَا أَبَا ذَرٍّ، مَا بَالُ الْكَلْبِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَحْمَرِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَصْفَرِ؟ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَأَلْتَنِي فَقَالَ: الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز بطور سترہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس کی نماز کو گدھے، عورتیں اور سیاہ کتے قطع کردیتے ہیں، میں نے کہا (عبداللہ بن صامت نے) کہ اے ابوذر! سیاہ کتے کو سرخ اور زرد کتے سے کیوں خاص کیا؟ فرمایا اے میرے بھتیجے! یہی بات میں نے بھی تمہاری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے''۔

تشریح:

''تقطع الصلوٰۃ'' اس حدیث کے ظاہری الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی نمازی کے آگے سے اگر گدھا، عورت اور کتا گزر

جائے تو اس کی نماز باطل ہوگئی گویا ان تین چیزوں نے اس شخص کی نماز کو باطل کر کے رکھ دیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث اسی ظاہر پر ہے یا دیگر احادیث کی وجہ سے اس کا ظاہر مؤول بتاویل ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

تینوں ائمہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت، گدھا اور کتا یا اس کے علاوہ کوئی اور انسان وحیوان اگر نمازی کے آگے سے گزر جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر کے نزدیک عورت، گدھے اور کتے کے گزر جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، امام احمد بن حنبلؒ دیگر احادیث کی وجہ سے عورت اور حمار کے گزر جانے کے بارے میں شک میں پڑ گئے اور یہ فتویٰ دیا کہ صرف کتے کے گزر جانے سے نماز ٹوٹتی ہے پھر کتے میں بھی بعض روایات میں سیاہ کی قید تھی تو آپؒ نے سیاہ کتے کو قاطع صلوٰۃ قرار دیا باقی کوئی چیز نہیں۔

دلائل:

امام احمدؒ اور اہل ظواہر نے زیر بحث حضرت ابوذرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر تین چیزوں کو قاطع صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے، ابوداؤد شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں: "قال یقطع الصلوٰۃ المرأۃ الحائض و الکلب" (ص:۱۰۳) زیر بحث باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بھی تین چیزوں کے قاطع صلوٰۃ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

جمہور نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ ص ۷۴ پر موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ و ادرؤا ما استطعتم" (رواہ ابوداؤد)

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت جو آئندہ باب میں موجود ہے، اس سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت، گدھا اور کتا قاطع صلوٰۃ نہیں ہیں، آنے والے باب میں حضرت عائشہؓ نے زوردار انداز سے اس کی تردید کی اور فرمایا: "شبہتمونا بالحمر و الکلاب" (بخاری ص ۷۳)

جواب:

حنابلہ اور اہل ظواہر کے پیش کردہ دلائل کا جواب یہ ہے کہ قطع صلوٰۃ سے مراد خشوع وخضوع اور تعلق مع اللہ کا خاص رابطہ ہے، وہ کٹ جاتا ہے، کیونکہ ان اشیاء میں سے کتا اور گدھا مضر بالجسم ہیں اور عورت مضر بالمیل و الحسن ہے کیونکہ یہ تینوں انواع وساوس شیطان کے مرکز ہیں جن کے ذریعے سے شیطان نمازی کی نورانیت اور وصل مع اللہ اور توجہ ویکسوئی کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے تو نماز نہیں ٹوٹتی علاقہ کٹ جاتا ہے، اسی طرح تمام روایات میں تطبیق آجائے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کی پیش کردہ روایت جمہور کی روایات کے سامنے منسوخ ہے، خود ابن عباسؓ ان چیزوں سے نماز کے قطع ہونے کے پہلے قائل تھے اور ان روایات کے راوی تھے مگر بعد میں وہ عدم قطع کا فتویٰ دیا کرتے تھے، یہ نسخ کی دلیل ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بھی زوردار الفاظ میں ان روایات کی تردید فرمائی ہے جو دوسرے باب میں مذکور ہیں، امام مسلمؒ کے طرز بیان

سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ آنے والی روایات سابقہ کے لیے ناسخ ہیں۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ ان تین اشیاء کے فساد میں مبالغہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کا فتنہ بڑا سخت ہے، نماز میں ان سے بچو گویا یہ احتیاط واحتراز کی طرف توجہ دلانا ہے۔ فتح الملہم میں چند احادیث ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں:
"وعن ابی امامة قال قال رسول الله ﷺ لا یقطع الصلوٰة شئ رواه الطبرانی فی الکبیر و اسناده حسن۔"
علامہ عثمانیؒ کے مخفی کلام سے ایسا اشارہ ملتا ہے کہ وہ اس نسخ کے کھلے دل سے قائل نہیں ہیں بلکہ نسخ کے لیے واضح دلائل کی ضرورت ہے، بہرحال گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، جمہور کا مورچہ مضبوط ہے۔

۱۱۳۷۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَيْضًا أَخْبَرَنَا، الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَلْمَ بْنَ أَبِي الذَّيَّالِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ، الْمَعْنِيُّ حَدَّثَنَا زِيَادٌ الْبَكَّائِيُّ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، بِإِسْنَادِ يُونُسَ كَنَحْوِ حَدِيثِهِ

ان اسنادوں سے بھی سابقہ روایت (جب کوئی نماز کیلئے کھڑا ہو تو پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی سترہ ہونا چاہیے، الخ) مروی ہے۔

۱۱۳۸۔ وحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا الْمَخْزُومِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَصَمِّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ، وَيَقِي ذَلِكَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز کو عورت، گدھا اور کتا (سامنے سے گزر کر) قطع کر دیتے ہیں اور نماز کو ایک لکڑی جو پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر ہو ان چیزوں سے بچا لیتی ہے۔ (اگر اس کو سترہ کے طور پر سامنے گاڑ دیا جائے۔)

باب الاعتراض بین یدی المصلی

عورت کا نمازی کے سامنے آڑے آنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے تھے اس طرح کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھی جیسے کہ جنازہ (امام کے سامنے) پڑا ہوتا ہے۔

تشریح:

"وانا معترضة" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب تہجد کے لیے قیام فرماتے تو میں سامنے سجدہ کی جگہ چوڑائی میں ایسی لیٹی رہتی تھی جس طرح چوڑائی میں جنازہ رکھا جاتا ہے، سجدہ کرتے وقت آپ ﷺ میرے جسم کو انگلیوں سے دباتے تا کہ آپ ﷺ سجدہ کر سکیں، میں اپنے آپ کو سمیٹ لیتی تھی، جب رات کا آخر ہو جاتا تو آنحضرت وتر پڑھنے کے لیے مجھے جگا لیتے تھے، میں اٹھ کر وتر پڑھ لیتی تھی۔ حضرت عائشہؓ رات کے وقت کا جو پس منظر پیش کیا ہے اس سے رات کے اندھیرے کا پتہ بھی چلتا ہے، نیز گھر کی تنگی اور جگہ نہ ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے، حضرت عائشہؓ نے اس باب کی تمام احادیث سے یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ نمازی کے سامنے سے عورت کا گزرنا یا سامنے آڑے آ کر لیٹنا نمازی کا عورت کے جسم کو چھونا یہ سب چیزیں نماز توڑنے والی نہیں ہیں، لوگ ویسے وہم میں مبتلا ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے باب کی وہ ساری احادیث منسوخ ہیں، جن میں عورت کے آڑے آنے سے نماز کے ٹوٹنے کا ذکر ہے، تفصیل پہلے لکھی گئی ہے۔

۱۱۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاتَهُ مِنَ اللَّيْلِ كُلَّهَا وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (تہجد کی) پوری نماز اس طرح ادا کرتے تھے کہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر جب آپ وتر پڑھنے لگتے تو مجھے بھی جگا دیتے، میں بھی وتر پڑھ لیتی۔

۱۱۴۱۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ؟ قَالَ: فَقُلْنَا الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ. فَقَالَتْ: إِنَّ الْمَرْأَةَ لَدَابَّةُ سَوْءٍ لَقَدْ رَأَيْتُنِي بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَرِضَةً، كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ وَهُوَ يُصَلِّي

حضرت عروہ بن الزبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کن چیزوں کے سامنے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ ہم نے کہا کہ عورت اور گدھے سے۔ فرمانے لگیں کہ کیا عورت بھی ایک برا جانور ہی ہے؟ میں خود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنازہ کی طرح پڑی رہتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔

۱۱۴۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، ح وَحَدَّثَنِي مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ، وَالْحِمَارُ، وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَدْ شَبَّهْتُمُونَا بِالْحَمِيرِ وَالْكِلَابِ، وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَإِنِّي

عَلَى السَّرِيرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً، فَتَبْدُو لِي الْحَاجَةُ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوذِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے نماز کے توڑنے والی چیزوں کا ذکر ہوا کہ وہ کتا، گدھا اور عورت ہیں۔تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں سے تشبیہ دے دی۔اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز پڑھتے تھے اور میں چارپائی پر ان کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھی۔ مجھے قضائے حاجت کا تقاضا ہوتا تو مجھے یہ ناپسند تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاؤں، لہٰذا میں (لیٹے لیٹے ہی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے پاس سے کھسک جاتی تھی۔

۱۱۴۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: عَدَلْتُمُونَا بِالْكِلَابِ وَالْحُمُرِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيرِ، فَيَجِيءُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيرَ، فَيُصَلِّي فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْنَحَهُ، فَأَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيرِ حَتَّى أَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِي

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تم لوگوں نے ہمیں (خواتین) کو کتوں اور گدھوں کے برابر کر دیا، جب کہ میں خود چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور تخت کے درمیان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے، پس مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہونا برا محسوس ہوتا تھا، لہٰذا میں تخت کے پایوں کی طرف سے کھسکتی رہتی یہاں تک کہ لحاف سے نکل جاتی۔

تشریح:

"فیتوسط السریر" سریر سے چارپائی مراد ہے، یتوسط درمیان کو کہتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ چارپائی کے درمیان کھڑے ہو جاتے تھے میں چارپائی پر لیٹی رہتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ گھر انتہائی چھوٹا تھا، ایک چارپائی کے علاوہ نماز کی جگہ نہیں تھی، گھر میں اندھیرے کا بھی پتہ چلتا ہے، حضرت عائشہؓ کے لیٹے رہنے کا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

"اسنحہ" یہ باب فتح سے ظاہر ہونے اور سامنے آنے کو کہتے ہیں۔

"فانسل" یہ باب افعال سے ہے، انسلال کھسک کر خاموشی سے چلے جانے کو کہتے ہیں، یہاں چارپائی کے پائنتے کی جانب سے نکل جانا مراد ہے، کیونکہ درمیان سے اٹھ کر جانے میں آنحضرت ﷺ کے چہرہ کے سامنے آنے کا خطرہ تھا جس سے حضرت عائشہؓ بچنا چاہتی تھیں تاکہ آنحضرت ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔

"غمزنی" چٹکی بھرنے کے معنی میں ہے، دبانا ہٹانا مراد ہے، حضرت عائشہؓ نے اندھیرے کا جو ذکر کیا ہے وہ اسی مقصد کے لیے ہے کہ اگر روشنی ہوتی تو میں خود پاؤں سمیٹ لیتی، حضرت کو دبانے کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔

"وعلی مرط" مرط چادر کو کہتے ہیں پھر منقش چادر کو "مِرطٌ مُرَحَّلٌ" وغیرہ قیودات سے مقید کر دیا جاتا ہے۔

"وانا حائض" معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کی چادر پاک ہوتی ہے اگر نجاست نہ لگی ہو نیز عورت کے قریب ہونے یا آمنے

سامنے ہونے سے نماز کو نقصان نہیں ہوتا ہے۔

١١٤٤ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ، وَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ: وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سو رہی ہوتی تھی اور میری ٹانگیں آپ کے قبلہ (سجدہ کی جگہ) میں ہوتیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو میں ٹانگیں سکیڑ لیتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تو پھیلا لیتی تھی، فرماتی ہیں کہ ان دنوں گھر میں چراغ نہ ہوتے تھے۔

١١٤٥ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، جَمِيعًا عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ وَأَنَا حَائِضٌ وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ

حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور میں حیض کی حالت میں بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی، بلکہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا میرے جسم سے چھو جاتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ہوتے۔

١١٤٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا إِلَى جَنْبِهِ، وَأَنَا حَائِضٌ وَعَلَيَّ مِرْطٌ وَعَلَيْهِ بَعْضُهُ إِلَى جَنْبِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھتے تھے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی، حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی اور مجھ پر ایک چادر پڑی ہوتی تھی، جس کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوتا تھا۔

باب الصلوٰة فی ثوب واحد و صفة لبسه

ایک کپڑے میں نماز اور اس کے پہننے کا طریقہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے

١١٤٧ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ؟ فَقَالَ أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟ (یعنی چونکہ اس زمانہ میں فقر تھا اور ہر ایک کو تن ڈھانپنے کیلئے کپڑے بھی پوری طرح میسر نہیں تھے، اس لیے فرمایا کہ تمہاری اکثریت کو تو دو کپڑے بھی میسر نہیں، لہٰذا یہ سوال کہ ایک کپڑے میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ہو جائے گی)

تشریح:

"الثوب الواحد" کہتے ہیں یہ سوال حضرت ثوبانؓ نے کیا تھا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ آج کل کپڑوں میں وسعت کہاں ہے، اگر ایک کپڑے میں نماز کو ناجائز قرار دیا جائے اور دو کپڑے نہیں ملیں گے تو کیا یہ تکلیف مالا یطاق نہیں اور کیا یہ حرج عظیم نہیں حالانکہ "ما جعل اللہ علیکم فی الدین من حرج" اور "و الحرج فی الشرع مدفوع" اسلام کی روح ہے، آنحضرت ﷺ نے کبھی دو کپڑے نہ ملنے سے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے، کبھی بیان جواز کے لیے ایسا کیا ہے، صحابہؓ نے بھی اسی بنیاد پر امت کو اس کا نقشہ بتا دیا ہے۔ اب امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، افضل اور غیر افضل کی بات ہے کہ وسعت میں مکمل لباس استعمال کرنا افضل ہے، مجبوری میں نامکمل بھی جائز ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی بحث ہوئی ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "لا تصلین فی ثوب واحد وان کان اوسع ما بین السماء والارض" حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا: "الصلوٰۃ فی ثوب واحد سنۃ کنا نفعلہ مع رسول اللہ ﷺ ولا یعاب علینا فقال ابن مسعودؓ انما کان ذاک اذا کان فی الثیاب قلۃ فاما اذا وسع اللہ فالصلوٰۃ فی الثوبین ازکیٰ و قال عمرؓ اذا وسع اللہ فاوسعوا۔"

"فی ثوب واحد" حالت وسعت وطاقت کے وقت نماز میں تین کپڑے یعنی شلوار، قمیص اور پگڑی استعمال کرنا مستحب ہے، وسعت وقدرت کے باوجود ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے جو ثیاب بذلہ اور ثیاب مہنہ ہوں یعنی ایسے کپڑے ہوں جو موجب عار ہوں جنہیں پہن کر آدمی کسی پر وقار مجلس میں جانا پسند نہیں کرتا جیسے شلوار اور ایک بنیان ہو یا گیرج اور تیل میں استعمال شدہ آلودہ کپڑے ہوں یا پھٹے پرانے کپڑے ہوں۔

اور اگر حالت وسعت نہ ہو تو بوقت ضرورت و مجبوری ایک کپڑے میں نماز پڑھنا کسی کراہت کے بغیر بالاتفاق جائز ہے، البتہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ ایک وسیع کپڑا ہو اور اس میں کچھ گنجائش ہو تو پھر اشتمال کی صورت پسندیدہ اور محمود ہے، آنے والی حدیث میں مشتملا بہ کے الفاظ آئے ہیں۔

اشتمال کی صورت وطریقہ شیخ عبدالحقؒ نے لمعات اور اشعہ میں اس طرح لکھا ہے کہ چادر کی بایاں جانب بائیں کندھے کے نیچے سے کھینچ کر سیدھے کندھے پر ڈال دیا جائے پھر چادر کی دایاں جانب دائیں کندھے کے نیچے سے کھینچ کر بائیں کندھے

کے اوپر ڈال دیا جائے، اب چادر کے دونوں کنارے کندھے کے پیچھے چلے گئے، وہاں سے دونوں کو سینہ کی طرف لا کر گرہ لگایا جائے، یہ اشتمال ہے اور اسی کو توشح اور فلیخالف وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے، گرہ لگانا اشتمال کا حصہ نہیں صرف مضبوطی کے لیے ہے، اگر چادر لمبی ہو تو گرہ کی ضرورت نہیں ہے، اس حدیث میں واضعا طرفیه کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

"واضعا طرفیه" یہ جملہ مشتملا کی ضمیر سے حال ہے اور اشتمال کی صورت کی تفصیل اور وضاحت ہے۔

۱۱۴۸۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، وَحَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

ان اسنادوں کے ساتھ یہی حدیث (سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں) مروی ہے۔

۱۱۴۹۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: عَمْرٌو، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَادَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَيُصَلِّي أَحَدُنَا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ: أَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ؟

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کے پوچھا: کیا ہم میں سے کوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک کو دو کپڑے میسر ہیں؟

۱۱۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے اس طرح کہ اس کے کندھے پر کچھ نہ ہو"۔

تشریح:

"لیس علی عاتقیه" باوجودیکہ کپڑے میں گنجائش ہے اور پھر بھی اس کا کچھ حصہ کندھوں پر نہ ڈالا جائے تو اس صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی، مذکورہ حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی مطلب ہے، اس میں علماء نے اس حکمت کو بیان کیا ہے کہ اگر کپڑا کندھوں پر نہ ڈالا گیا اور وہی کپڑا تہہ بند بھی ہے یعنی اوپر نیچے تمام حصوں کے لیے یہی کپڑا ہے تو اس صورت میں کپڑے کے گر جانے کا خطرہ ہے اور ستر کے کھلنے کا احتمال ہے نیز رب ذوالجلال کے حضور میں ایک قسم کی بے ادبی بھی ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام احمد بن حنبلؒ اور کچھ علماء سلف کے نزدیک اگر کپڑا میسر ہے اور پھر بھی کندھوں پر اس کا کچھ حصہ نہیں ڈالا گیا تو کھلے کندھوں کے ساتھ نماز جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ جب ستر مکمل طور پر چھپا ہوا ہوتو نماز ہو جائے گی لیکن مونڈھوں کے کھلے رہنے کی وجہ سے جائز مع الکراھۃ ہے اور یہ کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے۔

دلائل:

حنابلہ حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث کو عدم جواز پر حمل کیا ہے، جمہور نے حدیث کے حکم کو عدم جواز پر نہیں بلکہ خلاف اولیٰ پر حمل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کندھوں کے ڈھانکنے کا حکم ایک حکمت کے تحت ہے، وہ یہ کہ اگر کندھوں پر کپڑا نہ ہوتو ایک چادر کی صورت میں ستر کھلنے کا خطرہ ہے اور اگر ہاتھ سے پکڑتا ہے تو ناف پر ہاتھ رکھنے کی سنت فوت ہو جاتی ہے، بہر حال اگر کپڑا اس سے بھی کم ہو اور اشتمال کی صورت نہیں بنتی ہوتو پھر گلے کے ساتھ باندھنا چاہیے اور اگر اس سے بھی کم ہوتو پھر نیچے کمر سے باندھ لینا چاہیے تا کہ ستر پوشیدہ رہے۔

حالت غیر ضرورت میں سر کا کھلا رکھنا کراہت سے خالی نہیں ہے بالخصوص اگر فیشن ہو اور بال انگریزی ہوں تو پھر کراہت میں مزید شدت آجاتی ہے۔

۱۱۵۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ، أَخْبَرَهُ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ "

حضرت عمرؓ بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں لپٹا ہوا نماز پڑھتے دیکھا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے کے دونوں کناروں کو اپنے کندھے پر ڈالے ہوئے تھے۔

۱۱۵۲۔ حَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: مُتَوَشِّحًا .وَلَمْ يَقُلْ مُشْتَمِلًا

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے یہی حدیث کچھ الفاظ کے تبدل کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توشح کیا، لفظ مشتملاً نہیں ہے۔

۱۱۵۳۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ فِي ثَوْبٍ، قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ

حضرت عمر بن ابی سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں لپٹا ہوا دیکھا کہ اس میں

نماز پڑھ رہے ہیں اور اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں ڈالا ہوا تھا۔

۱۱۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعِيسَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُلْتَحِفًا مُخَالِفًا بَيْنَ طَرَفَيْهِ زَادَ عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ: فِي رِوَايَتِهِ قَالَ: عَلَى مَنْكِبَيْهِ

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں لپٹا ہوا نماز پڑھتے دیکھا، آپ نے کپڑے کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں ڈالا ہوا تھا۔ عیسیٰ بن حماد نے اپنی روایت میں کہا کہ آپ نے (کپڑے کے کنارے) اپنے کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔

۱۱۵۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں توشح کئے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔

۱۱۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُفْيَانَ جَمِيعًا بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سفیان سے اسی سند کے ساتھ روایت منقول ہے اور ابن نمیر کی روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا۔

۱۱۵۷۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّيَّ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ رَأَى جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ وَعِنْدَهُ ثِيَابُهُ. وَقَالَ جَابِرٌ: إِنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ

حضرت ابوالزبیر مکیؒ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابرؓ بن عبداللہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا جسے انہوں نے جسم کے گرد لپیٹا ہوا تھا، حالانکہ ان کے کپڑے ان کے پاس موجود تھے۔ اور جابرؓ نے فرمایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا۔

تشریح:

"وعندہ ثیابہ" مسلم شریف کی زیر بحث حدیث میں تو اتنا ہی مذکور ہے مگر بخاری شریف کی روایت میں "وثیابہ علی المشجب" کے الفاظ مذکور ہیں، حضرت جابرؓ نے اعتراض کرنے والے تابعی کو ڈانٹ بھی پلائی ہے، اب اس حدیث کو بخاری

شریف کی حدیث کی روشنی میں سمجھ لینا چاہیے تاکہ پوری وضاحت سامنے آجائے، امام مسلمؒ نے "المشجب" والی روایت کو دوسرے مقام میں بیان کیا ہے، بہرحال وعندہ ثیابہ کا پس منظر اور ثیابہ علی المشجب کا پس منظر ایک جیسا ہے، اب مشجب کو سمجھ لو۔

"المشجب" میم کا کسرہ ہے، شین ساکن ہے، جیم پر فتحہ ہے، عیدان یضم رؤسها یخرج بین قوائمها و توضع علیها الثیاب۔ سمجھنے کے لیے اس کا ترجمہ کھونٹی سے کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں ایک چیز ایسی ہے جس کو گھروں میں نصب کیا جاتا ہے، یہ تکون کی شکل کی چیز ہوتی ہے، اس کے نیچے کبھی ایک ٹانگ اور کبھی تین ٹانگیں ہوتی ہیں، اس کے اوپر والے حصے میں کئی کھونٹیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں جس کے ساتھ حسب ضرورت کپڑے لٹکائے جاتے ہیں، پہلے زمانے میں اس کے ساتھ مشکیزے لٹکائے جاتے تھے تاکہ پانی ٹھنڈا رہے، آج کل بھی یہ چیز گھروں میں موجود ہے جو کپڑوں وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بہرحال حضرت جابرؓ نے شریعت مطہرہ کی حدود کی وسعت ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا کہ کپڑوں کی موجودگی میں صرف ایک چادر میں نماز پڑھی، کسی تابعی نے آپ کو دیکھا اور خیال کیا کہ یہ خلاف سنت عمل کر رہا ہے تو فوراً اعتراض کیا۔ حضرت جابرؓ نے سختی سے جواب دیا کہ سنت طریقہ کو تم خلاف سنت کیوں سمجھتے ہو؟ تم احمق ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے پاس ایک کپڑا سے زیادہ کہاں تھے، اسی ایک میں نماز پڑھتے تھے اور یہ جائز ہے۔ غرضیکہ حضرت جابرؓ اس شخص کے عدم جواز کے نظریہ کو رد کر رہے ہیں اور جب ستر چھپا ہوا ہو تو ایک کپڑے میں بھی نماز کے جواز اور صحیح ہونے کو وہ بتا رہے ہیں اور شریعت میں جواز کی ایک حد کا تعین فرما رہے ہیں، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس طرح کرنا افضل ہے، افضل تو وہ ہے جو تین کپڑوں میں نماز ہو جیسے کہ آئندہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں تصریح موجود ہے اور دو صحابہ کا مکالمہ مذکور ہے جواز اور افضل وادب کے مقامات الگ الگ ہیں، اس کو آپ ایک مثال سے سمجھ لیں، مثلاً ایک شخص نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور بازار سے سیب خرید لاؤ، وہ خادم گیا اور سیب خرید کر اپنی جھولی میں پکڑ کر لایا اور اپنے مخدوم کے سامنے زمین پر گرا کر رکھ دیا، اس شخص نے آقا کے حکم کو پورا کیا مگر بے ڈھنگے اور نامناسب طریقے سے پورا کیا، اسی طرح آقا کے حکم پر ایک اور خادم گیا اور سیب خرید کر پہلے ان کو دھویا پھر ایک خوبصورت برتن یا ٹرے میں سلیقہ سے رکھا اور اس کے اوپر دو چار گلاب کے پھول بھی رکھ دیئے اور ٹرے کو لا کر آقا کے سامنے دسترخوان یا ٹیبل پر رکھ دیا، اس شخص نے بھی آقا کے حکم کو پورا کیا لیکن آقا سے پوچھو کہ حکم پورا کرنے میں دونوں کا عمل کیسا لگا وہ بتا دے گا کہ کونسا عمل کیسا لگا، یہی صورت نماز کی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے تو ایک ہی کپڑا کافی ہے لیکن سلیقہ اور خوبصورتی اور ادب کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے۔

آج کل غیر مقلدین ادب کے اس حسین منظر کو چھوڑ کر نمازوں میں ایسی شکل اختیار کرتے ہیں جو خود انسان کو اچھی نہیں لگتی تو خالق کائنات کو کیسے اچھی لگے گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ پر بے جا اعتراض نہیں کرنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ یہ قابل اعتراض صورت ان کے ہاں ایک معقول وجہ سے ہو۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاء است
سخن شناس نہ ئے دلبرا خطاء این جا است

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن
ہزار نکتہ باریک تر ز موایں جا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

تعجب اس پر ہے کہ غیر مقلدین حضرات ٹوپی اور عمامہ کے دشمن ہیں حالانکہ حضرت جابرؓ کی حدیث کا نقشہ تو صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا ہے، اس پر یہ حضرات کیوں عمل نہیں کرتے کہ صرف ایک ازار بند میں نماز پڑھیں، پھر اس پر تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بھر کا عام معمول پگڑی باندھنے کا ہے، کسی عارض کی وجہ سے زندگی میں ایک آدھ بار ٹوپی کا ذکر ملتا ہے اور احرام کی حالت میں یا کسی غزوے میں کبھی سر پر ٹوپی نہ رکھنے کا ذکر ملتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا عام معمول چھوڑ کر ایک نادر صورت کو اپنانا کونسی عقل مندی ہے، اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے اور حدیث پر عمل کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

اب چند حوالے لکھتا ہوں تاکہ کامل تین کپڑوں میں نماز کی اہمیت کا پتہ چل جائے اور اس پر عمل ہو جائے۔

(۱) علامہ بیہقیؒ روایت نقل کرتے ہیں: "عن عبد اللہ عن رسول اللہ ﷺ قال اذا صلی احدکم فلیبس ثوبیه فان اللہ احق ان یزین له"

(۲) امام بخاریؒ حسن بصریؒ کے حوالے سے صحابہؓ کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں: "قال الحسن کان القوم یسجدون علی العمامة و القلنسوة ویداہ فی کمه" (ج۱،ص۵۶)

(۳) امام بخاریؒ ہی نے ابو اسحٰق کا معمول بتایا کہ کبھی ٹوپی سر سے گر جاتی تو وہ نماز میں اٹھا کر سر پر رکھتے تھے۔وضع ابو اسحاق قلنسوته فی الصلوٰة رفعها (بخاری، ج۱،ص۵۹)

(۴) علامہ شعرانی کشف الغمة میں ایک روایت نقل یوں کرتے ہیں: "وکان النبی ﷺ یأمر بستر الرأس فی الصلوٰة بالعمامة و القلنسوة و ینھی عن کشف الرأس فی الصلوٰة" (ج۱،ص۸۷)

(۵) علامہ سیوطیؒ جامع صغیر ج۱ ص۳۹۴ پر آنحضرت ﷺ کی نماز کے متعلق یوں حدیث نقل کرتے ہیں: "کان النبی ﷺ یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم و یلبس العمائم بغیر القلانس"

(۶) علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: "المستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص و ازار و عمامة" (**بدائع الصنائع** ج۱ص۱۲۹)

۱۱۵۸۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ - وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو - قَالَ: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حَصِيرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ: وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں، اس پر سجدہ فرماتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ ایک کپڑے میں ہیں اسے جسم کے گرد لپیٹا ہوا ہے۔

تشریح:

"علی حصیر" حصیر کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی چٹائی کو کہتے ہیں، بعض لوگ اس کا ترجمہ بوریا سے بھی کرتے ہیں، حدیث میں "الخمرۃ" کا لفظ بھی آیا ہے وہ بھی یہی چٹائی ہے البتہ حصیر بڑی ہوتی ہے اور خمرۃ چھوٹی چٹائی ہوتی ہے، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کی پیشانی اور زمین کے درمیان اگر کوئی چیز حائل ہو تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے جیسے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چٹائی پر نماز پڑھی ہے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ چٹائی کے علاوہ کپڑوں اور قالینوں پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے اگر چہ اس کے لیے علماء کے پاس الگ دلائل بھی ہیں لیکن یہاں کا اشارہ بھی دلیل ہے۔

حضرات مالکیہ کے سرخیل قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ زمین پر کچھ بچھائے بغیر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ خالص مٹی پر سر اور پیشانی رکھنے سے اعلیٰ درجے کا خشوع وخضوع حاصل ہو جاتا ہے جو نماز کی اصل روح ہے، ہاں مجبوری ہو سردی یا گرمی سے بچاؤ کی ضرورت ہو تو پھر چٹائی، کپڑا وغیرہ بچھالینا بہتر ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جو چیزیں زمین سے اگی ہوئی ہوں ان پر نماز پڑھنا جائز ہے مگر جو اگی ہوئی نہ ہوں جیسے کپڑے وغیرہ تو ان پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے۔ سنا ہے کہ حجاج بن یوسف خالی زمین پر سجدہ کرنے کو ضروری سمجھتا تھا اور چٹائی وغیرہ پر نماز پڑھنا ناجائز سمجھتا تھا، تعجب اس پر ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار بے گناہ انسانوں کا قاتل یہاں کتنا احتیاط کرتا ہے اور قتل انسان کے گناہ کو بھول جاتا ہے۔

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک چٹائی اور کپڑے پر سجدہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

۱۱۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِيهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كُرَيْبٍ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ، وَرِوَايَةُ أَبِي بَكْرٍ، وَسُوَيْدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ

اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے۔ ابو کریب کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے کے دونوں جانب اپنے کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے اور ابو بکر وسوید کی روایت میں توشح کا ذکر بھی ہے۔

کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ

مساجد اور نماز پڑھنے کے مقامات کا بیان

کتاب الایمان سے لیکر یہاں تک علامہ نوویؒ نے چار کتابوں کا عنوان رکھا ہے، کتاب کے حوالے سے یہ پانچواں عنوان ہے۔ مقدمہ مسلم سے لیکر علامہ نوویؒ نے ابواب کے جو عنوانات رکھے ہیں ان کی تعداد اور ترتیب اس طرح ہے:

(۱) مقدمہ مسلم سے کتاب الایمان تک علامہ نوویؒ نے مقدمہ میں چھ ابواب قائم کیے ہیں۔
(۲) کتاب الایمان سے کتاب الطہارۃ تک علامہ نوویؒ نے ۹۴ ابواب قائم کیے ہیں۔
(۳) کتاب الطہارۃ سے کتاب الحیض تک علامہ نووی نے ۳۲ ابواب قائم کیے ہیں۔
(۴) کتاب الحیض سے کتاب الصلوٰۃ تک علامہ نوویؒ نے ۳۳ ابواب قائم کیے ہیں۔
(۵) کتاب الصلوٰۃ سے کتاب المسافرین تک علامہ نوویؒ نے ۵۶ ابواب قائم کیے ہیں۔

اسلام میں مساجد کا مقام

☆ قال اللہ تعالیٰ ﴿انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر﴾
☆ وقال تعالیٰ ﴿وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا﴾
☆ وقال تعالیٰ ﴿ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکۃ﴾

مساجد جمع ہے اس کا مفرد مسجد ہے، مسجد جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا خلاف القیاس ہے، قیاس کے مطابق جیم پر زبر پڑھنا چاہئے، اگرچہ سننے میں نہیں آیا ہے، بہرحال جو مکان نماز پڑھنے کی غرض سے بنایا جائے اور عوام الناس کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے، وہ مسجد ہوتی ہے، اب یہ وقف ہوجاتی ہے اور قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے نہ کسی دوسرے مکان میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، آسمان کی بلندیوں سے لیکر زمین کی گہرائی تک مکمل مسجد ہوجاتی ہے۔

تاریخ عالم میں سب سے پہلے مسجد بیت اللہ اور مسجد الحرام عبادت کیلئے مقرر ہوئی اور پھر چالیس سال بعد بیت المقدس بھی عبادت کیلئے مقرر ہوا۔

اسلامی دنیا میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے مسجد قباء کی بنیاد رکھی گئی ہے اور پھر مسجد نبوی بنائی گئی ہے، فضیلت کے اعتبار سے سب سے افضل مسجد الحرام ہے، پھر مسجد نبوی ہے اور پھر بیت المقدس ہے اور چوتھے نمبر پر مسجد قباء ہے۔

"مواضع الصلوٰۃ" یعنی مقامات نماز سے مراد وہ جگہیں ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے یا غیر مکروہ ہے، اس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آرہی ہے، گویا اس لفظ سے ان مقامات میں نماز پڑھنے کی طرف اشارہ ہے، جو مسجد نہیں ہیں۔ اسلام میں مساجد کی بہت بڑی اہمیت بلکہ اسلام کی بقاء مساجد سے وابستہ ہے، عالم میں اسلام جہاد کی مقدس تلوار سے پھیلا ہے اور پھر مساجد و مدارس اور علماء کے ذریعہ سے اس کو قرار ملا ہے اور آج ہم تک عزت وعظمت کے ساتھ پہنچا ہے اگر اسلامی معاشرہ سے مسجد و مدرسہ اور مولوی کو ختم کیا جائے تو وہاں پر اسلام باقی نہیں رہے گا۔ اندلس، روس اور وسط ایشیا اور افریقہ اور چین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور کو دیکھیں کہ مکہ مکرمہ کے سخت حالات میں مسجد و مدرسہ کا اہتمام دار ارقم بن ابی ارقم میں کیا گیا، پھر مدینہ میں خیمہ گاڑ کر سر چھپانے کیلئے انتظام بعد میں ہوا، پہلے مسجد قباء کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہی کیفیت مسجد نبوی کی بھی تھی، پھر اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے چار ہزار مساجد کی بنیاد ڈالی گئی اور نو سو جامع مسجدیں عیدین اور جمعات کے لئے بنائی گئیں، بہرحال بیت اللہ تمام مساجد کی جڑ اور ماں ہے،

باقی اس کی شاخیں ہیں جو لوگ مساجد کی اہمیت کو نہیں جانتے، وہ دین کے کسی کام کو نہیں جانتے ہیں۔

باب المساجد

مساجد کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۱۶۰۔ حَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلُ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً، وَأَيْنَمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ فَهُوَ مَسْجِدٌ وَفِي حَدِيثِ أَبِي كَامِلٍ ثُمَّ حَيْثُمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّهِ، فَإِنَّهُ مَسْجِدٌ

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا (بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں) روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کونسی بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مسجد الحرام! میں نے عرض کیا پھر؟ فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا دونوں کے درمیان کتنا زمانہ ہے؟ فرمایا چالیس برس! فرمایا: اور جہاں بھی تمہیں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو کہ وہی مسجد ہے اور ابو کامل رحمہ اللہ کی روایت میں و اینما کی بجائے ثم حیثما کا لفظ ہے۔

تشریح:

"وضع فی الارض اول" ای اول من کل شئی یہ مبنی علی الضمۃ ہے۔

بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیر اور تاریخ

"وضع فی الارض اول" وقائع الدھور ایک گمنام سی کتاب ہے، اس میں تخلیق کائنات سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک سبز موتی پیدا فرمایا، اس موتی کو اللہ تعالیٰ نے رعب اور ہیبت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ پگھل کر پانی ہو گیا، اب کائنات میں صرف پانی تھا، قرآن کریم میں اس نقشہ کی طرف اس طرح اشارہ موجود ہے ﴿وکان عرشہ علی الماء﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے پانی پر رعب کی نگاہ ڈال دی تو ہیبت کی وجہ سے پانی ابلنے لگا اور ابل ابل کر خشک ہو گیا، نیچے ایک قسم کی تلچھٹ رہ گئی اور اوپر ایک دھواں اٹھا، اسی دھوئیں سے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنادیئے، جس کی طرف قرآن میں اس طرح اشارہ موجود ہے: ﴿ثم استوی الی السمآء وھی دخان﴾ نیچے جو تلچھٹ رہ گئی تھی اسی سے اللہ تعالیٰ نے زمین بنادی، جس کی طرف قرآن میں یہ اشارہ موجود ہے: ﴿والارض بعد ذلک دحاھا﴾ جس جگہ سے زمین پھیلائی گئی تھی وہی جگہ وسط الدنیا اور سرۃ الدنیا تھی اور وہی جگہ پوری دنیا میں بلند ٹیلہ کی طرح تھی اور اسی جگہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کیلئے منتخب فرمایا اور اس کو حرم مکہ قرار دیا اور اسی جگہ بیت اللہ قائم کیا گویا سب سے پہلے

فرشتوں نے بیت اللہ کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مختلف مقدس پہاڑوں سے بڑی بڑی چٹانیں لاکر بیت اللہ کے نیچے بنیادوں مین رکھ دیں۔
جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اتر کر دنیا میں تشریف لائے تو آپ کو تنہائی کی وحشت محسوس ہوئی نیز فرشتوں کے ساتھ مل کر بیت المعمور کے طواف کے مناظر آپ کو یاد آرہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''سراندیپ'' سے مکہ جانے کا حکم دیا، جبریل امینؑ رہنمائی فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ مکہ مکرمہ میں اس جگہ پہنچے جہاں فرشتوں نے بیت اللہ کی بنیاد قائم کی تھی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت المعمور آسمانوں سے نیچے لایا گیا اور انہی بنیادوں پر رکھا گیا، حضرت آدمؑ اور فرشتے مل کر عبادت اور طواف میں مشغول ہو گئے۔
پھر جب طوفان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو ساتویں آسمان پر واپس کر دیا اور زمین میں بیت اللہ کے نشانات اور بنیادیں مٹی کے نیچے آکر دب گئیں، انہی قواعد کو ظاہر کرنے اور ان پر بیت اللہ قائم کرنے کا حکم حضرت ابرہیم علیہ السلام کو ہوا۔ آپ نے حضرت اسماعیلؑ سے مل کر یہ کام کیا اور بیت اللہ کی تعمیر فرمادی، چھت نہیں تھی، دروازوں کی جگہ موجود تھی، مگر دروازے نہیں تھے، ایک دروازہ کی جگہ وہیں پر تھی جو آج کل ہے اور دوسری جگہ اس کے مقابل رکن یمانی کی طرف تھی، پھر ''تبع'' بادشاہ نے دروازے لگائے اور بیت اللہ کو پردے پہنائے۔
پھر عمالقہ نے بیت اللہ کی تعمیر وتجدید کا کام کیا، پھر قریش نے بیت اللہ کو انہدام کے بعد بنایا، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ۳۵ سال کی عمر میں حصہ لیا۔ قریش نے بیت اللہ میں ردوبدل کیا، حطیم کا حصہ باہر چھوڑ دیا اور دو کے بجائے ایک دوازہ رکھا اور اس کو بھی قد آدم تک زمین کے اوپر رکھا، پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے دور خلافت میں بیت اللہ کو گرا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کے مطابق بنادیا، حطیم کو اندر کر دیا اور دو دروازے زمین پر بنا دیئے۔
حجاج بن یوسف جب غالب آیا تو اس نے بیت اللہ کو گرا کر قریش کے طرز پر قائم کیا جو آج تک اسی طرح ہے، ہارون رشید نے حضرت امام مالکؒ سے اجازت مانگی کہ اگر اجازت ہو تو بیت اللہ کو اس طرز پر بنادوں جس کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمنا فرمادی تھی، حضرت امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اب بیت اللہ میں تغیر وتبدل حرام ہے تاکہ یہ بادشاہوں کے فن تعمیر کا کھلونا نہ بن جائے۔
پھر ترک بادشاہ سلطان مراد نے کچھ تعمیر ومرمت کی مگر تغیر نہیں کیا اور آج تک اسی طرح قائم ہے پھر قیامت سے پہلے ایک حبشی کے ہاتھوں بیت اللہ شہید ہوگا اور مسلمان بے بس ہوں گے، پھر قیامت کے قریب بیت اللہ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اٹھالے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی، شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر میں بیت اللہ کے مرحلہ وار تعمیر کو بیان فرمایا ہے، سورت بقرہ کی تفسیر میں دیکھ لیا جائے، میں نے کئی جگہ کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں سبز موتی کا واقعہ پڑھا ہے، مگر یہ اتنی مستند چیز نہیں ہے، ابن کثیرؒ نے تخلیق کائنات میں کچھ اور تفصیل لکھ دی ہے، جو البدایۃ اول میں مذکور ہے، بہرحال میں نے جو لکھا ہے، یہ مربوط ہے اور بیت اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ہے، سبز موتی کی تخلیق اور اس سے کائنات کی تخلیق کے واقعہ کی طرف جلالین ص ۱۸۰ حاشیہ ۱۳ پر صاحب کمالین نے اشارہ کیا ہے۔
''المسجد الحرام'' اس کو 'حرام' اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں شکار حرام ہے اور یہ بھی کہ اس میں بعض حلال چیزوں کا ارتکاب حرام ہے اور یہ بھی کہ یہ محترم اور واجب الاحترام ہے۔
''المسجد الاقصیٰ'' اس کو اقصیٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ اور مدینہ سے بہت دور واقع ہے۔

''اربعون عاما'' یعنی بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ کی آبادی اور تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔

سوال: یہاں ایک مشہور اشکال ہے، وہ یہ کہ کعبۃ اللہ کے بنانے والے حضرت ابراہیمؑ ہیں اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور ان دونوں پیغمبروں کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے؟

جواب: علامہ طیبیؒ اور علامہ بیضاویؒ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے جو باقی شراح کے جوابات سے زیادہ واضح ہے، وہ یہ کہ یہاں تعمیر و ترقی اور عمارتی بنیاد رکھنے کی بات نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے بطور عبادت گاہ جب روئے زمین بیت اللہ مقرر ہوا تو اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کا بطور عبادت گاہ تقرر ہوا، اس جواب پر حدیث کا لفظ ''وضع'' واضح طور پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وضع کا لفظ تعمیر کے بجائے تقرر کیلئے زیادہ واضح ہے، نیز قرآن کی آیت ﴿ان اول بيت وضع للناس﴾ میں بھی وضع کا لفظ ہے جو بطور عبادت مقرر کرنے کیلئے استعمال ہوا ہے، ظاہری تعمیر کیلئے بنا اور بنیان کے الفاظ آتے ہیں۔

''فصلہ'' اس میں ہاء سکتہ کے ساتھ ہے، یعنی اس پر سکون ہے، جھٹکا کے ساتھ پڑھنا ہے، یہود کے مقابلے میں اس امت پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم فرمایا کہ ہر پاک جگہ میں نماز جائز ہے، جبکہ یہود کیلئے مسجد سے باہر کسی زمین پر نماز جائز نہیں تھی، جماعت کے بغیر بھی نماز جائز نہیں تھی، بڑی تنگی تھی، آگے کچھ تفصیل آرہی ہے۔

۱۱۶۱۔ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدَ التَّيْمِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَى أَبِي الْقُرْآنَ فِي السُّدَّةِ، فَإِذَا قَرَأْتُ السَّجْدَةَ سَجَدَ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَتِ، أَتَسْجُدُ فِي الطَّرِيقِ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَوَّلِ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ عَامًا، ثُمَّ الْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ، فَحَيْثُمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ

> حضرت ابراہیمؒ بن یزید التیمی کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کو سدۃ میں قرآن سنایا کرتا تھا، جب میں آیت سجدہ تلاوت کرتا تو وہ سجدے کرتے۔ میں نے ان سے کہا: ابا جان! آپ راستہ میں سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوذرؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی ہے؟ فرمایا کہ مسجد حرام! میں نے کہا پھر کون سی؟ فرمایا کہ مسجد اقصیٰ میں نے کہا دونوں کے درمیان کتنا زمانہ ہے؟ فرمایا کہ چالیس برس! اور تمام زمین تمہارے لئے مسجد ہے جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لو۔''

''علی ابی'' اس سے مراد اس راوی کا باپ ہے، ابی بن کعبؓ صحابی مراد نہیں ہیں۔

''فی السدة'' اس کی جمع سدد ہے، مسجد کے باہر سائبان اور چبوترہ کو کہتے ہیں۔ سنن کی کتابوں میں سكة، سكك اور طريق کے الفاظ بھی آئے ہیں، زیر بحث حدیث میں بھی طریق کا لفظ موجود ہے تو سدد کو اسی پر حمل کرنا چاہئے، راستہ اگر صاف ہے تو قبلہ رو ہو کر

سجدہ تلاوت کرنا جائز ہے، یہاں سجدہ سے سجدہ تلاوت مراد ہے، اس حدیث میں تصریح ہے کہ متعلم اگر سجدہ تلاوت پڑھے تو معلم اور سننے والے استاد پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے، احناف بھی اسی کے قائل ہیں، لیکن باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، جگہ کا پاک ہونا نماز کی طرح اس سجدہ کیلئے بھی ضروری ہے۔ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کیلئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے، اس نے غلط لکھا ہے، کسی کو اس کے لکھنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

۱۱۶۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ سَيَّارٍ، عَنْ يَزِيدَ الْفَقِيرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تُحَلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَيِّبَةً طَهُورًا وَمَسْجِدًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ صَلَّى حَيْثُ كَانَ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ بَيْنَ يَدَيْ مَسِيرَةِ شَهْرٍ، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ

حضرت جابرؓ بن عبداللہ الانصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ چیزیں مجھے ایسی دی گئی ہیں کہ مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک یہ کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جب کہ مجھے ہر سرخ وسیاہ کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا (میری نبوت عام اور شامل ہے تمام لوگوں کو) دوسری یہ کہ میرے لئے مال غنیمت وغیرہ و حلال کر دیا گیا جب کہ مجھ سے قبل کسی (نبی) کیلئے حلال نہیں کئے گئے۔ تیسری یہ کہ میرے لئے پوری زمین کو پاک صاف کرنے والا اور مسجد بنا دیا گیا جہاں بھی انسان کو نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے۔ چوتھی یہ کہ مجھے ایسے رعب سے مدد دی گئی جو ایک ماہ کے فاصلہ سے طاری ہو جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ مجھے شفاعت نصیب ہوئی ہے۔''

تشریح:

''خمساً''، یعنی مجھے پانچ امتیازات سے اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے۔

''طیبہ طهوراً'' اس سے زمین کی مٹی پر تیمم کرنا مراد ہے، جو وضو اور پانی کی جگہ ایک عمومی سہولت ہے۔ ''ومسجداً'' یعنی اس پر نماز جائز ہے جو مسجد کے بدلے میں ایک سہولت ہے، اس حدیث میں پانچ خصوصیات کا بیان ہے، بعض میں تین کا ذکر ہے، بعض میں چھ کا ذکر ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ ضرورت اور موقع ومحل کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خصوصیات کا بیان کیا ہے، کچھ کا نہیں کیا یا وحی کے ذریعہ سے جو اضافہ ہوتا رہا آپ اس کو بیان کرتے گئے۔

''احمر و اسود'' سرخ اور کالے سے عرب اور عجم مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ عجم سرخ وسفید ہوتے ہیں، عرب زیادہ تر سانولے رنگ کے ہوتے ہیں یا اسود سے سیاہ فام لوگ مراد ہیں یا احمر سے انسان اور اسود سے جنات مراد ہیں۔

بہر حال اس باب کی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیات کو یہاں یکجا کر کے لکھا جائے تا کہ یاد کرنے میں آسانی ہو اور آنے والی احادیث کی تشریح بھی ہو۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اچھے طبقے میں آئے۔
(۲) تمام انسانوں کے سردار ہوئے۔
(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔
(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھیں گے۔
(۵) سب سے پہلے شفاعت آپ کریں گے۔
(۶) سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کھولیں گے۔
(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔
(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی صورت میں دائمی معجزہ دیا گیا۔
(۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا رعب و دبدبہ دیا گیا ہے، جس سے ایک ماہ کی مسافت تک دشمن پر رعب پڑتا ہے۔
(۱۰) پوری زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مسجد بنادی گئی۔
(۱۱) مٹی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے طہارت تیمم کا ذریعہ بنایا گیا۔
(۱۲) آپ کو پوری دنیا کے پورے انسانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا۔
(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم دیئے گئے۔
(۱۴) مال غنیمت آپ کیلئے حلال کیا گیا۔
(۱۵) آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔
(۱۶) پوری زمین سمیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھادی گئی۔
(۱۷) جہاں تک آپ نے دنیا کو دیکھا وہاں تک آپ کی حکومت اور دین پھیلے گا۔
(۱۸) آپ کو سرخ وسفید دو قسم خزانے دیئے گئے، یعنی فارس اور روم کی فتح۔
(۱۹) عام قحط اور دشمن کے عمومی غلبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تباہ نہیں ہوگی۔
(۲۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کیلئے پناہ گاہ بنا کر بھیجا گیا۔
(۲۱) سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے انوارات سے نوازا گیا۔
(۲۲) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں نبی بن کر آئے۔
(۲۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے نتیجہ میں آئے۔
(۲۴) تمام انبیاء اور ساری مخلوق قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔
(۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ بنے ہیں۔
(۲۶) میدان محشر میں صرف آپ خطیب ہوں گے۔

(۲۷) قیامت میں تمام مخلوق کیلئے آپ مبشر ہوں گے۔
(۲۸) محشر میں چاق وچوبند خوبصورت ایک ہزار خادم آپؐ کے ساتھ ہوں گے۔
(۲۹) آپ کو قیامت میں خلعۂ کرامت پہنا کر پایۂ عرش کے پاس مقام دیا جائے گا۔
(۳۰) آپ کو جنت میں مقام وسیلہ ملے گا۔
(۳۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی حوض کوثر ملے گا۔
(۳۲) آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف شدہ ہیں۔
(۳۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز عطا ہوئی۔
(۳۴) اگر پوری مخلوق ایک طرف ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف ہوں تو آپ کا وزن بھاری ہوگا۔
خلاصہ یہ کہ

محمد سید الکونین و الثقلین والفریقین من عرب و من عجم

۱۱۶۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ، أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت (آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا پانچ چیزیں مجھے ایسی دی گئی ہیں کہ مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں) نقل کرتے ہیں۔

۱۱۶۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ: جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا، إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ " وَذَكَرَ خَصْلَةً أُخْرَى

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہمیں (امت محمدیہ کو) سارے لوگوں پر تین باتوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ایک یہ کہ ہماری صفوں کا مرتبہ اللہ کے یہاں ملائکہ کی صفوف کا ہے۔دوسرے یہ کہ ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنادی گئی اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے پاکی کے حصول کا ذریعہ بنادیا گیا جب ہمیں پانی نہ ملے اور ایک بات اور ذکر کی۔

۱۱۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ، حَدَّثَنِي رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

اس سند سے بھی سابقہ روایت (کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے لوگوں پر تین باتوں سے فضیلت دی گئی

ہے) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۱۱۶۶۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں سے فوقیت دی گئی، یہ کہ (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا۔ (۲) رعب و ہیبت کے ذریعہ میری مدد کی گئی (۳) غنائم میرے لئے حلال کئے گئے (۴) روئے زمین کو میرے واسطے مسجد اور حصول طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا (۵) کل مخلوقات کی طرف مجھے نبی بنا کر بھیجا گیا (۶) سلسلہ نبوت کو میرے ذریعہ ختم کیا گیا۔

۱۱۶۷۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَتْ فِي يَدَيَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمْ تَنْتَثِلُونَهَا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا، رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور ایک بار میں محوخواب تھا کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے سامنے لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے گئے اور تم زمین کے خزانے کرید رہے ہو (فتوحات کے ذریعہ خوب مال اللہ نے مسلمانوں اور صحابہؓ کو عطا فرمایا)

۱۱۶۸۔ وَحَدَّثَنَا حَاجِبُ بْنُ الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ مِثْلَ حَدِيثِ يُونُسَ.

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا، رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں) منقول ہے۔

۱۱۶۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

۱۱۷۰۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي يُونُسَ، مَوْلَى أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ عَلَى الْعَدُوِّ وَأُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَبَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَتْ فِي يَدَيَّ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دشمن پر رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا، اور ایک بار میں محوخواب تھا کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے سامنے لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

۱۱۷۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وعبد بن حميد قالا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أخبرنا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا، رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں) منقول ہے۔

۱۱۷۲۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى أَبِي هُرَيْرَةَ أنه حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أنه قال: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ عَلَى الْعَدُوِّ، وَأُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَبَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَتْ فِي يَدَيَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری رعب وہیبت کے ذریعہ مدد کی گئی ہے دشمن پر، جوامع الکلم مجھے عطا کئے گئے اور ایک روز میں محوخواب تھا کہ روئے زمین کے خزائن کی چابیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔

۱۱۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ

ہمام بن منبہؒ ان مرویات میں سے نقل کرتے ہیں جو ان سے حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری رعب کے ذریعے مدد کی گئی اور مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے۔

تشریح:

اس باب کی مذکورہ احادیث میں تشریح طلب چند الگ الگ جملے ہیں، میں نے آسانی کی غرض سے اس آخری حدیث کے ساتھ سب کی تشریح لکھ دی ہے، اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

''یزید الفقیر'' یزید بن صہیب مشہور تابعی ہیں، ابوعثمان ان کی کنیت ہے، ان کو غربت کی وجہ سے فقیر نہیں کہتے ہیں، بلکہ یہ فقار الظهر

سے ہے، ریڑھ کی ہڈی کو فقار کہتے ہیں، ان کی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف تھی، عرب کہتے ہیں "رجل فقیر" ای مکسور فقار ظھرہ "اعطیت" ایک روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خصوصیات کو اس وقت بیان فرمایا جب آپ غزوۂ تبوک میں تھے۔

"لم یعطھن احد قبلی" یعنی ہر جہت سے خصوصیت کے ساتھ کسی کو نہیں دیا گیا، بعض جزئیات کے اعتبار سے دینے کی نفی نہیں ہے، کیونکہ وہ کسی کے ساتھ خاص نہیں۔

"واحلت لی الغنائم" علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ گزشتہ امتیں دو قسم پر تھیں، ایک قسم وہ تھی کہ جن کو جہاد کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا تھا، ان کیلئے غنیمت کا تصور نہیں تھا، دوسری قسم وہ تھی جن کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا، مگر اس کے نتیجے میں جو مال غنیمت حاصل ہو جاتا تھا، اس کے استعمال کا حکم نہیں تھا، بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور مال غنیمت کو جلا دیتی تھی، امت محمدیہ کو سب کچھ دیا گیا۔

"ونصرت بالرعب" یعنی میرا رعب اور مجھ سے خوف میرے مقابل دشمن پر ڈالا گیا ہے، وہ قلبی طور پر مجھ سے ڈرتے ہیں، جس طرح آیت ہے ﴿و قذف فی قلوبھم الرعب﴾ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پیروکار مجاہدین کو بھی یہ رعب عطا کیا ہے کہ دشمن ان سے ڈرتے ہیں۔

"مسیرۃ شھر" ایک اور روایت میں دو ماہ کا ذکر ہے کہ ایک ماہ آگے کی جانب اور ایک ماہ پیچھے کی جانب مسافت میں دشمن گھبراتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کی اطراف میں شام، عراق، مصر، یمن جیسے بڑے ممالک ایک ماہ کی مسافت پر واقع ہیں، اسی تناظر میں یہ کلام آیا ہے۔

"واعطیت الشفاعۃ" اس سے شفاعت کبریٰ مراد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، نیز شفاعت صغریٰ جو اپنی امت کیلئے بعض احوال میں ہوگی، وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔

"بثلاث" تین خصوصیات کا ذکر اس سے زیادہ کے منافی نہیں ہے، وحی کے ذریعہ سے اضافہ ہوتا رہا یا آنحضرت نے موقع ومحل کے اعتبار سے کچھ کا ذکر کیا، کچھ کا نہیں کیا۔ ابو سعد نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ساٹھ خصوصیات کا قول کیا ہے، میں نے چونتیس خصوصیات کو اس سے پہلے لکھ دیا ہے۔

"جعلت صفوفنا" کہتے ہیں کہ اس سے پہلے لوگ جس طرح بن پڑتا آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، صفوں میں کھڑے نہیں ہوتے، نہ صفوں کا اہتمام تھا، یہ اس امت کی خصوصیت ہے، خواہ نماز کی صفیں ہوں یا میدان جہاد میں دشمن کے مقابلے میں صفیں ہوں، بعض روایات میں قتال کا ذکر موجود ہے۔

"وذکر خصلۃ اخریٰ" ابن خزیمہ اور نسائی نے اس مبہم خصلت کا ذکر ایک روایت میں اس طرح کیا ہے "واعطیت ھذہ الآیات من آخر سورۃ البقرہ من کنز تحت العرش" یعنی سورت بقرہ کی آخری آیتیں مجھے دی گئیں جو عرش کے نیچے ایک خزانے میں سے ہیں۔

"جوامع الکلم" یعنی مجھے جامع کلام دیا گیا ہے کہ الفاظ کم استعمال کرتا ہوں، مگر بطور قاعدہ اس کے معنی بہت زیادہ اور جامع ہوتے ہیں۔

"وھو ما کان قلیل الالفاظ کثیر المعانی" بعض علماء نے کہا ہے کہ جوامع الکلم سے قرآن عظیم مراد ہے، یہ مطلب بہت اچھا ہے۔
"بمفاتیح خزائن الارض" مفاتیح مفتاح کی جمع ہے، چابیاں مراد ہیں، خزائن سے دنیا کے بادشاہوں کے وہ خزانے مراد ہیں جو جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم کی امت کو عطا کیے جیسے قیصر و کسریٰ کے خزانے تھے اور آئندہ جو خزانے آئیں گے، سب مراد ہیں۔
"فوضعت فی یدی" یعنی ان خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں، خزانے رکھنا مراد نہیں ہے۔
"فانتم تنتثلونھا" انتثال ثاء کے ساتھ زمین سے کسی چیز کو کھود کرید کر نکالنے کو کہتے ہیں "ای تستخرجون ما فیھا و تنتفعون به" یعنی آج تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ خزانوں سے نکال نکال کر فائدہ اٹھاتے ہو۔

باب ابتناء مسجد النبوی صلی الله علیه وسلم

مسجد نبوی کی تعمیر کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۷٤ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَشَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ الضُّبَعِيِّ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، فَنَزَلَ فِي عُلْوِ الْمَدِينَةِ، فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنُ عَوْفٍ، فَأَقَامَ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ إِنَّهُ أَرْسَلَ إِلَى مَلَإِ بَنِي النَّجَّارِ، فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِينَ بِسُيُوفِهِمْ، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ، وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ، حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، ثُمَّ إِنَّهُ أَمَرَ بِالْمَسْجِدِ، قَالَ فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإِ بَنِي النَّجَّارِ فَجَاءُوا، فَقَالَ: يَا بَنِي النَّجَّارِ، ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هَذَا قَالُوا: لَا، وَاللهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ: كَانَ فِيهِ نَخْلٌ وَقُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَخِرَبٌ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، وَبِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ، وَبِالْخِرَبِ فَسُوِّيَتْ، قَالَ: فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةً، وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ حِجَارَةً، قَالَ: فَكَانُوا يَرْتَجِزُونَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ، وَهُمْ يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ، فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے ہجرت فرما کر تو ایک بلند محلہ بنی عمرو بن عوف میں نزول فرمایا اور چودہ رات وہاں قیام کیا۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کی ایک جماعت کو بلوایا وہ اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے آگئے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ گویا میں (آج بھی چشم تصور سے) دیکھ رہا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما ہیں اور ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہی بیٹھے ہیں، جب کہ بنونجار کی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے ارد گرد تھی یہاں تک کہ آپ حضرت ابو

ایوبؓ کے صحن میں اترے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا وہیں نماز پڑھ لیتے تھے، حتیٰ کہ بکریوں کے باڑہ میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے، پھر (کچھ عرصہ بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کی تعمیر کا حکم کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کی جماعت کو بلوایا وہ آگئے تو ان سے فرمایا اے بنونجار! اپنا یہ باغ مجھے فروخت کردو، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! اس کی قیمت کسی سے طلب نہیں کریں گے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کیا کچھ تھا میں کہتا ہوں، اس میں کھجور کے درخت تھے مشرکین کی قبریں تھیں اور کچھ ویران زمین تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے، مشرکین کی قبریں کھود ڈالی گئیں اور کھنڈرات کو برابر کر دیا گیا، کھجور کے درختوں کو قبلہ رخ کر دیا گیا اور باغ کے دروازہ کی دونوں چوکھٹوں پر پتھر لگائے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ رجز پڑھتے تھے صحابہؓ کہتے تھے۔ اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی ہے، پس انصار اور مہاجرین کی مدد فرمائیے۔

تشریح:

"قدم المدينة" امام تاریخ محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے بارہ ربیع الاول کو روانہ ہوئے تھے۔

"فنزل في علو المدينة" علو بلند حصہ کو کہتے ہیں، اسی سے عوالی مدینہ ہے، یہ قباء کا علاقہ ہے جس میں آج کل مسجد قباء واقع ہے، مدینہ کا باقی حصہ اس کے مقابلے میں کچھ نشیب میں ہے، بنوعمرو بن عوف، مالک بن اوس بن حارثہ، اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے، بنوعمرو کا تعلق اوس قبیلہ سے تھا۔

"اربع عشرة ليلة" یعنی چودہ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء کے علاقہ میں قیام فرمایا اور مسجد قباء کی بنیاد ڈالی اور پھر وسط مدینہ روانہ ہوئے، اہل تاریخ نے کچھ اور بھی لکھا ہے، لیکن جب یہاں حدیث میں تصریح چودہ دن کی ہے تو یہی کافی شافی ہے، گنتی کرنے میں بعض لوگ آدھے دن کو بھی پورا شمار کرتے ہیں، کبھی بالکل چھوڑ دیتے ہیں تو فرق آجاتا ہے۔ شیخ الحدیث زکریاؒ نے ۲۴ دن قباء میں ٹھہرنے کو ترجیح دی ہے، بہر حال جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قباء سے وسط مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں جمعہ کی نماز کا وقت ہوگیا، آپؐ نے بنوسالم بن عوف کے علاقے وادی "رانونا" میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی، یہ اسلام میں پہلا جمعہ ہے جو یہاں ادا کیا گیا، اس مسجد کا نام "مسجد الجمعة" ہے، بنوسالم قبیلہ کے معزز لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہیں پر قیام کرنے کی درخواست کی، آنحضرتؐ نے فرمایا میری اونٹنی کو آزاد چھوڑ دو، یہ جہاں جا کر بیٹھے گی وہیں پر میرا قیام ہوگا، پھر انصار کے سات قبائل نے راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اپنے ہاں رکنے اور ٹھہرنے کی درخواست کی، مگر آنحضرتؐ نے فرمایا میری اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے "مامورة" ہے جہاں یہ جا کر ٹھہرے گی، میں وہیں پر قیام کروں گا۔

"الى ملاء بني النجار" یعنی آنحضرت نے بنونجار کے معزز لوگوں کو بلایا تا کہ آپ ان کے ہاں قیام کریں، کیونکہ بنونجار کے لوگ خواجہ عبدالمطلب کے ماموں تھے اور یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال سے متعلق تھے، اس لئے ان کو اعزاز دینے کیلئے نیز اپنوں میں

اترنے کیلئے آنحضرتؐ نے ان کو اختیار فرمایا۔

"متقلدین بسیوفھم" یہ اس زمانے کے استقبال کا دستور تھا کہ مسلح ہو کر تلواریں لہرا کر استقبال کرتے تھے، اس میں اشارہ تھا کہ ہم ہر قسم کی حفاظت اور دفاع وقربانی کیلئے تیار ہیں، آج کل مجاہدین بھی بندوقوں اور فائرنگ سے علماء اور بزرگوں کا استقبال کرتے ہیں جو لوگ اسلحہ اور تلوار کی توہین کرتے ہیں وہ معزز زندگی گزارنے کی توہین کرتے ہیں، بنونجار کے مردوں اور عورتوں نے استقبال میں یہ اشعار بھی گائے ہیں اور آنحضرت کے دل کو خوش کیا ہے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

وداع کی گھاٹی سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بلانے والا ہو گا، ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے:

ایھا المبعوث فینا لقد جئت بامر مطاع

اے ہماری طرف بھیجے جانے والے رسول! آپ کی ہر بات مانی جائے گی؟

بنونجار کی چھوٹی بچیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشی میں یہ اشعار پڑھے:

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمد بجار

ہم بنونجار کی بچیاں ہیں ہمارے پڑوس میں آنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنے محبوب اور پیارے ہیں۔

"وابوبکر ردفه" اعزاز واکرام کے طور پر اور نہایت قرب ظاہر کرنے کی غرض سے آنحضرت نے ابوبکر صدیقؓ کو پیچھے بٹھایا ورنہ صدیق کی اپنی سواری بھی تھی۔

"بفناء ابی ایوب" یعنی ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے اونٹنی بیٹھ گئی نہ آگے جارہی تھی نہ پیچھے آرہی تھی، اس سے پہلے اس اونٹنی نے مسجد نبوی کی حدود اربعہ کو متعین کیا تھا، کیونکہ یہاں بھی پہلے یہ اونٹنی مسجد نبوی کے دروازے کے مقام پر بیٹھ گئی پھر اٹھ کر آگے گئی پھر پیچھے آگئی اور سینہ وگردن زمین پر رکھ دی، یہی مسجد نبوی کا مقام تھا، ابوایوب انصاریؓ اونٹنی کا کجاوہ کھول کر گھر لے گئے اور نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ابوایوب انصاریؓ کے اس مکان پر تشریف لے گئے جو ابوایوب انصاریؓ کے داداؤں میں تبع بادشاہ نے آنحضرت کیلئے تیار کیا تھا، ابوایوب انصاری کا نام خالد بن زید انصاری ہے، کہتے ہیں جب اونٹنی ان کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی تو ایک صحابی جبار بن صخر نے اس کو لات مارنا شروع کر دی تا کہ آگے جائے تو ابوایوب انصاری نے کہا کہ اے جبار میرے گھر کے سامنے سے اس کو ہٹا رہے ہو، خدا کی قسم اگر اسلام نہ ہوتا اور یہ نبی برحق نہ ہوتے تو میں تیری گردن کو تلوار سے اڑا دیتا، اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یمن کا بادشاہ "ابن حسان" جس کا لقب تبع تھا، وہ اہل مدینہ سے لڑنے کیلئے آیا، اس لڑائی میں اس کا بیٹا مارا گیا، اس نے قسم کھائی کہ اب میں مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجاؤں گا، جب لڑنے لگا تو مدینہ سے معزز لوگوں کا ایک وفد اس سے ملنے آیا اور اس سے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں، یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے، ہم ان کے انتظار میں یہاں مقیم ہیں کہ ان پر ایمان لائیں۔ تبع پر اس کا اثر ہوا، یمن سے ان کے ساتھ جو لوگ آئے تھے ان میں سے بھی چار سو آدمیوں نے مدینہ میں ٹھہرنے اور حضرت کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ تبع نے بھی آنے والے نبی پر ایمان لایا اور مدینہ میں رک گیا، اس نے مدینہ میں چار سو آدمیوں کیلئے مکانات کا انتظام کیا اور ایک مکان بطور خاص آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بنوایا اور ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اقرار لکھا اور مندرجہ ذیل چند اشعار لکھ دیئے، اشعار کو علامہ ابی ؒ نے اس طرح نقل کیا ہے:

شَهِدتُّ عَلٰى اَحْمَدَ اَنَّهُ ۔۔۔ رَسُولٌ مِنَ اللّٰهِ بَارِي النَّسَمْ

لَهُ اُمَّةٌ سُمِّيَتْ فِي الزَّبُورِ ۔۔۔ بِاُمَّةِ اَحْمَدَ خَيْرُ الْاُمَمْ

فَلَوْ مَدَّ دَهْرِيْ اِلٰى دَهْرِهِ ۔۔۔ لَكُنْتُ وَزِيْراً لَهُ وَابْنُ عَمْ

وَقَاتَلْتُ بِالسَّيْفِ أَعْدَائَهُ ۔۔۔ وَكَشَفْتُ عَنْ قَلْبِهِ كُلَ غَمْ

پھر اس خط کو اس نے سونے کی مہر لگا کر بند کیا اور اپنے معتمد خاص کو دیا جو سب سے بڑا عالم تھا، تبع نے اس سے کہا کہ اگر تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے تو یہ خط ان کو دے دینا، ورنہ تیری اولاد میں سے جن کو نبی آخر الزماں مل گئے وہ ان کو یہ خط دیدے، چنانچہ آخر میں اس معتمد خاص کی اولاد میں حضرت ابوایوبؓ انصاری آئے اور یہ خط ان تک پہنچ گیا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس معتمد خاص کے لوگوں نے تبع کا یہ خط ایک شخص کو دیا جس کا نام ابو لیلیٰ تھا اور ان سے کہا کہ یہ خط نبی آخر الزماں کو دیدیں، نبی مکرم نے جب اس شخص کو دیکھا تو فرمایا کہ تیرا نام ابو لیلیٰ ہے اور تیرے پاس قدیم زمانے کے "تبع" کا ایک خط ہے، ابو لیلیٰ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا تو حیران ہو کر رہ گیا اور کہا کہ آپ کون ہیں، چہرہ سے تو جادوگر نہیں لگتے ہو پھر آپ نے یہ کلام کیسے کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا نام ''محمد'' ہے، وہ خط مجھے دیدو، اس نے جب خط دیا اور آنحضرت نے پڑھا تو تین بار آپ نے فرمایا: "مَرْحَباً بِتُبَّعٍ الْاَخِ الصَّالِحِ" (کذا فی عمدۃ القاری)

" ثامنونی بحائطکم "یعنی اپنے باغ کی قیمت لگا کر مجھے یہ فروخت کردو، دوسری روایت میں ''مربداً'' کا لفظ آیا ہے تو اس میں تعارض نہیں ہے، اگر مربد کھلیان کے معنی میں ہے، باغ میں کھلیان ہوتا ہے اور اگر ''مربدا'' ویران جگہ کو کہا گیا ہے تو حائط تھا پھر خراب ہو گیا، دوسری روایت میں "وکان لغلا مین یتیمین" کے الفاظ بھی آئے ہیں تو حقیقت میں گفتگو تو بڑوں سے ہوئی ہے، لیکن یہ باغ دو یتیم لڑکوں کا تھا جو اسعد بن زرارہؓ کی پرورش میں تھے، ایک کا نام سہل تھا دوسرے کا نام سہیل تھا۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو بلایا اور قیمت لگانے کا فرمایا انہوں نے کہا کہ ہم اس کو آپ کے لئے ہبہ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہیں کیا اور دس دینار پر خرید لیا اور یہ دس دینار صدیق اکبرؓ نے ادا کر دیئے، شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ہدیہ کو قبول نہ کیا کہ مکمل اختیار والے نہیں ہوتے ہیں یا اس لئے کہ مسجد نبوی کی بنیادوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا پیسہ لگے اور صدیق کو حکم دیا کہ پیسہ تم دے دو تا کہ دونوں کا حصہ ہو جائے۔

"خرب" یعنی زمین کا کچھ حصہ انتہائی خراب تھا، اس سے مراد بڑے بڑے گڈھے ہیں۔ "نبشت" قبروں سے ہڈیوں وغیرہ کے نکالنے کو نبش کہتے ہیں، مقبرہ جب پرانا ہو جاتا ہے اور لاش سالم نہ ہو تو اس کو مسجد یا زمین یا راستہ اور مکان میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، یہاں تو بات ہی مشرکین کی ہے جس میں کوئی بات نہیں ہے۔

''فصفوا النخل ''یعنی باغ کے سارے درخت کاٹ دیئے گئے، مگر قبلہ کی طرف صف کے انداز میں جو درخت تھے وہ چھپر ڈالنے کیلئے

بطور دیوار چھوڑ دیئے گئے۔ "عضادتیه" یہ تثنیہ ہے، اس کا مفرد عضادۃ ہے، دروازہ کے دائیں بائیں جو کواڑ ہوتا ہے، اسی کو عضادۃ کہتے ہیں، یہ نقشہ قبائل کے لوگ جانتے ہیں، اسی طرح ایک اور نقشہ ہے کہ دیہاتوں کی مسجدوں میں اب دو لمبے لمبے پتھر دائیں بائیں کھڑے کر کے دونوں کے سروں کو ملاتے ہیں، جس سے محراب بن جاتا ہے۔

"یر تجزون" میدان جنگ میں مختصر سے اشعار دشمن کو للکارنے کیلئے پڑھے جاتے ہیں، اس کو جزیہ اشعار کہتے ہیں، یہاں مطلق اشعار پڑھنا مراد ہے۔ "معهم" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شعر پڑھنے میں ساتھ دیا ہے، یہ معمولی اشعار کو زبان پر لانا شاعری نہیں ہے، دوسرے کا کوئی شعر پڑھنا آیت ﴿وما علمناه الشعر﴾ کے منافی نہیں ہے، وہاں بطور فن اور صفت شعر کی نفی کی بات ہے، فن شعر کے الگ اصول اور قواعد ہوتے ہیں دیگر روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے عمل اور خیبر کی کھجور کے عمل میں فرق کے طور پر یہ شعر پڑھا:

هذا حمال لا حمال خيبرا　　　هذا ابر ربنا واطهرا

یہ بوجھ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں ہے، یہ ہمارے رب کی رضا کا مقبول اور پاکیزہ بوجھ ہے۔

"مرابض" یہ مربض کی جمع ہے اور اونٹوں اور بکریوں کے باڑے کو کہتے ہیں، اس سے پیشاب کی طہارت پر استدلال کرنا بہت دور کی بات ہے۔ علامہ اُبیؒ نے لکھا ہے کہ جس علاقے میں مسلمان کی آبادی ہو وہاں پر جامع مسجد اور عام مسجد بنانا وقت کے بادشاہ پر فرض ہے، اگر وہ سستی کرے تو مقامی لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مساجد کا اہتمام کریں، اسی طرح وقت کے بادشاہ پر مساجد اور ائمہ کے اخراجات لازم ہیں، اگر وہ اس میں سستی کرتا ہے تو پھر علاقے کے لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اسی طرح یہ ترتیب بھی ہے کہ اگر ایک مسجد جمعہ اور عام نمازوں کے لئے کافی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری مسجد بنانا سنت ہے، ہاں البتہ اگر مساجد اتنی قریب واقع ہوں کہ دوسری مسجد سے پہلی مسجد کی جماعت و اجتماع کو نقصان ہو تو صحیح نہیں ہے۔

۱۱۷۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعمیر سے قبل بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

۱۱۷۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ نَا خَالِدٌ يَعْنِي الْحَارِثَ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

اس سند سے بھی سابقہ روایت (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل بکریوں کے باڑے میں نماز ادا فرماتے تھے) حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

باب تحويل القبلة القدس الى الكعبة

بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ کی تحویل کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۷۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ فَنَزَلَتْ بَعْدَمَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَمَرَّ بِنَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُمْ يُصَلُّونَ، فَحَدَّثَهُمْ، فَوَلَّوْا وُجُوهَهُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ

حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، یہاں تک کہ سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوگئی کہ: ''تم کہیں بھی ہو اپنا چہرہ کعبۃ اللہ کی طرف رکھو'' یہ اس وقت نازل ہوئی کہ حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہو چکے تھے، صحابہؓ میں سے ایک صاحب (یہ حکم سن کر وہاں سے چلے) راستہ میں گزر انصار کی ایک جماعت پر سے ہوا وہ جماعت والے نماز میں مصروف تھے، ان صاحب نے انہیں یہ بات بتلائی چنانچہ ان لوگوں نے اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کرلیا۔

تشریح:

''بیت المقدس'' یہ مسجد کے وزن پر بھی ہے اور مسجد کے وزن پر بھی ہے اور شد کے ساتھ مُعَظَّم کے وزن پر بھی ہے، اس کو ایلیاء بھی کہتے ہیں اور القدس الشریف بھی کہتے ہیں۔

''ستة عشر شهراً'' مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ربیع الاول یا بارہ ربیع الاول میں مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ پہنچتے ہی آپ نے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنی شروع فرمائیں، دوسرے سال کے وسط رجب تک آپ اسی طرح نمازیں پڑھتے رہے، اب روایات میں سولہ ماہ کا ذکر بھی ہے اور سولہ سترہ ماہ کا ذکر بھی ہے اور اٹھارہ ماہ کا ذکر بھی ہے۔ بعض میں سترہ کا ذکر ہے، حضرت علامہ سید یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں بارہ اقوال ہیں، دو ماہ سے دو سال تک نماز پڑھنے کے اقوال ملتے ہیں، مذکورہ چار اقوال زیادہ مشہور ہیں۔ تو بعض نے آدھے ماہ کو نظر انداز کیا یا اس کو پورا شمار کیا، اس وجہ سے فرق آگیا، یہ کوئی تعارض نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ سولہ سترہ مہینہ سے ترجمہ کیا جائے تو ''أوْ'' کا لفظ شک کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور تنویع کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔

تحویل قبلہ کی حکمتیں

تحویل قبلہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے بیت اللہ قبلہ تھا پھر ہجرت کے بعد سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا پھر ہمیشہ کیلئے بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا، اس میں چند حکمتیں تھیں۔

(۱) سابقہ کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیش گوئیاں تھیں کہ نبی آخرالزماں ذو قبلتین ہوں گے، اگر آپ بیت المقدس کی طرف نمازیں نہ پڑھتے تو یہود ونصاریٰ کو آپ کی نبوت پر اعتراض کا ایسا موقع ملتا، جس کا جواب نہ ہوتا۔

(۲) بیت المقدس تقریباً تمام انبیاء کا قبلہ رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی فضیلت سے بھی نواز دے، کیونکہ آپ سب سے افضل تھے۔

(۳) کچے اور پکے مسلمانوں کا امتحان مقصود تھا کہ کون کیا کرتا ہے۔

(۴) مدینہ کے یہود کی تالیف قلب مقصود تھی تا کہ دشمنی میں کمی آجائے، چنانچہ ایک حد تک یہ فائدہ حاصل ہو گیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمین ہونے کا اعلان مقصود تھا کہ وہ جو چاہے کرے، مشرق ومغرب اسی کے حکم کے تحت ہیں۔

(۵) یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے حسد وعداوت اور اپنے مطلب کے خلاف کسی کو برداشت نہ کرنے کو ظاہر کرنا مقصود تھا، چنانچہ تحویل قبلہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی حماقت اور اعتراضات کا جواب دیدیا کہ یہ بیوقوف اپنی عداوت کا اظہار کریں گے۔

۱۱۷۸۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ، جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، يَقُولُ: صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، ثُمَّ صُرِفْنَا نَحْوَ الْكَعْبَةِ

حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ پھر ہمیں کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا گیا۔

۱۱۷۹۔حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّاسُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار لوگ قباء میں فجر کی نماز میں مشغول تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقبال قبلہ کا حکم ہوا تو انہوں نے استقبال قبلہ کرلیا۔اس سے قبل ان کے چہرے شام کی طرف رہتے تھے۔اب وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

۱۱۸۰۔حَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّاسُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ إِذْ جَاءَهُمْ رَجُلٌ، بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ

حضرت ابن عمرؓ سے اس سند سے بھی سابقہ روایت (لوگ مسجد قباء میں فجر کی نماز میں مشغول تھے کسی نے آکر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقبال قبلہ کا حکم ہوا تو آپ نے استقبال قبلہ کرلیا) مروی ہے۔

۱۱۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَنَزَلَتْ: ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ فَمَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَقَدْ صَلَّوْا رَكْعَةً، فَنَادَى: أَلَا إِنَّ الْقِبْلَةَ قَدْ حُوِّلَتْ، فَمَالُوا كَمَا هُمْ نَحْوَ الْقِبْلَةِ

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، پھر قرآن کی آیت نازل ہوئی: ''بیشک ہم آپ کے چہرہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھتے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جو آپ کو پسند ہے، اب سے آپ اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے''۔ (یہ حکم سن کر) ایک شخص جو بنو سلمہ میں سے تھا لوگوں پر سے اس کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ نماز فجر کے رکوع میں ہیں اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے، اس نے آواز لگائی کہ: آگاہ ہو جاؤ، بے شک قبلہ تبدیل ہو گیا ہے، چنانچہ وہ لوگ قبلہ (کعبہ) کی طرف پھر گئے۔

تشریح:

''کان یصلی نحو بیت المقدس'' یعنی مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ قرآن کی آیت نازل ہوئی اور نماز کے دوران آپ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی طرف منہ موڑ کر کعبہ کا استقبال کیا۔

تحویل قبلہ کے وقت مدینہ منورہ کا پس منظر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں راجح قول کے مطابق کعبہ کی طرف نمازیں پڑھیں، بیت المقدس ابھی تک قبلہ نہیں بنا تھا، ہجرت کے بعد فوراً مدینہ منورہ میں بیت المقدس قبلہ قرار دیا گیا اور آنحضرت نے اس کی طرف استقبال کیا اور بیت اللہ کا قبلہ ہونا منسوخ قرار دیا گیا، مدینہ میں یہود کی بہت بڑی آبادی تھی، یہود بنو نضیر یہود بنی قینقاع اور یہود بنو قریظہ تین قبائل کی بہت بڑی تعداد وہاں پر مقیم تھی، ان سب کا قبلہ بیت المقدس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف جب استقبال کیا تو یہ یہود خوش ہو کر مطمئن ہو گئے کہ یہ نبی ہماری طرف آنے والے ہیں، اس طرح ان یہود کی شرارت اور عداوت سے ابتدائی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان محفوظ ہو گئے، کچھ دیگر معاہدات کی وجہ سے یہود کے دل کچھ نرم پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ دین ابراہیمی پر تھے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں خالص عرب میں سے تھے، جن کے دلوں میں کعبۃ اللہ کی محبت فطری طور پر رچ بس گئی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی بے قراری سے چاہتے تھے کہ کعبۃ اللہ ان کا قبلہ ہو جائے، اس کیلئے آپؐ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ جلدی وحی کے ذریعہ سے تحویل قبلہ کا حکم آ جائے، چنانچہ جب تحویل قبلہ کا حکم آیا اور بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو کر بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا تو یہود بہت غصے ہو گئے اور کہا کہ یہ شخص ہر چیز میں ہماری مخالفت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراضات کا خوب جواب دیا۔

نسخ واقع ہونے کی تحقیق

اب نسخ کے واقع ہونے کے بارے میں یہود کا عقیدہ ہے کہ نسخ جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ایک حکم کو منسوخ قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو ایک چیز کی خوبی کا علم نہیں تھا اسی طرح بھلائی اور برائی کا علم پہلے نہیں تھا، اب علم آ گیا کہ یہ حکم غلط ہے، اس کو منسوخ کرنا چاہیے، یہود کہتے ہیں کہ یہ "بداء" کا عقیدہ ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود غلط کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حکم جس وقت منسوخ ہو جاتا ہے وہ اسی وقت تک کیلئے ہوتا ہے، اس کی عمر ہی اتنی ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں کہ پہلا حکم غلط تھا، اب نیا آ گیا، اس کی مثال ڈاکٹر کی دوائی اور مریض کی طبیعت ہے، جب مزاج میں فرق آتا ہے ڈاکٹر دوائی کو بدل دیتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ڈاکٹر کا پہلا نسخہ غلط ہے، بہرحال ہجرت سے پہلے مکہ میں نماز فرض ہو چکی تھی، اس وقت قبلہ کیا تھا، بیت اللہ تھا یا بیت المقدس تھا، اس میں صحابہؓ و تابعینؒ کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ شروع ہی سے بیت المقدس قبلہ تھا، مکہ میں بھی اور مدینہ میں بھی، پھر مدینہ میں سولہ سترہ ماہ کے بعد بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہی تھی، اس کے مقابلے میں دوسرے حضرات کا خیال یہ ہے کہ نماز فرض ہونے کے بعد بیت اللہ ہی قبلہ تھا، پھر ہجرت کے بعد یہ منسوخ ہوا، بیت المقدس مقرر رہا پھر وہ منسوخ ہوا، بیت اللہ دوبارہ قبلہ مقرر رہا۔ علامہ ابن حجرؒ کا خیال یہ ہے کہ نسخ سے جتنا آدمی بچ سکتا ہے بچنا چاہئے، لہٰذا روز اول سے قبلہ بیت المقدس ہی مقرر رہا تھا پھر یہ منسوخ ہو کر بیت اللہ قبلہ مقرر رہا، مدینہ میں جب بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو گیا تو ایک دفعہ نسخ آ گیا اور بس قصہ ختم ہو گیا، البتہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور اجتہاد بیت اللہ کو بھی سامنے رکھتے تھے اور نماز بیت المقدس کی طرف پڑھتے تھے، لیکن جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں دونوں پر عمل نہیں ہو سکتا تھا تو آپؐ نے بیت المقدس کی طرف استقبال کیا، پھر جب بیت اللہ کی طرف استقبال کا حکم ہوا تو اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی ہیں، ان کا کیا بنے گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ما كان الله ليضيع ايمانكم﴾ ای صلوٰتکم عند البیت امام بخاریؒ کے اس مشکل لفظ کو ٹھیک کرنے کیلئے بعض حضرات نے کہا کہ یہاں کاتب سے غلطی ہوئی ہے، اصل عبارت عند البیت نہیں بلکہ الی غیر البیت ہے، جس سے مراد بیت المقدس ہے، یاد رہے جب البیت مطلق بولا جاتا ہے تو صرف بیت اللہ مراد ہوتا ہے، اس عبارت کو سمجھنے کیلئے علامہ ابن حجرؒ نے یہ تفصیل اپنائی ہے کہ عند البیت میں بیت اللہ مراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا ہی سے بیت المقدس کی طرف نماز کا حکم تھا اور یہی قبلہ تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے وقت بیت اللہ کو بھی سامنے رکھتے تھے، جب آپ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ میں بیت اللہ کو سامنے رکھنا ممکن نہ تھا تو آپ نے بیت المقدس کی طرف استقبال کیا، اس پر اعتراض ہوا کہ بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی نمازوں کا کیا بنے گا؟ تو امام بخاریؒ نے اس کا جواب دیا ای صلوٰتکم البیت کہ کعبہ کے پہلو میں جو نمازیں پڑھی گئیں، اللہ ان کو ضائع نہیں کرے گا تو جو نمازیں مدینہ میں بیت اللہ سے دور پڑھی گئی ہیں، ان کو تو بالکل ضائع نہیں کرے گا، اس طرح توجیہ کرنے میں ایک بار نسخ لازم آئے گا، دوبارہ نسخ سے بچ جائیں گے۔ بعض حضرات نے امام بخاریؒ کے کلام کی توجیہ یہ کی ہے کہ اصل عبارت عند البیت کے بجائے الی غیر

البیت ای الی بیت المقدس تھی، سب نے غلطی سے عند البیت لکھ دیا، حافظ ابن حجر نے ان لوگوں پر رد کیا اور اپنی مذکورہ توجیہ پیش کی، لیکن علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر کی توجیہ کی سختی سے تردید کی ہے، اس کی چند وجوہات بیان کی ہیں:

(۱): فرمایا کہ ابن حجر کا دوبارہ نسخ سے بچنے کیلئے اتنا لمبا کلام اختیار کرنا صحیح نہیں ہے، نسخ تو دو اور تین بار بھی بعض احکام میں آیا ہے، یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔

(۲): اگر مدینہ میں تالیفِ یہود کیلئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا ضروری سمجھا گیا تو مکہ میں تالیفِ قریش اس سے زیادہ اہم تھا کہ ان کے قبلہ کی طرف استقبال کیا جاتا۔

(۳): صحابہ کرامؓ برسوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے رہے اور یہ معلوم نہ تھا کہ آیا قبلہ بیت اللہ ہے یا بیت المقدس ہے، ھذا ھو العجب!!

(۴): کتاب الام میں امام شافعیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جبریل امینؑ نے امامت مکہ میں کرائی تھی تو آپ باب بیت اللہ کے پاس کھڑے تھے، اس میں بیت المقدس کے قبلہ ہونے کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ بیت المقدس دوسری سمت میں واقع ہے، بہر حال میں نے اس تفصیل کو درحقیقت امام بخاری کی کتاب الایمان کے ایک ترجمۃ الباب کے حل کرنے کے پیش نظر لکھ دی ہے، ورنہ مسلم میں اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

تحویل کونسی مسجد اور کس نماز میں ہوئی؟

قبیلہ بنوسلمہ میں حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا، صبح کے وقت مسجد نبوی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوسلمہ کے ہاں تشریف لے گئے تھے، ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے دو رکعت نماز پڑھا لی تو درمیان میں ﴿**فول وجھک شطر المسجد الحرام**﴾ کی آیتیں نازل ہوئیں، آپ نے دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھائی تھیں پھر دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف پڑھا لیں، اس مسجد کا نام مسجد القبلتین ہے جو آج بھی موجود ہے اور اس میں ایک محراب بیت اللہ کی طرف ہے اور اس کے بالکل مقابل شمال کی جانب دروازہ کے طور پر بیت المقدس کی طرف محراب کا نشان موجود ہے، یہ ظہر کی نماز کا قصہ ہے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز میں مسجد نبوی میں آگئے اور تحویل قبلہ کے بعد مسجد نبوی میں جو مکمل نماز پڑھائی وہ عصر کی نماز تھی، اس کے بعد عباد بن بشرؓ نے جا کر مسجد بنوحارثہ میں عصر کی نماز میں نمازیوں کو اطلاع دے دی تو وہ بھی نماز کے دوران بیت اللہ کی طرف مڑ گئے، اس کے بعد کل کی صبح کی نماز میں کسی نے جا کر مسجد قباء میں نماز کے دوران ان لوگوں کو اطلاع دے دی، وہ بھی بیت اللہ کی طرف مڑ گئے۔

"**فانطلق رجل**" اس سے مراد عباد بن بشر صحابیؓ ہیں۔ "**فمر بناس من الانصار**" اس سے مسجد بنوحارثہ کے لوگ مراد ہیں۔

"**یصلون**" اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔

"**فی صلوۃ الغداۃ**" اس سے صبح کی نماز مراد ہے اور مسجد قباء کی مسجد مراد ہے، یہ لوگ بھی نماز کے دوران مڑ گئے ہیں، ایک رکعت بیت المقدس کی طرف اور دوسری رکعت بیت اللہ کی طرف پڑھی گئی۔ "**آت**" اس آنے والے آدمی کے نام کا علم نہ ہو سکا، ممکن ہے کہ یہ وہی

عباد بن بشر صحابیؓ ہوں اور ممکن ہے کوئی اور ہوں۔

"فاستقبلوھا" میں جمع ماضی کا صیغہ لینا زیادہ راجح ہے، بعض نے امر کا صیغہ مراد لیا ہے، اس کا بھی احتمال ہے کہ اس شخص نے ان کو حکم دیا ہو کہ ایسا کرو۔

"فاستداروا" اس مڑنے اور گھومنے کا طریقہ یہ تھا کہ امام اور اس طرف کے لوگ پیچھے عورتوں کی جگہ پر آ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور بیت المقدس کی طرف پیٹھ ہو گئی اور عورتیں جا کر مردوں کی جگہ میں کھڑی ہو گئیں اور منہ بیت اللہ کی طرف کر دیا اور پشت بیت المقدس کی طرف موڑ دیں، جب قبلہ رخ تبدیل ہو گیا تو اتنے بڑے کام کیلئے اگر نماز کے دوران اطاعت حکم کے جذبہ کے تحت نماز میں یہ عمل ہوا تو یہ ممنوع نہیں، بلکہ ممدوح ہے۔ اگر چہ یہ عمل کثیر ہے، جو کہ مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے، لیکن اس وقت عمل کثیر کو مفسد قرار نہیں دیا گیا تھا۔

سوال: یہاں ایک مشہور سوال ہے، وہ یہ کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور قبلہ کی تبدیلی کا حکم بھی فرض ہے، اب ایک آدمی جا کر صرف ایک خبر دیتا ہے، جس سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا ہے، نہ سابق فرض منسوخ ہو سکتا ہے تو مسجد بنو حارثہ اور مسجد قباء کے لوگوں نے ایک خبر واحد پر اپنے یقینی اور قطعی حکم کو کیسے نظر انداز کر کے ترک کیا اور نیا حکم قبول کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک خبر واحد قطعی علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے، لیکن علماء نے لکھا ہے کہ جب خبر واحد محتف بالقرائن ہو، یعنی قرینوں سے ڈھکی ہوئی ہو تو اس سے یقین کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، یہاں قرآن کی کئی آیات کافی عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھیں کہ عنقریب قبلہ تبدیل ہونے والا ہے اور اہل باطل اس تبدیلی پر طرح طرح کے اعتراضات کریں گے، اس کا یہ جواب ہے کہ قرائن میں خبر واحد یقین کا فائدہ دیتی ہے۔

باب النهى عن بناء المساجد على القبور

قبروں پر مساجد بنانے کی ممانعت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۸۲۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ، وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُولَئِكَ، إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، فَمَاتَ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ اس کلیسا میں تصاویر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں میں یہ عادت تھی کہ جب ان کا کوئی نیک و صالح آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے تھے اور اس میں مورتیاں اور تصاویر رکھتے تھے، وہ لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے

نزدیک بدترین مخلوق میں سے ہوں گے''۔

تشریح:

''ام حبیبة'' یہ ازواج مطہرات میں سے ہیں، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان۔ ''وام سلمة '' یہ بھی ازواج مطہرات میں سے ہیں، ان کا نام ھند بنت ابی امیہ ہے، ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، وہاں عیسائیوں کی حکومت تھی، اس لئے ان کے گرجوں کی بات کی اور اپنا مشاہدہ بیان کیا۔ ''لرسول الله '' یہ جارومجرور ذکرتا کے ساتھ متعلق ہے، یعنی دونوں نے اپنا مشاہدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔

''رئینھا'' یہاں جمع مؤنث کا صیغہ ہے کیونکہ ان کے ساتھ دیگر خواتین نے بھی دیکھا تھا۔

''وصوّروا فیہ '' یعنی صالحین کی تصاویر بنا کر مسجد میں آویزاں کیا کرتے تھے، ایک نقصان تو یہ کیا کہ قبروں پر مساجد بنادیں، دوسرا نقصان یہ کہ اپنے بزرگوں کی تصاویر ان میں چسپاں کردیں، یہ اسی طرح قصہ تھا جس طرح قوم نوحؑ سے شیطان نے صالحین کی تصاویر اور مجسمے بنا کر پہلے گھروں میں رکھوادیئے، پھر مسجد کے دروازوں میں پھر مساجد کے اندر صفوں کے سامنے رکھوادیئے، بوڑھے لوگ جب مرگئے تو نئی نسل کو شیطان نے کہا کہ تمہارے بڑے تو انہی بزرگوں کے مجسموں کی عبادت کرتے تھے، تم بھی کرو چنانچہ وَد، سُواع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسْر کی عبادت شروع ہوگئی اور شرک کی بنیاد پڑگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، اس حدیث سے تصاویر کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

''بنوا علی قبرہ مسجدا '' یعنی صالح بزرگوں کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کیں اور ان میں تصاویر رکھ کر ان کی عبادت شروع کی، یہ بدترین لوگ ہیں۔ علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بنانا شروع کردیا اور اس کی اس حد تک تعظیم کی کہ نماز کے اندر اس کی طرف متوجہ ہو کر بت پرستی شروع کردی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیج دی اور امت کو منع کردیا، لیکن اگر کوئی مسجد کسی صالح آدمی کی قبر کے قریب ہو اور اس کی طرف کوئی توجہ بھی نہ ہو نہ سجدہ ہو صرف برکت کے طور پر ہو تو اس پر یہ لعنت نہیں ہے۔ علامہ بیضاوی کے مقابلے میں دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ قبروں کے قریب مسجد بالکل نہیں ہونی چاہئے تاکہ شرک وبدعت اور اس کا خطرہ بالکل ختم ہوجائے۔ (فتح الملهم)

اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ آیا قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مطلق قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ جگہ پاک ہو یا ناپاک ہو قبر آگے ہو یا پیچھے ہر صورت میں ناجائز ہے، شیخ ابوثور فرماتے ہیں کہ حمام اور قبرستان میں نماز جائز نہیں ہے کیونکہ ایک واضح حدیث ہے ''قال علیه السلام الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام'' امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ بھی قبرستان میں نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، امام مالکؒ کا راجح قول بھی اسی طرح ہے، اہل ظواہر کے نزدیک قبرستان میں ہر صورت میں نماز پڑھنا حرام ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے قبر نہ ہو اور جگہ پاک ہو تو نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، بہرحال عام علماء کے نزدیک کراہت کا قول ہے جو مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔ تفصیلات عمدۃ القاری اور فقہ کی کتابوں میں ہیں۔ علامہ اُبی مالکیؒ نے اپنی شرح

مسلم میں لکھا ہے کہ بعض شوافع کے نزدیک اگر کسی نیک صالح آدمی کی قبر کے قریب مسجد ہو یا کوئی مقبرہ قریب ہو اور کوئی وہاں نماز پڑھے اور برکت کی نیت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور بطور دلیل یہ کہا ہے کہ حطیم میں اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے لوگ وہاں نماز پڑھتے ہیں اور افضل سمجھتے ہیں ان حضرات کی یہ دلیل مبہم سی ہے کیونکہ مطاف میں دیگر انبیاء کی قبریں بھی ہیں، لیکن رہا مقبرہ اور قبرستان اور قبروں کا اب کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا ہے، اس پر قیاس عجیب ہے۔

۱۱۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهُمْ تَذَاكَرُوا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ فَذَكَرَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيبَةَ كَنِيسَةً ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَهُ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے مرض الوفات میں لوگوں نے باتیں کیں اور ام حبیبہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما نے بھی گرجا کا حال بیان کیا۔ بقیہ حدیث حسب سابق ہے۔

۱۱۸٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: ذَكَرْنَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ، يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے ایک گرجا کا تذکرہ کیا جو انہوں نے ملک حبش میں دیکھا تھا جس کا نام ماریہ تھا پھر بقیہ حدیث حسب سابق بیان فرمائی۔

۱۱۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَا: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ قَالَتْ: فَلَوْلَا ذَاكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ: وَلَوْلَا ذَاكَ لَمْ يَذْكُرْ: قَالَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ (صحت یاب ہو کر) کھڑے نہ ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ لان یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجد بنالیا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھلی جگہ پر ہوتی، مگر آپ کو ڈر رہا کہ کہیں آپ کی قبر کو بھی مسجد نہ بنالیا جائے۔

تشریح:

''فی مرضہ'' یعنی مرض وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس تصریح کرنے کا مقصد یہ ہے یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے، بلکہ آپ وفات پاگئے اور یہ حکم باقی رہا۔

''لعن اللہ الیہود و النصاری'' یعنی یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، انہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود نے اگر انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے لیکن نصاریٰ کے تو انبیاء نہیں تھے نہ ان کی قبریں ہیں، ان کے ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے تو نصاریٰ پر یہ لعنت کیسے صحیح ہوگی؟

جواب: اس کا ایک جواب یہ ہے انبیاء سے نصاریٰ کے بڑے بڑے بزرگ اور صلحاء مراد ہیں، بلکہ حدیث میں "انبیاء ھم و صالحیھم" کے الفاظ موجود ہیں، لہٰذا صالحین کی قبروں کو نصاریٰ بھی سجدہ گاہ بناتے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہود نے اپنے انبیاء کی قبروں کو ابتداء ابتداعا سجدہ گاہ بنالیا اور نصاریٰ نے یہود کے ساتھ اتباعا یہ کام شروع کیا، چنانچہ یہود کی طرح نصاریٰ نے بھی انبیاء کی قبروں کی تعظیم اور عبادت شروع کی، اگر چہ وہ سابقہ انبیاء کرام تھے۔

"فلولا ذلک ابرز قبرہ" یعنی اگر سجدہ گاہ بنانے کا خطرہ نہ ہوتا تو آنحضرت کی قبر شریف ظاہر ہوتی اور نظر آتی، اس طرح نہ چھپائی جاتی، شارحین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر حضرت عائشہؓ کے مکان میں ہے، جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی تو قبر شریف درمیان میں آگئی جو سجدہ گاہ بن رہی تھی تو اس وقت کے لوگوں نے قبر شریف کو مثلث دیوار کے اندر اس طرح گھیر لیا کہ ہر طرف سے قبر محفوظ ہوگئی، اب جس طرف سے کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے قبر شریف سامنے نہیں ہوسکتی ہے، فتح الباری اور خاص کر علامہ اُبی مالکی نے اس بات کی خوب تفصیل لکھ دی ہے۔

"لم یذکر قالت" یعنی حضرت عائشہؓ نے قالت فلو لا ذاک کے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں دوسری روایت میں جو ابن ابی شیبہ کی ہے اس میں قالت کا لفظ نہیں ہے۔

۱۱۸۶۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، وَمَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ ان یہودیوں کو تباہ کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا"۔

۱۱۸۷۔ وَحَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْأَصَمِّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد میں تبدیل کر دیا"۔

۱۱۸۸۔ وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى - قَالَ حَرْمَلَةُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ هَارُونُ: - حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَائِشَةَ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَا: لَمَّا نُزِلَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ: وَهُوَ كَذَالِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

يُحَذِّرُ مِثْلَ مَا صَنَعُوا

عبید اللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت موعود قریب ہوا تو آپ نے چادر اپنے چہرۂ مبارک پر ڈالنا شروع کر دی، پھر جب چادر کے اندر گھمس ہوتا (اور آپ گھبراتے) تو چہرہ سے ہٹا لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں تھے کہ فرمایا: ''اللہ کی پھٹکار ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا''۔ آپ ڈراتے تھے کہ مسلمان بھی ایسا ہی نہ کریں۔

تشریح:

''بما نزل'' یہ صیغہ نزل مذکر مجہول کا بھی ہے اور نزلت مؤنث معروف کا بھی ہے، دونوں کے معنی مختلف ہیں، اگر نزل مجہول ہے تو معنی یہ ہے کہ جب موت کا فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا گیا، یہ نسخہ زیادہ مشہور نہیں ہے اور اگر نـزلـت ہے تو معنی یہ ہے کہ جب آنحضرت ؐ کی موت آپ پر آ گئی۔ یہ نسخہ زیادہ مشہور ہے اور عام فہم ہے۔
''خمیصة'' اون کی چادر کو کہتے ہیں، جس میں نقش اور پھول ہوں۔ مقامات میں ہے:

لبست الخميصة ابغى الخبيصة وانشبت شصى فى كل شيصه

''لعن الله اليهود'' قاتل الله اليهود کے الفاظ بھی ہیں مراد یہی لعنت ہے یا بددعا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ کر دے، ان پر لعنت بھیج بھیجے۔
''یحذر'' تحذیر سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس سے ڈرا رہے تھے کہ جس طرح یہود نے اپنے انبیاء کی قبور کے ساتھ معاملہ کیا تم ایسا نہ کرو۔

۱۱۸۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ - وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ النَّجْرَانِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي جُنْدَبٌ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِخَمْسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ۔

حضرت جندب ؓ بن عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں اللہ کے سامنے بری ہوں اس بات سے کہ تم میں سے کسی کو خلیل اور دوست بناؤں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا دوست بنا لیا ہے جیسے کہ اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابو بکر ؓ کو اپنا خلیل بناتا، خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی اور صلحاء کی

قبروں کو مساجد (عبادت گاہ وسجدہ گاہ) بنالیتے تھے، خبردار! قبروں کو مسجد نہ بناؤ، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں''۔

تشریح:

''بخمس'' یعنی وفات سے پانچ دن پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ ''انی ابرأ الی اللہ'' یعنی میں اس سے بہت زیادہ دور اور بیزار ہوں کہ تم میں میرا کوئی خلیل بن جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے۔

سوال: اس حدیث کے سمجھنے میں بہت دشواری اور پیچیدگی ہے، وہ اس طرح کہ آنحضرت کسی کے خلیل بنانے کی سختی سے تردید فرمائی ہے پھر فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خلیل بنایا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ ہے اور میں حبیب اللہ ہوں، قرآن کریم میں واضح طور پر مذکور ہے ﴿واتخذ اللہ ابراھیمَ خلیلا﴾ ۔اب سوال یہ ہے کہ کبھی اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا پر ہوتا ہے کبھی ممانعت ہوتی ہے تو اس کا حل کیا ہے؟

جواب: اس کا حل اور جواب سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم لفظ خلیل کے مفہوم کو سمجھ جائیں تو اہل لغت نے خلیل کو خـلـة سے بھی لیا ہے اور کہا ہے کہ جب خاء پر ضمہ ہو، اس کے معنی دوستی اور محبت ہے اور اگر خاء پر فتحہ ''خَلة'' ہو تو یہ احتیاج اور فقر وفاقہ اور بھروسہ کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح محبة اور خلة میں بھی ترادف ہے جو ایک دوسرے کے معنی میں بولے جاتے ہیں، اب جہاں اللہ تعالیٰ نے خلیل کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہاں محبت کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل یعنی محبوب بنالیا، وہاں بھروسہ، اعتماد اور حاجت کے معنی میں نہیں ہے، لیکن جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں سے خلیل کی نفی فرمائی اور کہا کہ میرا خلیل صرف اللہ تعالیٰ ہے تو وہاں خلیل حاجت روا، محتاج الیہ اور بھروسہ کے معنی ہیں کہ میرا مستعان و مددگار و حاجت روا ایک اللہ کی ذات ہے، کوئی انسان نہیں ہے، یہاں حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم کے پیش نظر سختی سے نفی فرمائی ہے، پھر یہاں ایک اور حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہیے، وہ یہ کہ خلیل کے مفہوم میں جانبین ملحوظ ہوتے ہیں یعنی ایک جانب سے اگر خلت ومحبت ہے تو دوسری جانب والا بھی اس کا پابند ہوتا ہے، لیکن محبت میں کبھی ایک جانب سے محبت ہوتی ہے، دوسری جانب سے محبت کبھی ہوتی ہے، کبھی نہیں۔ زیر بحث حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جب میرے رب نے مجھے خلیل بنادیا تو میں اس کا پابند ہوگیا ہوں کہ میں صرف اس کو خلیل بناؤں لہٰذا میں کسی اور کو قطعاً خلیل نہیں بناسکتا۔ اگر اس صورت میں کسی اور کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا تاہم اسلامی اخوت ومحبت سب کے ساتھ ہے، علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی الابی مالکیؒ نے اس پوری حقیقت اور بحث کو اچھے انداز سے سمجھا بھی ہے اور سمجھایا بھی ہے، ان کی عربی عبارت نقل کرنے کو کافی سمجھتا ہوں، فرماتے ہیں:

''والخلیل'' قیل انه مشتق من الخلة بفتح الخاء وهی الحاجة وقیل من الخلة بضمها وهی تخلیل المؤدة فی القلب وقیل الخلة صفاء المؤدة مشتقة من الاستصفاء وقیل الخلة فراغ القلب عن غیر الخلیل و لهذا قال بعضهم فی هذا الحدیث الخلیل من لا یتسع القلب لسواه قلت ما تقدم من الاقول فی تفسیر الخلة کلها تشیر الی علة کونه لا یتخذ منهم خلیلا و کلها علل مستنبطة من لفظ الخلة وهو علیه السلام لم یعلل ذلك الا بان الله اتخذه خلیلاً و بیان کونه

علة مانعة ان الخلة من العلل المنعكسة اعنى انها انما تكون من الجانبين و هو فرق بينها و بين المحبة لان المحبة قد تكون من جانب واحد لما اتخذه الله خليلا امتنع ان يتخذ هو احداً خليلاً (الابى ج ۲ ص ٤٢٦)

بہر حال پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جب میرے رب نے مجھے خلیل بنالیا تو اب میں پابند ہو گیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل نہ بناؤں، دوسری بات یہ ہے کہ جب خلیل کے معنی میں فقر واحتیاج اور بھروسہ واعتماد کا مفہوم پڑا ہے تو میرے لئے منع ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس مفہوم میں خلیل بناؤں، کیونکہ میری ساری احتیاج صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، کسی اور کی طرف نہیں ہے۔

باب فضل بناء المساجد والحث عليها

مساجد بنانے کی فضیلت اور ترغیب کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو ذکر کیا ہے

۱۱۹۰۔ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ بُكَيْرًا، حَدَّثَهُ أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ الْخَوْلَانِيَّ، يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيهِ حِينَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُمْ قَدْ أَكْثَرْتُمْ، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ تَعَالَى - قَالَ بُكَيْرٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ - بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَقَالَ ابْنُ عِيسَى فِي رِوَايَتِهِ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ "

حضرت عبداللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے سنا اس وقت جبکہ انہوں نے مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد نبوی) کی تعمیر کی تو لوگوں نے انہیں بہت کچھ کہا، انہوں نے فرمایا: تم نے مجھ پر بہت زیادتی کی ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائی اور ایک روایت میں ہے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی جیسا گھر جنت میں بنائے گا۔

تشریح:

"انکم قد اکثرتم" یعنی مسجد نبوی کی تجدید وتعمیر پر تم لوگوں نے بہت تنازع پیدا کر دیا اور اعتراضات کیے، لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث خود سنی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کیلئے گھر بنا دے گا۔ یہاں اصل قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی مسجد نبوی کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے اس میں توسیع تو کی لیکن اس کو اسی طرح کچی عمارت بنا کر چھوڑ دیا، حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کی تعمیر نو کی اور پکی مسجد بنائی، دیواروں میں منقش تراشیدہ پتھر لگائے اور اس کو گچ کر کے پلستر کیا، پتھروں سے تراشیدہ منقش ستون بنا کر لگا دیئے، چھت میں ساگوان کی عمدہ لکڑی لگا دی، یہ اگر چہ مسجد مزخرف نہیں تھی لیکن لیکن صحابہ کرامؓ نے دو وجہ سے اس پر اعتراض کیا، ایک وجہ تو یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانے کی یادگار اور نمونہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا، چنانچہ آج کل بھی قبائل میں لوگ اس پر جھگڑے کرتے ہیں کہ ہمارے باپ داداؤں کی مسجد کو گرا کر نئی مسجد کیوں بنائی جارہی ہے، صحابہ کرامؓ کے اعتراض کی دوسری وجہ یہ تھی کہ عام احادیث میں مسجدوں کی تزئین اور نقش ونگار کی ممانعت آئی ہے تو مسجد نبوی کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے جواب میں دو دلائل دیئے ہیں، ایک دلیل یہ تھی کہ جب تمہارے مکانات کچے تھے، پرانے طرز پر تھے تو مسجد نبوی بھی اسی طرح تھی، لیکن جب آپ لوگوں نے اپنے مکانات کو جدید انداز سے خوبصورت بنایا تو تمہارے گھروں سے اللہ تعالیٰ کا گھر کمتر نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت عثمانؓ نے دوسری دلیل وہی پیش فرمائی جو زیر بحث حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کیلئے گھر بنادے گا، علماء لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی یہ دلیل اقناعی ہے کہ اس پر قناعت کر کے خاموش رہا جائے، کیونکہ آپ نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، حالانکہ صحابہ میں سے کسی نے مسجد کے بنانے کی فضیلت پر اعتراض نہیں کیا تھا، بلکہ اعتراض کی وجوہات اور تھیں، جس کا جواب اس حدیث سے نہیں ملتا، ہاں حضرت عثمانؓ کا پہلا جواب اور استدلال ان حضرات کے اعتراضات کا جواب تھا جو بجا تھا، کیونکہ آج کے دور میں اسی طرز کی مسجد کو باقی رکھنا کتنا دشوار ہوجاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک انگریز مسلمان ہوگیا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مدینہ منورہ کی عمارت کے متعلق پڑھا تھا، جب وہ مدینہ آیا اور اس کو جدید طرز میں دیکھا تو افسوس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو موجود ہے، لیکن آپ کا مدینہ موجود نہیں ہے، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مسجدوں کو مزین بنانے کا کام ولید بن عبدالملک نے شروع کیا، وقت کے صحابہ نے نکیر کی، پھر فتنہ کے اٹھنے کی وجہ سے بعد کے علماء نے خاموشی اختیار کی، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر تعظیم مسجد مقصود ہو اور بیت المال کے مال کے علاوہ مال خرچ ہو تو اس کی گنجائش ہے (فتح الملھم) ابن منیر کہتے ہیں کہ گھروں کے مقابلے میں اگر مسجد حقیر لگتی ہو تو تزئین مناسب ہے۔

۱۱۹۱۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى - وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى - قَالَا: حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، أَرَادَ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ، فَكَرِهَ النَّاسُ ذَلِكَ، فَأَحَبُّوا أَنْ يَدَعَهُ عَلَى هَيْئَتِهِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ بَنَى اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهُ

محمود بن لبید کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر (وتوسیع) کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اسے ناپسند کیا کہ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حالت پر رہنے دو جس پر وہ ہے (جیسے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی) حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ: جس نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے واسطے ویسا ہی جنت میں گھر بنائے گا۔

تشریح:

"بنی الله له فی الجنة" شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ مسجداً میں نکرہ استعمال کیا گیا ہے جو عام ہے کہ چھوٹی مسجد ہو یا بڑی مسجد ہو، ترمذی شریف میں ایک روایت کے الفاظ بھی اس طرح ہیں "صغیراً او کبیراً" مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت اس طرح ہے

"ولو کمفحص قطاۃ" ابن خزیمہ کی روایت میں ہے: ولو کمفحص قطاۃ او اصغر (فتح الملہم) "قطاۃ" کونج پرندے کو کہتے ہیں اور "مفحص" اس کا گھونسلا ہے، یعنی کونج پرندہ کے گھونسلے کے برابر بھی مسجد ہو اس کے بنانے سے بھی ثواب ملتا ہے، یہ مبالغۃً فرمایا، اس سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ جو شخص مسجد میں جتنا حصہ ڈالے گا اس کو مسجد بنانے کا ثواب ملے گا اور جو شخص مستقل مکمل مسجد بنائے گا اس میں تو کوئی کلام نہیں ہے۔

باب وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ونسخ التطبیق

رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے اور تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے

۱۱۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ أَبُو كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، وَعَلْقَمَةَ، قَالَا: أَتَيْنَا عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ فِي دَارِهِ، فَقَالَ: أَصَلَّى هَؤُلَاءِ خَلْفَكُمْ؟ فَقُلْنَا: لَا، قَالَ: فَقُومُوا فَصَلُّوا، فَلَمْ يَأْمُرْنَا بِأَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ، قَالَ وَذَهَبْنَا لِنَقُومَ خَلْفَهُ، فَأَخَذَ بِأَيْدِينَا فَجَعَلَ أَحَدَنَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، قَالَ: فَلَمَّا رَكَعَ وَضَعْنَا أَيْدِيَنَا عَلَى رُكَبِنَا، قَالَ: فَضَرَبَ أَيْدِيَنَا وَطَبَّقَ بَيْنَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ أَدْخَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ، قَالَ: فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ: إِنَّهُ سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مِيقَاتِهَا، وَيَخْنُقُونَهَا إِلَى شَرَقِ الْمَوْتَى، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ قَدْ فَعَلُوا ذَلِكَ، فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِمِيقَاتِهَا، وَاجْعَلُوا صَلَاتَكُمْ مَعَهُمْ سُبْحَةً، وَإِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَصَلُّوا جَمِيعًا، وَإِذَا كُنْتُمْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَلْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، وَإِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْرِشْ ذِرَاعَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ، وَلْيَجْنَأْ، وَلْيُطَبِّقْ بَيْنَ كَفَّيْهِ، فَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى اخْتِلَافِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرَاهُمْ

اسود اور علقمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ان کے گھر میں حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ کیا ان لوگوں نے (امراء و حکام نے) تمہارے پیچھے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا: تو اٹھو اور نماز پڑھو (امراء و حکام کے انتظار میں نماز کو وقت سے مؤخر مت کرو) انہوں نے ہمیں نہ اذان دینے کو کہا نہ اقامت کو، پھر ہم ان کے پیچھے کھڑے ہونے کو گئے تو ہمارے ہاتھ پکڑ کر ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کر لیا، جب وہ رکوع میں گئے تو ہم نے اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لئے، انہوں نے ہمارے ہاتھوں پر ہاتھ مارا اور ہماری ہتھیلیوں کو ملا کر رانوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: تمہارے اوپر ایسے حکام حاکم بنیں گے جو نمازوں کو اوقات سے مؤخر کریں گے اور (عصر کی نماز کو) اتنا مؤخر کر دیں گے کہ سورج بالکل غروب ہونے کو ہوگا (جب عصر کی نماز پڑھیں گے) جب تم ایسے حکام کو دیکھو کہ وہ یہی حرکت کر رہے ہیں تو تم اپنی نمازوں کو وقت پر پڑھنا اور ان کے ساتھ دوبارہ بطور نفل و تطوع پڑھنا (تا کہ ان کے غیظ و غضب سے بھی بچے رہو) اور جب تم تین

افراد ہو (تین سے زیادہ نہ ہوں) تو ساتھ مل کر نماز پڑھو، (یعنی اس طرح نہ کھڑے ہو کہ امام آگے اور دو مقتدی پیچھے بلکہ تینوں ساتھ ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھو) اور جب تین سے زائد ہو تو تم میں سے کوئی ایک (آگے بڑھ کر) تمہاری امامت کرے۔ جب رکوع کرو تو اپنے بازوؤں (ہاتھوں) کو گھٹنوں پر رکھے اور جھک جائے اور ہتھیلیوں کے درمیان تطبیق کرے گویا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو کھلا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

تشریح:

''اصلی ھؤلاء'' یعنی ان حکمرانوں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھ لی یا نہیں؟ ہم نے کہا: ابھی تک نہیں پڑھی، اس میں حضرت ابن مسعودؓ وقت کے حکام پر نماز کی تاخیر پر نکیر کرتے ہیں کہ اب تک انہوں نے نماز نہیں پڑھی، حضرت ابن مسعودؓ شاید باہر سے سیدھے اپنے گھر آئے تھے اور خیال کیا کہ مسجد میں لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں، اس لئے ان دو ساتھیوں سے پوچھا۔

''فقوموا فصلوا'' یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہو جاؤ، اس سے گھروں میں عذر کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا جواز ملتا ہے۔

''فلم یأمرنا باذان'' یعنی اذان واقامت کے بغیر جماعت شروع فرمادی، یہ حضرت ابن مسعودؓ کا مسلک تھا، وہ فرماتے تھے ''اذان الحی یکفینا'' مطلب یہ ہے کہ اذان واقامت کا چھوڑنا باعث کراہت نہیں ہے، علماء احناف میں سے صاحب کنز نے ایسی حالت میں اذان واقامت کو مسافر اور گھر میں نماز پڑھنے والے کیلئے مستحب لکھا ہے۔

''احدنا عن یمینہ'' یہ بھی حضرت ابن مسعودؓ کی رائے اور آپ کا مسلک تھا، اس وقت کے صحابہ اور بعد کے علماء نے آج تک اس رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے، بلکہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ دو آدمی امام کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوں گے، ہاں اگر صرف ایک مقتدی ہو تو وہ امام کے سیدھے ہاتھ کی طرف کھڑا ہوگا، ایک مقتدی اگر امامؒ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو یہ اتفاقاً مکروہ ہے، اگر دو مقتدی دائیں بائیں کھڑے ہو گئے تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا، اگر دو سے زیادہ دائیں بائیں کھڑے ہو گئے اور صف بنا کر امام درمیان میں کھڑا ہو گیا تو یہ مکروہ تحریمی۔ (فتح الملہم)

''و طبق بین کفیہ'' باب تفعیل سے تطبیق لغت میں ملانے کو کہتے ہیں، اس کا اصطلاحی پس منظر اور نقشہ اس طرح ہے کہ نمازی رکوع میں کہنیاں اور بازوؤں کو رانوں پر پھیلائے اور پھر تھوڑا گھما کر دونوں رانوں کے اندر ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کے ساتھ جوڑ کر چپکائے اور انگلیاں آپس میں دبا کر ملائے، یہی تطبیق ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے زیر بحث روایت کے آخر میں یہی نقشہ بیان کیا ہے، علامہ عثمانی لکھتے ہیں ''والتطبیق ھو الالصاق بین باطنی الکفین۔''

''منۃ المنعم'' شرح مسلم میں اس طرح لکھا ہے: ''وطبق بینھما ای جمع بینھما بان ادخل اصابع احدی الیدین بین اصابع الید الاخریٰ ثم ادخلھما بین فخذیہ وھذا ھو المعروف بالتطبیق'' اس تعریف سے وہ بات سمجھ میں آگئی جو حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ گویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی ایک دوسرے میں مختلف سمت سے دیکھ رہا ہوں، اور پر تعریف میں انگلیاں داخل کرنے کا ذکر موجود ہے۔ بہر حال رکوع میں تطبیق کرنا بھی حضرت ابن مسعودؓ کا مسلک تھا، جبکہ تمام صحابہ اور بعد کے علماء نے اس

سے اتفاق نہیں کیا، شاید حضرت ابن مسعودؓ گھٹنوں پر ہاتھوں کو رکھنا مباح سمجھتے تھے لیکن تطبیق کو عزیمت خیال کرتے تھے، کیونکہ عاجزی میں یہ انتہائی درجہ کی عاجزی کی صورت ہے، بلکہ جب کسی شخص کے سر قلم کرنے کا حکم ہو جاتا ہے تو وہ اسی طرح تذلیل کے ساتھ جھک جاتا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ شاید حضرت ابن مسعودؓ کو تطبیق کے منسوخ ہونے والی حدیثیں نہیں پہنچی ہوں گی، یہ کہنا اپنی جگہ پر ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ساری زندگی میں تطبیق پر عمل تو نہیں کیا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے بیان جواز کیلئے کبھی کبھی تطبیق کیا ہے لہٰذا یہ کہنا بے جا ہوگا کہ تطبیق کرنا حضرت ابن مسعودؓ کا باقاعدہ مذہب تھا پھر بھی عجیب بات ہوگی کہ حضرت ابن مسعودؓ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہوگا۔

"فضرب أيدينا" آنے والی روایات میں مذکورہ الفاظ آئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ گھٹنوں پر جو ہم نے ہاتھ رکھے تھے، اس کو ابن مسعودؓ نے مار کر چھڑا دیئے۔

"يخنقونها" یہ تخنیق سے ہے، گلا گھونٹنے کو کہتے ہیں، مراد نماز کا وقت تنگ کرنا، آخر تک لے جانا ہے "ای یضیقون وقتها ويؤخرون ادائها"

"وليحن" یہ حنو سے ہے، جھکنے کو کہتے ہیں، یعنی ہاتھ رکھ کر رکوع کی طرف جھک جائے۔

"الی شروق الموتی" شرق یشرق سمع سے ہے، گلے میں لقمہ پھنسنے اور اچھو لگنے کو کہتے ہیں، شاعر ساحر نے کہا:

حتی اذا لم یدع لی صدقه املاً　　شرقت بالدمع حتی کاد یشرق بی

قال ابن الاعرابی ہو من قول العرب شرق المیت بریقه اذا لم یبق الا یسیرا و یموت یعنی حالت نزع کے آخری وقت کیلئے یہ لفظ بولا جاتا ہے "سئل ابو حنیفةؒ من هذا الحدیث فقال الم تر الی الشمس اذا ارتفعت علی الحیطان وصارت بین القبور کانها لجة فذلك شروق الموتی۔"

۱۱۹۳۔ وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ، أَنَّهُمَا دَخَلَا عَلَى عَبْدِ اللهِ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ مُسْهِرٍ، وَجَرِيرٍ، فَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى اخْتِلَافِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ

حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے کہ یہ دونوں حضرات عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، باقی حدیث سابقہ حدیث کی طرح ہے، ابن مسہر اور جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "گویا میں رسول اللہ کے رکوع کی حالت میں آپ کی انگلیوں کے کھلے ہونے کو دیکھ رہا ہوں۔"

۱۱۹۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ، أَنَّهُمَا دَخَلَا عَلَى عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: " أَصَلَّى مَنْ خَلْفَكُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَامَ بَيْنَهُمَا، وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ رَكَعْنَا، فَوَضَعْنَا أَيْدِيَنَا عَلَى رُكَبِنَا فَضَرَبَ أَيْدِيَنَا، ثُمَّ طَبَّقَ بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ جَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ، فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ: هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "

علقمہ اور اسود رحمۃ اللہ علیہما (دونوں مشہور تابعی ہیں) سے روایت کہ یہ دونوں حضرات عبداللہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: کیا جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں (مراد امراء) انہوں نے نماز پڑھ لی؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ؓ دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے، ایک کو اپنی دائیں طرف کیا اور دوسرے کو بائیں طرف۔ (وہ دونوں فرماتے ہیں کہ) پھر ہم نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لئے، عبداللہ ؓ نے ہمارے ہاتھوں پر ہاتھ مارا اور دونوں ہاتھوں کے درمیان تطبیق کر دی اور انہیں رانوں کے درمیان کر دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے۔

۱۱۹۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ - وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ - قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: " صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي، قَالَ: وَجَعَلْتُ يَدَيَّ بَيْنَ رُكْبَتَيَّ، فَقَالَ لِي أَبِي: اضْرِبْ بِكَفَّيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ، قَالَ: ثُمَّ فَعَلْتُ ذَلِكَ مَرَّةً أُخْرَى، فَضَرَبَ يَدَيَّ وَقَالَ: إِنَّا نُهِينَا عَنْ هَذَا، وَأُمِرْنَا أَنْ نَضْرِبَ بِالْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ "

مصعب رحمۃ اللہ علیہ بن سعد کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے اپنے والد کے بازو میں نماز پڑھی رکوع کیا اور ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھا۔ میرے والد نے میرے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پھر دوسری مرتبہ اسی طرح کیا تو انہوں نے میرے ہاتھوں پر مارا اور میرے والد نے فرمایا: ہم پہلے اسی طرح کرتے تھے پھر ہمیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

۱۱۹۶۔ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ إِلَى قَوْلِهِ: فَنُهِينَا عَنْهُ، وَلَمْ يَذْكُرَا مَا بَعْدَهُ

اس سند کے ساتھ بھی یہ روایت (معصب بن سعد کہتے کہ ایک بار رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان رکھا تو میں نے اسے منع فرمایا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم کیا) ابی یعفور سے مروی ہے۔

۱۱۹۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: رَكَعْتُ فَقُلْتُ بِيَدَيَّ هَكَذَا - يَعْنِي طَبَّقَ بِهِمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ - فَقَالَ أَبِي: قَدْ كُنَّا نَفْعَلُ هَذَا، ثُمَّ أُمِرْنَا بِالرُّكَبِ

حضرت مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں نے رکوع کیا تو دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے درمیان رکھ لے، میرے والد نے کہا کہ پہلے ہم ایسا ہی کرتے تھے مگر بعد میں ہم کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

۱۱۹۸۔ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي، فَلَمَّا رَكَعْتُ شَبَّكْتُ أَصَابِعِي

وَجَعَلْتُهُمَا بَيْنَ رُكْبَتَيَّ، فَضَرَبَ يَدَيَّ، فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: قَدْ كُنَّا نَفْعَلُ هٰذَا، ثُمَّ أُمِرْنَا أَنْ نَرْفَعَ إِلَى الرُّكَبِ

مصعب رحمۃ اللہ علیہ بن سعدؓ بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار اپنے والد کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ جب رکوع کیا تو انگلیاں ایک ہاتھ کی دوسرے میں پھنسائیں اور دونوں ہاتھوں کو ملا کر گھٹنوں کے درمیان کر دیا، میرے والد (حضرت سعدؓ) نے میرے ہاتھوں پر مارا، جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: ہم پہلے اسی طرح کیا کرتے تھے، بعدازاں ہمیں حکم ہوا کہ ہاتھوں کو گھٹنوں تک اٹھائیں۔

تشریح:

"کنا نفعل هذا" یعنی ہم پہلے تطبیق کرتے تھے پھر ہم کو منع کیا گیا اور یہ حکم ملا کہ اب گھٹنوں پر ہاتھوں کو رکھا کرو، یہ ساری حدیثیں تطبیق کے منسوخ ہونے پر واضح دلائل ہیں۔ اوپر مذکورہ حدیث میں تو یہ تفصیل بھی ہے کہ مصعب بن سعد کو جب تطبیق سے حضرت سعدؓ نے منع کیا اور اس نے بھول کر پھر تطبیق کی تو باپ نے ان کے ہاتھوں کو مارا اور کہا کہ ہمیں اس سے روکا گیا ہے اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، بہرحال حضرت ابن مسعودؓ کا دائمی عمل تطبیق نہیں تھا، نہ اس پر کوئی روایت ایسی موجود ہے جس سے کوئی ادھر ادھر نہیں جا سکتا ہو، گزشتہ روایات میں "سبحة" کا لفظ آیا ہے، اس سے نفل نماز مراد ہے یعنی فرض اپنے وقت پر ایک پڑھ لو اور پھر جماعت کے ساتھ جو دیر سے پڑھو گے وہ نفل بنا لو۔ "فصلوا جمعیاً" یعنی ایک ساتھ پڑھو، امام درمیان میں ہو۔

"انا نهیناعن هذا" امام ترمذی ان الفاظ پر یوں فرماتے ہیں: التطبيق منسوخ عند اهل العلم لا خلاف بين العلماء فى ذالك الا ما روى عن ابن مسعود رضى الله عنه و بعض اصحابه انهم كانوا يطبقون اه۔

وروى ابن المنذر باسناد قوى عن ابن عمر رضى الله عنه قال انما فعله النبى صلى الله عليه وسلم مرةً

و روى عبد الرزاق عن علقمة والاسود قالا صلينا مع عبد الله فطبق ثم لقينا عمر فصلينا معه فلما انصرف قال ذالك شئ كنا نفعله ثم ترك و قال عمر رضى الله عنه ان السنة الاخذ بالركب۔ (فتح الملهم)۔

بہرحال حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی حکم نازل نہ ہوتا تو آپ یہود کی موافقت کرتے تھے، یہود تطبیق کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تطبیق بھی کی، پھر آپ کو حکم ہوا کہ ان کی مخالفت کریں۔ (فتح الملہم)

باب جواز الاقعاء على العقبين

ایڑیوں پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو ذکر کیا ہے

۱۱۹۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ - وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ - قَالَا: جَمِيعًا أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا يَقُولُ: قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْإِقْعَاءِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ، فَقَالَ: هِيَ السُّنَّةُ، فَقُلْنَا لَهُ: إِنَّا لَنَرَاهُ جَفَاءً بِالرَّجُلِ فَقَالَ ابْنُ

عبّاسٍ: بَلْ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عباسؓ سے قدموں پر سرین کے بل بیٹھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ تو سنت ہے، ہم نے کہا کہ ہم ایسے آدمی پر یا اس کی ٹانگ پر ظلم تصور کرتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: ''بلکہ یہ تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔''

تشریح:

''ھی السنة'' یعنی اس قسم کا اقعاء سنت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس سے پہلے اقعاء کی تفصیل گزر چکی ہے، ایک قسم کا اقعاء یہ ہے کہ آدمی اپنے مقعد پر بیٹھ جائے اور گھٹنے کھڑے کر کے ہاتھوں کو دائیں بائیں زمین پر رکھے، یہ تو بالاتفاق نماز میں مکروہ ہے، کیونکہ یہ کتے کے بیٹھنے کی طرح ہے، انسان کو اس طرح کرنے سے روکا گیا ہے۔ اقعاء کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی ایڑیوں کو قعدہ میں کھڑا کرے اور اس پر سرین رکھ کر بیٹھ جائے، اقعاء کی یہ صورت جائز ہے، حضرت ابن عباسؓ نے اقعاء کی یہی صورت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی ایسا کیا ہے جو جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھنا ایک قول کے مطابق مستحب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مستحب ہے، رہ گیا قعدہ اولیٰ اور قعدہ ثانیہ تو اس میں ان کے ہاں افتراش افضل ہے، بلکہ قعدہ اخیرہ میں وہ حضرات تورک کو افضل کہتے ہیں۔

ائمہ احناف کے نزدیک ان تمام احوال میں افتراش افضل ہے کہ بائیں پیر کو پھیلایا جائے، دائیں کو کھڑا کیا جائے اور بائیں پر بیٹھا جائے، حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو سنت کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بیٹھنا ثابت ہے تو کبھی کبھی ایسا ہوا ہے، اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہے۔

باب تحريم الكلام في الصلوٰة و نسخ ما كان من اباحة

نماز کے دوران گفتگو کی حرمت اور کلام کے منسوخ ہونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دس احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۰۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، - وَتَقَارَبَا فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ - قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ، فَقُلْتُ: وَاثُكْلَ أُمِّيَاهْ، مَا شَأْنُكُمْ؟ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ، فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لَكِنِّي سَكَتُّ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ، فَوَاللّٰهِ، مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي، قَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ

التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ، وَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالْإِسْلَامِ، وَإِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُونَ الْكُهَّانَ، قَالَ: فَلَا تَأْتِهِمْ قَالَ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ، قَالَ: " ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِي صُدُورِهِمْ، فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ - قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ: فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ - "قَالَ قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ، قَالَ: كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ قَالَ: وَكَانَتْ لِي جَارِيَةٌ تَرْعَى غَنَمًا لِي قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ، فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّيبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا، وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي آدَمَ، آسَفُ كَمَا يَأْسَفُونَ، لَكِنِّي صَكَكْتُهَا صَكَّةً، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذَلِكَ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا أُعْتِقُهَا؟ قَالَ: ائْتِنِي بِهَا فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ لَهَا: أَيْنَ اللهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا، فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ

حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک شخص کو جماعت میں سے چھینک آگئی، میں نے فوراً یرحمک اللہ کہہ دیا، اب تو سب لوگ مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا کہ کاش! میری ماں مجھے روئے (یعنی میں مرجاؤں) تم کیوں مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو، اب تو سب نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کر دیئے اور جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہ رہے ہیں تو میں خاموش ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوگئے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں، میں نے آپ سے قبل اور نہ آپ کے بعد آپ سے زیادہ اچھا معلم اور بہترین تعلیم دینے والا دیکھا۔ اللہ کی قسم! نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا نہ برا بھلا کہا بلکہ فرمایا: ''یہ جو نماز ہے اس میں لوگوں کی بات اور کلام درست نہیں، یہ تو صرف تسبیح وتکبیر اور تلاوت قرآن سے عبارت ہے اور جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جاہلیت کے دور سے نیا نیا نکلا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کاہنوں کے پاس جاتے ہیں (غیب کی خبریں معلوم کرنے کے لئے) فرمایا: تم مت جاؤ ان کے پاس۔ میں نے کہا کہ اور ہم میں کچھ لوگ بدشگونی وبدفالی لیتے ہیں۔ فرمایا: یہ تو ان کے دلوں میں پائی جانے والی بات ہے (جس کی خارج میں اور شریعت میں کوئی حقیقت نہیں) لہٰذا یہ بدفالی وبدشگونی انہیں اور تمہیں کسی کام سے نہ روکے (کہ بدفالی کے وجہ سے کوئی کام کرتے کرتے رک جاؤ)۔ میں نے پھر عرض کیا جو لکیریں کھینچ کر خاص عمل کرتے تھے، فرمایا: انبیاء میں سے ایک نبی خط کھینچتا تھا، جس کی لکیر ان کی لکیر کے موافق ہوگی تو ویسی ہی بات ہوگی (معلوم ہوا کہ علم رمل اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو عطا فرمایا تھا، ایک قول کے مطابق وہ نبی حضرت ادریس علیہ السلام یا دانیال علیہ السلام تھے)۔ معاویہؓ کہتے ہیں کہ میری ایک باندی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کی طرف میری بکریاں چراتی تھی، ایک روز جو میں وہاں جا نکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا، ایک بکری کو لئے جا رہا ہے ریوڑ میں سے، میں بھی آخر

آدم کے بیٹوں میں ایک آدمی ہی ہوں، جس طرح اوروں کو صدمہ اور افسوس ہوتا ہے مجھے بھی ہوتا ہے، غصہ میں آکر میں نے باندی کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا، میں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میرے اس فعل کو بہت بڑا اور سنگین قرار دیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں اسے آزاد نہ کردوں! فرمایا: جاؤ اسے لیکر آؤ، میں اسے لایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ پھر فرمایا: میں کون ہوں؟ کہنے لگی: اللہ کے رسول۔ فرمایا کہ اسے آزاد کردو کیونکہ یہ مؤمنہ ہے۔

تشریح:

"یرحمک اللہ" بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس چھینکنے والے صحابی نے "الحمد للہ" کہہ دیا، جس کے جواب میں دوسرے نے نماز میں یرحمك الله سے جواب دیدیا، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس طرح خطاب کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر "یرحمہ اللہ" کہہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں خطاب نہیں ہے، شیخ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی نے اپنے آپ کو خطاب کے ساتھ یاد کرکے یرحمك الله کہہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی جس طرح یرحمنی اللہ سے فاسد نہیں ہوتی ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یرحمك الله سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اگرچہ کسی غیر کو مخاطب بنایا جائے۔

"فرمانی القوم بابصارھم" یعنی لوگوں نے برا مان کر مجھے گھور گھور کر دیکھا گویا مجھے نگاہوں کے تیروں سے مارا۔

"واثکل امیاہ" "واو" حرف ندبہ کیلئے ہے۔ "ثکل" کے لفظ میں ث پر پیش ہے، کاف ساکن ہے، لام پر زبر ہے "بُخل" کے وزن پر ہے، ایک لغت میں تینوں حروف پر زبر ہے، بَخَل کے وزن پر ہے، یہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بیٹا گم ہوگیا ہو "ای فقدان المرأۃ ولدھا" "امیاہ" میں میم پر شد کے ساتھ کسرہ ہے، ام کا لفظ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے، جس کے آخر میں الف ندبہ کو بڑھایا گیا ہے تاکہ فریاد میں آواز لمبی ہوجائے، پھر الف کو ہائے سکتہ کے ساتھ بدل دیا تو امیاہ ہوگیا، جس طرح "وا امیر المومنیناہ" ہے، حسرت تعجب اور استبعاد کیلئے اس کو عرب استعمال کرتے ہیں، اصل عبارت اس طرح ہے "وافقدت امی ایای فانی ھلکت"

"یضربون بایدیھم" یعنی مزید انکار کیلئے اور مجھے خاموش کرنے کیلئے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنا شروع کردیا۔ یہ قلیل عمل جائز ہے، یہ لوگ ان کو خاموش کرنا چاہتے تھے۔ "یصموتننی" یعنی مجھے خاموش کرنا چاہتے تھے۔

"ولکنی سکت" یہ ایک محذوف عبارت پر متفرع ہے اور اس سے استدراک ہے، اصل عبارت اس طرح ہے ای لما رایتھم یصمتوننی غضبت و تغیرت ولکنی سکت و صبرت۔ "فبابی و امی" ای مفدیٌ بابی و امی۔

"ما کھرنی" ای ما انتھرنی وما زجرنی وما قھرنی۔ منہ بنا کر کسی کے ڈانٹنے کو کہتے ہیں۔

"لا یصلح فیھا" یعنی نماز میں لوگوں کی باتوں کی طرح باتیں جائز نہیں ہیں، اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، آئندہ حدیث میں اس کی تفصیل لکھی جائے گی۔ "بجاھلیۃ" اسلام سے پہلے دور کو جاہلیت کا دور کہتے ہیں "الکھان" یہ کاہن کی جمع ہے، علامہ طیبی نے کاہن اور عراف میں اس طرح فرق کیا ہے کہ کاہن مستقبل کی غیب کی خبریں کائنات سے معلوم کرکے بتایا کرتا ہے اور عراف گمشدہ چیز کی علامت

اور جگہ بتایا کرتا ہے، علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ الکھنۃ قوم لھم اذھان حادۃ، و نفوس شریرۃ و طباع ناریۃ فالقتھم الشیاطین لمابینھم من التناسب فی ھذہ الامور۔ اس کے بعد علامہ خطابی نے کاھنوں کی اقسام کو بیان کیا، فرماتے ہیں (۱) بعض کاھن ایسے ہوتے ہیں جو مستقبل کی خبریں جنات سے لیا کرتے ہیں کیونکہ جنات آسمان کی طرف اس طرح چڑھتے ہیں کہ سب سے بزدل زمین پر بیٹھتا ہے اور درجہ بدرجہ جرأت والے ایک دوسرے پر چڑھ کر آسمان کے قریب جا پہنچتے ہیں، سب سے اوپر والا فرشتوں سے کوئی بات سن لیتا ہے تو اپنی جان سے زیادہ اس بات کو محفوظ کرنے کیلئے نیچے والے کو دیتا ہے، وہ اپنے سے نیچے والے کو دیتا ہے، یہاں تک کہ بات زمین پر پہنچ جاتی ہے، پھر اس کو کاہن تک پہنچا دیتا ہے، وہ ایک بات کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے اور اپنی کہانت کو چمکاتا ہے اوپر سے فرشتہ "شھاب ثاقب" مار دیتا ہے کبھی جنی مرجاتا ہے اور کبھی پاگل ہوجاتا ہے۔ (۲) دوسری قسم وہ کاہن ہوتے ہیں کہ جنات بعض پوشیدہ باتیں براہِ راست خود لاکر اس کو دیتے ہیں، عام انسان اس سے واقف نہیں ہوتے ہیں، کاہن اس کو پھیلاتا ہے اور بتاتا ہے۔ (۳) تیسری قسم وہ کاہن ہوتے ہیں کہ جنات اٹکل اور اندازے سے باتیں بنا کر ان کو بتاتے ہیں، وہ آگے اس کو چلاتے ہیں۔ (۴) چوتھی قسم وہ کاہن ہوتے ہیں کہ جنات کے بتائے بغیر وہ خود اپنے تجربات اور پکی عادات کی وجہ سے مستقبل کے بارے میں کچھ حوادثات کی پیش گوئیاں کرتے ہیں، یہ لوگ جادوگروں کے مشابہ اعمال میں مبتلا رہتے ہیں۔ (فتح الملہم)

"فلا تاتھم" یعنی کاہنوں کی تمام اقسام کے قریب نہ جاؤ، کیونکہ یہ غیب کی خبریں دیتے ہیں، جس سے فتنہ میں پڑنے کا خطرہ ہے، ایک حدیث میں ہے "من اتی عرافا او کاھنا فصدقہ کفر بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (مسند احمد) لہٰذا ان کے پاس آنا اور انکی باتوں کی تصدیق کرنا حرام ہے، ایک کاہن بازار میں بیٹھا تھا اور لوگوں کو آسمانوں کی غیب کی باتیں بتاتا رہتا تھا، سعدی باباؒ نے ان کے گھر میں ایک اجنبی آدمی کو دیکھا کہ اس کی بیوی سے گپ شپ کررہا تھا، بازار آکر نجومی سے سعدی بابا نے کہا:

تو بر اوج ملک چہ دانی چست چوں نہ دانی سہ درسرائے تو کیست

یعنی تم آسمانوں کی باتوں کو کیا جانتے ہو جبکہ تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے گھر میں کون گھس کر بیٹھا ہوا ہے؟

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تیری تقدیر کو انجم شناس کیا جانے تو خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں

"یتطیرون" بدفالی اور بدشگونی کو تطیر کہتے ہیں، جاہلیت میں لوگ پرندوں کو گھونسلوں سے اڑاتے تھے اور دیکھتے تھے کہ دائیں طرف جاتے ہیں یا بائیں طرف جاتے ہیں، اس حساب سے کبھی سفر کو جاری رکھتے تھے، کبھی سفر سے باز رہتے تھے، آئندہ جلد ثانی میں اس کی تفصیلات آئیں گی۔ انشاء اللہ جل جلالہ۔

"یخطون" خط کھینچنے اور زائچے بنانے کے معنی میں ہے، یہ علم رمل و جفر کی طرف اشارہ ہے، جس سے لوگ مستقبل کی رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حساب لگا کر فیصلہ سنا دیتے ہیں۔

"نبی من الانبیاء" اس سے حضرت ادریس علیہ السلام یا حضرت دانیال علیہ السلام مراد ہیں، چونکہ علم رمل و جفر ان نبیوں کے پاس بطور معجزہ ایک علم تھا، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر اور رد نہیں فرمایا، بلکہ عجیب ادیبانہ انداز سے اس کو منع فرمایا، وہ اس طرح

کہ گزشتہ نبیوں میں سے ایک نبی خط کھینچ لیا کرتے تھے، وہ ان کا معجزہ تھا، تم کو معلوم نہیں کہ وہ خط کس طرح تھا، اگر معلوم ہوتا تو تم بھی خط کھینچ لیتے، لیکن جب معلوم نہیں تو تمہارے لئے خط کھینچنے میں کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا اس میں نہ پڑو، گویا آنحضرتؐ نے تعلیق بالمحال کے طور پر ان لوگوں کو منع کر دیا کہ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔

"وکانت لی جاریۃ" یہ ایک حدیث کے مضمون کو صحابی نے دوسری حدیث میں داخل کر دیا، اس کا اس سابق مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے، الگ قصہ ہے۔"جوانیۃ" جیم پر زبر ہے، واو پر زبر اور شد ہے، اس کے بعد نون پر کسرہ ہے اور پھر یاء پر شد ہے۔

"آسف" سمع یسمع سے متکلم کا صیغہ ہے، غصہ اور غضب کے معنی میں ہے۔

"لکنی صککتھا" صك یصك نصر سے تھپڑ مارنے کو کہتے ہیں، یہ استدراک محذوف عبارت سے ہے ای وکان ابصر أحمل بی فلم اصبر ولکنی صککتھا۔

"فعظم" یعنی آنحضرت نے میرے اس فعل کو بہت بڑا بتایا کہ تم نے بڑی غلطی کی کہ اس بے گناہ عورت کو تھپڑ مارا۔

"این اللہ" علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کا ایمان معلوم کرنا چاہا، لونڈی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں، یہ سوال جہت کی طرف یا کسی مکان میں محدود ہونے کیلئے نہیں تھا، عرب مشرکین زمین میں بتوں کو پوجا کرتے تھے، مگر آسمان میں ایک اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، لونڈی نے بھی آسمان کی طرف اشارہ کیا اور وحدانیت کا اقرار کیا، پھر رسالت کا اقرار کیا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مؤمنہ ہے، اس کو آزاد کرو۔

"این اللہ" کے یہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں، جن کا معنی معلوم ہے مگر مراد معلوم نہیں، بعض وہ متشابہات ہیں جو نہ معلوم المعنی ہیں اور نہ معلوم المراد ہیں جیسے حروف مقطعات ہیں، امام مالکؒ استوی علی العرش کے بارے میں فرماتے ہیں "الاستواء معلوم والکیفیۃ مجھولۃ والسوال عنھا بدعۃ" بہرحال سلف کا عقیدہ اور نظریہ اس طرح ہے کہ آدمی ان صفات کا ترجمہ کرے، اس میں تاویل نہ کرے، مگر ترجمہ کے بعد یہ کہہ دے "مایلیق بشانہ" مثلاً ید اللہ، وجہ اللہ، ساق اللہ مایلیق بشانہ۔

"فانھا مؤمنۃ" مؤمنہ کا آزاد کرنا غیر مؤمنہ کے آزاد کرنے سے افضل ہے، کافرہ کا آزاد کرنا بھی جائز اور ثواب کا کام ہے، جبکہ ثواب کیلئے ہو، ہاں کفارہ قتل میں کافرہ کا آزاد کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے، باقی کفارہ ظہار وغیرہ کفارات میں اختلاف ہے، شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اس میں بھی مؤمنہ کا آزاد کرنا ضروری ہے، مگر احناف کے نزدیک مؤمنہ ہونا ضروری نہیں ہے، بہتر ہے۔

۱۲۰۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

حضرت یحییٰ بن کثیر سے اس سند سے یہی سابقہ روایت (نماز میں کلام کرنا درست نہیں یہ تو صرف تسبیح وتکبیر وتلاوت قرآن سے عبارت ہے .....الخ) مروی ہے۔

۱۲۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ – وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ – قَالُوا: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى

رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَيَرُدُّ عَلَيْنَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ، سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا، فَقَالَ: إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران (جب وہ نماز میں ہوتے) سلام کرتے تھے اور آپ ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ پھر جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے (پہلی ہجرت حبشہ کے بعد) تو ہم نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (حسب سابق) سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم پہلے آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے تو ہمیں آپ جواب دیا کرتے تھے (اب کیا ہوا؟) فرمایا: ''اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔''

۱۲۰۳۔ حَدَّثَنِي ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ السَّلُولِيُّ، حَدَّثَنَا هُرَيْمُ بْنُ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

اعمشؒ سے اس سند کے ساتھ سابقہ روایت (کہ نجاشی کے پاس سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا) مروی ہے۔

۱۲۰۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَيْلٍ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ:: " كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ، وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ "

حضرت زیدؓ بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں کلام کیا کرتے تھے، آدمی نماز میں اپنے ساتھ والے آدمی سے گفتگو کر لیتا تھا لیکن پھر یہ آیت کریمہ "وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ" نازل ہوگئی، جس کے بعد ہمیں سکوت کا حکم ہوگیا اور گفتگو سے منع کر دیا گیا۔

تشریح:

"كنا نتكلم في الصلوة" نماز پر کئی ادوار گزرے ہیں، ابتدا میں نماز سے متعلق ضروری بات پوچھ لی جاتی تھی کہ کتنی رکعتیں ہوگئیں، یہ کونسی رکعت ہے، کبھی کوئی باہر سے آکر سلام کیا کرتا تھا، اس کو جواب ملتا تھا، مگر یہ نہیں ہوتا تھا کہ نماز سے غیر متعلقہ باتیں ہوتی تھیں، اصلاح صلوٰۃ کے علاوہ باتیں نہیں ہوتی تھیں، جب یہ دور منسوخ ہوگیا تو دوسرا دور ایسا آیا کہ امام کے ساتھ قرأت پڑھی جاتی تھی، جب وہ دور موقوف ہوا تو صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم آگیا، جب وہ دور موقوف ہوا تو قوموا لله قانتين سکوت کا حکم ہوا اور من كان له امام فقراءة الامام له قراءة، برقرار رہا، احناف کا یہی خیال ہے، نماز میں کلام کا مسئلہ باب السهو فی الصلوة میں ذوالیدین کی حدیث میں تفصیل سے مذکورہ ہے۔

۱۲۰۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، وَوَكِيعٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ

إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

حضرت خالدؓ سے اس سند کے ساتھ سابقہ روایت (آدمی نماز میں اپنے ساتھ والے آدمی سے گفتگو کر لیتا تھا......) بعینہ مروی ہے۔

۱۲۰۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي لِحَاجَةٍ، ثُمَّ أَدْرَكْتُهُ وَهُوَ يَسِيرُ - قَالَ قُتَيْبَةُ: يُصَلِّي - فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَأَشَارَ إِلَيَّ، فَلَمَّا فَرَغَ دَعَانِي فَقَالَ: إِنَّكَ سَلَّمْتَ آنِفًا وَأَنَا أُصَلِّي وَهُوَ مُوَجِّهٌ حِينَئِذٍ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی ضرورت کے لئے بھیجا (میں واپس آیا) تو آپ کے پاس پہنچ گیا، آپ آہستہ چل رہے تھے، قتیبہ کی روایت میں ہے کہ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا تو مجھے اشارہ فرمایا، جب آپ فارغ ہوئے تو مجھے بلایا اور فرمایا کہ: ابھی تم نے سلام کیا تھا، میں نماز میں تھا (لہٰذا تمہیں جواب نہیں دیا) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مشرق کی طرف تھا۔

۱۲۰۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُنْطَلِقٌ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ، فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى بَعِيرِهِ فَكَلَّمْتُهُ، فَقَالَ لِي بِيَدِهِ هَكَذَا - وَأَوْمَأَ زُهَيْرٌ بِيَدِهِ - ثُمَّ كَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِي هَكَذَا، فَأَوْمَأَ زُهَيْرٌ أَيْضًا بِيَدِهِ نَحْوَ الْأَرْضِ، وَأَنَا أَسْمَعُهُ يَقْرَأُ، يُومِئُ بِرَأْسِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: مَا فَعَلْتَ فِي الَّذِي أَرْسَلْتُكَ لَهُ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أُكَلِّمَكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي قَالَ زُهَيْرٌ: وَأَبُو الزُّبَيْرِ جَالِسٌ مُسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: بِيَدِهِ أَبُو الزُّبَيْرِ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَقَالَ: بِيَدِهِ إِلَى غَيْرِ الْكَعْبَةِ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا۔ جب کہ خود آپ بنوالمصطلق کی طرف عازم سفر تھے، میں واپس آیا تو آپ اپنے اونٹ پر ہی نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ سے بات کی تو آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے مجھے کہا (بیٹھ جاؤ یا خاموش) زبیر رحمۃ اللہ علیہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے بھی ہاتھ سے اشارہ کر کے بتلایا۔ میں نے پھر دوبارہ بات کی تو آپ نے پھر اشارہ فرمایا ہاتھ سے۔ زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دوبارہ اشارہ کر کے بتلایا زمین کی طرف (یعنی بیٹھ جاؤ) اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سن رہا تھا، آپ سر سے رکوع سجدہ کے لئے اشارہ فرما رہے تھے۔ جب نماز سے فراغت حاصل کر چکے تو فرمایا (اب بتاؤ) جس کام کے لئے میں نے تمہیں بھیجا تھا وہ کیا کیا؟ کیونکہ تم سے بات کرنے میں سوائے نماز کے اور کوئی مانع نہیں تھا میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے تم سے بات نہ کی۔ زبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (جب یہ حدیث بیان کی) تو ابوالزبیرؓ کعبہ کی طرف منہ کئے بیٹھے تھے، انہوں نے (ابوالزبیر نے) ہاتھ کے اشارہ سے بنی المصطلق کی طرف اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف رخ نہیں فرمایا (ان نوافل میں جو اونٹ پر ادا کئے، جس سے معلوم ہوا کہ سواری پر نفل کے لئے

قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں)۔

تشریح:

"ارسلنی" کسی کام کیلئے بھیجا، اسی کو اس سے پہلے روایات میں "لحاجته" کے الفاظ ذکر کیا گیا ہے، اس میں "وھو یسیر" کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر جا رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے "موجه قبل المشرق" آپ متوجہ تھے مشرق کی جانب یعنی نوافل سواری پر بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنا بھی جائز ہے اور ایسی حالت میں قبلہ کی سمت کے علاوہ بھی جائز ہے، شاید بنو مصطلق ہی کو قبل مشرق سے یاد کیا گیا ہے، جس کی تصریح زیر بحث روایت میں ہے۔

"فقال لی بیده" قال کے صلہ میں جب ید کا لفظ آتا ہے تو یہ اشارہ کرنے کے معنی میں ہوتا ہے، اسی طرح قال برأسه بھی اشارہ کے معنی میں ہو جاتا ہے، اس حدیث میں کئی بار یہ لفظ اس طرح آیا ہے جو اشارہ کرنے کے معنی میں ہے۔ "ھکذا" یعنی اشارہ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ "واوما زهیر بیده" یعنی زہیر نے بھی اسی طرح ہاتھ سے اشارہ کیا، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ زمین پر بیٹھ جاؤ۔ "یقرأ" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ رہے تھے "یومی برأسه" یعنی اشارہ کے ساتھ سواری پر نماز پڑھ رہے تھے "فقال بیده ابو الزبیر" یہ بھی اشارہ کرنے کے معنی میں ہے، یعنی ابو زبیر نے کعبہ کے بجائے بنو مصطلق کی طرف اشارہ کیا جو کعبہ کی مخالف جانب تھا، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں کعبہ کے بجائے بنو مصطلق کی طرف منہ کیے ہوئے تھے، نفل میں یہ جائز ہے۔

۱۲۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ كَثِيرٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَنِي فِي حَاجَةٍ، فَرَجَعْتُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَوَجْهُهُ عَلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے مجھے کسی ضرورت کے لئے بھیجا، جب میں واپس لوٹا تو آپ سواری پر قبلہ رخ ہوئے بغیر نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا: میں چونکہ نماز پڑھ رہا تھا اس لئے تم سے گفتگو نہ کر سکا۔

۱۲۰۹۔ وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ شِنْظِيرٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ بِمَعْنَى حَدِيثِ حَمَّادٍ

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام کیلئے بھیجا، باقی حدیث حماد والی حدیث (جب واپس لوٹا تو آپ سواری پر بغیر قبلہ رخ نماز ادا فرما رہے تھے میں نے سلام کیا......) کی طرف منقول ہے۔

باب جواز لعن الشیطان فی اثناء الصلوۃ والتعوذ منه

نماز میں شیطان پر لعنت بھیجنا اور اس سے تعوذ کرنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۱۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ جَعَلَ يَفْتِكُ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ، لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ، وَإِنَّ اللهَ أَمْكَنَنِي مِنْهُ فَذَعَتُّهُ، فَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى جَنْبِ سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، حَتَّى تُصْبِحُوا تَنْظُرُونَ إِلَيْهِ أَجْمَعُونَ - أَوْ كُلُّكُمْ - ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي﴾، فَرَدَّهُ اللهُ خَاسِئًا" وَقَالَ ابْنُ مَنْصُورٍ: شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ. ح

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج رات ایک سرکش جن میری نماز توڑنے کے لئے نماز میں غفلت ودھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو عطا فرمایا تو میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور میرا ارادہ ہوا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کو جب تم سب آؤ تو اسے دیکھ لو۔ لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی: ''اے میرے رب! میری مغفرت فرمادے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کیجئے جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔'' (لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا) اور اللہ تعالیٰ نے اسے ذلت و خواری کے ساتھ بھگا دیا۔

تشریح:

''ان عفریتا'' ''هو العاتی المارد الخبیث من الجن'' جنات میں سے جو شرارت اور فساد میں حد سے تجاوز کرے وہ شیطان اور عفریت میں داخل ہو جاتا ہے اگر جن میں شرارت بالکل نہ رہے وہ پریوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جس میں شرارت اعتدال کے ساتھ ہو وہ جنات میں رہ جاتا ہے۔

''یفتک'' ضرب یضرب سے الفتك اصل میں قتل کرنے کو کہتے ہیں، یہاں جلدی سے غفلت اور دھوکہ کے ساتھ کسی چیز کے پکڑنے کو کہتے ہیں۔ ''ای الاخذ فی غفلة و خدیعة'' ایک روایت میں ''عرض لی فی صورة هر'' کے الفاظ آئے ہیں، بخاری میں تفلّتَ علیّ کے الفاظ آئے ہیں کود کر حملہ آور ہونے کے معنی میں ہے۔ ''امکننی منه'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ابلیس پر قابو دلایا میں نے اس کو قابو کرلیا ''فَذَعَتُّه'' ای خنقته میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا، ایک روایت میں دال کے ساتھ ''دعته'' ہے جو دفع کرنے کے معنی میں ہے۔

''او کلکم'' راوی کو شک ہے کہ آنحضرت نے اجمعون کا لفظ ارشاد فرمایا یا کلکم کا لفظ ادا فرمایا۔

''قول أخي سیلمان'' یعنی سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ میری حکومت جیسی حکومت کسی اور کو نہ دینا، آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے کمال احتیاط اور کمال ادب ورعایت کا لحاظ رکھا، ورنہ ایک شیطان کا پکڑنا کیا اگر ایک ہزار شیطانوں کو بھی پکڑ لیتے پھر بھی سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے خلاف کوئی بات نہ جاتی، وہاں پوری حکومت تھی جو مختلف کائنات پر محیط تھی ایک ابلیس کے پکڑنے کا جزئی واقعہ اس کا منافی نہیں تھا۔

"خاسئاً" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کر کے واپس لوٹا دیا نا کام چلا گیا، جس طرح کتے کو ڈانٹنے سے وہ بھاگ جاتا ہے۔

۱۲۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ ابْنِ جَعْفَرٍ قَوْلُهُ: فَذَعَتُّهُ، وَأَمَّا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فَقَالَ فِي رِوَايَتِهِ: فَدَعَتُّهُ

حضرت شعبہؓ سے اس سند کے ساتھ سابقہ حدیث (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سرکش جن میری نماز توڑنے کیلئے دھیان ہٹانے کی کوشش کرنے لگا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا...... الخ) منقول ہے۔

۱۲۱۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، يَقُولُ حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ ثَلَاثًا، وَبَسَطَ يَدَهُ كَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا، فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُولُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهُ قَبْلَ ذَلِكَ، وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ، قَالَ: "إِنَّ عَدُوَّ اللهِ إِبْلِيسَ، جَاءَ بِشِهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِي، فَقُلْتُ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قُلْتُ: أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ التَّامَّةِ، فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَرَدْتُ أَخْذَهُ، وَاللهِ لَوْلَا

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے لئے) کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا آپ فرما رہے تھے: میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، پھر آپ نے تین بار فرمایا: میں تجھ پر اللہ کی طرف سے لعنت کرتا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ایسے پھیلایا گویا کوئی چیز لے رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دوران نماز آپ کو وہ بات کہتے سنا جو اس سے قبل ہم نے آپ سے کبھی نہیں سنی اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ آپ نے اپنا دست مبارک پھیلا دیا۔ فرمایا کہ: اللہ کا دشمن شیطان ایک شعلہ آگ لے کر میرے پاس آیا تا کہ اسے میرے چہرے پر ڈال دے تو میں نے کہا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ تین بار کہا۔ پھر میں نے کہا: میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں جس طرح اللہ نے تجھ پر لعنت فرمائی۔ تین بار کہا لیکن تینوں بار کہنے کے باوجود وہ پیچھے نہ ہٹا، چنانچہ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا (اور اسی نیت سے ہاتھ بڑھایا) لیکن اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح تک بندھا پڑا رہتا اور اہل مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلتے رہتے۔

تشریح:

"فسمعناه يقول" اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کی نماز پڑھا رہے تھے اور اس طرح واقعہ پیش آیا، لیکن اس باب کی پہلی حدیث "البارحة" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رات میں نفل نماز پڑھ رہے تھے، علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی الابی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہوں، بہرحال زیر بحث حدیث میں واضح طور پر ہے کہ یہ جماعت کی نماز تھی اور صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

"يتناول شيئا" معلوم ہوا کہ نماز کے اندر عمل قلیل سے نقصان نہیں ہوتا اور اس قسم کا تعوذ کرنا اور لعنت کرنا بھی ضرورت کے تحت نماز کے ذکر واذکار میں داخل ہے۔

"بشهاب من نار" یعنی آگ کا شعلہ لا کر میرا چہرہ جلانا چاہتا تھا، علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ آگ کا شعلہ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ شیاطین اپنی تخلیق ناری سے نکل چکے ہیں، یہ اگرچہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں لیکن اب ان کا جسم آگ کے عنصر پر باقی نہیں رہا، اگر اب بھی آگ کے عنصر پر قائم ہوتے تو ان کا جسم خود آگ ہوتا، جسم کسی کے ساتھ لگا کر اس کو جلا دیتا، مگر ایسا نہیں ہوتا، اسی لئے ابلیس نے اپنے ساتھ الگ آگ کا شعلہ لا کر جلانے کی کوشش کی اور لعنت وتعوذ سے نہیں بھاگا، بلکہ آنحضرت کے ہاتھ بڑھانے اور پکڑنے سے ہاتھ میں آگیا۔

"اصبح موثقاً" یعنی گرفتار اور بندھے ہوئے حالت میں صبح کرتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلنے لگتے۔

باب جواز حمل الصبيان في الصلوة

نماز میں بچوں کے اٹھانے کے جواز کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قُلْتُ لِمَالِكٍ: حَدَّثَكَ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ، فَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا وَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا؟ قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: نَعَمْ

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نواسی) کو جو ابوالعاص بن الربیع کی بیٹی تھیں، اٹھائے ہوئے نماز پڑھتے تھے جب آپ قیام کرتے تو اسے اٹھا لیتے اور جب سجدہ میں جاتے تو اسے زمین پر بٹھا دیتے تھے۔

تشریح:

"كان يصلي" یہ واقعہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ہے، آنے والی حدیث میں "يصلي للناس" کی تصریح موجود ہے "وهو حامل"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔

"امامة بنت زینب" زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی کا نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں: (۱) زینب (۲) رقیہ (۳) ام کلثوم (۴) فاطمہ۔ یہ سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، زینب کے بارے میں حضرت خدیجہؓ نے وصیت کی تھی کہ اسے ابوالعاصؓ کے نکاح میں دیا جائے، امامہ کے ساتھ حضرت علیؓ نے نکاح کیا تھا جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا

"ولابی العاص" یعنی امامہ کی والدہ زینب تھیں اور والد ابوالعاص تھے، یہ دونوں کی بیٹی تھیں، ابوالعاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد تھے، آپ کا نام لقیط تھا یا کوئی اور تھا، آپ کنیت سے مشہور ہوئے، دو دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے پھر مسلمان ہو گئے۔

"فاذا قام حملها" یعنی سجدہ کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زمین پر رکھتے تھے اور کھڑے ہو جاتے تو کندھوں پر بیٹھا لیتے تھے، یہ عمل کثیر نہیں تھا، بلکہ چھوٹی بچی تھی، اس کا اٹھانا عمل قلیل تھا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ مجبوری کی وجہ سے تھا، کیونکہ نہ اٹھانے میں وہ روتی تھی، جس سے شور ہو جاتا تھا، بعض نے کہا کہ یہ ابتدائی واقعہ تھا جو منسوخ ہو گیا ہے، فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ جس عمل میں دونوں ہاتھ استعمال ہو جائیں وہ عمل کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے یا جس عمل کو دیکھنے والا دیکھے اور سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے ایسا عمل کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے یا جس عمل میں متواتر تین حرکات ہو جائیں وہ کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔ (فتح الملہم)

"قال مالک نعم" یعنی یحییٰ بن یحییٰ نے مالک سے پوچھا کہ کیا فلاں فلاں راوی نے آپ کو یہ حدیث سنائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران امامہ کو اس طرح کندھوں پر اٹھاتے تھے؟ مالک نے کہا "نعم" یعنی ہاں انہوں نے سند کے ساتھ یہ حدیث مجھے بیان کی ہے، بچوں کے جسم اور کپڑوں میں اگر ظاہری نجاست نہ ہو تو ان کا اٹھانا نماز میں جائز ہے، انکے پیٹ میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ معاف ہے۔

۱۲۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَابْنِ عَجْلَانَ سَمِعَا عَامِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، يُحَدِّثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ وَهِيَ ابْنَةُ زَيْنَبَ بِنْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَاتِقِهِ، فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُودِ أَعَادَهَا

حضرت ابوقتادہ الانصاریؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ لوگوں کی امامت فرما رہے ہیں اور امامہ بنت ابی العاص جو حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں کو کندھے پر اٹھائے ہوئے ہیں، جب آپ رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر رکھ دیتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو دوبارہ اٹھا لیتے۔

۱۲۱۵۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ بُكَيْرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ، يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لِلنَّاسِ وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ عَلَى عُنُقِهِ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا

حضرت ابوقتادہ الانصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ لوگوں کو نماز بھی پڑھا رہے

ہیں اور امامہ بنت ابوالعاص آپ کی گردن پر سوار ہیں، جب آپ سجدہ کرتے تو انہیں زمین پر بٹھا دیتے۔

۱۲۱۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ جَمِيعًا، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ، يَقُولُ: بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ جُلُوسٌ، خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ أَمَّ النَّاسَ فِي تِلْكَ الصَّلَاةِ

یہ حدیث بھی سابق حدیث کی مثل ہے یعنی ابوقتادہ نے آپ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ کے کاندھے پر امامہ بنت ابو العاص سوار ہیں۔آپ سجدہ سے اٹھتے وقت انہیں اٹھا لیتے تھے۔لیکن اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام امامت کرا رہے تھے۔

باب جواز الخطوة والخطوتين فی الصلوة

ضرورت کے وقت نماز میں ایک دو قدم چلنا جائز ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۱۲۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ نَفَرًا جَاءُوا إِلَى سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَدْ تَمَارَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِنْ أَيِّ عُودٍ هُوَ؟ فَقَالَ: أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَعْرِفُ مِنْ أَيِّ عُودٍ هُوَ، وَمَنْ عَمِلَهُ، وَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ، قَالَ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا عَبَّاسٍ، فَحَدِّثْنَا، قَالَ: أَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى امْرَأَةٍ - قَالَ أَبُو حَازِمٍ: إِنَّهُ لَيُسَمِّيهَا يَوْمَئِذٍ - انْظُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ، يَعْمَلْ لِي أَعْوَادًا أُكَلِّمُ النَّاسَ عَلَيْهَا فَعَمِلَ هَذِهِ الثَّلَاثَ دَرَجَاتٍ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوُضِعَتْ هَذَا الْمَوْضِعَ، فَهِيَ مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ. وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَيْهِ فَكَبَّرَ وَكَبَّرَ النَّاسُ وَرَاءَهُ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، ثُمَّ رَفَعَ فَنَزَلَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ عَادَ، حَتَّى فَرَغَ مِنْ آخِرِ صَلَاتِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي صَنَعْتُ هَذَا لِتَأْتَمُّوا بِي، وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي۔

حضرت ابوحازمؒ کہتے ہیں کہ چند افراد حضرت سہلؓ بن سعد کے پاس آئے اور وہ منبر کے بارے میں جھگڑتے تھے کہ کس لکڑی کا بنا ہوا تھا، سہل بن سعدؓ نے فرمایا کہ واللہ! میں جانتا ہوں کہ منبر نبی کس لکڑی کا بنا ہوا تھا اور کس نے اسے بنایا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے دن پہلی بار اس پر تشریف فرما ہوئے تو میں نے دیکھا تھا۔ابوحازم کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے ابوعباس! سارا حال تفصیل سے بیان کیجئے۔چنانچہ حضرت سہلؓ نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو جس کا سہلؓ نے نام بھی لیا تھا پیغام بھجوایا کہ اپنے غلام کو جو بڑھئی ہے کچھ مہلت

دیدے تا کہ وہ میرے لئے چند ایسی لکڑیاں بنا دے جس پر کھڑے ہو کر میں لوگوں سے بات کرسکوں۔ (وعظ و نصیحت کرسکوں)۔ چنانچہ اس بڑھئی نے تین سیڑھیوں والا (منبر) بنا دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس جگہ رکھا گیا جہاں ہے۔ اس کی لکڑی غابہ کے جھاؤ کی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس پر کھڑے ہوئے تکبیر کہی، لوگوں نے بھی تکبیر کہی آپ کے پیچھے، آپ منبر پر تشریف فرما تھے، پھر آپ رکوع سے اٹھے اور الٹے قدموں منبر سے نیچے اترے اور اس کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر دوبارہ سابقہ حالت میں لوٹے یہاں تک کہ نماز کے اختتام پر فارغ ہوئے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اے لوگو! میں نے یہ منبر اس لئے بنوایا ہے تا کہ تم میری (صحیح طور پر) اقتدا کرسکو اور میری نماز کو سیکھ لو''۔

تشریح:

"قد تماروا فی المنبر" تماروا کا لفظ اختلاف اور علمی بحث ومباحثہ کے معنی میں ہے، یہ اختلاف کسی تاریخی معاملہ میں نہیں تھا بلکہ ایک امر دینی تھا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ منبر کس لکڑی سے بنا تھا تا کہ ہم بھی آئندہ اسی کو اپنائیں اور فضیلت کمائیں۔

"اما والله" ایسے موقعہ میں اما کے میم سے الف گرانا بھی جائز ہے اور برقرار رکھنا بھی جائز ہے، بخاری میں ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا کہ دنیا میں صرف میں باقی ہوں جو یہ حقیقت بتا سکتا ہوں۔

"ارسل الی امرأة" اس عورت کے نام میں کافی اختلاف ہے لیکن واضح یہ ہے کہ اس کا نام عائشہ انصاریہ ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال اور تعارض پیدا ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف کسی کو بھیجا کہ تم اپنے غلام سے کہہ دو کہ وہ ایک منبر بنائے، جس پر بیٹھ کر میں خطبہ دیا کروں، مسلم میں یہی حدیث ہے، مگر بخاری میں اس طرح حدیث ہے:"ان امرأة قالت ان لی غلاماً نجاراً الا یجعل لک شیئاً تقعد علیه قال ان شئت ففعلت له هذا المنبر" بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ انصاریہ عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشکش کی تھی کہ میرا غلام ترکھان ہے، اگر آپ اجازت دیں تو وہ آپ کے بیٹھنے اور خطبہ دینے کیلئے ایک منبر بنا دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی، دونوں روایتوں میں تضاد اور تعارض ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ پہلے اس خاتون نے اجازت مانگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دلچسپی کے تحت ان سے فرمایا کہ وہ منبر تو بنوا دو اپنے غلام سے کہہ دو کہ جلدی بنا دے تو یہ تاخیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی بنانے کی بات فرمائی۔ "انه یسمیها یومئذ" یعنی اس وقت یہ صحابی اس عورت کا نام لیتے تھے۔

"غلامک النجار" یہ بڑھئی اور ترکھان کون تھا؟ اس کے نام میں بھی بڑا اختلاف ہے لیکن واضح یہ ہے کہ اس کا نام "باقوم" رومی تھا

"الثلاث درجات" یعنی تین زینوں پر مشتمل منبر تھا، یہاں نحات حضرات نے بڑا شور کیا کہ عربی ترکیب کے لحاظ مضاف "الثلاث" پر الف لام صحیح نہیں ہے، علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ بھی عرب کے مختلف قبائل میں کسی قبیلہ کی لغت ہے، اگر چہ قلیل ہے مگر لغت صحیح

ہے، تم صبر کرو شور نہ کرو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تم اپنے نحوی قواعد کو احادیث کے تابع رکھو تا کہ پریشان نہ ہوں، حدیث کو اپنا تابع نہ بناؤ، پریشان ہو جاؤ گے۔

"من طرفاء الغابة" طرفاء کا لفظ یہاں مسلم میں ہے، بخاری میں من اثل الغابة کا لفظ ہے، طرفاء اور اثل ایک ہی درخت ہے جس کو جھاؤ کا درخت کہتے ہیں، صوبہ سرحد اور خاص کر پشاور کے اطراف اور لکی مروت کے علاقوں میں یہ درخت بہت زیادہ ہیں، پشتو میں اس کو "غز" کہتے ہیں، بڑا مضبوط درخت ہوتا ہے۔

"الغابة" مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر خیبر کی طرف یہ جگہ واقع ہے آج کل اس کو "البیضاء" کہتے ہیں، علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ اسی جگہ کے درخت سے منبر نبوی بنایا گیا تھا جو تین زینوں پر مشتمل تھا، حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں مدینہ کے حاکم مروان نے منبر کے نچلے حصہ میں تین مزید زینے بنائے تو کل چھ زینے ہو گئے، اس اضافے کا سبب یہ بنا کہ حضرت معاویہؓ نے مروان بن حکم سے کہا کہ منبر نبوی اکھیڑ کر میرے طرف شام میں بھیج دو، مروان نے جب منبر اکھیڑ دیا تو مدینہ میں بالکل تاریکی پھیل گئی، لوگوں کو آسمان میں تارے نظر آ گئے، پھر مروان نے ترکھان کو بلایا اور اس منبر کے نچلے حصہ میں تین زینوں کا اضافہ کر کے رکھا، یہ منبر اسی طرح رہا یہاں تک کہ ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی میں آگ لگی تو یہ منبر جل گیا، اس کے بعد یمن کے مظفر بادشاہ نے ۶۵۶ھ میں مسجد نبوی کیلئے منبر بنایا، اس کے دس سال بعد "ظاہر بیبرس" بادشاہ نے ایک منبر بنوایا اور مدینہ بھیجا، مظفر بادشاہ کا منبر ہٹایا گیا اور "ملک ظاہر" کا بھیجا ہوا منبر مسجد نبوی میں رکھا گیا جو ایک عرصہ تک رہا پھر "ملک مؤید" نے ۸۲۰ھ میں ایک نیا منبر بنوا کر مدینہ منورہ بھیجا، جس کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کب تک رہا، آج کل جو منبر ہے اس کے سات زینے ہیں اور پر مینار بنا ہوا ہے جو مسجد نبوی کی چھت تک جاتا ہے۔

"القهقرىٰ" منبر سے اترنے کیلئے الٹے پاؤں چلنے کو قہقریٰ کہا گیا ہے، تعلیم امت کیلئے یہ عمل جائز تھا نیز یہ عمل قلیل تھا لہٰذا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

۱۲۱۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيُّ الْقُرَشِيُّ، حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ، أَنَّ رِجَالًا أَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: أَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ فَسَأَلُوهُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ مِنْبَرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَسَاقُوا الْحَدِيثَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي حَازِمٍ

ابو حازم سے روایت ہے کہ کچھ لوگ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کسی چیز کا تھا۔ باقی حدیث پچھلی حدیث کی مثل ہے کہ (وہ غابہ کے جھاؤ کا تھا اور پھر آپ علیہ السلام نے اس پر نماز پڑھی۔ سجدے کئے زمین پر آئے اور آخر میں وجہ بیان کی کہ یہ منبر اس لئے بنوایا ہے تا کہ تم میری اقتداء کر سکو۔

باب کراهة الاختصار فی الصلوٰة

نماز میں اختصار کرنا مکروہ ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے

۱۲۱۹۔ وحَدَّثَنِي الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى الْقَنْطَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ، وَأَبُو أُسَامَةَ، جَمِيعًا عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح:

"القنطری" قنطرۃ پل کو کہتے ہیں بغداد میں ایک محلہ ہے جو اس پل کی وجہ سے "قنطرة البردان" کے نام سے مشہور ہے، اس محلہ کی طرف بہت سارے لوگ منسوب ہیں، حکم بن موسیٰ بھی اسی کی طرف منسوب اس لئے القنطری کہا گیا۔

"مختصراً" اختصار اور خصر کوکھ اور پہلو پر ہاتھ رکھنے کے معنی میں ہے دونوں ہاتھوں کو دونوں پہلوؤں اور جانب پر رکھنا منع ہے کیونکہ مسنون طریقہ سینہ اور ناف پر ہاتھ رکھنے کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے کیوں منع کیا گیا ہے ان کی وجہ کیا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ممانعت فرمادی تو اب اس پوچھنے اور سوال کرنے کی ضرورت نہیں، یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ حضور نے منع فرمادیا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ میدان محشر میں وہ لوگ جو دوزخی ہیں وہ اسی شکل میں کھڑے ہونگے، اس لئے ان کی مشابہت سے روکا گیا اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہاتھ کوکھ پر رکھ کر اہل النار راحت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح کوئی آدمی بہت تھک جاتا ہے تو وہ دونوں ہاتھوں کو پہلو پر رکھ کر لمبا سانس لیتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اہل النار سے مراد یہود ہیں وہ لوگ دنیا میں اسی طرح کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں نمازیوں کو ان کی مشابہت سے روکا گیا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حالت انتہائی متکبرانہ ہے، اس لئے نمازی کو اس سے روکا گیا نیز نماز سے باہر بھی اس طرح متکبرانہ انداز سے مسلمان کیلئے کھڑا ہونا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

علماء نے اختصار اور خصر کی ایک عجیب شکل لکھی ہے اس کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، کہتے ہیں کہ میت پر رونے والی بین کرنے والی عورت جب بین شروع کرتی ہے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیر تک سینہ پر مارتی ہے اور پھر دیر تک شہادت کی انگلی اٹھانے کے ساتھ دونوں ہاتھ دائیں بائیں گھماتی رہتی ہے پھر جب خوب تھک جاتی ہے تو دونوں ہاتھوں کو دونوں کوکھ پر رکھ کر آنکھیں بند کر کے سر

گھماتی رہتی ہے یہی حالت دوزخیوں کی ہوتی ہے اسی لئے نمازی کو کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کر دیا گیا تاکہ مشابہت نہ آئے۔

امام ترمذیؒ نے اختصار کی صورت اس طرح بیان کی ہے "والا ختصار هو ان يضع الرجل يده على خاصرته فى الصلوة" یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ امام ترمذیؒ نے مطلق اختصار کی تعریف نہیں کی بلکہ یہ وہ اختصار ہے جو صرف نماز کے ساتھ خاص ہے اور مکروہ ہے۔

باب كراهة مسح الحصیٰ وتسوية التراب فى الصلوة

نماز میں کنکری ہٹانا اور مٹی برابر کرنا مکروہ ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۲۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ مُعَيْقِيبٍ، قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْحَ فِي الْمَسْجِدِ يَعْنِي الْحَصَى قَالَ: إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً

حضرت معیقیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں کنکریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر بہت ہی مجبوری ہو تو ایک بار کنکریاں ہٹالے۔

۱۲۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ مُعَيْقِيبٍ، أَنَّهُمْ سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَسْحِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: وَاحِدَةً

حضرت معیقیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے بارے میں فرمایا کہ "وہ آدمی نماز میں مٹی برابر کرتا رہتا ہے سجدہ کی جگہ پر، اگر ضروری ہی ہو تو صرف ایک بار کرلے (زیادہ نہ کرے، جس سے معلوم ہوا کہ زیادہ کرنے سے عمل کثیر ہوگا جو احنافؒ کے نزدیک مفسد صلوٰۃ ہے)۔

۱۲۲۲۔ وحَدَّثَنِيهِ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ فِيهِ: حَدَّثَنِي مُعَيْقِيبٌ ح

حضرت ہاشم سے اس سند کے ساتھ سابقہ حدیث (نمازی اپنی نماز میں صرف ایک مرتبہ کنکریاں ہٹا سکتا ہے) مروی ہے۔

۱۲۲۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَيْقِيبٌ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ، قَالَ: إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً

حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی جگہ پر مٹی برابر کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اگر ضرورت پڑے تو ایک بار کرے۔

تشریح:

"فـوائـد" نماز میں عمل کثیر نا جائز ہے عمل قلیل جائز ہے لیکن اس کیلئے حدیث میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ ایک بار عمل ہو جیسے سجدہ کی جگہ سے کنکری ہٹانا سجدہ کی جگہ کو ہموار کرنا یا جسم کے ساتھ کوئی عمل کرنا یہ حرکات ائمہ اربعہ کے نزدیک ایک بار جائز ہیں اس سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ نماز میں سکون اپنانے کا حکم ہے، ایک حدیث میں ہے جس کے ظاہری اعضاء میں سکون نہیں اس کا دل بھی خوف خدا سے خالی ہوتا ہے۔ فتح الملہم ج ۴ص ۲۷۲ میں ہے "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه" یعنی دل کے پرسکون ہونے اور اس میں خوف خدا ہونے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ نماز کے دوران سارے اعضاء پرسکون ہو جاتے ہیں آج کل عرب لوگ نماز میں بہت زیادہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے کپڑوں اور خاص کر سر پر ڈالے ہوئے رومال کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں حالانکہ یہاں حدیث میں ایک بار کی اجازت ہے زیادہ کی نہیں، شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ کنکری ہٹانا مکروہ ہے ہاں اگر سجدہ لگانا مشکل ہو رہا ہو تو پھر ایک بار یا دو بار ہٹانے کی گنجائش ہے علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ سجدہ کی جگہ سے کنکری ہٹانے کے حکم میں پیشانی سے مٹی کیچڑ یا ریت وغیرہ ہٹانا بھی ہے کہ اس میں بھی ایک بار سے زیادہ عمل نہیں کرنا چاہئے، مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ مجھے اگر سرخ اونٹ بھی مل جائے میں پھر بھی یہ بات پسند نہیں کروں گا کہ پیشانی سے ریت کنکری ہٹادوں ہاں اگر مشکل پیش آ رہی ہو تو ایک بار ہٹادوں گا، علامہ عثمانی فتح الملہم میں کئی روایات نقل فرمائی ہیں کہ جب تک آدمی نماز سے لوٹ کر باہر نہ جائے اس وقت تک پیشانی سے مٹی وغیرہ کے نشانات کو صاف نہیں کرنا چاہئے۔ عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی الله علیه وسلم انصرف عن الصلوة و علی جبهته اثر الماء و الطین (متفق علیه) قال القاضی عیاض: "و کره السلف مسح الجبهة فی الصلوة قبل الانصراف یعنی من المسجد" (فتح الملهم) و حکی ابن عبدالبر عن سعید بن جبیر و الشعبی و الحسن البصری انهم یکرهون ان یمسح الرجل جبهته قبل ان ینصرف ویقولون هو من الجفاء (فتح الملهم)۔

باب النهی عن البصاق فی المسجد فی الصلوة وغیرها

مسجد میں تھوکنا مطلقاً منع ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیرہ احادیث کو نقل کیا ہے

۱۲۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَإِنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار قبلہ کی دیوار میں تھوک لگا دیکھا، آپ نے اسے کھرچ کر صاف کر دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جب تم سے میں کوئی نماز پڑھے تو سامنے کی طرف مت تھوکے کیونکہ نماز کے دوران اللہ تعالیٰ سامنے ہوتا ہے۔

تشریح:

"رای بُصاقاً" اس باب کی مختلف احادیث میں منہ سے خارج ہونے والی آلائشوں کے نام اور الفاظ مندرجہ ذیل ہیں، بصاق، بزاق، تفل، نخامۃ، مخاط۔ بصاق اور بزاق اور تفل تینوں تھوک کو کہتے ہیں اور نخامہ بلغم کو کہتے ہیں اور مخاط رینٹھ کو کہتے ہیں۔ علامہ عثمانی لکھتے ہیں: "قیل النخامۃ یخرج من الصدر و البصاق مایخرج من الفم و المخاط مایسیل من الانف وقیل النخاعۃ بالعین من الصدر و بالمیم من الرأس۔" لغت کی کتاب "المُغرِب" میں لکھا ہے کہ نخاعۃ اور نخامہ اس آلائش کا نام ہے جو کھانسی کے ساتھ ناک کے خیشوم سے خارج ہوتی ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نخاعۃ اس تھوک کا نام ہے جو حلق کے آخری حصہ سے خارج ہوتی ہے بہرحال ناک کے اندر سے جو آلائش ناک کے ذریعے سے باہر آتی ہے اس کو رینٹھ کہتے ہیں اور یہی چیز جب معدہ سے حلق کے راستہ سے اوپر آتی ہے اسے بلغم کہتے ہیں اور جو چیز منہ کے اندر پیدا ہوکر باہر آتی ہے اسے تھوک کہتے ہیں تو نخامہ اور نخاعہ بلغم کے معنی میں ہے خواہ خیشوم سے نیچے حلق میں آجائے یا معدہ سے اوپر حلق میں چلا جائے تھوک اور رینٹھ کا مصداق اور فرق واضح ہے تجربہ بتاتا ہے کہ تھوک اور رینٹھ اختیاری چیز ہے اور بلغم قریب غیر اختیاری ہوکر آتا ہے اور اسی کو دیواروں وغیرہ پر پھینکا جاتا ہے، حدیث کا مصداق غالباً بلغم ہے۔

"فحکہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا خود بطور سید القوم خادمھم اور بطور اکرام مسجد اس آلائش کو اپنے مبارک ہاتھ سے صاف کیا، اگر بلغم خشک ہو یا ہاتھ میں کوئی چیز لے کر صاف کیا اگر تر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کسی کو حکم دیا ہو کہ صاف کرو مگر یہ معنی بعید ہے۔

"یناجی ربہ" یا زبان سے قرأت کر رہا ہے یا زبان حال سے مناجات میں مشغول ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کو مؤمن کی معراج کہا گیا ہے۔

مذکورہ الفاظ بخاری میں ہیں مسلم میں اگلی روایت میں ہیں۔

"قبل وجھہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز کیلئے جو آدمی کھڑا ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے لیکن وہ عبادت اپنے رب کی کرتا ہے اور رب کو راضی کرتا ہے اس لئے اس بندے کا مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ قبلہ کی سمت نہ تھوکو اس سے رب تعالیٰ کی بے ادبی کی صورت پیدا ہوتی ہے لہٰذا بائیں طرف تھوکو یا قدموں کے نیچے تھوکو بشرطیکہ مسجد میں نہ ہو، کیونکہ مسجد میں کہیں بھی تھوکنا جائز نہیں، یہ صحراء اور خارج مسجد تھوکنے کا مسئلہ ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر مسجد میں تھوکنے کی نوبت آجائے تو صرف اپنے کپڑے پر تھوک لیا جائے اور پھر اسے رگڑ کر صاف کیا جائے، اس ادب واحترام سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ بیت اللہ کا بہت بڑا احترام ہے، جب ہزاروں میل دور سے اس کی جانب تھوکنا منع ہے تو پیشاب پاخانہ کرنے میں تو کسی کو اختلاف نہیں کرنا چاہئے نیز بیت اللہ کی طرف پاؤں لمبے کرکے سونا بھی مناسب نہیں، ادب کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر اس طرح سوئے ہیں کہ کبھی قدم بیت اللہ کی طرف نہیں آئے، مسلمان مرنے کے بعد بھی قبلہ رخ دفنایا جاتا ہے کسی کے پیر بیت اللہ کی طرف نہیں ہوتے۔

بہرحال "قبل وجھہ" کے الفاظ کے بارے میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مکان کے اندر نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ ایک تشبیہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نمازی اور قبلہ کے درمیان ہیں، بعض علماء نے مضاف محذوف مانا ہے ای عظمۃ اللہ و ثواب اللہ، علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک کلام ہے جو بیت اللہ کی تعظیم اور اس کی شان کے بارے میں کہا گیا ہے بہرحال بعض

علماء کہتے ہیں کہ بیت اللہ کی طرف تھوکنا حرام ہے، ایک حدیث میں ہے من تفل تجاہ القبلة جاء يوم القيامة و تفله بين عينيه۔ ایک اورروایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف تھوکنے والے امام کو امامت سے معزول کیا اور فرمایا "انك آذيت الله و رسوله" ان تمام روایات سے قبلہ کی طرف تھوکنے کی شدت اور کراہت تحریمی واضح ہوجاتی ہے۔

١٢٢٥ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، وَأَبُو أُسَامَةَ، ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ، ح وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، إِلَّا الضَّحَّاكُ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِ: نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبلہ کی دیوار میں گندگی لگی ہوئی دیکھی باقی حدیث حسب سابقہ (یعنی یہ کہ اسے کھرچ دیا اور تھوکنے سے منع فرمایا) مذکور ہے۔مگر یہ کہ اس روایت میں ''بصاق'' کے بجائے ''نخامۃ'' کا لفظ ہے نخامۃ کہتے ہیں غلیظ بلغم کو جو سر یا سینے سے نکلتا ہے۔

١٢٢٦ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ، ثُمَّ نَهَى أَنْ يَبْزُقَ الرَّجُلُ عَنْ يَمِينِهِ، أَوْ أَمَامَهُ، وَلَكِنْ يَبْزُقُ، عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى ح

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ میں (محراب میں) بلغم لگا دیکھا تو اسے کنکری سے کھرچ کر صاف کردیا۔ پھر اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے دائیں طرف یا سامنے تھوکے۔اور فرمایا کہ یا تو بائیں طرف تھوکے یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے۔

١٢٢٧ـ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبِي، كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَأَبَا سَعِيدٍ، أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً، بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ

حضرت ابوسعید اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی روایت ہے جیسے اوپر گزری (یعنی آپ علیہ السلام نے قبلہ کی دیوار میں بلغم دیکھ کر صاف کیا پھر بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کی ترغیب دی)۔

١٢٢٨ـ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، فِيمَا قُرِئَ عَلَيْهِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ

عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ، أَوْ مُخَاطًا أَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں تھوک یا بلغم یا ناک کی ریزش لگی دیکھی تو اسے کھرچ ڈالا۔

۱۲۲۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: مَا بَالُ أَحَدِكُمْ يَقُومُ مُسْتَقْبِلَ رَبِّهِ فَيَتَنَخَّعُ أَمَامَهُ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يُسْتَقْبَلَ فَيُتَنَخَّعَ فِي وَجْهِهِ؟ فَإِذَا تَنَخَّعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَنَخَّعْ عَنْ يَسَارِهِ، تَحْتَ قَدَمِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَقُلْ هَكَذَا وَوَصَفَ الْقَاسِمُ فَتَفَلَ فِي ثَوْبِهِ، ثُمَّ مَسَحَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسجد کے قبلہ میں بلغم لگا دیکھا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''تمہارا کیا حال ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور پھر اپنے سامنے تھوکتا ہے، کیا کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف رخ کرے اور اس کے چہرہ پر تھوک دے؟ جب تم تھوکو تو بائیں طرف تھوکو یا پاؤں کے نیچے تھوکو، اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو پھر اس طرح کرے، قاسم (راویٔ حدیث) نے اپنے کپڑے میں تھوک کر بیان کیا کہ اس طرح کرے اور پھر اسی کپڑے کو آپس میں مل ڈالے۔

تشریح:

"مستقبل ربه" اس حدیث میں بالکل واضح الفاظ ہیں کہ سامنے کی جانب میں اللہ تعالیٰ ہیں تو اس میں یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ یہ متشابہ الفاظ ہیں جس کے بارے میں سلف صالحین کا یہ عقیدہ ہے کہ "مایلیق بشانه"۔

"يساره تحت قدمه" بائیں جانب کی اجازت بھی مطلقاً نہیں ہے کیونکہ اس جانب کوئی نمازی ہوگا اس لئے قدم کے نیچے کا کہا گیا یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ مسجد کچی ہو، مٹی ہو، ریت ہو، بلغم کو دفنایا جا سکتا ہو، اگر مسجد پکی ہو، فرش ہو یا چٹائی قالین ہو تو اس صورت میں صرف ایک کام جائز ہے اور وہ یہ کہ تھوک اور بلغم کو اپنے کپڑوں کے دامن میں نیچے کی جانب پھینک دیا جائے اور پھر انگلیوں سے مل لیا جائے، یہ بہترین علاج ہے یا ٹشو پیپر سے صاف کر کے ٹشو کو جیب ہی رکھا جائے جیسے آج کل یہی کیا جا رہا ہے۔ علامہ نوویؒ یہی فرماتے ہیں کہ مسجد میں کسی صورت میں نہ تھوکا جائے بلکہ کپڑے میں تھوک کر مل لیا جائے۔

"وكفارتها دفنها" کے الفاظ آگے آرہے ہیں اس کیلئے بھی یہ اچھی تاویل ہے کہ اس کا ازالہ کیا جائے اور ازالے کی صورت کپڑا ہے کہ اس سے مل لیا جائے تاہم یہ تاویل ظاہر حدیث سے بہت بعید ہے آگے روایت میں ہے "فيلقل هكذا" اى فليفعل هكذا۔

۱۲۳۰۔ وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كُلُّهُمْ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَزَادَ فِي حَدِيثِ هُشَيْمٍ

قَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ ثَوْبَهُ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ

حضرت ابو ہریرہؓ سے یہی سابقہ حدیث اس دوسرے سند سے منقول ہے۔ باقی ہشیم کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: کہ گویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کپڑے کو باہم مل رہے ہیں۔

۱۲۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ

حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، لہٰذا اپنے سامنے اور دائیں طرف ہرگز مت تھوکے، البتہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے''۔

۱۲۳۲۔ وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ، وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا

حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دبا دیا جائے (مٹی میں)۔

۱۲۳۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَأَلْتُ قَتَادَةَ، عَنِ التَّفْلِ، فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: التَّفْلُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ، وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا

شعبہ'' کہتے ہیں کہ میں نے قتادہؓ سے مسجد میں تھوکنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے سنا کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے''۔

۱۲۳۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ، وَشَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا وَاصِلٌ، مَوْلَى أَبِي عُيَيْنَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عُقَيْلٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا، فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ، وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ، لَا تُدْفَنُ

حضرت ابوذرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے دونوں اعمال پیش کئے گئے، میں نے اس کے بہترین اعمال میں سے ایک عمل یہ پایا کہ راستہ میں

پڑی ہوئی اذیت والی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے اور اس کے برے اعمال میں سے یہ بات پائی کہ مسجد میں تھوکا جائے اور اسے دفن نہ کیا جائے''۔

۱۲۳۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَأَيْتُهُ تَنَخَّعَ فَدَلَكَهَا بِنَعْلِهِ

حضرت عبداللہؓ بن الشخیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو میں نے دیکھا کہ آپ نے تھوکا اور اسے اپنے جوتے سے مسل دیا۔

۱۲۳۶۔ وحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَتَنَخَّعَ فَدَلَكَهَا بِنَعْلِهِ الْيُسْرَى

اس سند کے ساتھ سابقہ روایت یعنی (آپ علیہ السلام نے تھوکا پھر جوتے سے رگڑ دیا) منقول ہے۔ مگر اس میں یہ ہے کہ اس کو اپنی بائیں جوتی سے مسل ڈالا۔

باب جواز الصلوة فی النعلین

جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۱۲۳۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ أَبِي مَسْلَمَةَ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي النَّعْلَيْنِ قَالَ: نَعَمْ

ابو سلمہ سعید بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوتے سمیت نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں!

تشریح:

''یصلی فی النعلین'' یعنی انس بن مالکؓ سے سعد بن یزید نے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز پڑھتے تھے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ ہاں پڑھتے تھے، مذکورہ حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس کیلئے چند شرائط ضروری ہیں:

(۱) ایک شرط تو یہ ہے کہ جوتے پاک ہوں اس میں نجاست نہ ہو، اگر خشک نجاست لگی ہو تو زمین سے مسح ہو کر زائل ہو جائے گی، یہ کافی ہے لیکن اگر نجاست تر اور گیلی ہو تو اس کا دھونا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ضروری ہے امام شافعیؒ کے نزدیک خشک اور تر دونوں قسم کا دھونا ضروری ہے ابن دقیق العید'' فرماتے ہیں کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنا رخصت ہے، مستحب نہیں ہے کیونکہ جوتا پہننا نماز کے مقاصد میں سے نہیں ہے تو اس کو مستحب نہیں کہا جا سکتا ہے۔

(۲) جوتے پہن کر نماز پڑھنے کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ جوتا اس طرح سخت نہ ہو کہ پاؤں کی انگلیاں زمین سے اوپر جائیں کیونکہ سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں زمین سے متصل ہونا ضروری ہے، ورنہ سجدہ نہیں ہوگا مثلاً کڑک بوٹ میں پاؤں زمین سے الگ رہتے ہیں لہٰذا ایسے جوتے سمیت نماز صحیح نہیں ہوگی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جوتوں سے مسجد میں خس وخاشاک اور گندگی نہ پھیلتی ہو مثلاً باہر کی زمین صاف نہیں ہے، اس سے مسجد میں کچرہ آتا ہے تو اس صورت میں اگر چہ جوتا پاک ہو پھر بھی مسجد میں پہن کر آنا اور نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے اسی طرح جب مسجد میں کچا فرش نہ ہو بلکہ پکا فرش ہو یا قالین ہو تو اس میں جوتوں سمیت آنا بے ادبی ہے، عمدۃ المفتی میں لکھا ہے "ان دخول المسجد متنعلاً من سوء الادب " (فتح الملهم) علامہ ابی فرماتے ہیں ثم انه و ان كان جائزا فلا ينبغي ان يفعل لا سيما في المساجد الجامعة۔ اس کے بعد علامہ ابی ؒ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ افریقہ میں ایک آدمی تھا جو قبائل کا سردار تھا، جس کا نام ہراج تھا وہ جوتوں سمیت تیونس کی جامع مسجد میں آ گیا، لوگوں نے اس کو ڈانٹا تو اس نے کہا خدا کی قسم میں تو بادشاہ کے دربار میں بھی ان جوتوں کے ساتھ جاتا ہوں، لوگوں نے برا مانا اور لڑ کر اس کو قتل کر دیا۔

(۴) جوتوں سمیت نماز پڑھنے کی اجازت کیلئے چوتھی شرط اور علت یہود کی مخالفت ہے، اب آج کل مخالفت کی یہ صورت نہیں رہی لہٰذا اس علت کے ختم ہونے سے یہ حکم بھی موقوف ہونا چاہئے، چنانچہ بذل المجہود میں لکھا ہے: "قلت دل الحديث على ان الصلوة في النعال كانت مامورة لمخالفة اليهود واما في زماننا فينبغي ان تكون الصلوة مامورة بها حافيا لمخالفة النصارىٰ فانهم يصلون متنعلاً لا يخلعونها عن ارجلهم۔" (فتح الملهم) بہر حال آج کل غیر مقلدین کبھی کبھی جمعہ میں اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ جمعہ جوتوں کے ساتھ نماز پڑھیں گے، غور کا مقام ہے کہ مدینہ کی زمین جو چٹیل میدان تھا جہاں نجاست نہیں رہتی تھی پھر سخت گرم زمین تھی جہاں جوتے کے بغیر پاؤں جل جاتے تھے غیر مقلد حضرات اس طرح زمین پر اپنے علاقے کی آلودہ زمین کو قیاس کرتے ہیں یہ عجیب بات ہے۔

۱۲۳۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَزِيدَ أَبُو مَسْلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا، بِمِثْلِهِ

اس سند کے ساتھ سابقہ حدیث (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا آپ جوتوں سمیت نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں!) منقول ہے۔

باب كراهة الصلوة في ثوب له اعلام

منقش پھولدار کپڑوں میں نماز مکروہ ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۳۹۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ - وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ - قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي

خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ، وَقَالَ: شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هَذِهِ فَاذْهَبُوا بِهَا إِلَى أَبِي جَهْمٍ، وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر میں جس پر نقش ونگار بنے تھے نماز پڑھی اور بعد میں فرمایا کہ: اس کپڑے نے مجھے اپنی طرف مشغول کر دیا (نماز میں خلل ہوا) اسے ابوجہم کو دے دو اور میرے لئے انبجانیہ لے آؤ۔

تشریح:

"خميصة" وهى كساء اسود مربع له اعلام ويكون من خز او صوف ولا يسمى خميصة الا ان تكون سوداء، معلمة قال ابو زيد السروجی فی مقاماته

لبست الخميصه ابغی   وانشبت شصی فی کل شیصه

"اعلام" یہ تاکید اور بیان کیلئے ہے ورنہ خمیصہ اسی چادر کو کہتے ہیں جو اون یا ریشم کی ہو، چوکور ہو، کالی ہو اور پھولدار ہو، "شغلتنی" ایک روایت میں الهتنی کے الفاظ ہیں ایک میں اخاف ان تشغلنی کے الفاظ ہیں، یہ وضاحت بہت اچھی ہے کہ مشغول کرنے کا خوف اور خطرہ ہے، امت کی تعلیم کیلئے یہ سب کچھ ہوا، ورنہ دو جہانوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا کی رنگینی کب اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ مشغول کرنے کا خوف تھا ابوجہم کا نام عبید یا عامر بن حذیفہ ہے، مشہور صحابی ہیں باب تیمم میں ابوجہیم نام کے ایک صحابی کا ذکر ہے وہ اور ہیں جو تصغیر کے ساتھ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش ونگار والی چادر ابوجہم کو شاید صرف واپس کی، یہ نہیں کہ وہ پہن لیا کریں اور نماز میں اس کے نقش ونگار میں مشغول رہے یا یہ ممکن ہے کہ ابوجہم کا وہ مقام نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ولا يقاس الملوك بالحدادين۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سادی والی چادر منگوالی تا کہ ہدیہ کے لوٹانے سے ابوجہم کو مایوسی نہ ہو کہ میرا ہدیہ واپس کیا قبول نہیں کیا گیا۔

"بانبجانية" قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہاں ہمزہ کا فتح بھی ہے اور کسرہ بھی ہے اور با پر کسرہ ہے اور آخر میں یا پر شد ہے انجان ایک جگہ ہے اس کی طرف منسوب ہے اس کے علاوہ نسبت صحیح نہیں ہے، ہاں علامہ خطابی نے کہا کہ یہ آزربائیجان کی طرف منسوب ہے، عرب نے اس کے بعض حروف کو حذف کر کے انبجان بنا دیا اور نسبت کر دی۔ اگلی روایت میں یہ لفظ مؤنث کے بجائے مذکر آیا ہے، یعنی "انبجانیا" وہ بھی صحیح ہے۔

۱۲۴۰۔ حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي خَمِيصَةٍ ذَاتِ أَعْلَامٍ، فَنَظَرَ إِلَى عَلَمِهَا، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ: اذْهَبُوا بِهَذِهِ الْخَمِيصَةِ إِلَى أَبِي جَهْمِ بْنِ حُذَيْفَةَ، وَائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيِّهِ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا فِي صَلَاتِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منقش چادر میں نماز پڑھی، آپ کی نظر اس کے نقش ونگار پر پڑی، جب نماز پوری کر چکے تو فرمایا: "اس چادر کو ابو جہم رضی اللہ عنہ بن حذیفہ کے پاس لے جاؤ اور

میرے لئے انبجانیہ لے آؤ، کیونکہ اس نے ابھی میری نماز میں مجھے غافل کر دیا۔"

۱۲۴۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ خَمِيصَةٌ لَهَا عَلَمٌ، فَكَانَ يَتَشَاغَلُ بِهَا فِي الصَّلَاةِ، فَأَعْطَاهَا أَبَا جَهْمٍ وَأَخَذَ كِسَاءً لَهُ أَنْبِجَانِيًّا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر تھی نقش ونگار والی۔ آپ اس کے نقش ونگار میں مشغول ہو جاتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر ابوجہم رضی اللہ عنہ کو دے دی اور اپنے لئے ان سے موٹی چادر انبجانیہ لے لی۔

باب كراهة الصلوة بحضرة الطعام وعند مدفعة الاخبثان

بھوک اور تقاضے کی شدت کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو نقل کیا ہے

۱۲۴۲۔ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ، وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب رات کا کھانا حاضر ہو جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانے سے ابتدا کرو"۔

تشریح:

"فابدئو ابالعشاء" عشاء عین کے فتحہ کے ساتھ شام کے کھانے کو کہتے ہیں اگر نماز کے وقت میں وسعت ہو تو دلجمعی کے پیش نظر یہی بہتر ہے کہ پہلے کھانا کھا لے تا کہ نماز میں انتشار افکار نہ ہو، جمہور کے نزدیک مشتاق طعام کیلئے یہی بہتر اور احسن اور مستحب ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر خراب ہو جائے یا بلی اور کتا کھا لے یا چاٹ لے یا اس تاخیر سے غیر کو تکلیف ہو جائے، امام ابوحنیفہؒ سے اس موقع پر ایک حکیمانہ کلام منقول ہے فرمایا: "لأن يكون طعامي كله صلوة أحب الى من أن تكون صلوتي كلها طعاما" جب نماز کی فکر ہو اور کھانا کھا رہا ہو گویا وہ نماز میں ہے اور جب کھانے کی فکر ہو اور نماز میں ہو گویا وہ نماز کے بجائے کھانے میں مشغول ہے۔

عشاء اگرچہ شام کے وقت کے کھانے پر بولا جاتا ہے اور آنے والی حدیث میں مغرب کا لفظ بھی موجود ہے، لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف مغرب یا عشاء کے کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ کھانے کی حاجت اور ضرورت جب بھی ہو اور کسی بھی نماز میں خلل واقع ہو سکتا ہو تو اس میں یہی حکم ہے کہ کھانے کو مقدم کیا جائے اور نماز باجماعت کو مؤخر کیا جائے، خلاصہ یہ کہ نماز کو آدمی ایسے وقت اور ایسی حالت میں پڑھے جب آدمی کو مکمل اطمینان وسکون حاصل ہو، تا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل خشوع وخضوع قائم رہے، لیکن جب آدمی پر بول وبراز کا شدید دباؤ ہو یا کھانے کی شدید خواہش ہو اسی طرح قے اور متلی کی کیفیت ہو یا ریح کی شکایت ہو ان تمام صورتوں میں نماز کو

مؤخر کیا جاسکتا ہے اور جماعت کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

"اخبثان" "ای ولا صلوۃ حاصلۃ للمصلی فی حال یدافعہ الاخبثان" الاخبثان سے مراد بول اور براز ہے یعنی پاخانہ آدمی کو اٹھا کر بھگاتا ہے، اسی طرح حال پیشاب کا ہے، لہٰذا بول و براز کی ایسی پریشان کن حالت میں نماز مؤخر کرنا جائز ہے۔ بول و براز اگر موجب ثقل صلوۃ ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا پڑھانا مکروہ تحریمی ہے، ایسی پریشان کن حالت میں نماز باجماعت ترک کرنا بہتر ہے تاکہ خوب اطمینان وسکون کے ساتھ نماز پڑھ سکے، مگر یہ مسائل اس وقت ہیں جب وقت میں وسعت ہو اگر وقت میں تنگی ہو تو پھر ہر حالت میں نماز پڑھنا ہی ہوگا۔ شاید ابوداؤد شریف کی روایت اسی حالت پر محمول ہو جس کے الفاظ یہ ہیں: "قال رسول اللہ ﷺ لا تؤخر الصلوۃ لطعام ولا لغیرہ" یعنی نماز کو کھانے وغیرہ کیلئے مؤخر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۴۳۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قُرِّبَ الْعَشَاءُ، وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کھانے سامنے قریب آجائے اور نماز کا وقت بھی ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ مغرب کی نماز سے پہلے اور کھانے کو چھوڑ کر (نماز کی طرف) جلدی نہ کر۔

۱۲۴۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، وَحَفْصٌ، وَوَكِيعٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (کہ کھانا سامنے آنے پر نماز کیلئے جلدی نہ کرو بلکہ پہلے کھانا کھالو) منقول ہے۔

۱۲۴۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ - وَاللَّفْظُ لَهُ -، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ، وَلَا يَعْجَلَنَّ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھائے اور نماز کے لئے جلدی نہ کرے۔ یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے''۔

۱۲۴۶۔ وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ، حَدَّثَنِي أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مَسْعُودٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ مُوسَى، عَنْ أَيُّوبَ، كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (جب تم میں سے کسی کے سامنے کھانا آجائے تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے۔ کھانا چھوڑ کر نماز کی طرف نہ جائے) منقول ہے۔

۱۲۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، حَدَّثَنَا حَاتِمٌ هُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَتِيقٍ، قَالَ: تَحَدَّثْتُ أَنَا وَالْقَاسِمُ، عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، حَدِيثًا وَكَانَ الْقَاسِمُ رَجُلًا لَحَّانَةً وَكَانَ لِأُمِّ وَلَدٍ، فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: مَا لَكَ لَا تَحَدَّثُ كَمَا يَتَحَدَّثُ ابْنُ أَخِي هَذَا، أَمَا إِنِّي قَدْ عَلِمْتُ مِنْ أَيْنَ أُتِيتَ هَذَا أَدَّبَتْهُ أُمُّهُ، وَأَنْتَ أَدَّبَتْكَ أُمُّكَ، قَالَ: فَغَضِبَ الْقَاسِمُ وَأَضَبَّ عَلَيْهَا، فَلَمَّا رَأَى مَائِدَةَ عَائِشَةَ، قَدْ أُتِيَ بِهَا قَامَ، قَالَتْ: أَيْنَ؟ قَالَ: أُصَلِّي، قَالَتْ: اجْلِسْ، قَالَ: إِنِّي أُصَلِّي، قَالَتْ: اجْلِسْ غُدَرُ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ.

ابن ابی عتیق سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے اور قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایک حدیث بیان کی۔قاسم غلطیاں بہت کرتے تھے،ان کی والدہ ام ولد (کنیز اور باندی) تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ: تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اس طرح باتیں نہیں کرتے جس طرح یہ میرا بھتیجا باتیں کرتا ہے، خیر مجھے معلوم ہے کہ تو کہاں سے آیا ہے۔اسے اس کی ماں نے ادب وتربیت دی ہے اور تجھے تیری ماں نے (یعنی اس کی ماں آزاد اور عاقلہ تھی لہٰذا اس نے اپنے بیٹے کو بھی اچھی تعلیم وتربیت دی اور تیری ماں کنیز اور باندی تھی لہٰذا اس نے اپنے مطابق تعلیم وتربیت کی)۔یہ سن کر قاسم کو سخت غصہ آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طیش کھانے لگے۔جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دستر خوان لایا گیا ہے تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہاں چلے؟ کہنے لگے: میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔انہوں نے کہا کہ میں نے نماز پڑھنی ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ارے او بیوقوف بیٹھ جا۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ: ''جب کھانا حاضر ہو یا پیشاب پاخانہ کا سخت تقاضا ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہئے''۔

تشریح:

''عن ابن ابی عتیق'' ان کا نام ونسب اس طرح ہے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق ؓ تو یہ عبداللہ حضرت عائشہ کا شاگرد بھی ہے اور رشتہ میں حضرت عائشہ ؓ کے بھائی عبدالرحمٰن کا پوتا ہے تو گویا حضرت عائشہ ؓ ان کی دادی بھی ہیں۔یہ حضرت عائشہ ؓ کی علمی مجلس کا ایک قصہ بیان فرما رہے ہیں۔

''والقاسم'' یعنی حضرت عائشہ ؓ کی مجلس علم میں ان کا دوسرا پوتا قاسم بھی تھے، قاسم محمد کے بیٹے ہیں اور محمد ابو بکر صدیق کے بیٹے ہیں جو اسماء بنت ابی بکر کے بطن سے ہیں جو حضرت عائشہ ؓ کا سوتیلا بھانجا ہے، جنگ جمل میں حضرت علی ؓ کے ساتھ تھے، قاسم بن محمد مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے، کسی شاعر نے فقہاء سبعہ کو اس شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

؎ الا کل من لا یقتدی بائمۃ فقسمتہ ضیزیٰ من الحق خارجہ

فخذھم عبید اللہ عروۃ قاسم سعید ابی بکر سلیمان خارجہ

"لحانة" یعنی گفتگو میں عربی عبارت میں بہت غلطیاں کرتے تھے، لحانہ علامہ کی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر اللحن مراد ہے۔
"لام ولد" یعنی باندی کی اولاد میں سے جو عربی نسل نہیں تھی اور باندی بھی تھی۔ "ابن اخی هذا" یعنی ابن ابی عتیق کی طرح فصاحت و بلاغت کے ساتھ تم کلام کیوں نہیں کر سکتے ہو باتوں میں لحن کرتے ہو، اعراب میں غلطی کرتے ہو، حروف صحیح ادا نہیں کر سکتے ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ "اما انی علمت" یعنی آگاہ رہو مجھے اس کا پتہ ہے کہ ایسا کیوں ہے، یہ اس لئے ہے کہ تم ایک غیر عربی لونڈی سے پیدا ہو، اس نے تمہیں جو ناقص ادب دیا ہے یہ اس کا اثر ہے اور اس دوسرے کو انکی ماں نے ادب سکھایا ہے، یہ اچھا ادب اس اچھی ماں کا اثر ہے۔
"فغضب القاسم" اس بات پر قاسم بن محمد بہت زیادہ غصہ ہو گئے۔ "واضبَّ علیها" ای حقد علیها و حسدها یعنی اس غصہ اور طیش وغضب کو دل میں چھپالیا اور خاموش بیٹھ گیا۔
"اجلس غدر" غین پر پیش ہے، دال پر زبر ہے۔ ''غادر'' اور ''غدار'' بے وفا کے معنی میں ہے، حقیقی غداری مراد نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، ان کا احترام قاسم پر لازم تھا تو غصہ ہو کر دل میں کینہ رکھنا کسی صورت میں جائز نہیں تھا، اس لئے حضرت عائشہؓ نے اس کو "یا غدر" کہا حرف ندا محذوف ہے ''انما قالت له غدر لانه مأمور باحترامها لانها ام المؤمنين و عمته و اکبر منه و ناصحة له و مؤدبة فکان حقه ان یحتملها ولا یغضب علیها۔" (فتح الملهم)
"ولا وهو یدافعه الاخبثان" یعنی دو خبیث چیزیں پیشاب اور پاخانہ کو دفع کر رہا ہو اور بھگانے پر زور دے رہا ہو تو اس بے چینی میں نماز مکروہ تحریمی ہے، اسی کے حکم میں قے کا آنا بھی ہے، ہوا کا خروج بھی ہے مذی کا خروج بھی ہے، اسی طرح بے چین کرنے والی کوئی اور چیز ہے، سب کا حکم یہی ہے۔
"یدافعه" باب مفاعلہ ہے، جس میں عمل دونوں جانب سے مقابلہ کی صورت میں ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نمازی پیشاب پاخانہ کو دفع کر رہا ہے اور پیشاب پاخانہ نمازی کو دفع کر رہا ہے، ایسی صورت میں نماز کو مؤخر کرنا بہتر ہے۔

۱۲۴۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو حَزْرَةَ الْقَاصُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِمِثْلِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيثِ قِصَّةَ الْقَاسِمِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی سابقہ حدیث (کہ جب کھانا حاضر ہو یا تقاضہ ہو نماز نہ پڑھے) کی طرح منقول ہے مگر اس میں قاسم کے قصے کا ذکر نہیں ہے۔

باب النهي عن حضور المسجد من اكل ثوماً وبصلاً و قصة خطبة عمرؓ

جس نے لہسن یا پیاز کھائی وہ مسجد میں نہ آئے اور حضرت عمرؓ کے خطبے کے قصہ

اس باب میں امام مسلمؒ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ:

أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ - يَعْنِي الثُّومَ - فَلَا يَأْتِيَنَّ الْمَسَاجِدَ قَالَ زُهَيْرٌ: فِي غَزْوَةٍ وَلَمْ يَذْكُرْ خَيْبَرَ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں ارشاد فرمایا: ''جس نے اس درخت یعنی لہسن کو کھایا وہ ہرگز ہماری مساجد میں نہ آئے''۔

تشریح:

"هذه الشجرة " علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ لہسن کے پودے پر درخت کا اطلاق مجاز کے طور پر ہے، کیونکہ درخت وہ ہوتا ہے جس کا تنا ہو لہسن وغیرہ بوٹے جس کا تنا نہیں ہوتا، اس پر لغت میں نجم کا اطلاق ہوتا ہے۔

"يعني الثوم " عبید اللہ حضرت ابن عمرؓ کے بیٹے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے "الشجرة" کی تفسیر و تفصیل میں ''الثوم'' مراد لیا ہے۔ شاید اس وضاحت کی ضرورت بھی اس لئے پیش آئی کہ شجرۃ کا لفظ لہسن کیلئے غیر معروف ہے، حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ ''یعنی'' کے قائل کا پتہ نہیں چلا کہ کون ہے، علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ یہ عبید اللہ ہوگا، اس باب کی احادیث میں الثوم کے لفظ کے ساتھ البصل کا لفظ بھی آیا ہے جو پیاز کو کہتے ہیں۔ الکراث کا لفظ بھی آیا ہے جس کو گندنا کہتے ہیں جو زیادہ تر سلاد کے طور پر کھایا جاتا ہے، اس کا ساگ بھی پکایا جاتا ہے، اس باب میں "البقلة" کا لفظ بھی آیا ہے جو سبزی کو کہتے ہیں، اس سے بھی لہسن اور پیاز مراد ہے، اس باب میں "خضرات" کا لفظ بھی آیا ہے، اس سے بھی سبزی اور خاص کر پیاز و لہسن اور گندنا مراد ہیں، علماء نے مولی اور ہر اس سبزی کو بھی اس حکم میں شمار کیا ہے جس کے کھانے سے منہ سے بدبو اٹھتی ہو، علماء نے ایسے اشخاص کو بھی اس حکم میں داخل کیا ہے جن کے منہ سے بدبو جا رہی ہو۔

"فلا يأتين المساجد " اس باب کے بعض روایات میں مسجد مطلق آیا ہے، بعض روایات میں مسجدنا کا لفظ آیا ہے، بعض میں مساجد کے الفاظ آئے ہیں، یہاں جو لفظ آیا ہے یہ عام ہے کہ بدبودار چیز کھا کر ایسا شخص کسی بھی مسجد میں نہ آئے، جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ حکم صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ حکم مسجد نبوی کے ساتھ خاص ہے، لیکن زیر بحث حدیث میں جو الفاظ ہیں یہ عام ہیں جو تمام مساجد کو شامل ہیں اور تخصیص کو رد کرتے ہیں، نیز مصنف عبد الرزاق میں ایک روایت ہے، اس کے الفاظ سے بھی تخصیص کی نفی واضح ہو جاتی ہے الفاظ یہ ہیں: "وفی مصنف عبد الرزاق عن ابن جريج قال قلت لعطاء هل النهي للمسجد الحرام خاصة او فی المساجد؟ قال لا بل فی المساجد۔" (فتح الملهم)

بعض روایات میں "فلا يقربنا" کے الفاظ آئے ہیں جس سے عام محافل میں اس قسم کے آدمی کے آنے کو منع کیا گیا ہے۔ "شجرة خبيثة" يطلق الخبيث على كل مذموم من قول او فعل او مال او طعام او شخص۔ یہاں خبیث کا لفظ بدبودار کیلئے استعمال کیا گیا ہے "ای منتنة" کچھ مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

"الشجرة المنتنة" بدبودار درخت سے پیاز اور لہسن مراد ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدبودار چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ پیاز لہسن کھا کر مسجدوں

میں نہ آیا کریں، کیونکہ مسجد میں انسانوں کے ساتھ فرشتے بھی آتے ہیں، ان کو ایذا پہنچ جائے گی۔اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبو دار ہو، خواہ کھانے پینے کی چیزیں، مثلاً گندنا، مولی، نسوار، سگریٹ، تمباکو والا پان یا دیگر بدبودار اشیاء سب کو یہ حکم شامل ہے، نیز اگر کسی کے بغل سے یا منہ سے یا جسم کے کسی زخم سے بدبو اٹھتی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے کہ مسجد میں ایسے لوگ نہ آئیں، اگر وہ باز نہیں آتے تو حکومت پر لازم ہے کہ انہیں روکے تاکہ نمازیوں اور فرشتوں کو ایذا نہ پہنچے، بدبودار اشیاء کے استعمال کے بعد سونف یا گڑ استعمال کرنا چاہئے، جس سے بدبو ختم ہو جاتی ہے، یہ علاج ہے۔ مساجد کی قید کوئی احترازی نہیں ہے، بلکہ علماء لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو مواعظ کی مجالس، ذکر واذکار کی محافل اور قرآن وحدیث کی درسگاہوں میں بھی نہیں جانا چاہئے۔ شیخ عبدالحق ؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ عام مجالس مثلاً دعوت ولیمہ وغیرہ میں بھی نہیں جانا چاہئے۔

"مسجدنا" اس لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عموم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ حکم صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مسلمانوں کی عام مساجد کا یہی حکم ہے اسی لئے "مسجدنا" کے علاوہ "مساجدنا" کے الفاظ بھی آئے ہیں اور جہاں مسجدی کے الفاظ آئے ہیں تو وہ مزید تشدید و تغلیظ کی وجہ سے ہے کہ دیگر مساجد کی نسبت مسجد نبوی میں اس بدبو سے سخت احتراز کرنا چاہئے۔

۱۲۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسَاجِدَنَا، حَتَّى يَذْهَبَ رِيحُهَا يَعْنِي الثُّومَ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اس پودے یعنی لہسن میں سے کھائے تو ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے یہاں تک کہ اس کی بدبو زائل ہو جائے"۔

۱۲۵۱۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ عَنِ الثُّومِ، فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ، فَلَا يَقْرَبَنَّا، وَلَا يُصَلِّي مَعَنَا

عبدالعزیزؒ بن صہیب کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے لہسن کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اس درخت لہسن سے کھائے وہ ہمارے قریب نہ آئے اور نہ ہی ہمارے ساتھ نماز پڑھے"۔

۱۲۵۲۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ - قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ: - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، وَلَا يُؤْذِيَنَّا بِرِيحِ الثُّومِ

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اس لہسن کے درخت میں سے کھائے وہ ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ پھٹکے اور لہسن کی بدبو سے ہمیں اذیت نہ پہنچائے"۔

۱۲۵۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ أَكْلِ الْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ، فَغَلَبَتْنَا الْحَاجَةُ، فَأَكَلْنَا مِنْهَا، فَقَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى، مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور گندنا کھانے سے منع فرمایا۔ ہمیں اسے کھانے کی سخت حاجت ہوئی تو ہم نے اسے کھالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہمارے مسجد کے ہرگز قریب بھی نہ بھٹکے کہ جس چیز سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے"۔

۱۲۵۶۔ وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: وَفِي رِوَايَةِ حَرْمَلَةَ، وَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا، فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا، وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَإِنَّهُ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ، فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا، فَسَأَلَ فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ، فَقَالَ: قَرِّبُوهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا، قَالَ: كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے یا ہماری مساجد سے دور رہے اور اپنے گھر بیٹھ رہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ہانڈی لائی گئی جس میں کچھ سبزی ترکاریاں تھیں۔ آپ کو اس میں سے بو آئی تو اس کے بارے میں دریافت کیا۔ چنانچہ آپ کو اس میں پڑی سبزیوں کے بارے میں بتلایا گیا، تو فرمایا: اسے میرے بعض صحابہ کے پاس لے جاؤ۔ انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نہیں کھایا اس ہانڈی میں سے تو انہوں نے بھی اس کا کھانا پسند نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ کھاؤ کیونکہ میں تو ان سے مناجات و سرگوشی کرتا ہوں جن سے تم نہیں کرتے (ملائکہ سے اور انہیں انہیں بدبو سے تکلیف ہوتی ہے)۔

تشریح:

"بقدر" اس سے کھانے کی ہانڈی مراد ہے جس میں سبزی کا سالن اور کھانا تھا فیه خضرات کا یہی مطلب ہے من بقول۔ خضرات کی وضاحت ہے، سبزی کو کہتے ہیں، بخاری اور ابوداؤد میں "ببدر" کا لفظ آیا ہے جو سبزی کی گڈی کو کہتے ہیں پھر تو بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پکا ہوا کھانا نہیں تھا، بلکہ کچی سبزی تھی، پکی سبزی اور پکی ہوئی پیاز منع نہیں ہے۔

"بعض اصحابه" یعنی اس صحابی کو کھلا دو "کره اکلها" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ وہ صحابی حضور کے نہ کھانے کی وجہ سے اس کے کھانے کو پسند نہیں کرتا تو آپ نے حکم دیا کہ تم کھاؤ، کیونکہ میں تو فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہوں، اس لئے مکمل احتیاط کرتا ہوں، تم تو ایسے نہیں ہو۔ علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان بدبودار اشیاء کا کھانا حرام نہیں ہے، جمہور امت

کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ ان اشیاء کا کھانا مباح ہے، آگے حدیث ۱۲۵۵ میں تفصیل سے مذکور ہے کہ ان اشیاء کا کھانا حرام نہیں ہے، البتہ ان کی بدبو سے بچنے بچانے کی تعلیمات اور ترغیبات ہیں، اس روایت میں "فلم نعد ان فتحت خيبر" کے الفاظ ہیں نعد تجاوز اور عدوان کے معنی میں ہے: ای ما تجاوزنا فتح خيبر حتى قمنا۔ یعنی فتح خیبر کے متصل ہم نے صبر ہی نہیں کیا بلکہ کھڑے ہو گئے اور بھوک کی وجہ سے پیاز اور لہسن خوب کھانا شروع کر دیا اور پھر مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔

۱۲۵۷۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ، الثُّومِ - وَقَالَ مَرَّةً: مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ "

حضرت جابر بن عبداللہؓ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس شخص نے اس لہسن کو پودے سے کھایا اور ایک بار فرمایا: جس نے پیاز، لہسن اور گندنا کھایا وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، کیونکہ جس چیز سے بنو آدم کو تکلیف ہوتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ (بدبو سے ہر آدمی کو تکلیف ہوتی ہے)۔

۱۲۵۸۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَا: جَمِيعًا أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ يُرِيدُ الثُّومَ فَلَا يَغْشَنَا فِي مَسْجِدِنَا وَلَمْ يَذْكُرِ الْبَصَلَ وَالْكُرَّاثَ

اس سند کے ساتھ بھی سابقہ حدیث (جو لہسن کے پودے سے کھائے وہ مسجد میں نہ آئے کیوں کہ جس چیز سے بنو آدم کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے) مروی ہے۔ مگر اس میں صرف لہسن کا ذکر ہے۔ پیاز اور گندنا کا ذکر نہیں۔

۱۲۵۹۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: لَمْ نَعْدُ أَنْ فُتِحَتْ خَيْبَرُ فَوَقَعْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تِلْكَ الْبَقْلَةِ الثُّومِ وَالنَّاسُ جِيَاعٌ، فَأَكَلْنَا مِنْهَا أَكْلًا شَدِيدًا، ثُمَّ رُحْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ، فَوَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّيحَ فَقَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْخَبِيثَةِ شَيْئًا، فَلَا يَقْرَبَنَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ النَّاسُ: حُرِّمَتْ، حُرِّمَتْ، فَبَلَغَ ذَاكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَيْسَ بِي تَحْرِيمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لِي، وَلَكِنَّهَا شَجَرَةٌ أَكْرَهُ رِيحَهَا

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ابھی لوٹے بھی نہ تھے کہ فتح خیبر ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لہسن کے پودے پر ٹوٹ پڑے، لوگ بھوکے تھے اس لئے ہم نے خوب اچھی طرح کھایا، پھر ہم مسجد میں گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بو محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''جس نے اس برے درخت سے کھایا ہے وہ مسجد میں ہمارے قریب نہ آئے'' لوگوں نے کہا کہ لہسن تو حرام ہو گیا، لہسن حرام ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا

(کہ لوگ یوں کہہ رہے ہیں) تو فرمایا: ''اے لوگو! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال فرمایا ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ اسے حرام کرسکوں۔لیکن یہ پودا ایسا ہے کہ میں اس کی بو کو ناپسند کرتا ہوں''۔

۱۲۶۰۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنِ ابْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى زَرَّاعَةِ بَصَلٍ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، فَنَزَلَ نَاسٌ مِنْهُمْ فَأَكَلُوا مِنْهُ . وَلَمْ يَأْكُلْ آخَرُونَ، فَرُحْنَا إِلَيْهِ فَدَعَا الَّذِينَ لَمْ يَأْكُلُوا الْبَصَلَ وَأَخَّرَ الْآخَرِينَ، حَتَّى ذَهَبَ رِيحُهَا

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ایک بار پیاز کے کھیت پر سے گزرے، کچھ لوگ کھیت میں اترے اور پیاز کھانا شروع کر دیا۔ جب کہ کچھ لوگوں نے نہیں کھایا۔ پھر ہم حضور علیہ السلام کے پاس گئے تو آپ نے ان لوگوں کو تو فوراً (اپنے پاس) بلایا جنہوں نے پیاز نہیں کھایا تھا اور جنہوں نے کھایا تھا انہیں اس وقت تک نہیں بلایا جب تک کہ اس کی بدبو زائل نہیں ہوگی۔

۱۲۶۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، خَطَبَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَذَكَرَ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَكَرَ أَبَا بَكْرٍ قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ كَأَنَّ دِيكًا نَقَرَنِي ثَلَاثَ نَقَرَاتٍ، وَإِنِّي لَا أُرَاهُ إِلَّا حُضُورَ أَجَلِي، وَإِنَّ أَقْوَامًا يَأْمُرُونَنِي أَنْ أَسْتَخْلِفَ، وَإِنَّ اللهَ لَمْ يَكُنْ لِيُضَيِّعَ دِينَهُ، وَلَا خِلَافَتَهُ، وَلَا الَّذِي بَعَثَ بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ عَجِلَ بِي أَمْرٌ، فَالْخِلَافَةُ شُورَى بَيْنَ هَؤُلَاءِ السِّتَّةِ، الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ، وَإِنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ أَقْوَامًا يَطْعَنُونَ فِي هَذَا الْأَمْرِ، أَنَا ضَرَبْتُهُمْ بِيَدِي هَذِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَأُولَئِكَ أَعْدَاءُ اللهِ، الْكَفَرَةُ الضُّلَّالُ، ثُمَّ إِنِّي لَا أَدَعُ بَعْدِي شَيْئًا أَهَمَّ عِنْدِي مِنَ الْكَلَالَةِ، مَا رَاجَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ مَا رَاجَعْتُهُ فِي الْكَلَالَةِ، وَمَا أَغْلَظَ لِي فِي شَيْءٍ مَا أَغْلَظَ لِي فِيهِ، حَتَّى طَعَنَ بِإِصْبَعِهِ فِي صَدْرِي، فَقَالَ: يَا عُمَرُ أَلَا تَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ؟ وَإِنِّي إِنْ أَعِشْ أَقْضِ فِيهَا بِقَضِيَّةٍ، يَقْضِي بِهَا مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَمَنْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أُشْهِدُكَ عَلَى أُمَرَاءِ الْأَمْصَارِ، وَإِنِّي إِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ عَلَيْهِمْ لِيَعْدِلُوا عَلَيْهِمْ، وَلِيُعَلِّمُوا النَّاسَ دِينَهُمْ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَقْسِمُوا فِيهِمْ فَيْئَهُمْ، وَيَرْفَعُوا إِلَيَّ مَا أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِهِمْ، ثُمَّ إِنَّكُمْ، أَيُّهَا النَّاسُ تَأْكُلُونَ شَجَرَتَيْنِ لَا أَرَاهُمَا إِلَّا خَبِيثَتَيْنِ، هَذَا الْبَصَلَ وَالثُّومَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا وَجَدَ رِيحَهُمَا مِنَ الرَّجُلِ فِي الْمَسْجِدِ، أَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ إِلَى الْبَقِيعِ، فَمَنْ أَكَلَهُمَا فَلْيُمِتْهُمَا طَبْخًا

حضرت معدانؒ بن ابی طلحہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے جمعہ کے روز خطبہ دیا اور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک مرغ ہے اور اس نے مجھے تین بار ٹھونگیں ماریں''۔ اور میں اس خواب کو یہی خیال کرتا ہوں کہ میری اجل آپہنچی ہے (یہی اس کی تعبیر ہے)۔ بعض لوگ مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں خلیفہ اور اپنا جانشین مقرر کردوں، یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اور خلافت کو اور اس چیز کو جسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر مبعوث فرمایا (قرآن کریم) ضائع نہیں فرمائے گا۔ اگر میری موت جلدی آجائے تو خلافت ان چھ افراد کے باہمی مشاورت سے طے ہوگی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک راضی رہے اور میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ اس خلافت کے معاملہ میں طعن کرتے ہیں میں نے اپنے اس ہاتھ سے انہیں اسلام پر مارا ہے، اگر وہ ایسا کریں (یعنی خلافت کے معاملہ میں طعن کریں) تو وہ اللہ کے دشمن اور کفار وگمراہ ہیں۔ پھر! یاد رکھو میں اپنے بعد کلالہ سے زیادہ اہم مسئلہ کوئی نہیں چھوڑ کر جارہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات میں اتنا رجوع نہیں کیا جتنا کلالہ کے بارے میں کیا اور آپ نے بھی مجھ پر کسی معاملہ میں اتنی سختی نہیں فرمائی جتنی اس میں فرمائی حتیٰ کہ میرے سینے میں آپ نے اپنی انگلیاں ماریں اور فرمایا: ''اے عمر! (اس معاملہ میں) تمہارے لئے گرمی کی آیت جو سورۃ النساء کے آخر میں ہے کافی نہیں ہے''۔ اور اگر میں کچھ عرصہ زندہ رہا تو کلالہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کروں گا کہ ہر شخص خواہ قرآن پڑھتا ہو یا نہیں پڑھتا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا: اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں ان لوگوں پر جو مختلف امصار و بلاد کے حاکم ہیں، میں نے انہیں حاکم بنا کر صرف اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں پر عدل وانصاف سے حکومت کریں اور انہیں ان کا دین اور ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ سکھلائیں اور ان کا جنگوں میں حاصل کیا ہوا مال غنیمت وفئی ان پر تقسیم کریں اور جس معاملہ میں مشکل پڑ جائے اسے میرے پاس بھیج دیں۔ پھر فرمایا: اے لوگو! تم جو یہ دو درخت (کے پھل) کھاتے ہو یعنی پیاز اور لہسن میں ان دونوں کو برا سمجھتا ہوں اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب کسی آدمی سے مسجد میں اس کی بدبو محسوس کرتے تو اسے مسجد سے نکالنے کا حکم دیتے چنانچہ اسے مسجد سے نکال کر بقیع تک خارج کر دیا جاتا۔ لہٰذا جو اسے کھانا چاہے تو انہیں پکا کر ان کی بدبو کو زائل کردے۔

تشریح:

"خطب یوم الجمعة" یہ نماز جمعہ کا خطبہ تھا، حضرت عمرؓ نے اس خطاب میں بطور وصیت اہم اشیاء کو بیان کیا، اپنی وفات سے متعلق اپنا خواب بیان کیا۔ "کَاَنَّ دِیْکًا" دیک مرغ کو کہتے ہیں۔

"نقرنی" "مرغ کے ٹھونگ مارنے کو کہتے ہیں خواب میں مرغ دیکھنے کی تعبیر عجمی آدمی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کی ایک عجمی کافر نے شہید کیا، جس کا نام ابولؤلؤ مجوسی تھا، اصل قصہ اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ چت لیٹے ہوئے تھے کہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا مانگی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی، طاقت میں کمزوری آگئی، رعیت کی تعداد بڑھ کر پھسل گئی۔ اے اللہ! اب مجھے اپنی طرف اٹھالیں اور مجھے

ضائع نہ کریں، چند دن بعد آپ نے خواب دیکھا کہ ایک مرغ نے آپ کو تین ٹھونگیں ماریں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے شہادت مقرر فرمادی ہے، مجھے ایک عجمی کافر قتل کرے گا، حضرت عمرؓ کی عادت اور فراست تھی کہ آپ مدینہ منورہ میں کسی کافر کا سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، مگر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو کوفہ کے گورنر تھے، آپ کے نام ایک خط لکھا کہ میرا ایک غلام ہے جو لوہار اور ترکھان ہے، ماہر کاریگر ہے، اہل مدینہ کے کام آئے گا اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو مدینہ رہنے کیلئے بھیج دوں گا، حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی، اس غلام پر حضرت مغیرہؓ نے ٹیکس اور خراج رکھا تھا، غلام کو یہ شکایت تھی کہ ٹیکس زیادہ ہے، اس کو کم کرانے کیلئے اس نے حضرت عمرؓ کے سامنے بات رکھی، حضرت عمرؓ نے اس غلام کی کاریگری کا پوچھا اس نے بتا دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے ہنر تو بہت زیادہ ہیں، یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہیں ہے، اس پر یہ غلام غصہ میں آیا اور دل میں حضرت عمرؓ کے قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مجوسی غلام کو ایران کے مجوسیوں نے قتل کیلئے تیار کیا ہو اور مدینہ منورہ کے منافقین جو درحقیقت مجوسیوں کے ایجنٹ تھے اور مدینہ منورہ کے روافض اور شیعہ جو حضرت عمرؓ پر اس وجہ سے غصہ تھے کہ آپ نے ان کی ہزاروں سال پرانی شخصی حکومت گرادی اور "امیر اطوریة ایرانیة ساسانیه" کو پارہ پارہ کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کیا، ان سب عوامل نے ابولؤلؤ کو تیار کیا اور اس نے حضرت عمرؓ کو شہید کیا، یہی وجہ ہے کہ آج ابولؤلؤ کا مزار ایران میں بنایا گیا ہے، اس پر سالانہ میلہ لگتا ہے اور شیعہ ابولؤلؤ مجوسی کو بڑی عزت کے ساتھ بابا شجاع الدین کا لقب دے کر خوش ہوتے ہیں، ابولؤلؤ مجوسی کا نام فیروز تھا۔

بہر حال حضرت عمرؓ نے اس مجوسی غلام سے کہا کہ میں نے سنا ہے تم بہت اچھی چکیاں بناتے ہو، میرے لئے ایک ایسی چکی بنالو جو ہوا کے ذریعہ سے چلتی ہو، غلام نے کہا کہ میں آپ کیلئے ایسی چکی بنالوں گا کہ رہتی دنیا تک مشرق و مغرب میں اس کے تذکرے ہوں گے، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ "هددنی العبد" مجھے اس غلام نے قتل کی دھمکی دی، کچھ دن بعد اس غلام نے ایک زہر آلود دودھاری خنجر تیار کرلیا اور صبح کے وقت مسجد نبوی کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا، حضرت عمرؓ جب مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو فجر کی نماز کیلئے جگانے لگے تو یہ غلام سامنے آیا اور حملہ کردیا، اس نے خنجر سے آپ پر تین وار کیے، جس میں ایک وار ناف کے نیچے لگا اور یہی آپ کی شہادت کا سبب بنا، تفصیلی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ محراب میں نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے اور قرأت شروع کی کہ اچانک آپ کی آواز خاموش ہوگئی، معلوم ہوا کہ آپ پر ابولؤلؤ نے حملہ کیا، آپ نے کہا "والله قتلنی الکلب" پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو نماز کیلئے آگے کیا، انہوں نے سورت عصر اور سورت کوثر کے ذریعہ سے جلدی جلدی نماز پڑھائی اور پھر حضرت عمرؓ کو سنبھال لیا، ابولؤلؤ مجوسی اس حملہ کے بعد بھاگنے لگا اور اپنا دودھاری خنجر صفوں میں دائیں بائیں مارتا رہا، یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو اس نے مارا، جن میں سے سات آدمی شہید ہوگئے، اس دوران حطان بن مالک تمیمی نے ابولؤلؤ پر چادر ڈال دی اور اس کو قابو کرلیا، ابولؤلؤ نے اپنے خنجر سے اپنے آپ کو خود قتل کردیا، یہ واقعہ ۲۷ ذوالحجہ ۲۳ھ کو پیش آیا، سب سے پہلے حضرت ابن عباسؓ آپ کے پاس آئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم معلوم کرو کہ مجھے کس نے قتل کیا، انہوں نے معلوم کرنے بعد آکر بتادیا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کے غلام نے مارا ہے، آپ نے فرمایا: ''وہ کاریگر غلام؟'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو برباد کرے، میں نے تو اس کی بڑی خیر خواہی کی تھی، پھر آپ نے فرمایا "الحمد لله الذی لم یجعل منیتی علی ید أحد یدعی الاسلام"

حاضرین نے آپؓ سے کہا کہ کوئی پریشانی کی بات نہیں، زخم اتنا سخت نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ طبیب کو بلالو کہ وہ زخم کو دیکھے، چنانچہ ایک عرب طبیب لایا گیا، اس نے آپ کو نبیذ پلادی، جو سرخ رنگ سے مل کر ناف کے زخم سے باہر آگئی، مگر صحیح اندازہ نہیں ہوسکا، چنانچہ ایک انصاری حکیم کو بلایا گیا، اس نے آپ کو دودھ پلا دیا جو بالکل صاف سفید زخم سے باہر آگیا، حکیم نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کسی کو خلیفہ مقرر فرمادیں، اب آپ کی عمر آخری ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے سچ بات کہہ دی ہے کہ میری عمر اب ختم ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر اجازت ہو تو مجھے میرے دو محبوبوں کے ساتھ دفن کیا جائے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قبر کی یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی، لیکن میں اپنی ذات پر آپ کو ترجیح دے کر اجازت دیتی ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا میری بڑی تمنا یہی تھی، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں اور میرا جنازہ اٹھے تو دوبارہ جاکر عائشہؓ سے کہو کہ اب عمر دنیا میں نہیں ہے، اب آپ کی کیا رائے ہے، اگر وہ مجھے یہاں اجازت دیں تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے عام قبرستان میں دفنادو، حضرت عائشہؓ نے اجازت دیدی، چنانچہ آپ اپنے محبوبوں کے قدموں میں مسجد نبوی میں حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مدفون ہیں، روافض کے چہرے قیامت تک سیاہ ہوتے رہیں گے۔

"فالخلافة شوریٰ بین هؤلاء الستة" یعنی ان چھ آدمیوں کے مشورہ سے خلافت کی تشکیل ہوگی، حضرت عمرؓ نے ۲۷ ذوالحجہ سے لیکر یکم محرم الحرام تک تین دنوں میں اہم اہم فیصلے کیے، انہی فیصلوں میں سے ایک بڑا فیصلہ یہ تھا کہ آپ نے اپنے بعد خلافت وحکومت کی تشکیل کیلئے ایک شوریٰ مقرر فرمائی کہ یہ چھ آدمی کسی ایک کو امیر المومنین منتخب کرلیں، وہ چھ آدمی یہ ہیں: (۱) حضرت عثمانؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت طلحہؓ (۴) حضرت زبیرؓ (۵) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ آپ کو کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم ودین کے بارے میں اس قابل ہیں کہ ان کو آپ امیر المومنین نامزد کردیں تو آپ نے فرمایا کہ خطاب کی اولاد میں ایک آدمی کافی ہے کہ قیامت میں ان سے خلافت کا حساب کتاب لیا جائے، میں خود چاہتا ہوں کہ اس خلافت کا مجھ پر کوئی عذاب نہ آئے، مجھے ثواب کی حاجت نہیں، بس اتنا ہے کہ عذاب سے بچ جاؤں، پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ظلوم نفسی غیر انی مسلم　　　اصلی الصلوة کلها و اصوم

پھر آپ نے فرمایا کہ ابن عمر کو بطور مبصر اندر بٹھادو تاکہ یہ مایوس نہ ہو، لیکن ان سے رائے نہ لو، نہ کسی کام میں اس کو شریک کرو، اس کے بعد آپ نے ابوطلحہ انصاریؓ سے فرمایا کہ آپ پچاس آدمی لیکر بطور پہرہ دروازہ کے باہر مسلح ہوکر کھڑے ہوجاؤ اور جب تک یہ چھ آدمی کسی ایک کو امیر نہیں بناتے ہیں، ان کو باہر نکلنے نہ دو اور چھ آدمیوں کی شوریٰ سے آپ نے فرمایا کہ اگر اتفاق کے بعد کوئی ایک آدمی اختلاف کرتا ہے تو اس کو قتل کردو، اگر چار متفق ہوگئے اور دو اختلاف کرنے لگے تو دو کو قتل کردو، اگر تین اختلاف کرنے لگے تو جس جانب عبدالرحمٰن بن عوف ہوں، اس جانب کو ترجیح دیدو۔ اس دوران عیادت کیلئے ایک جوان آئے، جب جانے لگے اور حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہے تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ ایسا نہ کرو، یہ جائز نہیں ہے، ٹخنوں سے شلوار اوپر رکھو، یہ تیرے کپڑوں کی پاکی کیلئے بھی مفید ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے بھی اچھا ہے۔

"یطعنون فی هذا الامر" اس حدیث کے مضمون کے بیان کرنے میں شاید راویوں سے کچھ خلط ملط ہوگیا ہے، کیونکہ ان میں سے کچھ

باتیں وہ ہیں جو حضرت عمرؓ نے جمعہ کے خطبہ میں منبر پر عوام کے سامنے بیان کی ہیں اور کچھ باتیں وہ ہیں جو آپ نے زخمی ہونے کے بعد وفات سے پہلے بیان کی ہیں، شوریٰ کی باتیں اور خواب کا قصہ اور کلالہ کا مسئلہ اور پیاز و لہسن کی باتیں یہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران آپ نے بیان کی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ شاید شوریٰ کی بات آخری وقت میں دوبارہ آپ نے بیان فرمائی ہے۔

بہر حال طعن کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں نے شوریٰ کیلئے جو چھ آدمی متعین کیے ہیں، کچھ لوگ اس پر اعتراض کریں گے، علامہ قرطبیؒ نے اس جملے کا یہی مطلب بیان کیا ہے، لیکن قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ خلافت اور تشکیل خلافت کا انکار کریں گے، اس رائے پر یہ اشکال ہے کہ دور اول میں خلافت کی تشکیل کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے، ہاں یہ منقول ہے کہ ایک بڑا طبقہ دور اول میں ایسا گزرا ہے جو اہل بیت کی خلافت کا انکار کرتا تھا، ان کا خیال تھا کہ اہل بیت میں نبوت چلی آئی ہے، لہٰذا خلافت اور نبوت دونوں اعزاز ان کے پاس نہیں ہونا چاہئے۔ (فتح الملہم)

"الکفرة الضلال" سوال یہ ہے کہ ان طعن کرنے والوں کو کافر اور گمراہ کیسے قرار دیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شوریٰ کے تقرر یا خلافت کی تشکیل پر اعتراض کو حلال سمجھنے والا گمراہ کافر ہے یا مطلب یہ ہے کہ اس نے کافروں والا کام کیا، کافر نہیں ہے یا یہ "کفر دون کفر" ہے یا کفرانِ نعمت مراد ہے یا اس سے منافقین مراد ہیں، جن کا کام ہی اعتراض ہے۔

"ان ضربتهم بيدي هذه" یعنی خلافت اور شوریٰ کے تقرر پر طعن کرنے والے ایسے لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے جہاد کیا اور اسلام میں لانے کیلئے ہم نے ان کو اپنے ہاتھوں سے مارا ہے، آج وہ کیسے تشکیل خلافت یا شوریٰ کے تقرر پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ "فان فعلوا" یعنی اگر خلافت اور شوریٰ پر اعتراض کیا یا اس کا انکار کیا تو یہ لوگ اللہ کے دشمن گمراہ ہوں گے۔

"الکلالة" جمہور کی تفسیر کے مطابق کلالہ ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ نہ اس کا باپ ہو اور نہ اولاد ہو۔ "والكلالة عند الجمهور من مات ولم يترك ولدا و لا والدا"

"آیة الصیف" یعنی وہ آیت جو موسم گرما میں نازل ہوئی، چنانچہ آیتوں کی نسبت نزول کے اوقات کی طرف ہوتی ہے۔ "آية الصيف، آية الليل، آية النهار، آية الحضر، آية السفر۔" یہاں سورت نساء کی یہ آیت مراد ہے ﴿ويستفتونك في النسآء قل الله يفتيكم في الكلالة﴾

"طبخا" یعنی اگر لہسن اور پیاز کھانے کا شوق ہے تو پکا کر کھاؤ، کچا نہ کھاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیاز اور لہسن کھانے والے کو بقیع غرقد کے قبرستان تک بھگایا جاتا تھا، جب بدبو زائل ہو جاتی پھر مسجد آتا معلوم ہوا منکر کو ہاتھ ڈال کر روکنا جائز ہے، جبکہ کسی فساد کا خطرہ نہ ہو۔

۱۲٦۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، كِلَاهُمَا عَنْ شَبَابَةَ بْنِ سَوَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، جَمِيعًا عَنْ قَتَادَةَ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ

یہ حدیث بھی سابقہ حدیث (کہ آپ علیہ السلام نے بدبودار اشیاء کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا) کی مثل ہے۔

باب نشد الضالة في المسجد

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا منع ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۶۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ حَيْوَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ، مَوْلَى شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص مسجد میں کسی کو گمشدہ چیز کا اعلان کرتے سنے تو کہے کہ: اللہ تعالیٰ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس مقصد کے لئے نہیں بنائی گئیں۔‘‘

تشریح:

"ینشد" گمشدہ چیز کیلئے جو اعلان ہوتا ہے اس کو نشد ینشد کہتے ہیں اور الضالة گمشدہ چیز کو کہتے ہیں، یعنی مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان نہیں کرنا چاہئے۔

"لا ردها الله علیک" علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کیلئے اگر کوئی شخص اس طرح بددعا کرے تو یہ جائز ہے، مگر دل سے بددعا کی نیت نہ ہو، ہاں اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہے کہ اس طرح بددعا کرنے سے اس شخص کو اور دیگر لوگوں کو عبرت حاصل ہو جائے گی اور وہ آئندہ مساجد میں اس طرح اعلانات نہیں کریں گے تو پھر دل سے بددعا کرنے کی بھی گنجائش ہوگی۔

آج کل مساجد میں ائمہ حضرات کے ساتھ عوام کے اکثر جھگڑے انہی اعلانات پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گمشدہ بچوں کے اعلانات اور جنازوں کے اوقات اور مردوں کی اموات کے اعلانات مساجد سے ہی ہوتے ہیں، بلکہ پنجاب کے اطراف میں سنا ہے کہ مرغیوں اور بکریوں کی گمشدگی کے اعلانات بھی ہوتے ہیں۔ یہ بہت غلط ہے، مساجد کے منتظمین کو چاہئے کہ اعلانات کیلئے مسجد سے باہر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کریں، یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ صرف گمشدہ چیز کے اعلان کی بات نہیں ہے، بلکہ ہر وہ عمل جو مسجد کی تعمیر کے مقاصد کے منافی ہو، اس کا شور مسجد میں کرنا جائز نہیں ہے، سلف صالحین کے ہاں تو مسجد میں کسی سائل کو صدقہ دینا بھی منع تھا، حدیث کا آخری جملہ "فان المساجد لم تبن لهذا" اسی عموم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۱۲۶۴۔ وحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الْمُقْرِءُ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْأَسْوَدِ، يَقُولُ: حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ، مَوْلَى شَدَّادٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا (جو شخص مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان سنے تو کہے کہ اللہ تجھے گمشدہ چیز نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس مقصد کے لئے نہیں ہیں)۔

۱۲۶۵۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا نَشَدَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَنْ دَعَا إِلَى الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا وَجَدْتَ، إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ

حضرت بریدۃؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کون ہے جس نے سرخ اونٹ کو بلایا ہے (کسی نے سرخ اونٹ لیا ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے نہ ملے، مساجد جن کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں انہی کاموں کے لئے ہیں (ان اعلانات کے لئے مساجد نہیں ہیں)۔

۱۲۶۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي سِنَانٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا صَلَّى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: مَنْ دَعَا إِلَى الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا وَجَدْتَ، إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ

حضرت بریدۃؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: سرخ اونٹ کو کس نے بلایا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کرے تجھے نہ ملے۔ مساجد تو صرف انہی کاموں کیلئے بنائی گئی ہیں جن کیلئے ہیں۔

تشریح:

"من دعا الی الجمل الا حمر؟" اس کلام میں اجمال ہے، اس کی تفصیل اس طرح ہے: "ای من رآہ و اطلع علیہ کانہ قال من وجد ضالتی وھو الجمل الاحمر مدعانی الیہ؟ یعنی کس نے میرے سرخ اونٹ کو دیکھا اور اس پر مطلع ہوا ہے؟ گویا اس شخص نے کہا کہ کس نے میرے گمشدہ سرخ اونٹ کو پالیا ہے کہ پھر اس نے مجھے اس کیلئے بلالیا ہے؟ یہ کلام اس شخص کی طرف سے گمشدہ اونٹ کیلئے مسجد میں پورا اعلان تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں "لا وجدت" فرمایا، جو بظاہر نہ ملنے کی بددعا ہے کہ خدا تجھے یہ اونٹ نہ دے۔

۱۲۶۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ بَعْدَ مَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمَا. قَالَ مُسْلِمٌ: هُوَ شَيْبَةُ بْنُ نَعَامَةَ، أَبُو نَعَامَةَ رَوَى عَنْهُ مِسْعَرٌ، وَهُشَيْمٌ، وَجَرِيرٌ، وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْكُوفِيِّينَ

حضرت بریدۃؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز فجر سے فراغت کے بعد آیا اور مسجد کے دروازہ سے سر داخل کر کے کہا: آگے سابقہ حدیث (سرخ اونٹ کو کس نے بلایا؟ الخ) ہی بیان کی۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں محمد بن شیبہ بن نعامہ ہیں اور ابونعامہ سے مسعر، ہشیم، جریر وغیرہ اہل کوفہ نے روایت کی ہے۔

باب السهو فی الصلوة والسجود له

نماز میں سجدہ سہو کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تیس احادیث کو بیان کیا ہے

سجدہ سہوہ کا بیان

سها یسهو نصر ینصر سے ہے، بھولنے کے معنی میں ہے، ابن اثیر نے "نہایہ" میں لکھا ہے کہ "السهو فی الشیٔ ترکه من غیر علم و السهو عن الشیٔ ترکه مع العلم" یہ بہت اچھا فرق ہے، اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کئی بار جو سہو ہوا، وہ پہلی قسم کا سہو تھا، یعنی ترك الشئی من غیر علم اور دوسری قسم کا سہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ہوا، کیونکہ اس کی مذمت قرآن میں وارد ہے ﴿الذین هم عن صلوتهم ساهون﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی قسم کا سہو تکوینی طور پر ہو گیا تا کہ آپ کا عمل امت کیلئے عملی نمونہ بن جائے، شرعی اخبار اور شرعی احکام بیان کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں کوئی سہو نہیں ہوا ہے، ہاں آپ کے افعال میں سہو ہوتا تھا، اس میں حکمت تھی تا کہ امت کے لوگ سہو کے مسائل سیکھیں۔

نماز کے سنن و مستحباب اگر رہ جائیں تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ نماز صحیح رہتی ہے، البتہ اس سنت یا مستحب عمل کا ثواب نہیں ملتا اور اگر نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز سہواً یا عمداً رہ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، جس کا کوئی تدارک نہیں ہے، بلکہ نماز کو لوٹانا اور اعادہ کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

اگر نماز کے واجبات میں سے نمازی نے کسی واجب کو عمداً یا قصداً ترک کر دیا تو اس کا بھی کوئی علاج نہیں ہے، نماز دوبارہ پڑھنا اور اس کا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔

اگر واجب سہواً رہ جائے یا فرض میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو اس صورت میں سجدہ سہو اس کا علاج ہے کہ قعدہ اخیرہ کے سلام کے بعد دو سجدے کرے اور پھر نئے سرے سے تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے، اس کو سجدہ سہو کہتے ہیں۔

۱۲۶۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ، إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ، حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى، فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور اس پر اشتباہ ڈال دیتا ہے چنانچہ اسے یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ لہٰذا جب تم اس طرح کی صورتحال سے دوچار ہو جاؤ تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لیا کرو۔

تشریح:

"حتی لایدری کم صلی "اس بحث میں فقہاء کرام کا اختلاف بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس موضوع سے متعلق جو احادیث ہیں ان پر بحث ہو جائے۔

نماز کے دوران جس شخص کو تعداد رکعات میں شک ہو جائے تو وہ کیا کرے اس بارہ میں احادیث میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی اختلاف ہے۔اس مسئلہ میں چار قسم کی احادیث مختلف انداز سے وارد ہیں۔

(۱) پہلی قسم کی وہ احادیث ہیں جن بناء علی الاقل کا حکم ہے کہ اگر شک دو رکعات یا تین میں مثلاً ہو گیا تو دو کو شمار کرے اور اگر چار اور تین رکعات میں تردد ہوا تو تین شمار کرے۔فصل اول کی دوسری حدیث میں یہی حکم مذکور ہے اور اس باب کی آخری حدیث میں بھی یہی حکم مذکور ہے۔

(۲) دوسری قسم کی احادیث وہ ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شک کی صورت میں "تحری "اور سوچ بچار کر کے غالب گمان اور جانب راجح پر عمل کرے جیسے اس باب میں فصل اول کی حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ "و اذ شك احد کم فی الصلوۃ فلیتحر الصواب"

(۳) تیسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں یہ حکم مذکور ہے کہ شک کی صورت میں نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہئے،اس قسم کی روایت طبرانی میں موجود ہے،الفاظ یہ ہیں۔

"عن عبادہ بن الصامت ان رسول اللہ ﷺ سئل عن رجل سھا فی صلوۃ فلم یدر کم صلی فقال لیعد صلو تہ" (بحوالہ اعلاء السنن)

(۴) چوتھی قسم وہ روایات ہیں جو مجمل ہیں،اس میں کوئی تفصیل نہیں صرف اتنا بیان ہے کہ سہو کی صورت میں سجدہ سہو کرے۔

فقہاء کا اختلاف

ان مختلف روایات کے پیش نظر فقہاء کرام نے اپنی فقہی نظر سے کسی نہ کسی حدیث پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے،چنانچہ امام شعبی اور اوزاعی شام نے فتویٰ دیا کہ شک کی صورت میں ہر حالت میں نماز کا اعادہ لازم ہے،انہوں نے تیسری قسم کی روایات پر عمل کیا ہے۔

حسن بصریؒ اور بعض سلف نے چوتھی قسم کی مجمل و مبہم روایات پر فتویٰ دیا ہے کہ ہر حالت میں سجدہ سہو کرے،یہی کافی ہے خواہ رکعات کی تعداد میں شک ہو یا کچھ بھی ہو،صرف سجدہ سہو کرے۔

امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اصولی طور پر فتویٰ دیا ہے کہ بناء علی الاقل کرے،شک کو چھوڑ دے اور یقین پر عمل کرے۔ان حضرات نے پہلی قسم کی روایات پر عمل کیا ہے۔

مندرجہ بالا فقہاء نے کسی ایک قسم کی احادیث کو لیا ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے۔امام ابو حنیفہؒ اور ائمہ احناف نے ان سب روایات پر عمل کرنے کی عجیب صورت بتائی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ یہ روایات مختلف اشخاص کے حالات پر محمول ہیں۔

مثلاً اگر کسی شخص کو کبھی شک نہ ہوا ہو،پہلی مرتبہ اس کو شک کا عارضہ لاحق ہو گیا ہو تو یہ شخص استیناف کرے،یعنی پہلی والی نماز کو توڑ کر چھوڑ دے اور نئے سرے سے نماز پڑھے،استیناف کی روایات اسی پر محمول ہیں۔

اگر کسی شخص کی عادت یہ ہو کہ وہ بھولتا رہتا ہے اور اس کو شک ہوتا رہتا ہے تو ایسا شخص تحری اور سوچ بچار کرے اور صحیح صورت معلوم کرنے کی کوشش کرے، تحری والی روایات ایسے ہی شخص پر محمول ہیں، یہ غالب گمان پر عمل کرے اور اگر شک کی صورت ایسی ہے کہ وہ مساوی ہے، جانب راجح کا فیصلہ نہیں ہوسکتا تو ایسی صورت میں بناء علی الاقل کی روایات پر عمل کرے اور مجمل روایات کو انہی تین صورتوں پر حمل کیا جائے، اس طرح تمام روایات پر عمل ہو جائے گا۔ فلله در ابی حنیفة ما ادق نظره و الطف فكره۔

١٢٦٩۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَهُوَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ

حضرت زہریؒ سے اس سند کے ساتھ بھی سابقہ حدیث (اگر نماز میں شیطان کی وجہ سے بھول جائے تو دو سجدے کرے) منقول ہے۔

١٢٧٠۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا نُودِيَ بِالْأَذَانِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ الْأَذَانَ، فَإِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ يَخْطُرُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَمْ صَلَّى، فَإِذَا لَمْ يَدْرِ أَحَدُكُمْ كَمْ صَلَّى فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ "

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اذان ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے آواز سے ہوا خارج کرتا ہوا اور اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اذان کی آواز سنائی نہ دے۔ پھر جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے، جب تثویب ہوتی ہے (یعنی نماز کا دوبارہ تلقین کی جاتی ہے) تو پھر بھاگ اٹھتا ہے۔ جب تثویب پوری ہو جاتی ہے تو آجاتا ہے اور انسان (نمازی) کے قلب میں وسوسے ڈالتا ہے اسے کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں چیز یاد کر (مختلف باتیں یاد دلاتا ہے) ایسی باتیں جو نمازی کو کبھی یاد بھی نہیں آتیں اور نمازی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ اسے یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعات پڑھیں، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو یاد نہ رہے تو اسے چاہئے کہ بیٹھ کر دو سجدے کرلے۔

١٢٧١۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ وَلَّى وَلَهُ ضُرَاطٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَزَادَ فَهَنَّاهُ وَمَنَّاهُ، وَذَكَّرَهُ مِنْ حَاجَاتِهِ مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز کی تکبیر کہی جاتی ہے تو شیطان زور کی آواز سے ہوا خارج کرتا بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور نماز میں آکر اسے رغبتیں اور آرزوئیں یاد دلاتا ہے اس کی ایسی

ضروریات یاد دلاتا ہے کہ اسے کبھی یاد بھی نہ آتی تھیں۔

تشریح:

"اذا ثُوِّبَ "تثویب سے یہاں نماز کی اقامت مراد ہے۔"ولی" مڑکر بھاگنے کے معنی میں ہے۔"وله ضراط" گوز مارنے کے معنی میں ہے، تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

"فَهَنَاهُ وَ مَنَاهُ " یہ دولفظ ایک دوسرے کے وزن پر ہیں، دونوں مشدد ہیں، ھناء کے اخر میں ہمزہ ہے، مگر مناہ کی برابری کیلئے اس کو حذف کیا گیا ہے، دونوں کلمے تمنا کے معنی میں ہیں۔ ''ای هناه بامور الدنيا و ذكره الامانى قال القاضى "هناه" اى اعطاه من الامانى و مناه ذكره الامانى فالمعنى واحد و المقصود بالتكرير التاكيد قال فى النهاية المراد به ما يعرض الانسان فى صلوته من احاديث النفس و تسويل الشيطان۔" اگر مناہ کے لفظ کو ھناہ کیلئے بے معنی تابع بنایا جائے تو یہ بھی ممکن ہے جیسے روٹی شوٹی چائے شائے۔

"وذکرہ" یہ بھی شد کے ساتھ ہے، یعنی انسان کو اس کی ضروریات وحاجات سامنے لاکر شیطان یاد دلاتا ہے۔

۱۲۷۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ، ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، قَبْلَ التَّسْلِيمِ، ثُمَّ سَلَّمَ

حضرت عبداللہؓ بن بحینہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں ہمیں دو رکعات پڑھائیں اور دو رکعت کے بعد (قعدۂ اولیٰ کئے بغیر) کھڑے ہوگئے اور بیٹھے نہیں۔ سب لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے، جب آپ نے نماز مکمل کرلی اور ہم آپ کے سلام کے منتظر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور دو سجدے ادا کئے بیٹھے بیٹھے سلام سے قبل اور پھر آخر میں سلام پھیرا۔

تشریح:

"عن عبد الله بن بحينة " یہ عبارت غلط ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: "عن عبد الله بن مالك ابن بحينة" یہاں عبداللہ ماں اور باپ دونوں کی طرف منسوب ہے، مالک صاحب، بحینہ کا شوہر ہے اور عبداللہ کا باپ ہے، بحینہ عبداللہ کی ماں ہے، عبداللہ بہت بڑے عابد فاضل اور صائم الدہر صحابی تھے۔

"قبل التسليم ثم سلم "اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہے، اس بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا سجدہ سہو سلام سے پہلے ہے یا بعد میں، تاہم یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ افضل غیر افضل کا ہے۔

فقہاء کا اختلاف

شوافع حضرات سجدہ سہو کو مطلقاً سلام سے پہلے مانتے ہیں اور اسی کو افضل گردانتے ہیں، مالکیہ حضرات کے نزدیک اگر سجدہ سہو کا وجوب نماز میں کسی زیادتی کی وجہ سے ہو تو پھر سجدہ سہو سلام کے بعد افضل ہے اور اگر اس کا وجوب کسی نقصان کی وجہ سے ہو تو پھر سلام سے قبل سجدہ افضل ہے، امام مالکؒ کے اس فرق کرنے کو یاد رکھنے کیلئے علماء نے حروف کا اشارہ دیا ہے کہ "القاف بالقاف" یعنی نقصان کی صورت میں قبل السلام ہے، نقصان میں بھی قاف ہے اور قبل السلام میں بھی قاف ہے اور "الدال بالدال" یعنی زیادت کی صورت میں بعد السلام ہے دونوں میں دال ہے، یہاں دلچسپی اور معلومات کی غرض سے حروف کے ذریعہ سے چند اور اشارات بھی سمجھ لیں کہ قابیل کے قاف سے اشارہ ہے کہ وہ ھابیل کا قاتل ہے، ھابیل مقتول ہے، جس کے نام کا پہلا حرف قاف ہے، وہ قاتل ہے۔

چار آسمانی کتابوں کے نام اور جس نبی پر نازل ہوئیں، اس کا نام اور جس لغت میں نازل ہوئیں اس کا نام یوں سمجھیں۔

"فعم" فرقان مجید، عربی زبان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

"تعم" یعنی تورات، عبرانی زبان میں موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

"اسع" یعنی انجیل، سریانی زبان میں عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

"زید" یعنی زبور، یونانی زبان میں داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

اسی طرح یہ معلوم کرنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات معراج کی رات کس نبی سے ہوئی، نبی کے نام کا پہلا حرف اور پہلا آسمان اسی ترتیب سے ساتھ آسمانوں میں ہر نبی سے ملاقات معلوم کرنا ہو تو اس کیلئے "اعیاھما" کا کلمہ ہے، ہر نبی کے نام کا پہلا حرف اس جملہ سے لیا جائے اور اسی ترتیب سے آسمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نبی کی ملاقات کو معلوم کیا جائے۔

مثلاً آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان میں ملاقات ہوئی، حضرت عیسیٰ سے دوسرے آسمان میں ملاقات ہوئی، اسی طرح حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت ابرہیم علیہم السلام کو ترتیب وار سمجھ لیا جائے۔

اسی طرح جلالین کے کس حصہ کا مصنف کون ہے تو سیوطی اور محلی میں دیکھا جائے کہ حروف ہجا میں کونسا حرف مقدم ہے اور کس مصنف کے نام کا حرف ہے تو سین ترتیب میں مقدم ہے، لہٰذا سیوطی جلالین کے پہلے حصہ کے مصنف ہیں، میم آخر میں ہے تو محلی آخری حصہ کے مؤلف ہیں۔

بہر حال امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک موقع ومحل کے مناسب قبل السلام پر عمل کیا یا بعد السلام پر عمل کیا، سب جائز ہے اور یہ اختلاف افضلیت کا ہے۔ ہر طرف صحیح حدیث موجود ہے۔ امام مسلمؒ نے اس باب میں آگے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "سجد سجدتی السهو بعد السلام و الكلام" اسی طرح امام مسلمؒ نے اس باب میں آگے ابو ہریرہؓ کی حدیث نقل فرمائی ہے، اس میں "ثم سجد سجدتين بعد التسليم" کے واضح الفاظ موجود ہیں جو احناف کی دلیل ہے، اس کے بعد عمران بن حصینؓ کی روایت میں پہلے سلام اور پھر سجدہ سہو اور پھر سلام کا ذکر ہے، اس باب کی آخری روایت میں بھی اسی طرح ہے، یہ سب احناف کے مسلک کے دلائل ہیں، شوافع کے دلائل بھی واضح طور پر مذکور ہیں، یہ افضل غیر افضل کا اختلاف ہے، دونوں جائز ہے۔

۱۲۷۳۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَسَدِيِّ، حَلِيفِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ، فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ، قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ، مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ

حضرت عبداللہؓ بن بحینہ الاسدیؓ جو بنوعبدالمطلب کے حلیف تھے سے روایت ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بیٹھنا (دو رکعت کے بعد) بھول گئے اور کھڑے ہو گئے، نماز پوری کرنے کے بعد آپ نے دو سجدے کئے ہر سجدہ میں تکبیر کہی اور بیٹھے بیٹھے دونوں سجدے کئے، سلام سے قبل۔ اور سب لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سجدے کئے، جس کا مقصد قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنے کی تلافی تھی۔

۱۲۷۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَزْدِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي الشَّفْعِ الَّذِي يُرِيدُ أَنْ يَجْلِسَ فِي صَلَاتِهِ، فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ سَجَدَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ سَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ الازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے جس شفعہ کے بعد بیٹھنا چاہتے تھے (قعدۂ اولیٰ میں) اس میں آپ کھڑے ہو گئے (بھول کر) اور نماز پوری کر لی، جب نماز کے بالکل اختتام پر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے ذرا پہلے سجدہ کیا پھر سلام پھیرا۔

۱۲۷۵۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ دَاوُدَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا، فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ، وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تین یا چار؟ تو اسے چاہئے کہ شک کو دور کرے اور حاصل شدہ یقین پر عمل کرے (یعنی اگر تین کا یقین ہو اور چوتھی میں شک ہو تو چوتھی پڑھ لے اور اگر چار کا یقین ہو تو اس پر عمل کرے) پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے اور اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لیں تو یہ دو سجدے مل کر چھ ہو جائیں گی (اور ایک شفعہ یعنی دو رکعات نفل کا ثواب مل جائے گا) اور اگر چار ہی پوری پڑھی ہیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا باعث ہو جائیں گے (امام شافعیؒ نے اسی حدیث سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ان کا عمل اس حدیث پر ہے)۔

تشریح:

"فليطرح الشك" یعنی جس میں اس کو شک ہے اس شک والی صورت کو کالعدم سمجھ لے اور یقین والی صورت کو اپنائے، مثلاً اسی حدیث میں تین اور چار میں شک ہو گیا تو مشکوک صورت چار کی ہے اور یقینی صورت تین رکعات کی ہے تو نمازی کو چاہئے کہ چار کو چھوڑ تین پر فیصلہ کرے اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدہ کرے۔

"فان كان صلى" یہ فاء تفریع و تفصیل کیلئے ہے اس سے حدیث کے سابقہ ضابطہ کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے، تفصیل کا خلاصہ یہ ہے اگر نمازی نے فی الواقع چار رکعات پڑھی تھیں اور اب اضافی رکعت کی وجہ سے اس کی رکعات پانچ ہو گئیں تو سجدہ سہو کے یہ دو سجدے ایک رکعت کے قائم مقام ہو کر چھ رکعات بن جائیں گی۔ تو "شفعن له صلوته" کا جو جملہ ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ ان دو سجدوں نے اس شخص کی طاق نماز کو جفت بنا دیا یعنی پانچ رکعات کو چھ کر دیا۔

"وان كان" یعنی اگر فی الواقع تین رکعات پڑھی تھیں اور اب ایک رکعت کے اضافہ کرنے سے چار رکعتیں بن گئیں تو اب دو سجدوں کو ایک رکعت کے قائم مقام بنانے کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا دو سجدے شیطان کو ذلیل و خوار کرنے کیلئے ہو گئے کیونکہ شیطان نے نمازی کو شک میں ڈالا تھا تا کہ اس کی نماز کو کم کر سکے لیکن نمازی نے دو سجدے اضافی کر کے شیطان کے کانوں اور منہ میں روئی ٹھونس دی "الحمد لله على ذلك۔"

۱۲۷۶۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عَمِّي عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنِي دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَفِي مَعْنَاهُ قَالَ: يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ السَّلَامِ كَمَا قَالَ: سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ

اس سند کے ساتھ سابقہ حدیث (کہ نماز میں اگر شک ہو تو چاہئے کہ شک دور کرے) منقول ہے کہ سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے جیسا کہ سلیمان بن بلال نے بیان کیا ہے۔

۱۲۷۷۔ وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ، وَأَبُو بَكْرٍ، ابْنَا أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ - قَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ إِبْرَاهِيمُ: زَادَ أَوْ نَقَصَ - فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَثَنَى رِجْلَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ، وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ

علقمہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کچھ زیادتی یا کمی ہو گئی (نماز میں جب آپ نے سلام پھیر لیا تو آپ سے کہا گیا، یا رسول اللہ! کیا نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس طرح نماز پڑھی ہے، (یہ سن کر) آپ نے اپنے دونوں قدم

قبلہ رخ موڑے، قبلہ کا رخ کیا اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں وہ ضرور بتلاتا، لیکن میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو، میں بھی بھول جاتا ہوں۔ لہٰذا اگر میں کبھی بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کی نماز میں شک ہو جائے تو وہ صحیح بات پر غور کرے (اور اپنی غالب رائے جس طرح ہو اس پر عمل کر کے) نماز پوری کرلے پھر دو سجدے کرلے۔

۱۲۷۸۔ حَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ بِشْرٍ، ح، قَالَ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، كِلَاهُمَا عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ مَنْصُورٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ بِشْرٍ فَلْيَنْظُرْ أَحْرَى ذَلِكَ لِلصَّوَابِ وَفِي رِوَايَةِ وَكِيعٍ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ

یہ حدیث بھی سابقہ حدیث (یعنی آپ علیہ السلام نماز میں بھول گئے پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یاد دلانے کی وجہ سے دو سجدے کئے) کی مثل ہے۔ کچھ الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ۔

۱۲۷۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ مَنْصُورٌ: فَلْيَنْظُرْ أَحْرَى ذَلِكَ لِلصَّوَابِ

اس سند کے ساتھ بھی سابقہ حدیث (نماز میں کمی وبیشی ہونے آپ علیہ السلام نے دو سجدے ادا کر کے تدارک کیا) مذکور ہے لیکن اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب شبہ پیدا ہو جائے تو غور کرے درستگی کیلئے یہی چیز مناسب ہے۔

۱۲۸۰۔ حَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (کہ آپ علیہ السلام نے نماز میں کمی بیشی کی پھر صحابہ کے مطلع کرنے پر دو سجدے ادا کئے) منقول ہے۔

۱۲۸۱۔ حَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: فَلْيَتَحَرَّ أَقْرَبَ ذَلِكَ إِلَى الصَّوَابِ

منصور نے اس سند سے یہ الفاظ بیان کئے ہیں کہ جو صحیح ہو اس کے متعلق سوچے۔

۱۲۸۲۔ وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ مَنْصُورٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: فَلْيَتَحَرَّ الَّذِي يَرَى أَنَّهُ الصَّوَابُ

اس حدیث کے مثل بھی سابقہ حدیث (کہ اگر نماز میں شک ہو جائے تو شک دور کرتے) منقول ہے۔ مگر اس میں یہ ہے کہ تحری کرے یہ زیادہ صحیح ہے۔

۱۲۸۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، عَنْ مَنْصُورٍ، بِإِسْنَادِ هَؤُلَاءِ، وَقَالَ:

فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ "

یہ حدیث بھی پچھلی حدیث کی مثل ہے (یعنی یہ کہ نماز میں شک آنے پر صحیح بات تک پہنچنے کیلئے تحری کرے)۔

١٢٨٤ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا ، فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ظہر کی پانچ رکعات پڑھ لیں، آپ سے کہا گیا کہ کیا نماز میں زیادتی ہوگئی ہے؟ فرمایا وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کئے۔

تشریح:

"صلی الظھر خمسا" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، مگر چار رکعت کے بجائے پانچ پڑھ لیں، اتنی بات تو واضح ہے لیکن یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ اخیرہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ پانچویں رکعت کی طرف اٹھنے کی وجہ سے سجدہ سہو کافی ہے خواہ قعدہ اخیرہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، سجدہ سہو ہر صورت کے لئے کافی شافی ہے۔

ائمہ احناف کے ہاں یہ مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے، وہ اس طرح کہ اگر نمازی پانچویں رکعت کیلئے قعدہ اخیرہ کے بغیر اٹھا تو جب تک اس نے رکعت کو رکوع اور سجدہ کے ساتھ نہیں ملایا ہو تو واپس آجائے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے، نماز درست ہو جائے گی لیکن اگر رکعت کو سجدہ کے ساتھ ملایا تو اب یہ شخص بیٹھ کر سلام نہیں پھیر سکتا بلکہ ایک رکعت اور ملائے اور چھ رکعت مکمل کرلے اب فرض میں نفل داخل کرنے سے فرض باطل ہو گیا اور یہ چھ رکعت نفل بن گئیں، فرض نماز پھر پڑھ لے، اس طرح صورت اگر عصر یا فجر کی نمازوں میں پیش آئے تو اس میں بھی دو رکعت مزید ملائے، تمام رکعات نفل بن جائیں گی، یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ عصر و فجر کے بعد تو نفل جائز نہیں ہے، یہاں کیسے جائز ہوگئی، اس کا جواب یہ ہے کہ اب تک تو فرض نماز مکمل نہیں ہوئی ہے لہٰذا یہ نفل بعد الفرض نہیں بلکہ قبل الفرض ہے اور اگر یہ صورت مغرب کی نماز میں پیش آجائے تو وہاں صرف ایک رکعت مزید ملا کر چار نفل پر سلام پھیر دیا جائے فرض پھر پڑھ لے۔

شوافع حضرات اپنے موقف پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں قعدۂ اخیرہ کے چھوڑنے نہ چھوڑنے کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا اس تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ ہر دو صورت میں صرف سجدہ سہو نماز کی صحت کیلئے کافی ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صلی الظھر کے الفاظ ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صورت وہ تھی کہ قعدہ اخیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تھے اور پھر پانچویں رکعت کیلئے کھڑے ہو گئے تھے کیونکہ صلی الظھر کے ظاہری الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ ظہر کی نماز مکمل پڑھ لی تھی، ایسی صورت میں صرف سجدہ سہو کافی ہوتا ہے، اگر قعدہ اخیرہ رہ جانے کی صورت ہوتی تو فرض نماز دوبارہ لوٹائی جاتی۔

سجدہ سہو کیلئے سلام کا طریقہ اور پھر سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر امام ہے تو صرف دائیں طرف سلام پھیر دے، کیونکہ دونوں طرف سلام پھیرنے سے مسبوقین میں انتشار پیدا ہوگا اور اٹھ کر بقیہ نماز شروع کر دیں گے اور اگر منفرد آدمی سجدہ سہو کرتا ہے تو راجح یہی ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر پھر سجدہ کرے اور پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

۱۲۸۵۔ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، أَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ خَمْسًا، ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سُوَيْدٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا عَلْقَمَةُ الظُّهْرَ خَمْسًا، فَلَمَّا سَلَّمَ، قَالَ الْقَوْمُ: يَا أَبَا شِبْلٍ قَدْ صَلَّيْتَ خَمْسًا، قَالَ: كَلَّا، مَا فَعَلْتُ، قَالُوا: بَلَى، قَالَ: وَكُنْتُ فِي نَاحِيَةِ الْقَوْمِ، وَأَنَا غُلَامٌ، فَقُلْتُ: بَلَى، قَدْ صَلَّيْتَ خَمْسًا، قَالَ لِي: وَأَنْتَ أَيْضًا، يَا أَعْوَرُ تَقُولُ ذَاكَ؟ قَالَ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَانْفَتَلَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا، فَلَمَّا انْفَتَلَ تَوَشْوَشَ الْقَوْمُ بَيْنَهُمْ، فَقَالَ مَا شَأْنُكُمْ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ زِيدَ فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: لَا، قَالُوا: فَإِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَانْفَتَلَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ وَزَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِي حَدِيثِهِ فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ

ابراہیمؒ بن سوید کہتے ہیں کہ علقمہؒ نے ظہر کی نماز کی امامت کی تو پانچ رکعات پڑھا دیں۔ جب سلام پھیرا تو قوم نے کہا کہ اے ابوشبل! آپ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ: میں نے ہرگز پانچ نہیں پڑھیں۔ لوگوں نے کہا کہ: کیوں نہیں (آپ نے پانچ ہی پڑھی ہیں) ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ میں قوم کے ایک طرف کنارے میں تھا کیونکہ کم عمر لڑکا تھا، میں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے پانچ ہی پڑھی ہیں۔ علقمہؒ نے مجھ سے کہا او کانے! تو بھی یہی کہتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! یہ سن کر وہ مڑے، دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ بعد ازاں فرمایا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری امامت فرمائی تو پانچ رکعات پڑھیں۔ جب آپ فارغ ہو کر مڑے تو لوگوں میں کھسر پھسر ہونے لگی آپس میں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا ہوا تمہیں؟ وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ فرمایا کہ نہیں! انہوں نے کہا کہ پھر آپ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں۔ چنانچہ آپ مڑے اور دو سجدے کر کے سلام پھیرا۔ اس کے بعد فرمایا: میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس کو نماز میں نسیان ہو جائے تو دو سجدے کر لے۔

۱۲۸۶۔ وَحَدَّثَنَاهُ عَوْنُ بْنُ سَلَّامٍ الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ النَّهْشَلِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ أَزِيدَ فِي

الصَّلَاةِ، قَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: صَلَّيْتَ خَمْسًا، قَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَذْكُرُ كَمَا تَذْكُرُونَ وَأَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پانچ رکعات پڑھا دیں۔ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ فرمایا وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں۔فرمایا کہ: میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، جیسے تمہیں یاد رہتا ہے، مجھے بھی یاد رہتا ہے اور جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے سہو کے فرمائے۔

۱۲۸۷۔ وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَزَادَ أَوْ نَقَصَ - قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَالْوَهْمُ مِنِّي - فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ فَقَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، ثُمَّ تَحَوَّلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو کچھ زیادتی یا کمی کی (راوی حدیث ابراہیم فرماتے ہیں کہ یہ وہم میری جانب سے ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا نماز میں کچھ زیادتی کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔لہٰذا جب تم میں سے کوئی بھول جائے تو بیٹھے ہوئے دو سجدے کرے (غرضیکہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے اور دو سجدے کیے۔

۱۲۸۸۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا حَفْصٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَالْكَلَامِ -

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور کلام کے بعد دو سجدے سہو کے ادا فرمائے۔

۱۲۸۹۔ وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِمَّا زَادَ أَوْ نَقَصَ - قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَايْمُ اللهِ مَا جَاءَ ذَاكَ إِلَّا مِنْ قِبَلِي - قَالَ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ فَقَالَ: لَا قَالَ فَقُلْنَا لَهُ الَّذِي صَنَعَ، فَقَالَ: إِذَا زَادَ الرَّجُلُ أَوْ نَقَصَ، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَالَ: ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ

حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر یا تو زیادتی کی یا کمی کر دی (ابراہیم کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ وہم (کہ زیادتی ہوئی یا کمی) میری طرف سے ہی ہے حضرت عبداللہ ؓ کی طرف

سے نہیں) ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! تو ہم نے وہ بات یاددلائی جو آپ سے صادر ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آدمی نماز میں کچھ زیادتی کرے یا کمی کرے تو وہ دوسجدے کرے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوسجدے کئے۔

۱۲۹۰۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ، إِمَّا الظُّهْرَ، وَإِمَّا الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَتَى جِذْعًا فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَاسْتَنَدَ إِلَيْهَا مُغْضَبًا، وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَهَابَا أَنْ يَتَكَلَّمَا، وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ، قُصِرَتِ الصَّلَاةُ، فَقَامَ ذُو الْيَدَيْنِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ؟ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِينًا وَشِمَالًا، فَقَالَ: مَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟ قَالُوا: صَدَقَ، لَمْ تُصَلِّ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ، قَالَ: وَأُخْبِرْتُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ قَالَ: وَسَلَّمَ.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دونمازوں میں سے کوئی ظہر یا عصر ہمیں پڑھائی اور دورکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ پھر آپ مسجد کے قبلہ کی دیوار کے پاس آئے اور لکڑی سے ٹیک لگائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں تھے، قوم میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، وہ دونوں بھی ہیبت کے مارے گفتگو نہ کرسکے، جلد باز لوگ یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ نماز میں کمی ہوگئی، حضرت ذوالیدینؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: یارسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ کونسیان ہوگیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں دیکھا اور فرمایا: ذوالیدین کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ انہوں نے سچ کہا، آپ نے صرف دورکعات پڑھی ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دورکعات پڑھیں اور سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہہ کر ایک سجدہ کیا، تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا، پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا، پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا۔ عمرانؓ بن حصین نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے سلام پھیرا۔

تشریح:

"فقام ذو الیدین "یعنی صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سے ذوالیدین کھڑے ہوگئے اور سوال کیا کہ یارسول اللہ! نماز میں اختصار ہوگیا یا آپ بھول گئے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ بھی نہیں ہوا، ذوالیدین نے کہا کچھ تو ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا کہ ذوالیدین کیا کہتا ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا: یہ سچ کہتا ہے، اس طویل کلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جاری رکھا اور سجدہ سہو کر کے نماز کو صحیح قرار دیا، اب فقہاء کرام کے درمیان یہ مسئلہ پیدا ہوگیا کہ آیا نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں اور نماز میں کلام نسیاناً وعمداً جائز ہے یا نہیں؟

یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں فقہاء کا زبردست اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتداء اسلام میں نماز میں ایک حد تک کلام کرنا جائز تھا، پھر منسوخ ہوگیا، اب فقہاء کے درمیان اس نسخ کی تفصیل میں اختلاف ہے کہ آیا ہر قسم کا کلام مکمل طور پر منسوخ ہوگیا ہے یا بعض قسم کے کلام کرنے کی اب بھی اجازت ہے، چنانچہ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شوافع کے ہاں اصلاح صلوٰۃ کیلئے قلیل کلام کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ نسیاناً ہو، نسیاناً سے ان کی مراد یہ ہے کہ نمازی کو یاد نہ رہا کہ میں نماز میں کھڑا ہوں اور اس نے نماز کی اصلاح کیلئے کہہ دیا قعدہ کرو، کھڑے ہوجاؤ، آگے مت آؤ، میں نماز پڑھ رہا ہوں، نماز میں قعدہ رہ گیا، دوسرا نمازی کہتا ہے نہیں نہیں، یا جیسے زیر بحث حدیث میں ذوالیدین کا کلام ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اصلاح صلوٰۃ کیلئے اگر قصداً وعمداً بھی کلام کیا جائے تو جائز ہے، اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

امام احمد بن حنبلؒ کے کلام میں شدید اضطراب ہے، ہر طرف ان کا ایک ایک قول ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اقوال ہیں، ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ مجموعی اعتبار سے اس مسئلہ میں جمہور کچھ فرق کے ساتھ ایک طرف کھڑے ہیں اور ائمہ احناف دوسری طرف کھڑے ہیں۔ ائمہ احناف کے ہاں نماز کے دوران ہر قسم کا کلام منسوخ ہو چکا ہے، اب ہر قسم کا کلام مفسد صلوٰۃ ہے خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو خطاءً یا قصداً ہو قلیل ہو یا کثیر ہو، کسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دلائل

جمہور نے زیر بحث حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ایک نمازی ذوالیدین نے بھی دوران نماز کلام کیا اور صحابہؓ نے بھی کلام کیا، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کلام فرمایا اور پھر سب نے سجدہ سہو کر کے نماز پڑھی، نماز کا اعادہ نہیں کیا، معلوم ہوا کہ کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، شوافع حضرات اس کلام کو نسیاناً پر حمل کرتے ہیں اور مالکیہ حضرات اس کو اصلاح صلوٰۃ کیلئے قصداً اور عمداً پر حمل کرتے ہیں۔

جمہور نے اس باب کی عمران بن حصین کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، اس میں بھی اسی طرح مضمون ہے بلکہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے بعد گھر جانے اور واپس آنے اور کلام کرنے کا بیان ہے۔ جمہور نے اس باب کی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس میں صحابہؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے کلام کرنے کا ذکر ہے اور پھر صرف سجدہ سہو کافی سمجھا گیا، معلوم ہوا کہ کلام قلیل جو اصلاح صلوٰۃ کیلئے ہو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

ائمہ احناف اور سفیان ثوریؒ کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔

۱۔ احناف کی پہلی دلیل حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ کی روایت ہے جو باب کی پہلی حدیث ۱۱۹۸ ہے، جو باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ میں حدیث ۱۱۹۸ ہے، جس میں ایک قصہ بھی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس" امام مسلمؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، یہ واضح تر دلیل ہے کہ نماز میں پہلے کلام ہوتا تھا پھر منسوخ ہوگیا، اب نماز میں ذکر اللہ و تسبیح اور تلاوت قرآن کے سوا کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

۲۔ ائمہ احناف کی دوسری دلیل باب تحریم الکلام فی الصلوۃ میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث نمبر ۱۲۰۰ ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے سلام کا جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران نہیں دیا اور پھر فرمایا "ان فی الصلوۃ لشغلا" مطلب وہی ہے کہ کلام الناس کی گنجائش نہیں ہے، نماز کے اپنے مشاغل بہت ہیں۔

۳۔ احناف کی تیسری دلیل ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے، اس میں واضح الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے دین کے احکام میں تبدیلی کرتا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "وان مما احدث الاتتکلموا فی الصلوۃ" یعنی اب جو اللہ تعالیٰ نے تبدیلی فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو۔

۴۔ احناف کی مضبوط دلیل جو کلام فی الصلوٰۃ کے نسخ پر واضح دلیل ہے اور قرآن کریم کی آیت سے استدلال بھی ہے وہ حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے جو امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں باب تحریم الکلام فی الصلوۃ میں ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوۃ حتی نزلت ﴿وقوموا لِله قانتين﴾ فامرنا بالسکوت ونهينا عن الکلام" (مسلم ج ۱ ص ۲۰۴)

حدیث ذوالیدین کا جواب:

ائمہ احناف زیر بحث حضرت ابوہریرہ کی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کلام کا یہ واقعہ ابتداء اسلام کا ہے جس وقت نماز میں کلام کرنے کی اجازت تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ جمہور ذوالیدین کے اس واقعہ سے تب استدلال کر سکتے ہیں کہ وہ یہ بات ثابت کردیں کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے کے بعد کا ہے حالانکہ وہ اس کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ہے تحقیق وتفصیل ملاحظہ کریں۔

ذوالیدین کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز میں کلام ابتداء میں ہوتا تھا پھر منسوخ ہوگیا ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ ذوالیدین کا یہ واقعہ "نسخ الکلام" سے پہلے پیش آیا ہے یا نماز میں کلام کے منسوخ ہونے کے بعد پیش آیا ہے شوافع اور مالکیہ بلکہ جمہور فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ واقعہ نسخ الکلام کے بعد کا ہے، لہٰذا جس حد تک نماز میں کلام کرنے کی گنجائش اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے، اسی حد تک کلام کرنے کے ہم قائل ہیں۔

ائمہ احناف کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالیدین کا یہ واقعہ نسخ الکلام سے پہلے پیش آیا تھا، اس کے بعد مکمل طور پر نماز میں کلام پر پابندی لگادی گئی جس پر کئی دلائل دیئے جاچکے ہیں۔

اب دونوں جانب سے قرائن سے معلوم کرنا ہوگا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا۔

جمہور کی طرف سے ایک قرینہ:

ایک قرینہ کے طور پر جمہور فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کی اس حدیث اور واقعہ کو حضرت ابوہریرہؓ جب نقل کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں۔ "صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم" ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ذوالیدین کے اس واقعہ میں خود موجود

تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ ۷ھ میں اسلام لائے ہیں اور نسخ الکلام فی الصلوۃ کا حکم بہت پہلے آچکا تھا، معلوم ہوا نماز میں ایک حد تک کلام کی اجازت اب بھی ثابت ہے جو اس عام نسخ کے بعد بھی باقی ہے جس نسخ پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

جواب: حضرت ابو ہریرہؓ بیشک ۷ھ میں اسلام لائے تھے، لیکن "صلی بنا" کے الفاظ سے یہ یقین کر لینا کہ خود ابو ہریرہؓ اس واقعہ میں موجود تھے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے الفاظ سے جماعت صحابہ مراد لی جاسکتی ہے۔"ای صلی بالمسلمین" یعنی مسلمانوں کی جماعت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔اس طرح تعبیر حضرت ابو ہریرہؓ نے دوسرے مقامات میں بھی کی ہے اور کئی راویوں نے اس طرح تعبیر فرمائی ہے۔حضرت بنوریؒ نے معارف السنن ج ۳ ص ۵۱۲ میں اس طرح سترہ مثالیں پیش فرمائی ہیں، مشہور تابعی حضرت طاؤس نے کہا:"قدم علینا معاذ بن جبل الخ" حالانکہ حضرت معاذؓ جب یمن آئے تھے تو اس وقت طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس تعبیر کی حقیقت اس طرح ہے:"ای قدم علی قومنا معاذ بن جبل" اسی طرح یہاں ابو ہریرہؓ کے "صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ ہیں۔اسی طرح نزال بن سعد تابعی کہتے ہیں:"قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یہاں بھی "قال لقومنا" ہے کیونکہ نزال تابعی وہاں پر کہاں ہو سکتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کا معاملہ تو اور بھی پیچیدہ ہے کیونکہ ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے تو ۷ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ ان کی مجلس کا واقعہ کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ معلوم ہوا یہ وہی قصہ ہے کہ "صلی بنا ای صلی بجماعة الصحابة"

طحاوی میں حضرت ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ جب ان کے سامنے ذوالیدین کی یہ حدیث پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا "کان اسلام ابی هريرة بعد ما قتل ذو اليدين" (ج ۱ ص ۲۹۵)

احناف کی طرف سے پہلا قرینہ:

زیر بحث حدیث میں جو کلام فی الصلوۃ کی بات ہے جس سے جمہور نے استدلال کیا ہے، احناف فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے نسخ الکلام فی الصلوۃ ہجرت سے کچھ بعد مدینہ منورہ میں ہوا، جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔اس پر احناف کی جانب سے چند قرائن ہیں، پہلا قرینہ یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ذوالیدین کا ذکر ہے اور ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے، معلوم ہوا یہ قصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے اور ذوالیدین کی شہادت پر نسخ الکلام فی الصلوۃ مکمل ہو گیا۔

دوسرا قرینہ:

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ذوالیدین کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "ثم قام الی خشبة معروضة" اسی طرح زیر بحث حدیث میں ثم أتى جذعا فی قبلة المسجد کے الفاظ ہیں، اس سے مراد اسطوانہ حنانہ ہے اور اسطوانہ حنانہ جنگ بدر سے پہلے ہٹایا گیا تھا، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے منبر ۲ھ میں تیار کیا گیا تھا اور جنگ بدر کا واقعہ ۲ھ میں پیش آیا تھا، معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطوانہ حنانہ سے ٹیک لگانا اور ذوالیدین سے کلام کرنا یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اور اسی وقت نسخ الکلام کا حکم آیا ہے۔

تیسرا قرینہ:

احناف کی طرف سے تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ذوالیدین کی اس حدیث میں بہت سارے ایسے افعال واعمال واقوال صادر ہوئے ہیں جو جمہور کے نزدیک بھی یقیناً مفسد صلوٰۃ ہیں مثلاً محراب سے ہٹ کر لکڑی سے ٹیک لگانا، قبلہ سے رخ پھیرنا، حجرہ میں جانا، پھر واپس آنا اور مباحثہ کے انداز میں قصداً وعمداً طویل کلام کرنا، اس کی گنجائش صرف اس وقت ہوسکتی ہے جبکہ نماز میں کلام وغیرہ کی بہت وسعت ہو، معلوم ہوا یہ نسخ الکلام سے پہلے کا واقعہ ہے بعد کا نہیں ہے۔

جمہور کا اعتراض:

جمہور نے احناف کے اس قرینہ پر اعتراض کیا ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے اور ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ جنگ بدر میں ذوالیدین شہید ہوگئے تھے ایسا نہیں ہے، جنگ بدر میں جو شہید ہوگئے تھے وہ ذوالشمالین تھے، ذوالیدین کا نام خرباق بن عمر تھا اور قبیلہ خزاعہ کا تھا اور ذوالشمالین کا نام عمیر بن عمرو تھا جو قبیلہ بنوسلیم کا تھا ذوالیدین تو حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک زندہ رہے اور کلام فی الصلوٰۃ کے جواز کا بیان کرتے رہے۔

احناف کا حدیث ذوالیدین سے پہلا جواب:

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کا لقب تھا ہوا یوں کہ لوگ ان کو ذوالشمالین کہتے تھے جس میں بدفالی اور بدشگونی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذوالیدین فرمایا، عمیر ان کا نام تھا اور خرباق لقب تھا اور خزاعہ اور سلیم کوئی الگ الگ قبائل نہیں تھے، بلکہ بنوسلیم خزاعہ کا بطن اور ذیلی شاخ تھی تو یہ سب نسبتیں صحیح ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں اس طرح لکھا ہے: "ذو الیدین ویقال له ذو الشمالین ایضا" اسی طرح مبرد نے الکامل میں لکھا ہے: "ذو الیدین وهو ذو الشمالین کان یسمی بهما جمیعا"

مسند بزار اور طبرانی کی ایک حدیث میں دونوں کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

"صلی النبی صلی الله عیله وسلم ثلاثاثم سلم فقال له ذو الشمالین انقصت الصلوة قال علیه السلام کذالك یاذالیدین؟ قال نعم۔"

ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک شخص کے دو لقب تھے اور جمہور اس کا اقرار کرتے ہیں کہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہوگئے تھے تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہی ذوالشمالین تو ذوالیدین ہی تھے اور ذوالیدین کی جنگ بدر میں شہادت واقع ہوئی، لہٰذا نماز میں کلام کا واقعہ بدر سے پہلے کا ہے تو نسخ الکلام فی الصلوۃ کا واقعہ بھی پہلے کا ہے تو اس منسوخ روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث ذوالیدین کا دوسرا جواب:

اس حدیث کا احناف نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی امام نماز میں غلطی کرے تو اس کو لقمہ دیا کرو لیکن لقمہ "سبحان الله" کے الفاظ سے دیا کرو اور اگر عورت لقمہ دے تو تصفیق کر کے لقمہ دے، یعنی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے، اگر نماز میں اصلاح نماز کیلئے کلام کی اجازت باقی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس کو چھوڑ کر

اس طریقہ کی تعلیم نہ دیتے، معلوم ہوا کہ حدیث ذوالیدین کا حکم مکمل طور پر منسوخ ہوگیا ہے۔

امام مسلمؒ کے طرزِ عمل سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے کیونکہ آپ نے اس حدیث کو سہو کے باب میں لاکر اشارہ کردیا کہ کلام فی الصلوٰۃ سہو کے طور پر ہوسکتا ہے، قصداً عمداً اور اصلاحاً ممکن نہیں ہے۔

حدیث ذوالیدین کا تیسرا الزامی جواب:

جمہور کو احناف ایک الزامی جواب بھی دیتے ہیں کہ حدیث ذوالیدین پر آپ حضرات کب عمل کرسکتے ہیں؟ اس حدیث میں عمداً طویل کلام ہوا ہے، سوال وجواب کا مباحثہ ہوا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ قبلہ سے مڑا ہے، آپ کافی حد تک چلے ہیں، گھر گئے ہیں، واپس آگئے ہیں، اگر تم اس حدیث سے کلام فی الصلوٰۃ ثابت کرتے ہو تو پھر نماز میں چلنے پھرنے کو بھی جائز کہہ دو اور قبلہ سے رخ موڑنے کو بھی جائز کہہ دو اور نماز میں مناظرہ کرنے کو بھی جائز کہہ دو، مسجد سے باہر جاکر واپس آنے کو بھی جائز کہہ دو۔ حالانکہ آپ کے ہاں یہ اشیاء جائز نہیں پھر کلام کو کیوں جائز کہتے ہو؟ یوں کہہ دو کہ ابتداء میں ایسا تھا پھر منسوخ ہوگیا اور مکمل منسوخ ہوگیا کوئی جزئی نسخ نہیں ہے۔

" فی یدیه طول " یہ ذوالیدین کو اس لقب سے پکارنے کی وجہ ہے، کیونکہ ہر آدمی دو ہاتھوں والا ہوتا ہے، مگر اس آدمی کے ہاتھ اور لوگوں سے نسبتاً لمبے تھے اور لمبے ہاتھ وہ ہوتے ہیں کہ جب آدمی سیدھا کھڑا ہوجائے اور ہاتھوں کو نیچے لٹکا دے تو جو ہاتھ گھٹنوں سے نیچے جائیں، وہ لمبے ہیں اور جو صرف گھٹنوں تک جائیں، وہ لمبے نہیں ہیں۔ عام انسانوں کے ہاتھ گھٹنوں کے نیچے نہیں پہنچتے ہیں۔

"فربما سئلوہ ثم سلم " یعنی ابن سیرینؒ سے بسا اوقات لوگ پوچھتے تھے کہ کیا ابو ہریرہؓ نے "ثم سلم" فرمایا تھا۔ سوال کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آیا سجدہ سہو سلام سے پہلے ہوتا تھا یا بعد میں ہوتا تھا تو ابن سیرینؒ جواب میں فرماتے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں مجھے یہ الفاظ یاد نہیں ہیں، البتہ عمران بن حصینؓ نے جب مجھے یہ حدیث سنائی تو اس میں "ثم سلم" کے الفاظ تھے، میں نے یہاں ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ عمران بن حصین کی روایت سے لاکر نقل کردیئے ہیں۔

قارئین حضرات کو یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کلام فی الصلوٰۃ کی یہ بحث طویل ہوگئی ہے، مگر شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ نے تو اس سے تین گنا زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، میں نے حدیث ذوالیدین کو بنیاد بنا کر فقہاء کے اختلاف کو اس کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔

۱۲۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ، بِمَعْنَى حَدِيثِ سُفْيَانَ

اس سند کے ساتھ سابقہ حدیث (آپ علیہ السلام نے ظہر یا عصر کی دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیرا۔ ذوالیدینؓ کے بتانے پر آپ علیہ السلام نے دو رکعتیں مزید پڑھا کر دو سجدے کئے) منقول ہے۔

۱۲۹۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَصْرِ، فَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ، فَقَامَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ: أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ أَمْ نَسِيتَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ: قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ، يَا رَسُولَ اللهِ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللهِ فَأَتَمَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ، بَعْدَ التَّسْلِيمِ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ حضرت ذوالیدینؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز چھوٹی کر دی گئی یا آپ بھول گئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدینؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! کچھ تو ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ کیا ذوالیدین نے سچ کہا! لوگوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! چنانچہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ نماز پوری فرمائی اور سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو سجدے ادا کئے۔

۱۲۹۳۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْخَزَّازُ، حَدَّثَنَا عَلِيٌّ وَهُوَ ابْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، ثُمَّ سَلَّمَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ؟ وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

۱۲۹۴۔ وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الظُّهْرِ سَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا، ایک شخص بنو سلیم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے؟ آگے سابقہ حدیث (یعنی آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کچھ بھی نہیں ہوا تو صحابیؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ کچھ تو ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے تحقیق کی اور بقیہ نماز پوری ادا کرنے کے بعد دو سجدے کئے) بیان کی۔

۱۲۹۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ، وَكَانَ فِي يَدَيْهِ طُولٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيعَهُ، وَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى النَّاسِ، فَقَالَ: أَصَدَقَ هٰذَا قَالُوا: نَعَمْ، فَصَلَّى رَكْعَةً، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو بنی سلیم میں سے ایک شخص اٹھا باقی حدیث سابقہ حدیث کی مثل ہے (کہ ان کے بتانے

پر آپ علیہ السلام نے بقایا رکعتیں پڑھ کر سجدہ سہو کیا)۔

۱۲۹۶۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ وَهُوَ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ، قَالَ: سَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، مِنَ الْعَصْرِ، ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ الْحُجْرَةَ، فَقَامَ رَجُلٌ بَسِيطُ الْيَدَيْنِ، فَقَالَ: أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَخَرَجَ مُغْضَبًا، فَصَلَّى الرَّكْعَةَ الَّتِي كَانَ تَرَكَ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، ثُمَّ سَلَّمَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں تین رکعات پر سلام پھیر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے، ایک شخص جن کا نام خرباق تھا اور لمبے ہاتھ والے تھے (اسی بناء پر ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا) وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! پھر آپ کو بتلایا (انہوں نے کہا کہ آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی غصہ کی حالت میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے اور لوگوں کے پاس جا پہنچے اور فرمایا کہ: کیا یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرا، دو سجدے کئے بعدازاں دوبارہ سلام پھیرا۔

تشریح:

"بسیط الیدین" یعنی طویل الیدین، یہ الفاظ اور اسی طرح دیگر الفاظ جو ہاتھوں کے طویل ہونے کیلئے استعمال ہوتے ہیں، ذوالیدین کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ وفی یدیہ طول کے الفاظ بھی آئے ہیں، یہ صحابی ہیں، ان کا تعارف اور مسئلہ کلام فی الصلوٰۃ سے متعلق تمام تفصیلات اس سے پہلے "باب تحریم الکلام فی الصلوۃ" کے تحت میں نے لکھ دیا ہے، مناسب تو یہ مقام تھا لیکن علامہ نوویؒ نے جو عنوان وہاں باندھا ہے اس کے پیش نظر مجھے وہاں لکھنا پڑا، وہاں دیکھ لیا جائے، یہاں اس باب کے اندر چند الفاظ آئے ہیں، جن کے معانی یہ ہیں "فلیتحر الصواب" یعنی رکعات یا سجدات یا زیادت ونقصان کے بارے میں غور کرے اور سوچ بچار کر کے صحیح بات معلوم کرنے کا اندازہ کرے۔ اسی طرح "احریٰ" کا لفظ بھی آیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے "فلیطرح الشك" طرح پھینکنے کے معنی میں ہے یعنی شک کو چھوڑ کر یقین کی صورت کو اپنا لے، جانب اقل اختیار کرنے میں یقین ہے اور جانب اکثر کو اختیار کرنے میں شک ہے، مثلاً تین رکعات پڑھنے اور چار پڑھنے میں شک ہو گیا تو چار والی صورت شک کی ہے، اس کو چھوڑ دے۔ "ترغیماً للشطان" ای تذلیلاً للشیطان یہ رغام سے ہے جو مٹی کو کہتے ہیں، عرب کہتے ہیں" ارغم اللہ انفہ "یعنی اللہ تعالیٰ اس کی ناک کو مٹی میں ملا دے تا کہ ذلیل ہو جائے تو یہ دو سجدے شیطان کو مٹی میں ملا کر ذلیل کر دیں گے۔

"فلینظر احری ذلک للصواب "احریٰ مناسب اور لائق کے معنی میں ہے، یعنی جو صورت زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے اس کو اپنانے کیلئے اور تلاش کرنے کیلئے خوب غور کر کے دیکھے اور اس پر عمل کرے۔ "وانت یا اعور" اعور کانے کو کہتے ہیں ان کا نام ابراہیم بن سوید الاعور نخعی ہے، تعارف کیلئے یہ کہنا جائز ہے، حضرت علقمہ کا اپنے اس شاگرد پر زیادہ اعتماد تھا، اس لئے ان سے پوچھا کہ تم بھی اسی

طرح کہتے ہو؟

"توشوش" یہ تشویش سے ہے یعنی اس صورت سے قوم میں تشویش پیدا ہوگئی آپس میں بولنے لگے۔"اما الظهر و اما العصر" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نسیان کا یہ واقعہ ایک دفعہ پیش نہیں آیا بلکہ مختلف واقعے پیش آئے ہیں۔ "جذعاً" درخت کے تنے کو جذع کہا گیا ہے، یہ استن حنانہ مراد ہوسکتا ہے۔"سرعان الناس" یعنی جلد باز لوگ جلدی جلدی مسجد سے نکل گئے۔"في يديه طول" جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ کی انگلیاں گھٹنوں سے اوپر اوپر رہتی ہیں، اگر نیچے تک پہنچ جائیں تو یہ ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، شاید یہاں یہی وجہ ہو یا ممکن ہے کسی اور وجہ سے ان کو ذوالیدین کہہ دیا ہو، مگر طول کی تصریح موجود ہے تو یہی مراد ہونا چاہئے۔

باب سجود التلاوة

سجدہ تلاوت کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۲۹۸۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى الْقَطَّانِ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَقْرَأُ سُورَةً فِيهَا سَجْدَةٌ، فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ، حَتَّى مَا يَجِدُ بَعْضُنَا مَوْضِعًا لِمَكَانِ جَبْهَتِهِ

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم پڑھتے تھے اور ایسی سورت پڑھتے جس میں سجدہ (کی آیت) ہوتی تو سجدہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو پیشانی ٹکانے کی بھی جگہ نہیں ملتی تھی۔

تشریح:

"فيقرا سورة فيها سجدة"

قرآن مجید کے سجدوں کا بیان

قرآن کریم میں چند آیتیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے، اس کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں، سجود القرآن سے مراد یہی سجدہ تلاوت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اس سجدہ کو واجب قرار دیتے ہیں، دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے، سجدہ تلاوت کرنے میں صرف ایک سجدہ ہے، مگر دو تکبیروں کے ساتھ ہے، ایک تکبیر جاتے وقت اور دوسری تکبیر سجدہ سے اٹھتے وقت ہے، اس سجدہ کیلئے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح تشہد اور سلام کی بھی ضرورت نہیں ہے، تکبیر پڑھ کر اٹھنا خود سلام ہے، سجدہ تلاوت کیلئے نیت ہوتی ہے، مگر

آیت کے تعین کی ضرورت نہیں اور جس وقت آیت پڑھ لی اور فوراً سجدہ کیا تو نیت کی بھی ضرورت نہیں ہے، سجدہ تلاوت کیلئے باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، کپڑوں کا صاف ہونا، ستر اور پردہ کا ہونا ضروری ہے، جس طرح نماز میں ضروری ہے۔

سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت ہے؟

"ونسجد معه" اس حدیث سے واضح طور پر سجدہ تلاوت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ جگہ نہ ہونے کے باوجود سجدہ تلاوت کیا گیا ہے، پیشانی کو دوسرے آدمی کے جسم پر رکھا گیا، مگر سجدہ ادا کیا، اب اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے، صاحبین بھی جمہور کے ساتھ ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے، البتہ واجب علی التراخی ہے، واجب علی الفور نہیں ہے یعنی تاخیر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

دلائل:

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے ان تمام روایات سے استدلال کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی آیت تلاوت فرمائی اور سجدہ نہیں کیا تو سجدہ نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واجب نہیں، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ کی اگلی روایت میں "فلم یسجدہ" کے الفاظ موجود ہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل حضرت عمرؓ کا اثر ہے جو ترمذی میں مذکور ہے، الفاظ اس طرح ہیں: "ان اللہ لم یکتب علینا السجود الا أن نشاء" اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سجدۂ تلاوت کو فرض یا واجب نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی پہلی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا قرء ابن آدم السجدة اعتزل الشیطان یبکی یقول یاویله امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة و امرت بالسجود فابیت فلی النار" (مسلم)

اس حدیث میں سجدہ تلاوت کیلئے "امـــــر" کا لفظ آیا ہے، یعنی ابن آدم کو سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، یہ وجوب کی دلیل ہے، نیز اس روایت میں ترک سجدہ پر آگ کی وعید سنائی گئی جو واجب کے ترک پر ہو سکتی ہے، یہ قول اگرچہ شیطان کا ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نقل فرمایا اور اس پر سکوت فرمایا تو اب یہ ایک مرفوع مستند حدیث ہے، جس سے احناف نے استدلال کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل زیر بحث روایت ہے، جس میں ہے کہ سخت تنگی اور شدید ازدحام کے باوجود صحابہؓ سجدہ تلاوت کیا کرتے تھے اور اس کو ضروری سمجھتے تھے جو وجوب کی دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تیسری دلیل قرآن کریم کی سجدہ والی وہ آیات ہیں، جن میں امر کے صیغے آئے ہیں اور سجدہ نہ کرنے پر شدید وعید سنائی گئی ہے، نیز کفار کا سجدہ سے انکار کرنے پر ان کی مذمت بیان کی گئی ہے یا سجدہ کا حکم اس وقت ہوا ہے جب کسی نبی کی توبہ قبول ہوئی ہے یا کسی بڑی نعمت کے شکریہ کے وقت سجدہ کا ذکر آیا ہے اور مسلمانوں کو ان انبیاء کرامؑ کی اتباع اور ان کے نقش قدم پر چلنے کو کہا گیا ہے، یہ سب

ایسے امور ہیں جن کے نتیجہ میں سجدہ کرنا واجب ہی ہو سکتا ہے، نیز اس بات کو بھی دیکھنا چاہئے کہ نماز کتنی اہم عبادت ہے، پھر اس میں قیام اور قرأت فرض ہے، اس فرض کے دوران اگر سجدہ والی آیت آتی ہے تو شریعت کا حکم ہے کہ فرض کو موقوف کرو اور پہلے سجدہ کرو، یہ اہتمام و انتظام اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔

جواب:

جمہور نے حضرت زید بن ثابت ؓ کی حدیث سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اسی سورت نجم کے سجدہ کے بارے میں حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عام انسانوں اور جنات سب نے سجدہ کیا تو حضرت زید کی روایت کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ فوری طور پر حضور نے سجدہ نہیں کیا، بعد میں کیا، احناف بھی واجب علی الفور کے قائل نہیں، بلکہ واجب علی التراخی کے قائل ہیں یا حضور نے بیان جواز کیلئے تاخیر کی، حضرت عمر فاروق ؓ کے اثر کے بارے میں احناف فرماتے ہیں کہ مرفوع حدیث کی موجودگی میں اثر کو پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، اثر میں تاویل اور خصوصی احوال کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے اور مسلم کی مرفوع حدیث کے حکم میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۲۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: رُبَّمَا قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ، فَيَمُرُّ بِالسَّجْدَةِ فَيَسْجُدُ بِنَا، حَتَّى ازْدَحَمْنَا عِنْدَهُ، حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَكَانًا لِيَسْجُدَ فِيهِ فِي غَيْرِ صَلَاةٍ

حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم پڑھتے اور آیت سجدہ پر سے گزر ہوتا ہم سب کو لے کر سجدہ فرماتے، حتیٰ کہ ہمارا اتنا ہجوم آپ کے قریب ہو جاتا کہ کسی کسی کو سجدہ کرنے کی جگہ بھی نہ ملتی اور یہ سجدہ نماز کے علاوہ ہوتا تھا۔

۱۳۰۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَسْوَدَ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيهَا، وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهُ غَيْرَ أَنَّ شَيْخًا أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ، وَقَالَ: يَكْفِينِي هَذَا قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا

حضرت عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور اس میں سجدۂ تلاوت کیا آپ کے ساتھ دوسرے جو نمازی تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا البتہ ایک بوڑھے نے زمین سے ایک مٹھی کنکر یا مٹی اٹھا کر پیشانی پر لگائی اور کہا کہ بس مجھے اتنا کافی ہے (سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں)۔ عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے بعد میں دیکھا کہ کافر ہو کر قتل ہوا۔

سورت نجم کا تکوینی سجدہ

تشریح:

"وسجد من کان معہ" یعنی حاضرین میں سے جو انسان تھے یا جنات تھے یا مسلمان تھے یا مشرکین تھے، سب نے سجدہ کیا، امام بخاری کی روایت میں یہ تفصیل ہے مگر امام مسلمؒ کی روایت میں اختصار ہے، امام بخاری کی روایت اور عبارت اس طرح ہے۔

"عن ابن عباسؓ قال سجد النبی ﷺ بالنجم و سجد معہ المسلمون والمشرکون و الجن والانس۔" رواہ البخاری۔
اس کی تفصیل وتشریح اس طرح ہے۔

"والجن والانس" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت نجم کی سجدہ والی آیت پڑھ لی تو آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت پڑھنے اور سننے والوں پر یکساں واجب ہو جاتا ہے۔

"والمشرکون" یعنی مشرکین اور جن وانس نے بھی سجدہ کیا، یعنی بطور تکوین سب کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ میں گرادیا اور قرآن کریم کا اعجاز ظاہر ہو گیا یا یوں سمجھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سجدہ کیا، مسلمانوں نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدہ کیا، پھر تمام حاضرین نے سجدہ کیا، خواہ وہ جنات میں سے تھے یا انسانوں میں سے تھے جو بھی وہاں حاضر تھے سب نے سجدہ کیا یا ابلیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کے بعد آواز دی: "تلک الغرانیق العلی و ان شفعاتهن لترجی" یہ سن کر کفار خوش ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے، مگر راجح یہ ہے کہ مشرکین نے جب اللہ تعالیٰ کے نعم باہرہ اور قدرت کاملہ کو دیکھا اور سنا تو ان پر سطوت الٰہی اور عظمت لایزال کا ایسا پرتو پڑا کہ وہ بغیر اختیار کے سجدہ میں گر پڑے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اسی طرح لکھا ہے۔ باقی غرانیق کا من گھڑت قصہ شان نبوت کے خلاف ہے، زنادقہ نے گھڑلیا ہے اور تقریباً تمام قابل اعتماد مفسرین نے اس کو غیر ثابت اور غلط کہا ہے۔

"غیر أن شیخاً" اس بوڑھے سے امیہ بن خلف مراد ہے، اس نے بطور تکبر سجدہ میں جانے سے تو انکار کیا، البتہ زمین سے کچھ مٹی اور کنکریاں لے کر پیشانی پر مل لیا اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔ "قال عبد اللہ لقد رأیتہ بعد قتل کافرا" مسلم شریف میں حدیث کا یہ ٹکڑا ہے، مگر مکتبۃ البشریٰ کے نسخے میں نہیں ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ جس نے کیا شاید اللہ تعالیٰ نے ان کا ایمان مقدر فرمایا تھا اور امیہ بدبخت کا ایمان مقدر نہیں تھا بدر میں مارا گیا، کفار کے اس غیر اختیاری سجدے سے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا چنانچہ حبشہ سے کچھ مسلمان واپس مکہ آگئے مگر یہ خبر صحیح نہیں تھی وہ پھر واپس چلے گئے۔

۱۳۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَابْنُ حُجْرٍ - قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرُونَ: - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ، فَقَالَ: لَا، قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ، وَزَعَمَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى فَلَمْ يَسْجُدْ

حضرت عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت سے امام کے ساتھ قرأت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: امام کے ساتھ کچھ نہیں پڑھنا چاہئے اور انہوں نے خیال کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے سورۃ النجم پڑھی اور سجدہ نہیں کیا۔

تشریح:

''لا قراۃ مع الامام فی شئ''یعنی امام کے ساتھ نماز میں کچھ پڑھنا نہیں ہے، امام کا پڑھنا مقتدیوں کے لئے کافی ہے، یہ روایت واضح طور پر احناف کیلئے دلیل ہے کہ امام کے ساتھ فاتحہ وغیرہ قرأت میں مقتدی شریک نہیں ہونگے۔ علامہ نوویؒ نے اس کا جواب دیا ہے، لیکن وہ نہ کافی ہے نہ شافی ہے، صرف جواب برائے جواب ہے۔''فلم یسجد''اس جملہ میں عجیب پریشانی ہے کہ آیا لم یسجد میں ضمیر فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے یا صحابی زید بن ثابتؓ کی طرف لوٹتی ہے اور اردو تراجم میں بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر لوٹائی ہے کہ آنحضرت نے سجدہ کی آیت سن لی، مگر سجدہ نہیں کیا، بعض مترجمین نے حضرت زیدؓ کی طرف ضمیر لوٹائی کہ انہوں نے سجدہ کی آیت پڑھ لی، مگر سجدہ تلاوت نہیں کیا، علامہ عثانی نے سجدہ نہ کرنے کی وجوہات اور جوابات دیئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''فلم یسجد''میں فاعل کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ جب قرأت کرنے والے نے خود سجدہ نہیں کیا تو سننے والے نے بھی نہیں کیا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ نہیں کیا، بہرحال یہ حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے کہ مفصلات میں سجدہ تلاوت نہیں ہے، آنے والی حدیث میں فقہاء کرام کا اختلاف آنے والا ہے، علامہ عثانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کرنا کافی نہیں ہے، کیونکہ سجدہ تلاوت واجب علی الفور نہیں ہے، اس میں تراخی جائز ہے تو شاید اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابی نے فوری طور پر سجدہ نہیں کیا، بعد میں کیا یا ہوسکتا ہے، اس وقت یہ حضرات وضو سے نہ ہوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کیلئے ایسا کیا کہ تاخیر جائز ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فوراً سجدہ نہیں کیا کہ شاید وقت مکروہ تھا، یہ سارے احتمالات ہیں تو استدلال مکمل نہیں ہے۔

۱۳۰۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الْأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَرَأَ لَهُمْ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فِيهَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيهَا

حضرت ابو سلمہؒ بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کے سامنے سورۂ انشقاق پڑھی اور اس میں سجدہ کیا۔ نماز سے فراغت پر انہوں نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سجدہ فرمایا تھا۔

تشریح:

''اذا السماء انشقت''

سورۂ انشقاق اور سورۂ علق کے سجدے

احادیث سے مختلف سورتوں میں سجدے ثابت ہوئے ہیں، لیکن بیان میں تفاوت ہے، بعض روایات میں سجدہ کا تعین ایک طرح کا ہے اور بعض روایات میں دوسرے انداز پر ہے، اس وجہ سے قرآن عظیم کے سجدوں کی تعداد میں اور سجدوں کے مقامات میں فقہاء کرام کے

درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ کے نزدیک مفصلات یعنی سورت نجم، سورت انشقاق اور سورت علق میں سجدہ نہیں ہے، لہٰذا ان کے نزدیک سجدوں کی تعداد گیارہ ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن میں کل سجدے چودہ ہیں، لیکن سورت کے تعین میں فرق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سورت ''ص'' میں سجدہ نہیں ہے اور سورت حج میں ایک کے بجائے دو سجدے ہیں تو کل چودہ سجدے ہوئے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں قرآن میں کل پندرہ سجدے ہیں، وہ سورت حج میں شوافع کی طرح دو سجدے مانتے ہیں اور سورت ص میں بھی احناف کی طرح سجدہ مانتے ہیں تو پندرہ سجدے ہو گئے۔

احناف کے نزدیک قرآن عظیم میں کل چودہ سجدے ہیں، لیکن سورت حج میں ایک سجدہ ہے اور سورت ص میں بھی سجدہ ہے، اس طرح کل چودہ سجدے ہوئے۔

دلائل:

امام مالکؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو ابوداؤد شریف میں مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں ''عن ابن عباس ان النبی ﷺ لم یسجد في شیٔ من المفصل منذ تحول الی المدینه۔'' (رواہ ابوداؤد) سورت حجرات سے آخر قرآن تک چھوٹی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں، لہٰذا امام مالکؒ کے ہاں تین سجدے کم ہو گئے تو گیارہ رہ گئے۔ امام مالکؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت نجم میں سجدہ نہیں کیا۔

امام شافعیؒ کے ہاں چودہ سجدے ہیں، لیکن سورت حج میں دو ہیں، اس پر انہوں نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس کے چند الفاظ یہ ہیں: ''قلت یا رسول الله فضلت سورة الحج بأن فیها سجدتین قال نعم'' (ابو داؤد) امام شافعیؒ سورت ص کے سجدہ کو نہیں مانتے، اس پر ان کی دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: ''سجدة ص لیس من عزائم السجود۔'' (رواہ البخاری)

امام احمد بن حنبلؒ کل پندرہ سجدے مانتے ہیں تو ان کی دلیل حضرت عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے جس میں واضح طور پر یہ الفاظ ہیں ''خمس عشرة سجدة فی القرآن منها ثلاث فی المفصل و فی سورة الحج سجدتین۔'' (ابو داؤد و ابن ماجه)

امام احمد سورت ص کا سجدہ بھی مانتے ہیں تو کل پندرہ سجدے ہو گئے، اس پر انکی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی مجاہد والی روایت ہے: ''قال مجاهد قلت لابن عباسؓ أأسجدُ فی ص؟ فقرأ الخ'' یعنی سورت ص میں سجدہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے سورت ص کے سجدہ کے ثبوت پر اسی ابن عباسؓ کی حدیث مجاہد والی روایت سے استدلال کیا ہے اور سورت حج میں ایک سجدہ ثابت کرنے پر امام ابوحنیفہؒ نے نقلی عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے، نقلی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جس کو امام الطحاویؒ

نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں "عن ابن عباس قال فی سجود الحج الاول عزیمۃ والآخر تعلیم" (طحاوی ج ۱ ص ۲۴۹) اسی طرح ابوجمرہ نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے "قال فی الحج سجدۃ" یعنی سورت حج میں ایک سجدہ ہے۔

امام محمدؒ نے موطا محمد میں حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں اس طرح روایت نقل فرمائی ہے:

"کان ابن عباس لا یری فی سورۃ الحج الا سجدۃ واحدۃ الاولی" اسی طرح مجاہد کا اثر ہے، الفاظ یہ ہیں "السجدۃ الآخرۃ فی الحج انما ھی موعظۃ لیست بسجدۃ"

احناف سورت حج میں ایک سجدہ کے ثبوت پر عقلی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ وہاں دو سجدوں کا ذکر بیشک موجود ہے، لیکن اس میں دوسرا سجدہ صلوتیہ ہے، تلاوتیہ نہیں ہے، یعنی وہ نماز والا سجدہ ہے اور اس پر قرینہ بھی ہے، کیونکہ اس کے ساتھ "وارکعوا" کا لفظ موجود ہے۔

جواب:

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ ابن عباس کی روایت قابل استدلال نہیں ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت قوی تر ہے، جس میں مفصلات کے سجدوں کا ثبوت ہے، ابن عبدالبر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو منکر کہا ہے۔

یا یہ جواب ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت کیلئے ناسخ ہے۔

امام مالکؒ کی دوسری دلیل جو حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فوری طور پر سجدہ نہ کرنا عدم سجدہ کی دلیل نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر سے سجدہ نہ کیا ہو اور بعد میں کرلیا ہو، کیونکہ سجدہ تلاوت میں تاخیر کرنا نہ ممنوع ہے نہ مکروہ ہے۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے آخر میں حضرت مجاہدؒ کے حوالہ سے سورت ص کے سجدہ کا ثبوت اور وجوب مذکور ہے، لہٰذا اس روایت کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "لیس من عزائم السجود" یعنی فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے یا سنت ہے، مگر ثابت ہے، لہٰذا اس سے شوافع کا استدلال صحیح نہیں ہے خود حضرت ابن عباسؓ سے سورت ص کے سجدہ کا ثبوت منقول ہے، حضور نے فرمایا: "سجدھا داؤد توبۃ ونسجدھا شکرا" اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کے "لیس من عزائم السجود" کے محتمل الفاظ سے ایک ثابت شدہ سجدہ کا انکار کرنا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے، حالانکہ حضرت فاروقؓ اور ابن عمرؓ اس سجدے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

کن سورتوں میں سجدے ہیں

قرآن کریم میں پہلا سجدہ سورت اعراف میں ہے، دوسرا سجدہ سورت رعد میں ہے، تیسرا سجدہ سورت نحل میں ہے، چوتھا سجدہ سورت بنی اسرائیل میں ہے، پانچواں سجدہ سورت مریم میں ہے، چھٹا سجدہ سورت حج کے دوسرے رکوع میں ہے، ساتواں سجدہ سورت فرقان میں

ہے، آٹھوں سجدہ سورت نمل میں ہے، نواں سجدہ الم تنزیل السجدۃ میں ہے، دسواں سجدہ سورت ص میں ہے، گیارھواں سجدہ سورت حم السجدۃ میں ہے، بارھواں سجدہ سورت نجم میں ہے، تیرھواں سجدہ سورت انشقاق میں ہے اور چودھواں سجدہ سورت علق میں آخری سجدہ ہے۔

فائدہ مہمہ لکل مہمہ

فقہ کی کتاب نور الایضاح میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن عظیم کے تمام سجدات والی آیات کو ایک نشست میں قبلہ رخ بیٹھ کر پڑھے اور ہر آیت پر سجدہ تلاوت کرے اور پھر اپنے کسی بھی جائز حاجت کیلئے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس حاجت کو پورا فرماتے ہیں، مجرب ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ تلاوت کے دوران سجدہ سے بچنے کیلئے سجدہ والی آیت کا چھوڑنا مکروہ ہے، نماز کے دوران اگر تلاوت کا سجدہ آجائے تو سجدہ کرنا چاہئے اگر سجدہ پر قرأت ختم کر لی اور رکوع میں چلا گیا اور رکوع ہی میں سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی تو ادا ہو جائے گا یا رکوع میں تو نیت نہیں کی، بلکہ رکوع سے اٹھ کر سجدہ میں چلا گیا تو اس سجدہ کے ضمن میں تلاوت والا سجدہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔

١٣٠٣ ـ وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عِيسَى، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ هِشَامٍ كِلَاهُمَا، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

اس سند کے ساتھ بھی سابق حدیث (حضرت ابو ہریرۃ نے سورہ انشقاق پڑھی اور (آیت سجدہ پر) سجدہ کیا پھر بتایا کہ آپ علیہ السلام نے بھی اس آیت پر سجدہ کیا تھا) مروی ہے۔

١٣٠٤ ـ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ کیا۔

١٣٠٥ ـ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، مَوْلَى بَنِي مَخْزُومٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: سَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

اس سند سے بھی یہی حدیث منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے مذکورہ دونوں سورتوں (سورۃ الانشقاق اور سورۃ العلق) میں سجدہ فرمایا۔

١٣٠٦ ـ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

حضرت ابو ہریرۃ سے اس سند سے بھی مذکورہ حدیث منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ فرمایا

۱۳۰۷۔ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَا: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: " صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَقَرَأَ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فِيهَا، فَقُلْتُ لَهُ: مَا هَذِهِ السَّجْدَةُ؟ فَقَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ "وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى: فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُهَا

حضرت ابورافع ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، انہوں نے سورۃ انشقاق پڑھی اور اس میں سجدہ کیا۔ میں نے کہا یہ کونسا سجدہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے اس سورت میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہے اور میں ہمیشہ اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اپنے رب سے جاملوں اور ابن عبدالاعلیٰ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ سجدہ میں ہمیشہ کرتا رہوں گا۔

۱۳۰۸۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ، كُلُّهُمْ عَنِ التَّيْمِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَمْ يَقُولُوا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ان اسناد سے بھی مذکورہ بالا حدیث مختصراً منقول ہے، مگر اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔

۱۳۰۹۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: " رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَسْجُدُ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَقُلْتُ: تَسْجُدُ فِيهَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، رَأَيْتُ خَلِيلِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتَّى أَلْقَاهُ "قَالَ شُعْبَةُ: " قُلْتُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَعَمْ "

ابورافع سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سورہ انشقاق میں سجدہ کرتے تھے۔ میں نے کہا تم اس سورت میں سجدہ کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں! میں نے اپنے چہیتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ اس سورت میں سجدہ کرتے تھے تو میں بھی اس سورت میں ہمیشہ سجدہ کروں گا۔ یہاں تک کہ میں آپ سے مل جاؤں۔
شعبہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم؟ وہ بولے ہاں!

باب صفة الجلوس فی الصلوة والا شارة بالسبابة

نماز میں بیٹھنے کا طریقہ اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرِ بْنِ رِبْعِيٍّ الْقَيْسِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الْمَخْزُومِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ، حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي الصَّلَاةِ، جَعَلَ قَدَمَهُ الْيُسْرَى بَيْنَ فَخِذِهِ وَسَاقِهِ، وَفَرَشَ قَدَمَهُ الْيُمْنَى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ

حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قعدہ فرماتے تو اپنے بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے درمیان کر لیتے اور دائیں پاؤں کو بچھا لیتے جب کہ اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھ لیتے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔

تشریح:

''اذا قعد فی الصلوۃ'' اس بیٹھنے سے نماز میں قعدہ کے اندر بیٹھنا مراد ہے اور اسی کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے، اسی میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کی تفصیل آگے حضرت ابن عمر کی روایت میں آرہی ہے۔

''وفرش قدمہ الیمنیٰ'' اس روایت میں تشہد کے قعدہ میں بیٹھنے کی ایک صورت بیان کی گئی ہے جو تورک کی ایک صورت ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ آیا قعدہ میں بیٹھنے کی صورت میں تورک کر کے بیٹھنا افضل ہے یا تورک کے بغیر بیٹھنا افضل ہے تو امام مالکؒ دونوں قعدوں میں تورک کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور زیر بحث حدیث انکی دلیل ہے، تورک یہ ہے کہ دونوں پیروں کو دائیں طرف نکالا جائے اور سرین پر آدمی بیٹھ جائے، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے موافقین تورک کے بجائے عدم تورک کو افضل کہتے ہیں، عدم تورک یہ کہ دائیں پیر کو کھڑا کیا جائے اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے جسے افتراش کہا جاتا ہے، امام شافعیؒ پہلے قعدہ میں عدم تورک اور قعدہ اخیرہ میں تورک کو افضل قرار دیتے ہیں۔

سوال: زیر بحث حدیث میں ''وفرش قدمه الیمنی'' کا لفظ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں پیر کو پھیلا دیا، اب اس پر یہ سوال ہے کہ تمام احادیث میں دائیں پیر کے کھڑا کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قعدہ میں دائیں پیر کھڑا کرنا ہے، یہاں پھیلانے کا ذکر کیسا ہے؟

جواب: قاضی عیاضؒ نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں، پہلا جواب یہ دیا ہے کہ فقیہ ابو محمد خشنی نے کہا ہے کہ یہ کسی سے غلطی ہو گئی ہے، صحیح عبارت اس طرح ہے ''وفرش قدمه الیسریٰ'' یعنی دائیں پیر کے بجائے بائیں پیر کے پھیلانے کا ذکر ہے، پھر قاضی عیاضؒ نے اس جواب کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ تمام نسخوں میں جو لفظ منقول ہے، اس کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے، قاضی عیاض نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ غالب احوال میں تو وہی ہے کہ دائیں پیر کو کھڑا رکھا جائے، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ دائیں پیر کو پھیلایا گیا ہے۔ علامہ نوویؒ نے اس تاویل کو بہتر قرار دیا ہے، اگر چہ قاضی عیاض کے کلام میں پیچیدگی ہے، ویسے تورک میں تو دونوں پیر پھیلائے جاتے ہیں۔ یہ اعتراض سمجھ میں نہیں آتا ہے، ائمہ احناف تورک کو عذر کی حالت پر محمول کرتے ہیں۔

''واشار باصبعه'' یعنی شہادت کی انگلی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا بالسبابہ کا مسئلہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

۱۳۱۱ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ

اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُو، وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى، وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، وَوَضَعَ إِبْهَامَهُ عَلَى إِصْبَعِهِ الْوُسْطَى، وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرَى رُكْبَتَهُ

حضرت عبداللہؓ بن زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے (نماز میں) بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور سبابہ (شہادت کی انگلی) سے اشارہ فرماتے، جب کہ انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو اسی طرف کے گھٹنے پر رکھتے تھے۔

تشریح:

"اذا قعد یدعو" یعنی جب قعدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جاتے تو آپ تشہد پڑھتے تھے، اس باب کی روایات میں دعا اور یدعوا کے الفاظ آئے ہیں، اس سے تشہد پڑھنا مراد ہے اور تشہد میں چونکہ دعا کے الفاظ ہیں جیسے "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" یہ دعا ہے اس لئے اس حدیث میں یدعو کا لفظ آیا ہے جو دعا کے معنی میں ہے۔"علی اصبعه الوسطیٰ" ہاتھ کے انگوٹھے کے وسطے پر رکھ کر حلقہ باندھ کر سبابہ سے اشارہ کرنا احناف کا طریقہ ہے۔

"ویلقم کفه" القام لقمہ بنانے کے معنی میں ہے، یعنی گھٹنے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں اس طرح رکھ لیتے تھے گویا گھٹنے کو ہتھیلی کیلئے لقمہ بنا دیا۔ یہ طریقہ ثابت ہے مگر اس سے زیادہ واضح وہ طریقہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کو گھٹنے کے سر پر رکھا جائے تا کہ ران اور گھٹنے دونوں کا حق ادا ہو جائے، دوسری روایت میں "باسطها" کا لفظ اسی معنی میں ہے۔

۱۳۱۲۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ - قَالَ عَبْدٌ أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ: - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، فَدَعَا بِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قعدہ فرماتے تو دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے، انگوٹھے سے ملی ہوئی دائیں ہاتھ کی انگلی کو اٹھاتے اور اس سے دعا یعنی اشارہ فرماتے۔ جب کہ آپ کا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھا ہوا ہوتا تھا۔

۱۳۱۳۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى، وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِينَ، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تو بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر اور دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھا کرتے تھے اور ۵۳ کی شکل میں ہاتھ کر لیتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔

تشریح:

"وعقد ثلاثة و خمسين" یعنی انگلیوں سے ترپن کا عدد بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ لوگوں میں مختلف زمانوں میں مختلف انداز سے گنتی اور عدد معلوم کرنے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں، انہی مروجہ طریقوں میں ایک طریقہ انگلیوں کے جوڑنے توڑنے اور ملانے ہٹانے کا بھی رہا ہے، جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۳ کے عدد کا نشان بنا دیا، وہ اس طرح ہے کہ مثلاً تمام انگلیوں کو بند کرلیا جائے، صرف شہادت کی انگلی کھلی رہے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت والی انگلی کی جڑ میں رکھ دیا جائے، یہ ترپن کا عدد ہے اور یہی طریقہ شوافع حضرات نے اپنایا ہے جو امام شافعی کا قول جدید ہے۔ احناف نے تسعین یعنی نوے کے عدد کو اختیار کیا ہے، وہ اس طرح ہے کہ خنصر بنصر چھنگلی اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کیا جائے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا دیا جائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے، یہی طریقہ امام احمدؒ کا بھی ہے اور امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی اسی طرح ہے اور آگے مسلم کی روایت میں یہی طریقہ مذکور ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ کی ساری انگلیاں بند کر کے رکھی جائیں گی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائیگا، یہ کل تین طریقے ہوگئے۔

بعض روایات سے چوتھا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ تمام انگلیوں کو پھیلا کر رکھا جائے اور شہادت کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے، بعض احناف اس طریقہ پر بھی عمل کرتے ہیں، عقد انامل کے نام سے ایک کتابچہ ہے، اس میں انگلیوں پر عدد اور گنتی کو بیان کیا گیا ہے، ایک ہزار تک مکمل عدد اشاروں میں ہے، علامہ رافعی نے بھی عقد انامل کو اپنے رسائل میں بیان کیا ہے۔

اشارہ کا حکم:

احادیث میں واردان تمام طریقوں کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مختلف طریقوں پر رہا ہے اور مختلف اوقات میں آپ نے مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں، یہ اضطراب فی الحدیث نہیں ہے، بلکہ بیان جواز کیلئے تمام طریقوں کا نمونہ امت کے سامنے رکھا گیا ہے تاکہ اس عمل میں وسعت آجائے اور تنگی نہ رہے اور اس طرح کئی مسائل میں ہوا ہے، لہٰذا یہ اعتراض بے جا ہے کہ اشارہ کرنے کی احادیث میں اضطراب ہے، اس لئے مطلقاً اشارہ نہیں کرنا چاہئے، جمہور فقہاء کے اقوال واعمال کو اگر دیکھا جائے تو اشارہ کرنے کو سب نے بالاتفاق سنت قرار دیا ہے، لہٰذا موقع ومحل کے مناسب جس طریقہ پر عمل کیا جائے، سنت ادا ہو جائے گی۔

مجدد الف ثانیؒ کی رائے:

مجدد الف ثانی نے احادیث کی تحقیق اور ظاہری اختلاف کی بنیاد پر ارشارہ کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ اشارہ کے حکم میں احادیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اس منفرد اور شاذ رائے پر وقت کے علماء نے اور مجدد الف ثانی کے اپنے بیٹے نے سخت رد کیا ہے، لہٰذا جمہور فقہاء اور ائمہ احناف کا متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑ کر حضرت مجدد الف ثانی صاحب کی رائے کو احترام کے ساتھ ان کا تفرد قرار دیکر نظر انداز کیا جائے گا اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بڑی شخصیات کی بعض رائے منفرد ہوسکتی ہے، ائمہ احناف میں سے امام ابوحنیفہ امام یوسف اور امام محمد سب

اشارہ کے حکم پر متفق ہیں اور یہ احناف کے متقدمین حضرات ہیں، اگر چہ ماوراء النہر اور ہندوستان وافغانستان کے بعض احناف نے اشارہ کو ترک کیا ہے، لیکن یہ ترک کرنا عدم جواز کی دلیل نہیں ہے، حجاز مقدس اور عرب کے تمام علماء قدیماً وحدیثاً اشارہ کرنے پر متفق رہے ہیں۔

علامہ شیخ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اشارہ کو منع کرنا روایت اور درایت دونوں کے منافی ہے۔

خلاصہ کہ جب احادیث سے اشارہ ثابت ہے صحابہؓ اور تابعینؒ اس پر متفق ہیں، جمہور فقہاء امت اور علماء عراق وحجاز اور ائمہ حرمین اس پر متفق ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ وانسب ہے۔

فقہاء احناف کی طرف فقہ کی ایک کتاب منسوب ہے، جس کا نام خلاصہ کیدانی ہے، اس کتاب میں اشارہ کرنے کو حرام لکھا ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا یقینی نام اور صحیح احوال کا اب تک سراغ نہ مل سکا، علماء احناف کے مشہور ومعروف علماء نے اس کتاب کے غیر معروف مؤلف پر سخت تنقید کی ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ اگر خلاصہ کیدانی کے مصنف کے کلام میں تاویل کی گنجائش نہ ہوتی تو ہم اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگاتے، تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے کاھل الحدیث کا لفظ استعمال کیا ہے اور اہل حدیث انگلی کو گھماتے رہتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اگر حسن ظن نہ ہوتا تو اس شخص کے کلام میں کفر کا خطرہ نظر آتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ اشارہ کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "تزيين العبارة" ہے اس کتاب میں آپ نے خلاصہ کیدانی کے مصنف پر سخت رد کیا ہے، عربی عبارت ملاحظہ ہو: "قال علی القاری وقد اغرب "الكيدانی" حيث قال: "العاشر من المحرمات الاشارہ بالسبابة كأهل الحديث" وهذا منه خطاء عظيم و حرم جسيم، منشأه الجهل عن قواعد الاصول و مراتب الفروع من النقول، ولولا حسن الظن به لكان كفره صريحاً و ارتداده صريحاً فهل يحل لمؤمن ان يحرم ما ثبت من فعله عليه الصلاة و السلام ماكاد أن يكون متواتراً فی نقله؟" (فتح الملهم)

بہر حال اشارہ بالسبابہ کا حکم استحباب اور سنن زوائد سے کم نہیں ہے، فقہاء اس کو سنت قرار دیتے ہیں، موطا محمد میں امام محمد فرماتے ہیں "بصنيع رسول الله ﷺ نأخذ و هو قول ابی حنيفةؒ۔ امالی ابو یوسف میں تصریح موجود ہے کہ امام ابو یوسفؒ اشارہ کے قائل تھے، احناف کی کتابوں میں ظاہر الروایۃ میں اشارہ کا ذکر نہیں ہے، یہ مضر بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ کہا جائیگا کہ ظاہر الروایات اشارہ سے ساکت ہیں، عدم ذکر عدم جواز کی دلیل نہیں ہے۔

بہر حال اشارہ کرنے کا مقام یہ ہے کہ جب نمازی کلمہ شہادت پر پہنچے تو "لا الـه" نفی پر انگلی اٹھالے تاکہ نفی قولی کے ساتھ نفی عملی شامل ہو جائے، شوافع وحنابلہ فرماتے ہیں کہ "لا الـه الا الـله" اثبات پر انگلی اٹھانا زیادہ بہتر ہے، یہ بھی جائز ہے کہ قاعدہ پر بیٹھتے ہی آدمی دائیں ہاتھ کی انگلیاں شہادت کیلئے بند کر کے رکھے اور یہ بھی جائز ہے کہ شہادت پر پہنچتے ہی انگلیاں بند کی جائیں اور پھر اشارہ کرے اشارہ کے بعد انگلی نیچے رکھنا بھی جائز ہے اور سلام تک بلند رکھنا بھی جائز ہے، ہاں حلقہ کو توڑنا صحیح نہیں ہے۔

"يدعو بها" اس کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھا کر توحید کا اشارہ فرماتے تھے اور تشہد پڑھتے تھے، یہی دعا ہے۔

"باسطها" باسط اسم فاعل کا صیغہ ہے، مراد یہ کہ بائیں ہاتھ گھٹنے پر پھیلائے رکھتے تھے۔ نہ بائیں ہاتھ کی انگلیاں مٹھی بنا کر بند رکھتے تھے اور نہ عام طور پر گھٹنے کو مٹھی کے اندر رکھتے تھے، ہاں کبھی کبھی گھٹنے کو لقمہ بناتے تھے۔

۱۳۱۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُعَاوِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَآنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَعْبَثُ بِالْحَصَى فِي الصَّلَاةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ نَهَانِي فَقَالَ: اصْنَعْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ، فَقُلْتُ: وَكَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ؟ قَالَ: كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى، وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى

علی بن عبدالرحمان المعاویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز میں کنکریوں سے کھیلتے ہوئے دیکھا۔ نماز سے فراغت پرانہوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اسی طرح کیا کرو۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کرتے تھے؟ فرمایا کہ: جب نماز میں قعدہ میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھ لیتے تھے، ہاتھ کی سب انگلیوں کو بند کر کے انگوٹھے سے متصل انگلی سے اشارہ کرتے۔ جب کہ بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا کرتے تھے۔

۱۳۱۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُعَاوِيِّ، قَالَ: صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ، فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ، وَزَادَ: قَالَ سُفْيَانُ: فَكَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِهِ عَنْ مُسْلِمٍ، ثُمَّ حَدَّثَنِيهِ مُسْلِمٌ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث (نماز میں بیٹھے تو داہنی ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور سب انگلیوں کو بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے) مروی ہے۔

باب السلام للخروج من الصلوٰة

نماز سے نکلنے کیلئے سلام کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۱۶۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، وَمَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، أَنَّ أَمِيرًا كَانَ بِمَكَّةَ يُسَلِّمُ تَسْلِيمَتَيْنِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: أَنَّى عَلِقَهَا؟ قَالَ الْحَكَمُ فِي حَدِيثِهِ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهُ

ابو معمرؒ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے ایک امیر و حاکم دو سلام پھیرا کرتے تھے، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: ''یہ کہاں سے اس نے طریقہ نکالا''؟ حکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

تشریح:

''فقال عبد الله'' اس سے عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہیں، غلام رسول سعیدی نے صریح علمی غلطی کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں،

حالانکہ جب طبقہ صحابہ میں مطلق عبداللہ کا نام آجائے تو اس سے عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں اور جب نیچے طبقات میں مطلق عبداللہ کا نام آجائے تو اس سے عبداللہ بن مبارک مراد ہوتے ہیں۔ "انی علقھا" یہ صیغہ سمع یسمع سے ہے، جانور یا پرندہ کا جال میں پھنس جانے کو کہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دو سلاموں کے ساتھ نماز سے نکلنے کی یہ سنت اس امیر کو کہاں سے حاصل ہوگئی ہے، اس کلام سے دو باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے، ایک یہ کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آیا تھا جس میں دو سلاموں کے بجائے ایک سلام کا رواج ہوگیا تھا، حضرت ابن مسعودؓ نے جب دو سلاموں کو دیکھا تو خوش ہوگئے اور فرمایا کہ ان کو یہ سنت کہاں سے حاصل ہوگئی، دوسرا اس طرف اشارہ ہے کہ ایک سلام کے بجائے دو سلام اصل سنت طریقہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

"کان یفعلہ" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سلام پھیر کا نماز سے نکلتے تھے۔

دو سلام پھیر کر نماز سے نکلنا اصل سنت ہے

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے قعدہ اخیرہ کے بعد نکلنے کیلئے دو سلام پھیرنا چاہئے، یہی ائمہ احناف اور جمہور فقہاء کا مسلک ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ دو سلاموں کے ساتھ نماز سے نکلنے کی روایت بیس صحابہ سے منقول ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز سے نکلنے کیلئے ایک سلام مسنون ہے، انہوں نے جن روایات سے استدلال کیا ہے مذکورہ کثیرہ صریحہ صحیحہ روایات کے مقابلہ میں وہ روایات ضعیف بھی ہیں اور نا قابل استدلال بھی ہیں (نووی) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ایک سلام کی روایات معلول ہیں، ان میں علت خفیہ قادحہ موجود ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی وہ بیان جواز کیلئے ہیں، عام قائدہ نہیں ہے، جس نے ایک سلام پھیر کر نماز سے خروج اختیار کیا تو نماز جائز ہوگی، لیکن سنت کی اعلیٰ فضیلت حاصل نہیں ہوگی، یہ تو دو سلام پھیر کر نماز سے نکلنے کا مسئلہ تھا جو احناف و جمہور کا اتفاقی مسلک ہے، صرف امام مالک کا اختلاف ہے۔

نماز سے نکلنے کیلئے لفظ سلام کی حیثیت میں فقہاء کا اختلاف

لیکن یہاں دوسرا مسئلہ اختلافی ہے جس میں احناف اور جمہور کے درمیان اختلاف ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا نماز سے نکلنے کیلئے صرف سلام متعین ہے یا کسی اور طریقہ سے بھی نماز سے خروج ممکن ہے تو جمہور کے نزدیک لفظ سلام متعین ہے، احناف کے ہاں صنع المصلی بھی کافی ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں:

"اعلم ان السلام رکن من ارکان الصلاۃ و فرض من فروضھا لا تصح الا بہ ھذا مذھب جمھور العلماء من الصحابۃ و التابعین و من بعدھم، وقال ابو حنیفہ ھو سنۃ و یحصل التحلل من الصلوۃ بکل شئ ینافیھا من سلام او کلام او حدیث او قیام او غیر ذلک۔" (نووی) معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک سلام کے الفاظ سے نکلنا فرض ہے۔ علامہ نووی مزید لکھتے ہیں:

"ولو اختل بحرف من حروف "السلام علیکم" لم تصح الصلوۃ۔"

جمہور کے مقابلے میں ائمہ احناف، سفیان ثوری اور اوزاعی شام کا مسلک یہ ہے کہ نماز سے نکلنے کیلئے لفظ سلام کا ادا کرنا واجب ہے، اگر ایسا نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے، لیکن صنع المصلی فرض ہے، یعنی نمازی کسی بھی طریقے کو عمداً اختیار کرتا ہے تو فرض ادا ہو جائے گا، البتہ

خاص لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے، اگر ایسا نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

دلائل:

جمہور نے ابوداؤد شریف کی اس روایت سے استدلال کیا ہے:"مفتاح الصلوة الطهور و تحريمها التكبير و تحليلها التسليم" (ابو داؤد) وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حصر ہے کہ نکلنے کیلئے صرف سلام کے الفاظ ہیں، ائمہ احناف نے بعض ایسی روایات سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات پڑھ لیں، چار پر سلام نہیں پھیرا اور سجدۂ سہو کیا، اگر سلام فرض ہوتا تو نماز توڑ دیتے، یہ دلیل کمزور ہے۔ ائمہ احناف کی دوسری واضح دلیل سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ عمرؓ کی حدیث ہے جو حاضر خدمت ہے۔

"وعن عبد الله بن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا احدث احدكم وقد جلس في آخر صلاته قبل ان يسلم فقد جازت صلاته۔ رواه الترمذي و قال هذا حديث اسناده ليس بالقوى وقد اضطربوا في اسناده۔

"فقد جازت صلوته" یعنی ایک نمازی تشہد کی مقدار قعدہ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور پھر اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس کی نماز ہوگئی یا نماز فاسد ہوگئی زیر بحث حدیث بتاتی ہے کہ اس کی نماز ہوگئی اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سلام کے الفاظ سے نماز سے نکلنا واجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص اختیاری طور پر کسی منافی صلوٰۃ عمل کر کے نکلتا ہے تو اس کا فرض پورا ہوگیا۔ اگرچہ واجب رہ جانے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہے، جمہور اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نماز فاسد ہوگئی، کیونکہ خاص کر سلام کے الفاظ سے نکلنا ان کے نزدیک فرض ہے اور فرض پورا نہیں ہوا، لہٰذا نماز نہیں ہوئی، بہر حال نماز کا لوٹانا دونوں کے نزدیک ضروری ہے، فرق اتنا ہے کہ امام ابو حنیفہ لوٹانے کو واجب کہتے ہیں، جمہور فرض کہتے ہیں، زیر بحث حدیث امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے، اگرچہ اس میں بے وضو ہونے کا یہ عمل قصداً نہیں ہوا ہے، لیکن نمازی کے فعل سے ہوا ہے اور سلام کے بغیر ہوا ہے، اس حد تک یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے، شوافع حضرات نے اس حدیث کو مضطرب کہا ہے، مطلب یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ راویوں کو صحیح طور پر یاد نہیں۔

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کو نہ ضعیف تسلیم کیا ہے اور نہ مضطرب مانا ہے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اتنے متعدد طرق سے وارد ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجہ میں آگئی ہے، چنانچہ امام طحاوی نے اس کو کئی طرق سے نقل کیا ہے۔

یاد رہے خروج بصنع المصلی پر جمہور سخت اعتراض کرتے ہیں اور ائمہ احناف کا مزاق اڑاتے ہیں۔ اس وجہ سے امام کرخی نے "خروج بصنع المصلی" پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہیں ہے، ان کے نزدیک اس طرح کرنے سے نماز باطل ہوجائے گی "صنع المصلی" سے نکلنے سے نماز کا صحیح ہونا صاحبین کا مسلک ہے، بہر حال عام فقہاء احناف اور متون فقہ میں یہی لکھا ہے کہ خروج بصنع المصلی سے نکلنا فرض ہے، سلام کا لفظ واجب ہے۔

جواب:

ائمہ احناف جمہور کے استدلال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ فرض کو ثابت کرنے کیلئے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ

ہو اور ان کا مستدل "وتحليلها التسليم" اگر صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، پھر بھی یہ خبر واحد ہے، جس سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا سلام کے الفاظ کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے، فرض نہیں ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔

۱۳۱۷۔ وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، - قَالَ شُعْبَةُ: رَفَعَهُ مَرَّةً - أَنَّ أَمِيرًا أَوْ رَجُلًا سَلَّمَ تَسْلِيمَتَيْنِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ أَنَّى عَلِقَهَا

یہ حدیث بھی سابق حدیث کی مثل ہے یعنی ایک امیر یا ایک آدمی نے دو سلام پھیرے تو عبداللہؓ نے کہا اس نے یہ سنت کہاں سے سیکھی۔ باقی حدیث بھی مذکورہ حدیث کی مثل ہے۔

۱۳۱۸۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا کہ دائیں اور بائیں سلام پھیرا کرتے تھے (اور اتنا چہرۂ مبارک موڑتے تھے) کہ مجھے رخسار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سفیدی نظر آنے لگی تھی۔

باب الذكر بعد الصلوٰة

فرض نماز کے بعد زور سے اللہ اکبر کہنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۱۹۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: أَخْبَرَنِي بِهَذَا أَبُو مَعْبَدٍ، ثُمَّ أَنْكَرَهُ بَعْدُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كُنَّا نَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کا علم آپ کی تکبیر سے ہوتا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام سے فراغت پر فوراً اللہ اکبر کہا کرتے تھے)۔

۱۳۲۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يُخْبِرُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَا كُنَّا نَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا بِالتَّكْبِيرِ قَالَ عَمْرٌو: " فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِأَبِي مَعْبَدٍ فَأَنْكَرَهُ، وَقَالَ: لَمْ أُحَدِّثْكَ بِهَذَا، قَالَ عَمْرٌو: وَقَدْ أَخْبَرَنِيهِ قَبْلَ ذَلِكَ "

عمرو بن دینارؒ، ابو معبد سے جو ابن عباسؓ کے آزاد کردہ تھے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے بتلایا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اختتام آپ کے اللہ اکبر سے معلوم کرتے تھے۔ عمرو کہتے ہیں کہ میں نے ابو معبد سے (بعد میں کبھی) دوبارہ یہ حدیث ذکر کی تو انہوں نے انکار کیا کہ میں نے تم

سے کبھی یہ حدیث بیان نہیں کیا۔ حالانکہ اس سے قبل یہ حدیث انہوں نے ہی مجھے بتلائی تھی۔

تشریح:

"ثم انکرہ بعد ابن عباس " یعنی ابومعبد راوی نے پہلے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا، پھر بعد میں انکار کیا کہ میں نے بیان نہیں کیا ہے، امام مسلمؒ نے اس انکار کے باوجود جب اس حدیث کو نقل کیا ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث کے شیخ کا اس طرح انکار کرنے سے حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ حدیث صحیح رہتی ہے، جبکہ راوی قابل اعتماد اور ثقہ ہو، یہی جمہور محدثین کا مسلک ہے اور فقہاء اور اصول فقہ کے علماء کا بھی مذہب یہی ہے، البتہ احناف میں سے علامہ کرخیؒ نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح روایت قابل احتجاج نہیں ہے، ہاں جمہور محدثین نے یہ کہا ہے کہ اگر انکار کرنے والا شیخ قطعی طور پر یقین سے انکار کردے اور کہہ دے کہ مجھ سے بیان کرنے والا راوی جھوٹ کہتا ہے تو پھر کسی کے نزدیک اس طرح روایت قابل قبول نہیں ہے (نووی) ابومعبد حضرت ابن عباس کا غلام ہے اور شاگرد بھی ہے، ان سے عمرو بن دینار حدیث نقل کرتے ہیں۔

"کنا نعرف انقضاء الصلوۃ " حضرت ابن عباسؓ چونکہ چھوٹے تھے اس لئے گھر میں ہوتے تھے، لیکن ان کی ذہانت کو دیکھئے کہ کس طرح صحیح اندازہ لگاتے تھے، چونکہ ان کا مکان مسجد کے ساتھ تھا تو جب جماعت ختم ہوجاتی تھی اور تکبیر کی آواز بلند ہوتی تھی تو ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ جماعت ہوگئی، اس طرح معمولی آواز بلند کرنا جو انسان کے طبعی نظام کے تحت ہو، اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور ہر جگہ اہل حق کی مساجد میں اس طرح ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہئے، جماعت سے فراغت کے وقت لوگ چونکہ بہت ہوتے ہیں تو وہ آہستہ آواز سے بھی اگر ذکر اللہ یا استغفار کریں تب بھی آواز بلند سنائی دیتی ہے اور مسجد میں گونج اٹھتی ہے، خلاصہ یہ کہ اعتدال کی حد تک جہر بالاذکار ثابت ہے، لیکن حد سے تجاوز ثابت نہیں ہے، بلکہ عام اوقات میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ جس تکبیر کی بات فرماتے ہیں یہ ایام منیٰ کی بات تھی اور ایام تشریق میں تکبیرات کو بلند آواز سے پڑھنا امت کا متفقہ مسئلہ ہے۔

فرض کے بعد اللہ اکبر بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زیر بحث روایت کے متعلق پہلے لکھا جاچکا ہے کہ وہ چونکہ چھوٹے تھے، اس لئے جماعت میں شریک نہیں ہورہے تھے اور ان کا گھر مسجد کے قریب تھا، اس لئے نماز سے صحابہ کرامؓ کی فراغت کے بعد تکبیر پڑھنے کی آواز سنتے تھے، اسی کو نقل فرمایا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد زور سے اللہ اکبر کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر بعض علماء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ بلند آواز سے نماز کے بعد اللہ اکبر کا پڑھنا مستحب ہے۔ قائلین استحباب میں ابن حزم اور شیخ عبدالحق وغیرہ بھی ہیں۔

جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر وغیرہ کہنا مستحب نہیں ہے، بلکہ مستحب یہ ہے کہ اللہ اکبر آہستہ کہا جائے، جمہور کے نزدیک کبھی کبھی بلند آواز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تعلیم امت کیلئے تھا اور یہ حدیث تعلیم پر محمول ہے، اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کی حدیث بھی تعلیم امت پر محمول ہے یا یہ عمل حج کے بعد منیٰ میں ایام تشریق کی تکبیرات پر محمول ہے یا یہ جہر معمول کے مطابق

جہر پر محمول ہے۔ جو اب بھی اہل حق کی مساجد میں جاری ہے اور لوگوں کی کثرت ازدحام کی وجہ سے مسجدوں میں گونج پیدا ہوتی ہے۔

نماز کے بعد اہل بدعت کا عمل مستند نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے آج کل اہل بدعت استدلال کرتے ہیں اور نمازوں کے بعد بلند آواز سے لا الـہ الا اللہ کا ذکر کچھ دیر تک کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ سنت پر عمل کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے، بلکہ بے جا ہے۔

وجہ اول:

اصل قاعدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے عمل کو دیکھنا پڑے گا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو کس انداز سے لیا ہے، آیا اس کو ہمیشہ کیلئے جاری رکھا ہے یا وقتی طور پر کسی عارض کی وجہ سے عمل کر کے چھوڑ دیا ہے، چنانچہ اسی قاعدہ اور اسی اصل کی طرف مشہور شارح حدیث ابن بطال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقول ابن عباس کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم فیه دلالة انه لم یکن یفعل حین حدث به لانه لو کان یفعل لم یکن لقوله معنی فکان التکبیر فی اثر الصلوة لم یواظب الرسول علیه طول حیاته و فهم اصحابه ان ذلك لیس بلازم فترکوه خشیة ان یظن انه مما لا تتم الصلوة الا به فلذلك کرهه من الفقهاء" (بحو اله اشرف التوضیح)

اس عبارت کا مطلب مختصراً یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ حدیث بیان فرمائی، اس وقت ان کا یہ معمول نہیں تھا، کیونکہ اگر ان کا اپنا معمول ہوتا تو ماضی کا قصہ بیان کرنے میں ان کے کلام کا کوئی مطلب و مقصد نہیں بنتا۔

خلاصہ یہ کہ بلند آواز سے تکبیر کہنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کی مواظبت نہیں تھی اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہی سمجھ لیا کہ یہ عمل لازم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اس عمل کو ترک کر دیا اس خوف سے کہ لوگ اس کو نماز کا لازمی حصہ تصور نہ کریں، اسی وجہ سے فقہاء نے بھی اس کو پسند نہیں کیا۔

وجہ دوم:

دوسری وجہ یہ سمجھ لینی چاہئے کہ کسی حدیث کا وہی مطلب معتبر ہوتا ہے جو فقہاء اور علماء نے سمجھ لیا ہو، اپنی طرف سے خیر القرون کے بعد مناسب نہیں کہ کچھ لوگ کسی حدیث کے مطلب میں اجتہاد سے کام لیں اور اس کا وہ مطلب نکالیں جو خیر القرون میں سے کسی نے نہیں نکالا ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی دیکھنا چاہئے کہ امت کے علماء اس حدیث کا کیا مطلب سمجھتے رہے ہیں اور آج تک علماء حق کا عمل اس سلسلہ میں کیا رہا ہے۔ صحابہ کرام کی بات آپ سن چکے ہیں کہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا رواج ان کے ہاں نہیں تھا، ان کے بعد فقہاء نے بھی اس حدیث سے نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کو مستحب تک نہیں کہا، چہ جائے کہ اس کو ضروری یا لازم کہہ دیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم ج ا ص ۲۱۷ پر لکھتے ہیں۔

"ونقل ابن بطال و آخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغیرهم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالذکرو

التکبیر"

پھر امام نوویؒ حضرت امام شافعیؒ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا مطلب اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"وحمل الشافعی رحمة الله عليه الحديث على انه جهر وقتا يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لا انهم جهروا دائما"۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۷)

خلاصہ یہ کہ یا تو جہر سے ایسا معتدل جہر مراد لیا جائے جس میں افراط تفریط نہ ہو، اس پر سب لوگ بھی متفق ہو سکتے ہیں اور روایات میں بھی تطبیق آ سکتی ہے، بس اتنی بات ہے کہ بریلوی حضرات اپنی آواز کو کچھ کم کریں اور دیوبندی حضرات کچھ بلند کریں۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ذکر اذکار کے بارے میں تمام احناف کے متفقہ رہنما اور مستند عالم اور شارح حدیث ملا علی قاریؒ کی ایک عبارت نقل کی جائے تاکہ دونوں طرف کے حضرات میں اعتدال آجائے، یہ عبارت انہوں نے مشکوٰۃ "باب الاعتصام بالكتاب والسنة" کی فصل ثالث کی حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کے الفاظ "واقلهم تكلفا" کی شرح میں لکھی ہے۔ ملا علی قاریؒ صحابہ کرامؓ کے شرعی مزاج کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وكذا فى الاحوال الباطنية فانهم كانوا لا يرقصون ولا يصيحون ولا يطيحون ولا يطرقون ولا يجتمعون للغناء و المزامير ولا يتحلقون للاذكار والصلوات برفع الصوت فى المساجد ولا فى بيوتهم بل كانوا فرشيين بابدانهم عرشيين بارواحهم كائنين مع الخلق فى الظاهر بائنين عن الخلق مع الحق فى الباطن الخ"

ترجمہ: اسی طرح باطنی احوال میں صحابہ کرامؓ وجد میں آکر ناچتے نہیں تھے، نہ چیختے چلاتے تھے اور نہ مجذوب بن کر سرگردان پھرتے تھے اور نہ منتر جنتر کرتے تھے اور نہ باجے گاجے کیلئے محفلوں میں جمع ہوتے تھے اور نہ مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر اذکار اور درود کیلئے حلقے باندھتے تھے اور نہ گھروں میں ایسا کرتے تھے، بلکہ وہ ظاہری جسموں کے ساتھ فرش اور زمین پر بسنے والے لوگ تھے اور ارواح کے ساتھ عرش پر بلند ہونے والے لوگ تھے، ظاہر میں عام انسانوں کے ساتھ رہنے والے تھے، مگر باطن میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر ان کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوتا تھا۔

اس ترجمہ کے بعد عرض یہ ہے کہ علامہ نوویؒ نے یہاں جو باب رکھا ہے اس کا عنوان "الذكر بعد الصلاة" ہے، لیکن اس باب میں صرف اللہ اکبر سے متعلق احادیث ہیں، اس لئے بعض شارحین نے عام اذکار مسنونہ مراد لیا ہے، مگر اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے، اس باب میں صرف اللہ اکبر ہی کا بیان ہے اور آئندہ باب "استحباب الذكر بعد الصلاة" میں عام اذکار مسنونہ کا مکمل بیان آنے والا ہے، مگر علامہ نوویؒ پر تعجب ہے کہ الگ الگ عنوانات قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی، صرف ایک عنوان کے تحت تمام اذکار کو بیان کر دیتے تو کتنا اچھا ہوتا، لیکن ع "تجرى الرياح بما لا تشتهى السفن"

۱۳۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ، كَانَ عَلَى

عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذٰلِكَ، إِذَا سَمِعْتُهُ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ہوتا تھا کہ فرض نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا اور جب میں اس ذکر کی آواز سنتا تو مجھے معلوم ہوتا کہ لوگ نماز سے فارغ ہیں۔

باب استحباب التعوذ من عذاب القبر

عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۳۲۲۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى - قَالَ هَارُونُ: حَدَّثَنَا وَقَالَ حَرْمَلَةُ: - أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي امْرَأَةٌ مِنَ الْيَهُودِ، وَهِيَ تَقُولُ: هَلْ شَعَرْتِ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ؟ قَالَتْ: فَارْتَاعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: إِنَّمَا تُفْتَنُ يَهُودُ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَبِثْنَا لَيَالِيَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ شَعَرْتِ أَنَّهُ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ؟ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَعْدُ يَسْتَعِيذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے، ایک یہودی عورت میرے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم قبر میں آزمائے جاؤ گے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپ گئے اور فرمایا کہ: ''آزمائش تو یہود کی ہوگی''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چند راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم (مسلمان) بھی قبور میں آزمائے جاؤ گے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

تشریح:

"هل شعرت" اس عورت کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب بھی اپنے دین یہودیت پر قائم تھی۔ "فارتاع" یہ روع سے ہے، گھبراہٹ کے معنی میں ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ مسلمانوں کے بارے میں تھی کہ اگر عذاب قبر ہے تو مومنین کو ہوگا، یہ اس وقت کی بات تھی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عذاب قبر کے بارے میں وحی نہیں آئی تھی، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہود کو قبر میں عذاب ہوگا، یہ یہود کے ساتھ خاص ہے، مطلب یہ کہ مسلمانوں کو قبر کا عذاب نہیں ہوگا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ عذاب قبر یہود کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مسلمانوں کو بھی قبر میں عذاب ہوگا، تب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا کہ یہ عذاب عام ہے، مسلمانوں کو بھی قبر میں ہوگا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کیلئے ہر نماز میں اور ہر دعا میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کا معمول بنالیا، چنانچہ عذاب قبر کا انکار اہل سنت میں سے کسی نے نہیں کیا، صرف معتزلہ نے اس کو خلاف عقل قرار دے کر انکار کیا۔ جس سے انہوں نے قرآن کی کئی آیتوں اور سیکڑوں احادیث سے روگردانی کی اور غیر شعوری طور پر نصوص کا انکار کیا اور اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہو گئے، عذاب قبر کا مسئلہ انشاء اللہ "ابواب الجنائز" میں آئے گا۔

١٣٢٣۔ وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، - قَالَ حَرْمَلَةُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرَانِ: - حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ يَسْتَعِيذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد سنا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے۔

١٣٢٤۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، كِلَاهُمَا عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيَّ عَجُوزَانِ مِنْ عُجُزِ يَهُودِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَتَا: إِنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ، قَالَتْ: فَكَذَّبْتُهُمَا وَلَمْ أُنْعِمْ أَنْ أُصَدِّقَهُمَا، فَخَرَجَتَا وَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ عَجُوزَيْنِ مِنْ عُجُزِ يَهُودِ الْمَدِينَةِ دَخَلَتَا عَلَيَّ، فَزَعَمَتَا أَنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ، فَقَالَ: صَدَقَتَا، إِنَّهُمْ يُعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ قَالَتْ: فَمَا رَأَيْتُهُ، بَعْدُ فِي صَلَاةٍ إِلَّا يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس یہود مدینہ کی بوڑھیوں میں سے دو بوڑھیاں آئیں اور کہنے لگیں کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ میں نے ان کی تکذیب کی اور جھٹلایا کہ مجھے اچھا نہ لگا کہ ان کی تصدیق کرتی (یہود یہ ہونے کی وجہ سے) وہ دونوں چلی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود مدینہ کی دو بوڑھیاں میرے پاس آئیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا، اہل قبور کو تو ایسا عذاب ہوتا ہے کہ بہائم اور جانور تک اس کی آواز سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی تھی کہ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

تشریح:

"عجوزان" یعنی دو بوڑھی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں۔ "من عجز" یہ جمع ہے، اس کا مفرد عجوز ہے، بوڑھی عورت کو کہتے ہیں، یہ مدینہ منورہ میں رہنے والی یہودی بوڑھیاں تھیں۔

"ولم انعم" یعنی ان دو بوڑھی عورتوں نے جب کہا کہ مردوں کو قبر میں عذاب ہوگا تو میرے دل نے بالکل پسند نہیں کیا کہ میں انکی

تصدیق کروں، بلکہ میں نے ان کو جھٹلا دیا کہ تم جھوٹ بولتی ہو، قبر میں عذاب نہیں ہوتا، طبعی طور پر حضرت عائشہ ؓ گھبرا گئیں کہ قبر میں عذاب کا ہونا تو بہت خطرناک بات ہے۔

"فقال صدقتا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ ؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان عورتوں نے سچ کہا ہے کہ مردوں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ شارحین لکھتے ہیں کہ یہ قصہ الگ ہے اور اس سے پہلے ایک یہودی عورت کا قصہ الگ ہے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عذاب قبر سے متعلق وحی نہیں آئی تھی تو آپ نے فرمایا کہ قبر کا عذاب یہود کو ہوتا ہے، لیکن بعد میں وحی آئی تو حضرت عائشہؓ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورتیں سچ کہتی ہیں، قبر میں عذاب ہوتا ہے، انسان اور جنات کے علاوہ جانور وغیرہ اس عذاب کی چیخ و پکار کو سنتے ہیں۔

١٣٢٥ ۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَفِيهِ قَالَتْ: وَمَا صَلَّى صَلَاةً بَعْدَ ذَلِكَ إِلَّا سَمِعْتُهُ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سابقہ حدیث (اہل قبور کو ایسا عذاب ہوتا ہے کہ جانور بھی آواز سنتے ہیں الخ) کی طرح روایت منقول ہے لیکن اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ جس میں عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔

باب ما يستعاذ منه في الصلوٰة

نماز کے اندر جن چیزوں سے پناہ مانگی جاتی ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے گیارہ احادیث کو بیان کیا ہے

١٣٢٦ ۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نماز میں دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتے سنا ہے۔

١٣٢٧ ۔ وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ يَقُولُ: اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ"

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی تشہد میں ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے اور کہے: اے اللہ! میں عذاب جہنم سے، عذابِ قبر سے، زندگی و موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

تشریح:

"اذا تشھد" یعنی قاعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر دعاؤں کے ساتھ استعاذہ کی دعا بھی فرماتے تھے اور امت کو بھی حکم دیا کہ تم بھی ایسا ہی کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استعاذہ تو صرف تعلیم امت کیلئے تھا ورنہ آپ تو معصوم تھے اور شیاطین وغیرہ کے ہر شر سے محفوظ تھے۔

"فتنة المحيا" زندگی کے فتنے تو بے شمار ہیں، مثلاً ابتلاء اور امتحان آجائے اور صبر نہ ہو، نیز دنیا کی محبت، اس کی خواہشات و ملذات و جہالات سب اس کے فتنے ہیں، مگر سب سے بڑا فتنہ یہ کہ آخر خاتمہ کفر و نفاق پر ہو جائے۔ "والممات" اس سے موت کے وقت کا فتنہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور موت کے بعد قبر کے عذاب کا فتنہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے، عذاب قبر کی مختلف شکلیں ہیں، لہٰذا کوئی تکرار نہیں ہے۔

"المسيح الدجال" مسیح ماسح کے معنی میں ہے کہ دجال پوری دنیا کو مسح کرے گا یا مسیح ممسوح کے معنی میں ہے، کیونکہ دجال ممسوح العین ہے۔ "دجال" یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، دجل فراڈ اور دھوکہ کو کہتے ہیں، دجال بھی بڑا جادوگر شعبدہ باز اور بڑا فراڈی ہے، اس کے اقوال میں بھی فتنہ ہے کہ مردہ سے کہے گا زندہ ہو جاؤ، زمین سے کہے گا اپنے خزانے نکال لاؤ، آسمان سے کہے گا بارش برساؤ، اسی طرح اس کے افعال و اعمال میں بھی بڑا فتنہ ہے، حدیث میں ہے کہ دجال کے فتنہ سے زیادہ سخت مسلمانوں کیلئے کوئی دوسرا بڑا فتنہ نہیں ہے، ساتھ والی روایت میں "المأثم" سے گناہ مراد ہے اور "المغرم" سے قرض مراد ہے، قرض کا بوجھ اچھے خاصے آدمی کو خراب کر دیتا ہے، وعدہ خلافی اور جھوٹ اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، اس لئے اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، ان چیزوں سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے امت کو اس کی تعلیم دی ہے یا آپؐ نے اظہار عبودیت اور تواضع کے طور پر اس طرح دعا مانگی ہے۔

١٣٢٨۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ قَالَتْ: فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ، حَدَّثَ فَكَذَبَ، وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور پناہ پکڑتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے اور آپ کی پناہ پکڑتا ہوں زندگی و موت کے فتنہ سے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہ کے بوجھ سے اور قرض و تاوان کے بوجھ سے''۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ قرض سے اتنی کثرت سے کیوں پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا کہ

جب انسان مقروض ہوتا ہے تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے خلاف ورزی کرتا ہے (تو قرض کی وجہ سے دوگناہوں میں جو کبیرہ گناہ ہیں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

١٣٢٩۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنِي الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ، فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ: مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم (نماز میں) دوسرے تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی چار چیزوں سے پناہ مانگا کرو، ایک عذاب جہنم سے، دوسرے عذاب قبر سے، تیسرے زندگی وموت کے فتنہ سے اور چوتھے مسیح دجال کے فتنہ سے''۔

١٣٣٠۔ وحَدَّثَنِيهِ الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا هِقْلُ بْنُ زِيَادٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ، جَمِيعًا عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْآخِرَ

اوزاعی رحمہ اللہ اسی سند کے ساتھ سابقہ حدیث (تشہد کے فارغ ہونے کے بعد عذاب جہنم، عذاب قبر، فتنہ زندگی و موت اور فتنہ دجال سے پناہ مانگا کرو) منقول ہے، لیکن اس روایت میں تشہد اخیر کا تذکرہ نہیں ہے۔

١٣٣١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَشَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! میں عذاب قبر، جہنم کے عذاب، زندگی وموت کے فتنہ اور مسیح دجال کے شر سے آپ کی پناہ کا طالب ہوں''۔

١٣٣٢۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عُوذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ اللهِ، عُوذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، عُوذُوا بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، عُوذُوا بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگتے رہو اللہ کے عذاب سے، اور اللہ سے پناہ مانگتے رہو قبر کے عذاب سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے اور زندگی وموت کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہو''۔

١٣٣٣۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ حدیث اس سند سے بھی بعینہ روایت کرتے ہیں۔

۱۳۳۴۔ وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سابقہ روایت (اللہ کی پناہ مانگتے رہو اللہ کے عذاب، عذاب قبر، فتنہ دجال اور فتنہ زندگی وموت سے) منقول ہے۔اس سند کے ساتھ بھی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت (عذاب قبر، فتنہ دجال، عذاب اللہ اور فتنہ زندگی وموت سے پناہ مانگو) منقول ہے۔

۱۳۳۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ بُدَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَعَذَابِ جَهَنَّمَ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ

حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ عذاب قبر، عذاب جہنم اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتے رہتے تھے۔

۱۳۳۶۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، فِيمَا قُرِءَ عَلَيْهِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ قُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ قَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ: " بَلَغَنِي أَنَّ طَاوُسًا قَالَ لِابْنِهِ: أَدَعَوْتَ بِهَا فِي صَلَاتِكَ؟ فَقَالَ: لَا، قَالَ: أَعِدْ صَلَاتَكَ، لِأَنَّ طَاوُسًا رَوَاهُ عَنْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ، أَوْ كَمَا قَالَ "

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح قرآن کی سورتیں لوگوں کو سکھلایا کرتے تھے، اسی طرح یہ دعا بھی سکھاتے تھے کہ یہ کہو ’’اے اللہ! میں آپ سے جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے، مسیح دجال کے فتنہ سے اور زندگی وموت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں‘‘۔امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ طاؤسؒ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ کیا تم نے نماز میں کبھی یہ دعا مانگی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! طاؤسؒ نے فرمایا: کہ تو پھر اپنی نماز لوٹاؤ، کیونکہ طاؤس نے اس حدیث کو تین یا چار سے روایت کیا ہے۔

تشریح:

’’اعد صلوتک‘‘یعنی اپنی نماز کو لوٹا دو، تمہاری نماز نہیں ہوئی، پہلے یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ اس باب میں ’’تعوذ‘‘ کا جو حکم ہے، یہ تشہد کے بعد سلام سے پہلے نماز کے اندر پڑھنے کا حکم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو نہایت اہتمام کے ساتھ تعوذ کا حکم دیا ہے اور خود بھی اس پر عمل کیا ہے، اس حدیث سے دو حدیثیں پہلے حضرت ابو ہریرہؓ سے شیخ طاؤس نے جو حدیث روایت کی ہے، اس میں چار

مرتبہ امر "عوذوا" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ چار چیزوں سے پناہ مانگو، زیر بحث حدیث میں شیخ طاؤس حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا صحابہ کرام کو اس طرح سمجھاتے اور سکھاتے تھے جس طرح قرآن کریم کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے، انہی تاکیدات اور اہتمام کو دیکھ کر شیخ طاؤسؒ نے اس کو نماز کا اہم حصہ تصور کر لیا اور بیٹے سے کہا کہ جب تم نے نماز میں یہ دعا نہیں پڑھی تو تم نے نماز میں نقصان کیا، لہٰذا نماز کو دوبارہ پڑھ لو۔

سوال: جمہور علماء کے نزدیک نماز میں یہ دعاء مستحب ہے، اس کے بغیر نماز درست ہے، اب سوال یہ ہے کہ شیخ طاؤسؒ نے اپنے بیٹے کو نماز لوٹانے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ شاید شیخ طاؤسؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "امر" کو وجوب پر حمل کیا، اس لئے واجب کے چھوٹنے سے بیٹے کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا، دوسرا جواب یہ ہے کہ شاید شیخ طاؤسؒ اپنے بیٹے کو اس دعاء کی اہمیت سمجھانا چاہتے تھے، اس لئے بطور تادیب ان کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا، یہ مقصد نہیں تھا کہ یہ دعاء واجب ہے۔

باب استحباب الذكر بعد الصلوة

نماز کے بعداذکار مسنونہ کے استحباب کابیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے بیس احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۳۳۷۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ أَبِي عَمَّارٍ، اسْمُهُ شَدَّادُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ: اللهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ قَالَ الْوَلِيدُ: فَقُلْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ: "كَيْفَ الْاسْتِغْفَارُ؟ قَالَ: تَقُولُ: أَسْتَغْفِرُ اللهَ، أَسْتَغْفِرُ اللهَ"

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار فرماتے اور یہ کلمات کہتے: اے اللہ! آپ سلام ہیں، آپ ہی کی طرف سے سلامتی ہے، آپ پاک ہیں یا ذوالجلال والاکرام"۔
ولید (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعیؒ سے کہا کہ استغفار کیسے کرتے تھے؟ فرمایا کہ استغفر اللہ، استغفر اللہ فرماتے تھے۔

تشریح:

"اللهم انت السلام" اس باب میں وہ احادیث بیان کی جائیں گی، جن سے نماز کے بعد دعا اور اوراد و وظائف کی فضیلت اور اہمیت ظاہر ہو جائے گی، ذکر کا لفظ عام ہے جو وظائف اور ادعیہ سب کو شامل ہے۔
یہ مسئلہ کچھ غور طلب ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہوتی ہیں، ان کے بعد نمازی اوراد اور ادعیہ پڑھنے کیلئے کتنی دیر تک بیٹھ سکتا ہے۔
علماء احناف میں سے صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سنتوں میں تاخیر کرنا مکروہ ہے، صرف "اللهم أنت السلام"

آخر تک کی مقدار تک بیٹھنا ثابت ہے۔فقہاء نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ سنتوں کے پڑھنے کیلئے فرائض کے اختتام پر جلدی اٹھنا چاہئے۔
علامہ حلوانیؒ کا قول یہ ہے کہ اوراد اور وظائف پڑھنے کیلئے فرض اور سنتوں کے درمیان وقفہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس قول کو کچھ دیگر فقہاء نے بھی لکھا ہے۔
مفتی الہند مفتی کفایت اللہؒ نے اپنی نفیس کتاب "النفائس المرغوبۃ فی الادعیۃ بعد المکتوبۃ" میں لکھا ہے کہ "اللھم انت السلام" کی روایت میں حضرت عائشہؓ نے وقت میں حصر نہیں بتایا اور نہ حضرت عائشہؓ نے کوئی وقت متعین کیا ہے، بلکہ حضرت عائشہؓ نے اس روایت "اللھم انت السلام" کی مقدار کا اندازہ بتایا ہے تو اس اندازہ اور مقدار میں دوسری دعائیں بھی آسکتی ہیں، جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے، اس میں کوئی منافات نہیں ہے اور نہ اختلاف ہے۔
علامہ حلبیؒ نے فقہاء کے کلام میں اس معمولی سے اختلاف میں تطبیق دی ہے، اس تطبیق سے بھی دونوں اقوال میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے تاخیر کو جو مکروہ لکھا ہے، اس سے مکروہ تحریمی کے بجائے مکروہ تنزیہی مراد لیا جائے تو مسئلہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا رہ جائے گا، مطلب یہ ہوگا کہ سنتوں میں تاخیر کرنا بہتر نہیں ہے اور علامہ حلوانی کے قول کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ وظائف پڑھنے کی غرض سے سنتوں میں تاخیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن مناسب اور بہتر یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے۔
بہرحال فرائض اور سنتوں کے درمیان وظائف پڑھنے کی گنجائش ہے۔
فقہاء نے لکھا ہے کہ فرض کے بعد سنتوں کے پڑھنے کیلئے صفوں کو توڑنا زیادہ بہتر ہے، صف بندی کر کے سنن ونوافل نہیں پڑھنا چاہئے، کچھ آگے پیچھے ہو جانا چاہئے، امام صاحب کو بھی چاہئے کہ اپنے مصلّی سے کچھ ہٹ کر کھڑا ہو جائے تا کہ کسی کو یہ اشتباہ نہ ہو جائے کہ لوگ فرض میں کھڑے ہیں۔ "بعد المکتوبۃ" جن ادعیہ کا ذکر احادیث میں بعد المکتوبۃ کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے تو سنن پڑھنے کے بعد بھی وظائف پڑھے جاسکتے ہیں، کیونکہ بعد السنن بھی بعد المکتوبۃ ہی ہے، سنن پڑھنے سے فرض کی بعدیت ختم نہیں ہوتی، اس توجیہ سے بہت سارے اشکالات ختم ہو جائیں گے، کیونکہ فرائض کے بعد جن لمبے وظائف کا ذکر جو احادیث میں آیا ہے، وہ اس وقت میں آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں اور لطف یہ کہ سب کچھ بعد الفرائض ہی ہوں گے۔

فرائض کے بعد وظائف وادعیہ

نماز کے بعد ذکر اللہ اور دعا کرنا جمہور کے نزدیک مستحب ہے، بہت ساری احادیث سے فرائض کے بعد دعا کرنا ثابت ہے، بلکہ فرائض کے بعد دعا کو قبولیت دعا کے مواضع میں شمار کیا گیا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے "ودبر الصلوٰۃ المکتوبۃ" علامہ ابن قیمؒ نے اس جملہ میں تاویل کی ہے کہ یہاں دبر الصلوٰۃ سے مراد نماز کے بعد نہیں بلکہ نماز کا آخری حصہ مراد ہے جو سلام سے پہلے ہے، مگر یہ تاویل صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ احادیث میں "اذا سلم من صلاتہ" کے الفاظ بھی آئے ہیں اور "اذا نصرف من صلاۃ المغرب" کے الفاظ بھی آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اذکار نماز کے اختتام پر ہیں، بلکہ بعض روایات میں تو عجیب الفاظ آئے ہیں، جن سے فرائض کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ایک حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ

ہیں: "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوته"
حافظ جلال الدین سیوطیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: "رجاله ثقات" (اعلاء السنن)

فرائض کے بعد اذکار طویل ہیں یا قصیر ہیں؟

فرض نماز کے بعد کس انداز کے اذکار ہونے چاہئیں آیا طویل ہوں یا مختصر ہوں، اس سلسلہ میں احادیث مختلف طور پر وارد ہیں، لیکن بنیادی طور پر ان احادیث کو دو قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
پہلی قسم وہ احایث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد مختصر ساذکر اور دعا کر کے مصلی سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔حضرت عائشہؓ کی "اللهم انت السلام" والی روایت اسی قسم میں سے ایک ہے، دوسری قسم احادیث وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل اذکار اور طویل دعائیں پڑھی ہیں، جیسے ۳۳ بار سبحان اللہ اور الحمدللہ پڑھنے والی دعائیں ہیں اور آیت الکرسی ہے اور کبھی طلوع آفتاب تک بیٹھ کر فجر کے بعد آپ وظائف کرتے رہے۔
احناف نے ان دونوں قسم کی روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ مختصر اذکار والی احادیث کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن کے بعد سنن مؤکدہ ہیں، جیسے ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور طویل اذکار والی احادیث کا تعلق ان نمازوں سے ہے، جن کے بعد سنن نہیں ہیں جیسے فجر اور عصر کی نماز ہے۔
فقہاء لکھتے ہیں کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں تو سنتیں جلدی پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنتیں فرائض کے ساتھ ملا کر آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہیں، چنانچہ ایک مرفوع حدیث کو حضرت حذیفہؓ نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ اس طرح ہیں "عجلوا الركعتين بعد المغرب فانهما ترفعان مع المكتوبة۔" (اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۵۷)

فرائض کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

یہاں چند مسائل کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کیونکہ آج کل ایک نیا رجحان پیدا ہو گیا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا بدعت ہے، وہ حضرات دعا نہ مانگنے کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور اپنے زیر اثر حلقوں میں اس کو مکمل طور پر منع بھی کرتے ہیں، لہٰذا یہاں کسی حد تک تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔
(۱): قرآن وحدیث میں مطلق دعا مانگنے کی بے شمار آیات واحادیث موجود ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔
(۲): فرض نمازوں کے بعد مطلق دعا مانگنے کی احادیث میں بہت زیادہ ترغیب موجود ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں۔
(۳): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کے بعد صحابہ کرام کی طرف چہرہ انور موڑ کر بیٹھتے تھے، اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔
(۴): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر زبان مبارک سے مختلف دعائیں بھی پڑھی ہیں، یہ بھی ثابت ہے۔
(۵): مطلق دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔علامہ سیوطیؒ نے اس قسم کی ایک سو احادیث جمع فرمائی ہیں۔

(۶): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے، اس میں احادیث موجود ہے۔

(۷): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرہ انور پر پھیرا ہے، یہ بھی ثابت ہے۔

(۸): فرائض کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتماعی دعا ثابت ہے اور سب کا ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہے، اب صرف یہ بات ثابت کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد جو دعا مانگی ہے تو کیا صحابہ کرام نے بھی اجتماعی طور پر مانگی ہے یا نہیں، اس میں کوئی صریح حدیث کا ملنا تو مشکل ہے، البتہ قرائن واشارات سے ثابت کیا جاسکتا ہے یا صلوۃ استسقاء کے موقع پر رفع یدین کے ساتھ اجتماعی دعا کو صریح طور پر ثابت کیا جاسکتا ہے، بعض دیگر روایات بھی ایسی ہیں جو اجتماعی دعا کے ثبوت کی سرحدوں کو چھورہی ہیں۔ میں سب سے پہلے مندرجہ بالا امور مذکورہ سے متعلق چند احادیث کو نقل کروں گا اور پھر اکابر فقہاء کے اقوال کو لکھوں گا تا کہ مسئلہ مدلل بن جائے، مختلف روایات کی عربی عبارات پیش خدمت ہیں:

۱۔ اخرج الحاکم فی المستدرك وقال صحیح علی شرط مسلم من حدیث حبیب بن مسلمة الفهری رضی الله عنه و کان مجاب الدعوة قال سمعت رسول الله صلی الله عیله و سلم یقول لا یجتمع قوم مسلمون یدعو بعضهم ویومن بعضهم الا استجاب الله تعالیٰ دعائهم۔ (بحواله ثلاث رسائل فی استحباب الدعا ص ۱۰۷)

۲۔ و عن سلمان الفارسی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما رفع قوم اکفهم الی الله عزو حل یسألونه شیئا الا کان علی الله حقاً ان یضع فی ایدیهم الذی سئالوا۔ رواه الطبرانی (بحواله ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء ص ۱۲۵)

۳۔ عن محمد بن ابی یحیی قال رأیت عبد الله بن الزبیر و رای رجلاً رافعاً یدیه یدعو قبل ان یفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال له ان رسول الله صلی الله علیه و سلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوته۔ رواه الطبرانی قال الحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد رجاله ثقات۔ (بحواله ثلاث رسائل ص ۱۲۶)

مطلب یہ کہ سلام پھیرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے، ظاہر ہے کہ صحابہؓ نے ساتھ دیا ہوگا۔

۳۔ واخرج الحاکم من طریق اسماعیل بن عیاش عن راشد بن دائود عن یعلی بن شداد قال حدثنی شداد بن اوس "و عبادة بن الصامت رضی الله عنه حاضر یصدقه" اِنّا لعند رسول الله صلی الله علیه و سلم اذ قال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب فقلنا لا یا رسول الله فامر بغلق الابواب فقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا اله الا الله فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال اللهم انت بعثتنی بهذه الکلمة و وعدتنی علیها الجنة و انت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فقد غفر لکم۔ (طبرانی و مسند احمد)

(٤) وقد اخرج عبد بن حمید و ابن مردویه عن ابن عباس رضی الله عنه فی قوله تعالیٰ "فاذا فرغت فانصب" قال اذا فرغت من الصلوة فانصب الی ربك بالدعا و اسئله حاجتك۔ (بحواله ثلاث رسائل ص ٣٤)

تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے

۵۔ واخرج الامام البخاری فی صحیحه عن ابی موسی الا شعریؓ قال دعا النبی ﷺ بماء فتو ضأ ثم رفع یدیه فقال اللهم اجعله یوم القیامة فوق کثیر من خلقك من الناس۔ رواه البخاری و مسلم و النسائی۔ (بحواله استحباب الدعاء بعد الفرائض ورفع الیدین ص ۲۸)

اب چند حوالے ایک اور کتاب سے نقل کرنا چاہتا ہوں، اس کتاب کا نام "استحباب الدعاء بعد الفرائض ورفع الیدین فیه" ہے، اس کے مؤلف فضیلة الشیخ العلامة المحدث عبدالحفیظ ملک عبدالحق المکی ہیں۔

۱۔ واخرج الامام البخاری فی صحیحه عن انس بن مالك رضی الله قال اتیٰ رجل اعرابی من اهل البدو الی رسول الله ﷺ یوم الجمعة فقال یا رسول الله! هلکت الماشیة، هلك العیال، هلك الناس، فرفع رسول الله ﷺ یدیه ورفع الناس ایدیهم مع رسول الله ﷺ یدعون قال فما خرجنا من المسجد حتی مطرنا۔ (رواه البخاری)

قال العلامة المحقق المفتی عبد الرحیم الاجپوری فی فتاواه یتضح من هذا الحدیث ان الصحابة عموماً کانوا یرفعون ایدیهم مع الرسول ﷺ عند ما یرونه قد رفع یدیه للدعا حتی یشارکوه فی هذا الخیر و لا یحرموا برکته وهو اللائق بحالهم من شدة محبتهم وتعلق خاطر هم به و اعتقاد هم باستجابة دعائه۔ انتهی۔

وقال شیخ الحدیث المبارکفوری فی "تحفة الاحوذی" بعد ما جاء بهذا الحدیث قال ما نصه قالوا هذا الرفع هکذا وان کان فی الاستسقاء لکنه لیس مختصاً به ولذلك استدل البخاری فی کتاب الدعوات بهذا الحدیث علی جواز رفع الیدین فی مطلق الدعا۔ انتهی۔ (بحواله استحباب الدعاء بعد الفرائض ص ۷۱)

۲۔ محدث العصر سید محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں فرائض کے بعد دعا سے متعلق فرمایا ہے کہ فرائض کے بعد دعا کے بارے میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں، عام احادیث میں تو دعا کا ثبوت بھی ہے، ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہے، چہرہ پر ہاتھوں کا پھیرنا بھی ثابت ہے، ہاتھ اٹھا کر تین بار دعا میں تکرار بھی ثابت ہے، اس میں تو انکار کی گنجائش نہیں ہے، کنز العمال میں ایک حدیث سے اجتماعی طور پر دعا مانگنا اور آمین کہنا بھی ثابت ہے، عبارت حدیث یہ ہے: "لا یجتمع ملاء فیدعو بعضهم ویؤمن بعضهم الا اجابهم الله۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷) وهو دلیل الدعا بهیئة اجتماعیة۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ قولی احادیث میں سے ایک یہ ہے (۱) اخرجه ابن ابی حاتم باسناده عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ رفع یدیه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال اللهم خلص الولید بن بن الولید۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲٤)

حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث یہ ہے: (۲) ومنها ما اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه من حدیث الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۵)

(۳) وقال الامام المحدث السید محمد یوسف البنوریؒ فی معارف السنن و منها ما اخرجه الطبرانی فی الکبیر عن ابن

عباس رضی اللہ عنہ وفی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ ﷺ الفجر ثم اقبل علی القوم فقال اللھم بارك لنا فی مدینتنا وبارك لنا فی مُدنا و صاعنا ذکرہ السمھودی فی الوفا فھذہ وماشاکلھا من الروایات فی الباب تکاد تکفی حجۃ لما اعتادہ الناس فی البلاد من الدعوات الاجتماعیۃ دبر الصلوات ولذا ذکرہ فقھاء نا ایضا کما فی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح ویقول النووی فی شرح المھذب (ج ۳ ص ٤٨٨) الدعا للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب کل الصلوۃ بلا خلاف ویقول ویستحب ان یقبل علی الناس فیدعو۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۵)

(٤) نقل الحافظ المنذری فی الترغیب والترھیب عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعھما الی ربك مستقبلا ببطونھما وجھك وتقول یا رب یا رب ومن لم یفعل ذلك فھی کذا و کذا وفی روایۃ فمن لم یفعل ذلك فھی خداج وقال المحقق رشید احمد الانصاری الجنجوھی فی الکوکب الدری علی جامع الترمذی شرحاً لھذا الحدیث بما نصہ۔ وھذا یثبت الدعاء بعد الصلوۃ برفع یدیہ کما ھو المعمول وانکار الجھلۃ علیہ مردود۔ (بحوالہ استحباب الدعا بعد الفرائض ص ۱۰۲)

(۵) ترمذی شریف کے شارح اور غیر مقلدین کے امام علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ اپنی مایہ ناز شرح "تحفۃ الاحوذی" (ج ۲ ص ۲۱۰) میں فرائض کے بعد دعا کو ثابت کرتے ہیں اور نہایت مدلل انداز سے اس کو پیش کرتے ہیں، ان کی عربی عبارت پیش خدمت ہے:

فائدۃ: اعلم ان علماء اھل الحدیث قد اختلفوا فی ھذا الزمان فی ان الامام اذا انصرف من الصلاۃ المکتوبۃ، ھل یجوز لہ ان یدعو رافعا یدیہ، ویؤمن خلفہ من الماmومین رافعی ایدیھم؟ فقال بعضھم بالجواز، وقال بعضھم بعدم جوازہ، ظنا منھم انہ بدعۃ، قالوا: ان ذلك لم یثبت عن رسول اللہ ﷺ بسند صحیح، بل ھو امر محدث، وکل محدث بدعۃ، اما القائلون بالجواز فاستدلوا باحادیث۔

الاول: حدیث ابی ھریرۃ، قال الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ ص ۱۸۲ ج ۳: قال ابن ابی حاتم: حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ، ان رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ، فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ وسلمۃ بن ھشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا من ایدی الکفار۔

قلت: وفی سند ھذا الحدیث علی بن زید بنْ جدعان، وھو متکلم فیہ۔

الحدیث الثانی: حدیث عبد اللہ بن الزبیر، ذکر السیوطی فی رسالتہ "فض الوعاء" عن محمد بن یحی الاسلمی قال: رأیت عبداللہ بن الزبیر ورای رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلاتہ، فلما فرغ منھا قال: ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ۔ قال: رجالہ ثقات:

قلت: وذکرہ الحافظ الھیثمی فی مجمع الزوائد، وقال: رواہ الطبرانی، وترجم لہ فقال:.محمد بن یحی الاسلمی عن

عبد الله بن الزبير، ورجاله ثقات۔ انتهى.

الحديث الرابع: حديث الاسود العامرى عن ابيه قال: صليت مع رسول الله ﷺ الفجر، فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا...... الحديث رواه ابن ابى شيبة فى مصنفه، كذا ذكر بعض الاعلام هذا الحديث بغير سند، وعزاه الى المصنف، ولم اقف على سنده، فالله تعالىٰ اعلم كيف هو صحيح او ضعيف۔

الحديث الخامس: حديث الفضل بن عباس قال: قال رسول الله ﷺ الصلاة مثنى مثنى تشهد فى كُل ركعتين وتخشع وتضرع، وتمسكن، ثم تقنع يديك، يقول ترفعهما الى ربك مستقبلا ببطونهما وجهك وتقول يارب يا رب ومن لم يفعل ذلك فهو كذا وكذا وفى رواية: فهو خداج رواہ الترمذى۔

واستدلوا ايضا بعموم احاديث رفع اليدين فى الدعاء قالوا: ان الدعاء بعد الصلاة المكتوبة مستحب مرغب فيه، وانه قد ثبت عن رسول الله ﷺ الدعاء بعد الصلاة المكتوبة، وان رفع اليدين من آداب الدعاء وانه قد ثبت عن رسول الله ﷺ رفع اليدين فى كثير من الدعاء وانه لم يثبت المنع عن رفع اليدين فى الدعاء بعد الصلاة المكتوبة، بل جاء فى ثبوته الاحاديث الضعاف، قالوا: فبعد ثبوت هذه الامور الاربعة وعدم ثبوت المنع۔ لا يكون رفع اليدين فى الدعاء بعد الصلاة المكتوبة بدعة سيئة، بل هو جائز، لا باس على من يفعله۔ (تحفة الاحوذى ج ٢ ص ٢١٢)

(٦) حضرت علامہ شاہ انور شاہ کاشمیریؒ نے بخاری کی شرح فیض الباری ج ۲ص۴۳۱ میں فرائض کے بعد دعا سے متعلق مفصل مدلل کلام فرمایا ہے، اس کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

”و من هذا الباب رفع اليدين بعد الصلوات الدعاء قل ثبوته فعلاً و كثر فضله قولاً اى فى الاحاديث عامة فلا يكون بدعة اصلاً فمن ظن ان الفضل فيما ثبت عمله ﷺ فقط فقد حاد عن الطريق الصواب وبنى اصلا فاسداً ينبئ بفساد البناء مع ان ادعية النبى ﷺ قد اخذت ماخذ الاذكار وليس فىّ الاذكار رفع الايدى ونحن اذا لم نقر بالاذكار فينبغى لنا ان لا نحرم من الادعية ونرفع لها الايدى لثبوته عنه ﷺ عقيبَ النافلة فى حديث مطلب بن ابى وداعة المذكور وان لم يثبت بعد المكتوبة من فعله نظراً الى عامة الاحاديث الواردة فى الدعاء بعد الصلوات المكتوبة فقد سكت عن ذكر الرفع ولكن حديث عبدالله بن الزبيرؓ يكفى لاثبات ان الرفع فى الدعاء بعد الصلوات المكتوبة كان من هدى النبى ﷺ ايضاً فاذا ثبت جنسه لم يكن بدعة اصلاً۔ (فيض البارى ج ٢ ص ٤٣١) (بحواله استحباب الدعا بعد الفرائض ص ١٣٢) فقہاء احناف کی کتابوں میں بھی فرائض کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ نور الایضاح میں مستقل فصل کے ساتھ دعا بعد الفرائض کیلئے اس طرح عنوان باندھ کر مسئلہ بیان کیا ہے۔

فصل: (فى الاذكار الواردة بعد الفرض) القيام الى السنة متصلا بالفرض مسنون وعن شمس الائمة الحلوانى لا بأس بقرائة الاوراد بين الفريضة والسنة ويستحب للامام بعد سلامه ان يتحول الى يساره لتطوع بعد الفرض وان يستقبل بعده الناسَ، ويستغفرون الله ثلاثا، ويقرء ون آية الكرسى والمعوذات ويسبحون الله ثلاثا وثلاثين، ويحمدونه كذلك،

ویکبرونہ کذلک، ثم یقولون لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر، ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم، ثم یمسحون بھا وجوھھم فی آخرہ۔

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ نورالایضاح نے جو کچھ اس فصل میں بیان کیا ہے وہ فرائض کے بعد دعاؤں کا ذکر ہے اور اجتماعی دعا کو بیان کیا ہے، اس کا سنتوں کے بعد اجتماعی دعا سے کوئی تعلق نہیں ہے، سنتوں کے بعد لزوم کے ساتھ اجتماعی دعا کو علماء نے بدعت قرار دیا ہے۔ مفتی ہند مفتی کفایت اللہؒ نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام "النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ" ہے جس میں فرائض کے بعد دعا کو ثابت کیا ہے اور سنتوں کے بعد دعا کے لزوم کو بدعت قرار دیا ہے اور مختلف ممالک کے ایک سو علماء کے دستخط کراوئے ہیں، میں نے توضیحات شرح مشکوٰۃ میں اس کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے، اسی کا کچھ حصہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

فرائض کے بعد دعا کا ثبوت

آج سے کچھ عرصہ قبل سنتوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنے یا نہ مانگنے پر سخت اختلافات ہو چکے ہیں، مگر آخر کار اہل بدعت حضرات نے مسلمانوں کے عام ماحول کو دیکھ کر خاموشی اور دست برداری پر عمل کیا، لیکن اب ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا وہ یہ کہ آیا فرائض کے بعد بھی اجتماعی دعا ثابت ہے یا نہیں، جمہور عجم فرائض کے بعد ہاتھ اٹھانے کو ضروری سمجھتے ہیں اور خود ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، لیکن جزیرہ عرب کے مسلمان فرائض کے بعد بھی دعا کیلئے ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں، اب ان کو دیکھ کر عجم کے علماء بھی خال خال ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے فرائض اور سنت کے بعد دعا مانگنے یا نہ مانگنے سے متعلق "النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعا بعد المکتوبۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو درحقیقت ایک فتویٰ ہے جس پر دنیا کے مختلف ملکوں کے ایک سو علماء کے دستخط ہیں، اس کتاب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے فرائض کے بعد اجتماعی دعا کے ثبوت سے متعلق ایک طویل کلام کیا ہے جو ایک عمیق تحقیق ہے، کتاب کی فصل اول سے حضرت مفتی صاحبؒ نے دلائل کے ساتھ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کی نفی فرمائی ہے اور پھر فصل دوم سے فرائض کے بعد دعا مانگنے کے ثبوت پر گیارہ احادیث کا ذکر فرمایا ہے اور پھر مختلف علماء سے جواز وعدم جواز کے متعلق فتویٰ مانگا ہے جس کے جواب میں دنیا کے مختلف علماء نے جواب دیا ہے ان تمام جوابات کی عبارت قریب قریب اس طرح ہے۔

فرائض کے متصل ہی دعا مانگنا سنت کے موافق ہے، اس کا ثبوت احادیث شریف میں موجود ہے لیکن بعد سنن ونوافل کے خاص التزام کے ساتھ دعا مانگنا اس کا ثبوت حدیث شریف اور فقہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے بلکہ یہ التزام بدعت ہے اس کو ترک کرنا ضروری ہے (نفائس مرغوبہ ص ۶۱)

حضرت مفتی صاحبؒ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں بیشک واضح طور پر فرائض کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے لیکن پوچھنے والے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا ذکر وثبوت کسی حدیث میں نہیں ہے اور اسی وجہ سے اہل حدیث اور حرمین کے علماء کرام اور جزیرہ عرب کے علماء اور عجم کے بہت قلیل علماء فرائض کے بعد ہاتھ اٹھانے اور اجتماعی دعا مانگنے کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں، لیکن فرائض کے بعد دعا کے قائلین حضرات ان کو چند جوابات دیتے ہیں۔

(۱) ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے جب دعا کا ثبوت ہے تو رفع یدین کا ثبوت خود بخود ہو گیا۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل کے بعد جب دعا مانگی ہے تو اس میں ہاتھ اٹھائے ہیں، فقہاء کرام نے اس عمل کو فرائض کے ساتھ ملحق کر کے اس پر عمل شروع کر دیا۔ فیض الباری شرح بخاری میں شاہ انور شاہ کاشمیریؒ نے اس پر عمیق تحقیق اور طویل کلام کیا ہے۔

(۳) مذاہب اربعہ کے علماء نے اس دعا کو مستحب قرار دیکر ایک طویل عرصہ تک اس پر عمل کیا ہے لہٰذا آج کل کے اختلافات کا اعتبار نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) زیر بحث حدیث واضح طور پر عاجزی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر گڑگڑا کر دعا مانگنے کی ترغیب دے رہی ہے، حدیث میں اگرچہ ایک اور احتمال بھی ہے، تاہم اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ یہ معاملہ نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگنے کا ہے، اسی لئے شیخ عبدالحق" نے لمعات میں فرائض کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کو مستحب لکھا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق لمعات میں فرماتے ہیں کہ "دل الحديث على استحباب الدعاء بعد الصلوة" کہ حدیث سے نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (كذا في اللمعات) خلاصہ یہ کہ احادیث مقدسہ کے اشارات اور فقہاء کرام کی واضح تصریحات سے فرض نمازوں کے بعد دعا انفراداً و اجتماعاً ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا آج کل اہل حق کا ایک طبقہ جو فرائض کے بعد دعاؤں کے انکار کیلئے اٹھ کھڑا ہوا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان نصوص کی موجودگی میں ان کا یہ اقدام صحیح نہیں ہے، عرب نے فرائض کے بعد دعا کو ترک کیا تو عام دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے سے بھی محروم ہو گئے اور ان کی نمازوں کی رونق جاتی رہی، ایک دوسرے سے الگ الگ خفا خفا منتشر انداز سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور ہاتھ اٹھانے اور دعا مانگنے کی برکات سے انفرادی طور پر بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا لزوم بدعت ہے

حق افراط وتفریط کے درمیان راہ اعتدال کا نام ہے، کچھ حضرات نے افراط سے کام لیا اور فرائض کے بعد دعاؤں کا انکار کیا تو کچھ دیگر حضرات نے تفریط سے کام لے کر سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے پر جھگڑا کرنے کیلئے کھڑے ہو گئے اور نہ مانگنے والوں سے جھگڑنے لگے اور مارنے مرنے تک نوبت پہنچ گئی، حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ نے انصاف کا راستہ اختیار کیا اور فرائض کے بعد دعا مانگنے سے متعلق احادیث کو بھی صراحت کا درجہ نہیں دیا، بلکہ استدلال کیلئے اشارات کے درجے میں رکھا اور سنن رواتب کے بعد دعا مانگنے نہ مانگنے پر جھگڑنے کو غلط قرار دیا، چنانچہ معارف السنن کی عبارت ناظرین کیلئے حاضر خدمت ہے۔

ثم ان ما راج في كثير من بلاد الهند الجنوبية الدعاء بكيفية مخصوصة بعد الرواتب: يستقبل الامام المقتدين، ويدعون رافعي ايديهم، ثم ينادي الامام بصوت عال: "الفاتحة" فيقرأ هو والمقتديون الفاتحة ثم يصلون على النبي ﷺ وبعضهم يتفنن فيه، فيقول: الى روح النبي الكريم ﷺ الفاتحة، ويواظبون على هذا طول اعمارهم في جميع صلواتهم ويلتزمونه التزام واجب، وينكرون على امام ومأموم لا يفعل ذلك، وربما يفضي بهم الانكار الى خصام شديد و جدال قبيح، بل يؤدي الى قبائح وفظائع من الجهالات الفاحشة، ففي مثل هذه يقال: انه بدعة تضمنت بدعات كثيرة، لا ارى لمثل هذا وجهة من السنة، فافتتاح الدعاء بالثناء على الله على ما هو اهله، ثم الصلاة عليه ﷺ، وان كان له اصل في الشريعة ولكن الاختتام بالفاتحة، والنداء للاعلام بقراء تها بصوت رفيع: "الفاتحة" ثم هذا الالتزام، ثم تشديد النكير

علی التارک، کل ذلك بعید عن السنة، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۶)

۱۳۳۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ: اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ نُمَيْرٍ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے سلام کے بعد صرف ان کلمات کے کہنے کی مقدار ہی بیٹھا کرتے تھے اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام تک۔ اور ابن نمیر کی روایت میں یاذاالجلال والاکرام ہے۔

۱۳۳۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي الْأَحْمَرَ، عَنْ عَاصِمٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ .وَقَالَ: يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

اس سند کیساتھ بھی مندرجہ بالا حدیث مروی ہے معمولی تبدیلی (یاذاالجلال والاکرام) کے ساتھ۔

۱۳۴۰۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، وَخَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، كِلَاهُمَا عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمِثْلِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

اس سند کیساتھ بھی مندرجہ بالا حدیث (آپ ﷺ نماز کے سلام کے بعد صرف اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت الخ کے کہنے کی مقدار بیٹھا کرتے تھے) مروی ہے سوائے معمولی تغیر (یاذاالجلال والاکرام) کے۔

۱۳۴۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ وَرَّادٍ، مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ إِلَى مُعَاوِيَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ، إِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے آزاد کردہ غلام وراد سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے تو یہ کلمات ارشاد فرماتے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور پھر فرماتے: اے اللہ! جب آپ دینے والے ہوں تو کوئی منع کرنے والا نہیں اور جب آپ روکنے والے ہوں تو کوئی دینے والا نہیں اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش آپ کے سامنے نفع نہیں دیتی (آپ کی مشیت کے بغیر کوئی کوشش فائدہ نہیں دی سکتی)

تشریح:

"کتب المغیرۃ بن شعبة" حضرت مغیرۃ بن شعبہ شان والے صحابی ہیں، یہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، اس

حدیث میں اختصار ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو خط لکھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہو وہ لکھ کر مجھے بھیج دیں، حضرت معاویہ ؓ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا، جس کا نام "وراد" تھا یہاں اس روایت کو بیان بھی کر رہا ہے، اس نے خط لکھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کو مضمون کا املا کرایا، جیسا کہ آگے مذکور ہے اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ خط کے ذریعہ سے کسی کو حدیث کا لکھ کر بھیجنا اور پہنچانا جائز ہے اور آگے مکتوب الیہ اس کو بیان بھی کر سکتا ہے۔ یہ روایت سماع کی طرح قابل استدلال ہے اگر چہ اجازت کے الفاظ اس میں نہ ہوں۔

"اذافرغ من الصلوۃ" یعنی نماز سے فارغ ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تھے تو یہ اوراد واذکار پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ زور سے پڑھتے تھے تب ہی تو سننے والا اس کو بیان کرتا ہے تو یہ نماز کے بعد اذکار کا ثبوت بھی ہے اور دعا بھی ہے، حضرت شاہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ اصل میں نماز کے بعد اذکار اور اوراد کا بیان ہے اس لئے اس میں ہاتھ اٹھانے کو تلاش کرنا مناسب نہیں ہے۔

"الجد" جد کا اطلاق یہاں مال پر ہوا ہے، صاحب مال آدمی مراد ہے۔ یہ مفعول بہ کے مقام پر واقع ہے اور "منك" میں من کا لفظ مقابلہ کے معنی میں ہے اور آخر میں الجد کا لفظ لاینفع کیلئے فاعل واقع ہے یعنی مالدار آدمی کا مال اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کو نفع نہیں پہنچا سکتا ہے۔ "یھلل" تکرار کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھنے کو تہلیل کہتے ہیں، یہاں یہی مراد ہے جو اگلی روایت میں مذکور ہے۔

۱۳۴۲۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ .قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَأَبُو كُرَيْبٍ فِي رِوَايَتِهِمَا: قَالَ فَأَمْلَاهَا عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ، وَكَتَبْتُ بِهَا إِلَى مُعَاوِيَةَ

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے حسب سابق روایت منقول ہے باقی ابوبکر اور ابوکریب کی روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ وراد نے کہا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے مجھے بتلایا اور میں نے یہ دعا حضرت معاویہ ؓ کو لکھ دی۔

۱۳۴۳۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ، أَنَّ وَرَّادًا، مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، إِلَى مُعَاوِيَةَ - كَتَبَ ذَلِكَ الْكِتَابَ لَهُ وَرَّادٌ - إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: حِينَ سَلَّمَ، بِمِثْلِ حَدِيثِهِمَا، إِلَّا قَوْلَهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فَإِنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ.

عبدہ بن ابی لبابہ سے روایت ہے کہ وراد جو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت معاویہ ؓ کو خط لکھا جو وراد نے لکھا۔ آگے سابقہ حدیث کے مانند ہی ذکر کیا لیکن اس میں وھو علیٰ کل شیء قدیر کا ذکر نہیں کیا۔

۱۳۴۴۔ وَحَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ، حَدَّثَنَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنِي أَزْهَرُ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ وَرَّادٍ، كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ

مُعَاوِيَةُ، إِلَى الْمُغِيرَةِ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَنْصُورٍ، وَالْأَعْمَشِ

حضرت وراد کاتب مغیرہ بن شعبہؓ سے منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو منصور اور اعمش کی روایت کی طرح روایت لکھ بھیجی۔

۱۳۴۵۔ وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، سَمِعَا وَرَّادًا، كَاتِبَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يَقُولُ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ: اكْتُبْ إِلَيَّ بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

عبدہ بن ابی لبابہ اور عبدالملک بن عمیر دونوں وراد کاتب مغیرہ بن شعبہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ مجھے کوئی ایسی دعا لکھ بھیجو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ چنانچہ انہوں نے لکھ بھیجا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

۱۳۴۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، قَالَ: كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ، يَقُولُ: فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ حِينَ يُسَلِّمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ وَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهَلِّلُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ

ابوالزبیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہر نماز کے بعد سلام سے فارغ ہو کر یہ کلمات کہتے، ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، سلطنت اور تمام تعریف اسی کی ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہ سے بچنے اور عبادت کی طاقت وقوت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب احسان اسی کا ہے، فضل وثنا اور عمدہ تعریف اسی کی ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، دین میں ہم اسی کے لئے مخلص ہیں اگرچہ کافروں کو برا ہی لگتا رہے اور ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد یہی کلمات دہرایا کرتے تھے۔

۱۳۴۷۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ مَوْلَى

لَهُمْ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يُهَلِّلُ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ وَقَالَ فِي آخِرِهِ: ثُمَّ يَقُولُ ابْنُ الزُّبَيْرِ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهَلِّلُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ.

ابو الزبیر جوان کے آزاد کردہ غلام ہیں ان سے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز کے بعد مذکورہ بالا حدیث والے کلمات دہراتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد یہی کلمات پڑھا کرتے تھے۔

۱۳۴۸۔ وَحَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ، حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، يَخْطُبُ عَلَى هَذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ أَوِ الصَّلَوَاتِ، فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ.

ابو الزبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازوں میں سلام پھیرتے تو یہی کلمات کہتے (جو اوپر کی احادیث میں گزرے ہیں)۔

۱۳۴۹۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّيَّ، حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَهُوَ يَقُولُ: فِي إِثْرِ الصَّلَاةِ إِذَا سَلَّمَ، بِمِثْلِ حَدِيثِهِمَا، وَقَالَ فِي آخِرِهِ: وَكَانَ يَذْكُرُ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

موسیٰ بن عقبہ سے ابو الزبیر مکی نے بیان کیا کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ سے سنا کہ وہ ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو وہی دعا (لا الہ الا اللہ . . . . . منک الجد) پڑھتے جو اوپر کی دونوں روایتوں میں مذکور ہوئی اور وہ اس دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے تھے۔

۱۳۵۰۔ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ التَّيْمِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، كِلَاهُمَا عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ – وَهَذَا حَدِيثُ قُتَيْبَةَ – أَنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَى، وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، فَقَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ وَلَا نَتَصَدَّقُ، وَيُعْتِقُونَ وَلَا نُعْتِقُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَلَا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ؟ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: تُسَبِّحُونَ، وَتُكَبِّرُونَ، وَتَحْمَدُونَ، دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً قَالَ أَبُو صَالِحٍ: فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: سَمِعَ إِخْوَانُنَا أَهْلُ الْأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا، فَفَعَلُوا مِثْلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَزَادَ غَيْرُ قُتَيْبَةَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ

اللَّيْثِ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، قَالَ سُمَيٌّ: فَحَدَّثْتُ بَعْضَ أَهْلِي هَذَا الْحَدِيثَ، فَقَالَ: وَهِمْتَ، إِنَّمَا قَالَ تُسَبِّحُ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتَحْمَدُ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتُكَبِّرُ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَرَجَعْتُ إِلَى أَبِي صَالِحٍ فَقُلْتُ لَهُ ذَلِكَ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَقَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، حَتَّى تَبْلُغَ مِنْ جَمِيعِهِنَّ ثَلَاثَةً وَثَلَاثِينَ .قَالَ ابْنُ عَجْلَانَ: فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ رَجَاءَ بْنَ حَيْوَةَ، فَحَدَّثَنِي بِمِثْلِهِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہیں کہ فقراء مہاجرین (صحابہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ مالدار وخوشحال لوگ بڑے بلند درجات لے گئے اور دائمی نعمتیں لے اڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں ہم بھی نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی روزے رکھتے ہیں ہماری طرح جیسے ہم روزے رکھتے ہیں (لیکن) وہ صدقات بھی دیتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں دیتے (غربت کی وجہ سے) اور (خدا کی راہ میں) غلام کو آزاد کرتے ہیں، جب کہ ہم نہیں کرتے (تو اجر وثواب میں وہ بڑھ گئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسی بات نہ سکھلاؤں کہ اس کے ذریعہ سے تم سبقت لے جانے والوں (کے اجر وثواب) کو حاصل کرلو اور اپنے بعد والوں پر سبقت لے جاؤ اور پھر کوئی بھی تم سے زیادہ افضل نہ رہے سوائے اس شخص کے جو وہی عمل کرے جو تم کرو۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! (ضرور بتلایئے) فرمایا: ''تم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، اللہ اکبر، اور الحمد للہ ۳۳ بار پڑھو''۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ (کچھ دنوں بعد) فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر آئے اور کہنے لگے کہ: ہمارے مالدار بھائیوں نے جب یہ کلمات (اور ان کی فضیلت سنی) تو انہوں نے بھی یہ عمل شروع کر دیا (تو وہ پھر ہم پر سبقت لے گئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے''۔ اس حدیث کے دوسرے طریق میں یہ ہے کہ سمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعض اہل حدیث سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا کہ تمہیں غلطی ہوگئی۔ حضور علیہ السلام نے تو فرمایا تھا: ''۳۳ بار اللہ کی حمد بیان کرو اور ۳۳ بار اللہ کی بڑائی بیان کرو''۔ سمی کہتے ہیں کہ میں واپس ابو صالح کے پاس آیا اور ان سے مذکورہ بات کہی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ: ''اللہ اکبر، سبحان اللہ والحمد للہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ والحمد للہ ملا کر ۳۳ مرتبہ پڑھیں: (گویا دونوں رواۃ کی ترتیب میں فرق ہوگیا۔ ابو صالح کی بیان کردہ ترتیب یہ ہے کہ تینوں کلمات ہر مرتبہ ایک ساتھ پڑھے جائیں، یہاں تک کہ ۳۳ بار ہو جائیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر کلمہ ۳۳ بار کہہ دیا۔ جب کہ دوسری اور عام ترتیب یہی ہے کہ الگ الگ ہر کلمہ کو ۳۳ بار پڑھا جائے)۔

تشریح:

''اھل الدثور'' دثور جمع اس کا مفرد دثر ہے، دثر کثیر مال کو کہتے ہیں، اس سے مالدار لوگ مراد ہیں مہاجرین کے فقراء نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے یہ شکایت کی کہ ہم آخرت کے درجات پانے میں مالدار لوگوں سے بہت پیچھے رہ گئے، کیونکہ باقی عبادات میں ہم ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں، لیکن مالی عبادات میں وہ آگے نکل گئے، کیونکہ وہ غلام آزاد کرتے ہیں، صدقات دیتے ہیں، حج کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں کی طاقت نہیں رکھتے ہیں، اس کے جواب میں آنحضرت نے ان فقراء کو نمازوں کے بعد تسبیحات فاطمہ پڑھنے کا حکم دے دیا۔

"الا من صنع مثل ماصنعتم" یعنی جن مالداروں نے تمہارے جیسے وظائف واوراد کے اعمال کو بھی اپنالیا وہی تم سے بہتر ہوسکتے ہیں اور کوئی افضل نہیں ہوسکتا۔

سوال: یہاں اس جملہ پر ایک سرسری سوال آتا ہے وہ یہ کہ اس جملہ میں "مثل ما صنعتم" کے الفاظ سے تو مساوات معلوم ہوتا ہے یعنی تمہارے وظائف کی طرح وظائف جس نے پڑھ لئے وہ تمہارے جیسے ہونگے حالانکہ اس جملہ کی ابتداء میں "ولا یکون احد افضل منکم" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تم سے افضل ہونگے اور کلام بھی افضلیت کیلئے چلایا گیا ہے کہ ان اوراد کے پڑھنے سے تم سب سے افضل درجات پر ہونگے، ہاں جس نے تمہارے جیسے ان وظائف کو پڑھ لیا وہ تم سے افضل ہوجائیں گے۔

جواب: اس اشکال کے جواب کی طرف علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اشارہ کیا ہے مگر کلام پیچیدہ ہے، واضح سمجھ سے کچھ بعید ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کلام میں دونوں کے مساوات کو بیان کیا گیا ہے کہ تم دونوں برابر ہوجاؤ گے، اس اشکال کا دوسرا واضح جواب یہ ہے کہ یہاں تقابل فقراء اور اغنیاء کے درمیان ہے تو فقراء نے آگے یہ وظائف پڑھ لئے تو وہ سابقہ ایمان لانے والوں کے درجات کو پالیں گے اور آئندہ آنے والوں سے آگے نکل جائیں گے، ہاں اگر ان اغنیاء اور مالداروں نے تمہارے جیسے وظائف شروع کردیئے تو پھر وہ تم سے آگے نکل جائیں گے، یہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف ایک انعام واحسان ہے اس میں تم مسابقت اور ریس لینے کی کوشش نہ کرو۔ علماء لکھتے ہیں کہ اس سے واضح طور پر اغنیاء کی فضیلت فقراء پر ثابت ہوجاتی ہے، اس مسئلہ میں ایک رائے صوفیاء کی ہے، وہ فقراء اور فقر وفاقہ کو افضل کہتے ہیں، لیکن اس میں دوسری رائے دیگر عام علماء کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ غنا اور مالداری فقر اور فاقہ سے افضل ہے، اس مسئلہ پر بابا سعدیؒ اور ایک فقیر کا بڑا زوردار مناظرہ ہوا ہے، جس کو بابا سعدیؒ نے گلستان کے باب ہفتم میں ذکر کیا ہے۔ بابا سعدیؒ نے دولت اور غناء کو افضل قرار دیا ہے، جب جھگڑا تیز ہوگیا تو دونوں فریق وقت کے قاضی کے پاس گئے، قاضی نے دونوں کو ڈانٹ دیا اور فیصلہ دیا کہ دونوں چیزیں اپنے اپنے موقع ومحل اور اشخاص کے اعتبار سے افضل ہیں، کبھی دولت و مالداری اور کبھی فقر وفاقہ اور غربت۔

"حتی تبلغ من جمیعهن" یہاں ابوصالح کے حوالہ سے جو بات سامنے آرہی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ان تسبیحات کے پڑھنے کا طریقہ اس طرح ہے کہ سبحان اللہ کو گیارہ مرتبہ پڑھا جائے پھر الحمد للہ کو گیارہ مرتبہ پڑھا جائے پھر اللہ اکبر کو گیارہ مرتبہ پڑھا جائے، اس طرح پورا مجموعہ تینتیس عدد کا بن جائے گا، مگر دیگر تمام روایات میں اس طرح کیفیت ہے کہ ہر ایک کو الگ الگ ۳۳ مرتبہ پڑھا جائے جس کا مجموعہ ۹۹ بن جائے گا اور آخر میں کلمہ شہادت سے ایک سو کا عدد پورا ہوجائے گا یہی راجح ہے علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ ان کلمات کے پڑھنے کی جو ترتیب ہے اس میں یہ بہتر ہے کہ پہلے سبحان اللہ ہو پھر الحمد للہ ہو اور پھر اللہ اکبر ہو لیکن اگر کسی نے اس ترتیب میں آگے پیچھے پڑھ لیا تو حرج نہیں ہے، روایات میں اللہ اکبر کے چونتیس مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے، معمول عام یہی ہے۔

۱۳۵۱۔ وَحَدَّثَنِي أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي

هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَى، وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، بِمِثْلِ حَدِيثِ قُتَيْبَةَ، عَنِ اللَّيْثِ إِلَّا أَنَّهُ أَدْرَجَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلَ أَبِي صَالِحٍ، ثُمَّ رَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ، وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ: يَقُولُ سُهَيْلٌ: إِحْدَى عَشْرَةَ، إِحْدَى عَشْرَةَ، فَجَمِيعُ ذَلِكَ كُلِّهِ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! مالدار اور دولت مند تو بڑے اونچے درجات اور دائمی نعمتوں کے مستحق ہوگئے۔ آگے سابقہ حدیث کی مانند ہی بیان کیا، البتہ اس روایت میں انہوں نے ادراج (یعنی قول راوی کو روایت میں خلط ملط کردیا) کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ سہیلؒ نے فرمایا: ہر کلمہ کو گیارہ گیارہ، بار کہے کہ سب مل کر ۳۳ بار ہوجائیں۔

۱۳۵۲۔ وحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَكَمَ بْنَ عُتَيْبَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ - أَوْ فَاعِلُهُنَّ - دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ، ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَسْبِيحَةً، وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَحْمِيدَةً، وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ تَكْبِيرَةً۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: نماز کے بعد کچھ ایسی دعائیں ہیں کہ ان کا پڑھنے والا یا بجالانے والا ہر فرض نماز کے بعد کبھی (ثواب اور بلند درجوں سے محروم نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ ۳۳/ بار الحمد للہ ۳۳/ بار اور اللہ اکبر ۳۴/ بار۔

تشریح:

''**معقبات**'' ای تسبیحات تفعل اعقاب الصلاۃ یعنی نماز کے بعد پڑھی جانے والی تسبیحات ہیں، یہ عقب سے ہے جو پیچھے آنے کے معنی ہے یہ تسبیحات بھی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں، قرآن میں ''لہ معقبات'' ان فرشتوں کو کہا گیا ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ ''لا یخیب'' یعنی ان تسبیحات کا پڑھنے والا ناکام نہیں رہ سکتا بلکہ کامیاب ہوجاتا ہے۔ ''دبر صلوۃ مکتوبۃ'' یہاں ان تسبیحات کے پڑھنے کے موقع کی تصریح کی گئی ہے کہ یہ فرائض کے بعد پڑھی جائیں گی، یہ بہتر صورت ہے لیکن ''دبر کل صلوۃ'' میں دبر پیچھے کے معنی میں ہے خواہ فرائض کے پیچھے ہو یا نوافل اور سنن کے پیچھے ہو، اگر کسی نے ان نمازوں کے بعد پڑھ لیا تو بھی مقصود حاصل ہوجائے گا، کیونکہ صلوۃ سے مطلق صلوٰۃ مراد لینا بعید نہیں ہے۔

اس روایت میں اللہ اکبر پڑھنے کو چونتیس مرتبہ بتایا گیا ہے اور یہی عام اور مشہور ترتیب ہے، تعلیق الفصیح میں لکھا ہے کہ وظائف کو اگر خاص متعین عدد سے زیادہ پڑھ لیا تو خاص عدد کی تعین کا مقصد پورا ہوجائے گا، انشاء اللہ مقصود فوت نہیں ہوگا۔

۱۳۵۳۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ

الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ - أَوْ فَاعِلُهُنَّ - ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَسْبِيحَةً، وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَحْمِيدَةً، وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ تَكْبِيرَةً، فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔

حضرت کعب بن عجرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: نماز کے بعد کچھ ایسی دعائیں ہیں کہ ان کا پڑھنے والا یا بجالانے والا ہر فرض نماز کے بعد کبھی ثواب اور بلند درجوں سے محروم نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ ۳۳ر بار الحمد للہ ۳۳ر بار اور اللہ اکبر ۳۴ر بار۔

۱۳۵٤۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ قَيْسٍ الْمُلَائِيُّ، عَنِ الْحَكَمِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

حضرت حکمؒ اس سند کے ساتھ یہ روایت (حضرت کعب بن عجرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: نماز کے بعد کچھ ایسی دعائیں ہیں کہ ان کا پڑھنے والا یا بجالانے والا ہر فرض نماز کے بعد کبھی ثواب اور بلند درجوں سے محروم نہیں ہوتا، سبحان اللہ ۳۳ر بار الحمد للہ ۳۳ر بار اور اللہ اکبر ۳۴ر بار) نقل کرتے ہیں۔

۱۳۵۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَيَانٍ الْوَاسِطِيُّ، أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ الْمَذْحِجِيِّ - قَالَ مُسْلِمٌ: أَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ - عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، وَقَالَ: تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ "

حضرت کعبؓ بن عجرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس نے ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہا اور یہ کل ۹۹ ہوگئے اور سوویں بار یہ کلمات کہے: لَا إِلَـهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تو اس کے گناہ اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، سب معاف کردیے جائیں گے۔

۱۳۵٦۔ وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت (تو اس کے گناہ اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں سب معاف کردیے جائیں گے) نقل کرتے ہیں۔

باب مایقول بین تکبیرۃ الاحرام و القرأۃ

تکبیر تحریمہ اور قرأۃ فاتحہ کے درمیان کیا پڑھنا چاہئے

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۵۷۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا كَبَّرَ فِي الصَّلَاةِ، سَكَتَ هُنَيَّةً قَبْلَ أَنْ يَقْرَأَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَرَأَيْتَ سُكُوتَكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَائَةِ، مَا تَقُولُ؟ قَالَ "أَقُولُ: اللهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ "

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی تکبیر (تحریمہ) کہتے تو کچھ دیر کو خاموش رہتے تھے قرأت شروع کرنے سے قبل۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، آپ کے تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس دوران آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: یہ کلمات کہتا ہو۔ اللهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ الخ ترجمہ: ''اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا بعد پیدا کر دے جتنا بعد مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو ایسا صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف، پانی اور اولوں سے دھو دے''۔

تشریح:

"سکت هُنيّة" یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کیلئے سکتہ کر کے خاموش رہتے تھے اور پھر قرأت شروع فرماتے تھے، صحابی نے پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سکوت کے دوران میں اس طرح دعا پڑھتا ہوں، آپ نے مذکورہ دعا پڑھ لی، اب فقہاء کرام نے اپنے اپنے انداز سے دعا استفتاح میں حمد وثناء اختیار کیا ہے اور کچھ اختلاف بھی ہے، امام مالکؒ تو اس موقع میں کسی دعا کے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "الحمد لله رب العالمین" سے قرأت کا شروع کرنا مذکور ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، ان کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ دعا استفتاح آہستہ پڑھی جاتی ہے تو "الحمد لله رب العالمین" کو جہراً پڑھنا اس کے منافی نہیں ہے، باقی امام شافعیؒ نے "انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین وان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین" اور اس حدیث میں مذکورہ دعاؤں کو اختیار کیا ہے، احناف اور حنابلہ نے سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا اله غیرك کو اختیار کیا ہے، جو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے، بہر حال سب طریقے جائز ہیں، لیکن احناف شوافع کی لمبی دعاؤں کو نماز

شروع کرنے سے پہلے کی حالت پر حمل کرتے ہیں، حدیث کی مذکورہ دعا میں ان تمام پانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے پاکیزگی حاصل کی جاسکتی ہے، اس میں پاکیزگی حاصل کرنے میں مبالغہ اور اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

"ینقی" تنقیہ کے صفائی حاصل کرنے کے معنی ہے۔ "ثلج" برف کو کہتے ہیں۔ "البرد" اولوں کو کہتے ہیں۔ "الدنس" میل کچیل کو کہتے ہیں۔

۱۳۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ، كِلَاهُمَا عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ جَرِيرٍ

عمارۃ بن قعقاع سے اسی سند کے ساتھ جریر کی روایت (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے: اللهم باعد بيني و بين خطايا ..... الخ) کی طرح منقول ہے۔

۱۳۵۹۔ قَالَ مُسْلِمٌ: وَحُدِّثْتُ عَنْ يَحْيَى بْنِ حَسَّانَ، وَيُونُسَ الْمُؤَدِّبِ، وَغَيْرِهِمَا، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ، حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِـ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَمْ يَسْكُتْ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو قرأت فوراً الحمد للہ سے شروع کر دیتے اور خاموشی اختیار نہ کرتے۔ (خاموشی صرف پہلی رکعت میں اختیار کرتے تھے جب ثناء پڑھنی ہوتی)۔

تشریح:

"قال مسلم و حُدثت" یہ مجہول کا صیغہ ہے امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیان کیا گیا ہے، یعنی میرے اساتذہ نے مجھے یحییٰ بن حسان سے بیان کیا ہے۔ یہ روایت امام مسلمؒ کی ان روایات میں سے ہے جو معلق ہیں، جس کی ابتدائی سند حذف کی گئی ہے، بعض حواشی میں تدریب السیوطی سے اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ ابونعیم نے محمد بن سھل بن عسکر کے واسطے سے یحییٰ بن حسان کے حوالہ سے نقل کیا، بہرحال یہ تعلیقات مسلم میں سے ہیں۔

۱۳۶۰۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ، وَثَابِتٌ، وَحُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ: أَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ؟ فَأَرَمَّ الْقَوْمُ، فَقَالَ: أَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِهَا؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ رَجُلٌ: جِئْتُ وَقَدْ حَفَزَنِي النَّفَسُ فَقُلْتُهَا، فَقَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ اثْنَيْ عَشَرَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَرْفَعُهَا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور صف کے اندر شامل ہو گیا، اس کا سانس پھولا ہوا تھا، اس نے کہا: الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کس نے

یہ کلمات کہے تھے؟ قوم میں خاموشی چھا گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: یہ کون تھا جس نے یہ کلمات کہے؟ کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ وہ آدمی کہنے لگا: میں جب آیا تو میرا سانس پھولا ہوا تھا، اس لئے میں نے یہ کلمات کہے۔ فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے ان کلمات کو لینے کے لئے جھپٹ رہے ہیں''۔

تشریح:

''ان رجلاً'' اس شخص کا نام معلوم نہ ہوسکا، ممکن ہے کہ اس کا نام رفاعہ بن رافع ہو جس نے بخاری میں یہ قصہ بیان کیا ہے۔

''وقد حفزہ النفس'' یعنی تیز دوڑ کر آنے سے اس کا سانس پھول گیا تھا۔

''و ارم القوم'' ارم ہمزہ پر فتح ہے، را پر بھی فتح ہے، میم پر شد ہے ''ای سکتوا'' اصل میں ''مرمۃ'' ہونٹ کو کہتے ہیں، جب کوئی خاموش ہو جاتا ہے تو ہونٹ بند ہو جاتے ہیں، یہاں یہی خاموش ہونا مراد ہے، اس شخص نے خیال کیا کہ میں نے شاید غلطی کی ہے، اب ڈانٹ پڑے گی تو ڈر کے مارے خاموش ہو گیا۔ ''لم یقل باساً'' یعنی اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی ہے، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس تسلی کے بعد اس شخص نے بات ظاہر کردی۔

''ایھم یرفعھا'' مؤطا کی روایت میں ایھم یکتبھا ہے، یہ زیادہ واضح ہے، یہ شخص چونکہ دوڑ کر آیا تاکہ رکعت مل جائے اور جب رکعت مل گئی تو خوشی کی وجہ سے یہ کلمات کہہ دیئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند آگئے، یہ ایک عارضی جزئی واقعہ ہے، عام عادت مستمرہ نہیں ہے، اگرچہ حضرت ابن عمرؓ نے پڑھنے کا عہد کیا، لیکن عام امت نے اس کو معمول نہیں بنایا، اب بھی بہت سارے لوگ پڑھتے ہیں، لیکن ضابطہ نہیں، یہاں مختلف الفاظ آئے ہیں، بعض میں یرفعھا ہے بعض میں یکتبھا ہے، بعض میں بارہ فرشتے ہیں تو ممکن ہے کہ یہ تصرف رواۃ میں سے ہو۔

۱۳۶۱۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، أَخْبَرَنِي الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنَ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: عَجِبْتُ لَهَا، فُتِحَتْ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَمَا تَرَكْتُهُنَّ مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذٰلِكَ۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں تھے کہ قوم میں سے ایک شخص نے کہا: اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس طرح کے کلمات کس نے کہے تھے؟ وہی آدمی کہنے لگے یا رسول اللہ! میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی جب ان کلمات کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ان کلمات کے بارے میں تب سے میں نے انہیں ترک نہیں کیا (ہمیشہ پڑھتا ہوں)''۔

باب استحباب اتیان الصلوۃ بوقار وسکینة

نماز کیلئے وقار اور سکون کے ساتھ آنا مستحب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، وَاللَّفْظُ لَهُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم دوڑ کر نماز کے لئے مت آؤ بلکہ (اپنی رفتار پر) چل کر آؤ، اور سکون ووقار تمہارے لئے ضروری ہے (کہ سکون اور وقار سے چلو خواہ تمہیں پوری نماز ملے یا نہیں) پس جتنی نماز تمہیں مل جائے وہ پڑھ لو (جماعت کے ساتھ) اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔

تشریح:

''اذا اقیمت الصلوۃ'' اس میں مبالغہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب نماز کھڑی ہو چکی ہے اور رکعت نکلنے کا قوی امکان ہے تب بھی دوڑنے کی کوشش نہ کرو تو جب جماعت کھڑی بھی نہیں ہوئی ہو پھر تو دوڑنا منع ہے۔ اصل میں جو لوگ دوڑ کر آتے ہیں، یہ اس بوجھ کو سر سے اتارنا چاہتے ہیں کہ امام کے بعد جب نماز کا کچھ حصہ اس کے ذمہ رہ جائے گا تو یہ خود اس کو پڑھے گا اور بوجھ اٹھائے گا، اگر یہ مقصد نہیں ہے اور صرف ثواب کمانا مقصود ہے تو ثواب تو اس وقت سے ملنا شروع ہو گیا ہے، جب سے یہ گھر سے نکلا ہے اور مسجد کی طرف نماز کیلئے جا رہا ہے۔

''وما فاتکم فاتموا'' یعنی جو حصہ مل گیا اس کو امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو حصہ امام کے ساتھ نہیں ملا بلکہ فوت ہو گیا تو اس کو مکمل کرلو، اب یہاں فقہاء کرام کے درمیان ایک اختلاف چلا ہے کہ یہ نمازی جب امام کے ساتھ شامل ہو گیا اور بقیہ نماز پڑھنے لگا تو کیا یہ اس کی نماز کی ابتداء ہے یا نماز کی انتہاء ہے، یعنی جب امام کے ساتھ نماز پڑھنے سے فارغ ہو کر اپنی فوت شدہ نماز ادا کر رہا ہے تو کیا وہ اول نماز ہے یا آخر نماز ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

(۱) امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ پورے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مسبوق جو امام کے ساتھ شامل ہو کر نماز

پڑھ رہا ہے یہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے اور امام سے فارغ ہو کر جو پڑھے گا وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے، لہٰذا نمازی ان رکعتوں کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو نماز کے ابتدائی اور انتہائی حصے سے کرتا ہے کہ ابتدائی رکعتوں میں قرأت ہے آخر میں نہیں ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ اور ایک قول میں احمد بن حنبلؒ اور سفیان ثوریؒ کا مسلک یہ ہے کہ نمازی جو امام کے ساتھ پڑھ رہا ہے، یہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے اور جو حصہ فوت ہو گیا ہے وہ اس کی نماز کا پہلا حصہ ہے، لہٰذا یہ نمازی جب امام سے الگ نماز پڑھنے لگے گا تو اپنی نماز کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو نماز کے ابتدائی اور انتہائی حصہ سے کرتا ہے، یعنی فوت شدہ رکعتوں کی ابتداء میں ثناء پڑھے گا پھر تعوذ اور تسمیہ ہوگی، پھر قرأت کریگا پھر سورت ملائیگا اور نماز مکمل کرے گا۔

دلائل

جمہور نے اپنے مسلک کیلئے "وما فاتكم فأتموا" کے الفاظ سے استدلال کیا ہے، کیونکہ اتمام اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک چیز پہلے گزر چکی ہے اور اس کا کچھ حصہ رہ گیا ہے، اس حصہ کے ملانے سے اس چیز کی تکمیل ہوتی ہے تو یہ نمازی تو جو نماز پڑھ رہا ہے یہ نماز کے ابتدائی حصہ کی تکمیل کر رہا ہے، لہٰذا یہ اول الصلوۃ ہے، آخر صلوۃ نہیں ہے لان لفظ الاتمام واقع على باق من شئ قد تقدم سائره وعن علیؓ قال: "ما ادركت فهو اول صلوتك۔ (فتح الملهم)

امام ابوحنیفہؒ نے اس باب کی ان احادیث سے استدلال کیا ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں وما فاتكم فاقضوا۔ رواه ابن ابی شيبة بسند صحيح۔

اسی طرح ائمہ احناف نے زیر بحث احادیث میں ان الفاظ سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہیں، اس طرح وارد ہیں: "صل ما ادركت و اقض ماسبقك۔" (فتح الملهم)

اسی طرح حضرت ابوقتادہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فما ادركتم فصلوا وما سبقكم فاتموا۔" (فتح الملهم)

احناف نے غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعت نکلنے کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے، ان روایات میں واضح طور پر مذکور ہے کہ جو نماز نکل چکی ہے، اسی کی قضاء کرو اور اسی کو مکمل کرو، لہٰذا اس میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورت اور قرأت کرنی ہوگی، کیونکہ اسی کو مقدم رکھ کر پڑھنا ہے۔

۱۳۶۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَابْنُ حُجْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا ثُوِّبَ لِلصَّلَاةِ فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب نماز کے لئے تکبیر شروع ہو جائے تو تم (جلدی میں) دوڑ کر نماز کے لئے مت آؤ بلکہ سکون سے چل کر آنا تمہارے اوپر لازم ہے، جو مل جائے وہ پڑھ لو جو رہ جائے اسے پورا کرلو، کیونکہ جب کوئی نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو فی الحقیقت نماز میں ہی ہوتا ہے۔ (اور

دوڑ نا نماز کے آداب کے خلاف ہے)۔

١٣٦٤ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ فَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُونَ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز کی تکبیر کہی جائے (یعنی اقامت) تو کوئی دوڑ کر مت آؤ بلکہ سکون اور وقار سے چل کر آؤ، جتنی نماز تمہیں (جماعت کے ساتھ) مل جائے اتنی پڑھ لو اور جتنی رہ جائے وہ پوری کرلو''۔

١٣٦٥ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَلَا يَسْعَ إِلَيْهَا أَحَدُكُمْ، وَلَكِنْ لِيَمْشِ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ، صَلِّ مَا أَدْرَكْتَ، وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو اس کی طرف تم میں سے کوئی دوڑ کر نہ آئے لیکن سکینت اور وقار کے ساتھ چل کر آئے، جو تجھے مل جائے وہ پڑھ لے اور جو امام تجھ سے پہلے پڑھ چکا ہے اسے قضا کرلے۔

١٣٦٦ـ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ الصُّورِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ أَبَاهُ، أَخْبَرَهُ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعَ جَلَبَةً، فَقَالَ: مَا شَأْنُكُمْ؟ قَالُوا: اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا سَبَقَكُمْ فَأَتِمُّوا۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی قتادہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ان کے والد حضرت قتادہؓ نے بتلایا کہ ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں تھے کہ آپ نے کچھ آواز سنی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے بعد) فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ (گویا ناراضی کا اظہار فرمایا) لوگوں نے عرض کیا کہ ہم جلدی کر رہے تھے نماز کیلئے۔فرمایا: ایسا مت کرو، جب تم نماز کو آؤ تو سکون سے آنا لازم ہے، جو مل جائے تو پڑھ لو جو فوت ہو جائے اسے پورا کرلو۔

تشریح:

"اذا ثوب" تثویب لغت میں لوٹنے کے معنی میں ہے چونکہ نماز کیلئے اذان کے بعد دوبارہ لوٹ کر اذان الحاضرین دی جاتی ہے، اس لئے اس کو تثویب کہہ دیا۔

"تمشون" سعی کے مقابلہ میں تمشون کہا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ سعی سے عادی چلنا مراد نہیں ہے، بلکہ غیر عادی دوڑنا مراد ہے، اگر چہ "فاسعوا الی ذکر اللہ" میں سعی کا اطلاق چلنے پر ہوا ہے۔ "السکینۃ و الوقار" بعض علما نے کہا کہ سکینہ اور وقار مترادف الفاظ ہیں، دونوں کا معنی وقار اور سنجیدگی ہے تاکید کیلئے دونوں کو ذکر کیا گیا ہے، بعض علماء نے سکینہ اور وقار میں یہ فرق کیا ہے کہ سکینہ حرکات میں سنجیدگی کو کہتے ہیں کہ نگاہیں پست ہوں، آواز اونچی نہ ہو۔ وقار ہیئت وکیفیت میں سنجیدگی کو کہتے ہیں کہ نگاہیں پست ہوں، آواز اونچی نہ ہو، آنکھیں پھاڑ پھاڑ ادھر ادھر نہ دیکھتا ہو۔

"یعمد" یہ قصد وارادہ کے معنی میں ہے، جب اس شخص کو ثواب ملتا ہے تو پھر دوڑنے کی کیا ضرورت ہے، ہاں اگر ساری نماز کے نکلنے کا خطرہ ہو تو آدمی تیز جا سکتا ہے، دوڑنا منع ہے، تیز چلنا منع نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ جھوم جھوم کر جانے سے عدم اہتمام الجماعۃ کا شبہ پیدا ہو جائے۔ "حلبۃ" لوگوں کے دوڑنے سے جو شور اٹھتا ہے اس کو حلبۃ کہا گیا ہے۔

۱۳۶۷ـ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ

حضرت شیبان سے اسی سند کے ساتھ حسب سابق (کہ نماز کیلئے دوڑ کر نہ آؤ بلکہ سکون ووقار کے ساتھ آؤ) روایت منقول ہے۔

باب متی یقوم الناس للصلوٰۃ

مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں گے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۶۸ـ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي وَقَالَ ابْنُ حَاتِمٍ: إِذَا أُقِيمَتْ أَوْ نُودِيَ۔

حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نماز کھڑی ہو جائے تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو کھڑے مت ہو''۔ ابن حاتم نے شک کیا کہ إِذَا أُقِيمَتْ (جب اقامت کہی جائے) ہے أَوْ نُودِيَ (اذان دی جائے) ہے۔

تشریح:

"حتی ترونی" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھڑیوں کا نظام نہیں تھا، اسی طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کیلئے خاص اوقات کا تعین نہیں تھا، لوگ جب جمع ہو جاتے تو جماعت کھڑی ہو جاتی تھی، لیکن امام کے آنے کا انتظار ضروری تھا، امام جب آجاتا تو سب لوگ کھڑے ہو کر جماعت شروع ہو جاتی تھی، اس میں کبھی کبھی امام کے آنے میں دیر ہو جاتی تھی، لوگ سب جمع ہو چکے ہوتے، ایسی صورت

میں کبھی کبھی لوگ اقامت ہو چکنے کے بعد کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنے لگ جاتے تھے، اس میں بدانتظامی بھی تھی اور لوگوں کے لئے مشقت بھی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی صورت سے منع فرمایا ہے کہ جب تک میں نہ آؤں تم اقامت کے بعد بھی کھڑے ہونے کی کوشش نہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا سبب امام کا آنا ہے، اقامت کرنا سبب نہیں ہے۔ علامہ نووی اور علامہ الابی المالکی نے لکھا ہے کہ بعض دفعہ حضرت بلال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے تھے کہ آپ آ رہے ہیں بعض صحابہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھ لیتے تو وہ بھی کھڑے ہو جاتے، جن صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے نہ دیکھا وہ بیٹھے رہتے، اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہونے والوں کے منع فرمایا کہ جب تک سب مقتدی مجھے نہیں دیکھ لیتے تم کھڑے ہونے کی کوشش نہ کرو، اس صورت سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ نماز کے لئے قیام کا سبب امام کا نکل کر آنا ہے، اقامت کرنا سبب نہیں ہے، اقامت اور قیام الی الصلوٰۃ میں فاصلہ آنے سے نماز کا نقصان نہیں ہوتا ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس اقامت سے ایسی اقامت مراد ہے جس کو امام سن رہا ہو کہ گھر میں اس نے جب اقامت سن لی تو وہ نکل آئے گا، ان توجیہات سے احادیث میں وہ تعارض دور ہو گیا جو حضرت بلال کی ایک روایت سے پیدا ہو گیا جو اس باب کی آخری حدیث ہے، وہ روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت بلال اس وقت تک اقامت شروع نہ کرتے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہ لاتے، تعارض اس طرح دور ہو گیا کہ حضرت بلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو کسی طرح دیکھ لیتے تب اقامت شروع فرماتے، جبکہ عام صحابہ نے آپ کو ابھی تک نہیں دیکھا، ایسی صورت میں قیام سے منع کر دیا۔ علامہ ابی فرماتے ہیں کہ روایات میں تطبیق پیدا کرنے کی ایک واضح صورت یہ بھی ہے کہ احادیث کو مختلف واقعات پر حمل کیا جائے، کبھی ایک طرح کا واقعہ پیش آیا، کبھی دوسری طرح کا پیش آیا، اگر ان احادیث کو اس پر حمل کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس قیام سے منع فرمایا ہے، جس میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے اور اقامت ہونے سے پہلے کھڑے ہو گئے تھے تو آپ نے اس جلد بازی سے منع فرمایا کہ جب تک میں باہر نہ آؤں تم کسی بھی صورت میں قیام کی کوشش نہ کرو، علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ "حتی ترونی" کا معنی یہ ہے ای تبصرونی خرجت۔ وہ فرماتے ہیں کہ خرجت کا لفظ مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے، پھر فرمایا کہ اصل عبارت اس طرح ماننا پڑے گا: "لا تقوموا حتی ترونی خرجت فاذا رأیتمونی خرجت فقوموا۔" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ پہلے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اقامت کے وقت مقتدیوں کو کب کھڑا ہونا چاہئے؟

اس میں سلف صالحین اور فقہاء کا اختلاف ہے کہ اقامت کے دوران صفوں میں بیٹھے ہوئے مقتدیوں کو نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، اس میں علماء کی چند آراء ہیں: (۱) امام مالک اور جمہور علماء کی رائے اور مسلک یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کرے تو مستحب یہ ہے کہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں، اس میں کسی خاص وقت کی تحدید اور تعین نہیں ہے۔ (۲) حضرت انس کا معمول یہ تھا کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ کہتے اور امام اللہ اکبر کہتا اس وقت حضرت انس کھڑے ہو جاتے تھے۔ (۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی رائے یہ تھی کہ جب مؤذن اقامت میں اللہ اکبر کہہ دے تو نماز کے لئے کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے اور جب مؤذن "حی علی الصلوٰۃ" کہہ دے تو صفوں کو سیدھا کرنا چاہئے اور جب مؤذن اقامت میں "لا الہ اللہ" کہہ دے تو امام کو اللہ اکبر کہنا

چاہئے۔(۴) عام علماء کی رائے یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت کو مکمل نہیں کر دیتا، امام کو اللہ اکبر نہیں کہنا چاہئے، جب اقامت مکمل ہو جائے تو امام تکبیر تحریمہ کہے، اور عمر بن عبدالعزیز کی رائے بھی اسی طرح ہے۔(۵) امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اقامت سے فارغ ہو جائے تب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں۔(۶) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہہ دے تو لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں۔(۷) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہہ دے تو لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں۔(فتح الملہم ج ۴ ص ۲۷۳)

خلاصہ یہ کہ اقامت شروع ہوتے ہی نماز کے لئے لوگ کھڑے ہوں اور صفوں کو سیدھا کریں اور پھر امام اقامت کے آخر میں تکبیر تحریمہ پڑھے، یہ عام علماء کی رائے اور اس میں نظم وضبط ہے اور امت کا اسی پر معمول ہے، بریلوی حضرات کو ا حدیث کے سمجھنے میں بھی اور فقہاء کرام کے اس قول کے سمجھنے میں بھی غلطی ہوگئی ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں، چنانچہ بریلوی حضرات کسی نو وارد کو کھڑا ہونے نہیں دیتے، بلکہ اقامت کے دوران زبردستی بٹھاتے ہیں اور پھر قد قامت الصلوٰۃ پر سب کھڑے ہو جاتے ہیں، حالانکہ فقہاء اور علماء کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بیٹھا رہتا ہے تو صف میں بیٹھنے کی آخری گنجائش قد قامت الصلوٰۃ تک ہے، اس کے بعد بیٹھنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ صفوں کو سیدھا کرنا ابھی باقی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کھڑے آدمی کو بٹھایا جائے اور کسی فقہی جزیہ پر عمل کرایا جائے۔

١٣٦٩۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ، وَحَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَقَالَ إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ شَيْبَانَ، كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَزَادَ إِسْحَاقُ فِي رِوَايَتِهِ حَدِيثَ مَعْمَرٍ، وَشَيْبَانَ: حَتَّى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ

حضرت عبداللہ بن ابو قتادہؓ اپنے والد سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو جس وقت تک مجھے نہ نکلتا ہوا دیکھ لو کھڑے مت ہو۔

١٣٧٠۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَقُمْنَا، فَعَدَّلْنَا الصُّفُوفَ، قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "فَأَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ، ذَكَرَ فَانْصَرَفَ، وَقَالَ لَنَا: مَكَانَكُمْ، فَلَمْ نَزَلْ قِيَامًا نَنْتَظِرُهُ حَتَّى خَرَجَ إِلَيْنَا، وَقَدِ اغْتَسَلَ يَنْطُفُ رَأْسُهُ مَاءً، فَكَبَّرَ فَصَلَّى بِنَا"

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی ہوگئی، ہم کھڑے ہو کر صفیں درست کرنے لگے، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے مصلے پر کھڑے ہو گئے، ابھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ آپ کو کوئی بات یاد آگئی تو واپس مڑے اور ہم سے فرمایا: اپنی جگہ پر رہو (آپ واپس

لوٹ گئے) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں کھڑے رہے یہاں تک کہ آپ تشریف لائے، آپ نے غسل فرمایا ہوا تھا اور پانی آپ کے سر سے ٹپک رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔

تشریح:

"فعدلنا الصفوف" یہ وہی صورت ہوسکتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا تو اقامت شروع کردی، اس طرح اس حدیث کا دیگر احادیث سے تعارض نہیں رہے گا۔

''ذکر''یعنی آپ کو یاد آگیا کہ مجھے غسل کرنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام پر نسیان آتا ہے تا کہ اس سے شریعت کا مسئلہ واضح ہو جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان فاصلہ آنے سے نقصان نہیں ہوتا، اقامت باقی رہتی ہے۔

"مکانکم"یعنی اپنی اپنی جگہوں میں کھڑے رہو۔ "ینطف"غسل کے بعد سر سے پانی ٹپکنے کا نقشہ بیان کیا گیا ہے۔ "دحضت" یہ لفظ آنے والی حدیث میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زوال کا وقت ہوگیا، سورج کے زائل ہونے کو کہتے ہیں ای زالت الشمس۔

١٣٧١۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو يَعْنِي الْأَوْزَاعِيَّ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، وَصَفَّ النَّاسُ صُفُوفَهُمْ، وَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ مَقَامَهُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِمْ بِيَدِهِ أَنْ مَكَانَكُمْ، فَخَرَجَ وَقَدِ اغْتَسَلَ وَرَأْسُهُ يَنْطُفُ الْمَاءَ، فَصَلَّى بِهِمْ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی ہوگئی تھی اور لوگوں نے اپنی صفیں ترتیب دے لی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے مصلّیٰ پر کھڑے ہو گئے۔ پھر لوگوں کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو (میں ابھی آیا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو غسل فرمایا ہوا تھا اور سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔

١٣٧٢۔ وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ تُقَامُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَأْخُذُ النَّاسُ مَصَافَّهُمْ، قَبْلَ أَنْ يَقُومَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامَهُ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو لوگ اپنی صفوں میں کھڑے ہونے لگتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی جگہ پر کھڑے ہونے سے قبل ہی۔

١٣٧٣۔ وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ إِذَا دَحَضَتْ، فَلَا يُقِيمُ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا خَرَجَ أَقَامَ الصَّلَاةَ حِينَ يَرَاهُ

حضرت جابرؓ بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ زوال آفتاب کے بعد اذان دیتے اور جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے اقامت نہ کہتے تھے اور جب آپ گھر سے باہر نکلتے اور بلالؓ آپ کو دیکھ لیتے تو اقامت شروع کرتے تھے۔

باب من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے وہ نماز پالی

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۷۴۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے نماز کی ایک رکعت بھی پالی (جماعت کے ساتھ) اس نے نماز پالی (جماعت کے ساتھ)''۔

تشریح:

''الصلوٰۃ'' یہاں مطلق نماز کا ذکر ہے، لیکن اس سے عصر اور فجر کی نماز مراد ہے، جس کی تصریح بعد کی روایتوں میں ہے تو اس مطلق روایت کو بعد والی مقید روایت کے ساتھ مقید کیا جائے گا، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ نمازوں کا حکم ہے، یہاں مطلق عام نمازوں کا حکم ہے اور مطلب یہ کہ جس مسبوق نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی تو اس نے جماعت کو پالیا، جماعت کا ثواب اس کو حاصل ہو گیا اور بعد کی روایتوں میں اوقات کے پالینے کا حکم بیان کیا گیا ہے، یہ توجیہ زیادہ واضح ہے، کیونکہ ''مع الامام'' کا لفظ اس کی تائید ہے۔

''فقد ادرک الصلوٰۃ'' تمام شارحین اور سارے فقہاء فرماتے ہیں کہ حدیث کے ان الفاظ کو اپنے ظاہر پر حمل نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ایک رکعت پالینے سے کسی کے نزدیک پوری نماز ادا نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس حدیث میں مناسب تاویل کرنی پڑے گی، چنانچہ مختلف تاویلات کو بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی تاویل: علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فقد ادرك وجوبها'' یعنی ایک رکعت پالینے سے نماز فرض ہو جائے گی، یہ حکم ان لوگوں کے بارے میں ہے جو ابھی نماز کے مخاطب ہو گئے یا اہل ہو گئے، مثلاً بچہ بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا یا مجنوں تندرست ہو گیا یا ہوش میں آ گیا یا حائضہ عورت پاک ہو گئی اور ان لوگوں کو نماز کا ایک جز مل گیا، جس میں تکبیر تحریمہ پڑھی جا سکتی ہو تو ان لوگوں پر یہ نماز فرض ہو گئی بعد میں قضاء کریں گے، یہی حکم طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا ہے۔

دوسری تاویل: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس جملہ کا تعلق مسبوق سے ہے کہ جب مسبوق نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی تو اس نے جماعت کے ثواب کو پالیا، یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

تیسری تاویل: علامہ نوویؒ اس جملہ کی تیسری تاویل اور مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو نماز میں اس

وقت داخل ہوا جب نماز کا وقت ختم ہورہا ہو، اس شخص نے جب ایک رکعت پڑھ لی تو وقت ختم ہوگیا، اس کے متعلق یہ بتایا گیا کہ اس نے نماز کو پالیا، یعنی وقت کے بعد جو پڑھ رہا ہے، وہ قضاء نہیں ہے بلکہ ''ادا'' ہے۔ علامہ نوویؒ نے ان تینوں تاویلات کے لئے یہ جملہ لکھا ہے:
''ای فقد ادرک حکم الصلوۃ او وجوبھا او فضلھا۔'' (نووی)

احناف فجر کی نماز اور عصر میں فرق کیوں کرتے ہیں؟

سوال: یہاں ایک بڑا سوال ائمہ احناف کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے کہ فجر اور عصر کی نماز سے متعلق یہ ایک مضمون کی حدیث ہے، لیکن ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز میں اگر تین رکعتیں مغرب کے وقت میں پڑھی گئیں تو نماز ہوجائے گی، لیکن اگر فجر کی نماز میں ایک رکعت طلوع آفتاب کے بعد پڑھی گئی تو نماز فاسد ہوجائے گی، یہ فرق کیوں ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب عام فقہاء احناف یہ دیتے ہیں کہ عصر کا آخر وقت چونکہ ناقص ہے اور اسی ناقص جزء میں یہ نماز فرض ہوگئی ہے، لہٰذا یہ ناقص نماز ہے، وقت کے نکلنے سے ناقص انداز سے اس کا پڑھنا جائز ہے، لیکن فجر کا پورا وقت کامل ہے تو کامل نماز فرض ہوگئی اس کو وقت کے نکلنے کے بعد ناقص انداز سے پڑھنا جائز نہیں ہے، لہٰذا وہاں نماز باطل ہوگئی۔

سوال: اس سے پہلے سوال کے جواب پر عام فقہاء کی طرف سے ایک اور اعتراض کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ احناف نے حدیث کے ایک حصہ کو قیاس کے ذریعہ سے رد کردیا ہے کہ فجر میں نماز باطل ہوگئی، کیونکہ وہاں پورا وقت کامل ہے اور عصر میں وقت ناقص ہے اور قیاس کے ذریعہ سے حدیث کے کسی حصہ کو رد کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: ''قال ابو حنیفۃؒ تبطل صلوٰۃ الصبح بطلوع الشمس فیھا لانہ دخل وقت النھی عن الصلوٰۃ بخلاف الغروب و الحدیث حجۃ علیہ اھ''
اعتراض کا خلاصہ یہ کہ احناف نے قیاس کے ذریعہ سے حدیث کو رد کردیا اور یہ ناجائز فیصلہ ہے۔

جواب: علماء احناف نے اس اعتراض کے کئی جوابات دیئے ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ احناف نے العیاذ باللہ قیاس کے ذریعہ سے حدیث کو رد نہیں کیا ہے، بلکہ خود احادیث میں تعارض آگیا، کیونکہ مشہور احادیث میں واضح حکم ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھو اور زیر بحث حدیث میں پڑھنے کا ذکر ہے تو دونوں حدیثوں پر عمل ممکن نہ ہوا تو قیاس کی طرف جانا پڑا جو علماء کے ہاں مسلمہ قاعدہ ہے، قیاس کے مطابق عصر کی نماز صحیح ٹھہری اور فجر کی باطل ٹھہری تو فرق آگیا، اس فرق کو عجیب طریقہ سے فتح الملہم میں بیان کیا گیا ہے کہ عصر کی نماز غروب آفتاب کے آخری لحہ تک مکروہ وقت میں جائز ہے اور جب غروب آفتاب ہوگیا تو پھر مکروہ وقت ختم ہوگیا لہٰذا مغرب میں نماز درست ہوگئی، اس کے برعکس فجر میں جب نماز کے دوران طلوع آفتاب شروع ہوگیا تو یہ وقت نماز کے منافی ہے، لہٰذا نماز باطل ہوگئی، علامہ سرخسیؒ کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ (فتح الملہم)

دوسرا جواب امام طحاویؒ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث اصحاب اعذار سے متعلق ہے یا نومسلم سے متعلق ہے یا ابھی ابھی بالغ ہونے والے بچے سے متعلق ہے۔ تیسرا جواب امام ابو یوسف کا قول ہے کہ جس طرح عصر کی نماز درست ہے، فجر کی نماز بھی درست ہے، کیونکہ یہ شخص قصداً مکروہ وقت میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے، بلکہ یہ ایک غیر اختیاری معاملہ ہے، اسی سے ملتا جلتا جواب میرے استاذ حضرت مولانا فضل محمد سواتی کا ہے کہ یہ حکم ایسے شخص کے بارے میں ہے جو نہایت پابندی سے نماز پڑھتا ہے، مگر زندگی میں کبھی ایسا واقعہ آجاتا ہے کہ نماز میں دیر ہو

جاتی ہے تو اضطراری طور پر وہ ایک رکعت وقت میں پڑھتا ہے، باقی نماز وقت کے خروج کے بعد پڑھتا ہے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ اس شخص کی عادت نہیں ہے بلکہ خلاف عادت زندگی میں ایک آدھ بار ایسا ہو گیا تو یہ صورت معاف ہے، یہ خصوصی حکم ہے عام ضابطہ نہیں ہے۔

چوتھا جواب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں دیا ہے، جس کو آپ نے راجح قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ درمختار میں لکھا ہے کہ نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے، اگرچہ مکروہ اوقات میں کوئی شروع کرے، اسی طرح علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے کہ عذر کے بغیر نماز کا توڑنا حرام ہے "ولا تبطلوا اعمالکم" اس پر دلیل ہے، یہ تو نوافل کا حکم ہے، حدیث کے مطابق یہ شخص تو نفل میں بھی نہیں، بلکہ فرض میں مشغول ہے، اس کا توڑنا تو بطریق اولیٰ حرام ہے، اب اس شخص کی طرف دو ممانعتیں متوجہ ہیں، ایک تو اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے کی نہی متوجہ ہے اور دوسری نماز توڑنے کی نہی متوجہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کو معذور قرار دیا اور اس کو خصوصی طور پر عصر اور مغرب دونوں اوقات میں اس خاص طرز پر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اس کی نماز کو صحیح قرار دیا تاکہ اس کا شروع کردہ عمل باطل نہ ہو جائے، لہٰذا عصر بھی صحیح ہے اور فجر بھی صحیح ہے۔ علامہ عثمانیؒ کے پیچیدہ کلام سے میں نے خلاصہ نکال کر لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ عثمانی کی لمبی عبارت سے دو جملے نقل کرنا مناسب ہوگا:

"فالنهيان اى النهى عن الصلوٰة فى الاوقات الثلاثة و النهى عن ابطال العمل قد تعارضا فيبقى حديث الباب اى حديث الادراك و الاتمام سالماً من المعارض فيحكم به اھ۔

علامہ مزید لکھتے ہیں: "فبقى العمل على النهى عن ابطال العمل فيؤمر باتمام الصلوٰة فى الفجر و العصر كليهما والله اعلم۔" (فتح الملهم ج ٤ ص ٢٨٧)

احناف میں سے امام ابو یوسفؒ اور دیگر کچھ علماء کا رجحان اسی طرف ہے کہ اس حدیث کو ظاہر پر حمل کیا جائے کہ فجر و عصر کی دونوں نمازیں صحیح ہیں، بہرحال تاویلات تاویلات ہوتی ہیں، علامہ سیوطیؒ نے تمام تاویلات کو بعید قرار دیا ہے، تاہم اس بحث کی ابتداء میں جو تین تاویلات کو بیان کیا گیا ہے، وہ قابل اطمینان ہیں، غیر مقلدین شور کرتے ہیں اور پھر احناف کو نشانہ بناتے ہیں کہ یہ لوگ تاویلات کرتے ہیں، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ تاویل کے بغیر اس حدیث پر عمل آپ لوگ بھی نہیں کر سکتے، اگر کوئی صورت ہے تو ہمیں بھی بتا دیں، تاکہ ہم اس پر چلیں؟

١٣٧٥۔ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت حاصل کر لی اس نے پوری نماز حاصل کر لی"۔

١٣٧٦۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَيُونُسَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، كُلُّ هَؤُلَاءِ

عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَعَ الْإِمَامِ، وَفِي حَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ كُلَّهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان مختلف اسناد کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق (جس نے امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت پالی) روایت نقل کی ہے اور ان میں سے کسی بھی روایت میں مع الامام کا لفظ نہیں ہے اور عبید اللہ کی روایت میں ادرک الصلوۃ کلھا کا لفظ موجود ہے۔

۱۳۷۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنِ الْأَعْرَجِ، حَدَّثُوهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے طلوع آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پالی تو اس نے فجر کی نماز پالی (اور وہ قضاء نہیں کہلائے گی) اور جس نے غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت عصر کی حاصل کرلی تو اس نے عصر کی نماز پالی (وہ بھی قضاء نہیں ہوگی)۔

۱۳۷۸۔ وَحَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ، كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، وَالسِّيَاقُ لِحَرْمَلَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، حَدَّثَهُ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ سَجْدَةً قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، أَوْ مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ، فَقَدْ أَدْرَكَهَا، وَالسَّجْدَةُ إِنَّمَا هِيَ الرَّكْعَةُ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عصر کی نماز کا ایک سجدہ غروب آفتاب سے قبل پالیا یا صبح کی نماز میں طلوع سے قبل حاصل کرلیا تو اس نے وہ پوری نماز حاصل کرلی اور سجدہ سے مراد ایک رکعت ہے۔

۱۳۷۹۔ وحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مالک عن زید بن اسلم کی روایت (جس نے طلوع آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پالی .....الخ) کی طرح حدیث منقول ہے۔

۱۳۸۰۔ وَحَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ

تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَقَدْ أَدْرَكَ، وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے اسے پالیا اور جس شخص نے سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز میں ایک رکعت پالی تو اس نے اسے پالیا۔

۱۳۸۱۔ وَحَدَّثَنَاهُ عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ مَعْمَرًا بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

حضرت معمر سے اس سند کے ساتھ حسب سابق (جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے اسے پالیا.....الخ) روایت منقول ہے۔

باب اوقات الصلوات الخمس

پانچوں نمازوں کے اوقات کا بیان

اس بات میں امام مسلمؒ نے سولہ احادیث کو بیان کیا ہے

اوقاتِ صلوٰۃ کا پس منظر

اوقات جمع ہے اس کا مفرد وقت ہے، وقت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے "الوقت هو المقدار من الدهر" یعنی زمانہ کے ایک معین حصہ کو وقت کہتے ہیں جو "غیر قار الذات" ہوتا ہے، نمازوں کے فرض ہونے کیلئے اصل علت تو اللہ تعالیٰ کا خطاب اور حکم ہے، پھر ہر نماز کے لیے اس کا وقت سبب ہے۔

شیخ عبدالحقؒ نے لمعات میں پانچ نمازوں کے پانچ اوقات کی جو حکمت بیان فرمائی ہے، اس کا خلاصہ اس طرح ہے فرماتے ہیں کہ انسان جب رات کو سوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے سکون اور امن اور صحت کی نعمت سے بھی غافل رہتا ہے، اسی طرح وہ اپنے کسب و معاش سے بھی عاجز ہو کر مردے کے حکم میں ہو جاتا ہے، رات گزرنے کے بعد جب دن آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر فجر کی نماز فرض فرمادی تاکہ رات کی تمام کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو جو زندگی عطا فرمائی ہے اس کا بہتر طریقہ سے شکر ادا ہو سکے پھر جب یہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے زندگی کے اسباب تلاش کرتا ہے اور دن کے اجالے میں نیکیاں حاصل کرتا ہے اور حلال رزق کماتا ہے، جب یہ نعمت اس کو حاصل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے اس انسان پر ظہر کی نماز فرض فرمادی پھر انسانوں کی عمومی عادت ہے کہ وہ دوپہر کے وقت سوتے ہیں تاکہ آرام کریں، اس نیند کی وجہ سے ذکر اللہ اور عبادت میں جو کوتاہی ہوئی ہے، اس کیلئے عصر کی نماز فرض فرمادی تاکہ اس کوتاہی کا تدارک ہو سکے، پھر عام عادت ہے کہ عصر کے وقت انسان اپنے مشاغل اور کسب و معاش میں انتہائی مشغول ہو جاتا ہے اور بازاروں میں گھوم پھر کر غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دن بھر کی تمام نعمتوں کی تکمیل ہو جاتی ہے، اس لئے اس کا شکر ادا کرنے اور تقصیرات کے ازالے کیلئے

نے مغرب کی نماز فرض فرمادی۔ پھر جب انسان ہر قسم کی آفات سے بچ کر دن کے خاتمے پر ایک اچھے انجام پر پہنچ جاتا ہے تو حسن خاتمہ کا شکر ادا کرنا اس پر لازم ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز فرض فرمادی ہے تاکہ "ختامه مسك" کا مصداق بن جائے۔

قرآن کریم کی ایک آیت میں پانچ نمازوں کے اوقات کی طرف اس طرح اشارات موجود ہیں ﴿فسبحان الله حين تمسون و حين تصبحون وله الحمد فی السموات و عشياً و حين تظهرون﴾

امام مسلمؒ نے عمومی طور پر اس باب میں نمازوں کے ان اوقات کا بیان کیا ہے جو وجوبی اوقات ہیں کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد نماز جائز نہیں ہوتی ہے، اس کے بعد دوسرے باب میں امام مسلمؒ نے نمازوں کے استحبابی اوقات کو بیان کیا ہے کہ نمازوں کے پڑھنے کے افضل اوقات کون کونسے ہیں، اس کیلئے علامہ نوویؒ نے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں، گویا نمازوں کے وجوبی اوقات الگ ہیں اور استحبابی اوقات الگ ہیں۔

حديث امامة جبريل

۱۳۸۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ: أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ قَدْ نَزَلَ، فَصَلَّى إِمَامَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: اعْلَمْ مَا تَقُولُ يَا عُرْوَةُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ بَشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَمَّنِي، فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ

ابن شہاب زہریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے عصر کی نماز مؤخر کر دی تو عروہؒ نے ان سے فرمایا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان سے کہا کہ اے عروہ! کیا کہہ رہے ہو؟ عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابو مسعود سے اور انہوں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریلؑ ایک بار نازل ہوئے اور میری امامت کی میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی، اپنی انگلیوں سے پانچ نمازیں شمار کیں۔

تشریح:

''ان عمر بن عبد العزيز '' حضرت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں خلیفہ بنے تھے، دو سال تک آپ نے عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی ہے، عدل وانصاف میں آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے، آپ کے عدل وانصاف کا اثر جنگلات میں درندوں پر ہو گیا تھا، چنانچہ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ شیر اور بھیڑیا اکٹھے رہتے تھے اور بکریوں کو کچھ نہیں کہتے تھے، جب آپ خلیفہ بن گئے اور مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گئے تو آپ نے اپنی گھر والی سے کہا کہ میں اب مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہو گیا ہوں، آپ اگر چاہیں تو میں

آپ کو طلاق دے دوں، آپ اپنے والدین کے ہاں چلی جائیں اور اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو اپنے حقوق کو معاف کرنا ہوگا تا کہ کوتاہی پر مجھے قیامت میں سزا نہ ہو۔ بیوی نے سب کچھ معاف کر دیا اور ایک دن اپنی بچیوں کو دیکھا کہ منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے تھیں، پوچھا یہ کیا ہے؟ بیوی نے کہا کہ آج انہوں نے دال کے ساتھ کھانے میں پیاز استعمال کیا ہے، منہ پر کپڑا اس لئے ڈالا ہے کہ آپ کو بدبو نہ لگے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اے میری بچیو! کیا تم یہ پسند کرو گی کہ قیامت میں تمہارے سامنے مجھے فرشتے گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر کھانے میں دو چیزیں کیوں استعمال کیں، صرف دال کافی تھی، پیاز کی کیا ضرورت تھی؟ ایک دن بیوی نے کچھ میٹھا پکایا، پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ بیوی نے کہا کہ گھر کے خرچے بچا کر میٹھے کا انتظام کیا، آپ نے بیت المال کو خط لکھا کہ میرے وظیفے سے اتنا کم کر دو، کیونکہ بچا بچا کر میٹھے کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے، جب آپ کا انتقال ہو گیا تو جنگل میں بھیڑیا نے بکری پر حملہ کر دیا، چرواہا رونے لگا کہ ہائے افسوس اس عادل بادشاہ عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو بتانے لگا کہ جب تک وہ زندہ تھے ان کے عدل و انصاف کی وجہ سے کوئی درندہ بکریوں پر حملہ نہیں کر سکتا تھا، آج جو حملہ ہوا ہے یہ اس کی موت کی نشانی ہے جب معلوم کیا تو واقعی اسی دن ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کے جنازے میں اکثر شہداء نے شرکت کی۔ علامہ ابن نحاسؒ نے "مشارق الاشواق" میں لکھا ہے کہ شہداء نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی اور اجسام مثالیہ کے ساتھ آکر جنازہ میں شرکت کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بنوامیہ کے وہ خلیفہ گزرے ہیں جنہوں نے بنوامیہ کے تمام نامناسب قوانین کو مٹا دیا اور دین اسلام کو اس کی اصل شکل میں قائم کیا۔ انہی میں سے نمازوں کی تاخیر بنوامیہ کے دور میں رائج تھی، آپؒ نے اس کو ختم کر دیا، زیر بحث روایت میں تاخیر کی جو بات ہے، یہ ایک بار تاخیر کا واقعہ ہوا ہے، اگلی روایت میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے واقعہ میں "یوماً" کا لفظ ہے، یعنی ایک دن ایسا ہوا پھر بھی اس حدیث میں "شیئاً" کا لفظ ہے، یعنی وقت مستحب سے معمولی سی تاخیر ہو گئی تھی تو تاخیر کرنا نہ آپ کی عادت تھی اور نہ وقت مکروہ تک تاخیر تھی، حضرت عروہ کا جو اعتراض ہے، یہ وقت مستحب سے تاخیر پر ہے۔ یہ جو واقعہ ہے اس وقت کا ہے، جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ منورہ کے گورنر تھے، اصل حکومت ولید بن عبدالملک کی تھی، جب آپ خلیفہ بن گئے تو آپ نے تاخیر کی اس رسم کو ختم کر دیا، چنانچہ اوزاعی شام رحمہ اللہ ایک روایت اس طرح نقل کرتے ہیں: عن عاصم بن رجاء بن حيوة عن ابيه ان عمر بن عبد العزيز يعنى فى خلافته كان يصلى الظهر فى الساعة الثامنة و العصر فى الساعة العاشرة حين تدخل۔ (فتح الملهم ج ٤ ص ٢٩٠)

"فصلی امام" یہاں امام کے لفظ پر فتحہ اور کسرہ دونوں پڑھنا جائز ہے، مگر فتحہ زیادہ واضح ہے جو ظرف بنتا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آگے جبریل امین نے نماز پڑھائی اور اگر کسرہ ہے تو مطلب یہ کہ جبریل نے نماز پڑھائی اس حال میں کہ آپ امام تھے۔ یہاں "اعنی" کا فعل محذوف ماننا پڑے گا، بہر حال جب فتحہ منقول ہے تو اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

"اعلم ما تقول" یہ امر کا صیغہ ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز اس بات کو بعید سمجھ رہے ہیں کہ جبریل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جماعت کرائی؟ اس کے جواب میں حضرت عروہؓ نے حدیث کا حوالہ دیا جس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاموش ہو گئے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس پر انکار کیا ہے کہ حضرت عروہ نے سند کے بغیر حدیث کا حوالہ دیا، یہ احتیاط کے خلاف تھا، اس کے جواب میں حضرت عروہ نے سند کے ساتھ حدیث بیان کی، بعض شارحین کہتے ہیں کہ اعلم کا لفظ امر کا صیغہ نہیں، بلکہ متکلم کا

صیغہ ہے، یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز کہہ رہے ہیں کہ عروہ سوچ سمجھ کر حدیث بیان کرو، میں خود جانتا ہوں مجھے بھی معلوم ہے کہ تم کیا کہتے ہو؟ جو تم کہتے ہو، یہ صحیح نہیں ہے کہ جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امامت کرائی، اس کے جواب میں حضرت عروہؒ نے وضاحت فرمادی، اس حدیث میں یہ مکالمہ ان دو حضرات کے درمیان ہوا ہے، اس کے ساتھ والی روایت میں بھی ان دو حضرات کا مکالمہ ہوا ہے، لیکن اس میں اتنا فرق ہے کہ حضرت عروہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تاخیر کا ذکر فرمایا اور ان پر حضرت ابو مسعود انصاریؓ کے اعتراض کو نقل کیا، جس میں جبریل کی امامت کا تذکرہ ہے، اس کو سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عروہ پر اعتراض کیا کہ تم سوچ سمجھ کر بات کرو کہ کیا کہہ رہے ہو، کیا جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے امام بنے؟ آپ کیلئے نمازوں کے اوقات کا تعین کیا؟ اس کے جواب میں حضرت عروہؒ نے ابو مسعود انصاریؓ کے بیٹے بشیر کے حوالے سے حدیث نقل کی اور جواب دیا جس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاموش ہو گئے۔

آنے والی روایت میں "بھذا امرت" خطاب کے الفاظ ہیں، اس میں ظاہر یہ ہے کہ جبریل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح حکم ہے اور اگر متکلم کا صیغہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جبریل فرماتے ہیں کہ مجھے اس طرح حکم ہوا کہ آپ تک اوقات کے تعین کا یہ حکم پہنچادوں، خطاب کا صیغہ جب موجود ہے تو وہی کافی ہے۔

۱۳۸۲۔ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْكُوفَةِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ يَا مُغِيرَةُ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيلَ نَزَلَ فَصَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: بِهَذَا أُمِرْتُ فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ: انْظُرْ مَا تُحَدِّثُ يَا عُرْوَةُ، أَوَ إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ أَقَامَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ عُرْوَةُ: كَذَلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ أَبِي مَسْعُودٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ. قَالَ عُرْوَةُ، وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک روز نماز مؤخر کردی تو حضرت عروہ بن زبیرؓ ان کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں بتلایا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ایک مرتبہ کوفہ میں نماز مؤخر کردی تو حضرت ابو مسعود الانصاریؓ ان کے پاس داخل ہوئے اور کہا کہ اے مغیرہ! کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ایک بار نزول فرمایا اور نماز پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (ان کے ساتھ) نماز پڑھی، انہوں نے دوبارہ (ظہر کی) نماز پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، انہوں نے پھر (عصر کی) نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، پھر انہوں نے (مغرب کی) نماز پڑھی تو حضور نے بھی پڑھی پھر (عشاء کی) نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آپ کو ان نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سن

کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عروہؒ سے فرمایا کہ اے عروہ! دیکھ کر بولو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوقات نماز بتلائے؟ عروہؒ نے فرمایا کہ بشیر بن ابی مسعود بھی ایسا ہی بیان کرتے تھے اپنے والد (ابو مسعودؓ) کے حوالہ سے اور مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ سورج (دھوپ) ابھی میرے حجرہ میں ہوتا تھا اور دھوپ دیوار پر ظاہر نہ ہوئی ہوتی۔

تشریح:

"قال عروہ" حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تاخیر عصر کے مقابلہ میں بطور دلیل حضرت عروہؒ نے نماز کی تعجیل پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو نقل کیا ہے، ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز جلدی پڑھائی تھی، حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر کے سایہ سے استدلال کیا ہے۔

"قبل ان تظهر" حضرت عائشہؓ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ابھی تک سورج ان کے حجرہ میں تھا، حجرہ سے غائب نہیں ہوا تھا۔ وقال الخطابی معنی الظهور الصعود ومنه "ومعارج علیها یظهرون"

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ابھی تک ان کے گھر میں سایہ نہیں آیا تھا، چنانچہ دوسری روایت میں "والشمس فی حجرتها قبل ان تظهر" کے الفاظ سے بھی وہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ابھی تک سورج گھر میں روشن رہتا تھا، اس کا سایہ ظاہر نہیں ہوا تھا، اسی کو آپ نے صریح الفاظ میں یوں بیان کیا ہے "لم یظهر الفیء بعد" یعنی اب تک سایہ ظاہر نہیں ہوا تھا، ان تمام الفاظ سے حضرت عائشہؓ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ عصر کی نماز جلدی ہوتی تھی۔ تعجیل عصر کا اختلافی مسئلہ انشاء اللہ آئندہ اس باب میں آئے گا جس باب کو عصر کے استحبابی وقت کیلئے علامہ نوویؒ نے قائم کیا ہے، جس کا عنوان اس طرح ہے "باب استحباب التبکیر بالعصر"

١٣٨٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي، لَمْ يَفِءِ الْفَيْءُ بَعْدُ، وقَالَ أَبُو بَكْرٍ: لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عصر کی نماز پڑھتے تھے جب سورج ابھی میرے حجرہ میں ہوتا تھا اور دھوپ اس سے اوپر نہ ہوتی تھی۔

١٣٨٤۔ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ فِي حُجْرَتِهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انہوں نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے اور دھوپ ان کے صحن میں ہوتی تھی اور چڑھتی نہ تھی۔

۱۳۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ وَاقِعَةٌ فِي حُجْرَتِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ مطہرہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں عصر کی نماز پڑھتے تھے جب کہ سورج ان کے حجرہ میں ہوتا تھا اور دھوپ ان کے حجرہ سے اوپر نہیں ہوتی تھی۔

۱۳۸۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمُ الْفَجْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ قَرْنُ الشَّمْسِ الْأَوَّلُ، ثُمَّ إِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الْعَصْرُ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْمَغْرِبَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَسْقُطَ الشَّفَقُ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعِشَاءَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم فجر کی نماز پڑھو تو اس کا وقت سورج کے ابتدائی کنارہ اور طلوع شفق تک ہے جب ظہر کی نماز پڑھو تو اس کا وقت، عصر کے وقت تک ہے، جب عصر کی نماز پڑھو تو اس کا انتہائی وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے جب مغرب کی نماز پڑھو تو شفق (احمر) کے غائب ہونے تک اس کا وقت باقی ہے پھر جب تم عشاء کی نماز پڑھو تو اس کا وقت نصف اللیل تک ہے۔

تشریح:

''اذا صلیتم الفجر فانه وقت'' اس حدیث میں پانچوں نمازوں کے آخری اوقات کا بیان ہے، ابتدائی اوقات کا بیان نہیں ہے۔ ''الاوّلُ'' کا لفظ مرفوع ہے، مراد یہ ہے کہ سورج کا پہلا کنارہ جب ظاہر ہو جائے اس سے فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اگر چہ سورج کی شعاعیں ابھی تک زمین پر نہیں آئی ہوں، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم فجر کی نماز پڑھو گے تو اس کا وقت سورج کے کنارے کے ظاہر ہونے تک ہے، اس کے بعد فجر کا وقت ختم ہو جائے گا، اس حدیث میں نماز کے پانچ اوقات کا بیان فجر کے وقت سے شروع کیا گیا ہے اور عشاء پر اس کو ختم کیا گیا ہے آگے حدیث نمبر ۱۳۸۷ میں ظہر کے وقت سے تمام اوقات کا بیان شروع کیا گیا ہے اور فجر پر ختم کیا ہے، وہاں پر تفصیل آئے گی۔

۱۳۸۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، وَاسْمُهُ يَحْيَى بْنُ مَالِكٍ الْأَزْدِيُّ وَيُقَالُ الْمَرَاغِيُّ، وَالْمَرَاغُ حَيٌّ مِنَ الْأَزْدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَسْقُطْ ثَوْرُ الشَّفَقِ، وَوَقْتُ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، وَوَقْتُ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ظہر کا وقت،

عصر کا وقت آنے تک ہے، جب کہ عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک باقی ہے اور مغرب کا وقت شفق کی تیزی ختم ہونے تک جب کہ عشاء کا وقت آدھی رات تک باقی رہتا ہے اور فجر کا وقت سورج طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

١٣٨٨۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ، كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَفِي حَدِيثِهِمَا: قَالَ شُعْبَةُ: رَفَعَهُ مَرَّةً، وَلَمْ يَرْفَعْهُ مَرَّتَيْنِ۔

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ اسی سند کے ساتھ یہ روایت (ظہر کا وقت عصر کا وقت آنے تک ہے جبکہ عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے......الخ) منقول ہے۔

پانچ نمازوں کے مستحب اوقات کا بیان

١٣٨٩۔ وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سورج زائل ہونا شروع ہو جائے اور آدمی کا سایہ اس کے اپنے قامت کے مطابق ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور عصر کے وقت تک رہتا ہے اور عصر کا وقت سورج کی زردی چھانے تک باقی رہتا ہے، مغرب کی نماز کا وقت شفق کے غائب ہونے تک باقی رہتا ہے، جب کہ نماز عشاء کا وقت درمیانی آدھی رات تک باقی رہتا ہے اور صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر (صبح صادق) سے طلوع آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو نماز سے رک جاؤ، کیونکہ آفتاب سورج کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

تشریح:

''وكان ظل الرجل كطوله'' یعنی آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے، یہ ظہر کے ابتدائی وقت کا بیان نہیں ہے، بلکہ ظہر کے انتہائی وقت کا بیان ہے کہ سایہ اصلی کے بعد جب آدمی کے قد کے برابر سایہ بن جائے تو یہ مثل اول کا وقت ہے اور یہیں سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے تو زوال شمس سے ظہر شروع ہو کر عصر سے پہلے تک ہے، جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے، مذکورہ جملہ عصر کے مثل اول کے تعین کیلئے ہے (منة المنعم)

''وقت الظهر'' لفظ ظہر کا مادۂ اشتقاق ظہور ہے، یہ وقت بھی دن کے عین وسط میں ظاہر ہوتا ہے، اس وقت کو ھجیرۃ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ وقت ہاجرہ یعنی دوپہر کے بالکل قریب ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں فجر کے وقت کے بیان کے بجائے ظہر کے وقت سے اوقات کے تعین کی ابتداء اس لئے کی گئی ہے کہ ظہر وہ پہلی نماز ہے جو لیلۃ المعراج کی صبح جماعت کے ساتھ ادا کی گئی تھی، اسی وجہ سے اس کو "الصلوۃ الاولیٰ" کہتے ہیں، نیز جبریل امینؑ نے جب اوقات کا بیان فرمایا تو آپ نے بھی ظہر سے ابتدا فرمائی۔ "اذا زالت الشمس" سورج کا سایہ جوں جوں گھٹتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ سورج بلند ہو رہا ہے اور جب اس سایہ کا گھٹنا بڑھنا رک جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ سورج نصف النہار کے نقطہ پر کھڑا ہے اور جونہی اس کا سایہ ذرا سا بڑھنے لگ جائے تو سمجھ لو کہ زوال کا وقت شروع ہو گیا ہے، یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ مجموعی طور پر نمازوں کے اوقات تین قسم پر ہیں۔

(۱) اول: "اوقات الصحۃ و الاداء" ہیں یہ وہ اوقات ہیں کہ اگر اس میں نماز پڑھی گئی تو وہ صحیح ہوگی اور قضاء نہیں بلکہ ادا میں شمار ہوگی اور اس میں کراہت کا شائبہ نہیں ہوگا۔

(۲) دوم: اوقات استحباب ہیں، یہ وقت صحیح میں سے وہ حصہ ہے جس میں نماز کا ادا کرنا اولیٰ اور بہتر ہوتا ہے، اگرچہ آگے پیچھے کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ "باب استحباب الابراد بالظہر" سے انہی اوقات کا بیان آرہا ہے۔

(۳) سوم: اوقات کراہت ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے، زیر نظر باب کی حدیثوں میں اوقات صحت کا بیان ہے، پھر اس کے بعد باب کراھۃ تاخیر الصلوۃ عن وقتھا کا بیان ہے، جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے۔

ظہر کا وقت:

ابتداء ظہر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، تمام ائمہ کے نزدیک زوال سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، انتہاء وقت ظہر میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ ظہر کا وقت کب تک رہتا ہے، اسی وجہ سے وقت عصر کی ابتداء میں بھی اختلاف آگیا ہے، بہر حال ظہر میں اختلاف اس طرح ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ و شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ یعنی جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ہاں امام مالک ظہر اور عصر کے درمیان تھوڑے سے ایسے وقت کے بھی قائل ہیں جو مشترکہ ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے انتہاء وقت ظہر کے متعلق چار اقوال منقول ہیں، لیکن تین اقوال واضح ہیں، اس لئے انہی کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱): دو مثلین تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور مثل ثالث سے عصر شروع ہو جاتا ہے، یہ قول احناف کے ہاں مشہور ہے، اگرچہ فتویٰ اس پر نہیں ہے۔

(۲): امام ابوحنیفہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر شروع ہو جاتا ہے، یہ قول جمہور اور صاحبین کے مسلک کے موافق ہے اور فتویٰ اسی قول پر ہے، در مختار میں بہت ساری کتابوں کے حوالوں سے اس مسلک کو راجح قرار دیا گیا ہے، فتاویٰ ظہیریہ اور خزانۃ المفتین میں امام صاحب کا اس مسلک کی طرف رجوع ثابت کیا گیا ہے۔

(۳): امام صاحبؒ سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ ظہر کا وقت تو مثل اول پر ختم ہو جاتا ہے لیکن عصر کا وقت دو مثلین کے بعد مثل ثالث سے شروع ہوتا ہے، درمیان میں کچھ وقت مہمل ہے نہ عصر ہے اور نہ ظہر ہے، اس میں اصحاب اعذار نماز پڑھ سکتے ہیں، حضرت شاہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ مثل اول خاص ظہر کیلئے ہے اور مثل ثالث عصر کے ساتھ خاص ہے اور مثل ثانی وقت مشترکہ ہے، مگر سب کیلئے نہیں صرف اصحاب اعذار کیلئے ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث سے استدلال کیا ہے کہ زوال شمس سے مثل اول تک ظہر ہے اور مثل اول سے عصر شروع ہو جاتا ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل امامت جبریلؑ ہے، جس میں تصریح موجود ہے کہ "حین صار ظل کل شیء مثله" یعنی مثل اول پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی پہلی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ظہر کے وقت کو ٹھنڈا کرنے کی تاکید و ترغیب ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:

"عن ابی سعید (الخدری) قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم"

(صحیح البخاری، ج ۱ ص، ۷۷)

اسی طرح سنن ترمذی میں ایک حدیث ہے:

عن النبی صلی الله علیه و سلم قال اذا اشتدا الحر فابردوا بالصلوة فان شدة الحر من فیح جهنم۔"

ابراد کی ان روایتوں سے طرز استدلال اس طرح ہے کہ گرم ممالک میں مثل ثانی کے وقت ہی میں ابراد آتی ہے، اس سے پہلے وقت ٹھنڈا نہیں ہوسکتا تو ابراد کا لفظ گویا اعلان ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک ہے اور مثل اول پر ختم نہیں ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی وہ روایت ہے، جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سفر کا ایک قصہ خود اس طرح بیان کیا ہے۔

"عن ابی ذر قال کنا مع النبی الله صلی الله علیه و سلم فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن فقال له ابردُ ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتی رأینا فیء التلول فقال النبی الله صلی الله علیه و سلم ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا شتد الحر فابردوا بالصلوة۔ (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۷۷)

اس حدیث میں فیء کا لفظ آیا ہے جو سایہ کے معنی میں ہے اور التُلول تا کے ضمہ کے ساتھ تل کی جمع ہے، جو ٹیلہ کے معنی میں ہے، ٹیلوں کا سایہ بہت دیر سے آتا ہے، خاص کر گرم ممالک میں تو اس کا سایہ بہت مشکل سے ہوتا ہے، حضرت ابوذرؓ کا یہ کہنا کہ ہم نے ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی اور ابراد کا تحقق اس وقت ہوا جبکہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھ لئے، یہ معاملہ دو مثلیں سے پہلے ممکن نہیں ہے، اس لئے یہ امام صاحبؒ کے مشہور قول کیلئے واضح دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تیسری دلیل امم سابقہ یہود و نصاریٰ پر امت محمدیہ کی فضیلت والی حدیث ہے، جس کو امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہے اور جو مشکوٰۃ میں "باب ثواب هذه الامة" میں صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے، جس کا مضمون و مفہوم اس طرح ہے کہ یہود نے مثلاً صبح سے ظہر تک کام کیا، ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک قیراط مزدوری میں عطا فرمایا، پھر نصاریٰ نے ظہر سے عصر تک کام کیا، ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک قیراط عطا فرمایا، اس کے بعد اس امت نے عصر سے مغرب تک کام کیا جس پر انہیں دو قیراط دیئے گئے، اس پر یہود و نصاریٰ غصے ہوئے کہ ہمارا کام اور وقت زیادہ تھا اور معاوضہ کم ملا اور اس امت کے کام کا وقت کم تھا اور ثواب زیادہ دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے، کیا اس میں تم پر ظلم ہوا ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں ہمارا حق تو مل گیا ہے، لیکن ان کو زیادہ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میرا فضل

وکرم ہے، جس پر میں کرتا ہوں کروں گا۔
اب اس واقعہ میں بالکل یہ بات واضح ہے کہ ظہر سے عصر تک کا وقت زیادہ اور عصر سے مغرب تک کا وقت کم ہے اور یہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ظہر کو دو مثل تک طویل مانا جائے، ورنہ ایک مثل پر اگر ظہر ختم ہو جائے تو پھر ظہر سے عصر تک کا وقت اس سے لمبا نہ ہوگا جو عصر سے مغرب تک ہے۔ یہ اشارة النص سے بہترین استدلال ہے، بشرطیکہ صورت حال اسی طرح ہو۔ بعض علماء نے مکہ میں تجربہ کیا تو ظہر سے عصر تک وقت زیادہ نکلا، پھر یہ استدلال صحیح نہیں ہوگا۔

جمہور کو جواب

جمہور نے حدیث امامت جبریلؑ سے جو استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ علامہ نوویؒ نے اس کو منسوخ کہا ہے، کیونکہ یہ حدیث بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے، اس کے بعد کئی احادیث ایسی ہیں جس میں اوقات میں امتداد اور تفصیل آئی اور پہلے حکم میں تغیر آ گیا، ویسے بھی اس حدیث کے بعض اجزاء پر جمہور بھی عمل نہیں کرتے اور اس میں تاویل کرتے ہیں یا اس کا جواب دیتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کا احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ وقت مستحب اور استحباب پر محمول ہے، جس کا احناف کو انکار نہیں۔
بہر حال علماء احناف فرماتے ہیں کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تاکہ تمام ائمہ کے ہاں اختلاف ختم ہو جائے اور دونوں نمازیں بلا خلاف اپنے اپنے اوقات میں ادا ہو جائیں۔
امام ابوحنیفہ کے اقوال میں جو قول جمہور کے موافق ہے فتویٰ اسی پر ہے۔

ظہر وعصر کے درمیان مشترک وقت کا مسئلہ

ظہر وعصر کے وقت کے متعلق احادیث میں بعض الفاظ ایسے آئے ہیں جن سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی ہے جو ظہر اور عصر میں مشترک ہے اور ہر نماز اس میں ہو جاتی ہے، اس وجہ سے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہو گیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اوقات میں کوئی ایسا وقت نہیں ہے جو دو نمازوں میں مشترک ہو، ہاں امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ اصحاب اعذار کیلئے مثل ثانی مشترک وقت ہے۔
جمہور کے مقابلہ میں امام مالکؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مثل اول کے بعد چار رکعت کا وقت ظہر اور عصر کیلئے مشترک ہے، جس میں ظہر کی نماز بھی جائز اور عصر کی نماز بھی جائز ہے۔

دلائل

امام مالکؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ حدیث امامت جبریل سے استدلال کرتے ہیں جس میں دونوں وقتوں کیلئے یہ الفاظ آئے ہیں: "حين صار ظل كل شيء مثله" اور "حين كان ظله مثله" اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن کی ظہر کی نماز اور دوسرے دن کی عصر کی نماز ایک ہی وقت میں ادا کی گئی، جس سے معلوم ہوا کہ دونوں کا وقت مشترک ہے۔

جمہور نے زیر بحث سے استدلال کیا ہے، جس میں "مالم یحضر العصر" کے الفاظ موجود ہیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک عصر کا وقت نہیں آتا، ظہر کا وقت موجود رہتا ہے اور جب عصر کا وقت آجاتا ہے تو ظہر کا وقت فوراً ختم ہو جاتا ہے، ان میں اشتراک اور وقت مشترک کی گنجائش نہیں ہے۔

جواب

مالکیہ کی دلیل کا ایک جواب یہ ہے کہ "حین کان ظله مثله" کا مطلب "حین کان قریباً من مثله" ہے، یعنی بعینہ وہی وقت نہیں، بلکہ ایک مثل کے قریب کا وقت مراد ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث امامت جبریل منسوخ ہے، بعد میں تفصیل آگئی ہے، اس میں اجمال ہے، جس کا تعلق ابتدا سے ہے۔

تنبیہ

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ احناف جو یہ بات کرتے ہیں کہ ایک مثل یا دو مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی سایہ کو ہٹا کر بڑھنے والا زائد سایہ جب کسی چیز کی مانند اور مساوی ہو جائے تو ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔

عصر کا وقت

انتہاء وقت ظہر میں ائمہ کا جو اختلاف تھا ابتداء وقت عصر میں وہی اختلاف ہے کہ عصر کا ابتدائی وقت کیا ہے آیا مثل اول سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا خیال ہے یا مثل ثانی کے بعد سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے، اس کی تفصیل گزر چکی ہے، اب انتہائے وقت عصر کا مسئلہ ہے تو زیر بحث حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: "وقت العصر ما لم تصفر الشمس" جمہور کے نزدیک عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے، یعنی اصفرار الشمس سے پہلے پہلے مستحب وقت ہے اور اس کے بعد جائز مع الکراهية وقت ہے۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اصفرار الشمس تک انتہاء وقت عصر ہے، اس کے بعد نہیں، وہ حدیث کے اسی مندرجہ بالا جملہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اصفرار جب تک نہیں تو عصر ہے اور اصفرار آتے ہی عصر کا وقت ختم ہو جائے گا۔

جمہور نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"من ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد أدرك العصر"

تو غروب آفتاب سے پہلے صرف ایک رکعت کے ملنے سے عصر کی نماز مل جاتی ہے تو اصفرار کے وقت میں بطریق اولیٰ مل جائے گی، اوزاعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مستحب وقت بیان کیا گیا ہے۔

مغرب کا وقت

"ووقت صلوة المغرب ما لم یغب الشفق" غروب آفتاب کے بعد مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ابتدائے وقت مغرب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، انتہائے وقت مغرب میں بھی اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے، البتہ شفق

کی تفسیر اوراس کی تعیین میں اختلاف ہے، اس وجہ سے انتہائے وقت مغرب میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوگیا ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف:

فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد لفظ شفق کا مصداق ہے۔ تو صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد آسمان پر جو سرخی آتی ہے اسی سرخی کا نام شفق ہے جب یہ سرخی ختم ہوجائے تو مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک شفق اس بیاض اور سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے ختم ہونے کے بعد آسمان پر پھیل جاتی ہے، جب تک یہ بیاض اور سفیدی ہوگی مغرب کا وقت باقی رہے گا اور اس سفیدی کے ختم ہونے کے بعد جو سیاہی پھیلتی ہے وہ عشاء کا وقت ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک یہ وقت تقریباً ایک گھنٹہ دس منٹ تک رہتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسی نے اس بیاض میں عشاء کی نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، جمہور کے نزدیک جائز ہے اور اگر کسی نے اس بیاض میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہوگی۔

احتیاط اسی میں ہے کہ مغرب کی نماز اس سرخی کی موجودگی میں ادا کی جائے اور مؤخر نہ کی جائے، احناف کا فتویٰ بھی اسی پر ہے اور احناف کے اکثر علماء نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ (کذا فی النھر)

دلائل:

جمہور نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح آئے ہیں:

قالت کانوا یصلون العتمة فیما بین ان یغیب الشفق الی ثلث اللیل۔ (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۶۰)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ یہاں شفق سے مراد سرخی ہے کیونکہ اگر اس سے بیاض مراد لی جائے تو درست نہ ہوگا کیونکہ شفق ابیض ثلث اللیل تک خود باقی رہتی ہے تو اس کے درمیان عشاء کی نماز پڑھنے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا، معلوم ہوا شفق سے مراد حمرۃ ہے، بیاض نہیں ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل دار قطنی میں حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ہے جس میں صریح طور پر شفق کی تفسیر حمرۃ سے کی گئی ہے۔

"قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الشفق الحمرۃ" (دار قطنی)

جمہور کی تیسری دلیل اہل لغت کی تصریح ہے کہ شفق سے حمرۃ مراد ہے، چنانچہ شیخ اصمعی اور خلیل بن احمد اور فراء نے تصریح فرمائی ہے کہ شفق سے مراد حمرۃ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل بہت زیادہ ہیں، پہلی دلیل ابوداؤد (ج ۱ ص ۵۷) کی روایت ہے، جس میں "حین یسود الافق" کے الفاظ آئے ہیں اور یہ اسوداد اس بیاض کے بعد آتا ہے جو بیاض حمرۃ کے بعد آتا ہے، معلوم ہوا جب تک بیاض ہے تو مغرب کا وقت موجود ہے۔

ان حضرات کی دوسری دلیل ترمذی شریف (ج ۱ ص ۲۲) کی حدیث کا وہ ٹکڑا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "وان اول وقت العشاء الآخرۃ حین یغیب الافق" اور یہ ظاہر ہے کہ آسمان کے کنارے اس وقت غائب ہوجاتے ہیں جب شفق کا بیاض ختم ہوجاتا ہے، اس قسم کی دیگر احادیث بھی ہیں، جن میں بیاض کے ختم ہونے اور تاریکی چھاجانے کا ذکر ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شفق سے مراد حمرۃ نہیں بلکہ بیاض ہے۔

امام ابوحنیفہ کی تیسری دلیل ائمہ لغت کی تشریح وتفسیر بھی ہے، جس میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ شفق لغت میں بیاض کو کہا جاتا ہے، چنانچہ امام لغت شیخ مبرد اور شیخ زجاج فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد بیاض ہے، اس کے ذہاب سے عشاء کا وقت آجاتا ہے۔

جواب:

احناف کے پاس جمہور کی روایات کے مقابلہ میں کافی روایات ہیں اور اہل لغت کے مقابلہ میں بڑے بڑے اصحاب لغت موجود ہیں، لیکن بہرحال احناف کے ہاں فتویٰ جمہور اور صاحبین کے قول کے مطابق ہے، یاد رہے کہ شیخ عبدالحق ؒ نے لمعات میں اس مسئلہ کی جو تحقیق فرمائی ہے اس میں آپ نے امام احمد بن حنبل کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ایک اور مسئلہ:

وقت مغرب کے "مضیق" اور "موسع" ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور امام مالک کے نزدیک مغرب کا وقت بہت تنگ اور مضیق ہے، صرف وضو کرنے اور تین فرض اور دو سنت پڑھنے کی اس میں گنجائش ہے، اس کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔
امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کے نزدیک مغرب کا وقت غروب شفق تک موسع ہے۔
امام شافعی اور امام مالک نے حدیث امامت جبریل سے استدلال کیا ہے کہ اس میں دونوں دنوں میں حضرت جبریلؑ نے مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں آگے پیچھے ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔
جمہور نے مالم یغب الشفق والی احادیث سے استدلال کیا ہے، جس سے وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح "قبل ان یغیب الشفق" کے الفاظ جو حضرت بریدہؓ کی روایت میں ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں ابتداء وانتہاء ہے اور اس میں ایک حد تک وسعت ہے، علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ شوافع کا فتویٰ اس پر ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے اور یہی امام شافعی کا قدیم قول ہے، لہٰذا ان کے ہاں وقت مغرب م مضیق نہ رہا۔

وقت العشاء

اسلام سے پہلے عرب لوگ عشاء کو عتمة کے نام سے پکارتے تھے، اسلام نے اس لفظ کی حوصلہ شکنی کی اور عشاء کو متعارف کرایا، البتہ عشاء اولیٰ مغرب کو اور عشاء آخرہ عشاء کو کہا گیا ہے، عشاء کے وقت اول اور اس کے ابتدائی وقت میں وہی اختلاف ہے جو مغرب کے انتہائی وقت میں تھا، حضرت سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت اسحاق بن راہویہؒ اور ایک قول میں امام شافعیؒ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ عشاء کا وقت نصف اللیل تک ہے، اس کے بعد جائز نہیں ہے۔
جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ عشاء کا آخری وقت صبح صادق تک ہے، یہ اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے، لیکن چونکہ احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں، اس لئے فقہاء کے اقوال بھی مختلف ہوگئے ہیں، چنانچہ بعض حدیثوں میں "الی نصف اللیل" کے الفاظ ہیں، بعض میں "ثلث اللیل" کے الفاظ ہیں، طحاوی کی بعض روایات میں "وآخرہ حین یطلع الفجر" کے الفاظ آئے ہیں، بعض روایات میں "الی ان یدخل وقت الاخری" کے الفاظ ملتے ہیں، جس کی وجہ سے فقہاء کے اقوال بھی مختلف ہوگئے ہیں، لیکن تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے

ہوئے فقہاء نے ایک اجتماعی مسئلہ کو اپنالیا ہےاور تمام احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ثلث اللیل تک عشاء کا مستحب وقت ہےاور نصف اللیل تک وقت جائز بلا کراہت ہےاور صبح صادق تک تاخیر کرنا جائز مع الکراہت ہے۔حدیث میں "الاوسط" کا جو لفظ آیا ہے، یہ لیل کی صفت ہے، مطلب یہ ہے کہ رات جب متوسط ہو نہ زیادہ چھوٹی ہو اور نہ زیادہ طویل ہو، اس طرح کی متوسط رات کا نصف مراد ہے یا یہ لفظ نصف کے کلمہ کیلئے صفت ہےاور مطلب یہ ہے کہ زیادت ونقصان کے بغیر ٹھیک ٹھیک نصف تک عشاء ہے، گویا یہ ایک قسم کی تاکید ہے۔

وقت الفجر

فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے، اس وقت کی ابتداء اور انتہاء میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے البتہ امام شافعی کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ ان کے نزدیک فجر کا وقت اسفار اور روشنی پھیلنے تک ہے، طلوع آفتاب تک نہیں ہے، امام شافعیؒ "وصلی الفجر فاسفر" حدیث کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں، جمہور نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "من ادرک رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح" (مشکوۃ ص ٦١) (بخاری)
اس روایت اور امت کے اجماع کے پیش نظر امام شافعی کا قول نا قابل التفات ہے، انہوں نے حدیث امامت جبریل کے ایک جملہ سے بطور اجتہاد استدلال کیا ہےاور حدیث امامت جبریل کے بہت سارے اجزاء کا تعلق نماز کے بالکل ابتدائی دور سے ہے، اس لئے اس روایت کو بہت سارے شارحین حدیث نے منسوخ کہا ہے۔واللہ اعلم۔

١٣٩٠۔ وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْدِيُّ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَزِينٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ طَهْمَانَ، عَنِ الْحَجَّاجِ وَهُوَ ابْنُ حَجَّاجٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ، فَقَالَ وَقْتُ صَلَاةِ الْفَجْرِ مَا لَمْ يَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْأَوَّلُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَيَسْقُطْ قَرْنُهَا الْأَوَّلُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ، مَا لَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز فجر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج کی پہلی کرن طلوع نہ ہو جائے، ظہر کی نماز کا وقت آسمان کے درمیان سے زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہو کر عصر کے وقت تک ہےاور عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے، جب تک اس کا اوپر کا کنارہ غروب نہ ہو جائے۔مغرب کی نماز کا وقت غروب آفتاب سے لے کر شفق کے غائب ہونے تک ہے جب کہ عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک برقرار رہتا ہے۔

١٣٩١۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي

يَقُولُ: لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ

عبداللہ بن یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یحییٰ بن ابی کثیر سے سنا فرمایا کہ: ''علم جسمانی راحتوں (اور آسائشات) کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔

تشریح:

''لایستطاع العلم براحة الجسم'' یعنی کوئی شخص اس وقت تک علم حاصل نہیں کرسکتا ہے جب تک وہ اس میں جان نہ لڑادے، خوب جسمانی محنت اور مشقت برداشت کرے گا، تب جا کر علم حاصل ہوگا، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: ''العلم لایعطیك بعضه حتی تعطیه كلّك۔'' تحفة المنعم شرح مسلم کی جلد اول کی ابتداء میں بہت کچھ لکھا ہے، اسے دیکھنا چاہیے۔

سوال: یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ امام مسلم تو صحیح احادیث کو جمع کرتے ہیں اور مضبوط سند ہوتی ہے، یہاں یہ جملہ نہ حدیث ہے اور نہ اس کی سند ہے اور نہ اوقات کی بحث سے اس جملہ کا کوئی تعلق ہے تو امام مسلمؒ نے یہاں اس بے جوڑ عبارت کو کیوں جوڑ دیا ہے؟

جواب: شارحین نے اس سوال کا اپنے اپنے انداز سے جواب دیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانیؒ نے کئی جواب دیئے ہیں، لیکن آپ نے علامہ سیوطیؒ کے حوالے سے پہلے اس جملہ کو مکمل نقل کیا ہے، پورا جملہ اس طرح ہے: قال السیوطیؒ ''قلت وقد اخرجه ابن عدی فی الكامل بزیادة و لفظه سمعت ابی یقول كان یقال: میراث العلم خیر من میراث الذهب والنفس الصالحة خیر من اللؤلؤ ولا یستطاع العلم براحة الجسم۔'' (فتح الملهم)

اس عبارت کے بعد علامہ عثمانیؒ نے جوابات دیئے ہیں، فرمایا:

(۱): اگرچہ یہ جملہ مرفوع حدیث بھی نہیں ہے اور اوقات کے ساتھ اس کا تعلق بھی نہیں ہے تو امام مسلمؒ نے اس کو یہاں اس لئے ذکر کیا ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نمازوں کے اوقات کا تعین بہت مشکل کام ہے، اس کیلئے بہت مخفی علامات ہیں جن کے پہچاننے کیلئے اور معلوم کرنے کیلئے بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے، اس مناسبت سے امام مسلم رحمہ اللہ نے اسلاف کا یہ جملہ نقل کردیا کہ جسم کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ جان کھپانے اور جسم کے تھکانے سے علم حاصل ہوتا ہے، تب اوقات کا تعین ہوسکتا ہے۔

(۲): بعض محققین نے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اوقات کے بارے میں سوال کرنے والے کا سوال سنا تو آپ نے زبان مبارک سے جواب نہیں دیا جو آسان بھی تھا اور زیادہ وقت بھی نہیں لگتا تھا، اس کو چھوڑ کر آنحضرتؐ نے عملی طور پر دو دن تک نمازیں پڑھادیں اور پھر اس شخص کو بلا کر عملی نقشہ سمجھادیا، جس میں جسمانی محنت تھی۔ اس مناسبت سے امام مسلمؒ نے اسلاف کا یہ جملہ نقل کیا کہ علم کے حصول کیلئے جسمانی محنت کی ضرورت ہے، اس کے بغیر علم حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۳): علامہ نوویؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ امام مسلمؒ نے لگاتار حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس روایت کے مختلف طریقوں کو ذکر کیا تو خوش ہوگئے اور فرمایا کہ یہ کامیابی اور علم کے یہ شہ پارے جسم کھپانے اور جان لڑانے کے بغیر حاصل نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

۱۳۹۲۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَزْرَقِ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ

يُوسُفَ الْأَزْرَقُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ لَهُ: صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ - يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ - فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَمَرَهُ، فَأَقَامَ الظُّهْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ، فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ، فَأَبْرَدَ بِهَا، فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا، وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ، وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَمَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا تم ہمارے ساتھ دو دن رہ کر نماز پڑھ لو۔ چنانچہ جب زوال آفتاب ہو گیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے اذان دی، پھر انہیں (اقامت کا) حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی ظہر کی نماز کی۔ پھر (عصر کا وقت ہونے پر) عصر کی اقامت کہی جب کہ سورج ابھی بلند اور صاف سفید تھا، غروب آفتاب کے وقت مغرب کی اقامت کہی، پھر آپ نے (بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کا حکم فرمایا) عشاء کی نماز کا تو شفق کے غائب ہونے کے بعد انہوں نے عشاء کی اقامت کہی، پھر طلوع فجر کے وقت فجر کی اقامت کہی۔ دوسرے روز ظہر کے وقت میں (تاخیر کرتے ہوئے) ٹھنڈک ہو جانے پر ظہر پڑھی اور خوب ٹھنڈک ہو جانے دی (یعنی سورج کی گرمی زائل ہونے اور تیزی ختم ہونے کے بعد پڑھی) اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج ابھی بلند تھا لیکن پہلے دن کی بہ نسبت تاخیر فرمائی، مغرب کی نماز (میں بھی تاخیر کرتے ہوئے) شفق کے غائب ہونے سے ذرا قبل پڑھی اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی، جب کہ فجر کی نماز صبح روشن ہونے کے بعد پڑھی، پھر فرمایا: سائل کہاں ہے؟ جس نے نماز کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اس نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ! فرمایا: تمہاری نمازوں کے اوقات ان کے درمیان میں ہیں جو تم نے دیکھے۔ (حضور علیہ السلام نے پہلے روز تمام نمازیں ابتدائی اوقات میں اور دوسرے روز انتہائی اوقات میں پڑھ کر بتلا دیا کہ کونسی نماز کا وقت کب سے شروع ہو کر کب ختم ہوتا ہے۔)

١٣٩٣ ۔ وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَرْعَرَةَ السَّامِيُّ، حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: اشْهَدْ مَعَنَا الصَّلَاةَ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ بِغَلَسٍ، فَصَلَّى الصُّبْحَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالظُّهْرِ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْعَصْرِ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْمَغْرِبِ حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْعِشَاءِ حِينَ وَقَعَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ الْغَدَ فَنَوَّرَ بِالصُّبْحِ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ، ثُمَّ أَمَرَهُ

بِالْعَصْرِ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ لَمْ تُخَالِطْهَا صُفْرَةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْمَغْرِبِ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْعِشَاءِ عِنْدَ ذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ، أَوْ بَعْضِهِ - شَكَّ حَرَمِيٌّ - فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ؟ مَا بَيْنَ مَا رَأَيْتَ وَقْتٌ۔

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: تم ہمارے ساتھ نمازوں میں حاضر رہو، پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اندھیرے میں اذان دی (فجر کی) پھر آپ نے طلوع فجر کے ساتھ ہی نماز ادا کی، پھر زوال آفتاب کے بعد جب سورج آسمان کے وسط سے زائل ہونا شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی اذان کا حکم فرمایا۔ پھر جب سورج بلند تھا تو آپ نے عصر کی اذان کا حکم فرمایا، غروب آفتاب کے بعد آپ نے مغرب کی نماز کا حکم فرمایا، جب شفق ڈوب گئی تو عشاء کی اذان کا حکم دیا۔ اگلے روز صبح کو روشن ہونے دیا اور روشنی ہونے کے بعد فجر کی اذان کہی، ظہر کی اذان کا حکم ٹھنڈے وقت میں دیا، پھر عصر کی اذان کا حکم اس وقت دیا جب سورج خوب بلند اور صاف سفید تھا اور ابھی اس میں زردی کا ملاپ نہ ہوا تھا۔ پھر مغرب کی اذان کا حکم شفق غائب ہونے سے ذرا قبل دیا اور عشاء کی اذان کا حکم ایک تہائی یا کچھ رات گزر جانے کے بعد دیا۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: سائل کہاں ہے جو تم نے (دودن میں اوقات دیکھے نمازوں کے) ان کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

١٣٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا بَدْرُ بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ "أَتَاهُ سَائِلٌ يَسْأَلُهُ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا، قَالَ: فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ انْشَقَّ الْفَجْرُ، وَالنَّاسُ لَا يَكَادُ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالظُّهْرِ، حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ، وَالْقَائِلُ يَقُولُ قَدِ انْتَصَفَ النَّهَارُ، وَهُوَ كَانَ أَعْلَمَ مِنْهُمْ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالْعَصْرِ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالْمَغْرِبِ حِينَ وَقَعَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَخَّرَ الْفَجْرَ مِنَ الْغَدِ حَتَّى انْصَرَفَ مِنْهَا، وَالْقَائِلُ يَقُولُ قَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ، أَوْ كَادَتْ، ثُمَّ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى كَانَ قَرِيبًا مِنْ وَقْتِ الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ، ثُمَّ أَخَّرَ الْعَصْرَ حَتَّى انْصَرَفَ مِنْهَا، وَالْقَائِلُ يَقُولُ قَدِ احْمَرَّتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى كَانَ عِنْدَ سُقُوطِ الشَّفَقِ، ثُمَّ أَخَّرَ الْعِشَاءَ حَتَّى كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ، ثُمَّ أَصْبَحَ فَدَعَا السَّائِلَ، فَقَالَ: الْوَقْتُ بَيْنَ هَذَيْنِ"

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اوقات نماز کے بارے میں پوچھتا ہوا آیا تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا پھر طلوع فجر کے وقت آپ نے فجر کی نماز قائم فرمائی اور اس وقت اندھیرا اتنا تھا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کا حکم فرمایا اور زوال آفتاب کے بعد جب کوئی کہنے والا یہ کہے کہ دن آدھا ہو گیا (نصف النہار) تو ظہر کی نماز ادا فرمائی اور حضور

علیہ السلام ان سب سے زیادہ جانتے تھے، پھر عصر کی نماز اس وقت ادا فرمائی جب سورج بلند تھا، مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد اور عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد ادا فرمائی۔ اگلے دن فجر کی نماز میں تاخیر کرتے ہوئے ادا کی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے والا یہ کہتا تھا کہ سورج طلوع ہونے کے بالکل قریب ہی ہے، ظہر کی نماز اتنی موخر کی کہ پچھلے دن کی عصر کا وقت ہوگیا (یعنی گزشتہ روز جس وقت عصر پڑھی تھی اس وقت ظہر پڑھی) عصر کو اتنا مؤخر کردیا کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو کہنے والے نے کہا کہ سورج سرخ ہوگیا (کیونکہ غروب کے وقت سورج سرخ ہوجاتا ہے) مغرب کو اتنا مؤخر فرمایا کہ شفق غائب ہونے کے قریب ہوگئی اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر فرمایا۔ صبح سائل کو بلایا اور فرمایا کہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان نمازوں کے اوقات ہیں۔

١٣٩٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ بَدْرِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى، سَمِعَهُ مِنْهُ عَنْ، أَبِيهِ، أَنَّ سَائِلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي۔

حضرت ابوموسیٰ سے یہی حدیث بالا الفاظ کے معمولی فرق (اس روایت میں مغرب کی نماز دوسرے دن غروب شفق سے پہلے پڑھنا مذکور ہے) منقول ہے۔

تشریح:

"مواقیت الصلوٰۃ" مواقیت میقات کی جمع ہے، بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ خلاف القیاس مواقیت وقت کی جمع ہے اور وقت اور میقات دونوں میں ترادف ہے، دونوں کا معنی وقت ہے جو زمانہ کے ایک متعین حصہ کو کہتے ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ وقت مطلق زمانہ کو کہتے ہیں اور میقات زمانہ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں کام اور عمل مقرر کیا جائے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ کبھی میقات کا اطلاق زمانہ کے بجائے متعین مکان پر بھی ہوتا ہے جس طرح حج کے احرام کیلئے مخصوص مقام کو میقات کہتے ہیں، اس باب میں مختلف احادیث مذکور ہیں، جن میں بعض الفاظ کی تشریح کی ضرورت ہے، میں چن چن کر ایسے ہی الفاظ کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

"اوان جبریل" ہمزہ استفہام پر زبر ہے، واو پر بھی زبر ہے، یعنی کیا جبریل نے آنحضرت کیلئے نمازوں کے اوقات کا تعین کیا، یہ استفہام تعجب وانکار کیلئے ہے۔

"الفیء" سایہ کو فیء کہتے ہیں۔ "قرن الشمس" قرن سینگ کو کہتے ہیں، مراد کنارہ ہے۔ "الاول" یہ قرن کی صفت ہے، مراد سورج کا پہلا کنارہ ظاہر ہونا ہے۔

"فانہ وقت" یعنی یہی اس نماز کا وقت ہے، مگر اس حد تک ہے۔

"بین قرنی شیطان" شیطان کے دو سینگ یعنی دو جانب، اس کی تفصیل کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔

"بطن السماء" آسمان کے پیٹ سے مراد وسط السماء ہے، دوپہر کے وقت سورج آسمان کے درمیان میں ہوتا ہے، گویا پیٹ میں ہے۔"لا یستطاع العلم براحة الجسم"تفصیل گزر چکی ہے۔ "نقیة" صاف کے معنی میں ہے، مراد یہ ہے کہ سورج تروتازہ اور صاف تھا، پیلا نہیں ہوا تھا، یعنی دیر نہیں ہوئی۔ "فانعم"یعنی خوب ٹھنڈا کیا۔انعم اور امعن دونوں ایک ہی معنی میں ہے۔ "فاسفر" یعنی خوب روشنی کردی، یعنی دیر سے پڑھی۔"فنور بالصبح" یعنی صبح کو خوب منور کردیا، یعنی روشنی میں نماز پڑھی، یہ اسفر کی طرح ہے۔

"حرمی بن عمارہ" راوی کا نام حرمی ہے، حرم کی طرف منسوب نہیں ہے، ان کے والد کا نام عمارہ ہے۔

"ما بین ما رأیت "یعنی طرفین کے درمیان نماز کا وقت ہے، مگر بین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طرفین وقت سے خارج ہیں، طرفین سمیت درمیان کا وقت نماز کا وقت ہے۔"وھو کان اعلم منھم "یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اوقات کو لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔

"قد طلعت الشمس "یعنی لوگ کہنے لگے کہ سورج طلوع ہوگیا یا قریب ہے کہ طلوع ہوجائے۔لوگوں نے اس تاخیر کو بہت زیادہ تاخیر تصور کیا اور تبصرہ کرنے لگے۔"قد احمرت الشمس "یعنی عصر کی تاخیر کی وجہ سے کہنے والا کہتا ہے کہ سورج تو سرخ ہوگیا یعنی پیلا پڑ گیا "الی نصف اللیل الاوسط "اوسط صفت ہے نصف کیلئے، رات کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو نصف اول وسط اللیل تک ہوتا ہے تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ رات کے نصف اول تک عشاء کا وقت ہوتا ہے۔

"فلم یرد علیہ شیئا"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ فعلی نقشہ عمل سے بتادیا۔"ثلث اللیل الاول "یعنی رات کے پہلے حصہ کے تہائی تک عشاء کی موخر کیا، اس روایت میں عشاء کے ابتدائی وقت مختار کو بیان کیا گیا ہے اور نصف اللیل تک عشاء کے آخری وقت بلا کراہت کو بیان کیا گیا ہے، پھر طلوع فجر تک وقت جواز ہے مگر مختار نہیں ہے مع الکراہت ہے، شوافع کے ہاں نصف اللیل کے بعد نماز جائز نہیں، تفصیل گزر چکی ہے۔

باب استحباب الابراد بالظهر فی شدة الحر

سخت گرمی میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مستحب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۹۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ، فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی آگ کی تپش سے ہے۔

تشریح:

''اذا أشتد الحر'' یعنی جب سخت گرمی پڑ رہی ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، اس روایت سے یہ بات بتائی جارہی ہے کہ گرمی

کے موسم میں ظہر کے پڑھنے میں تاخیر کرو، کیونکہ وقت جب ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت کافی تاخیر ہو چکی ہوتی ہے تو ابراد کے لفظ سے نماز کی تاخیر مطلوب ہے اور یہ صرف ظہر کے وقت کی بات ہے، کیونکہ ظہر کے علاوہ کسی نماز میں ابراد کا لفظ نہیں ہے۔

"**فابردوا**" ای اخروا الی ان یبرد الوقت یقال ابرد اذا دخل فی البرد و أظهر اذا دخل فی الظهیرة و انجد اذا دخل فی النجد۔ یہ جو ابراد کا حکم ہے، یہ استحبابی حکم ہے یا ارشادی حکم ہے، اس حدیث کے پیش نظر جمہور کا مسلک ہے کہ گرمی میں ظہر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے تاکہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے۔

ائمہ احناف کے ہاں یہ ضابطہ ہے کہ جب گرمی کا موسم ہو تو ظہر میں تاخیر افضل ہے اور جب سردی کا موسم ہو تو پھر ظہر میں تعجیل اور جلدی کرنا افضل ہے اور یہ فرق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے جس کو امام نسائی نے ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق راہویہؒ سے یہ مشہور ہے کہ کسی موسم کی تخصیص اور قید نہیں ہے، ہر موسم میں نماز کا پڑھنا برابر ہے، تعجیل و تاخیر کی بات نہیں ہے۔

اکثر مالکیہ اور اکثر شوافع کا مسلک یہ ہے کہ سخت گرمی میں ظہر کی نماز میں تاخیر مستحب اور افضل ہے لیکن اس کیلئے یہ شرط ہے کہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ہو اور لوگ کچھ فاصلہ سے آ رہے ہوں اگر منفرد نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے حق میں تعجیل افضل ہے۔ (فتح الملہم)

سوال: یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی روایت اور زیر بحث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت دونوں روایتوں میں تعارض ہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "شکونا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم حر الرمضاء فی جباهنا واکفنا فلم یشکنا۔ ای فلم یزل شکوانا ولم یسمع ولم یعمل به" اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری شکایت دور نہیں فرمائی بلکہ ہم کو گرمی میں ظہر کی نماز پہلے وقت میں پڑھنے کی ہدایت کی، معلوم ہوا کہ پہلے وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے، اگلے باب میں حضرت خباب کی حدیث مذکور ہے جو آنے والی ہے۔ لیکن زیر بحث حدیث میں ابراد کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر میں تاخیر افضل ہے۔

جواب: حضرت خباب کی روایت کا ایک جواب یہ ہے کہ شاید وہ ابراد میں زیادہ تاخیر کرنا چاہتے تھے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت خباب کی روایت منسوخ اور موقوف ہے اور احادیث ابراد اس کیلئے ناسخ ہیں، امام طحاوی نے اس پر مدلل کلام کیا ہے۔ (فتح الملہم)

"**فان شدة الحر من فیح جهنم**" تاخیر صلوٰۃ کی مشروعیت کیلئے اس جملہ میں علت بیان کی گئی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب شدت حرارت ہوگی تو نمازی کو نماز میں قطعاً اطمینان نہیں ہوگا اور جب اطمینان نہ ہو تو خشوع خضوع فوت ہو جائے گا جو نماز کا نقصان ہے۔ "**من فیح جهنم**" فیح تپش اور بھڑاس کو کہتے ہیں، یہاں دوزخ کی آگ کے پھیلاؤ اور بلند ہونے کی وجہ سے جو تپش اور بھڑاس باہر آتی ہے، وہ مراد ہے اس حدیث کے شارحین لکھتے ہیں کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے، مجاز میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجاز میں جانے سے وہ حدیث روکتی ہے جس میں مذکور ہے کہ دوزخ نے شکایت کی کہ اے میرے رب میرے بعض حصہ نے بعض کو کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دیدی، بعض علماء نے اس کلام کو تشبیہ پر حمل کیا ہے کہ گویا شدت حرارت اس طرح ہے، جس طرح

دوزخ کی آگ ہوتی ہے "ای شدۃ الحرارۃ شدۃ حرارۃ جھنم" بہرحال مجاز لینا صحیح نہیں ہے، فیح جہنم کی تفصیل وتشریح کرتے ہوئے میرے استاذ نے مشکوٰۃ کے درس میں اس حدیث سے متعلق فرمایا کہ بعض اشیاء کیلئے ایک ظاہری سبب ہوتا ہے اور ایک باطنی سبب ہوتا ہے، دنیا کے ماہرین ظاہری سبب کو لے کر بحث وتحقیق کرتے ہیں، لیکن شریعت باطنی سبب اور باطنی علت سے بحث کرتی ہے، اب گرمی کا ظاہری سبب سورج اور اس کی شعاعیں اور دھوپ ہے ظاہر بین دنیا کے ماہرین کو یہی سبب نظر آتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ سورج ہی گرمی کا اصل سبب اور علت ہے لیکن شریعت کی نظر میں گرمی کا سبب اور علت اس کا باطنی سبب ہے اور وہ باطنی سبب جہنم کی حرارت ہے شریعت اور شارع نے اسی سے بحث کی ہے اور فرمایا کہ یہ ظاہری گرمی جو بظاہر سورج سے آتی ہے اصل میں سورج میں نہیں ہے، بلکہ اسکا اصل مرکز جہنم ہے سورج اپنے مقناطیسی کشش سے حرارت کا اکتساب جہنم سے کرتا ہے، زیر بحث احادیث میں اسی کا بیان ہے۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ اس طرح وضاحت فرماتے ہیں: میرے دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ حرارت اور گرمی کا اصل مرکز دوزخ ہے اور سورج دوزخ کے مرکز سے حرارت جذب کر کے لیتا ہے پھر دنیا کی چیزیں سورج سے حرارت اور گرمی لیتی ہیں لیکن ہر چیز اپنی اپنی استعداد کے مطابق سورج کی حرارت کو کھینچ کر حاصل کرتی ہے سورج کا محاذات میں ہونے یا نہ ہونے کا اثر پڑتا ہے مانع کے حائل ہونے نہ ہونے کا اثر پڑتا ہے گویا سورج دوزخ اور زمین کے درمیان آتشین شیشہ کی طرح واقع ہے وہ پہلے دوزخ سے حرارت کھینچ کر اپنے اندر جمع کرتا ہے اور پھر زمین کی اشیاء پر تفاوت کے ساتھ تقسیم کرتا ہے جو زیادہ محاذات اور برابری میں ہے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جو کم محاذات میں ہے اس کو کم حرارت دیتا ہے (فتح الملہم) اس باب کی احادیث کی تشریحات اسی طرح ہیں اور یہی تشریح کافی ہے آئندہ اس باب کی آخری حدیث کی تشریح اور سوال وجواب پر مشتمل کچھ مزید تحقیق اس حدیث کے ساتھ آئے گی۔

"ابردوا عن الصلوٰة" ای بالصلاۃ یعنی لفظ عن با کے معنی میں ہے۔

۱۳۹۷۔ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، أَخْبَرَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ سَوَاءً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس سند کے ساتھ بھی اسی طرح (نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہے) روایت نقل فرماتے ہیں۔

۱۳۹۸۔ وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى، قَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ بُكَيْرًا، حَدَّثَهُ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، وَسَلْمَانَ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا كَانَ الْيَوْمُ الْحَارُّ، فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ قَالَ عَمْرٌو: وَحَدَّثَنِي أَبُو يُونُسَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، قَالَ عَمْرٌو: وَحَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ ذَلِكَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب دن گرم ہو تو نماز (ظہر)

کو ٹھنڈے وقت تک مؤخر کر دو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی آگ کی تپش کی بناء پر ہوتی ہے۔عمرو کہتے ہیں کہ ابن شہابؒ نے مجھ سے عن ابن المسیب وابی سلمہ عن ابی ہریرہؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی سابقہ حدیث بعینہ بیان کی۔

۱۳۳۹۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ هَذَا الْحَرَّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی جہنم کی بھاپ سے ہے لہٰذا نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

۱۳۴۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْرِدُوا عَنِ الْحَرِّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

ہمام بن منبہؒ ان چند روایتوں میں سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو گرمی سے ٹھنڈا کر کے پڑھو اس لئے کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہے۔

۱۳۴۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُهَاجِرًا أَبَا الْحَسَنِ، يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: أَذَّنَ مُؤَذِّنُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظُّهْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْرِدْ، أَبْرِدْ، أَوْ قَالَ: انْتَظِرْ، انْتَظِرْ، وَقَالَ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ، فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ، قَالَ أَبُو ذَرٍّ: حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کی اذان دی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''ذرا ٹھنڈا ہونے دو، ٹھنڈا ہونے دو، (کچھ گرمی کی شدت کم ہو جائے پھر اذان دینا) یا فرمایا انتظار کرو انتظار کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی تپش سے ہے، جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کیا کرو''۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ (ہم نے ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ) ٹیلوں کے سائے تک دیکھ لئے۔

تشریح:

''اذن مؤذن'' ابھی تک اذان نہیں دی تھی ہاں اذان دینے کا ارادہ کیا تھا یہ ظہر کی نماز تھی اور موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

''رأینا فیئ التلول'' فیئ یہ فاء یفوء سے لوٹنے کے معنی میں ہے، سایہ بھی وقت کے گزرنے کے ساتھ گھوم گھوم کر لوٹتا رہتا ہے، زوال کے سایہ کو فـــیئ کہتے ہیں ایک لفظ ''ظل'' ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ظل اس سایہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے ساتھ لگا رہتا ہے کسی

وقت کے ساتھ خاص نہیں اور فیء اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت پیدا ہو جاتا ہے تو یہ فیء الزوال کہلاتا ہے۔ "التلول" یہ لفظ تا کے فتحہ کے ساتھ ہے اور لام پر شد ہے اس کا مفرد "تلٌّ" زمین پر مٹی یا ریت کے جمع ہونے سے جو ٹیلہ بنتا ہے اسی ٹیلہ کو تل کہتے ہیں۔ اس منظر کو حضرت ابوذرؓ اس لئے بیان کیا ہے کہ ٹیلے کا سایہ بہت دیر کے بعد آتا ہے تو اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سفر میں ظہر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب تاخیر فرمائی یہاں تک کہ وقت ٹھنڈا ہو گیا اس ٹھنڈک کی آخری حد کیا ہے تو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض علماء نے کہا ہے کہ سایہ اصلی کے بعد جب سایہ ایک گز تک لمبا ہو جائے تو یہ ابراد کا آخری وقت ہے بعض نے قد آدم کی ایک چوتھائی کے برابر سایہ کو ابراد کا آخری وقت کہا ہے، بعض نے قامت کی ایک تہائی اور بعض نے نصف قامت کا کہا ہے، علامہ مازریؒ نے اس کو موسم کے اختلاف کے ساتھ وابستہ کیا ہے خاص قول میں تحدید نہیں ہے۔ تاہم آخری وقت تک ابراد کو لے جانا جائز نہیں ہے۔

۱۳۴۲۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا، فَقَالَتْ: يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأْذَنْ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ، وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ، وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ "

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کی آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اے میرے رب! میری (شدت سے) میرے بعض حصے نے بعض کو کھا لیا ہے، تو اسے سردی کے موسم میں ایک سانس لینے کی اور گرمی میں ایک سانس لینے کی اجازت مل گئی، چنانچہ گرمی کی جو شدت تم پاتے ہو وہ اسی وجہ سے ہے اور سردی کی شدت بھی اسی وجہ سے ہے۔

تشریح:

"اشتکت النار" یعنی دوزخ کی آگ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ شکایت کی کہ دوزخ کے گڑھے میں بند ہو کر ہمارے بعض آگ نے بعض کو کھا لیا، تب اللہ تعالیٰ نے سال میں دو سانس لینے کی اجازت دیدی۔

اب اس شکایت کو حقیقت پر حمل کرنا چاہئے یا یہ مجاز پر محمول ہے، یعنی یہ شکایت لسان الحال سے ہے یا لسان القال سے ہے، پہلی صورت مجاز کی ہے، دوسری صورت حقیقت کی ہے، دونوں طرف علماء کی آراء ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر اور قاضی عیاض اور علامہ قرطبی رحمہم اللہ نے اس کلام کو لسان القال یعنی حقیقت پر حمل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی مشکلات نہیں ہیں، لہٰذا مجاز کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ علامہ بیضاویؒ نے اس کلام کو مجاز پر حمل کرنے کو راجح قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آگ کی شکایت کرنے سے اس کا جوش مارنا مراد ہے اور آگ کے ایک دوسرے کے کھانے سے اس کا اجزاء کا ازدحام اور اکٹھا ہونا مراد ہے اور اس کے سانس لینے سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دوزخ سے باہر آ کر ظاہر ہو جاتی ہیں بہرحال علامہ بیضاوی کا یہ کلام اور تاویلات بے موقع ہیں، تمام شارحین نے مجاز لینے کو مسترد کر کے اسے غیر راجح قرار دیا ہے اور حقیقت پر اس کلام کو حمل کیا ہے۔

"فاذن لها بنفسین" یعنی اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو سال بھر میں دو سانس لینے کی اجازت دیدی تو جب دوزخ اندر کی طرف سانس کھینچتی

ہے تو حرارت اندر چلی جاتی ہے باہر کی دنیا ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور جب باہر کی طرف سانس پھینکتی ہے تو باہر کی دنیا حرارت اور تپش سے بھر جاتی ہے، دو سانس لینے کا یہی مطلب ہے علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں "والذی یظھرلی و اللہ اعلم ان اثبات النفسین للنار کاثباتھما للانسان نفس داخلی و نفس خارجی فاذا تنفست النار الی داخلھا یورث البرد فی الخارج عنھا لاحتقان الحرارۃ فی باطنھا و اذا تنفست الی خارجھا یورث الحر فیہ وتنفسھا الی الداخل ستۃ اشھر و الی الخارج کذلک۔" (فتح الملھم)

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعہ اسی طرح ہے کہ زمین کی گرمی دوزخ کے سانس کا اثر ہے تو پھر دنیا کی سطح پر ایک جیسا اثر پڑنا چاہئے تھا کہ ساری دنیا ٹھنڈی یا گرم ہو جاتی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ برصغیر میں جب گرمی شروع ہو جاتی ہے تو افریقہ میں سردی شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں دسمبر سے مارچ تک جب سخت سردی ہوتی ہے تو افریقہ میں یہی دن سب سے گرم ہوتے ہیں اور جب اپریل سے اگست تک ہم پر گرمی کی آگ برستی ہے تو افریقہ میں مزیدار ٹھنڈا موسم ہوتا ہے، چنانچہ ان کے ہاں جون اور جولائی میں تیز سردی پڑتی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دوزخ کی ایک جانب سورج کی ایک جانب کی طرف برابر ہو جاتی ہے تو سورج کی اس جانب میں حرارت بھر جاتی ہے پھر سورج کی وہ جانب دنیا کے جس خطہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو زمین کا وہ حصہ گرمی سے بھر جاتا ہے، لیکن اس کی جانب مخالف پر ٹھنڈک چھا جاتی ہے، کیونکہ اس طرف گرم سانس کا رخ نہیں ہوتا یا گرم سانس کا اثر مکمل طور پر وہاں نہیں پہنچتا ہے اس کی مثال ایئر کنڈیشن ہے جس میں گرم اور ٹھنڈی دونوں ہوائیں ہیں تو جس جانب جو ہوا متوجہ ہوگی اس نے وہی اثر کر دیا۔ مسلم شریف کی ایک مختصر شرح ہے اس کا نام "منۃ المنعم" ہے، اس کے مولف نے اس سلسلہ میں اچھا کلام پیش کیا ہے، عربی عبارت ملاحظہ ہو۔

"فتتنفس نفساً فی الحر تلفظ بہ ما عندھا من الوھج و الفیح الی الشمال فیشتد الحر فی الشمال ویقع البرد فی الجنوب، ثم تتنفس نفساً آخر فی الشتآء فتجذب حر الشمال و تلفظہ الی الجنوب فیشتد البرد فی الشمال ویقع الحر فی الجنوب ولا مانع ان یکون ھذا التنفس سبباً فی نقل الشمس من الشمال الی الجنوب و من الجنوب الی الشمال فیکون الحر و البرد متعلقین بنفسی جھنم فی الحقیقۃ و بانتقال الشمس فی الظاھر و کل ھذا ممکن و ان لم یدرک بالحس والآلات (ج ۱ ص ۳۹۱) زمہریر شدید ٹھنڈ کو کہتے ہیں۔ "حرور" شدید گرمی کو کہتے ہیں، دونوں جگہ "او" شک کیلئے ہو سکتا ہے۔

۱۳۴۳۔ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا مَعْنٌ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الْأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا كَانَ الْحَرُّ، فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَذَكَرَ أَنَّ النَّارَ اشْتَكَتْ إِلَى رَبِّهَا، فَأَذِنَ لَهَا فِي كُلِّ عَامٍ بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ، وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو اس لئے کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہے اور بیان کیا کہ نار جہنم نے اپنے پروردگار سے درخواست کی تو اس کو ہر سال میں دو سانس لینے کی اجازت دے دی گئی ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں۔

۱۳۴۴۔ وَحَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " قَالَتِ النَّارُ: رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأْذَنْ لِي أَتَنَفَّسْ، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ، وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَمَا وَجَدْتُمْ مِنْ بَرْدٍ، أَوْ زَمْهَرِيرٍ فَمِنْ نَفَسِ جَهَنَّمَ، وَمَا وَجَدْتُمْ مِنْ حَرٍّ، أَوْ حَرُورٍ فَمِنْ نَفَسِ جَهَنَّمَ"

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جہنم کی آگ نے کہا کہ اے رب! میرے بعض حصہ کو بعض حصہ کھا گیا ہے (شدت کی بناء پر) لہٰذا مجھے سانس لینے کی اجازت دیجئے، چنانچہ اسے دو سانس کی اجازت دی گئی ایک سانس سردی میں اور دوسرا گرمی میں۔تو جو کچھ تم ٹھنڈک سردی اور گرمی پاتے ہو یہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔

باب استحباب تقدیم الظهر فی اوّل الوقت

ظہر کی نماز کو پہلے وقت میں پڑھنا مستحب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، كِلَاهُمَا عَنْ يَحْيَى الْقَطَّانِ، وَابْنِ مَهْدِيٍّ، ح قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، ح قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى، وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا دَحَضَتِ الشَّمْسُ.

حضرت جابرؓ بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

تشریح:

”اذا دحضت الشمس“ باب فتح سے دحض سورج کے ڈھلنے کو کہتے ہیں مراد زوال شمس ہے یعنی جونہی سورج ڈھل جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا لیتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ جب گرمی کا موسم نہ ہوتو ظہر کو اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے، امام مسلمؒ نے اس سے پہلے نمازوں کے وجوبی اوقات کا بیان کیا۔اب پانچوں نمازوں کے استحبابی اوقات کے بیان کیلئے الگ الگ احادیث کو ذکر فرما رہے ہیں، جس پر علامہ نووی نے ابواب قائم کئے ہیں۔بہر حال مستحب اوقات کیلئے بطور ضابطہ فقہاء کرام کے الگ الگ اقوال ہیں، چنانچہ اصولی طور پر نمازوں کے افضل اوقات میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے، شوافع حضرات عشاء کی نماز کے علاوہ تمام نمازوں میں تعجیل اور جلدی پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور احناف مغرب کی نماز کے علاوہ تمام نمازوں میں تاخیر کو افضل قرار دیتے

ہیں، لیکن اس تاخیر کا مطلب یہ نہیں کہ وقت مکروہ تک تاخیر ہو جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب میں کچھ تاخیر کی جائے، اس باب کی احادیث کے ضمن میں ظہر کی نماز سے متعلق تفصیلات کا بیان آنے والا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

ظہر کا مستحب وقت

ظہر کے مستحب وقت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اس سے پہلے ظہر کے وقت کے متعلق جو اختلافات گزر گیا ہے وہ ظہر کے مستحب وقت کے بارے میں نہیں تھا بلکہ وہ ظہر کے وقت کی ابتداء وانتہاء سے متعلق تھا۔ بہرحال مستحب وقت میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع کے نزدیک ظہر میں تعجیل افضل ہے مزید کوئی تفصیل نہیں ہے، احناف کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر موسم سخت گرم ہو شدت حرارت ہو تو ابراد فی صلوۃ الظهر اور تاخیر مستحب ہے اور اگر موسم ٹھنڈا ہو تو پھر تعجیل مستحب ہے۔

دلائل:

فقہاء کرام نے اپنے اپنے مدعا پر دلائل اکھٹے کئے ہیں، چنانچہ شوافع کے دلائل یہ ہیں۔

شوافع کی پہلی دلیل حضرت خباب ؓ کی روایت ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "شكونا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم حر الرمضاء فلم يشكنا" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخت گرمی میں نماز ہوتی تھی، یہ اول وقت میں پڑھنے اور تعجیل کی دلیل ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے جو ترمذی میں موجود ہے الفاظ یہ ہیں:

"ما رأيت اشد تعجيلا للظهر من رسول الله صلى الله عليه وسلم و لا من ابى بكر و لا من عمر"

حضرات شوافع نے ان روایات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں پہلے وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت آئی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

شوافع نے حضرت جابر ؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں "كان يصلى الظهر بالهاجرة" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کو دوپہر میں پڑھاتے تھے، یعنی سویرے پڑھاتے تھے۔

ائمہ احناف نے بخاری شریف کی حدیث ابردوا بالظهر سے استدلال کیا ہے، نیز حضرت ابوذر غفاری ؓ کے قصہ میں جو لفظ آیا ہے "حتى رأينا فيء التلول" اس سے بھی تاخیر ظہر پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ابراد اور تاخیر کی کافی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ اس باب سے پہلے جو باب گزرا ہے اس کی تمام احادیث بھی ائمہ احناف کے دلائل ہیں۔

جواب:

شوافع نے تعجیل ظہر سے متعلق جن روایات سے استدلال کیا ہے اس میں حضرت خباب ؓ کی روایت مکی دور کی نمازوں سے متعلق ہے اور مدنی ابردوا والی روایات سے یہ روایت موقوف ہوگئی ہے۔ نیز زمین کا گرم رہنا نماز کے جلدی پڑھانے کی علامت نہیں ہے، بلکہ گرم ممالک میں شام تک زمین گرم رہتی ہے۔ حضرت خباب ؓ نے گرم زمین کی شکایت کی تھی۔

شوافع نے حضرت عائشہ ؓ کی روایت اور اسی طرح ام سلمہ کی روایت سے جو استدلال کیا ہے یہ تعجیل موسم سرما پر محمول ہے کہ سردیوں میں

جلدی نماز پڑھائی ہے جو خود احادیث میں مذکور ہے، باقی حضرت جابر کی روایت میں جو لفظ الھاجرۃ آیا ہے تو یہ اول وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہاجرہ ظہر سے لے کر عصر تک پورے وقت پر بولا گیا ہے۔

۱۳۴۶۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فِي الرَّمْضَاءِ، فَلَمْ يُشْكِنَا

حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت گرمی میں نماز پڑھنے کی شکایت کی تو آپ نے ہماری شکایت قبول نہیں فرمائی۔

۱۳۴۷۔ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، وَعَوْنُ بْنُ سَلَّامٍ، قَالَ عَوْنٌ: أَخْبَرَنَا، وقَالَ ابْنُ يُونُسَ: وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ: أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ حَرَّ الرَّمْضَاءِ، فَلَمْ يُشْكِنَا قَالَ زُهَيْرٌ: قُلْتُ لِأَبِي إِسْحَاقَ: " أَفِي الظُّهْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: أَفِي تَعْجِيلِهَا؟ قَالَ: نَعَمْ "

حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے سخت جھلستی ہوئی گرمی کی شکایت کی تو آپ نے ہماری شکایت کو قبول نہ فرمایا۔ زہیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحٰق سے پوچھا کہ کیا ظہر کی نماز کے بارے میں شکایت تھی؟ فرمایا کہ ہاں! میں نے پوچھا کہ کیا ظہر کی تعجیل کے بارے میں تھی؟ فرمایا کہ ہاں!

تشریح:

"حر الرمضاء" ریت کو کہتے ہیں اس پر جب دھوپ پڑتی ہے تو یہ گرم ہو جاتی ہے، اسی کو حر الرمضاء کہا گیا ہے، یعنی گرم ریت کی شکایت کی کہ اس پر سجدہ لگانا مشکل ہے، چلنا بھی مشکل ہے، لہٰذا نماز کو تاخیر سے ادا کی جائے "فلم یشکنا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری شکایت نہیں سنی اور نہ ہماری شکایت کو دور کیا ای لم یزل شکوانا اس سے پہلے اس طرح الفاظ کی تشریح ہو گئی ہے اور حدیث ابراد کے ساتھ اس حدیث کے تعارض کا جواب بھی ہو گیا ہے۔ "أفي الظهر" راوی اپنے استاذ سے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا یہ ظہر کی نماز اور اس کی تعجیل کے متعلق بات تھی؟ استاذ نے کہا "جی ہاں"

۱۳۴۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ غَالِبٍ الْقَطَّانِ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ جَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ، بَسَطَ ثَوْبَهُ، فَسَجَدَ عَلَيْهِ

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی شدید گرمی میں نماز پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ زمین پر پیشانی ٹکا سکیں چنانچہ ہر ایک اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا تھا۔

تشریح:

"بسط ثوبه" یعنی گرم ریت پر سجدہ کیلئے پیشانی کا رکھنا مشکل ہو جاتا تھا تو ہم اس مشکل کو دور کرنے کیلئے ایسا کرتے تھے کہ اپنے کپڑے

کو پیشانی کے نیچے بچھا کر سجدہ کرتے تھے، اب یہاں یہ بحث ہے کہ یہ کپڑا کونسا تھا، الگ کوئی چادر تھی یا جسم کے ساتھ لگا ہوا پہنا ہوا کپڑا تھا تو شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جسم پر پہنا ہوا کپڑا نہیں تھا، اس پر سجدہ لگانا جائز نہیں، یہ الگ کوئی کپڑا تھا جس کا استعمال جائز ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کپڑا جسم سے متصل ہو یا منفصل ہو دونوں حالتوں میں اس پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ یہ روایت شوافع پر حجت ہے لیکن وہ اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد متصل کپڑا نہیں بلکہ یہ منفصل کپڑے پر محمول ہے، احناف کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں منفصل اور الگ کپڑا کہاں مل سکتا تھا، متصل کپڑا ملنا بھی مشکل تھا لہٰذا اس کو متصل کپڑے پر حمل کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

باب استحباب التبكير بالعصر

عصر کی نماز جلدی پڑھنا مستحب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۴۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي، فَيَأْتِي الْعَوَالِيَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ قُتَيْبَةُ: فَيَأْتِي الْعَوَالِيَ۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ سورج ابھی بلند اور گرم ہوتا تھا کوئی جانے والا (عصر کے بعد) عوالی کی طرف جاتا اور وہاں پہنچنے تک بھی سورج بلند رہتا تھا۔

تشریح

"العوالی" مدینہ منورہ زمین کی بلندی اور نشیبی کے اعتبار سے دو حصوں پر منقسم ہے ایک حصہ کو العوالی کہتے ہیں اور دوسرے حصہ کو السافلة کہتے ہیں جس حصہ کو عوالی کہتے ہیں یہ سب بلند حصے ہیں جو اطراف مدینہ میں واقع ہیں، اس میں سے مسجد قباء کے علاقے ہیں جہاں بنوعمرو بن عوف کا قبیلہ آباد تھا جس کا بیان اس باب کی احادیث میں ہے، ان کے علاقے مسجد نبوی سے دو میل کے فاصلے پر تھے۔
"والشمس مرتفعة حية" یعنی سورج اب بھی بلند تھا اور زندہ بھی تھا کہ اس کو روشنی اور حرارت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس باب کی تمام احادیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقت عصر کی نماز جلدی ہوتی تھی، چنانچہ تفصیل ملاحظہ ہو۔

صلوٰۃ عصر کا مستحب وقت

زیر بحث حدیث میں "وصلی العصر...... والشمس حية" کے الفاظ آئے ہیں بعض روایات میں والشمس مرتفعة کے الفاظ آئے ہیں، ان روایات سے تعجیل عصر کا اندازہ ہوتا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر میں تاخیر ہوتی تھی، روایات کے اس اختلاف کی وجہ سے نماز عصر کے مستحب وقت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو گیا۔

فقہاء کا اختلاف:

تینوں ائمہ عصر کی تعجیل کو مستحب کہتے ہیں، ائمہ احناف کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر جائز نہیں ہے کہ سورج میں اصفرار اور تغیر آجائے، بلکہ وقت مستحب ہی کے اندر کچھ تاخیر مستحب ہے۔

دلائل:

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل تو یہی زیر بحث حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد ہم میں سے ایک آدمی مدینہ سے باہر اطراف میں اپنے گھر جاتا تھا اور سورج اب تک تازہ یعنی بلندی پر ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ عصر کی نماز جلدی ہوتی تھی۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عصر کی نماز کے بعد ایک جانے والا عوالی مدینہ جاتا تھا اور سورج اب تک بلندی پر ہوتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔

ائمہ ثلاثہ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے اور اس کے بعد اونٹ ذبح کر کے دس حصوں میں تقسیم کرتے تھے، پھر گوشت پکاتے تھے اور پکا ہوا گوشت کھاتے تھے اور اب تک سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلدی پڑھائی جاتی تھی لہٰذا جلدی پڑھنا افضل ہے۔

احناف کی دلیل ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد تعجيلا للظهر منكم وانتم اشد تعجيلا للعصر منه" (رواه احمد والترمذى)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے عصر میں تعجیل کی تھی جس پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا ناراضی کا اظہار فرما رہی ہیں۔

احناف کی دوسری دلیل علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ابوداؤد (ج ا ص ۵۹) پر موجود ہے الفاظ یہ ہیں:

"عن على بن شيبان قال قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فكان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية" (رواه ابو دائود)

احناف کی تیسری دلیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو دارقطنی اور مسند احمد وطبرانی نے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"عن رافع بن خديج ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يامرنا بتاخير العصر" (كذا فى معارف السنن)

احناف کی چوتھی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ وہ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔
(كذافى مصنف ابن ابى شيبة)

ان تمام روایات سے احناف نے یہ تعلیم اخذ کی ہے کہ عصر میں قدرے تاخیر مستحب ہے، بشرطیکہ وقت مستحب موجود ہو۔

جواب:

ائمہ ثلاثہ نے اس باب کی جن روایتوں سے استدلال کیا ہے جس میں مدینہ منورہ سے باہر جانے اور چار میل کا فاصلہ طے کرنے اور سورج

کے موجود رہنے کا ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عوالی مدینہ مختلف قسم پر تھے، بعض آٹھ میل کے فاصلے پر تھے بعض چار میل کے اور بعض تین میل کے فاصلے پر تھے اور حدیث میں تعین نہیں کیا گیا کہ کونسے عوالی مراد ہیں۔ نیز چلنے والے کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ پیدل ہوتا تھا یا سواری پر جاتا تھا نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ جوان آدمی ہوتا تھا یا بوڑھا ہوتا تھا اسی طرح یہ بھی علماء لکھتے ہیں کہ عصر کے بعد چار یا آٹھ میل کا سفر کرنا جفاکش عرب کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا، آج کل بھی احناف کے مسلک کے مطابق عصر کی نماز کے بعد لوگ اتنا فاصلہ آسانی سے طے کرتے ہیں اور سورج باقی رہتا ہے۔

فتح الملہم میں علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ دیوبند میں ایک مدرس تھے، جمعرات کو جب چھٹی ہوتی تو وہ احناف کے وقت کے مطابق عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر پیدل منگور جاتے اور صلوٰۃ مغرب وہاں جا کر پڑھتے تھے، دیوبند سے منگور ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ رافع بن خدیج کی جس روایت سے استدلال کرتے ہیں، اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ عرب اونٹ کے ذبح کرنے اور گوشت بنانے کے ماہر تھے، اگر دس ماہر آدمی اونٹ کو ذبح کر کے گوشت تقسیم کریں اور نرم نرم گوشت فوراً پکالیں اور کھالیں تو یہ کام بہت جلدی ہوسکتا ہے، یہ عصر کی تعجیل کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ کام تو عصر کے بعد بھی ہوسکتا ہے یا اس باب کی اس قسم کی روایتوں کو موسم گرما پر حمل کردیا جائے گا، گرم موسم میں وسعت ہوتی ہے۔

بہرحال صحابہ کرامؓ نے عصر کی نماز کے بعد کے وقت کے اندازے بتائے ہیں جس سے تعجیل عصر سمجھا جاتا ہے کوئی تعین نہیں کیا ہے لہٰذا وقت مستحب میں اگر کوئی تاخیر ہوجائے تو احناف کا یہ مسلک نہایت مناسب ہے اور احادیث سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے، آج کل غیر مقلد حضرات اور حجاز مقدس میں عصر کی نماز اتنی جلدی ہوتی ہے کہ اس کے بعد لوگ کاروبار شروع کرتے ہیں، حالانکہ عصر کا لغوی معنی نچوڑ ہے تو یہ وقت دن کا نچوڑ ہونا چاہئے نہ یہ کہ آدھا دن عصر کے بعد آجائے اور ظہر کے بعد تھوڑا سا وقت رہ جائے، بہرحال انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نہ زیادہ دیر کیا جائے جو بعض احناف کرتے ہیں اور نہ اتنی جلدی کی جائے جو عرب کرتے ہیں۔

۱۳۵۰۔ وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ بِمِثْلِهِ سَوَاءً

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح (آپ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج بلند اور گرم ہوتا تھا......الخ) حدیث مبارکہ نقل کی ہے۔

۱۳۵۱۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى قُبَاءٍ، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر کوئی جانے والا قباء کی طرف جاتا اور وہاں تک پہنچنے کے باوجود سورج بلند ہی ہوتا تھا۔

۱۳۵۲۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ إِسْحٰقَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر کوئی آدمی بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جاتا تو انہیں عصر کی نماز پڑھتا ہوا پاتا۔(مقصد ان تمام سے یہ ہے کہ عصر کی نماز اتنی جلدی پڑھی جاتی تھی کہ سورج ابھی بلند ہی ہوتا تھا غروب اور ڈھلنے کے قریب نہ ہوتا تھا عوالی، قباء اور بنی عمرو بن عوف کا محلہ یہ تینوں علاقے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ فاصلہ پر ہیں اگرچہ آج کل تو شہر مدینہ کے مصروف علاقے ہیں لیکن اس زمانہ میں کافی دور ہوتے تھے)

تشریح:

''یصلون العصر'' اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز جلدی پڑھاتے تھے اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دور کے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عصر کی نماز دیر سے پڑھی ہے، کیونکہ مسجد قباء، دو تین میل کے فاصلہ پر ہے جو چار پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں تک جانے میں کافی وقت لگتا ہے، حالانکہ صحابہ وہاں اس وقت نماز پڑھتے ہوتے تھے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ یوں لکھتے ہیں: ''قال العلماء کانت منازل بنی عمرو بن عوف علی میلین من المدینۃ و کانوا یصلون وسط الوقت لانھم کانوا یشتغلون باعمالھم وحروثھم فدل ھذا الحدیث علی تعجیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصلوۃ العصر۔''

علامہ ابن حجرؒ کی مندرجہ بالا عبارت کے جواب میں علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ''ودل ای ھذا الحدیث علی مشروعیۃ التاخیر فی حق المشغولین ایضاً۔''

۱۳۵۳۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَقُتَيْبَةُ، وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي دَارِهِ بِالْبَصْرَةِ، حِينَ انْصَرَفَ مِنَ الظُّهْرِ، وَدَارُهُ بِجَنْبِ الْمَسْجِدِ، فَلَمَّا دَخَلْنَا عَلَيْهِ، قَالَ: أَصَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ؟ فَقُلْنَا لَهُ: إِنَّمَا انْصَرَفْنَا السَّاعَةَ مِنَ الظُّهْرِ، قَالَ: فَصَلُّوا الْعَصْرَ، فَقُمْنَا، فَصَلَّيْنَا، فَلَمَّا انْصَرَفْنَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا

حضرت علاء بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک کے گھر واقع بصرہ میں ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر گئے ان کا گھر مسجد کے پہلو میں ہی تھا، جب ہم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا کہ ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آئے ہیں فرمایا کہ اٹھو اور عصر کی نماز پڑھو، چنانچہ ہم اٹھے اور عصر کی نماز پڑھی جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: وہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا سورج کو تکتا رہے یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لے اور اس میں اللہ کا ذکر بھی نہ کرے سوائے تھوڑے سے ذکر کے۔''

تشریح:

"وداره بجنب المسجد" یعنی حضرت انسؓ کا گھر مسجد کے قریب تھا، مطلب یہ کہ ظہر کے بعد کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا بلکہ چند منٹ میں ان کے گھر تک یہ لوگ پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت انس عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں جیسے اگلی روایت میں ہے۔ زیر بحث روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تھے، آپ نے آنے والوں سے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ اب پڑھ لو، جب ان حضرات سے عصر کی نماز پڑھ لی اور نماز سے لوٹ آئے تو حضرت انسؓ نے دیر سے نماز پڑھنے کی وعید سنائی۔ "یرقب الشمس" یعنی سورج کے ڈھلنے کا انتظار کرتا ہے۔ "قرنی الشیطان" یعنی جب غروب ہونے کے قریب ہو جائے اور شیطان کے کندھوں کے پاس سے گزرنے لگے تو یہ شخص اٹھ کر نماز پڑھنے لگتا ہے۔ "فنقر اربعاً" یعنی جلدی جلدی مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار کر جان چھڑا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد تو ہوتی نہیں بس ایک رسم نماز ہے جو پوری کرتا ہے، بہر حال ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز اول وقت میں ہوتی تھی، احناف کو زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے۔

۱۳۵۴۔ وَحَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ، يَقُولُ: صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَقُلْتُ: يَا عَمِّ، مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرَ، وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ

حضرت ابی امامہ بن سہل کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر ہم حضرت انسؓ بن مالک کے پاس حاضر ہوئے تو انہیں عصر کی نماز پڑھتا ہوا پایا ہم نے کہا اے چچا! یہ آپ نے کونسی نماز پڑھی ہے؟ فرمایا کہ عصر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یہی ہے جو ہم آپ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

۱۳۵۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى، وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ، قَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، أَنَّ مُوسَى بْنَ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيَّ، حَدَّثَهُ عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: " صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلِمَةَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نُرِيدُ أَنْ نَنْحَرَ جَزُورًا لَنَا، وَنَحْنُ نُحِبُّ أَنْ تَحْضُرَهَا "، قَالَ: نَعَمْ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْنَا مَعَهُ، فَوَجَدْنَا الْجَزُورَ لَمْ تُنْحَرْ، فَنُحِرَتْ، ثُمَّ قُطِّعَتْ، ثُمَّ طُبِخَ مِنْهَا، ثُمَّ أَكَلْنَا قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ وقَالَ الْمُرَادِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ، وَعَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ

حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہوئے تو بنو سلمہ کا ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہ! ہم ایک اونٹ ذبح کرنا چاہتے ہیں اور ہماری

خواہش ہے کہ آپ بھی تشریف فرما ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا چنانچہ چلے اور آپ کے ساتھ ہم بھی روانہ ہوئے (جب ہم وہاں پہنچے) تو اونٹ ابھی ذبح نہیں ہوا تھا، اسے نحر کیا گیا، پھر اس کا گوشت کاٹا گیا پکایا گیا پھر ہم نے غروب آفتاب سے قبل کھا بھی لیا۔

تشریح:

"جزوراً" جیم پر فتح ہے یہ صرف اونٹ پر بولا جاتا ہے، دوسرے جانوروں کے ذبح کیلئے جزرۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس سے تعجیل عصر پر استدلال کیا جاتا ہے، پیچھے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

"لحما نضیحا" یعنی گوشت خوب پکا ہوا ہوتا تھا، یہ نہیں کہ جلدی جلدی کچا سا پکا کر کھالیا اور کم وقت لگا بہرحال اس باب کی تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جلدی ہوتی تھی، احناف وقت مستحب میں تاخیر کے قائل ہیں۔

١٣٥٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، يَقُولُ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَزُورُ، فَتُقْسَمُ عَشَرَ قِسَمٍ، ثُمَّ تُطْبَخُ، فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيجًا قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ

حضرت رافع بن خدیج ؓ فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے اس کے بعد اونٹ نحر کیا جاتا اس کے دس حصے تقسیم کئے جاتے پھر پکایا جاتا، تو ہم غروب آفتاب سے قبل ہی اس کا پکا ہوا گوشت کھا لیتے تھے (مقصد یہ ہے کہ عصر سے غروب آفتاب کے درمیان اتنا وقت ہوتا تھا کہ یہ سارے کام ہو جاتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عصر بہت جلد پڑھتے تھے)

١٣٥٧۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، وَشُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا نَنْحَرُ الْجَزُورَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَلَمْ يَقُلْ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی تغیرات کے ساتھ منقول ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

باب التغليظ فی تفويت صلوة العصر

عصر کی نماز ضائع کرنے پر شدید وعید کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

١٣٥٨۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ، كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل وعیال اور مال ہلاک ہوگیا''۔

تشریح:

''تفوتہ صلوۃ العصر'' فات یفوت نماز کے فوت ہونے کو کہا گیا ہے، اب اس فوت ہونے کا کیا مطلب ہے تو علامہ ابن وھب نے فرمایا کہ اس سے مختار وقت میں نہ پڑھنا مراد ہے۔ شیخ سحنون نے فرمایا کہ فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ سورج غروب ہوجائے، امام اوزاعی وغیرہ نے فرمایا کہ جب سورج پیلا پڑ جائے تو نماز فوت ہوجائے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جب بھول کر نماز رہ جائے تو ایسے آدمی کیلئے یہ وعید ہے ظاہر اور واضح بات یہ ہے کہ اس وعید کا مصداق وہ شخص ہے جو قصداً نماز عصر کو چھوڑ دیتا ہے اور نماز فوت ہوجاتی ہے۔ ''وتر اھلہ و مالہ'' وتر۔ ضرب یضرب سے نقصان اور ہلاکت کے معنی میں ہے، یہ مجہول کا صیغہ ہے اور اھلہ و مالہ مرفوع ہے جو اس کیلئے نائب فاعل ہے۔ یہ زیادہ واضح ہے، اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ گویا اس شخص کے اہل وعیال اور سارا مال تباہ و برباد ہوگیا عصر کی نماز چھوڑنے کا اتنا نقصان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گویا اس شخص کو ایسا نقصان پہنچ گیا جس کا انتقام اس پر واجب اور لازم ہوگیا تو اس شخص پر دو غم اور دو مصیبتیں آگئیں ایک تو اہل وعیال و مال ہلاک ہونے کا غم آگیا اور دوسرا انتقام لینے کا غم سر پر آگیا۔ عصر کی نماز کی اہمیت کے پیش نظر یہ وعید ہے باقی نمازوں کا حکم الگ ہے علماء نے لکھا ہے یہ ہلاکت تین مرحلوں میں آسکتی ہے اگر مکمل طور پر عصر چھوڑ دی تو یہ کامل ہلاکت ہے اور اگر وقت مکروہ میں پڑھی تو یہ دوسرے نمبر کی ہلاکت ہے اور اگر جماعت ترک کردی تو یہ تیسرے نمبر کی ہلاکت ہے۔

۱۳۵۹۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ عَمْرٌو: يَبْلُغُ بِهِ، وقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَفَعَهُ

اس سند کے ساتھ یہ حدیث (جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل وعیال اور مال ہلاک ہوگیا) بھی اسی طرح منقول ہے لیکن عمرو کی روایت میں یبلغ کا صیغہ ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رفعہ کا لفظ بولا ہے۔

۱۳۶۰۔ وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ، فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوجائے تو گویا کہ اس کا اہل اور مال لوٹ لیا گیا۔

باب من قال الصلوة الوسطىٰ هى العصر

صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صلوٰۃ عصر ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۶۱۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَلَأَ اللهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ نَارًا، كَمَا حَبَسُونَا، وَشَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى، حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب (خندق) کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھردے۔ جیسے انہوں نے ہمیں روک دیا اور مشغول رکھا صلوٰۃ الوسطی سے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

تشریح:

"یوم الاحزاب" یعنی جنگ خندق۔ غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا تھا، اس غزوہ میں مکہ سے ابوسفیان کی کمان میں تمام قبائل سے بارہ ہزار مشرکین مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خندقیں کھدوائی گئی تھیں، اس لئے اس جنگ کو خندق کہتے ہیں اور عرب کے سب قبائل گروہ درگروہ اکٹھے ہوگئے تھے، اس لئے یہ غزوہ، غزوۂ احزاب کے نام سے بھی مشہور ہے۔ خندقوں کے آس پاس پہرہ کا سخت انتظام تھا، اس لئے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھنے کی فرصت ہی نہیں ملی، جس پر آپ نے عصر کی نماز کے فوت ہوجانے پر خصوصاً افسوس کا اظہار کیا اور کفار کے لئے بددعا کی، خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ تین ہزار تھے، ۲۸ دن کے محاصرہ کے بعد کفار پسپا ہوکر بھاگ گئے۔

"ملاء الله" یعنی ان کے گھر اور قبروں کو اللہ تعالیٰ آگ سے بھردے، اس جملہ میں بددعا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کیلئے بددعا فرمائی ہے اور اس طرح بددعا کرنا جائز ہے، علامہ ابیؒ نے لکھا ہے کہ یہ بددعا کل مجموعی کے طور پر تھی، کل افرادی کے طور پر نہیں تھی، لہٰذا یہ ہر فرد کے لئے نہیں تھی، اس لئے بہت سارے کفار اس بددعا کی زد میں نہیں آئے، بلکہ بچ گئے اور مسلمان ہوگئے، فرماتے ہیں:

"قلت الضمير "هم" بمعنى الكل لا الكلية لانه قد آمن منهم كثير۔" (ج ۲ ص ۵۶۱)

کل مجموعی کا مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر پوری جماعت کیلئے حکم ہو، ہر ہر فرد کیلئے نہ ہو، جبکہ کل افرادی میں حکم ہر ہر فرد پر لگتا ہے، کوئی بچ نہیں سکتا۔

علامہ عثمانی نے یہاں یہ اشکال وارد کیا ہے کہ یہ بددعا اہل قبور کو تو شامل ہے، وہ مشرک تھے، مرچکے تھے اور ان پر آگ جل رہی تھی، لیکن یہ بددعا اہل بیوت کو کیسے شامل ہوسکتی ہے کہ ان کے گھر آگ سے بھر جائیں؟

علامہ عثمانی نے یہ جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے کہ گھروں سے ان کے رہنے والے لوگ مراد ہیں، یعنی ان میں رہنے والوں کو آگ میں جلنا نصیب ہو، یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں ''قلوبھم اور اجوافھم'' کے الفاظ آئے ہیں تو صرف گھر مراد نہیں، بلکہ لوگ مراد ہیں، بہر حال اس اشکال کی ضرورت نہیں، یہ تو بد دعا ہوتی ہے جس میں عموم پیدا کرنے کیلئے اس طرح الفاظ آتے ہیں۔

''شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر وعصر اور مغرب کی تین نمازیں تو مکمل طور پر قضا ہوگئی تھیں اور عشاء کی نماز میں تاخیر ہوگئی تھی، اس لئے اس پر بھی اگر فوت ہونے کا اطلاق کیا جائے تو چار نمازیں فوت ہوگئیں، ورنہ تین نمازیں فوت ہوگئی تھیں، نیز یہ بات بھی ہے کہ غزوہ خندق میں ۲۸ دن تک محاصرہ تھا تو مختلف ایام میں شاید مختلف احوال آگئے ہوں گے۔

صلوۃ الوسطیٰ کا مصداق کونسی نماز ہے؟

"صلوة الوسطى صلوة العصر" قرآن کریم میں نمازوں کی محافظت سے متعلق ایک آیت ہے: ﴿حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطىٰ﴾ اب جب دیکھا جائے تو چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور جب دو نمازیں ایک طرف سے گن لی جائیں اور دوسری طرف سے بھی دو نمازیں لے لی جائیں تو پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز ''وسطیٰ'' یعنی بیچ والی نماز بنتی ہے، اس لئے اس کی تعیین اور مصداق میں کچھ دشواری ہے، ادھر احادیث میں جب دیکھا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق عصر بتایا گیا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اس کا مصداق عصر کو ٹھہرایا گیا ہے، پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں دلیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق ظہر کی نماز ہے۔

پھر موطا مالک کی روایت میں ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ فجر کی نماز ہے۔ روایات کے اس اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرام کے ہاں بھی صلوۃ الوسطیٰ کے تعین میں اختلاف ہے، چھوٹے بڑے اقوال کو اگر جمع کیا جائے تو بیس اقوال بن جاتے ہیں، سب میں قوی تر قول یہ ہے کہ عصر کی نماز ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

بعض فقہاء نے صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق ظہر کی نماز کو قرار دیا ہے بعض نے فجر کی نماز کو اس کا مصداق بنایا ہے بعض نے عصر کا کہا ہے بعض نے جمعہ کی نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ قرار دیا ہے بعض نے تہجد کی نماز کو اس کا مصداق بنایا ہے۔

لیکن مشہور اقوال صرف تین ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی نے صلوۃ الصبح کو صلوۃ وسطیٰ قرار دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل نے صلوۃ العصر کو صلوۃ الوسطیٰ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق ظہر کی نماز ہے۔

دلائل:

احناف اور حنابلہ کی دلیل اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع احادیث ہیں جن کو امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں نقل فرمایا ہے، ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صلوۃ الوسطیٰ کی تفسیر صلوۃ العصر سے فرمائی ہے، جو نہایت مضبوط دلیل ہے، اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث بھی ان حضرات کی دلیل ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی واضح حدیث موجود ہے۔

شوافع اور مالکیہ نے بحوالہ مؤطا مالک حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ الصبح۔'' (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہؓ حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور چند دیگر صحابہؓ نے اپنی اجتہادی روایات پر اپنا مسلک قائم کیا ہے جو انہی حضرات سے منقول ہیں، الفاظ یہ ہیں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ الظہر۔'' (رواہ الترمذی)

جواب:

احناف اور حنابلہ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے، وہ مرفوع حدیث ہے اور شوافع و مالکیہ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ آثار صحابہ ہیں جو مرفوع حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ صریحہ کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے اور یہی مختار ہے۔ علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اگرچہ صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ فجر کو قرار دیا ہے مگر آپ کا قول یہ ہے کہ جب صریح اور صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہوگا، اسی کو لیا کرو اور میرا قول جو اس کے مخالف ہو دیوار پر دے مارو۔ (لمعات ج۲ص ۲۶۸) اس قول کا خلاصہ یہ نکلا کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے، کیونکہ صریح اور صحیح احادیث اسی میں ہیں۔

١٣٦٢ ۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ح وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، جَمِيعًا عَنْ هِشَامٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ

ہشام سے اس سند کے ساتھ یہ روایت (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی ان لوگوں کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے عصر کی نماز سے ہم کو روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا) منقول ہے۔

١٣٦٣ ۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ: شَغَلُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى آبَتِ الشَّمْسُ، مَلَأَ اللهُ قُبُورَهُمْ نَارًا، أَوْ بُيُوتَهُمْ، أَوْ بُطُونَهُمْ - شَكَّ شُعْبَةُ فِي الْبُيُوتِ وَالْبُطُونِ -

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب کے روز خندق کے ایک راستہ پر تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ (عصر) سے مشغول رکھا حتیٰ کہ آفتاب غروب ہوگیا، اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے یا فرمایا: ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے''

١٣٦٤ ۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ، وَلَمْ يَشُكَّ

اس سند کے ساتھ بھی سابقہ روایت (جن لوگوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول رکھا غروب آفتاب تک......الخ) منقول ہے۔ لیکن اس میں بغیر کسی شک کے بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ فرمایا۔

۱۳۶۵۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ، عَنْ عَلِيٍّ، ح وَحَدَّثَنَاهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ يَحْيَى، سَمِعَ عَلِيًّا، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ، وَهُوَ قَاعِدٌ عَلَى فُرْضَةٍ مِنْ فُرَضِ الْخَنْدَقِ: شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، مَلَأَ اللهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ، أَوْ قَالَ: قُبُورَهُمْ وَبُطُونَهُمْ نَارًا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب کے دن خندق کے راستوں میں سے ایک راستہ پر بیٹھے تھے اور فرمار ہے تھے کہ ان کافروں نے ہمیں نماز وسطیٰ سے باز رکھا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور پیٹوں کو آگ سے لبریز کردے۔

۱۳۶۶۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ صُبَيْحٍ، عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ: شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى، صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا، ثُمَّ صَلَّاهَا بَيْنَ الْعِشَائَيْنِ، بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احزاب (خندق) کے روز ''ان لوگوں نے ہمیں صلوۃ الوسطیٰ (عصر) کی نماز سے مشغول کردیا، اللہ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز مغرب وعشاء کے درمیان پڑھی۔

۱۳۶۷۔ وَحَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ سَلَّامٍ الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ الْيَامِيُّ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَبَسَ الْمُشْرِكُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ، حَتَّى احْمَرَّتِ الشَّمْسُ، أَوِ اصْفَرَّتْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى، صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللهُ أَجْوَافَهُمْ، وَقُبُورَهُمْ نَارًا، أَوْ قَالَ: حَشَا اللهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کی نماز سے روکے رکھا۔ یہاں تک کہ سورج سرخ ہوگیا یا زرد ہوگیا (جیسے غروب آفتاب کے وقت ہوا کرتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے ہمیں نماز وسطیٰ (نماز عصر) سے باز رکھا، اللہ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھردے''۔

۱۳۶۸۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي يُونُسَ، مَوْلَى عَائِشَةَ، أَنَّهُ قَالَ: أَمَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا، وَقَالَتْ: إِذَا بَلَغْتَ هَذِهِ الْآيَةَ فَآذِنِّي: } حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى] {البقرة:238] فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا فَأَمْلَتْ

عَلَىَّ: } " حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى] {البقرة:238] ، وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، }وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ] {البقرة:238]" ، قَالَتْ عَائِشَةُ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابو یونس مولیٰ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مصحف (قرآن کریم) لکھنے کا حکم فرمایا اور کہا کہ جب تم اس آیت حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى پر پہنچو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ (کتابت کے دوران) جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے انہیں اطلاع دے دی انہوں نے مجھے یوں لکھوایا حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى، (وَصَلَاةِ الْعَصْرِ،) وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

تشریح:

"کتب لها مصحفا" حضرت عائشہؓ کے اس غلام کا نام ابو یونس تھا حضرت عائشہؓ نے ان سے فرمایا تھا کہ میرے لئے قرآن عظیم لکھ کر تیار کرو اور جب لکھتے لکھتے تم آیت ﴿حافظوا على الصلوة......﴾ تک پہنچ جاؤ تو مجھے اطلاع کر دو جب اس نے اطلاع دیدی تو حضرت عائشہؓ نے آیت پڑھ کر وصلوة العصر کی قرأت کا اضافہ فرمایا، اسی طرح حضرت حفصہؓ نے بھی اپنے غلام کو مصحف لکھنے کا کہا تھا وہاں بھی اسی طرح قرأت کا اضافہ لکھوایا گیا، اسی طرح حضرت ام سلمہؓ نے بھی مصحف لکھوایا اور اسی طرح قرأت کا اضافہ فرمایا، ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ صلوۃ الوسطٰی سے مراد عصر کی نماز ہے گویا صلوۃ العصر عطف تفسیر کے طور پر صلوۃ الوسطٰی کی وضاحت میں آئی ہے، اس میں زیادہ قیل وقال کی ضرورت نہیں ہے، البتہ یہ اضافی قرأت بعد میں منسوخ ہوگئی، لیکن اس کا حکم باقی رہا اور امت کا جم غفیر اس پر متفق ہے کہ الوسطٰی سے عصر کی نماز مراد ہے الوسطٰی اوسط کی تانیث ہے جو اعدل کے معنی میں ہے۔

۱۳۶۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوقٍ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ عُقْبَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: } حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ] {البقرة:238] وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، فَقَرَأْنَاهَا مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ نَسَخَهَا اللهُ، فَنَزَلَتْ: } حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى] {البقرة: 238] "فَقَالَ رَجُلٌ كَانَ جَالِسًا عِنْدَ شَقِيقٍ لَهُ: هِيَ إِذْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَقَالَ الْبَرَاءُ: قَدْ أَخْبَرْتُكَ كَيْفَ نَزَلَتْ، وَكَيْفَ نَسَخَهَا اللهُ، وَاللهُ أَعْلَمُ "، قَالَ مُسْلِمٌ: وَرَوَاهُ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ عُقْبَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَرَأْنَاهَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَانًا بِمِثْلِ حَدِيثِ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی (ان الفاظ میں) حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ، وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، اور ہم اس کو اسی طرح پڑھتے رہے جب تک اللہ نے چاہا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور یہ آیت یوں نازل ہوئی: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ، وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى (حفاظت کرو نمازوں کی اور درمیانی نماز کی) ایک شخص ان کے بھائی کے پاس بیٹھا تھا وہ کہنے لگا کہ تب تو یہی صلوٰۃ عصر ہے (یعنی متعین ہوگیا) حضرت براءؓ

نے فرمایا: میں نے تمہیں بتلایا تو ہے کہ یہ کس طرح نازل ہوئی اور کیسے اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ فرمایا اور اللہ ہی کو سب سے زیادہ علم ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو اشجعی نے ان اسناد کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ہم نے ایک زمانہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس آیت کو پڑھا جیسا کہ فضیل بن مرزوق کی روایت ہے۔

۱۳۷۰۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، عَنْ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ، قَالَ أَبُو غَسَّانَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَوْمَ الْخَنْدَقِ جَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتْ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَوَاللهِ إِنْ صَلَّيْتُهَا، فَنَزَلْنَا إِلَى بُطْحَانَ، فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَضَّأْنَا، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن کفار قریش کو برا بھلا کہنا شروع ہو گئے اور فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ: مجھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ غروب آفتاب کے قریب بھی نماز پڑھی ہو (لیکن آج ان کفار نے قضا کرادی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واللہ! میں نے بھی نماز عصر نہیں پڑھی۔ چنانچہ ہم وادی بطحان (جو مدینہ کی ایک وادی ہے) میں اترے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم نے وضو کیا، پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔

تشریح:

"اصلی العصر" اس روایت میں حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میری عصر کی نماز قضاء ہوگئی اس سے پہلے روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو بددعا دی کہ میری صلوۃ وسطیٰ قضاء ہوگئی، ان روایات کے جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے اور اسی وجہ سے امام مسلم نے زیر بحث روایت کو صلوٰۃ وسطیٰ کی روایات کے ساتھ نقل کیا ہے اس روایات میں "ان صلیتھا" میں اِنْ نافیہ ہے جو ما صلیتھا کے معنی میں ہے۔

"بطحان" یہ مدینہ منورہ میں ایک مشہور وادی کا نام ہے جہاں صحت مند میٹھا پانی ہوتا تھا، جہاں پر یہود بنو نضیر آباد تھے، اس کے ساتھ دوسری وادی کا نام عقیق ہے اور تیسری کا نام قناۃ ہے۔

"بعد ما غربت الشمس" ضابطہ یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں میں جب ترتیب قائم ہو یعنی چھ سے کم قضاء ہوں تو پہلے قضاء شدہ نماز کا پڑھنا ضروری ہے، یہاں عصر کو پہلے ادا کیا گیا ہے، یہ اسی ضابطہ کی تائید ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ مغرب کا وقت اتنا تنگ نہیں ہے جس طرح شوافع حضرات فرماتے ہیں ورنہ عصر سے مغرب کو پہلے پڑھنا چاہئے تھا تاکہ مغرب کا وقت ختم نہ ہو جائے یہ بات اس وقت صحیح

ہوگی کہ یہ مانا جائے کہ مغرب کی نماز مغرب کے وقت ادا کی گئی تھی، خندق کے طویل محاصرہ میں مختلف احوال پیش آئے تھے اس باب کی بعض روایات میں "حشا الله" کا جملہ آیا ہے حشی یحشی ضرب یضرب سے بھرنے کے معنی میں ہے، بعض روایات میں "فرضة" کا کلمہ آیا ہے، جو منفذ، مدخل اور راستے کو کہتے ہیں، اس کی جمع فرض ہے جو ساتھ میں مذکور ہے۔

"ابت الشمس" نصر ینصر سے لوٹنے کے معنی ہیں مراد غروب ہونا ہے۔

۱۳۷۱۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا، وَقَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ

یحییٰ بن کثیر اس سند کے ساتھ سابقہ روایت (حضرت عمرؓ غزوۂ خندق کے دن کفار قریش برا بھلا کہنے لگے عصر کی نماز قضا کروانے پر) بعینہ منقول ہے۔

باب فضل صلوٰة الصبح والعصر والمحافظة عليهما

نماز فجر اور عصر کی فضیلت اور حفاظت

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۷۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ، وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے پاس آگے پیچھے رات اور دن کے فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں اور وہ سب فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری ہے وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور ان سے ان کا رب پوچھتا ہے کہ حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے انہیں چھوڑا تو وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے اور پہنچے تھے تب بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔

تشریح:

"یتعا قبون فیکم" یہ عقب سے ہے، پے در پے لگاتار ایک طائفہ آنے اور دوسرے کے جانے پر بولا جاتا ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ علماء نحو نے کہا ہے کہ جب فاعل اسم ظاہر ہے تو فعل ہمیشہ مفرد آتا ہے تثنیہ اور جمع نہیں ہوتا، حالانکہ یہاں ملائکۃ اسم ظاہر ہے مگر اس کا فعل یتعاقبون جمع کے صیغہ سے آیا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء نحات کے دو گرہوں میں اختلاف رائے ہے، عرب کے مشہور قبیلہ ''بنوالحارث'' کی رائے یہ ہے کہ فاعل اگرچہ اسم ظاہر ہو، فعل میں جمع اور تثنیہ کی ضمیر ظاہر کرنا جائز ہے، مشہور نحوی امام اخفش صاحب کی بھی یہی رائے ہے، ان حضرات نے اکلونی البراغیث سے استدلال کیا ہے۔ زیر بحث حدیث بھی ان کا مستدل ہے اور قرآن کی آیت ﴿واسروا النجوی الذین ظلموا﴾ سے بھی استدلال کیا ہے، نحات کا دوسرا بڑا طبقہ کہتا ہے کہ اس طرح فعل کو تثنیہ اور جمع کی ضمیر کے ساتھ استعمال کرنا جائز نہیں ہے، امام سیبویہ ان حضرات کی قیادت فرمارہے ہیں کہ اس طرح ناجائز ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں جو ضمیر جمع کی آئی ہے اور یا ''واسروا'' میں مذکور ہے یا اکلونی البراغیث میں ہے تو ان تمام جگہوں میں یہ ضمیر مبدل منہ کی جگہ میں واقع ہے اور بعد میں اسم ظاہر جو واقع ہے، وہ بدل ہے، بدل اور مبدل منہ مل کر فعل کیلئے فاعل بن جاتا ہے تو یہاں اسم ظاہر فاعل واقع نہیں ہے۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ عرب کے مختلف قبائل میں لغات کا اختلاف ایک مشہور بات ہے تو یہ جو لغت ہے، یہ اہل کوفہ کے عام عرب کی لغت ہے، فتوح الشام کی کتاب میں اگر دیکھا جائے تو پوری کتاب میں اسی طرح واقع ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

''ویجتمعون'' فرشتوں کا آنا اور ان نمازوں میں جمع ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے کہ یہ فرشتے عبادت میں بندوں کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں پھر ان نمازوں کی عبادت پر گواہ بن جاتے ہیں کہ سب نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ پھر ان دو نمازوں میں حاضر ہونا ان نمازوں کی عظمت کی طرف اشارہ ہے ویسے بھی فرشتوں کی ڈیوٹی بدلنے کے یہی اوقات ہیں، کیونکہ رات کی ڈیوٹی فجر میں ختم ہوجاتی ہے اور دن کی ڈیوٹی عصر میں ختم ہوجاتی ہے۔

''ثم یعرج'' فرشتوں کا چڑھنا اس طرح ہے کہ آسمانوں میں جو ان کے مقامات ہیں وہاں چلے جاتے ہیں۔

'باتوا فیکم'' یعنی رات کی ڈیوٹی کرنے کیلئے جو فرشتے رات کو انسانوں کے پاس رہے اسی کو ''باتوا'' کہا گیا تو یہ فرشتے مستقل طور پر زمین میں نہیں رہتے ہیں۔ ''فیسالھم ربھم'' اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ سوال اس لئے فرماتے ہیں تاکہ فرشتوں کو گواہ بنائے کہ انسانوں نے عبادت واطاعت کرلی اور یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ تخلیق انسان پر فرشتوں کا سوال بے جا تھا، انسان کتنا عبادت گزار ہے۔

۱۳۷۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَالْمَلَائِكَةُ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي الزِّنَادِ

حضرت ابوہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوالزناد کی روایت (رات دن کے فرشتے تمہارے پاس باری باری آتے رہتے ہیں صبح وعصر کی نماز میں سب کا اجتماع ہوتا ہے......الخ) کی طرح اخیر تک نقل کرتے ہیں۔

۱۳۷۳۔ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، وَهُوَ يَقُولُ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَقَبْلَ غُرُوبِهَا - يَعْنِي الْعَصْرَ وَالْفَجْرَ -،

ثُمَّ قَرَأَ جَرِيرٌ }وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے ایک نظر چودھویں کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: ''آگاہ رہو! تم اپنے رب کو عنقریب اسی طرح (وضاحت سے) دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس کے دیکھنے میں تم کو ایک دوسرے کی آڑ نہیں ہوتی۔'' پھر اگر تم سے ہو سکے تو طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب سے قبل کی نماز میں مغلوب نہ ہو جانا (کہ ان نمازوں کو ضائع کردو) یعنی عصر اور فجر کی نمازوں میں سستی سے مغلوب نہ ہو جاؤ) پھر جریر نے یہ آیت پڑھی: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ترجمہ: پھر آپ اپنے رب کی تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور آفتاب کے غروب سے پہلے'' (اس سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں)

۱۳۷۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، وَأَبُو أُسَامَةَ، وَوَكِيعٌ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: أَمَا إِنَّكُمْ سَتُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّكُمْ، فَتَرَوْنَهُ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، وَقَالَ: ثُمَّ قَرَأَ، وَلَمْ يَقُلْ: جَرِيرٌ

حضرت وکیعؒ سے اس سند کے ساتھ ایک روایت اس طرح ہے کہ تم کو عنقریب اپنے رب کے پاس پیش کیا جائے گا اور تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا اور اس روایت میں جریر کا نام بیان نہیں۔

۱۳۷۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، وَمِسْعَرٍ، وَالْبَخْتَرِيِّ بْنِ الْمُخْتَارِ، سَمِعُوهُ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَارَةَ بْنِ رُؤَيْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَقَبْلَ غُرُوبِهَا - يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ -، "فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ: آنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ الرَّجُلُ: وَأَنَا أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي"

عمارہ بن رؤیبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''وہ شخص ہرگز جہنم میں داخل نہ ہوگا جس نے (پابندی کے ساتھ) طلوع آفتاب سے قبل کی نماز یعنی فجر کی اور غروب آفتاب سے قبل والی نماز یعنی عصر کی ادائیگی کی۔ اہل بصرہ کے ایک شخص نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے خود حضور علیہ السلام سے یہ بات سنی ہے؟ فرمایا کہ ہاں! وہ کہنے لگا اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی بات سنی ہے اور میرے کانوں نے اسے سنا، میرے قلب نے اس کی حفاظت کی۔

تشریح:

''لن یلج النار''، یعنی جو شخص عصر اور فجر کی نماز پابندی سے پڑھے، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے ان دو نمازوں کو

دیدیا ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص اگر باقی نمازیں نہ پڑھے تو خیر ہے، بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص اس طرح مشقت والی نماز کو پڑھے گا تو وہ باقی نمازوں کو بطریق اولیٰ پڑھے گا اور نماز پر اس طرح مداومت کرنے والا دوزخ میں نہیں جائے گا یا اولاً نہیں جائے گا یا ہمیشہ وہاں نہیں رہے گا۔

''أ انت ''اس میں استفہام ہے کہ کیا آپ نے خود سنا ہے جب استفہام سے بات ثابت ہوگئی تو اس شخص نے خود اقرار کیا کہ میں نے بھی سنا ہے کانوں نے سنا اور دل نے یاد کیا اس طرح استفہام کو استفہام تثبیت کہتے ہیں اور لفظ ''لاتضامون ''گزر چکا ہے ای لا یلحقکم ضیم ومشقة فی رؤیة الله۔ کتاب الایمان میں تحقیق گزر چکی ہے۔

۱۳۷۶۔ وَحَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عُمَارَةَ بْنِ رُؤَيْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَلِجُ النَّارَ مَنْ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: آنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَشْهَدُ بِهِ عَلَيْهِ، قَالَ: وَأَنَا أَشْهَدُ، لَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهُ بِالْمَكَانِ الَّذِي سَمِعْتَهُ مِنْهُ "

حضرت عمارہؓ بن رؤیبہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا جس نے طلوع وغروب سے قبل کی نمازیں (پابندی سے) پڑھیں'' ایک بصری شخص ان کے پاس بیٹھا تھا کہنے لگا، کیا آپ نے خود حضور علیہ السلام سے یہ حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔اس نے کہا کہ میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جگہ جہاں تم نے سنی تھی میں نے سنی۔

۱۳۷۷۔ وَحَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ، حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ

ابی بکر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دو ٹھنڈی (صبح وعصر) نمازیں ادا کرتا رہے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

تشریح:

''من صلی البردین'' بردین برد کا تثنیہ ہے اس سے فجر اور عصر کی نماز مراد ہے خود نماز ٹھنڈی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہاں ان کے اوقات کو بردین کہا گیا ہے یعنی دو ٹھنڈے اوقات کی نمازیں جس میں سے ایک فجر کی نماز ہے، کیونکہ اس وقت موسم خوب مزیدار اور ٹھنڈا ہوتا ہے اور دوسری عصر کی نماز ہے اس وقت بھی حرارت کا زور ٹوٹ جاتا ہے، معلوم ہوا عصر کی نماز بھی ابراد میں پڑھنی چاہئے، آج کل سعودی عرب میں عصر بھی ظہر کی طرح خوب حرارت میں ہوتی ہے لیکن وہاں گرمی میں تو ہر وقت حرارت برقرار رہتی ہے۔

''دخل الجنة'' اس بشارت میں خوب تاکید ہے، کیونکہ ماضی کا صیغہ یقین کے لئے استعمال ہوتا ہے، یعنی یہ شخص تو جنت میں داخل ہو ہی گیا۔

۱۳۷۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ خِرَاشٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، قَالَا جَمِيعًا: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَنَسَبَا أَبَا بَكْرٍ، فَقَالَا: ابْنُ أَبِي مُوسَى

ہمام سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت (جو صبح وعصر کی نمازیں ادا کرتا رہے وہ جنت میں داخل ہوگا) منقول ہے۔

باب اوّل وقت المغرب عند غروب الشّمس

مغرب کا پہلا وقت غروب آفتاب سے ہے

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۷۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَاتِمٌ وَهُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَتَوَارَتْ بِالْحِجَابِ

حضرت سلمہؓ بن الاکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج غروب ہوکر پردہ میں چھپ جاتا تھا۔

تشریح:

''اذا غربت'' یعنی جونہی غروب آفتاب ہوجاتا اور سورج پردہ کے پیچھے چلا جاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھتے تھے، ان الفاظ میں اشارہ ہے کہ مغرب کی نماز جلدی ہوتی تھی، ساتھ والی روایت میں ''وانہ یبصر مواقع نبلہ'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد بھی اتنی روشنی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی نشانے پر تیر مارتا تو تیر کے لگنے کی جگہ نظر آتی اور نشانے کا پتہ چلتا۔ ان روایات سے مغرب کی نماز جلدی پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، مغرب کے وقت اول میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بس غروب آفتاب ہوتے ہی مغرب کا وقت ہوجاتا ہے اور شفق تک باقی رہتا ہے، مغرب کے آخر وقت میں اختلاف ہے، مگر وہ شفق کے تعین کی وجہ سے ہے کہ شفق کیا چیز ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک شفق اس حمرت کا نام ہے جو غروب آفتاب کے بعد ظاہر ہوجاتا ہے، اس کے خاتمے پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق اس سفیدی اور بیاض کا نام ہے جو اس حمرت کے بعد آتا ہے، اس کے خاتمے پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اہل لغت کی تصریحات امام صاحب کی تائید میں ہیں، اگرچہ صاحبینؒ جمہور کے ساتھ چلے گئے ہیں لہٰذا فتویٰ اس جانب پر دینا بہتر ہے، اس مسئلہ کی ساری تفصیلات پیچھے اوقات کی مباحث میں لکھی گئی ہیں، چونکہ مغرب کے وقت میں استحباب کی زیادہ گنجائش نہیں ہے، اس لئے وجوبی اوقات میں اس کا بیان ہوگیا ہے، یہاں استحبابی اوقات میں زیادہ تفصیل نہیں ہے۔

۱۳۹۰۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي أَبُو النَّجَاشِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، يَقُولُ: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا، وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ایسے وقت میں

پڑھتے تھے کہ نماز سے فراغت کے بعد ہم میں سے کوئی بھی اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا۔(اتنی روشنی ہوتی تھی مغرب سے فارغ ہوکر کہ اگر کوئی تیر مارے تو جہاں وہ گرے گا جا کر اس کو دیکھ سکتا تھا)

۱۳۹۱۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي أَبُو النَّجَاشِيِّ، حَدَّثَنِي رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ بِنَحْوِهِ

اس سند کے ساتھ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسب سابق (ہم مغرب کی نماز اسے وقت میں پڑھتے کہ نماز سے فراغت کے بعد ہم میں سے کوئی بھی اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا) روایت منقول ہے۔

باب وقت العشاء و تاخير ها

وقت عشاء میں تاخیر کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے چودہ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۳۹۲۔ وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، أَخْبَرَهُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي بِصَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَهِيَ الَّتِي تُدْعَى الْعَتَمَةَ، فَلَمْ يَخْرُجْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ حِينَ خَرَجَ عَلَيْهِمْ: مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ، وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْإِسْلَامُ فِي النَّاسِ زَادَ حَرْمَلَةُ فِي رِوَايَتِهِ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَذُكِرَ لِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تَنْزُرُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّلَاةِ، وَذَاكَ حِينَ صَاحَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء میں تاخیر کر دی اور اس عشاء کی نماز کو "عتمہ" کہا جاتا تھا اور حضور اقدس باہر تشریف نہ لائے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کھڑے ہو گئے اور فرمایا: عورتیں اور بچے سو گئے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اہل مسجد سے ارشاد فرمایا جب باہر تشریف لائے کہ تمہارے علاوہ روئے زمین کا کوئی فرد اس نماز کے انتظار میں نہیں ہے (گویا ان کی تعریف فرمائی کہ تم ہی اللہ کی بندگی کے فرض کو پورا کرنے کیلئے اتنی دیر تک انتظار کر رہے ہو، جبکہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہیں) اور یہ واقعہ لوگوں میں اسلام کے پھیلنے سے قبل کا ہے۔ حرملہ نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ابن شہاب نے مجھ سے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے روا نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کیلئے اصرار کرو" اور یہ اس

وقت فرمایا جب حضرت عمرؓ نے چیخ کر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کیا تھا)۔

تشریح:

''اعتم'' یہ باب افعال سے ہے اس کا مادہ "عتمۃ" ہے جو شدید اندھیرے کو کہتے ہیں "تدعی العتمۃ" یعنی دیہاتی اور عام لوگ اس کو عتمۃ کہتے ہیں جو شدید اندھیرے کو کہتے ہیں دیہاتی لوگ اونٹوں کے دودھ نکالنے کی وجہ سے اندھیرا کرتے تھے تاکہ کوئی دودھ نہ مانگے یا نظر بد نہ لگ جائے، روایتوں میں اس کی تصریح ہے "نام النساء و الصبیان" ان دو فریقوں کا نام لیا، کیونکہ یہ مشقت نہیں برداشت کر سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں، اس لئے زور زور سے آواز دی "من أھل الارض" یعنی زمین میں کوئی لوگ ایسے نہیں ہیں جو اس نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں صرف تم یہ ثواب کما رہے ہو۔ "قبل ان یفشو الاسلام" یہ قید اس لئے بڑھا دی گئی ہے تاکہ یہ اعتراض نہ ہو کہ زمین کی اطراف کا علم کس کو تھا، ہوسکتا ہے کسی خطہ میں نماز عشاء نہیں ہوتی ہو تو اس کا جواب اب دیا گیا کہ ابھی تک اسلام مدینہ سے باہر نہیں پھیلا تھا اور مدینہ کے لوگوں نے عشاء کی نماز ادا کر دی تھی، صرف مسجد نبوی میں لوگ انتظار میں بیٹھے تھے باقی مکہ مکرمہ میں کچھ مسلمان تھے، مگر وہ کھل کر نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے گھر میں تنہا ادا کرتے تھے، اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں تھا "ان تنزوا" یہ نصر ینصر سے ہے اصرار کے معنی میں ہے۔

۱۳۹۳ـ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ الزُّهْرِيِّ، وَذُكِرَ لِي وَمَا بَعْدَهُ۔

حضرت ابن شہابؒ سے حسب سابق روایت منقول ہے لیکن اس روایت میں زہری کا قول اور اس کے بعد کا حصہ مذکور نہیں۔

۱۳۹٤ـ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، كِلَاهُمَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بَكْرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ، قَالُوا جَمِيعًا: عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْمُغِيرَةُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ، وَحَتَّى نَامَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى، فَقَالَ: إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ: لَوْلَا أَنْ يَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر فرمائی کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا اور مسجد میں بیٹھے لوگ سو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی اور فرمایا کہ ''اگر میری امت پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس نماز عشاء کا (مستحب) وقت یہی ہے'' اور عبدالرزاق کی روایت میں الفاظ ہیں کہ اگر میری امت پر مشقت نہ ہو۔

تشریح:

"عامة اللیل" یعنی رات کا اکثر حصہ چلا گیا، یہ مطلب نہیں کہ پوری رات گزر گئی، اسی کو دوسری روایت میں شطر اللیل کہا گیا ہے، "انہ لوقتھا" یعنی عشاء کا مستحب وقت یہی ہے۔ "لولا اشق علی امتی" یعنی اگر امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو اسی وقت تک تاخیر کا حکم دیتا اور ان پر واجب کر دیتا اب حکم تو ہے لیکن استحباب کا ہے وجوب کا نہیں ایک روایت میں "ان یثقل" کا لفظ ہے وہ بھی محنت اور بوجھ کے معنی میں ہے۔

۱۳۹۵ـ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَخَرَجَ إِلَيْنَا حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، أَوْ بَعْدَهُ، فَلَا نَدْرِي أَشَيْءٌ شَغَلَهُ فِي أَهْلِهِ، أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ، فَقَالَ حِينَ خَرَجَ: إِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُونَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرُكُمْ، وَلَوْلَا أَنْ يَثْقُلَ عَلَى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هَذِهِ السَّاعَةَ، ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَلَّى

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم نماز عشاء کی ادائیگی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ٹھہرے رہے، آپ ایک تہائی یا اس سے زائد رات گزرنے کے بعد تشریف لائے، ہمیں نہیں علم کہ کسی کام نے آپ کو نماز سے روکے رکھا یا کوئی اور بات تھی، پھر باہر تشریف لانے کے بعد آپ نے فرمایا: "تم جو اس نماز کا انتظار کر رہے ہو تو تمہارے علاوہ کسی بھی دین کا کوئی بھی پیروکار اس کا انتظار نہیں کرتا تھا اور اگر مجھے اپنی امت پر گرانی ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں (ہمیشہ) ان کو اسی وقت نماز پڑھاتا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کو اقامت کا حکم دیا تو اس نے اقامت کہی پھر آپ نے نماز پڑھی۔

۱۳۹۶ـ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً، فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ رَقَدْنَا، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ اللَّيْلَةَ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے قوت مشغول ہو گئے (کسی کام میں) اور اتنی تاخیر فرمائی کہ ہم مسجد میں ہی سو گئے پھر ہم نے جاگنا چاہا لیکن سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ روئے زمین پر تمہارے علاوہ کوئی نہیں جو آج رات اس کا انتظار کر رہا ہو"۔

۱۳۹۷ـ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ الْعَمِّيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ،

أَنَّهُمْ سَأَلُوا أَنَسًا عَنْ خَاتَمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَخَّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، أَوْ كَادَ يَذْهَبُ شَطْرُ اللَّيْلِ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا، وَنَامُوا، وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ ، قَالَ أَنَسٌ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ مِنْ فِضَّةٍ، وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُسْرَى بِالْخِنْصِرِ

حضرت ثابتؒ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت انسؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ''ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز آدھی رات تک یا اس کے قریب قریب تک مؤخر کردی پھر آپ تشریف لائے اور فرمایا، لوگ تو نماز پڑھ کر سو چکے ہیں لیکن تم جب تک نماز کے انتظار میں ہو تو (درحقیقت) نماز میں ہی ہو۔ انسؓ نے فرمایا کہ گویا میں (چشم تصور سے) آپ کی چاندی کی انگوٹھی کی چمک کو دیکھ رہا ہوں اور انہوں نے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کو بلند کر کے اشارہ کیا (کہ آپ اس انگلی میں پہنے ہوئے تھے)

تشریح:

''صلوا وناموا'' نام کا لفظ بھی ہے اور نام اهل المسجد بھی ہے اور ''رقدنا'' کا جملہ بھی ہے، ان سب سے نوم خفیف مراد ہے جو جلوس کی حالت میں تھی، جس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ ''وبیص خاتمه'' وبیص چمک کو کہتے ہیں، چاندی کی انگوٹھی تھی، اس کی چمک کو وبیص کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ ''ورفع اصبعه اليسرى بالخنصر'' یعنی حضرت انسؓ نے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھائی اور چھنگلی سے اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ بالخنصر ای مشيراً بالخنصر بانه صلى الله عليه وسلم لبس الخاتم فى هذه۔ ''نظر نا'' ای انتظرنا یہ انتظار کے معنی میں ہے۔

۱۳۹۸۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ، حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: نَظَرْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً حَتَّى كَانَ قَرِيبٌ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ فِي يَدِهِ مِنْ فِضَّةٍ

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ دیکھتے رہے حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے نماز پڑھی اور ہماری طرف رخ فرمایا میں گویا آج بھی آپ کے ہاتھ میں موجود چاندی کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

۱۳۹۹۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْعَطَّارُ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ الْحَنَفِيُّ، حَدَّثَنَا قُرَّةُ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يَذْكُرْ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ۔

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ سے حسب سابق روایت منقول ہے باقی اس روایت میں ہماری طرف متوجہ ہونے کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

۱۴۰۰۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْأَشْعَرِيُّ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِينَ قَدِمُوا مَعِي فِي السَّفِينَةِ نُزُولًا فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ، فَكَانَ يَتَنَاوَبُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ، قَالَ أَبُو مُوسَى: فَوَافَقْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَأَصْحَابِي وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي أَمْرِهِ، حَتَّى أَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: عَلَى رِسْلِكُمْ، أُعْلِمُكُمْ وَأَبْشِرُوا أَنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ يُصَلِّي هَذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ، أَوْ قَالَ: مَا صَلَّى هَذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ - لَا نَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ -، قَالَ أَبُو مُوسَى: فَرَجَعْنَا فَرِحِينَ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو میرے ساتھ کشتی کا سفر کر کے آئے تھے بطحان کی وادی میں پڑاؤ کئے ہوئے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے۔ ہماری ایک جماعت باری باری روزانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک ہوتی تھی، جب ہماری باری آئی کہ میں اور میرے ساتھی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوں (عشاء کی نماز کیلئے) تو اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام درپیش ہو گیا یہاں تک کہ رات کافی گزر گئی اور بہت گہری ہو گئی (کہ اس کے ستارے روشن ہو گئے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سب کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حاضرین سے فرمایا، ٹھہرو! میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ خوش ہو جاؤ کہ یہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس وقت میں تمہارے علاوہ کسی نے نماز نہیں پڑھی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر ہم بے حد فرحاں وشاداں واپس لوٹے۔

تشریح:

"فی السفینہ" جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ سے کشتی کے ذریعہ سے دوسری ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے وہ اصحاب السفینۃ کے نام سے مشہور ہیں، یہاں وہی مراد ہیں، اصل قصہ اس طرح ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے ہجرت کی غرض سے کشتی میں سوار ہو کر مدینہ روانہ ہوئے مگر ہوا مخالف ہوئی اور کشتی کو حبشہ تک پہنچا دیا، وہ سات سال تک حبشہ میں رہے اور پھر کشتی میں سوار ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کی، یہ غزوہ خیبر کا موقع تھا، اسی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان حضرات کو اصحاب سفینہ کہتے ہیں۔ "بقیع بطحان" بطحان پر اس سے پہلے کلام ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک وادی کا نام ہے، یہاں اس کے ساتھ بقیع کا لفظ لگا ہوا ہے۔ یہ بھی غالباً وہی جگہ بقیع غرقد مدینہ کا قبرستان ہے، بقیع الزبیر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وادی ہے، بقیع بطحان بھی جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔

"یتناوب" باری باری آنے جانے کو کہتے ہیں تعلیم کی غرض سے ایسا ہوتا تھا۔

"نفر" یتناوب کا فاعل ہے۔ "علی رسلکم" یعنی ذرا ٹھہر جاؤ، میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔

"اعلمکم"یعنی بشارت سنو، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ان من نعمة الله یہ اعلمکم کیلئے معمول ہے، یعنی تم پر اللہ کی نعمت ہے۔

۱۴۰۱۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَيُّ حِينٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ أَنْ أُصَلِّيَ الْعِشَاءَ، الَّتِي يَقُولُهَا النَّاسُ الْعَتَمَةَ، إِمَامًا وَخِلْوًا؟ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: أَعْتَمَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ الْعِشَاءَ، قَالَ: حَتَّى رَقَدَ نَاسٌ وَاسْتَيْقَظُوا، وَرَقَدُوا وَاسْتَيْقَظُوا، فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: الصَّلَاةَ، فَقَالَ عَطَاءٌ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى شِقِّ رَأْسِهِ، قَالَ: لَوْلَا أَنْ يَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا كَذَلِكَ، قَالَ: فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً، كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِنْ تَبْدِيدٍ، ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلَى قَرْنِ الرَّأْسِ، ثُمَّ صَبَّهَا، يُمِرُّهَا كَذَلِكَ عَلَى الرَّأْسِ، حَتَّى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ، ثُمَّ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ، لَا يُقَصِّرُ وَلَا يَبْطِشُ بِشَيْءٍ، إِلَّا كَذَلِكَ، قُلْتُ لِعَطَاءٍ: "كَمْ ذُكِرَ لَكَ أَخَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَتَئِذٍ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، قَالَ عَطَاءٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أُصَلِّيَهَا إِمَامًا وَخِلْوًا مُؤَخَّرَةً كَمَا صَلَّاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَتَئِذٍ، فَإِنْ شَقَّ عَلَيْكَ ذَلِكَ خِلْوًا أَوْ عَلَى النَّاسِ فِي الْجَمَاعَةِ، وَأَنْتَ إِمَامُهُمْ، فَصَلِّهَا وَسَطًا، لَا مُعَجَّلَةً، وَلَا مُؤَخَّرَةً"

ابو جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاءؒ بن ابی رباح سے کہا کہ آپ کے نزدیک عشاء کی نماز کیلئے جسے لوگ "عتمہ" کہتے ہیں کونسا وقت پسندیدہ ہے امامت کیلئے بھی اور تنہا انفراداً بھی؟ انہوں نے فرمایا: "میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر فرمائی کہ لوگ سوتے جاگتے سوتے جاگتے رہے (یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ بن الخطاب نے کھڑے ہوکر (زور سے) فرمایا! نماز۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام باہر تشریف لائے، میں گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اپنا ایک ہاتھ سر کی طرف رکھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: "اگر میری امت پر گراں نہ گزرتا تو میں انہیں یہی حکم دیتا کہ اسی وقت میں نماز پڑھیں" ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاءؒ سے وضاحت سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کس طرح اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے؟ جیسے انہیں ابن عباسؓ نے بتلایا تھا، تو عطاءؒ نے اپنی انگلیوں کو ذرا سا کھولا اور ان کے پوروں کو سر کے ایک ایک طرف رکھا پھر انہیں ذرا سا جھکا کر سر پر پھیرا۔یہاں تک کہ ان کا انگوٹھا کان کے ایک طرف کو چھونے لگا چہرہ کی طرف اسی طرح کنپٹی اور ڈاڑھی کے انتہائی کنارہ پر پھیرا۔یہاں تک کہ ان کا انگوٹھا کان کے ایک طرف کو چھونے لگا چہرہ کی طرف اسی طرح کنپٹی اور ڈاڑھی کے انتہائی کنارہ پر پھیرا اس طرح کہ نہ کسی پر پڑتا تھا نہ کسی کو پکڑتا تھا مگر اس طرح۔ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاءؒ سے کہا کہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی تاخیر فرمائی تھی، اس کا بھی ذکر کیا ہوگا ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے علم نہیں۔عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں یہی پسند

کرتا ہوں کہ عشاء کی نماز کو اتنا ہی مؤخر کر کے پڑھا کروں خواہ امام ہوں یا تنہا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اس رات۔ پھر اگر تم پر تنہا اتنی تاخیر سے نماز پڑھنا بھاری ہو یا تم لوگوں کے امام ہو جماعت میں تو ان صورتوں میں درمیانے وقت میں عشاء کی نماز پڑھو نہ جلدی کرو نہ تاخیر۔

تشریح:

"اماماً وخلواً" خواہ جماعت کے ساتھ پڑھے یا تنہا نماز پڑھے، مگر یہ وقت بہت ہی اچھا مستحب وقت ہے۔

"یقطر رأسه ماءً" معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ابھی غسل فرمایا، اس لئے دیر ہوگئی یا لشکر کی تیاری میں دیر ہوگئی، ایک بریلوی محمد شفیع اوکاڑوی صاحب نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ آتے تھے، آنحضرت نماز کیلئے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ کس کیلئے نماز پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تو خود یہاں آیا ہوں، تم کدھر جارہے ہو؟ پھر شفیع اکاوڑوی بریلوی نے بھرے مجمع میں خطاب کے دوران کہا کہ آج یہ عقدہ حل ہوا کہ آنحضرتؐ نے نماز میں کیوں دیر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے، کتنے بڑے گمراہ کن خیالات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ شارحین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر کے بھیجنے کی ترتیب میں مشغول تھے۔ الشغل المذکور کان فی تجهیز الجیش۔ (طبرانی)۔

"فاستثبت عطاء" ابن جریج راوی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عطاء سے کیفیت پوچھی کہ ہاتھ رکھنے کی کیفیت کیا تھی؟ اس کو ثابت کرنا چاہا کہ آپ مجھے وہ کیفیت بتائیں، جس طرح ابن عباسؓ نے آپ کو خبر دے کر بتائی تھی۔

"فبددلی" یعنی عطاء نے مجھے سمجھانے کیلئے اپنی انگلیاں کچھ کھول دیں۔

"قرن الرأس" سر کا اوپر والا حصہ۔ "اصبها" پھیرنے، کھینچنے اور جھکانے کے معنی میں ہے۔ "ابهامه" یعنی انگوٹھا کان کے اس حصہ سے لگ گیا جو حصہ چہرہ کی طرف ہوتا ہے۔

"علی الصدغ" یعنی پھر عطاء نے کنپٹی پر ہاتھ پھیرا اور داڑھی کے کنارے پر پھیرا۔ "لایقصر" یعنی یہ ہاتھ نہ کسی چیز کو پکڑتا تھا اور نہ چھوڑتا تھا، بخاری میں لایقصر کی جگہ لایعصر ہے جو چھونے اور نچوڑنے کے معنی میں ہے، یعنی اوپر اوپر پھرا دیا۔

"اماما وخلواً" یعنی میں یہ پسند کرتا ہوں کہ خواہ میں امام ہوں یا منفرد ہوں کہ میں عشاء کو تاخیر سے پڑھوں اگر تم پر شاق گزرتا ہو تو اعتدال کے ساتھ متوسط انداز سے پڑھاؤں۔

۱۴۰۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں تاخیر فرمایا کرتے تھے۔

۱۴۰۳۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ

سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ نَحْوًا مِنْ صَلَاتِكُمْ، وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا، وَكَانَ يُخِفُّ الصَّلَاةَ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كَامِلٍ يُخَفِّفُ۔

حضرت جابرؓ بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری نمازوں کی طرح نمازیں پڑھتے تھے (سب نمازیں تقریباً اسی وقت پڑھتے تھے جن اوقات میں تم پڑھتے ہو) البتہ عشاء کی نماز میں تمہاری نمازوں کی بہ نسبت تاخیر کیا کرتے تھے اور نماز ہلکی پڑھا کرتے تھے (طویل قرأت نہ کرتے تھے)

۱۴۰۴۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَبِيدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ، أَلَا إِنَّهَا الْعِشَاءُ، وَهُمْ يُعْتِمُونَ بِالْإِبِلِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''دیہاتی اور گنوار لوگ تمہاری اس عشاء کی نماز کے نام پر غالب نہ ہو جائیں۔ یاد رکھو اس کا نام عشاء ہے اور وہ چونکہ اتنی دیر سے اونٹنیوں کا دودھ دوہتے ہیں (اس لئے اس نماز عشاء کو عتمہ کہتے ہیں)

۱۴۰۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي لَبِيدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءِ، فَإِنَّهَا فِي كِتَابِ اللهِ الْعِشَاءُ، وَإِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْإِبِلِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ دیہاتی تمہاری عشاء کی نماز کے نام کو ختم نہ کر دیں کیونکہ اس نماز کا نام اللہ کی کتاب میں عشاء ہے اور یہ دیہاتی اس وقت اونٹنیوں کا دودھ دوہنے کی بناء پر اسے عتمہ کہتے ہیں۔

تشریح:

''لاتغلبنكم الاعراب'' یعنی دیہاتی لوگ تمہاری عشاء کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آجائیں، قرآن میں اس کا نام عشاء ہے، لیکن دیہاتی اس کو ''عتمة'' کہتے ہیں، لہٰذا تم عشاء کی اصطلاح کو عام رکھو، اس سے معلوم ہوا کہ شرعی اصطلاحات کی حفاظت ایک شرعی حکم ہے تاکہ مسلمانوں کی اصطلاحات خراب ہو کر دوسری زبانوں میں غائب نہ ہو جائیں، جیسا کہ آج کل اس طرح ہو گیا ہے کہ سلام کے الفاظ، اس کے اوقات کے الفاظ، اسلامی تاریخی مقامات کے الفاظ، اسی طرح رشتہ داروں کے ناموں کی اصطلاحات بدل دی گئی ہیں، اب یہاں یہ سوال ہے کہ اس ممانعت کے باوجود عشاء پر عتمة کا اطلاق احادیث میں مذکور ہے، وہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کی بات اس وقت تھی جب عشاء کے لفظ پر عتمة کے لفظ کے غالب آنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا جب یہ خطرہ نہیں رہا اور عشاء کی اصطلاح عام ہو گئی تو ممانعت ختم ہو گئی، اب یہ بات کہ دیہاتی عشاء کو عتمة کیوں کہتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اونٹوں کا دودھ نکالنے میں دیر

کیا کرتے تھے تا کہ کوئی سائل نہ آئے یا دودھ پر نظر بد نہ لگ جائے، اسی حقیقت کی طرف اس لفظ میں اشارہ ہے: "وھم یعتمون بالابل" یعنی دودھ دھونے کی غرض سے اندھیرا کرتے تھے "فانھا تعتم بحلاب الابل" یہاں خوب تصریح ہے کہ اونٹوں کا دودھ نکالنے کی غرض سے دیر کرتے تھے، اس لئے اس کو عتمة کہنے لگے تھے۔

سوال: اب یہاں یہ سوال ہے کہ عتمة کا لفظ استعمال کرنا جب منع تھا تو اس کو کئی احادیث میں کیوں استعمال کیا گیا ہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بیان جواز کیلئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ استعمال مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے، اب جائز ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ناواقف لوگوں کے سامنے اس مشہور نام کو لیا گیا ہے، وہ لوگ عشاء کو نہیں جانتے تھے، گویا ضرورت کے تحت عتمة کا اطلاق کیا گیا ہے، اس سے پہلے بھی اس اعتراض کا جواب لکھ چکا ہوں۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مغرب پر بھی عشاء کا اطلاق ہوتا ہے، مگر فرق کرنے کیلئے مغرب کو العشاء الاولیٰ اور عشاء کو العشاء الآخرة کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

باب استحباب التغليس فی الصبح

فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنے کے مستحب ہونے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۴۰۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، كُلُّهُمْ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ كُنَّ يُصَلِّينَ الصُّبْحَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مسلمان خواتین صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں (جماعت میں) پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس لوٹتی تھیں کوئی ان کو پہچان نہ پاتا تھا۔

تشریح:

"متلفعات" ای متلففات یعنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں۔ یہ مُتَلَبِّبَاتٌ کے وزن پر ہے لفظاً و معنیً۔

"بمروطھن" یہ جمع ہے اس کا مفرد مرط ہے چادر کو کہتے ہیں "ای باکسیتھن"

"ولا یعرفھن احد" یعنی اندھیرے کی وجہ سے یہ عورتیں نہیں پہچانی جاتی تھیں، معلوم ہوا کہ فجر کی نماز آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں سویرے سویرے اندھیرے میں ہوتی تھی، ساتھ والی روایات میں من الغلس کے الفاظ مذکور ہیں، من تغلیس رسول الله صلی الله علیه وسلم بالصلوٰة کے الفاظ بھی ہیں، جس میں ذرا بھی شک نہیں کہ نماز اندھیرے میں ہوتی تھی، کچھ دیگر روایات میں آنحضرتؐ کا قول موجود ہے کہ فجر کی نماز اسفار اور روشنی میں پڑھا کرو اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

فجر کا مستحب وقت

روایات کے اس اختلاف سے فقہاء کرام کے درمیان بھی فجر کے مستحب وقت میں اختلاف ہو گیا۔اگر چہ اس پر اتفاق ہے کہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک پورا وقت فجر کی نماز کا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ یعنی جمہور کے نزدیک فجر کی نماز غلس میں پڑھنا افضل ہے کہ ابتداء بھی غلس میں ہو اور انتہاء بھی غلس میں ہو۔

امام ابوحنیفہؒ سفیان ثوریؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فجر کی نماز اسفار میں شروع کرنا اور اسفار ہی میں ختم کرنا افضل ہے، لیکن اس میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر فجر کی نماز فاسد ہو جائے تو اعادہ کرنے کیلئے وقت میں گنجائش ہو۔امام محمدؒ سے ایک قول منقول ہے جس کو امام طحاویؒ نے لیا ہے، ان دونوں کے نزدیک ابتدا غلس میں افضل ہے، مگر قرأت کو اتنا طویل کیا جائے کہ انتہاء اسفار میں ہو جائے، اس طرح غلس اور اسفار والی دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا اور احادیث میں تطبیق ہو جائے گی، لیکن اس مسلک میں ثقل اور بڑا بوجھ ہے۔

دلائل:

اس باب میں فجر سے متعلق جتنی احادیث ہیں، وہ جمہور کے مسلک کیلئے دلائل ہیں۔

جمہور کی ایک دلیل حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصبح بغلس ثم صلی مرۃ اخری فاسفر بھا ثم کانت صلوۃ بعد ذلک فی الغلس حتی مات ولم یعد الی ان یسفر۔ (رواہ ابو دائود)

یعنی زندگی کا معمول غلس کا تھا، ایک مرتبہ اسفار کیا، پھر کبھی نہ کیا، جمہور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اسی معمول اور فعلی روایت سے استدلال کیا ہے اور ان روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں، جن میں اول وقت میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے اور مشکوۃ کی فصل ثالث کی حضرت عمرؓ والی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں، جس میں یہ الفاظ ہیں: "الصبح و النجوم بادیۃ مشتبکۃ" یعنی جب آسمان میں گنجان ستارے چمکتے ہوں تو اس وقت اندھیرا ہوتا ہے، معلوم ہوا اندھیرے میں نماز پڑھائی جاتی تھی۔

ائمہ احناف کے دلائل اس مسئلہ میں بہت ہیں، چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱): احناف کی پہلی دلیل اس باب کی آخری روایت ہے جو ابو برزہ اسلمیؓ سے منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: وینصرف حین یعرف بعضنا وجہ بعض۔ طرز استدلال اس طرح ہے کہ جب ایک ساتھی دوسرے کو پہچاننے لگتا ہے، خاص کر جب کہ مسجد تنگ ہو تو اس وقت خوب روشنی ہوتی ہے، یہ اسفار کی دلیل ہے، پھر ساٹھ سے سو تک آیات پڑھنا بھی اسفار کی دلیل ہے۔

(۲): احناف کی دوسری دلیل بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ اختصار کے ساتھ یہ ہیں:

"ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ بغیر وقتھا الا بجمع الی ان قال وصلی صلوۃ الصبح من الغد قبل

وقتھا۔" (رواہ البخاری)
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی نماز کو اس کے وقت معتاد سے پہلے ادا نہیں فرمایا، صرف مزدلفہ میں آپ نے وقت معتاد سے پہلے فجر کی نماز پڑھائی، جو غلس میں تھی، اس سے معلوم ہوا کہ عام عادت غلس کی نہیں تھی۔
(۳): احناف کی تیسری دلیل جو اپنے مدعا پر سب سے زیادہ واضح اور دوٹوک دلیل ہے، ابوداؤد میں رافع بن خدیجؓ کی حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر۔" (رواہ الترمذی و ابو دائود)
اس واضح دلیل میں امام شافعیؒ نے ایک تاویل کی ہے، جو کتاب الام میں مذکور ہے۔
وہ تاویل یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اسفار مراد نہیں بلکہ اسفروا کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی نماز کو خوب یقینی بنا کر پڑھا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ طلوع فجر سے پہلے پڑھ لو لہٰذا جب تم کو واضح اندازہ ہو جائے کہ صبح صادق کا وقت ہو گیا ہے تو اس وقت فجر کی نماز پڑھو، گویا اس حدیث کا اسفار سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور نہ یہ غلس کے منافی ہے۔
اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ تاویل بالکل بے محل ہے، کیونکہ اس کے ساتھ دوسرا جملہ "فانه اعظم للاجر" موجود ہے اور اعظم اسم تفضیل ہے، تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ طلوع فجر کا جب یقین ہو جائے تو نماز پڑھا کرو، کیونکہ یہ اجر وثواب میں بہت بڑا ہے اور اگر طلوع فجر سے پہلے نماز پڑھ لی تو وہ بھی جائز ہوگی، مگر اجر وثواب اس میں کم ملے گا، یہ مطلب بالکل غلط ہے، کیونکہ اس تاویل سے حدیث کا پورا مفہوم بگڑ جائے گا، نیز یہ تاویل اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس روایت میں تو اسفروا کا لفظ ہے، لیکن دیگر روایات میں کلما اسفرتم کے الفاظ ہیں، وہاں تو یقین کا مطلب نہیں لیا جا سکتا ہے جو امام شافعیؒ نے لیا ہے۔ ایک روایت میں کلما اصبحتم بالفجر ہے، ایک روایت میں نوروا بالفجر فانه اعظم للاجر کے الفاظ ہیں۔ ایک روایت میں حین اسفرت الارض کے الفاظ ہیں۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"یا بلال اسفر بالصبح حتی یبصر القوم موقع نبلھم من الاسفار"
یعنی فجر کی نماز اتنی روشن کرو کہ لوگ اگر نشانے پر تیر پھینک دیں تو تیر لگنے کی جگہ نظر آ جائے، ان الفاظ اور تفصیلات کی موجودگی میں حضرت امام شافعیؒ کی تاویل قابل التفات نہیں ہے، بہر حال احناف کے دلائل کثیر بھی ہیں اور واضح بھی ہیں، اگر چہ جمہور کے پاس بھی دلائل ہیں، جن کو امام مسلم نے یہاں نقل کیا ہے۔

۱۴۰۷۔ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، أَخْبَرَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: لَقَدْ كَانَ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ الْفَجْرَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ، وَمَا يُعْرَفْنَ مِنْ تَغْلِيسِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ مؤمن خواتین فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ حاضر ہوتیں چادروں میں لپٹی ہوئی پھر وہ اپنے گھروں کو لوٹتی تو پہچانی نہ جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندھیرے میں نماز پڑھانے کی وجہ سے (یعنی چونکہ اندھیرے میں ہی نماز سے فارغ ہو جاتی تھیں تو اندھیرے کی وجہ سے انہیں پہچاننا ممکن نہ ہوتا تھا)

۱۴۰۸۔ وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ، فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ فِي رِوَايَتِهِ: مُتَلَفِّفَاتٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تھے (اور نماز سے فارغ ہو کر) خواتین چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے انہیں پہچانا نہ جاتا تھا۔

۱۴۰۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْحَجَّاجُ الْمَدِينَةَ، فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا يُؤَخِّرُهَا، وَأَحْيَانًا يُعَجِّلُ، كَانَ إِذَا رَآهُمْ قَدِ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ قَدْ أَبْطَؤُوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ كَانُوا - أَوْ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ"

محمدؒ بن عمرو بن الحسن بن علیؒ فرماتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی (حاکم بن کر) مدینہ آیا، اس زمانہ میں ہم نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سخت گرمی میں (زوال کے فوراً بعد) پڑھتے تھے اور عصر کی نماز پڑھتے تھے تو اس وقت سورج بالکل صاف ہوتا تھا، مغرب کی نماز غروب کے بعد اور عشاء کبھی مؤخر کر کے اور کبھی جلدی ادا کرتے تھے، جب آپ دیکھتے کہ سب جمع ہو گئے ہیں تو جلدی کر لیا کرتے اور جب دیکھتے کہ لوگوں نے (جمع ہونے میں) سستی کی تو تاخیر سے ادا کرتے تھے۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کرتے تھے۔

تشریح:

''لما قدم الحجاج'' اس سے حجاج بن یوسف مراد ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان نے ۷۴ھ میں حجاج کو حرمین کا گورنر مقرر کیا تھا، اس کے بعد عراق کا گورنر بنایا تھا، اس کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ یہ نمازوں میں تاخیر کرتا تھا، جب یہ مدینہ میں آیا تو نمازوں میں تاخیر کرنے لگا، اس لئے حضرت جابرؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم کیا کریں، اس کے ساتھ پڑھیں یا الگ پڑھیں؟ آپ نے نمازوں کے مستحب اوقات کا بیان کیا کہ نمازوں کے مستحب اوقات یہ ہیں۔

"بالھاجرۃ" یعنی ظہر کی نماز دوپہر کے وقت زوال شمس کے ساتھ پڑھاتے تھے، ھاجرۃ، ھجرۃ، الھجر اور الھجیر نصف النہار کو کہتے ہیں، اس وقت لوگ کام کاج کو چھوڑ کر سائے کی طرف بھاگتے ہیں، ہاجرہ چھوڑنے کے معنی میں ہے، اس سے زوال کا اول وقت مراد ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے ظہر کے ابراد کا حکم احادیث میں موجود ہے تو ابراد اور ہجیرہ میں تضاد و تعارض ہے، ایک میں دیر کا حکم ہے دوسرے میں سویر کا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابراد والی روایات گرمی کے موسم سے متعلق ہیں اور ہجیرہ کی روایات سردی کے موسم سے متعلق ہیں۔

"قد ابطؤا اخر" یعنی جب لوگ جمع ہونے اور پہلے آنے میں سستی کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کو مؤخر فرماتے تھے تاکہ لوگ آجائیں اور جماعت میں کثرت ہوجائے۔

حدیث کے اس جملہ سے ایک ضابطہ سمجھ میں آگیا، وہ یہ کہ تکثیر جماعت شریعت کی نظر میں بہت اہم چیز ہے لہٰذا نمازوں کے اوقات میں اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے، اس ضابطہ سے احناف کے مسلک کو ہر جگہ فائدہ ہوگا۔

فائدہ

نمازوں کے مستحب اوقات کے تعین میں جن فقہاء کے اختلافات ہیں وہ سب اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اختلافات ہیں، جواز اور عدم جواز کے نہیں ہیں۔ لہٰذا ان اختلافات کو وجہ تنازع نہیں بنانا چاہئے۔

احناف نے تکثیر جماعت کے پیش نظر تاخیر عشاء کو افضل فرمایا ہے، جو آئندہ حدیث میں بھی مذکور ہے، لہٰذا اول وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت کے احناف انکار نہیں کرتے تھے۔

١٤١٠ ـ وَحَدَّثَنَاهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: كَانَ الْحَجَّاجُ يُؤَخِّرُ الصَّلَوَاتِ، فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بِمِثْلِ حَدِيثِ غُنْدَرٍ

محمد بن عمرو بن الحسن بن علی فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نمازوں میں تاخیر کیا کرتا تھا تو ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ بقیہ حدیث غندر والی روایت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سخت گرمی میں پڑھتے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج بالکل صاف ہوتا تھا۔۔۔۔۔الخ) کی طرح ہے۔

١٤١١ ـ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِي سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يَسْأَلُ أَبَا بَرْزَةَ، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: قُلْتُ: آنْتَ سَمِعْتَهُ؟ قَالَ: فَقَالَ: كَأَنَّمَا أَسْمَعُكَ السَّاعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَسْأَلُهُ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: " كَانَ لَا يُبَالِي بَعْضَ تَأْخِيرِهَا - قَالَ: يَعْنِي الْعِشَاءَ - إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا، وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا "، قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ لَقِيتُهُ بَعْدُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: وَكَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ يَذْهَبُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، قَالَ: وَالْمَغْرِبَ لَا أَدْرِي أَيَّ حِينٍ

ذَكَرَ، قَالَ: ثُمَّ لَقِيتُهُ بَعْدُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: وَكَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ جَلِيسِهِ الَّذِي يَعْرِفُ فَيَعْرِفُهُ، قَالَ: وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ

سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو ابو برزہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال کرتے سنا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کیا آپ نے خود ابو برزہؓ سے سنا؟ فرمایا کہ (میں نے خود اتنی وضاحت سے سنا) گویا میں ابھی بھی سن رہا ہوں۔ میں نے اپنے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال کرتے سنا تو انہوں نے (ابو برزہؓ) نے فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرنے کی زیادہ پروانہ کرتے تھے (یعنی اتنی تاخیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کوئی فکر کی بات نہ تھی) اور آپ اس سے قبل سونے کو پسند نہ فرماتے تھے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں پھر دوبارہ (سیار) سے ملا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا، آپ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے فوراً بعد پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے (کہ اس سے فراغت کے بعد) آدمی مدینہ کے کنارہ تک جاتا تھا اور (وہاں پہنچ کر بھی) سورج خوب نکلا ہوتا تھا (جس کا مقصد یہ ہے کہ غروب سے کافی دیر قبل نماز عصر ادا کرتے تھے) سیار کہتے ہیں کہ مغرب کا مجھے نہیں معلوم کیا وقت انہوں نے (ابو برزہ) نے ذکر کیا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں پھر ان سے ملا اور پوچھا تو فرمایا: حضور علیہ السلام فجر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ جب آدمی اس سے فارغ ہو کر پلٹتا اور اپنے ساتھ والے کو دیکھتا جسے وہ پہلے سے جانتا تھا تو اسے پہچان لیتا (کہ یہ فلاں ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ۶۰ سے ۱۰۰ تک آیات تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح:

"لایحب النوم قبلها" یعنی عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو ناپسند فرماتے تھے، اس لئے کہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے، اکثر علماء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، بعض حضرات نے اس کو جائز کہا ہے، چنانچہ ابن عمرؓ عشاء کی نماز سے پہلے سو جاتے تھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور نماز فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو تو سونا مکروہ نہیں ہے۔ عشاء کے بعد فضول باتیں کرنا مکروہ ہے، ہاں علمی اور دینی باتیں جائز ہیں، کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

"بالستین الی الماۃ" آیتوں کے بتلانے کا مقصود بھی یہی ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع ہوتی تھی ورنہ اسفار میں اتنی آیات کا پڑھنا مشکل ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت روانی کے ساتھ حدر میں ہوتی تھی تو کم وقت میں زیادہ آیتیں ہو جاتی تھیں۔ یہ مصری لہجہ نہیں تھا جس کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہر حال اس روایت سے امام محمد اور امام طحاوی کے مسلک کو فائدہ ہو سکتا ہے کہ نماز کو غلس میں شروع کرو اور اسفار میں ختم کرو۔

۱۴۱۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَرْزَةَ،

يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَالِي بَعْضَ تَأْخِيرِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، وَكَانَ لَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا، وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ لَقِيتُهُ مَرَّةً أُخْرَى، فَقَالَ: أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کو نصف اللیل تک مؤخر کرنے کی پروانہ فرماتے تھے۔ (کیونکہ اس کا مستحب وقت تاخیر ہی ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ شعبہ (روای) کہتے ہیں کہ میں ایک بار پھر کبھی ان (سیار) سے ملا تو انہوں نے (نصف اللیل کے بجائے) ثلث اللیل کہا۔

۱۴۱۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَمْرٍو الْكَلْبِيُّ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ أَبِي الْمِنْهَالِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيَّ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَيَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا، وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنَ الْمِائَةِ إِلَى السِّتِّينَ، وَكَانَ يَنْصَرِفُ حِينَ يَعْرِفُ بَعْضُنَا وَجْهَ بَعْضٍ

حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر فرماتے تھے اور اس سے قبل سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور فجر کی نماز میں ۱۰۰ سے لے کر ۶۰ آیات تک تلاوت فرماتے اور نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے کہ ہم ایک دوسرے کے چہرہ کو پہچان لیتے تھے۔

تشریح:

"ویکرہ النوم قلبها" یہ حکم عشاء کے ساتھ متعلق ہے، کیونکہ عشاء نیند کا وقت ہے، روایات میں عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو منع فرمایا ہے، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ نماز عشاء سے پہلے سونا حرام ہے، لیکن احناف کے ہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر نماز کا وقت داخل نہیں ہوا ہے تو اس سے پہلے سونا منع نہیں ہے اور اگر وقت داخل ہوگیا ہے تو اگر جگانے کا مکمل انتظام کوئی نمازی کرتا ہے تو ان کیلئے سونا جائز ہے اور اگر جگانے کا انتظام نہیں ہے اور نیند اس طرح غالب ہے کہ نماز کے وقت کے نکلنے کا خطرہ ہے تو پھر نیند جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ (کذافی المرقات)

باب کراهة تاخير الصلوة عن وقتها المختار

مستحب اوقات سے نماز کو مؤخر کرنا مکروہ ہے

اس بات میں امام مسلمؒ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۴۱۴۔ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، وَأَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ

لِي رَسُولُ اللهِ: كَيْفَ أَنْتَ إِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أُمَرَاءُ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا؟ - أَوْ - يُمِيتُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا؟ قَالَ: قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي؟ قَالَ: صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ أَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ، فَصَلِّ، فَإِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ خَلَفٌ: عَنْ وَقْتِهَا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام ہوں گے کہ وہ نماز کو وقت سے مؤخر کریں گے یا نماز کو برباد کریں گے وقت نکال کر؟ میں نے عرض کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ (ایسے وقت جب حکمران نمازیں مؤخر کرنے لگیں) تو تم نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا پھر اگر ان (حکمرانوں) کے ساتھ بھی پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو پھر پڑھ لینا کہ وہ (دوسری) نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی اور خلف راوی نے عَنْ وَقْتِهَا کا لفظ بیان نہیں کیا۔

تشریح:

"یؤخرون الصلوٰۃ"

ممنوع اوقات کا بیان

احادیث مقدسہ میں جن اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے وہ کل پانچ اوقات ہیں، لیکن دو کی حیثیت الگ نوعیت کی ہے اور تین کی حیثیت الگ نوعیت کی ہے، سمجھنے کی سہولت کی غرض سے میں اول الذکر دو وقتوں کو قسم اول کے نام سے اور ثانی الذکر تین وقتوں کو قسم ثانی کے نام سے یاد کروں گا۔

چنانچہ قسم اول کے دو وقت یہ ہیں (۱) عصر کی نماز پڑھنے کے بعد سے غروب آفتاب تک (۲) فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد سے طلوع آفتاب تک۔

قسم ثانی کے تین وقت یہ ہیں (۱) ابتداء طلوع آفتاب سے لے کر سورج کے زرد رہنے تک وقت مکروہ ہے، جب زردی ختم ہو جائے اور سورج میں تیزی آجائے تو پھر مکروہ وقت نہیں رہے گا۔ (۲) نصف النہار کا وقت مکروہ ہے (۳) عصر کے وقت آفتاب زرد ہونے سے لے کر غروب آفتاب تک وقت مکروہ ہے۔ مختصر الفاظ میں اس کو طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء الشمس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قسم اول کے دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے ممانعت اور روکنے والی احادیث متواتر ہیں جرح وتعدیل کے علماء اور محدثین نے ان کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ (معارف السنن)

قسم ثانی کے اوقات میں نہی اور ممانعت کی احادیث صحیح تو ہیں، لیکن متواتر نہیں ہیں

ممنوعہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم

شوافع وحنابلہ کے نزدیک قسم اول اور قسم ثانی اوقات کا حکم ایک جیسا ہے، کوئی فرق نہیں ہے، وہ حکم یہ ہے کہ ان اوقات میں فرائض مطلقاً جائز ہیں اور نوافل ذوات السبب بھی جائز ہیں، البتہ نوافل غیر ذوات السبب جائز نہیں ہیں۔ نوافل ذوات السبب وہ ہیں جن کیلئے سبب

جدید پیدا ہوا مثلاً تحیة المسجد، تحیة الوضوء، صلوة الکسوف اور صلوة استسقاء یہ سب نوافل جدید سبب کے پیدا ہونے کی وجہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ جن نوافل کیلئے کوئی جدید سبب یا جدید باعث یا کوئی علت اور وجہ نہ ہو، وہ غیر ذوات السبب ہیں، ان کا پڑھنا ان ممنوعہ اوقات میں جائز نہیں ہے۔

مالکیہ حضرات کے نزدیک ان ممنوعہ اوقات میں فرائض پڑھنا جائز ہے، لیکن نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ائمہ احناف نے ان مکروہ اوقات کی دونوں قسموں میں فرق کیا ہے، ان کے نزدیک قسم اول میں فرائض جائز ہیں، نوافل جائز نہیں ہیں۔ اور قسم ثانی میں تینوں اوقات میں نہ نوافل جائز ہیں نہ فرائض جائز ہیں، بلکہ کسی قسم کی کوئی نماز جائز نہیں اور اگر کوئی شخص ان اوقات میں نفل پڑھے گا تو کراہت تحریمیہ کے ساتھ ادا ہوگی، بلکہ نفل میں شروع کرنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ اس کو توڑ دے اور دوسرے وقت میں اس کی قضاء کرے اور اگر کوئی شخص ان تین اوقات میں کوئی فرض یا واجب پڑھے گا تو وہ باطل ہو جائے گا۔ ہاں چند چیزیں اس کے حکم سے مستثنیٰ ہیں (۱) غروب آفتاب کے وقت اسی دن کی عصر کی نماز اگر رہ گئی ہے تو وہ پڑھ سکتا ہے۔ (۲) اگر ان اوقات میں نماز جنازہ سر پر آگئی تو پڑھی جاسکتی ہے (۳) اگر ان اوقات میں سجدہ تلاوت لازم ہو گیا تو اس کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

وجہ فرق:

حنفیہ نے قسم اول اور قسم ثانی کے اوقات میں جو فرق کیا ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قسم ثانی کے تینوں اوقات میں نماز پڑھنے سے نہی کی علت ان اوقات میں نقص اور خامی کا وجود ہے کہ یہ اوقات ناقص ہیں ان کی ذات میں خامی ہیں لہٰذا ان میں ہر قسم کی نماز وغیرہ جائز نہیں لیکن قسم اول کے دو اوقات میں ذاتی نقص اور خامی نہیں ہے، بلکہ کسی خارجی وجہ سے اس میں ممانعت آئی ہے اور وہ خارجی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اوقات بہت افضل و اعلیٰ ہیں، اس لئے شریعت نے ان کو فرائض کے ساتھ مختص کر دیا ہے تا کہ یہ دونوں وقت مشغول بحق الفرض رہیں اور نوافل کی اس میں دخل مداخلت نہ ہو، اس لئے نوافل جائز نہیں، فرائض جائز ہیں، اس تفصیل اور قواعد سے مکروہ اوقات کے اکثر مسائل حل ہو جائیں گے۔

۱۴۱۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ يُمِيتُونَ الصَّلَاةَ، فَصَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ صَلَّيْتَ لِوَقْتِهَا كَانَتْ لَكَ نَافِلَةً، وَإِلَّا كُنْتَ قَدْ أَحْرَزْتَ صَلَاتَكَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''اے ابوذر! میرے بعد عنقریب ایسے امراء ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کرتے ہوں گے (ایسی صورت میں) تم نمازوں کو وقت پر ادا کرنا۔ اگر تم نے نماز کو وقت پر ادا کر لیا (اور حکام کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنی پڑی) تو وہ تمہارے لئے نفل ہو جائے گی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو کم از کم تم نے اپنی نماز کی تو حفاظت کر ہی لی۔

۱۴۱۶۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ، وَأَنْ

أُصَلِّيَ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ أَدْرَكْتَ الْقَوْمَ وَقَدْ صَلَّوْا كُنْتَ قَدْ أَحْرَزْتَ صَلَاتَكَ، وَإِلَّا كَانَتْ لَكَ نَافِلَةً

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل اور دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں اپنے حاکم کی سنوں اور اطاعت کروں اگر چہ وہ لنگڑا لولا غلام ہی کیوں نہ ہو اور مجھے وصیت فرمائی کہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کروں اور فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو بعد میں نماز پڑھتا ہوا پاؤ تو تم نے تو اپنی نماز کی پہلے ہی حفاظت کر لی ہے ورنہ (اگر ان کے ساتھ بھی پڑھ لی) تو دوسری تمہارے لئے نفل ہی ہو جائے گی۔

تشریح:

"مجدع الاطراف" یعنی ایسا غلام ہو جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں، مثلاً ناک کان ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، پھر بھی اس کی اطاعت کروں، جبکہ وہ مجھے کتاب اللہ کے مطابق چلا رہا ہو۔ یہ تفصیل دیگر روایات کے پیش نظر ہے۔

سوال: یہاں ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ غلام کی حکومت تو جائز نہیں ہے، یہاں غلام کو بادشاہ تسلیم کر کے اس کی اطاعت کی تاکید کیسے کی گئی ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا غلام ہے جس نے زبردستی کے ساتھ حکومت پر قبضہ جمایا ہو، جس کو مستغلب کہتے ہیں، جس طرح مصر پر کافروں نے غلبہ حاصل کیا تھا، اب اگر یہ شریعت کے مطابق حکومت کر رہا ہو تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطور فرضی ہے کہ فرض کر لو اگر ایک خسیس غلام بھی تم پر بادشاہ بن جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو، گویا یہ اطاعت کرنے میں مبالغہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"وان اصلی لوقتها" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مستحب وقت میں جماعت سے الگ نماز پڑھوں تاکہ وقت مستحب کی فضیلت مجھے مل جائے۔

"فان أدركت" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور وصیت فرمایا کہ اگر تجھے جماعت کے ساتھ نماز نہیں ملی تو خیر ہے، کیونکہ تم نے اپنی نماز اور فضیلت حاصل کر لی ہے، اب اگر تمہیں قوم کے ساتھ جماعت کا موقع ملا تو ان کی جماعت میں شریک ہو جاؤ، یہ نماز تمہارے لئے نفل بن جائے گی۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ اس شخص نے جو ایک وقت میں دو نمازیں پڑھ لیں تو ان میں سے کونسی نماز فرض شمار ہوگی اور کونسی نماز نفل شمار ہوگی؟

جواب: اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس شخص کی پہلی نماز فرض میں شمار ہوگی اور دوسری نماز نفل میں شمار ہوگی، زیر بحث حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ دوسری نماز نفل ہوگی، یہی احناف اور اکثر فقہاء کا مسلک ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دو نمازوں میں جو نماز اکمل و کامل طور پر پڑھی گئی ہے، وہی فرض ہوگی۔

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں فرض میں شمار ہوں گی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ جس کو فرض میں قبول کرے وہی فرض ہوگی اور جس کو نفل میں قبول کرے وہ نفل ہوگی، بندے کو اس میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: یہاں ایک اور سوال ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں فرض پڑھنے کے بعد تمام اوقات میں نفل پڑھنے کا حکم ہے تو کیا عصر اور فجر اور مغرب کے پڑھنے کے بعد بھی نفل پڑھیں گے، حالانکہ عصر و فجر کے بعد نماز پڑھنا منع ہے اور مغرب میں تین رکعات نفل کا تصور نہیں ہے؟

جواب: علامہ نوویؒ نے تو شوافع کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے نزدیک مطلق حدیث کو دیکھنا ہوگا تو پانچوں نمازوں میں فرائض کے بعد نفل پڑھنا جائز ہے اور یہاں حدیث مطلق ہے، جس کا حکم یہی ہے کہ تمام نمازوں میں تم ایسا کر سکتے ہو، ملا علی قاریؒ نے احناف کی وکالت کرتے ہوئے مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ظہر اور عشاء کی دو نمازوں پر محمول ہے کہ آدمی ان میں شامل ہو کر نفل پڑھ سکتا ہے، اس کے علاوہ فجر اور عصر میں شریک نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ فجر و عصر کے بعد نفل جائز نہیں ہے اور مغرب میں تین رکعات نفل کا تصور نہیں ہے، کیونکہ تین رکعت نفل کسی کے ہاں نہیں ہے، اگر اس کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اضافہ کیا گیا تو یہ امام کی مخالفت ہے، اس نے تین رکعات پڑھیں اور مقتدی چار پڑھتا ہے، یہ بہت نامناسب ہے، بعض شوافع نے بھی یہی قول کیا ہے، بہر حال حدیث مطلق ہے اور اس میں جواز کی صراحت ہے، اس لئے آخر میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی تصریح کے پیش نظر یہاں ایک مجبوری آگئی، لہٰذا مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے کراہت ختم ہو جائے گی تو پڑھنا جائز ہو گیا۔ (فتح الملہم)

یہ فیصلہ اچھا ہے، کیونکہ اس سے افتراق و انتشار ختم ہو جائے گا اور ظالم بادشاہوں کے غیظ و غضب سے بھی آدمی محفوظ رہ جائے گا۔

۱۴۱۷۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ بُدَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَضَرَبَ فَخِذِي: كَيْفَ أَنْتَ إِذَا بَقِيتَ فِي قَوْمٍ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا؟ قَالَ: قَالَ: مَا تَأْمُرُ؟ قَالَ: صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، ثُمَّ اذْهَبْ لِحَاجَتِكَ، فَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَأَنْتَ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلِّ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب تم ایسے لوگوں میں رہ جاؤ گے جو نمازوں کو وقت سے مؤخر کرتے ہوں گے؟ انہوں نے عرض کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ (اس بارے میں) فرمایا: تم نماز کو اس کے وقت پر ادا کر کے اپنے کام کو چلے جانا۔ پھر اگر نماز کھڑی ہو جائے تو تم مسجد ہو تو پڑھ لیا کرنا۔

تشریح:

"وضرب فخذی" یعنی ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کرتے ہوئے توجہ دلانے کیلئے میری ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا۔

"کیف انت" یعنی تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم پر ایسا حاکم مسلط ہوگا جو نمازوں میں تاخیر کرے گا اور اوقات مستحب سے ان کو مؤخر کر کے پڑھے گا اور تم اس کی مخالفت پر قدرت نہیں رکھو گے، اگر اس کے ساتھ نماز پڑھو گے تو مستحب وقت کی فضیلت سے محروم ہو جاؤ گے اور اگر اس کی مخالفت کر کے الگ نماز پڑھو گے تو اس کی طرف سے نقصان پہنچنے کا خطرہ بھی ہوگا اور جماعت کی فضیلت سے بھی

محروم ہو جاؤ گے۔

"اذھب لحاجتک" یعنی مسجد میں نماز پڑھ کر اپنے کام پر چلے جاؤ یعنی اگر اس دوران مسجد میں جماعت کیلئے اقامت پڑھی گئی تو پھر مسجد سے نہ جاؤ بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھ لو، یہ حدیث "مسلسل بضرب الفخذ" ہے، اس میں ران پر ہاتھ مارنے کا تسلسل ہے، ان روایات میں "یمیتون" کا جملہ ہے، مراد یہ کہ نماز کو اتنا مؤخر کریں گے گویا اس کو مار دیں گے، اب بے روح نماز پڑھیں گے۔

١٤١٨۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ، قَالَ: أَخَّرَ ابْنِ زِيَادٍ الصَّلاَةَ، فَجَاءَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّامِتِ، فَأَلْقَيْتُ لَهُ كُرْسِيًّا، فَجَلَسَ عَلَيْهِ، فَذَكَرْتُ لَهُ صَنِيعَ ابْنُ زِيَادٍ، فَعَضَّ عَلَى شَفَتِهِ، وَضَرَبَ فَخِذِي، وَقَالَ: إِنِّي سَأَلْتُ أَبَا ذَرٍّ كَمَا سَأَلْتَنِي، فَضَرَبَ فَخِذِي كَمَا ضَرَبْتُ فَخِذَكَ، وَقَالَ: إِنِّي سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَأَلْتَنِي، فَضَرَبَ فَخِذِي كَمَا ضَرَبْتُ فَخِذَكَ، وَقَالَ: صَلِّ الصَّلاَةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ أَدْرَكَتْكَ الصَّلاَةُ مَعَهُمْ فَصَلِّ، وَلاَ تَقُلْ إِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ فَلاَ أُصَلِّي۔

ابو العالیہ البراء کہتے ہیں کہ ایک روز ابن زیاد نے نماز کو مؤخر کر دیا عبداللہ بن صامتؓ میرے پاس آئے۔ میں نے ان کیلئے کرسی ڈال دی وہ اس پر بیٹھ گئے تو میں نے ان سے ابن زیاد کی تاخیر کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے غصہ کے مارے اپنے ہونٹ کاٹ ڈالے اور میری ران پر ہاتھ مار کر کہنے لگے کہ میں نے بھی ابوذرؓ سے اسی بارے میں فرمایا تھا کہ میں (ابوذرؓ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا جس طرح تم نے سوال کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی میری ران پر مارا تھا جیسے میں نے تمہیں مارا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا پھر اگر ان کے ساتھ بھی پڑھنا پڑ جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا اور یہ مت کہنا کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں اس لئے اب نہیں پڑھوں گا (کیونکہ وہ تمہیں اذیت دے سکتے ہیں)

١٤١٩۔ وَحَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّصْرِ التَّيْمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي نَعَامَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ أَوْ قَالَ كَيْفَ إِذَا بَقِيْتَ فِي قَوْمٍ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلاَةَ عَنْ وَقْتِهَا فَصَلِّ الصَّلاَةَ لِوَقْتِهَا ثُمَّ إِنْ أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَصَلِّ مَعَهُمْ فَإِنَّهَا زِيَادَةُ خَيْرٍ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم ایسے لوگوں میں باقی رہ جاؤ گے کہ جو نماز کو موخر کرتے ہوں گے وقت سے؟ نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا۔ پھر اگر نماز کھڑی ہو جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا کہ یہ نیکی میں ہی اضافہ ہے۔

١٤٢٠۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ مَطَرٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ، قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ: نُصَلِّي يَوْمَ الْجُمُعَةِ خَلْفَ أُمَرَاءَ فَيُؤَخِّرُونَ الصَّلاَةَ، قَالَ: فَضَرَبَ فَخِذِي ضَرْبَةً أَوْجَعَتْنِي، وَقَالَ: سَأَلْتُ أَبَا ذَرٍّ، عَنْ ذَلِكَ فَضَرَبَ فَخِذِي، وَقَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: صَلُّوا الصَّلاَةَ لِوَقْتِهَا، وَاجْعَلُوا صَلاَتَكُمْ مَعَهُمْ نَافِلَةً، قَالَ: وَقَالَ عَبْدُ اللهِ:

ذُكِرَ لِي أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فَخِذَ أَبِي ذَرٍّ

ابوالعالیہ البراء کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہؓ بن صامت سے کہا ہم جمعہ کی نماز حکام وامراء کے پیچھے پڑھتے ہیں اور وہ نماز میں بہت تاخیر کرتے ہیں۔انہوں نے میری ران پر اس طرح مارا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی اور فرمایا میں نے اس بارے میں ابوذرؓ سے پوچھا تو انہوں نے بھی میری ران پر مارا تھا اور کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا اور ان امراء کے ساتھ بھی نفل کی نیت سے نماز پڑھنا۔عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ بھی ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوذرؓ کی ران پر مارا تھا۔

باب فضل صلوٰة الجماعة و بيان الوعيد عن التخلف عنها

نماز باجماعت کی فضیلت اور اس سے پیچھے رہنے پر شدید وعید

اس باب میں امام مسلمؒ نے چودہ احادیث کو بیان کیا ہے

۱۴۲۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جماعت کی نماز تنہا نماز سے ۲۵ درجہ زیادہ اجر رکھتی ہے''

تشریح:

''صلوٰة الجماعة''

نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت

قال الله تعالیٰ ﴿واركعوا مع الراكعين﴾

لیلۃ المعراج میں جب نماز فرض ہوئی تو دن کے وقت حضرت جبرائیل آگئے اور ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی، نماز باجماعت کی مشروعیت کب ہوئی، اس میں علماء کی دو رائے ہیں، علماء کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ جماعت سے نماز کی مشروعیت مکہ میں ہوئی، لیکن دوسرے طبقے کا خیال ہے کہ اس کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی، اصل حقیقت انشاء اللہ اس طرح ہے کہ جماعت کی مشروعیت تو مکہ ہی میں ہوئی، جس پر حدیث امامت جبریل دلالت کر رہی ہے، لیکن جماعت کا ظہور اور اس پر مداومت اور مواظبت مدینہ منورہ میں ہوئی، کیونکہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے مکہ میں کھل کر جماعت کرانا آسان کام نہیں تھا۔

جماعت کی فضیلت اور اس کی ترغیب وترہیب میں اتنی کثیر تعداد میں احادیث ہیں کہ اگر سب کو یک جا کیا جائے تو ایک بڑا خزانہ تیار ہوسکتا

ہے۔اس باب کے تحت وہی احادیث نقل کی گئی ہیں، جن سے جماعت کی فضیلت، تاکید اور مسائل وفضائل کا علم حاصل ہوتا ہے۔
ان کثیر احادیث کے دیکھنے کے بعد آسانی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت کیلئے جماعت کی کتنی بڑی اہمیت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں دو آدمیوں کا سہارا لے کر مشقت اٹھائی اور جماعت کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے، نماز جب فرض ہوئی تو پہلی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی گئی، یہ بھی جماعت کی اہمیت کی علامت ہے۔

جماعت فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے؟

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مردوں کیلئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے کئی گنا افضل ہے اور بغیر شرعی عذر جماعت ترک کرنا بری بات ہے۔اس بات پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ بعض ایسے اعذار ہیں جن کی وجہ سے جماعت ترک کرنا جائز ہے، تمام فقہاء نے اپنے اپنے فقہی انداز سے یہ اعذار لکھے ہیں، لیکن اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس وقت جماعت کا حکم کیا ہے، آیا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے، اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع کا مختار اور اصح قول یہ ہے کہ فرض نماز کیلئے جماعت فرض کفایہ ہے، محققین شوافع اسی کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن شوافع کا مشہور قول یہ ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے، امام مالکؒ کے ہاں جماعت سنت ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض عین ہے، لیکن نماز کے لئے شرط نہیں ہے، لہٰذا تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز ہو جائے گی، مگر گناہ گار ہوگا، اہل ظواہر کے نزدیک فرض نماز کے لئے جماعت کرنا شرط کے درجہ میں ہے، اگر بغیر عذر کسی نے جماعت کے بغیر نماز ادا کی تو نماز نہیں ہوگی۔
ائمہ احناف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے بارے میں ان کے ہاں دو قول ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ جماعت واجب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے، وجوب کا قول راجح ہے، چنانچہ مشہور حنفی محقق علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے کہ جماعت واجب ہے اور اس پر سنت کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے، یعنی خود جماعت سنت نہیں، بلکہ اس کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہوا ہے، بعض احناف نے سنت کا فتویٰ دیا ہے، متقدمین احناف سنت کے قائل ہیں۔

محاکمہ:

اس طویل اختلاف اور متفرق اقوال کی وجہ کیا ہے، اس بارے میں حضرت علامہ شاہ انور شاہ کاشمیریؒ اس طرح محاکمہ اور فیصلہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے، مآل کے اعتبار سے اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ احادیث میں جماعت سے نماز نہ پڑھنے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ اذان سننے کے بعد جماعت میں حاضر نہ ہونے والے کی نماز نہیں ہوتی، بعض میں یہ ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز جماعت کے بغیر صحیح نہیں۔
ادھر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں کافی نرمی ہے کہ ذرا سی بارش ہو جائے تو نماز گھروں میں پڑھنا چاہئے۔ کھانے کا

زیادہ تقاضا ہو تو جماعت چھوڑ کر کھانا کھانے کی اجازت ہے لہٰذا جن حضرات نے تشدید وتغلیظ اور تہدید و وعید کو دیکھا تو انہوں نے جماعت کو فرض کہہ دیا یا نماز کی صحت کیلئے شرط قرار دیا اور جن حضرات نے نرم پہلو کو دیکھا انہوں نے سنت کا فیصلہ سنادیا اور جنہوں نے دونوں جانبوں کو دیکھا انہوں نے واجب یا سنت مؤکدہ کا حکم لگادیا، اس طرح یہ اختلاف رونما ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان زمین پر نہیں گرا، کسی نہ کسی نے کوئی نہ کوئی فرمان سینہ سے لگادیا اور کہہ دیا۔

عباراتنا شتیٰ و حسنك واحد　　　و كل الی ذاك الجمال يشير

گلہائے رنگارنگ سے ہے رونق چمن　　　اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

جماعت کے فوائد

محقق اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جماعت کے بہت فوائد بیان فرمائے ہیں، تکمیل فائدہ کیلئے ان میں سے چند کا ذکر حاضر خدمت ہے، لیکن بعینہ الفاظ نہیں بلکہ خلاصہ ہے۔

(۱) جماعت کی وجہ سے نماز جیسی عظیم عبادت بطور رسم تام اور رواج عام، مزاجوں کا حصہ بن جائے گی، جس کا چھوڑنا آسان نہیں ہوگا۔

(۲) عوام الناس اور خواص ایک دوسرے کے سامنے نماز ادا کریں گے، علماء ہوں گے، وہ عوام کی غلطیوں کو دیکھ کر اصلاح کریں گے اور جو لوگ نماز کے مسائل نہیں سمجھتے، وہ دیکھ کر یا سن کر سیکھ لیں گے۔

(۳) بے نمازی بے نقاب ہو جائیں گے کیونکہ جو مسجد میں جماعت میں نہیں ہے سمجھ لو وہ نمازی نہیں۔

(۴) اجتماعی دعا بحضور رب تعالیٰ عظیم اثر رکھتی ہے، جماعت سے یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔

(۵) جماعت میں عظیم الشان اتحاد کا مظاہرہ ہے اور بڑی شوکت اسلام ہے۔

(۶) ہر شخص کو دوسرے مجبور مسلمان کی حالت زار اور درد کا علم ہو جائے گا تو مدد کرے گا۔

(۷) جماعت میں عظیم الشان مساوات ہے کہ شاہ وگدا ایک صف میں ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　　نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ترک جماعت کے چند اعذار

دین اسلام رحمت کا دین ہے، اس میں زحمت نہیں ہے، جہاں کوئی عذر ہے وہاں رخصت ہے، چند اعذار کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اگرچہ فہرست بہت لمبی ہے۔

(۱) شدید بارش کا ہونا (۲) راستوں میں کیچڑ کا ہونا۔ (۳) بدن پر ستر کا کپڑا نہ ہونا۔ (۴) شدید سردی کا ہونا جس سے بیماری لگنے یا بڑھنے کا خطرہ ہو۔ (۵) راستوں میں جان کے دشمن کا خطرہ ہونا۔ (۶) مسجد جانے سے پیچھے مال واسباب کے چوری کا خطرہ ہونا۔ (۷) رات کے وقت میں شدید اندھیرے کا ہونا۔ (۸) کسی مکان وسامان کی چوکیداری کرنا۔ (۹) کسی مریض کی تیمارداری کرنا۔ (۱۰) شدید پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا ہونا۔ (۱۱) سفر کے دوران قافلے سے بچھڑنے کا خطرہ ہونا۔ (۱۲) درس وتدریس میں ایسا مشغول ہونا

کہ ذرا فرصت نہ ہو، مگر یہ عذر کبھی کبھی ہو ہمیشہ نہ ہو۔ (۱۳) اتنا بیمار ہونا کہ چلنے پر قدرت نہ رہے یا نابینا ہونا۔ (۱۴) کھانا تیار ہونا اور اس کے خراب ہونے کا خطرہ ہونا اور شدید بھوک کا احساس ہونا۔

تنہا نماز اور جماعت کی نماز میں ثواب کا فرق

"بخمس وعشرين درجة" حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب ۲۵ درجہ معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ کی روایتوں میں جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب ۲۷ درجہ بتایا گیا ہے جو بظاہر تعارض ہے۔

جواب:

اس سوال اور اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ اعداد میں تعارض نہیں ہوتا، کیونکہ عدد اکثر عدد اقل کی نفی نہیں کرتا ہے، بلکہ عدد اقل عدد اکثر کے ضمن میں ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۲۵ درجہ کا انعام تھا پھر انعام بڑھ کر ۲۷ درجہ تک پہنچ گیا۔

تیسرا جواب یہ کہ یہ تفاوت کثرت جماعت اور قلت جماعت کی وجہ سے ہے، ظاہر ہے ایک لاکھ انسانوں کا مجمع ہو ان کی جماعت کی شان ہی اور ہوگی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ تفاوت درجات امکنہ کی وجہ سے ہے، یعنی دور دور سے اکھٹے ہو کر جماعت کرلی یہ اس جماعت سے افضل ہے جو قریب قریب سے اکھٹے ہو گئے (یہ مریض جواب ہے)

پانچواں جواب یہ ہے کہ درجات کا یہ فرق اور تفاوت اشخاص اور ان کے اخلاص کی وجہ سے ہے، ظاہر ہے کسی مسجد میں صرف طلباء اور صلحاء کی جماعت ہو وہ اور شان کی ہوتی ہے اور جہاں اخلاط الناس کی جماعت ہو وہ اور درجہ کی ہوتی ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جماعت کی یہ فضیلت ہر مکان کی جماعت کیلئے ہے، مسجد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ عصر اور فجر میں ۲۷ درجہ کا ثواب ہے باقی نمازوں میں ۲۵ درجہ کا ثواب ہے یا عشاء اور جمعہ کی نماز میں ۲۷ درجہ کا ثواب ہے باقی میں ۲۵ درجہ ثواب ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۲۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: تَفْضُلُ صَلَاةٌ فِي الْجَمِيعِ عَلَى صَلَاةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ خَمْسًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً قَالَ: وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ، وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اقْرَئُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [الإسراء:۷۸]

حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جماعت کی نماز آدمی کی تنہا نماز سے ۲۵ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور رات کو فرشتے اور دن کے فرشتے سب فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں'' ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یہاں پر یہ آیت پڑھنا چاہو تو پڑھو وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا یعنی فجر میں قرآن

کا پڑھنا بے شک فجر کا پڑھنا حاضر ہونے کا وقت ہے فرشتوں کا۔

١٤٢٣ـ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ، وَأَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ بِمِثْلِ حَدِيثِ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جماعت کی نماز تنہا نماز سے ۲۵ درجہ زیادہ اجر رکھتی ہے۔''

١٤٢٤ـ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا أَفْلَحُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ سَلْمَانَ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَعْدِلُ خَمْسًا وَعِشْرِينَ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ نماز کہ امام کے ساتھ پڑھی جائے تنہا پڑھی جانے والی نماز سے پچیس گنا اجر رکھتی ہے۔''

١٤٢٥ـ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ عَطَاءِ بْنِ أَبِي الْخُوَارِ أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ جَالِسٌ مَعَ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ إِذْ مَرَّ بِهِمْ أَبُو عَبْدِ اللهِ خَتَنُ زَيْدِ بْنِ زَبَّانَ، مَوْلَى الْجُهَنِيِّينَ، فَدَعَاهُ نَافِعٌ، فَقَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةٌ مَعَ الْإِمَامِ أَفْضَلُ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً يُصَلِّيهَا وَحْدَهُ

عمر بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نافع بن جبیر بن مطعمؒ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ابو عبداللہ کا وہاں سے گزر ہوا تو نافع نے انہیں بلایا اور کہا کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امام کیساتھ ایک نماز پڑھ لینا تنہا پچیس نمازیں پڑھنے سے زائد فضیلت رکھتا ہے۔

١٤٢٦ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس (۲۷) درجہ افضل ہے۔

١٤٢٧ـ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ وَحْدَهُ سَبْعًا وَعِشْرِينَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جماعت کی نماز تنہا نماز سے ۲۷ درجہ زیادہ اجر والی ہوتی ہے۔''

١٤٢٨ ۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ: بِضْعًا وَعِشْرِينَ، وقَالَ أَبُو بَكْرٍ فِي رِوَايَتِهِ: سَبْعًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً،

ابن عمیرؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بیس سے زائد درجہ زیادہ اجر رکھتی ہے، جبکہ ابو بکر نے اپنی روایت میں فرمایا کہ ۲۷ درجہ بیان کیا ہے۔

١٤٢٩ ۔ وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ رَافِعٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بِضْعًا وَعِشْرِينَ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جماعت کی نماز تنہا نماز سے) بیس سے زائد درجہ اجر رکھتی ہے۔''

١٤٣٠ ۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدَ نَاسًا فِي بَعْضِ الصَّلَوَاتِ، فَقَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنْهَا، فَآمُرَ بِهِمْ فَيُحَرِّقُوا عَلَيْهِمْ، بِحُزَمِ الْحَطَبِ بُيُوتَهُمْ، وَلَوْ عَلِمَ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَظْمًا سَمِينًا لَشَهِدَهَا يَعْنِي صَلَاةَ الْعِشَاءِ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو چند نمازوں میں غیر حاضر پایا تو ارشاد فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر ایسے لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت سے کوتاہی کرتے ہیں پھر میں ان کیلئے حکم دوں کہ لکڑیوں کے گٹھے جمع کر کے ان کے گھروں کو آگ لگادی جائے حالانکہ تم میں سے اگر کسی کو یہ علم ہو جائے کہ اسے (مسجد میں حاضر ہونے پر) ایک فربہ (گوشت سے بھری ہوئی) ہڈی ملے گی تو ضرور عشاء کی نماز میں حاضر ہو جائے (لیکن نماز کیلئے حاضر نہیں ہوتا)

١٤٣١ ۔ وحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَاللَّفْظُ لَهُمَا، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ، وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ، فَتُقَامَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِنْ حَطَبٍ إِلَى قَوْمٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے

زیادہ بھاری ہے اگر یہ لوگ جان لیتے کہ ان دونوں نمازوں میں کیا کچھ (اجر وثواب) ہے تو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آتے اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ جماعت کا حکم دوں اور وہ کھڑی کی جائے پھر میں کسی کو (لوگوں کو امامت کا) حکم دوں تو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں چند مردوں کو جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھے ہوں لے کر ان لوگوں کی طرف چلوں جو نماز کیلئے (جماعت میں) حاضر نہیں ہوتے پھر میں ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔

۱۴۳۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَانِي أَنْ يَسْتَعِدُّوا لِي بِحُزَمٍ مِنْ حَطَبٍ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ تُحَرَّقُ بُيُوتٌ عَلَى مَنْ فِيهَا۔

ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وہ احادیث ہیں جو حضرت ابو ہریرہؓ نے ہم سے بیان کیں پھر انہوں نے ان میں سے چند احادیث ذکر کر کے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے نو جوانوں کو حکم دوں کہ وہ لکڑیوں کے ڈھیر لگا ئیں پھر میں کسی کو حکم دوں کو لوگوں کو نماز پڑھائے پھر جو گھروں میں رہے اس کو (اس ڈھیر میں آگ لگا کر) جلادوں۔

۱۴۳۳۔ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ۔

اس سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح (میں نے ارادہ کیا کہ جو لوگ نماز کے لیے نہیں آئے، ان کو جلادوں) روایت منقول ہے۔

۱۴۳۴۔ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، سَمِعَهُ مِنْهُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے جو جمعہ کی نماز میں کوتاہی کرتے تھے، فرمایا بیشک میں نے ارادہ کیا کہ کسی کو حکم دوں کہ نماز پڑھائے لوگوں کو پھر میں ایسے لوگوں کے گھروں کو جلادوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔

۱۴۳۵۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ، كُلُّهُمْ عَنْ مَرْوَانَ الْفَزَارِيِّ، قَالَ قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْأَصَمِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ أَعْمَى، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى

الْمَسْجِدِ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَخِّصَ لَهُ، فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ، فَرَخَّصَ لَهُ، فَلَمَّا وَلَّى، دَعَاهُ، فَقَالَ: هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مسجد تک مجھے لے کر آئے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ گھر پر ہی نماز پڑھ لیا کرے۔ آپ نے اسے اجازت دے دی۔ جب وہ واپسی کیلئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور پوچھا کہ کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ (یعنی تمہارے گھر تک اذان کی آواز آتی ہے؟) اس نے کہا ہاں! فرمایا کہ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے مسجد حاضر ہوا کرو (گویا تمہیں بھی اجازت نہیں ہے کہ گھر پر نماز پڑھ لو)

۱۴۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ، أَوْ مَرِيضٌ، إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةِ، وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ۔

ابوالاحوصؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہمارا یہ خیال ہے کہ جماعت کی نماز سے ایسا منافق ہی پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق معلوم ہوگیا ہو یا مریض (جماعت سے پیچھے رہتا تھا) بلکہ مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھلائے اور انہی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسجد میں اذان ہوتی ہو اس میں نماز پڑھی جائے جماعت کے ساتھ۔

۱۴۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، عَنْ أَبِي الْعُمَيْسِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيُحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ، فَإِنَّ اللهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ، لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ يَعْمِدُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً، وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً، وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهِ يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ کل کو اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہو کر ملاقات کرے (یعنی اس کا خاتمہ ایمان پر ہو) تو اسے چاہئے کہ ان نمازوں کی حفاظت کرے جب بھی اذان دی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدایت والے طریقے مقرر فرماتے ہیں اور ان ہدایت کے

طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر تم بھی فلاں شخص کی طرح جو جماعت نکال کر گھر میں نماز پڑھتا ہے اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو چھوڑنے والے ہو گے اور اگر تم نے اپنی نبی کی سنت کو ترک کر دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ جو شخص بھی بہت اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرے پھر ان مسجدوں میں سے کسی بھی مسجد کا رخ کرے تو اللہ تعالیٰ ہر اٹھتے قدم کے بدلے ایک نیکی عطا فرماتے ہیں ایک درجہ بلند فرماتے اور ایک گناہ کو معاف فرماتے ہیں۔ اور (حضور علیہ السلام کے زمانہ میں) اپنے آپ کو دیکھتے تھے کہ کوئی جماعت سے غیر حاضر نہیں ہوتا تھا سوائے اس منافق کے جس کا نفاق سب کیلئے میں ہو اور بے شک آدمی کو مسجد میں دو آدمیوں کے درمیان گھسٹتا ہوا لایا جاتا تھا حتیٰ کہ صف کے اندر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

۱۴۳۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْمُهَاجِرِ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، قَالَ: كُنَّا قُعُودًا فِي الْمَسْجِدِ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ يَمْشِي فَأَتْبَعَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ بَصَرَهُ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَمَّا هَذَا، فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابو الشعثاءؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں موذن نے اذان دی۔ ایک شخص مسجد سے اٹھا اور چلنے لگا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کے پیچھے نظریں جما دیں حتیٰ کہ وہ مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اس شخص نے تو ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

۱۴۳۹۔ وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ هُوَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ الْمُحَارِبِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَرَأَى رَجُلًا يَجْتَازُ الْمَسْجِدَ خَارِجًا بَعْدَ الْأَذَانِ، فَقَالَ أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابو الشعثاء المحاربی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو جو اذان کے بعد مسجد سے باہر جا رہے تھا دیکھا تو میں نے سنا انہوں نے فرمایا: ''اس آدمی نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔''

۱۴۴۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ سَلَمَةَ الْمَخْزُومِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ الْمَسْجِدَ بَعْدَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، فَقَعَدَ وَحْدَهُ، فَقَعَدْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ، يَا ابْنَ أَخِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک روز مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور تنہا بیٹھ گئے میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے فرمایا اے بھتیجے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنا فرماتے ہیں: جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا وہ آدھی رات نماز میں کھڑا رہا (یعنی اسے آدھی رات عبادت کا اجر ملے گا) اور جس نے فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھی گویا اس نے پوری رات قیام کی۔

۱۴۴۱۔ وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَسَدِيُّ، ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَهْلٍ عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

حضرت عثمان بن حکیم رضی اللہ عنہ سے اسی سند کے ساتھ بھی سابقہ روایت (جس نے عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھی گویا وہ پوری رات قیام میں رہا) منقول ہے۔

۱۴۴۲۔ وَحَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، حَدَّثَنَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُفَضَّلٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ، فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَيُدْرِكَهُ فَيَكُبَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔

حضرت جندبؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے صبح کی نماز (جماعت سے) پڑھی لی وہ اللہ کے ذمہ میں آ گیا اور اللہ تعالیٰ اپنے ذمے کا مطالبہ مواخذہ نہیں کرے گا کسی سے مگر یہ کہ اسے پکڑ کر جہنم کی آگ میں اوندھے منہ جھونک دے گا (یعنی ایسے شخص کو جو بھی تنگ کریگا، تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنے ذمہ کا ایسا مواخذہ کرے گا کہ جہنم کی آگ میں ڈال دے گا)

۱۴۴۳۔ وَحَدَّثَنِيهِ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا الْقَسْرِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ، فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ، فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ، ثُمَّ يَكُبَّهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔

جندب قسریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کی حفاظت اور پناہ میں ہے سو اللہ تعالیٰ اپنی پناہ کا تم میں سے جس کسی سے بھی ذرا سا حق طلب کرے گا تو اس کو پکڑ کر سرنگوں کر کے جہنم میں ڈال دے گا۔

۱۴۴۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ جُنْدَبِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا، وَلَمْ يَذْكُرْ فَيَكُبَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔

جندب بن سفیانؓ سے حسب سابق (جس نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ کی حفاظت میں ہے......الخ) روایت نقل کرتے ہیں لیکن اس روایت میں دوزخ میں ڈالنے کا ذکر نہیں ہے۔